مکتوباتِ احمد

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے

خطوط اور مکاتیب

جلد اوّل

MAKTOOBATE AHMAD

Vol. 1

Compiled by

Sheikh Yahqoob Ali Irfani

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

پیش لفظ (ایڈیشن دوم)

انبیاء اور مرسلین اپنی اقوام کو مختلف ذرائع سے انذار اور تبشیر کرتے رہے ہیں ان میں سے ایک ذریعہ خطوط کا بھی ہے چنانچہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ سبا کے نام خط کا ذکر سورۃ النمل کی آیات ۲۹ تا ۳۱ میں ان الفاظ میں ملتا ہے۔

اِذۡہَبۡ بِّکِتٰبِیۡ ہٰذَا فَاَلۡقِہۡ اِلَیۡہِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡہُمۡ فَانۡظُرۡ مَاذَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۹﴾ قَالَتۡ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَؤُا اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ ﴿۳۰﴾ اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: یہ میرا خط لے جا اور اسے ان لوگوں کے سامنے رکھ دے پھر اُن سے ایک طرف ہٹ جا۔ پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (یہ خط دیکھ کر) اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو! میری طرف یقیناً ایک معزز خط بھیجا گیا ہے۔ یقیناً وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے: اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خطوط کے ذریعہ تبلیغ حق کا فریضہ ادا فرمایا ان میں سے قیصر روما ہرقل کے نام خط، کسریٰ شہنشاہ فارس کے نام خط، مقوقس والی مصر کے نام خط، نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط، رئیس غسان کے نام خط اور رئیس یمامہ کے نام خط قابل ذکر ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی اسلام کی تائید میں مختلف اخبارات میں خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے بعد میں یہ سلسلہ بڑھتا اور منظّم ہوتا چلا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں آپ نے ’’فتح اسلام‘‘ تحریر فرمائی اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

’’اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی

موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ **اِسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے اور ضرور تھا کہ وہ اس مہم عظیم کے روبراہ کرنے کیلئے ایک عظیم الشان کارخانہ جو ہر ایک پہلو سے مؤثر ہو اپنی طرف سے قائم کرتا۔ سواُس حکیم و قدیر نے اس عاجز کو اصلاح خلائق کے لئے بھیج کر ایسا ہی کیا اور دنیا کو حق اور راستی کی طرف کھینچنے کیلئے کئی شاخوں پر امر تائیدِ حق اور اشاعت اسلام کو منقسم کر دیا۔ چنانچہ منجملہ ان شاخوں کے**...... چوتھی شاخ اس کارخانہ کی وہ مکتوبات ہیں جو حق کے طالبوں یا مخالفوں کی طرف لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب تک عرصہ مذکورہ بالا میں نوے ہزار سے بھی کچھ زیادہ خط آئے ہونگے جن کا جواب لکھا گیا بجز بعض خطوط کے جو فضول یا غیر ضروری سمجھے گئے اور یہ سلسلہ بھی بدستور جاری ہے اور ہر ایک مہینے میں غالباً تین سَو سے سات سَو یا ہزار تک خطوط کی آمد ورفت کی نوبت پہنچتی ہے'' ۔ (فتح اسلام ۔ روحانی خزائن جلد۳ صفحہ ۱۰ تا ۲۲)

''ہم نے تو خدا کے اذن سے بادشاہان وقت کو دعوت کی یہاں تک کہ قیصرہ ہند کے ولی عہد کو اسلام کا خط لکھا۔'' ....

''اور قریب تیس ہزار کے اس دعویٰ کے دکھلانے کے لیے اشتہارات تقسیم کئے گئے اور آٹھ ہزار انگریزی اشتہار اور خطوط انگریزی رجسٹری کرا کر ملک ہند کے تمام پادریوں اور پنڈتوں اور یہودیوں کی طرف بھیجے گئے اور پھر اس پر اکتفا نہ کر کے انگلستان اور جرمن اور فرانس اور یونان اور روس اور روم اور دیگر ممالک یورپ میں بڑے بڑے پادریوں کے نام اور شہزادوں اور وزیروں کے نام روانہ کئے گئے۔ چنانچہ ان میں سے شہزادہ پرنس آف ویلز ولی عہد تخت انگلستان و ہندوستان اور گلیڈسٹون وزیر اعظم اور جرمن کا شہزادہ بسمارک ہے چنانچہ ان تمام صاحبوں کی رسیدوں سے ایک صندوق بھرا ہوا ہے''۔ (مکتوب بنام منشی مظہر حسین صاحب۔ الحکم ۲۴ راگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۶)

ان کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ملکہ وکٹوریہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور شاہ افغانستان کو بھی اپنے دعویٰ اور اسلامی جہاد کی حقیقت سے اپنے مکتوب کے ذریعہ مطلع کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا محکمہ ڈاک

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ۱۹۰۱ء کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور کی خط وکتابت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

’’خط وکتابت کا سلسلہ بہت بڑا سلسلہ ہے اور اس سے بہت لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ سلسلہ دو مدوّں میں منقسم ہے ایک تو وہ خطوط ہیں جو براہِ راست حضرت حجۃ اللہ یا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے نام آتے ہیں اور دوسرے وہ خطوط ہیں جو حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی نورالدین صاحب یا دوسرے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ ان خطوط سے ہماری مراد وہ خطوط ہیں جو حضرت اقدس کے متعلق آتے ہیں۔ حضرت اقدس کے خطوط کا جواب خداتعالیٰ کی خاص تائید سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب برابر دیتے ہیں۔ وہ خطوط جو باہر سے حضرت اقدس اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے نام سے آئے ان کی روزانہ اوسط تیس تک ہے اس انداز سے سال تمام میں قریباً بارہ ہزار خطوط آئے۔ اور ان خطوط کی اوسط روزانہ جو حضرت مولوی نورالدین صاحب یا دوسرے لوگوں کے نام **بغرض استفسار**...... حضرت اقدس آئے ۱۵ ہے یا سالانہ ۵۴۷۵ گویا ساڑھے پانچ ہزار کل تعداد قریباً **اٹھارہ ہزار**۔ اور اس قدر خطوط لکھے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس قدر لوگوں میں بذریعہ خطوط اس پاک سلسلہ کی تبلیغ پہنچی ہے‘‘۔ (الحکم ۱۴؍فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۲)

نیز تحریر فرماتے ہیں:۔

’’آج میں دوستوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے **محکمہ ڈاک** کی تاریخ سنانی چاہتا ہوں جس سے انہیں معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے خدام کے خطوط کے جواب کا کس قدر التزام رہتا تھا۔ اوائل میں جب آپ کا کوئی دعویٰ نہ تھا اور براہین احمدیہ کی تالیف میں مصروف تھے۔ اُس وقت آپ کا معمول یہ تھا کہ جو خطوط آتے اُن کا جواب **آپ خود لکھتے**۔ لکھنے کے لئے دیسی قلم اور سیاہی استعمال فرماتے اور باریک فرینچ پیپر پر خطوط کا جواب دیتے تھے۔ یہ خطوط بعض اوقات بجائے خود ایک مستقل تالیف بن جاتے تھے۔ جن میں روحانیات اور تصوف کے نہایت

باریک در باریک امور پر بحث ہوتی تھی۔ایک عرصہ تک یہی انتظام رہا پھر منشی عبداللہ سنوری اور صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی حاضر ہونے لگے تو ان سے بعض خطوط کا جواب لکھوادیا کرتے۔ رفتہ رفتہ جب سلسلہ وسیع ہوا اور خدا تعالیٰ کے اِذن اور الہام سے آپ نے اپنے دعویٰ کا اعلان کر دیا اور خطوط بھی کثرت سے آنے لگے تب بھی اکثر خطوط کا جواب خصوصاً اپنے مخلص خدام کے خطوط کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ہی قلم سے لکھا کرتے تھے بلکہ بعض دوستوں کے ساتھ تو آپ کا یہ تعلق تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک یا ان میں سے بعض کی زندگی کے آخری ایام تک اس التزام کو نبھایا کہ ان کے خطوط کا جواب خواہ ایک ہی سطر پر ہو اپنے ہی ہاتھ سے دیا کرتے۔بعض دوستوں کے متعلق نہ صرف محبت اور اخلاص کی بنا پر بلکہ احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ان کے نام کوئی کتاب یہ رسالہ یا اشتہار بھیجتے تو اپنے ہاتھ سے پیکٹ بناتے اور اپنے ہاتھ سے پتہ لکھتے اور ٹکٹ لگاتے اور رجسٹری کرا کر روانہ کرتے۔ یہ ایک مستقل مضمون ہے جو کسی قدر تفصیل سے لکھا جانے والا ہے۔اس وقت میں صرف ایک تمہیدی نوٹ کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

غرض جب دعوٰے کی عام اشاعت ہوئی اور خطوط کی کثرت ہوگئی۔آپ کی مصروفیت کی حدود سے ڈاک کا کام نکلنے لگا تو حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب، حکیم فضل دین صاحب اور کبھی کبھار میرزا خدابخش صاحب اس کام میں حصہ لیا کرتے تھے۔جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے قادیان آ گئے تو مستقلاً یہ کام ان کے سپرد ہوگیا اور ان کی اعانت کے لئے پیر افتخار احمد صاحب مقرر ہوئے۔ بیعت یا درخواست ہائے دعا یا دوسرے عام خطوط کا جواب وہ ایک خاص ہدایت کے ماتحت لکھ دیا کرتے تھے اور دوسرے بعض اہم اور خاص خطوط کا جواب حضرت مخدوم الملۃ مولانا **عبدالکریم صاحب** لکھا کرتے تھے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے زمانے کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی جو ان کے ساتھ ختم ہوگئی کہ وہ ہر ہفتے ہفتے کے تمام واقعات پر مشتمل ایک سرکلر لکھا کرتے تھے جس میں تازہ الہامات اور بعض تقریروں کے اہم اقتباسات اور ایسے امور درج ہوتے تھے جو ایمان اور

بصیرت کو بڑھایا کرتے تھے۔ یہ خطوط کبھی لاہور حضرت منشی تاج دین صاحب رضی اللہ عنہ کے نام پر ہوتے اور انہیں ہدایت ہوتی کہ پڑھ کر اور دوستوں کو سنا کر سیالکوٹ بھیج دیں یا کبھی حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کے نام ہوتے اور اسی طرح انہیں ہدایت دی جاتی۔ **حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خطوط نویسی کے اہم راز کو معلوم کر لیا تھا** جو ان کی ایمانی بصیرت اور معرفت پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہِ راست تعلقات بڑھانے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے انہوں نے جماعت کے قلوب میں یہ حقیقت پیدا کر دی تھی کہ لوگ کثرت سے خطوط لکھیں اور بار بار لکھیں۔ چونکہ دعا کے خطوط اکثر آتے تھے اس لئے حضرت مولوی عبدالکریمؓ دعا کرانے کے طریقوں پر بھی اپنے خطوط میں بحث کر جاتے تھے۔ پھر اس طریق کو اور بھی آپ نے وسیع کر دیا کہ ہفتہ وار ایک چٹھی الحکم کے ذریعہ شائع کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ کام حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب کے سپرد ہوا۔ مفتی صاحب پہلے بھی کبھی کبھار یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ مگر حضرت مخدوم الملۃ کے بعد کلیۃً ان کے سپرد یہ کام کر دیا گیا اور حضرت کی زندگی کے آخری وقت تک ان کے سپرد رہا۔

خطوط کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا جس پر اب تک جب کہ سلسلہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور خطوط کی تعداد بھی بے حد بڑھ گئی ہے اور بعض اوقات حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی صحت کا اقتضا بھی یہی ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص پڑھ کر خلاصے پیش کرے۔ مگر جو سنت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈالی تھی اُسی پر عمل ہو رہا ہے اور وہ یہ تھی کہ آپ تمام خطوط کو خود پڑھا کرتے تھے۔ خطوں کو کھولنے اور پڑھنے سے پیشتر جب ڈاک کا بنڈل آپ کے دست مبارک تک پہنچتا تو اجمالی طور پر تمام خطوط کو سامنے رکھ کر دعا کر لیتے کہ جن مقاصد اور اغراض کے لئے دوستوں نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ ان دوستوں کو ان مقاصد میں بامراد کرے۔

الفاظ کیا ہوتے تھے وہ میں نہیں کہہ سکتا مگر مفہوم یہ ہی ہوتا تھا۔ اس لئے بارہا آپ نے اپنی مجالس میں فرمایا کہ جب خطوط آتے ہیں تو میری عادت ہے کہ میں سب کے لئے دعا کر لیتا ہوں۔

پھر آپ ایک ایک خط کو کھولتے اسے پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ہی راقم الحروف کے مقاصد کے لئے دعا بھی فرماتے جاتے۔تمام خطوط پڑھ چکنے کے بعد کاتب الخطوط کے حوالے اُس وقت فرماتے جب آپ نماز ظہر میں تشریف لاتے اور جن ایام میں ڈاک ظہر کے بعد آتی تھی تو عصر کے بعد دیتے۔ چونکہ خطوط کا پلندہ آپ کے رومال سے بندھا ہوا جیب میں ہوتا تھا تو نماز میں بھی دعا فرماتے۔ وہ خطوط جب محکمہ ڈاک میں جاتے تو مغرب کی نماز سے پہلے ایک فہرست اسم وار دعا کرانے والوں کی ان خطوط کی بنا پر تیار ہوتی۔ یا اگر کسی نے کوئی درخواست دستی دی ہوتی تو اس کا نام بھی اس فہرست میں درج ہوتا۔اس طرح پر وہ فہرست پھر حضرت کی دعا کی محرک ہوتی اور آپ ان کے لئے پھر اپنی مخصوص عبادت کی گھڑیوں میں دعا فرماتے۔ان خطوط کے جواب میں لکھا جاتا کہ دعا کی گئی ہے۔خطوط کے جواب میں جب حضرت خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تو آپ کا معمول تھا کہ عام طور پر اپنے دوستوں کو حبی فی اللہ۔اخویم اور مکرمی فلاں سے خطاب فرمایا کرتے خواہ کوئی شخص عرف عام کے لحاظ سے کتنے ہی چھوٹے درجے کا ہو۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کو بھی ہمیشہ اکرام واحترام کے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے۔آپ کی عادت میں تھا ہی نہیں کہ کسی کا صرف نام لکھا کریں بلکہ کوئی تعظیمی لفظ شامل کر لیا کرتے تھے اور جمع کا صیغہ بغرض تعظیم استعمال فرماتے۔ یہ تمام امور آپ کے مکتوبات میں نمایاں ہیں جن کی کچھ جلدیں میں شائع کر چکا ہوں اور کچھ الحکم میں شائع ہو رہے ہیں اور یہ تو میں تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ مکتوبات کے مخفی خزانے کو شائع کرنے کی سعادت مجھے ہی ملی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے دوستوں سے التماس کرتا ہوں کہ جو اس مضمون کو پڑھے اگر اس کے پاس یا اس کے کسی دوست کے پاس حضرت مسیح موعود کا کوئی مکتوب ہو تو اس کی اصل یا نقل میرے پاس بھیج دیں تا کہ اُسے میں شائع کر دوں اور اس طرح پر ہم دونوں اجر عظیم کے مستحق ہونگے''۔(الحکم ۲۱؍فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۶)

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں۔

۲۱رفروری ۱۹۳۴ء کے الحکم میں عرفانی صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محکمہ ڈاک کا ذکر کیا ہے چونکہ عاجز راقم بھی اس خدمت پر ایک عرصہ تک مامور رہا اس واسطے ڈاک کے متعلق میں بھی چند باتیں عرض کرنے کا ثواب حاصل کرنے کا آرزومند ہوں۔

ڈاک خانہ سے پوسٹ مین ڈاک براہِ راست حضرت صاحب کے پاس لے جایا کرتا تھا۔ حضور کا کوئی خادم یا خادمہ پوسٹمین کے آواز دینے سے دروازہ پر آکر ڈاک اندر لے جاتا تھا۔ بعض دفعہ حضور خود ہی تشریف لے آتے اور پوسٹمین سے ڈاک لے جاتے۔ تمام خطوط کھولتے، پڑھتے بعض پر کچھ نوٹ کر دیتے کہ کیا جواب لکھا جائے۔ بعض بغیر نوٹ کے میرے پاس بھیج دیتے اور بعض اپنے پاس رکھ لیتے اور خود دست مبارک سے اُن کے جوابات لکھتے۔ ایسے خطوط عموماً سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم مدراسیؓ کے ہوتے یا حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سنوریؓ کا خط یا بعض احمدیان کپورتھلہ کے خطوط جو پُرانے مخلصین میں سے تھے۔ ایسے خط بھی عموماً لفافہ میں بند کر کے پتہ لکھنے کے واسطے مجھے بھیج دیا کرتے تھے۔

جب پہلے پہل ڈاک میرے سپرد ہوئی تو وہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم و مغفور کے ایک دفعہ سیالکوٹ تشریف لے جانے کے وقت تھی۔ جب میں نے خطوط کو دیکھا تو اکثر خطوط درخواست دعا کے لئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا کیا جواب دوں۔ اس واسطے میں نے اُن سب کی ایک فہرست بنائی اور ایک نقشہ بنا کر اس میں ہر شخص کا نام اور مقام اور مطلب درخواست دعا درج کیا اور فہرست اندر بھیج دی۔ مگر حضور نے وہ فہرست واپس کی اور نہ اس کے متعلق کچھ فرمایا۔ دوسرے دن میں نے پھر ویسی ہی ایک فہرست بنائی اور اندر بھیج دی۔ وہ فہرست بھی اندر ہی رہی اور کچھ جواب نہ آیا۔ تیسرے دن میں نے پھر بعد نماز زبانی عرض کیا۔ تب حضور نے فرمایا۔

”ایسے اصحاب کو لکھ دیا کریں کہ دعا کی گئی کیونکہ میں خط اپنے ہاتھ سے نہیں رکھتا کہ جب تک کہ دعا نہ کرلوں اور اب آپ فہرست بنا کر بھیجتے ہیں تو فہرست آگے رکھ کر پھر

دعا کر دیا کرتا ہوں اس طرح اب دو دفعہ دعا ہو جاتی ہے''۔

میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ میری اس تجویز سے دوستوں کے واسطے دوبارہ دعا ہو جاتی ہے اور میں نے اس سلسلہ کو جب تک ڈاک میرے پاس رہی جاری رکھا۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو پھر ڈاک اُن کے پاس جانے لگی لیکن اُن کی وفات کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کی تحریک پر ڈاک پھر میرے سپرد ہوئی تو پھر میں نے اس فہرست کا سلسلہ جاری کیا اور اخیر تک وہ جاری رہا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر حضرت خلیفہ اوّل مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ نے بھی ڈاک کا کام بدستور میرے سپرد ہی رہنے دیا تو میں نے اُن کی خدمت میں بھی ایسی ہی فہرست بنا کر بھیجنی شروع کی حضرت مولانا صاحبؓ اس فہرست کو اپنے سرہانے رکھ لیتے تھے اور تہجد کے وقت اس فہرست کو ہاتھ میں لے کر ایک ایک کا نام دیکھتے اور دعائیں کرتے۔ بعض شب تہجد کے وقت میں آپ کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا۔

جن خطوط پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے کچھ نوٹ نہیں ہوتا تھا اُن کے متعلق میں دریافت کرلیا کرتا تھا کہ اس کا کچھ جواب دیا جائے جن خطوط میں مسائل دریافت کئے ہوتے تھے اُن کے جواب بعض دفعہ خود لکھا دیا کرتے تھے لیکن اکثر یہ فرماتے تھے کہ مولوی صاحب سے پوچھ لیں (مولوی صاحب مراد حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب ہوتی تھی) عموماً اکثر دوست اپنے مولود بچوں کے نام تبرکاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کرتے تھے اور میں حضرت صاحب سے پوچھ کر نام لکھ دیا کرتا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضور نے مجھے فرمایا:۔

''مفتی صاحب آپ کو اجازت ہے کہ آپ ہماری طرف سے بچوں کے نام رکھ دیا کریں''۔

عموماً حضرت صاحب ڈاک کسی خادم کے ہاتھ میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے مگر بعض دفعہ خود ہی اپنے ہاتھ میں ڈاک لئے ہوئے نماز ظہر کے واسطے باہر تشریف لاتے تو جو کھڑکی حضور کے کمروں سے مسجد مبارک میں کھلتی ہے اس سے نکلتے ہی مجھے آواز دیتے کہ یہ ڈاک ہے۔ کوٹ قیصرانی کے بزرگ

سردار امام بخش صاحب مرحوم جو بہت ہی مخلص احمدی تھے ایک دفعہ فرمانے لگے۔ پُرانے صوفیا کے طرز پر ہر ایک بزرگ کا کوئی معشوق ظاہری بھی ہوتا ہے اور اگر یہ بات درست ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معشوق مفتی محمد صادق صاحب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اکثر جب حضرت صاحب آتے ہیں تو سب سے پہلے یہی کہتے ہیں کہ:۔ ''مفتی صاحب کہاں ہیں''۔ اس کی وجہ تھی کہ حضور مجھے روزانہ ڈاک دیتے اور اس کے متعلق ہدایات فرماتے۔ اس طرح سب سے اوّل مجھے حضور سے باتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ان ایام میں عموماً اوسط ڈاک بیس خط روزانہ ہوتے تھے لیکن جن ایام میں کوئی پیشگوئی پوری ہوتی یا نشان ظاہر ہوتا تو ان دنوں میں خطوط کی تعداد بہت بڑھ جاتی تھی۔ ڈاک کے کام کے واسطے حضور نے میرے ساتھ مکرمی حضرت پیر افتخار احمد صاحب کو بطور مددگار کے مقرر کیا ہوا تھا۔ بعض خط میں انہیں جواب لکھنے کے واسطے دے دیتا تھا وہ لکھ کر میرے دستخط کرا لیتے تھے۔ بعض دوست جو اس امر کے بہت ہی مشتاق ہوتے تھے کہ حضور کے دستخط مبارک کا خط انہیں ملے انہیں اگر حضرت صاحب بہ سبب کم فرصتی خود خط نہ لکھ سکتے تو میں لکھ کر حضور سے دستخط کرا لیتا تا کہ اُن کے واسطے کچھ تشفی اور خوشی کا موجب ہو۔ جن خطوط کا جواب عام معلومات کے واسطے مفید ہوتا وہ میں عموماً اخبارات بدر اور الحکم میں چھپوا دیا کرتا تھا تا کہ عوام کو فائدہ ہو اور مجھے بھی ثواب حاصل ہو۔

ابتداء میں جب کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ہجرت کر کے قادیان میں نہیں آئے ہوئے تھے تو ڈاک کا کام حضرت پیر سراج الحق صاحب کے سپرد بھی کچھ عرصہ رہا۔ اس سے قبل حضرت صاحب خود ہی تمام خط و کتابت کا کام کرتے تھے اور بعض دفعہ خطوط حضور کی علالت کے سبب جمع ہو جاتے تو بعض دوستوں کو بُلا کر فرمایا کرتے تھے کہ خط بہت جمع ہو گئے ہیں آپ لوگ اکٹھے بیٹھ کر ان کو کھولو اور پڑھو اور جو ضرورت ہو مجھ سے پوچھ لو۔ ان سب کے جواب لکھ دو۔ چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہی چند احباب مل کر ڈاک دیکھ رہے تھے کہ ایک لفافہ میں سے رجسٹری شدہ بھی نہ تھا مبلغ تین سَو روپے کے نوٹ نکلے جو خط کے ساتھ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔

(الحکم ۷؍مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ان مکتوبات کو مرتب فرما کر گیارہ جلدوں میں شائع فرمایا تھا اور ایک جلد محترم ملک صلاح الدین صاحب نے شائع کی تھی جس کی تفصیل درج ہے۔

جلد اوّل	میر عباس علی لدھیانوی کے نام خطوط
جلد دوم	آریوں، برہمو سماج اور عام ہندوؤں کے نام خطوط
جلد سوم	پادریوں کے نام خطوط
جلد چہارم	مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام خطوط
جلد پنجم حصہ اوّل	حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن مدراسیؓ کے نام خطوط
جلد پنجم حصہ دوم	حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے نام خطوط
جلد پنجم حصہ سوم	حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کے نام خطوط
جلد پنجم حصہ چہارم	حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے نام خطوط
جلد پنجم حصہ پنجم	متفرق صحابہ کے نام جن میں مذکورہ بالا صحابہ کے نام بعض خطوط بھی ہیں۔
جلد ششم	غیر احمدی علماء کے نام خطوط
جلد ہفتم	مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب۔ متفرق صحابہ کے نام خطوط

حضرت عرفانی صاحبؓ نے انہیں جس ترتیب سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا تھا خطوط کی عدم دستیابی اور مالی وسائل کی کمی کے پیش نظر اس پر پوری طرح عمل نہیں ہو سکا تھا۔ آپ نے متعدد مقامات پر تحریر فرمایا ہے کہ ان کا پہلا مقصد تو ان خطوط کو محفوظ کرنا ہے تا کہ یہ امانت جماعت کی اگلی نسلوں تک پہنچ سکے۔ چنانچہ مکتوبات احمدیہ کی جلد ششم کے صفحہ ۱۴۶ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

’’مجھے افسوس ہے کہ میری مصروفیت نے مکتوبات کی ترتیب میں ایک نقص پیدا کر دیا تاہم میرا مقصد جمع کر دینے کا ہے میرے بعد لوگ آئیں گے جو ان مکتوبات کی ترتیب مختلف عنوانات کے ذیل کریں گے‘‘۔

صد سالہ احمدیہ خلافت جوبلی کے مبارک موقع پر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے مکتوبات نئی ترتیب کے ساتھ تین جلدوں میں شائع کر رہی ہے۔اس نئی ترتیب میں حضرت عرفانی صاحبؓ کے جمع کردہ خطوط میں سے کسی خط کو چھوڑا نہیں گیا بلکہ ہر صحابی کے نام مختلف جلدوں میں آئے ہوئے خطوط کو ایک جگہ اور تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔بعض ایسے مکتوبات جو حضرت عرفانی صاحب ریکارڈ میں نہیں لا سکے تھے وہ بھی شامل کئے گئے ہیں۔ان نئے شامل کئے جانے والے مکتوبات پر ۞ کا نشان لگایا گیا ہے۔

مکتوبات احمد کی دی جانے والی ترتیب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جلداوّل

۱۔ آریوں، برہموسماج اور عام ہندوؤں کے نام خطوط

۲۔ عیسائی پادریوں کے نام خطوط جن میں فتح مسیح، آتھم کے علاوہ ڈوئی اور پگٹ بھی شامل ہیں۔

۳۔ غیر احمدی علماء کے نام خطوط جن میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی وغیرہ کے نام خطوط بھی شامل ہیں۔

۴۔ میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام خطوط۔ان مکتوبات کا موضوع تصوف ہے۔

۵۔ تصوف کے مسئلہ وحدت الوجود کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین مکتوبات بنام منشی مظفر حسین صاحب بھی اس جلد میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

جلددوم

صحابہ رضوان اللہ عنہم کے نام خطوط

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے نام خطوط

۲۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے نام خطوط

۳۔ حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسیؓ کے نام خطوط

۴۔ حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کے نام خطوط

جلد سوم

۱۔ حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے نام خطوط
۲۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور کپورتھلہ کے دیگر صحابہ کے نام خطوط
۳۔ حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ کے نام خطوط
۴۔ حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ نعمانی کے نام خطوط
۵۔ حضرت منشی محمد عبداللہ سنوریؓ صاحب کے نام خطوط
۶۔ حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحبؓ کے نام خطوط
۷۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ کے نام خطوط
۸۔ حضرت مولوی غلام حسن خانصاحبؓ پشاوری کے نام خطوط
۹۔ متفرق صحابہ کرامؓ کے نام نئے ملنے والے خطوط

جناب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات، مالی دشواریوں اور مصروفیت کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ گرانقدر خطوط پہلے اپنے اخبار الحکم میں اور پھر کتابی صورت میں جمع فرمائے۔

اس سلسلہ میں جناب ملک صلاح الدین صاحب نے بھی مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم مرتب کی اور اس میں متفرق صحابہ کرامؓ کے نام خطوط کو جمع کیا ہے۔

مکتوبات کے موجودہ ایڈیشن اور انتہائی نازک کام یعنی خطوط کی ترتیب نئے خطوط کی تلاش، عربی اور فارسی خطوط کے تراجم اور پروف ریڈنگ میں

صاحب مربی سلسلہ نے کام کیا ہے۔ احباب ان سب واقفین زندگی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

یکم فروری ۲۰۰۸ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مکتوبات جو جلد اوّل میں نئے شامل کئے گئے ہیں

ا۔ مکتوبات بنام ہندو آریہ صاحبان

نمبر شمار	صفحہ نمبر	مکتوب نمبر	بنام	تاریخ
۱	۷۶	۱۷	پنڈت لیکھرام	دسمبر ۱۸۸۵ء
۲	۷۶	۱۸	پنڈت لیکھرام	
۳	۷۸تا۷۹	۱۹	نامہ مرزا غلام احمد بجواب ساہوکاران قادیان	
۴	۸۳تا۸۵	۲۱	آریہ قوم کے نام	۱۸۹۶ء

ب۔ مکتوبات بنام پادری صاحبان

۵	۱۱۰تا۱۱۵		ایک عیسائی کے چند سوالوں کا جواب (پہلے سوال کا جواب شامل کیا گیا ہے)	۱۸۹۱ء
۶	۱۹۵تا۲۲۹		بقیہ اعتراضات پادری فتح مسیح	۲۰؍دسمبر ۱۸۹۵ء
۷	۲۷۱تا۲۷۲	۱۶	ایک انگریز کے نام خط	۲۴؍جون ۱۹۰۴ء

ج۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام خطوط

۸	۳۰۳تا۳۰۵	۱	مولوی محمد حسین بٹالوی	۸؍ستمبر ۱۸۸۷ء
۹	۳۰۶تا۳۰۷	۲	؍؍	۱۶؍ستمبر ۱۸۸۷ء
۱۰	۳۱۰	۴	؍؍	۵؍اکتوبر ۱۸۸۷ء
۱۱	۳۳۵تا۳۳۶	۱۸	؍؍ شرائط نمبر ۵ تا ۱۱ نئی شامل کی گئیں	۶؍جون ۱۸۹۱ء

نمبر شمار	صفحہ نمبر	مکتوب نمبر	بنام	تاریخ
۱۲	۳۶۷ تا ۳۷۰	۲۴	مولوی محمد حسین بٹالوی	فروری ۱۸۹۸ء
۱۳	۳۷۱ تا ۳۷۷	۲۵	؍؍	۷؍مارچ ۱۸۸۹ء

د۔ مکتوبات بنام غیر احمدی علماء

۱۴	۳۹۲ تا ۳۹۳	۲	بنام حاجی محمد ولی اللہ صاحب	دسمبر ۱۸۸۴ء
۱۵	۴۰۷ تا ۴۰۸	۶	؍؍	۲۱؍مئی ۱۸۸۶ء
۱۶	۴۴۲	۱۳	بنام مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی	۲۴؍اپریل ۱۸۸۹ء
۱۷	۴۶۱	۲۱	بنام غلام دستگیر صاحب قصوری	۶؍جنوری ۱۸۹۷ء
۱۸	۴۹۲ تا ۴۹۴	۲۸	بنام عبدالقادر صاحب بیدل (خط مکمل کیا گیا)	۲۰؍جون ۱۹۰۵ء
۱۹	۴۹۷ تا ۴۹۸	۲۹	بنام قاضی نذر حسین صاحب قلقل	۱۹۰۶ء

ح۔ مکتوبات بنام میر عباس علی لدھیانوی

۲۰	۶۰۳ تا ۶۰۴	۴۷	بنام میر عباس علی صاحب لدھیانوی	۲۶؍مئی ۱۸۸۴ء
۲۱	۶۲۸	۵۸	؍؍	۵؍اپریل ۱۸۸۶ء
۲۲	۶۲۹	۵۹	؍؍	۳؍مئی ۱۸۸۶ء
۲۳	۶۳۸	۶۰	؍؍ (آخر سے مکمل کیا گیا)	۲۷؍دسمبر ۱۸۹۱ء
۲۴	۶۳۹ تا ۶۴۰	۶۱	؍؍	۷؍مئی ۱۸۹۲ء
۲۵	۶۴۲ تا ۶۴۳	۶۲	؍؍	۹؍مئی ۱۸۹۲ء

و۔ مکتوبات بنام منشی مظہر حسین صاحب

۲۶	۶۴۷ تا ۶۵۱	۶۳	بنام منشی مظہر حسین صاحب	اگست ۱۸۸۸ء
۲۷	۶۷۱	۶۴	؍؍	۱۶؍اگست ۱۸۸۸ء
۲۸	۶۷۴ تا ۶۷۵	۶۵	؍؍	۲۳؍اگست ۱۸۸۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوبات احمد جلداوّل

ترتیب

نمبرشمار	خطوط بنام	صفحات
۱	آریوں، برہموسماج اور عام ہندوؤں کے نام خطوط (سابقہ جلد دوم)	۱ تا ۹۵
۲	عیسائی پادریوں کے نام خطوط (سابقہ جلد سوم)	۹۷ تا ۲۹۱
۳	مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے نام خطوط (سابقہ جلد چہارم)	۲۹۳ تا ۳۷۷
۴	غیر احمدی علماء کے نام خطوط (سابقہ جلد ششم)	۳۷۹ تا ۴۹۸
۵	میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام خطوط۔ (سابقہ جلد اول)	۴۹۹ تا ۶۴۳
۶	منشی مظہر حسین صاحب کے نام خطوط	۶۴۵ تا ۶۷۵

۞۞۞

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

عرض حال

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد الامین وخاتَم النبیین وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ الطیبین وعلی خلفآئہ الراشدین۔

امابعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نہایت خوشی اور مسرت قلبی سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کو اس چشمہ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائی اور اپنے فضل ہی سے اس کے ہاتھ میں قلم اور دل ودماغ میں قوت بخشی اور اسے سلسلہ کی قلمی خدمت کے لئے جوش عطا فرمایا تب ہی سے اس کو یہ آرزو رہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے **ملفوظات** اور **مکتوبات** کو جمع کروں۔محض فضل ربّانی ہی نے اس کی دستگیری کی اور اس کو اس خدمت کے ایک حد تک قابل کر دیا۔ الحکم کے ذریعہ اس سلسلہ میں بہت بڑا کام ہو چکا ہے اور پُرانی تحریروں کے جمع کرنے میں بھی اس حد تک کامیابی ہوئی کہ آج میں اس سلسلہ میں یہ تیسرا مجموعہ شائع کرنے کی توفیق پاتا ہوں۔**والحمدللّٰہ علی ذالک**

مکتوبات کے سلسلہ میں اس وجہ سے پہلی جلد کی اشاعت کے وقت خیال کیا گیا تھا کہ دوسری جلد حضرت خلیفۃ المسیح **مدّ ظلّہ العالی** کے مکتوبات کی ہوگی مگر بعد میں میری رائے ترتیب کے متعلق یوں ہوئی کہ پہلے ان جلدوں کو شائع کرنا چاہئے جو مختلف مذاہب کے ہادیوں اور لیڈروں کے نام کے مکتوبات ہیں۔ چنانچہ اس جلد میں ان مکتوبات کو جمع کیا گیا ہے جو ہنؔدو، آؔریہ اور براہمو لوگوں کے نام ہیں۔تیسری جلد میں وہ مکتوبات اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ ہونگے جو عیسائی مذہب کے لیڈروں کے نام آپ نے لکھے ہیں۔ غالباً اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۸ء میں پہلی جلد

شائع ہوئی تھی اور قریباً چار سال بعد دوسری جلد شائع ہوتی ہے۔ اس توقف اور تعویق کا موجب ظاہری وہ مالی مشکلات تھیں جو کارخانہ الحکم کو بوجہ خسارہ مشین پیش آئیں لیکن اب چونکہ میرے مکرم بھائی منشی محمد وزیر خان صاحب اورسیئر نے جو سلسلہ کے ایک مخلص اور جوشیلے ممبر ہیں اور میرے ساتھ اُنہیں دیرینہ محبت ہے اس سلسلہ تالیفات مکتوبات میں مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو باقی جلدیں جلد شائع ہو سکیں گی۔ والامر بید اللہ

احباب اگر اس سلسلہ تالیفات کی خریداری میں میری حوصلہ افزائی کریں تو خدا کے فضل سے وہ وقت قریب آ سکتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے اُس عظیم الشان کام کو شروع کر دوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح عمری کا کام ہے۔ یہ سوانح عمری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح عمری ہی نہ ہوگی بلکہ یہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ایک تاریخ ہوگی۔ یہ معمولی محنت کا کام نہیں۔ اس کے لئے ایک خاص اسٹاف کی ضرورت ہوگی اور ہزاروں ہزار صفحات کی ورق گردانی اور واقعات کا جمع کرنا اور تالیف و ترتیب کا کام ہوگا۔ میں اپنے مخلص احباب کا شکر گزار ہوں کہ وہ مجھے اس کا اہل سمجھتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے اس فضل کا شکر گزار ہوں۔ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح کا میٹریل میں نے قریباً جمع کر لیا ہے۔ اس کی ترتیب اور طبع ہی کا کام اب باقی ہے اور یہ اس وقت شروع ہو سکے گا جب اللہ تعالیٰ ایسے مخلص قلوب کو تحریک کرے گا جو اس راہ میں اپنا مال نثار کر سکیں۔ ساری توفیقیں اللہ کو ہی ہیں۔ یہ کتاب صرف ایک ہزار چھاپی گئی ہے جس قدر جلد احباب اس کی اشاعت میں حصہ لیں گے اسی قدر جلد وہ مجھے دوسری جلد کی اشاعت کا موقعہ دیں گے۔

والسلام

احقر یعقوب علی تراب احمدی

ایڈیٹر الحکم قادیان

دفتر الحکم قادیان دارالامان ۲۴؍ دسمبر ۱۹۱۲ء

ہندوؤں۔آریوں اور براہموسماجیوں

کے

نام خطوط

سابقہ جلد دوم

مرتبہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

صفحہ ۱ تا ۹۵

فہرست مکتوبات

بنام

ہندو، آریہ، برہموسماج مذاہب

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱	۵	۱۸۷۸ء	سوامی دیانند سرستی
۲	۲۰	۱۰جون ۱۸۷۸ء	سوامی دیانند سرستی
۳	۲۱	۲۱ مئی ۱۸۸۸ء	پنڈت شیونرائن
۴	۲۸	۵ جون ۱۸۷۹ء	پنڈت شیونرائن
۵	۳۲	۱۷ جون ۱۸۷۹ء	پنڈت شیونرائن
۶	۳۴	۱۸۷۹ء	باوانرائن سنگھ
۷	۳۸	۱۸۷۹ء	باوانرائن سنگھ
۸	۴۹	۲۰ اپریل ۱۸۸۳ء	پنڈت دیانند سرستی
۹	۵۱	۸ مارچ ۱۸۸۵ء	مختلف مذاہب کے لیڈر
۱۰	۵۴	۱۰ مئی ۱۸۸۵ء	پنڈت رام چرن
۱۱	۵۷	۳۰ مئی ۱۸۸۵ء	اندرمن مرادآبادی
۱۲	۶۰	بلاتاریخ	پنڈت کھڑک سنگھ
۱۳	۶۶	۱۶ اپریل ۱۸۸۵ء	پنڈت لیکھرام

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱۴	۶۹	۱۷ اپریل ۱۸۸۵ء	پنڈت لیکھرام
۱۵	۷۲	۱۷ جولائی ۱۸۸۵ء	پنڈت لیکھرام
۱۶	۷۵	۳۱ جولائی ۱۸۸۵ء	پنڈت لیکھرام
۱۷	۷۶	بلاتاریخ	پنڈت لیکھرام ۞
۱۸	۷۶	۱۸۸۵ء	پنڈت لیکھرام ۞
۱۹	۷۸	۱۸۸۵ء	بجواب خط ساہوکاران قادیان ۞
۲۰	۸۰	۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء	ڈاکٹر جگن ناتھ
۲۱	۸۳	۱۸۹۶ء	آریہ قوم ۞
۲۲	۸۶	۱۴ جون ۱۹۰۳ء	لالہ بھیم سین
۲۳	۹۵	۱۷ فروری ۱۹۰۷ء	مینجر گروگل گوجرانوالہ

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۱

سوامی دیانند سرستی کے نام اعلان

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے ایک مضمون ابطال تناسخ پر بوعدہ انعام پانچ سَو روپیہ لکھ کر رسالہ ہندو باندھو، لاہور میں چھپوایا تھا۔ سوامی دیانند صاحب نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو مباحثہ کی دعوت دی اور تین آریوں کی معرفت پیغام بھی بھیجا۔ حضرت مسیح موعود نے پسند نہ کیا کہ یہ کارروائی مخفی رہے۔اس لئے سوامی جی کی دعوت مباحثہ کا جواب بذریعہ ایک چھپے ہوئے اعلان کے جو بمنزلہ کھلی چٹھی تھا، دے دیا۔اس کو میں یہاں درج کرتا ہوں اوراس لحاظ سے کہ ناظرین پورا لطف اُٹھاسکیں اس سے پہلے وہ مضمون درج کردیا جاتا ہے تاکہ جہاں ایک طرف ریکارڈ مکمل ہوجاوے وہاں ناظرین کواصل کیفیت کے سمجھنے میں سہولت ہو۔اس اعلان کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام کواعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے ایک خاص جوش بخشا گیا تھااورآپ کسی ایسے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ یہ اعلان ۱۸۷۸ء کا ہے گویا آج سے قریباً ۳۵ سال پہلے کی بات ہے جب کہ نہ کوئی دعویٰ تھا، نہ جماعت تھی ۔ ہاں خدا تعالیٰ کی تائید آپ کے ساتھ تھی اور وہ ابتدائی وقت تھا جب کہ خدا تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہورہا تھا۔ بہرحال وہ مضمون اعلان حسبِ ذیل ہے۔(ایڈیٹر)

ابطال تناسخ ومقابلہ وید وفرقان

[اعلان متعلقہ مضمون ابطال تناسخ ومقابلہ وید وفرقان مع اشتہار پانسو روپیہ جو پہلے بھی بہ مباحثہ باوا صاحب مشتہر کیا گیا تھا۔]

ناظرین انصاف آئین کی خدمت بابرکت میں واضح ہو کہ باعث مشتہر کرنے اس اعلان کا یہ ہے کہ عرصہ چند روز کا ہوا ہے کہ پنڈت کھڑک سنگھ صاحب ممبر آریہ سماج امرتسر قادیان میں تشریف لائے اور مستدعی بحث کے ہوئے۔ چنانچہ حسب خواہش ان کے درباره تناسخ اور مقابلہ وید وقرآن کے گفتگو کرنا قرار پایا۔ برطبق اس کے ہم نے ایک مضمون جو اس اعلان کے بعد میں تحریر ہوگا ابطالِ تناسخ میں اس التزام سے مرتب کیا کہ تمام دلائل اس کے قرآن مجید سے لئے گئے اور کوئی بھی ایسی دلیل نہ لکھی کہ جس کا ماخذ اور منشاء قرآن مجید نہ ہو۔ اور پھر مضمون جلسہ عام میں پنڈت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تا کہ پنڈت صاحب بھی حسب قاعدہ ملتزمہ ہمارے کے اثباتِ تناسخ میں وید کی شرتیاں پیش کریں اور اس طور سے مسئلہ تناسخ کا فیصلہ پا جائے اور وید اور قرآن کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے کہ ان میں سے کون غالب اور کون مغلوب ہے۔ اس پر پنڈت صاحب نے بعد سماعت تمام مضمون کے دلائل وید کے پیش کرنے سے عجز مطلق ظاہر کیا اور صرف دو شرتیاں رگوید سے پیش کیں کہ جن میں اُن کے زُعم میں تناسخ کا ذکر تھا اور اپنی طاقت سے بھی کوئی دلیل پیش کردہ ہماری کو ردّ نہ کر سکے۔ حالانکہ اُن پر واجب تھا کہ بمقابلہ دلائل فرقانی کے اپنے وید کا بھی کچھ فلسفہ ہم کو دکھلاتے۔ اور اس دعوے کو جو پنڈت دیانند صاحب مدت دراز سے کر رہے ہیں کہ وید سرچشمہ تمام علوم فنون کا ہے، ثابت کرتے۔ لیکن افسوس کہ کچھ بھی نہ بول سکے اور دم بخود رہ گئے اور عاجز اور لاچار ہو کر اپنے گاؤں کی طرف سدھار گئے۔ گاؤں میں جا کر پھر ایک مضمون بھیجا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ابھی بحث کرنے کا شوق باقی ہے اور مسئلہ تناسخ میں مقابلہ وید اور قرآن کا بذریعہ کسی اخبار چاہتے ہیں۔ سو بہت خوب! ہم پہلے ہی تیار ہیں۔ مضمون ابطالِ تناسخ جس کو ہم جلسہ عام میں گوش گزار پنڈت صاحب موصوف کر چکے ہیں وہ تمام مضمون دلائل و براہین قرآن مجید سے لکھا گیا

ہے اور جا بجا آیات فرقانی کا حوالہ ہے۔ پنڈت صاحب پر لازم ہے کہ مضمون اپنا دلائل بید سے بمقابلہ مضمون ہمارے کے مرتب کیا ہو۔ پرچہ سفیر ہند یا برادر ہند یا آریا درپن میں طبع کراویں۔ پھر آپ ہی دانا لوگ دیکھ لیں گے اور بہتر ہے کہ ثالث اور منصف اس مباحثہ تنقیح فضیلت وید اور قرآن میں دو شریف اور فاضل آدمی مسیحی مذہب اور برہمو سماج سے جو فریقین کے مذہب سے بے تعلق ہیں، مقرر کئے جاویں۔ سو میری دانست میں ایک جناب پادری رجب علی صاحب جو خوب محقق مدقق ہیں اور دوسرے جناب پنڈت شیونرائن صاحب جو برہمو سماج میں اہل علم اور صاحب نظر دقیق ہیں۔ فیصلہ اس امر متنازعہ فیہ میں حَکَم بننے کے لئے بہت اَوْلیٰ اور اَنْسَبْ ہیں۔ اس طور سے بحث کرنے میں حقیقت میں چار فائدے ہیں **اوّل** یہ کہ بحث تناسخ کی تحقیق تمام فیصلہ پا جائے گی۔ **دوم** اس موازنہ اور مقابلہ سے امتحان وید اور قرآن کا بخوبی ہو جائے گا اور بعد مقابلہ کے جو فرق اہل انصاف کی نظر میں ظاہر ہوگا وہی فرق قول فیصل متصور ہوگا۔ **سوم** یہ فائدہ کہ اس التزام سے ناواقف لوگوں کو عقائد مندرجہ وید اور قرآن سے بکلی اطلاع ہو جائے گی۔ **چہارم** یہ فائدہ کہ یہ بحث تناسخ کی کسی ایک شخص کی رائے خیال نہیں کی جائے گی بلکہ محول بہ کتاب ہو کر اور معتاد طریق سے انجام پکڑ کر قابل تشکیک اور تزئیف نہیں رہے گی اور اس بحث میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ صرف پنڈت کھڑک سنگھ صاحب تحریر جواب کے تن تنہا محنت اُٹھائیں بلکہ میں عام اعلان دیتا ہوں کہ صاحبان مندرجہ عنوان مضمون ابطال تناسخ جو ذیل میں تحریر ہوگا، کوئی صاحب ارباب فضل وکمال میں سے متصدی جواب ہوں اور اگر کوئی صاحب بھی باوجود اس قدر تاکید مزید کے اس طرف متوجہ نہیں ہونگے اور دلائل ثبوت تناسخ کے فلسفہ متدعویہ وید سے پیش کریں گے یا درصورت عاری ہونے وید کے ان دلائل سے اپنی عقل سے جواب نہیں دیں گے تو ابطال تناسخ کی ہمیشہ کے لئے ان پر ڈگری ہو جائے گی۔ اور نیز دعویٰ وید کا کہ گویا وہ تمام علوم فنون پر متضمن ہے، محض بے دلیل اور باطل ٹھہرے گا۔ اور بالآخر بغرض توجہ دہانی یہ بھی گزارش ہے کہ میں نے جو قبل اس سے فروری ۱۸۷۸ء میں ایک اشتہار تعدادی پانسو روپیہ بابطال مسئلہ تناسخ دیا تھا وہ اشتہار اب اس مضمون سے بھی بعینہٖ متعلق ہے۔ اگر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب یا کوئی اور صاحب ہمارے تمام دلائل کو نمبروار جواب دلائل مندرجہ وید سے دے کر اپنی عقل سے توڑیں گے تو بلاشبہ رقم اشتہار کے مستحق ٹھہریں گے اور بالخصوص

بخدمت پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم پانچ منٹ میں جواب دے سکتے ہیں یہ گزارش ہے کہ اب اپنی اُس استعدادِ علمی کو روبروئے فضلاءِ نامدارِ ملّت مسیحی و برہموسماج کے دکھلاویں اور جو جو کمالات اُن کی ذات سامی میں پوشیدہ ہیں منصۂ ظہور میں لاویں۔ ورنہ عوام کالانعام کے سامنے دَم زنی کرنا صرف لاف گزاف ہے۔اس سے زیادہ نہیں۔اب میں ذیل میں مضمون موعودہ لکھتا ہوں۔

مضمون ابطال تناسخ ومقابلہ فلسفہ وید وقرآن جس کے طلب جواب میں صاحبان فضلاء آریہ سماج یعنی پنڈت کھڑک سنگھ صاحب، سوامی پنڈت دیانند صاحب، جناب باوانرائن سنگھ صاحب، جناب منشی کنہیالال صاحب، جناب منشی بختاورسنگھ صاحب ایڈیٹر آریہ درپن، جناب بابوساردا پرشاد صاحب، جناب منشی شرم پت صاحب سیکرٹری آریہ سماج قادیان، جناب منشی اندرمن صاحب مخاطب ہیں بوعدہ انعام پانسوروپیہ۔

آریہ صاحبان کا پہلا اصول جو مدار تناسخ ہے یہ ہے کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور سب ارواح مثل پرمیشور کے قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی پرمیشور ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اصول غلط ہے اور اس پر تناسخ کی ٹہڑی جمانا بنیاد فاسد بر فاسد ہے۔قرآن مجید کہ جس پر تمام تحقیق اسلام کی مبنی ہے اور جس کے دلائل کو پیش کرنا بغرض مطالبہ دلائل وید اور مقابلہ باہمی فلسفہ مندرجہ وید اور قرآن ہم وعدہ کر چکے ہیں، ضرورت خالقیت باری تعالیٰ کو دلائل قطعیہ سے ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ وہ دلائل بہ تفصیل ذیل ہیں۔

دلیل اوّل جو برہان لمّی ہے۔یعنی علّت سے معلول کی طرف دلیل گئی ہے۔دیکھوسورہ رعد الجزو۱۳۔اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَھَّارُ[۱] یعنی خدا ہر ایک چیز کا خالق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے اور واحد بھی ایسا کہ قہار ہے یعنی سب چیزوں کو اپنے ماتحت رکھتا ہے اور ان پر غالب ہے۔ یہ دلیل بذریعہ شکل اوّل کے جو بدیہی الانتاج ہے اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ صغریٰ اس کا یہ ہے جو خدا واحد اور قہار ہے اور کبریٰ یہ کہ ہر ایک جو واحد اور قہار ہو وہ تمام موجودات ماسوائے اپنے کا، خالق ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو خدا تمام مخلوقات کا خالق ہے۔

اثبات قضیہ اُولیٰ یعنی صغریٰ کا اس طور سے ہے کہ واحد اور قہار ہونا خدا تعالیٰ کا اصول مسئلہ

[۱] الرعد: ۱۷

فریق ثانی بلکہ دنیا کا اصول ہے اورا ثبات قضیہ ثانیہ یعنی مفہوم کبریٰ کا اس طرح پر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ باوصف واحداور قہار ہونے کے وجود ماسوائے اپنے کا خالق نہ ہو بلکہ وجودتمام موجودات کا مثل اس کے قدیم سے چلا آتا ہوتواس صورت میں وہ واحداور قہاربھی نہیں ہوسکتا۔ واحداس باعث سے نہیں ہوسکتا کہ وحدانیت کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ شرکت غیر سے بکلّی پاک ہواور جب خدا تعالیٰ خالق ارواح نہ ہوتواس سے دوطور کا شرک لازم آیا۔اوّل یہ کہ سب ارواح غیرمخلوق ہوکرمثل اس کے قدیم الوجود ہوگئے۔ دوم یہ کہ ان کے لئے بھی مثل پروردگار کے ہستی حقیقی ماننی پڑے۔ جومستفاض عن الغیرنہیں۔ پس اسی کا نام شرکت بالغیر ہے اورشرک بالغیر ذاتِ باری کا بہ بداہت عقل باطل ہے۔ کیونکہ اس سے شریک الباری پیدا ہوتا ہےاورشریک الباری ممتنع اورمحال ہے۔پس جوامرمستلزم محال ہووہ بھی محال ہےاورقہار اِس باعث سے نہیں ہوسکتا کہ صفت قہاری کے یہ معنی ہیں کہ دوسروں کواپنے ماتحت میں کرلینا اوراُن پر قابض اورمتصرف ہوجانا۔سوغیرمخلوق اور روحوں کو خدا اپنے ماتحت نہیں کرسکتا کیونکہ جو چیزیں اپنی ذات میں قدیم اورغیرمصنوع ہیں وہ بالضرورت اپنی ذات میں واجب الوجود ہیں۔اس لئے کہ اپنے تحقیق وجود میں دوسری کسی علّت کےمحتاج نہیں اوراسی کا نام واجب ہے جس کو فارسی میں خدا یعنی خودآئندہ کہتے ہیں۔ پس جب ارواح مثل ذات باری تعالیٰ کے خدااورواجب الوجودٹھہرے تو اُن کا باری تعالیٰ کے ماتحت رہنا عندالعقل محال اورممتنع ہوا کیونکہ ایک واجب الوجوددوسرے واجب الوجود کے ماتحت نہیں ہوسکتا۔ اس سے دور یاتسلسل لازم آتا ہے۔لیکن حال واقعہ جومسلم فریقین ہے، یہ ہے کہ سب ارواح خداتعالیٰ کے ماتحت ہیں،کوئی اُس کے قبضۂ قدرت سے باہرنہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ سب حادث اورمخلوق ہیں کوئی ان میں سے خدااورواجب الوجودنہیں اوریہی مطلب تھا۔

دلیل دوم جو اِنّی ہے۔ یعنی معلول سےعلّت کی طرف دلیل لی گئی ہے دیکھوسورۃ الفرقان جزو۱۸۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا[1] یعنی اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں، وہ سب کا خالق ہےاوراُس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہرایک چیزکوایک اندازہ مقرری پر پیدا کیا ہے کہ جن سے وہ تجاوزنہیں کرسکتی۔ بلکہ اُسی اندازہ میں

---

[1] الفرقان: ۳

محصوراور محدود ہے اس کی شکل منطقی اس طرح پر ہے کہ ہر جسم اور روح ایک اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہے۔ اور ہر ایک وہ چیز کہ کسی اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہو اس کا کوئی حاصر اور مُحدِّد ضرور ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک جسم اور روح کے لئے ایک حاصر اور مُحدِّد ہے۔ اب اثبات قضیہ اولیٰ کا یعنی محدود القدر ہونے اشیاء کا اس طرح پر ہے کہ جمیع اجسام اور ارواح میں جو جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں عقل تجویز کرسکتی ہے کہ اُن خواص سے زیادہ خواص اُن میں پائے جاتے ہیں مثلاً انسان کی دو آنکھیں ہیں اور عندالعقل ممکن تھا کہ اُس کی چار آنکھیں ہوتیں۔ دو منہ کی طرف اور دو پیچھے کی طرف تا کہ جیسا آگے کی چیزوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھ لیتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ چار آنکھ کا ہونا بہ نسبت دو آنکھ کے کمال میں زیادہ اور فائدہ میں دو چند ہے اور انسان کے پَر نہیں اور ممکن تھا کہ مثل اور پرندوں کے اُس کے پَر بھی ہوتے اور علیٰ ہذاالقیاس نفس ناطقہ انسانی بھی ایک خاص درجہ میں محدود ہے جیسا کہ وہ بغیر تعلیم کسی معلم کے خود بخود مجہولات کو دریافت نہیں کرسکتا۔ قاسر خارجی سے کہ جیسے جنون یا مخموری ہے، سالم الحال نہیں رہ سکتا بلکہ فی الفور اس کی قوتوں اور طاقتوں میں تنزّل واقع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح بذاتہ ادراک جزئیات نہیں کرسکتا جیسا کہ اس کو شیخ محقق بوعلی سینا نے نمط سابع اشارات میں بتصریح لکھا ہے۔ حالانکہ عندالعقل ممکن تھا کہ ان سب آفات اور عیوب سے بچا ہوا ہوتا۔ پس جن جن مراتب اور فضائل کو انسان اور اُس کی روح کے لئے عقل تجویز کرسکتی ہے وہ کس بات سے ان مراتب سے محروم ہے۔ آیا تجویز کسی اور مجوز سے یا خود اپنی رضامندی سے۔ اگر کہو کہ اپنی رضامندی سے تو یہ صریح خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے حق میں نقص روا نہیں رکھتا اور اگر کہو کہ تجویز کسی اور مجوز سے۔ تو مبارک ہو کہ وجود خالق ارواح اور اجسام کا ثابت ہوگیا اور یہی مدعا تھا۔

دلیل سوم قیاس الخلف ہے اور قیاس الخلف اُس قیاس کا نام ہے جس میں اثبات مطلوب کا بذریعہ ابطال نقیض اُس کے کیا جاتا ہے اور اس قیاس کو علم منطق میں خُلف اس جہت سے کہتے ہیں کہ خلف لغت میں بمعنی باطل کے ہیں اور اسی طرح اس قیاس میں اگر مطلوب کو کہ جس کی حقیقت کا دعویٰ ہے سچا نہ مان لیا جاوے تو نتیجہ ایسا نکلے گا جو باطل کو مستلزم ہوگا اور قیاس مذکور یہ ہے دیکھو سورۃ الطّور الجزو ۲۷۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ـ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۔[1]
یعنی کیا یہ لوگ جو خالقیت خدا تعالیٰ سے منکر ہیں بغیر پیدا کرنے کسی خالق کے یوں ہی پیدا ہو گئے یا اپنے وجود کو آپ ہی پیدا کرلیا۔ یا خود علّت العلل ہیں جنہوں نے زمین وآسمان پیدا کیا یا ان کے پاس غیر متناہی خزانے علم اور عقل کے ہیں جن سے اُنہوں نے ان سے معلوم کیا کہ ہم قدیم الوجود ہیں یا وہ آزاد ہیں اور کسی کے قبضہ قدرت میں مقہور نہیں ہیں۔ یہ گمان ہو کہ جبکہ ان پر کوئی غالب اور قہار ہی نہیں تو وہ اُن کا خالق کیسے ہو۔ اس آیت شریف میں یہ استدلال لطیف ہے کہ ہر پنج شقوق قدامت ارواح کہ اس طرز مدلل سے بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک شق کے بیان سے ابطال اُس شق کا فی الفور سمجھا جاتا ہے اور تفصیل اشارات لطیفہ کی یوں ہے کہ

شق اوّل یعنی ایک شے معدوم کا بغیر فعل کسی فاعل کے خود بخود پیدا ہو جانا اس طرح پر باطل ہے کہ اس سے ترجیح بلا مرجّح لازم آتی ہے کیونکہ عدم سے وجود کا لباس پہننا ایک مؤثر مرجّح کو چاہتا ہے جو جانب وجود کو جانب عدم پر ترجیح دے لیکن اس جگہ کوئی مؤثر مرجّح موجود نہیں اور بغیر وجود مرجّح کے خود بخود ترجیح پیدا ہو جانا محال ہے۔

اور شق دوم یعنی اپنے وجود کا آپ ہی خالق ہونا اس طرح پر باطل ہے کہ اس سے تقدم شے کا اپنے نفس پر لازم آتا ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ہر ایک شے کے وجود کی علّتِ موجبہ اُس شے کا نفس ہے تو بالضرورت یہ اقرار اس اقرار کو مستلزم ہوگا کہ وہ سب اشیاء اپنے وجود سے پہلے موجود تھیں اور وجود سے پہلے موجود ہونا محال ہے۔

اور شق سوم یعنی ہر ایک شے کا مثل ذات باری کے علّتُ العلل اور صانع عالم ہونا تعدّد خداؤں کو مستلزم ہے اور تعدد خداؤں کا بالاتفاق محال ہے اور نیز اس سے دَور یا تسلسل لازم آتا ہے اور وہ بھی محال ہے۔

اور شق چہارم یعنی محیط ہونا نفس انسان کا علوم غیر متناہی پر اس دلیل سے محال ہے کہ نفسِ انسانی باعتبار تعین تشخص خارجی کے متناہی ہے اور متناہی میں غیر متناہی سما نہیں سکتا۔ اس سے تحدید غیر محدود کی لازم آتی ہے۔

---

[1] اَلطُّور: ۳۶ تا ۳۸

اور شق پنجم یعنی خود مختار ہونا اور کسی کے حکم کے ماتحت ہونا **ممتنع الوجود** ہے۔ کیونکہ نفسِ انسان کا بضرورت استکمالِ ذات اپنی کے ایک مُکَمِّل کا محتاج ہے اور محتاج کا خود مختار ہونا محال ہے۔ اس سے اجتماعِ نقیضین لازم آتا ہے۔ پس جبکہ بغیر ذریعہ خالق کے موجود ہونا موجودات کا بہرصورت **ممتنع** اور محال ہوا تو بالضرور یہی ماننا پڑا کہ تمام اشیاء موجودہ محدودہ کا ایک خالق ہے جو ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور شکل اس قیاس کی جو ترتیب مقدمات صغریٰ کبریٰ سے باقاعدہ منطقیہ مرتب ہوتی ہے اس طرح پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قضیہ فی نفسہٖ صادق ہے کہ کوئی شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے موجود نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اگر صادق نہیں ہے تو پھر اس کی نقیض صادق ہوگی کہ ہر ایک شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے وجود پکڑ سکتی ہے اور یہ دوسرا قضیہ ہماری تحقیقات مندرجہ بالا میں ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ وجود تمام اشیاءِ ممکنہ کا بغیر ذریعہ واجب الوجود کے محالاتِ خمسہ کو مستلزم ہے۔ پس اگر یہ قضیہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے موجود نہیں ہوسکتی تو یہ قضیہ صحیح ہوگا کہ وجود تمام اشیاء کو محالاتِ خمسہ لازم ہیں لیکن وجود اشیاء کا باوصف لزوم محالاتِ خمسہ کے ایک امر محال ہے۔ پس نتیجہ نکلا کہ کسی شے کا بغیر واجب الوجود کے موجود ہونا امرِ محال ہے۔ اور یہی مطلوب تھا۔

دلیل چہارم قرآن مجید میں بذریعہ مادۂ قیاس اقترانی قائم کی گئی ہے۔ جاننا چاہئے کہ قیاس حجت کی تین قسموں میں سے پہلی قسم ہے۔ اور قیاس اقترانی وہ قیاس ہے کہ جس میں عین نتیجہ کا یا نقیض اس کی بالفعل مذکور نہ ہو بلکہ بالقوہ پائی جائے اور اقترانی اس جہت سے کہتے ہیں کہ حدود اس کے یعنی اَصغر اور اَوسط اور اَکبر مقترن ہوتی ہیں اور بالعموم قیاس حجت کے تمام اقسام سے اعلیٰ اور افضل ہے کیونکہ اس میں کلی کے حال سے جزئیات کے حال پر دلیل پکڑی جاتی ہے کہ جو بباعث استیفاءِ تام کے مفید یقین کامل کے ہے۔ پس وہ قیاس کہ جس کی اتنی تعریف ہے اس آیت شریفہ میں درج ہے اور ثبوت خالقیت باری تعالیٰ میں گواہی دے رہا ہے۔ دیکھو سورۃ الحشر جزو ۲۸۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى [1] وہ اللہ خالق ہے یعنی پیدا کنندہ ہے، وہ باری ہے یعنی روحوں اور اجسام کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے، وہ مصوّر ہے یعنی صورت جسمیہ اور

[1] الحشر: ۲۵

صورت نوعیہ عطا کرنے والا ہے کیونکہ اس کے لئے تمام اسماء حسنہ ثابت ہیں۔ یعنی جمیع صفاتِ کاملہ جو باعتبار کمال قدرت کے عقل تجویز کرسکتی ہے اُس کی ذات میں جمع ہیں۔ لہٰذا نیست سے ہست کرنے پر بھی وہ قادر ہے۔ کیونکہ نیست سے ہست کرنا قدرتی کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے اور ترتیب مقدمات اس قیاس کی بصورت شکل اوّل کے اس طرح پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے اور سب کمالات ذاتِ کامل واجب الوجود کو حاصل ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ نیست سے ہست کرنے کا کمال بھی ذات باری کو حاصل ہے۔ ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ محض اپنی قدرت سے پیدا کرنا ایک کمال ہے اس طرح پر ہوتا ہے کہ نقیض اس کی یعنی یہ امر کہ محض اپنی قدرت سے پیدا کرنے میں عاجز ہونا جب تک باہر سے کوئی مادہ آ کر معاون و مددگار نہ ہو ایک بھاری نقصان ہے۔ کیونکہ اگر ہم یہ فرض کریں کہ مادہ موجودہ سب جا بجا خرچ ہوگیا تو ساتھ ہی یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ اب خدا پیدا کرنے سے قطعاً عاجز ہے حالانکہ ایسا نقص اُس ذات غیر محدود اور قادر مطلق پر عائد کرنا گویا اس کی الوہیت سے انکار کرنا ہے۔

سوائے اس کے علم الٰہیات میں یہ مسئلہ بدلائل ثابت ہو چکا ہے کہ مستجمع الکمالات ہونا واجب الوجود کا تحقّقِ الوہیت کے لئے شرط ہے۔ یعنی یہ لازم ہے کہ کوئی مرتبہ کمال کا مراتب ممکن التصور سے جو ذہن اور خیال میں گذر سکتا ہے اس ذات کامل سے فوت نہ ہو۔ پس بلاشبہ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ کمال الوہیت باری تعالیٰ کا یہی ہے کہ سب موجودات کا سلسلہ اسی کی قدرت تک منتہی ہو نہ یہ کہ صفت قدامت اور ہستی حقیقی کے بہت سے شریکوں میں بٹی ہوئی ہو۔ اور قطع نظر ان سب دلائل اور براہین کے ہر ایک سلیم الطبع سمجھ سکتا ہے کہ اعلیٰ کام بہ نسبت ادنیٰ کام کے زیادہ تر کمال پر دلالت کرتا ہے۔ پس جس صورت میں تالیف اجزاء عالم کمال الٰہی میں داخل ہے تو پھر پیدا کرنا عالم کا بغیر احتیاج اسباب کے جو کروڑ ہا درجہ زیادہ تر قدرت پر دلالت کرتا ہے کس قدر اعلیٰ کمال ہوگا۔ پس صغریٰ اس شکل کا بوجہ کامل ثابت ہوا۔

اور ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیہ کا کہ ہر ایک کمال ذات باری کو حاصل ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض کمالات ذات باری کو حاصل نہیں تو اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ محرومی ان کمالات سے بخوشی خاطر ہے یا بہ مجبوری ہے۔ اگر کہو کہ بخوشی خاطر ہے تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ کوئی شخص اپنی خوشی

سے اپنے کمال میں نقص روانہیں رکھتا۔ اور نیز جب کہ یہ صفت قدیم سے خدا کی ذات سے قطعاً مفقود ہے تو خوشی خاطر کہاں رہی؟ اور اگر کہو کہ مجبوری سے، تو وجود کسی اور قاسر کا ماننا پڑا کہ جس نے خدا کو مجبور کیا اور نفاذ اختیارات خدائی سے اس کو روکا۔ یا یہ فرض کرنا پڑا کہ وہ قاسر اس کا اپنا ہی ضعف اور ناتوانی ہے، کوئی خارجی قاسر نہیں۔ بہرحال وہ مجبور ٹھہرا۔ تو اس صورت میں وہ خدائی کے لائق نہ رہا۔ پس بالضرورت اس سے ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ داغ مجبوری سے کہ بطلان الوہیت کو مستلزم ہے پاک اور منزہ ہے اور صفت کاملہ خالقیت اور عدم سے پیدا کرنے کی اس کو حاصل ہے اور یہی مطلب تھا۔

دلیل پنجم فرقان مجید میں خالقیت باری تعالیٰ پر بمادہ **قیاس استثنائی** قائم کی گئی ہے اور قیاس استثنائی اس قیاس کو کہتے ہیں کہ جس میں عین نتیجہ یا نقیض اس کی بالفعل موجود ہو اور دو مقدموں سے مرکب ہو یعنی ایک شرطیہ اور دوسرے وضعیّہ سے۔ چنانچہ آیت شریف جو اس قیاس پر متضمن ہے یہ ہے دیکھو سورۃ الزّمر جزو۲۳۔ یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ [1] یعنی وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیرے پردوں میں پیدا کرتا ہے اس حکمت کاملہ سے کہ ایک پیدائش اور قسم کی اور ایک xxx اور قسم کی بناتا ہے۔ یعنی ہر عضو کو صورت مختلف اور خاصیتیں اور طاقتیں الگ الگ بخشتا ہے یہاں تک کہ قالب بیجان میں جان ڈال دیتا ہے نہ اس کو اندھیرا کام کرنے سے روکتا ہے اور نہ مختلف قسموں اور خاصیتوں کے اعضا بنانا اُس پر مشکل ہوتا ہے اور نہ سلسلہ پیدائش کے ہمیشہ جاری رکھنے میں اس کو کچھ دقت اور حرج واقعہ ہوتا ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ وہی جو ہمیشہ اس سلسلہ قدرت کو برپا اور قائم رکھتا ہے وہی تمہارا ربّ ہے۔ یعنی اسی قدرتِ تامہ سے اس کی ربوبیت تامہ جو عدم سے وجود اور وجود سے کمال وجود بخشنے کو کہتے ہیں ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ربّ الاشیاء نہ ہوتا اور اپنی ذات میں ربوبیتِ تامّہ نہ رکھتا اور صرف مثل ایک بڑھئی یا کاریگر کے اِدھر اُدھر سے لے کر گزارہ کرتا تو اس کو قدرت تام ہرگز حاصل نہ ہوتی اور ہمیشہ اور ہر وقت کامیاب نہ ہوسکتا۔ بلکہ کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ آجاتی اور پیدا کرنے سے عاجز رہ جاتا۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ جس شخص کا فعل ربوبیتِ تامّہ سے نہ ہو یعنی از خود پیدا کنندہ نہ

---

[1] الزّمر: ۷

ہو، اس کو قدرتِ تامّہ کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ لیکن خدا کو قدرتِ تامّہ حاصل ہے کیونکہ قسم قسم کی پیدائش بنانا اور ایک بعد دوسرے کے بلاتخالف ظہور میں لانا اور کام کو ہمیشہ برابر چلانا قدرتِ تامّہ کی کامل نشانی ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ربوبیتِ تامّہ حاصل ہے اور درحقیقت وہ ربّ الاشیاء ہے نہ صرف بڑھئی اور معمار اشیاء کا، ورنہ ممکن نہ تھا کہ کارخانہ دنیا کا ہمیشہ بلاحرج چلتا رہتا بلکہ دنیا اور اس کے کارخانہ کا کبھی کا خاتمہ ہو جاتا کیونکہ جس کا فعل اختیارِ تام سے نہیں وہ ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر تعداد پر ہرگز قادر نہیں ہوسکتا۔

اور شکل اس قیاس کی جو آیت شریف میں درج ہے بقاعدہ منطقیہ اس طرح پر ہے کہ جس شخص کا فعل کسی وجود کے پیدا کرنے میں بطور قدرتِ تامّہ ضروری ہو اس کے لئے صفت ربوبیت تامّہ کی یعنی عدم سے ہست کرنا بھی ضروری ہے لیکن خدا کا فعل مخلوقات کے پیدا کرنے میں بطور قدرت تامہ ضروری ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے لئے صفت ربوبیت تامّہ کی بھی ضروری ہے۔

ثبوت صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ جس صانع کے لئے قدرت تامہ ضروری ہے اس کے لئے صفت ربوبیت تامّہ کی بھی ضروری ہے اس طرح پر کہ عقل اس بات کی ضرورت کو واجب ٹھہراتی ہے کہ جب کوئی ایسا صانع کہ جس کی نسبت ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ اس کو اپنی کسی صنعت کے بنانے میں حرج واقعہ نہیں ہوتا کسی چیز کا بنانا شروع کرے تو سب اسباب تکمیل صنعت کے اُس کے پاس موجود ہونے چاہئیں اور ہر وقت اور ہر تعداد تک میسر کرنا ان چیزوں کا جو وجود مصنوع کے لئے ضروری ہیں اس کے اختیار میں ہونا چاہئے۔ اور ایسا اختیار تام بجز اس صورت کے اور کسی صورت میں مکمل نہیں کہ صانع اس مصنوع کا اس کے اجزا پیدا کرنے پر قادر ہو کیونکہ ہر وقت اور ہر تعداد تک اُن چیزوں کا میسر ہو جانا کہ جن کا موجود کرنا صانع کے اختیار تام میں نہیں عندالعقل ممکن التخلّف ہے اور عدمِ تخلّف پر کوئی برہان فلسفی قائم نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوسکتی ہے تو کوئی صاحب پیش کرے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مفہوم اس عبارت کا کہ فلاں امر کا کرنا زید کے اختیار تام میں نہیں، اس عبارت کے مفہوم سے مساوی ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ کام زید سے نہ ہوسکے۔ پس ثابت ہوا کہ صانع تام کا بجز اس کے ہرگز کام نہیں چل سکتا کہ جب تک اس کی قدرت بھی تام نہ ہو۔ اسی واسطے کوئی مخلوق اہلِ حرفہ میں سے اپنے حرفہ میں صانع تام ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا بلکہ کُل اہلِ صنائع کا دستور ہے کہ

جب کوئی بار بار اُن کی دوکان پر جا کر ان کو دق کرے کہ فلاں چیز ابھی مجھے بنا دو تو آخر اُس کے تقاضے سے تنگ آ کر اکثر بول اُٹھتے ہیں کہ میاں میں کچھ خدا نہیں ہوں کہ صرف حکم سے کام کر دوں۔ فلاں فلاں چیز ملے گی تو پھر بنا دوں گا۔ غرض سب جانتے ہیں کہ صانع تام کے لئے قدرت تام اور ربوبیت شرط ہے۔ یہ بات نہیں کہ جب تک زید نہ مرے بکر کے گھر لڑکا پیدا نہ ہو۔ یا جب تک خالد فوت نہ ہو ولید کے قالب میں جو ابھی پیٹ میں ہے جان نہ پڑ سکے۔ پس بالضرورت صغریٰ ثابت ہوا‘‘۔

اور کبریٰ شکل کا یعنی یہ کہ خدا مخلوقات کے پیدا کرنے میں بطور قدرتِ تامّہ کے ضروری ہے۔ خود ثبوت صغریٰ سے ثابت ہوتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ میں قدرتِ ضروریہ تامّہ نہ ہو تو پھر قدرت اس کی بعض اتفاقی امور کے حصول پر موقوف ہوگی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، عقل تجویز کرسکتی ہے کہ اتفاقی امور وقت پر خدا تعالیٰ کو میسر نہ ہوسکیں کیونکہ وہ اتفاقی ہیں ضروری نہیں۔ حالانکہ تعلق پکڑنا روح کا جنین کے جسم سے بروقت تیاری جسم اس کے لازم ملزوم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فعل خدا تعالیٰ کا بطور قدرتِ تامّہ کے ضروری ہے اور نیز اس دلیل سے ضرورت قدرتِ تامہ کی خدا تعالیٰ کے لئے واجب ٹھہرتی ہے کہ بموجب اصول متقررہ فلسفہ کے ہم کو اختیار ہے کہ یہ فرض کریں کہ مثلاً ایک مدت تک تمام ارواح موجودہ ابدان متناسبہ اپنے سے متعلق رہیں۔ پس جب ہم نے یہ امر فرض کیا تو یہ فرض ہمارا اس دوسرے فرض کو بھی مستلزم ہوگا کہ اب تا انقضائے اس مدت کے ان جنینوں میں جو رِحموں میں تیار ہوئے ہیں کوئی روح داخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ جنینوں کا بغیر تعلق روح کے معطل پڑے رہنا بہ بداہت عقل باطل ہے۔ پس جو امر مستلزم باطل ہے وہ بھی باطل۔ پس ثبوت متقدمین سے یہ نتیجہ ثابت ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ کے لئے صفت ربوبیت تامہ کی ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔

دلیل ششم قرآن مجید میں بمادہ قیاس مرکب قائم کی گئی اور قیاس مرکب کی یہ تعریف ہے کہ ایسے مقدمات سے مؤلف ہو کر اُن سے ایسا نتیجہ نکلے کہ اگرچہ وہ نتیجہ خود بذاتہٖ مطلب کو ثابت نہ کرتا ہو لیکن مطلب بذریعہ اس کے اس طور سے ثابت ہو کہ اُسی نتیجہ کو کسی اور مقدمہ کے ساتھ ملا کر ایک دوسرا قیاس بنایا جائے۔ پھر خواہ نتیجہ مطلوب اسی قیاس دوم کے ذریعہ سے نکل آوے یا اور کسی قدر اسی طور سے قیاسات بنا کر مطلوب حاصل ہو۔ دونوں صورتوں میں اس قیاس کو قیاس مرکب کہتے ہیں

اورآیت شریف جواس قیاس پر متضمن ہے، یہ ہے دیکھوسورۃ البقرۃ الجزو۳۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ[1] یعنی خدا اپنی ذات میں سب مخلوقات کے معبود ہونے کا ہمیشہ حق رکھتا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس دلیل روشن سے کہ وہ زندہ ازلی ابدی ہے اور سب چیزوں کا وہی قیوم ہے یعنی قیام اور بقا ہر چیز کا اسی کے بقا اور قیام سے ہے اور وہی ہر چیز کو ہر دم تھامے ہوئے ہے، نہ اس پر اونگ طاری ہوتی ہے، نہ نیند اُسے پکڑتی ہے۔ یعنی حفاظت مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پس جب کہ ہر ایک چیز کی قائمی اسی سے ہے۔ پس ثابت ہے کہ ہر ایک مخلوقات آسمانوں کا اور مخلوقات زمین کا وہی خالق ہے اور وہی مالک۔ اور شکل اس قیاس کی جو آیت شریف میں وارد ہے بقاعدہ منطقیہ اس طرح پر ہے (جز اوّل قیاس مرکب کی) (صغریٰ) خدا کو بلا شرکتہ الغیر تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے (کبریٰ) اور جس کو تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہوتا ہے (نتیجہ) خدا زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہے۔ (جز ثانی قیاس مرکب کی کہ جس میں نتیجہ قیاس اوّل کا صغریٰ قیاس کا بنایا گیا ہے (صغریٰ) (خداوند ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہے) (کبریٰ) اور جو زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہو وہ تمام اشیاء کا خالق ہوتا ہے) (نتیجہ) (خدا تمام چیزوں کا خالق ہے) صغریٰ جزو اوّل قیاس مرکب کا یعنی یہ قضیہ کہ خدا کا بلاشرکت غیرے تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے باقرار فریق ثانی ثابت ہے۔ پس حاجت اقامت دلیل کی نہیں اور کبریٰ جز اوّل قیاس مرکب کا یعنی یہ قضیہ کہ جس کو تمام اشیاء کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی اور تمام اشیاء کا قیوم ہوتا ہے۔ اس طرح پر ثابت ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ ازلی ابدی زندہ نہیں ہے تو یہ فرض کرنا پڑا کہ کسی وقت پیدا ہو یا آئندہ کسی وقت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں صورتوں میں ازلی ابدی معبود ہونا اس کا باطل ہوتا ہے کیونکہ جب اس کا وجود ہی نہ رہا تو پھر عبادت اس کی نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت معدوم کی صحیح نہیں ہے اور جب وہ بوجہ معدوم ہونے کے معبود ازلی ابدی نہ رہا تو اس سے یہ قضیہ کاذب ہوا کہ خدا کو معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے۔ حالانکہ ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ قضیہ صادق ہے۔ پس ماننا پڑا کہ جس کو

[1] البقرۃ: ۲۵۶

تمام اشیاء کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر خدا تمام چیزوں کا قیوم نہیں ہے یعنی حیات اور بقا دوسروں کی اس کی حیات اور بقا پر موقوف نہیں تو اس صورت میں وجود اس کا بقاء مخلوقات کے واسطے کچھ شرط نہ ہوگا۔ بلکہ تاثیر اس کی بطور مؤثر بالقسر ہوگی۔ نہ بطور علّت حقیقۃ حافظ الاشیاء کے کیونکہ مؤثر بالقسر اسے کہتے ہیں کہ جس کا وجود اور بقاء اس کے متاثر کے بقاء کے واسطے شرط نہ ہو جیسے زید نے مثلاً ایک پتھر چلایا اور اُسی وقت پتھر چلاتے ہی مر گیا تو بیشک اسی پتھر کو جو ابھی اس کے ہاتھ سے چھٹا ہے بعد موت زید کے بھی حرکت رہے گی۔ پس اسی طرح اگر بقول آریہ سماج والوں کے خدا تعالیٰ کو محض مؤثر بالقسر قرار دیا جائے تو اس سے نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ اگر پرمیشور کی موت بھی فرض کریں تو بھی ارواح اور ذرات کا کچھ بھی حرج نہ ہو۔ کیونکہ بقول پنڈت دیانند صاحب کے کہ جس کو اُنہوں نے ستیارتھ پرکاش میں درج فرما کر توحید کا ستیاناس کیا ہے اور نیز بقول پنڈت کھڑک سنگھ صاحب کے جنھوں نے بغیر سوچے سمجھے تقلید پنڈت دیانند صاحب کی اختیار کی ہے۔ وید میں یہ لکھا ہے کہ سب ارواح اپنی بقا اور حیات میں بالکل پرمیشور سے بے غرض ہیں اور جیسے بڑھئی کو چوکی سے اور کمہار کو گھڑے سے نسبت ہوتی ہے وہی پرمیشور کو مخلوقات سے نسبت ہے۔ یعنی صرف جوڑنے جاڑنے سے ٹنڈا پرمیشر گریکا چلاتا ہے اور قیوم چیزوں کا نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک دانا جانتا ہے کہ ایسا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ پرمیشور کا وجود بھی مثل کمہاروں اور نجاروں کے وجود کے بقاءِ اشیاء کے لئے کچھ شرط نہ ہو بلکہ جیسے بعد موت کمہاروں اور بڑھئیوں کے گھڑے اور چوکیاں اسی طرح سے بنے رہتے ہیں اسی طرح بصورت فوت ہونے پرمیشور کے بھی اشیاء موجودہ میں کچھ بھی خلل واقع نہ ہو سکے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خیال پنڈت صاحب کا جو پرمیشور کو صانع ہونے میں کمہار اور بڑھئی سے مشابہت ہے قیاس مع الفارق ہے۔ کاش اگر وہ خدا کو قیوم اشیاء کا مانتے اور نجاروں سا نہ جانتے تو ان کو یہ تو کہنا نہ پڑتا کہ پرمیشور کی موت فرض کرنے سے روحوں کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ لیکن شاید وید میں بھی لکھا ہوگا ورنہ میں کیونکر کہوں کہ پنڈت صاحب کو قیومت پروردگار جو اَجلی بدیہیات ہے، (پر) کچھ شک ہے اور اگر پنڈت صاحب پرمیشور کو قیوم سب چیزوں کا مانتے ہیں تو پھر اس کو کمہاروں اور معماروں سے نسبت دینا کس قسم کی بدّیا ہے اور وید میں اس پر دلیل کیا لکھی ہے۔ دیکھو فرقان مجید میں

صفت قیومی پروردگار کی کئی مقام میں ثابت کی ہے جیسا کہ مکرر اس دوسری آیت میں بھی فرمایا ہے۔ سورۃ النور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] یعنی خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔ اسی سے طبقہ سفلی اور علوی میں حیات اور بقا کی روشنی ہے۔ پس اس ہماری تحقیق سے جز اوّل قیاس مرکب کی ثابت ہوئی اور صغریٰ جز ثانی قیاس مرکب کا وہی ہے جو جز اوّل قیاس مرکب کا نتیجہ ہے اور جز اوّل قیاس مرکب کی ابھی ثابت ہو چکی ہے۔ پس نتیجہ بھی ثابت ہو گیا اور کبریٰ جز و ثانی کا جو زندہ ازلی ابدی اور قیوم سب چیزوں کا ہو وہ خالق ہوتا ہے اس طرح پر ثابت ہے کہ قیوم اُسے کہتے ہیں کہ جس کا بقا اور حیات دوسری چیزوں کے بقا اور حیات اور اُن کے کل مایحتاج کے حصول کا شرط ہو اور شرط کے یہ معنی ہیں کہ اگر اُس کا عدم فرض کیا جائے تو ساتھ ہی مشروط کا عدم فرض کرنا پڑے۔ جیسے کہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کا وجود نہ ہو تو کسی چیز کا وجود نہ ہو۔ پس یہ قول کہ اگر خدا تعالیٰ کا وجود نہ ہو تو کسی چیز کا وجود نہ ہو بعینہٖ اس قول کے مساوی ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا وجود دوسری چیزوں کے وجود کا علّت ہے اور خالقیت کے بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں کہ وجود خالق کا وجود مخلوق کے لئے علّت ہو۔ پس ثابت ہو گیا کہ خدا خالق ہے اور یہی مطلب تھا۔☆

الراقم

مرزا غلام احمد۔ رئیس قادیان

---

[1] النُّور:۳٦

☆ پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد۲ صفحہ۳ تا ۱۹

مکتوب نمبر۲

سوامی دیانند صاحب کے نام کھلا خط بصورت اعلان

سوامی دیانند صاحب نے بجواب ہماری اس بحث کے، جو ہم نے روحوں کا بے اَنت ہونا باطل کر کے غلط ہونا مسئلہ تناسخ اور قدامت سلسلہ دنیا کا ثابت کیا ہے، معرفت تین کس آریہ سماج والوں کے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر ارواح حقیقت میں بے انت نہیں لیکن تناسخ اس طرح پر ہمیشہ رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتے ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں۔ اب سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے اس جواب میں کچھ شک ہو تو بالمواجہ بحث کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس بارے میں سوامی صاحب کا خط بھی آیا۔ اس خط میں بحث کا شوق ظاہر کرتے ہیں اس واسطے بذریعہ اس اعلان کے ظاہر کیا جاتا ہے کہ

یہ بحث بالمواجہ ہم کو بسر و چشم منظور ہے۔

کاش سوامی صاحب کسی طرح ہمارے سوالوں کا جواب دیں۔ مناسب ہے کہ سوامی صاحب کوئی مقام اور ثالث بالخیر اور انعقاد جلسہ کی تجویز کر کے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے مشتہر کر دیں لیکن اس جلسہ میں شرط یہ ہے کہ یہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلیٰ کہ تین صاحب ان میں سے ممبران برہم سماج اور تین صاحب مسیحی مذہب ہونگے قرار پاوے گا۔ اوّل تقریر کرنے کا ہمارا حق ہوگا کیونکہ ہم معترض ہیں۔ پھر پنڈت صاحب برعایت شرائط جو چاہیں گے جواب دیں گے۔ پھر ان کا جواب الجواب ہماری طرف سے گزارش ہوگا اور بحث ختم ہو جائے گی۔ ہم سوامی صاحب کی اس درخواست سے بہت خوش ہوئے۔ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کیوں سوامی صاحب اور اور دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایسی بحث اور اعتراضوں کا جواب نہیں دیتے جس نے سب آریہ سماج والوں کا دم بند کر رکھا ہے۔ اب اگر سوامی صاحب نے اس **اعلان کا کوئی جواب مشتہر نہ کیا تو پس یہ سمجھو کہ** سوامی صاحب صرف باتیں کر کے اپنے موافقین کے آنسو پونچھتے ہیں اور مکت پایوں کی واپسی میں جو مفاسد ہیں مضمون مشتملہ متعلقہ اِس اعلان میں درج ہیں۔ ناظرین پڑھیں اور انصاف فرمائیں۔

۱۰؍جون ۱۸۷۸ء مرزا غلام احمد رئیس قادیان

مکتوب نمبر۳

دیوسماج کے بانی مبانی پنڈت شِو نرائن صاحب سیتا نند اَگنی ہوتری سے خط وکتابت

الہام ایک القاءِ غیبی ہے کہ جس کا حصول کسی طرح کی سوچ اور تردّد اور تفکّر اور تدبر پر موقوف نہیں ہوتا اور ایک واضح اور منکشف احساس سے کہ جیسے سامع کو متکلم سے یا مضروب کو ضارب سے یا ملموس کو لامس سے ہو، محسوس ہوتا ہے اور اس سے نفس کو مثل حرکات فکریہ کے کوئی الم روحانی نہیں پہنچتا بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رویت سے بلا تکلّف انشراح اور انبساط پاتا ہے ویسا ہی روح کو الہام سے ایک ازلی اور قدیمی رابطہ ہے کہ جس سے روح لذت اُٹھاتی ہے۔ غرض یہ ایک منجانب اللہ اعلام لذیذ ہے کہ جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں۔

دلیل لمّی نمبر اوّل۔ الہام کی ضرورت

کوئی قانون عاصم ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم لزوماً غلطی سے بچ سکیں۔ یہی باعث ہے کہ جن حکیموں نے قواعد منطق کے بنائے اور مسائل مناظرہ کے ایجاد کئے اور دلائل فلسفہ کے گھڑے، وہ بھی غلطیوں میں ڈوبتے رہے اور صدہا طور کے باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتیں اپنی نادانی کی یادگار میں چھوڑ گئے۔ پس اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اپنی ہی تحقیقات سے جمیع امور حقّہ اور عقائد صحیحہ پر پہنچ جانا اور کہیں غلطی نہ کرنا ایک محال عادی ہے۔ کیونکہ آج تک ہم نے کوئی فرد بشر ایسا نہیں دیکھا اور نہ سنا اور نہ کسی تاریخی کتاب میں لکھا ہوا پایا کہ جو اپنی تمام نظر اور فکر میں سہو اور خطا سے معصوم ہو۔ پس بذریعہ قیاس استقرائی کے یہ صحیح اور سچا نتیجہ نکلتا ہے کہ وجود ایسے اشخاص کا کہ جنہوں نے صرف قانون قدرت میں فکر اور غور کر کے اور اپنے ذخیرہ کانشنس کو واقعات عالَم سے مطابقت دے کر اپنی تحقیقات کو ایسے اعلیٰ پایہ صداقت پر پہنچا دیا ہو کہ جس میں غلطی کا نکلنا غیر ممکن ہو، خود عادتاً غیر ممکن ہے۔

اب بعد اس کے جس امر میں آپ بحث کر سکتے ہیں اور جس بحث کا آپ کو حق پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے برخلاف ہمارے اس استقرا کے کوئی نظیر دے کر ہمارے اس استقرا کو توڑ دیں یعنی از روئے وضع مستقیم مناظرہ کے جواب آپ کا صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر آپ کی نظر میں ہمارا استقرا غیر صحیح ہے تو آپ بغرض ابطال ہمارے اس استقرا کے کوئی ایسا فرد کامل ارباب نظر اور فکر اور حدس میں سے پیش کریں کہ جس کی تمام راؤں اور فیصلوں اور ججمنٹوں[1] میں کوئی نقص نکالنا ہرگز ممکن نہ ہو اور زبان اور قلم اُس کی سہو و خطا سے بالکل معصوم ہو۔ تا ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ درحقیقت ایسا ہی معصوم ہے یا کیا حال ہے؟ اگر معصوم نکلے گا تو بیشک آپ سچے اور ہم جھوٹے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے غلطی سے بچ سکے اور نہ خدا (جو رحیم و کریم اور ہر ایک سہو و خطا سے مبرا اور ہر امر کی اصل حقیقت سے واقف ہے) بذریعہ اپنے سچے الہام کے اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے کیونکر ظلمات جہل اور خطا سے باہر آویں اور کیونکر آفات شک و شُبہ سے نجات پائیں۔ لہٰذا میں مستحکم رائے سے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ مقتضائے حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اُس قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً جب مصلحت دیکھے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے کہ عقائد حقّہ کے جاننے اور اَخلاقِ صحیحہ کے معلوم کرنے میں خدا کی طرف سے الہام پائیں اور تفہیم تعلیم کا ملکہ وہبی رکھیں تا کہ نفوسِ بشریہ، کہ سچی ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اپنی سعادت مطلوبہ سے محروم نہ رہیں۔

راقم آپ کا نیاز مند

۲۱رمئی ۱۸۷۹ء غلام احمد عفی عنہ

جواب از پنڈت شِو نرائن

مکرمی جناب مرزا صاحب! عنایت نامہ آپ کا بمع مضمون پہنچا۔ آپ نے الہام کی تعریف اور اس کی ضرورت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، افسوس ہے کہ میں اس سے اتفاق نہیں کرسکتا ہوں۔ میرے اتفاق نہ کرنے کی جو جو وجوہات ہیں اُنہیں ذیل میں رقم کرتا ہوں۔

---

[1] Judgements

اوّل: آپ کی اس دلیل میں (جس کو آپ لمی قرار دیتے ہیں) علاوہ اس خیال کے کہ وہ الہام کے لئے جس کو آپ معلول تصور کرتے ہیں علّت ہوسکتی ہے یا نہیں، ایک صریحاً غلطی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہ واقعات کے خلاف ہے۔ مثلاً آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ’’کوئی قانون عاصم ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم لزوماً غلطی سے بچ سکیں اور یہی باعث ہے کہ جن حکیموں نے قواعد منطق کے بنائے اور مسائل مناظرے کے ایجاد کئے اور دلائل فلسفہ کے گھڑے وہ بھی غلطیوں میں ڈوبتے رہے اور صدہا طور کے باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتیں اپنی نادانی کی یادگار چھوڑ گئے‘‘۔ اس سے کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ انسان نے اپنی تحقیقات میں ہزاروں برس سے جو کچھ آج تک مغززنی کی ہے اور ہاتھ پیر مارے ہیں، اُس میں بجز باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتوں کے کوئی صحیح خیال اور کوئی راست اور حق امر باقی نہیں چھوڑا گیا ہے؟ یا اب جو محقق نیچر کی تحقیقات میں مصروف ہیں وہ صرف ’’نادانی کے ذخیرہ کو زیادہ کرتے ہیں اور حق امر پر پہنچنے سے قطعی مجبور ہیں؟ اگر آپ ان سوالوں کا جواب نفی میں نہ دیں تو صاف ظاہر ہے کہ آپ سینکڑوں علوم اور اُن کے متعلق ہزاروں باتوں کی راست اور صحیح معلومات سے دنیا کی ہر ایک قوم کم وبیش مستفید ہو رہی ہے، صریحاً انکار کرتے ہیں۔ مگر میں یقین کرتا ہوں کہ شاید آپ کا یہ مطلب نہ ہوگا اور اس بیان سے غالباً آپ کی یہ مراد ہوگی کہ انسان سے اپنی تحقیقات اور معلومات میں سہو اور خطا کا ہونا ممکن ہے۔ مگر یہ نہیں کہ نیچر نے انسان کو فی ذاتہٖ ایسا بنایا ہے کہ جس سے وہ کوئی معلومات صحت کے ساتھ حاصل ہی نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے اشخاص آپ نے خود دیکھے اور سنے ہونگے اور نیز تاریخ میں ایسے لوگوں کا ذکر پڑھا ہوگا کہ جو اپنی ’’تمام نظر اور فکر میں‘‘ اگرچہ آپ کے نزدیک سہو اور خطا سے معصوم نہ ہوں مگر بہت سی باتوں میں اُن کی معلومات قطعی راست اور درست ثابت ہوئی ہے اور صدہا امور کی تحقیقات جو پچھلے اور حال کے زمانہ میں وقوع میں آئی ہے اس میں غلطی کا نکلنا قطعی غیر ممکن ہے اور اس بیان کی تصدیق آپ علوم طبعی ریاضی اور اخلاقی وغیرہ کے متعلق صدہا معلومات میں بخوبی کر سکتے ہیں۔

کُل معلومات جو انسان آج تک حاصل کر چکا ہے اور نیز آئندہ حاصل کرے گا، اس کے حصول کا کُل سامان ہر فرد بشر میں نیچر نے مہیا کر دیا ہے۔ اب اس سامان کو انسان فرداً فرداً اور نیز بہ ہئیت مجموعی جس قدر اپنی محنت اور جانفشانی سے روز بروز زیادہ سے زیادہ نفیس اور طاقتور بنانے کے ساتھ ترقی کی

صورت میں لاتا جاتا ہے اور جس قدر اس کے مناسب استعمال کی تمیز پیدا کرتا جاتا ہے اسی قدر وہ نیچر کی تحقیقات میں زیادہ سے زیادہ تر صحت کے ساتھ اپنی معلومات کے حصول میں کامیاب ہوتا جاتا ہے۔

اس مختصر بیان سے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار نہ کریں گے کہ انسان سے اپنی تحقیقات میں اگرچہ غلطی کرنا ممکنات سے ہے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر ایک معلومات میں اس کے غلطی موجود ہے بلکہ بہت کچھ معلومات اس کی صحیح ہیں اور ظاہر ہے کہ جن معلومات میں اس کی غلطی موجود نہیں ہے وہ جس قاعدہ یا طریق کے برتاؤ کے ساتھ ظہور میں آئی ہے وہ بھی غلطی سے مبرّا تھا۔ کیونکہ غلط قاعدہ کے عملدرآمد سے کبھی کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے۔ پس جو معلومات اس کی صحیح ہے اس میں اسے حقیقت کے حصول کے لئے جو سامان نیچر نے اُسے عطا کیا تھا اس کا صحیح اور مناسب استعمال ظہور میں آیا مگر جہاں اس نے اپنی معلومات میں غلطی کھائی ہے وہاں اس کی مناسب نگہداشت نہیں ہوئی۔ گویا ایک شخص جس کے پاس دُوربین موجود ہے اور اُس کی نلی بھی وہ کھولنا جانتا ہے مگر ٹھیک فوکس نہ پیدا کرنے کے باعث جس طرح مقابل کی شَے کو یا تو دیکھنے سے محروم رہتا ہے یا بشرط دیکھنے کے صاف اور اصل حالت میں نہیں دیکھ سکتا ہے۔ ایک شخص اسی طرح اپنی تحقیقات میں حسبِ مذکورہ بالا نیچری سامان کی دُوربین کھولتے وقت مناسب درجہ کے فوکس میں قائم کرنے سے رہ جاتا ہے تو وہ یا تو حقیقت کی تصویر کے دیکھنے سے ہی محروم ہو جاتا ہے یا وہ تصویر جیسی ہے ویسی نہیں دیکھ☆ سکتا مگر جو شخص برخلاف اس شخص کے صحیح فوکس کے پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے وہ پہلے شخص کی غلطی کو دریافت کر لیتا ہے اور حق الامر کو پہنچ جاتا ہے۔

اب اس بیان سے (کہ جو نہایت سیدھا اور صاف ہے) یہ بخوبی ثابت ہے کہ اوّل تو انسان بعض صورتوں میں اپنے نیچری سامان کے مناسب استعمال کے ساتھ پہلے ہی حق امر کو دریافت کر لیتا

☆ دنیا میں جیسے ہاتھ پیر اور صحت بدنی رکھتے ہوئے بھی ہزاروں اور لاکھوں اشخاص بلا مشقت سستی اور کاہلی کے ساتھ ہی شکم پُری کرنے کو مستعد رہتے ہیں ویسے ہی معلومات کے متعلق بھی لاکھوں اور کروڑوں اشخاص باوجود تحقیقات کیلئے نیچری سامان سے مشرف ہونے کے پھر اپنے دماغ کو پریشان کرنا نہیں چاہتے ہیں اور جن باتوں کی اصلیت کو اپنے تھوڑے سے فکر سے بھی معلوم کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی خود تکلیف اُٹھانا نہیں چاہتے ہیں اور محض اندھوں کی طرح ایک ہی تقلید کے ساتھ مطلب برآری کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آج تک ایک کی غلطی لاکھوں کروڑوں روحوں پر مؤثر دیکھی جاتی ہے۔

ہے۔ دوم بشرط مناسب استعمال میں نہ لانے یا نہ لا سکنے کی اگر غلطی کھاتا ہے تو کوئی دوسرا جسے اس کے ٹھیک استعمال کا موقع مل جاتا ہے وہ اس غلطی کو رفع کر دیتا ہے چنانچہ انسانی معلومات کی کل تاریخ اس قسم کے دلچسپ سلسلہ سے پُر ہے اور اس سلسلہ میں جو ہزاروں برس کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کسی محقق کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا بہت دشوار نہیں رہتا ہے کہ انسان فی ذاتہٖ تمام ضروری اعضاء جسمانی اور قواعد دماغی و اخلاقی سے مشرف ہو کر اس دنیا میں (جو اس کے تمام نیچر کے حسب حال اور باہمی ربط و علاقہ کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے) آپ اپنا راستہ ڈھونڈھے اور خود اپنی جسمانی روحانی بھلائی اور بہتری کے وسائل کا علم حاصل کرے اور فائدہ اُٹھائے۔

پس اس قانون قدرت کو پس انداز کر کے یا حکیم حقیقی کی دانائی کے خلاف اگر ہم ایک فرضی دلیل قائم کریں کہ چونکہ انسان کو اپنے چاروں طرف دیکھنا ضروریات سے ہے اور دیکھنے کیلئے جو دو آنکھیں اس کے چہرے پر قائم کی گئی ہیں۔ وہ جس وقت سامنے کی اشیاء کے دیکھنے میں مصروف ہوتی ہیں اُس وقت پیچھے سے اُس کے اگر اُس کی ہلاکت کا سامان کیا گیا ہو تو وہ بشرط آگے کی دو ہی آنکھوں کے ہونے کے ضرور ہے کہ پیچھے کے حال کے دیکھنے سے محروم رہے۔ پس ممکن نہ تھا کہ خدا جو رحیم اور کریم اور حکیم ہے وہ اسے سر کے پیچھے کی طرف بھی دو آنکھیں ایسی عطا نہ کرتا کہ جس سے وہ مذکورۂ بالا خطرہ سے نجات پانے کی تدبیر کر سکتا۔ پس جبکہ سر کے پیچھے کی طرف دو آنکھوں کے ہونے کی ضرورت ہے لہٰذا لازم ہوا کہ خدا اپنے بندوں کی مزید حفاظت کی غرض سے ایسی آنکھیں عطا کرے یا اسی قسم کی ایک اور دلیل ہم یہ قائم کریں کہ چونکہ انسان کی عقل خطا کرتی ہے اور اسے یہ علم بھی آج تک حاصل نہیں ہے کہ بمبئی سے جس جہاز پر وہ ولایت کو روانہ ہوتا ہے اس کی روانگی کی تاریخ سے ہفتہ یا ڈیڑھ ہفتہ بعد جو خطرناک طوفان سمندر میں آنے والا ہے اور جس میں اس کا جہاز غرق ہونے کو ہے اسے پہلے سے جان سکے۔ پس جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے اپنے تئیں طوفان کے مہلک اور خوفناک اثر سے محفوظ کر سکتا ہے اور وہ خدا (جو رحیم و کریم اور ہر ایک سہو و خطا سے مبرا اور ہر امر کی حقیقت پر واقف ہے) بذریعہ اپنے نبی کے پیغام کے فوراً اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے کیونکر اپنی جان کو ہلاکت کے طوفان سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ پس مقتضائے حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اُس قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً وہ ہم کو

طوفان کے آنے کی اس قدر عرصہ پہلے سے خبر دیتا رہے کہ جس سے ہمیں اپنے اور اپنے جہاز کے بچانے کا موقع مل سکے۔

اب ظاہر ہے کہ جو لوگ حقیقت کے سمجھنے کا کافی ملکہ رکھتے ہیں اور منطق کے اصول کا بخوبی علم رکھتے ہیں وہ ہماری ان دونوں دلیلوں کو قطعی لنگڑی اور بے بنیاد خیال کریں گے کیوں؟ اس لئے کہ **اوّل** دونوں دلیلوں میں ''ضرورت'' کا جو کچھ قیاس قائم کیا گیا ہے جسے ہم نے اپنے نتیجہ کی علّت قرار دیا ہے وہ محض ہمارا ایک وہمی اور فرضی قیاس ہے، قوانین نیچر سے اُس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ہم اُلٹا قوانین نیچر کو پس انداز کر کے خدا کی خود دانائی پر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ **دوم** چونکہ ہماری علّت فرضی ہوتی ہے پس اس سے جو نتیجہ ہم قائم کرتے ہیں وہ بھی فرضی ہوتا ہے اور واقعات نیچری خود اُس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ جیسی پہلی مثال کے متعلق ہمارا نتیجہ واقعات کے خلاف ہے اور درحقیقت انسان کے سر کے پیچھے دو آنکھیں اور زائد قائم نہیں کی گئیں ہیں۔ دوسری مثال میں بھی ویسے ہی باوجود اس کے کہ سینکڑوں جہاز آج تک سمندر میں غرق ہو چکے ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں جانیں اُن کے ساتھ ضائع ہو چکی ہیں مگر آج تک خدا نے کسی جہاز والے کے پاس کوئی نَج کا پیغام اس قسم کا نہیں بھیجا جس کا دوسری مثال میں ذکر ہوا ہے۔ پس دونوں صورتوں میں ہماری ''ضرورت'' کا قیاس خدا کی دانائی یا قوانین قدرت کے موافق نہ تھا اس لئے اس کا نتیجہ بھی خدا کی حکمت کے خلاف ہونے کے باعث نیچر کے واقعات سے تصدیق نہ پا سکا اور محض فرضی ثابت ہوا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے الہام کی ضرورت پر جو دلیل پیش کی ہے وہ بجنسہٖ ہماری دونوں دلیلوں کے متشابہ ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ ''جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے غلطی☆ سے بچ سکتے اور نہ خدا (جو رحیم و کریم اور ہر ایک سہو اور خطا سے مبرا اور ہر امر کی اصل حقیقت پر واقف ہے) بذریعہ اپنے سچے الہام کے اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے کیونکر ظلمات جہل اور خطا سے باہر آویں اور کس طرح آفات شک و شبہ سے نجات پائیں۔ لہٰذا میں مستحکم رائے سے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ مقتضائے حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اس قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً جب مصلحت دیکھے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے کہ عقائد حقّہ کے جاننے اور اخلاقِ صحیحہ کے

☆ کل حالتوں میں انسان ''اپنے علم اور واقفیت'' میں غلطی نہیں کرتا۔ ایڈیٹر برادر ہند

معلوم کرنے میں خدا کی طرف سے الہام پاویں‘‘۔

پس جس صورت میں آپ کی اس دلیل میں بھی ’’ضرورت‘‘ کا قیاس مثل ہماری دونوں دلیلوں کے ہے اور قوانین نیچر اس کی تصدیق کرنے سے انکاری ہیں تو پھر ایسا قیاس بجز فرضی اور وہمی ہونے کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم خود تو بات بات میں ایسی سینکڑوں ضرورتیں قائم کر سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ خدا کی حکمت بھی ہماری فرضی ضرورتوں کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟ محققوں کے نزدیک وہی ضرورت ’’ضرورت‘‘ ہوسکتی ہے جس کو نیچر یا خدا کی حکمت نے قائم کیا ہو۔ جیسے ہماری بھوک کے دفعیہ کیلئے غذا اور سانس لینے کیلئے ہوا کی ضرورت ہماری فرضی نہیں بلکہ نیچری ہے اور اسی لئے اُس کا ذخیرہ بھی انسان کی زندگی کیلئے اُس نے فراہم کر دیا ہے۔ مگر جو ضرورت کہ نیچر کے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے اور اُسے خود ہم اپنے وہم سے قائم کرتے ہیں۔ وہ ایک طرف جس طور پر محض فرضی ہوتی ہے دوسری طرف اُسی طور پر اُسے علت ٹھہرا کر جو نتیجہ قائم کرتے ہیں وہ بھی فرضی ہونے کے باعث واقعات کے ساتھ مطابق نہیں ہوتا ہے اور یہ صورت ہم نے اپنی مثالوں میں بخوبی ظاہر کر دی ہے۔

دوم اس بات کی نسبت کہ آپ نے الہام کی تعریف میں جو کچھ عبارت رقم کی ہے اُس کا آپ کی دلیل سے کہاں تک ربط ہے۔ اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جس حالت میں آپ نے اپنے الہام کی کل بنیاد جس ’’ضرورت‘‘ پر قائم کی ہے درحقیقت وہ ضرورت جبکہ خود بے بنیاد ہے یعنی نیچر کے نزدیک وہ ضرورت قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر اگر یہ بھی مانا جاوے کہ جو عمارت آپ نے کسی اپنی بنیاد پر کھڑی کی ہے وہ اچھے مصالحہ کے ساتھ بھی تعمیر کی ہے تاہم وہ بے بنیاد ہونے کے باعث بجز وہم کے اور کہیں نہیں ٹھہر سکتی اور جیسے اس کی بنیاد فرضی ہے ویسے ہی وہ بھی آخر کار فرضی رہتی ہے۔

الہام کے اس غلط عقیدہ کے باعث دنیا میں لوگوں کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اور جس قدر خرابیاں برپا ہوئی ہیں اور انسانی ترقی کو جس قدر روک پہنچی ہے اس کے ذکر کرنے کو اگرچہ میرا دل چاہتا ہے مگر چونکہ امر متناقضہ سے اُس کا اس وقت کچھ علاقہ نہیں ہے لہٰذا اس کا بیان یہاں پر ملتوی رکھتا ہوں۔

آپ کا نیازمند

لاہور۔ ۳؍جون ۱۸۷۹ء شیونرائن۔ اگنی ہوتری

مکتوب نمبر۴

مکرمی جناب پنڈت صاحب

آپ کا عنایت نامہ عین انتظار کے وقت میں پہنچا۔ کمال افسوس سے لکھتا ہوں جو آپ کو تکلیف بھی ہوئی اور مجھ کو جواب بھی صحیح صحیح نہ ملا۔ میرے سوال کا تو یہ ماحصل تھا کہ جبکہ ہماری نجات (کہ جس کے وسائل کا تلاش کرنا آپ کے نزدیک بھی ضروری ہے) عقائد حقّہ اور اخلاق صحیحہ اور اعمال حسنہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے کہ جن میں امور باطلہ کی ہرگز آمیزش نہ ہو تو اس صورت میں ہم بجز اس کے کہ ہمارے علوم دینیہ اور معارف شرعیہ ایسے طریق محفوظ سے لئے گئے ہوں جو دخلِ مفاسد اور منکرات سے بکلّی معصوم ہو اور کسی طریق سے نجات نہیں پا سکتے۔ اس کے جواب میں اگر آپ وضع استقامت پر چلتے اور دابِ مناظرہ کو مرعی رکھتے تو ازروئے حصر عقلی کے جواب آپ کا (درحالت انکار) صرف تین باتوں میں سے کسی ایک بات میں محصور ہوتا۔

اوّل یہ کہ آپ سرے سے نجات کا ہی انکار کرتے اور اس کے وسائل کو مفقود الوجود اور ممتنع الحصول ٹھہراتے اور اس کی ضرورت کو چار آنکھوں کی ضرورت کی طرح صرف ایک طمع خام سمجھتے۔

دوم یہ کہ نجات کے قائل ہوتے لیکن اُس کے حصول کے لئے عقائد اور اعمال کا ہر ایک کذب اور فساد سے پاک ہونا ضروری نہ جانتے بلکہ محض باطل یا امور مخلوطہ حق اور باطل کو بھی موجب نجات کا قرار دیتے۔

سوم یہ کہ حصول نجات کو صرف حق محض سے ہی (جو امتزاجِ باطل سے بکلّی منزہ ہو) مشروط رکھتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ طریقہ مجوزہ عقل کا حق محض ہی ہے اور اس صورت میں لازم تھا کہ بغرض اثبات اپنے اس دعویٰ کے ہمارے قیاس استقرائی کو (جو حجت کی اقسام ثلاثہ میں سے تیسری قسم ہے جس کو مضمون سابق میں پیش کر چکے ہیں) کوئی نظیر معصوم عن الخطاء ہونے کسی عاقل کے پیش کر کے اور اس کے علوم نظریہ عقلیہ میں سے کوئی تصنیف دکھلا کر توڑ دیتے۔ پھر اگر حقیقت میں ہمارا قیاس استقرائی ٹوٹ جاتا اور ہم اُس تصنیف کی کوئی غلطی نکالنے سے عاجز رہ جاتے تو آپ کی ہم پر خاصی ڈگری ہو جاتی۔ مگر افسوس کہ آپ نے ایسا نہ کیا۔ ہزاروں مصنفوں کا ذکر تو کیا مگر نام ایک کا بھی نہ لیا

اور نہ اس کی کسی عقلی نظیری تصنیف کا کچھ حوالہ دیا۔ اب اس تکلیف دہی سے میری غرض یہ ہے کہ اگر الہام کی حقیت میں جناب کو ہنوز کچھ تامّل ہے تو بغرض قائم کرنے ایک مسلک بحث کے شقوق ثلاثہ متذکرہ بالا میں سے کسی ایک شق کو اختیار کیجئے اور پھر اس کا ثبوت دیجئے۔ کیونکہ جب میں ضرورت الہام پر حجت قائم کر چکا تو از روئے قانون مناظرہ کے آپ کا یہی منصب ہے جو آپ کسی حیلہ قانونی سے اس حجت کو توڑیں اور جیسا میں عرض کر چکا ہوں اس حیلہ انگیزی کے لئے آپ کے پاس صرف تین ہی طریق ہیں جن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آپ قانونًا مجاز ہیں اور یہ بات خاطر مبارک پر واضح رہے کہ ہم کو اس بحث سے صرف اظہار حق منظور ہے۔ تعصب اور نفسانیت جو سفہا کا طریقہ ہے ہرگز مرکوزِ خاطر نہیں۔ میں دلی محبت سے دوستانہ یہ بحث آپ سے کرتا ہوں اور دوستانہ راست طبعی کے جواب کا منتظر ہوں۔

راقم۔ آپ کا نیازمند

۵/ جون ۱۸۷۹ء غلام احمد عفی عنہ

☆......☆......☆

مکرمی جناب مرزا صاحب

آپ کا عنایت نامہ مرقومہ پانچویں ماہ حال مجھے ملا۔ نہایت افسوس ہے کہ میں نے آپ کے الہام کے بارے میں جو کچھ بطور جواب لکھا تھا اس سے آپ تشفی حاصل نہ کر سکے۔ میرا افسوس اور بھی زیادہ بڑھتا جاتا ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے میرے جواب کے عدم تسلیم کی نسبت کوئی صاف اور معقول وجہ بھی تحریر نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اُس کے پڑھنے اور سمجھنے میں غور اور فکر کو دخل نہیں دیا۔

پھر آپ کے اس عنایت نامہ میں ایک اور لطف یہ موجود ہے کہ آپ ایک جگہ پر قائم رہتے معلوم نہیں ہوتے۔ پہلے آپ نے الہام کی ضرورت اس دلیل کے ساتھ قائم کی کہ چونکہ انسان کی عقل حقیت کے معلوم کرنے میں عاجز ہے اور وہ اپنی تحقیقات میں خطا کرتی ہے پس ضرور ہے کہ انسان خدا کی طرف سے الہام پاوے۔ میں نے جب آپ کی اس ضرورت کو فرضی ثابت کر دیا اور

دکھلا دیا کہ خدا کی حکمت اس ضرورت کوتسلیم نہیں کرتی ہے تو آپ نے پہلے مقام کو چھوڑ کراب دوسری طرف کا راستہ لیا اور بجائے ہماری تحریر کے تسلیم کرنے یا بشرط اعتراض کسی معقول حجت کے پیش کرنے کے اب اُس سلسلہ کونجات کے مسئلہ کے ساتھ آ لپیٹا۔ یعنی اصل بحث کو جو الہام کی اصلیت پر تھی اُسے چھوڑ کر نجات کے مسئلہ کو لے بیٹھے اور اب اس نئے قضیہ کے ساتھ ایک نئی بحث کے اصولوں کو قائم کرنے لگے۔ پھراس پر ایک طُرفہ یہ کہ آپ اخیر خط میں لکھتے ہیں کہ

’’اگر الہام کی حقیت میں جناب کو ہنوز کچھ تامل ہے تو بغرض قائم کرنے ایک مسلک بحث شقوق ثلاثہ متذکرہ بالا میں سے کسی ایک شق کو اختیار کیجئے اور پھراس کا ثبوت دیجئے کیونکہ جب میں ضرورت الہام پر حجت قائم کر چکا تو اب از روئے قانون مناظرہ کے آپ کا بھی منصب ہے جو آپ کسی حیلہ قانونی سے اس حجت کو توڑ دیں‘‘۔

گویا یک نہ شُد دو شُد۔ آپ نے ضرورت الہام پر جو حجت قائم کی تھی وہ تو جناب من! میں ایک دفعہ توڑ چکا اور اُس فرضی ضرورت پر جو عمارت الہام کی آپ نے قائم کی تھی اسے بے بنیاد ٹھہرا چکا مگر افسوس ہے ایک عرصہ دراز کی عادت کے باعث اُس کی تصویر ہنوز آپ کی نظروں میں سمائی ہوئی ہے اور وہ عادت باوجود اس کے کہ آپ کو ’’اس بحث سے صرف اظہار حق منظور ہے‘‘ مگر پھر آپ کو حقیقت کے پاس پہنچنے میں سَد راہ ہے۔ تحقیق حق اُس وقت تک اپنا قدم نہیں جما سکتی ہے جب تک کہ ایک خیال جو عادت میں داخل ہوگیا ہے اُس کو ایک دوسری عادت کے ساتھ جدا کرنے کی مشق حاصل نہ کی جائے۔ کسی عیسائی کا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی گنگا کے پانی کو صرف دریا کا پانی سمجھتا ہے اور اس سے زیادہ گناہ سے نجات وغیرہ کا خیال اس سے متعلق نہیں کرتا۔ مگر ایک پُرانے خیال کے معتقد بڈھے ہندو کے نزدیک اس پانی میں ایک غوطہ مارنے سے انسان کے کُل گناہ دفع ہو جاتے ہیں۔

ایک عیسائی کے نزدیک خدا کی تثلیث برحق ہے مگر ایک مسلمان یا براہمو کے نزدیک وہ بالکل لغو ہے۔ اگر کسی ایسے ہندو یا عیسائی سے بحث کر کے اس کے خیال کی لغویت کو ظاہر بھی کر دو (کہ جس کا ظاہر کرنا کچھ مشکل بات نہیں) مگر وہ اس کی لغویت کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حتّٰی کہ جب جواب سے عاجز آتا ہے تو یہ کہہ کر ’’کہ گو میں ٹھیک جواب نہیں دے سکتا ہوں مگر میں اُس کا قائل ہوں اور دل سے اُسے ٹھیک جانتا ہوں‘‘۔ یہ دل کی گواہی اس کی وہی عادت ہے کہ جو حکماء کے نزدیک طبیعت ثانی

کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ پس جس الہام کے آپ قائل ہیں اُس کی بھی وہی کیفیت ہے۔ آپ کے نزدیک ایک عرصہ دراز کی عادت کے باعث وہ خیال ایسا پختہ اور صحیح ہوگیا ہے کہ آپ اس کے مخالف ہماری مضبوط سے مضبوط دلیل بھی قابل اطمینان نہیں پاتے ہیں۔ اور جب ایک طرف سے اپنی دلیل کو کمزور دیکھتے ہیں تو دوسری طرف بدل کر چل دیتے ہیں۔ اس طور پر فیصلہ ہونا محال ہے۔ آج تک کسی سے ہوا بھی نہیں اور نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے۔ آپ مجھ سے اُن مصنفوں کے نام طلب کرتے ہیں جن کی تصنیف یا تحقیقات میں غلطی نہیں ہے۔ حالانکہ جن علوم کا میں نے ذکر کیا تھا اُس کے جاننے والوں کے نزدیک اِن کی تصنیف کی کیفیت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیا آپ نے علم ریاضی کی تصنیفات خود ملاحظہ نہیں کی ہیں؟ کیا علم طبیعات کی کتب آپ کی نظر سے نہیں گزری ہیں؟ بیشک جدید تصنیفات جو انگریزی سے فارسی یا عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں شاید اُن کی کیفیت آپ سے پوشیدہ ہو مگر بعض یونانیوں کی تصنیف مثل اقلیدس کے علم ہندسہ وغیرہ سے غالباً آپ واقفیت رکھتے ہونگے اور ظاہر ہے کہ علم ہندسہ کے راست اور صحیح ہونے میں آج تک دنیا میں کسی عالم کو خواہ (وہ الہام کا مقر ہو یا منکر خدا پرست ہو یا دہریہ) کلام نہیں ہے۔ اگر آپ کی رائے میں وہ درست نہ ہو تو آپ براہ مہربانی مجھ کو اس کی غلطیوں سے مطلع فرمائیں۔

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کے مضمون کے جواب دینے میں داب مناظرہ کو مرعی نہیں رکھا۔ اس کے جواب میں میں صرف اس قدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ جس وقت میری اور آپ کی کل تحریریں رسالہ برادر ہند میں مشتہر کی جاویں گی۔ اُس وقت انصاف پسند ناظرین خود ہی تصفیہ کرلیں گے۔ آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غیر صحیح۔

اگر آپ لکھیں تو اگلے مہینہ کے رسالہ سے اس بحث کو مشتہر کرنا شروع کردوں۔

آپ کا نیازمند

لاہور ۱۲/ جون ۱۸۷۹ء شیونارائن۔ اگنی ہوتری

مکتوب نمبر ۵

مکرمی جناب پنڈت صاحب

آپ کا مہربانی نامہ عین اُس وقت میں پہنچا کہ جب میں بعض ضروری مقدمات کے لئے امرتسر کی طرف جانے کو تھا۔ چونکہ اس وقت مجھے دو گھنٹہ کی بھی فرصت نہیں اس لئے آپ کا جواب واپس آ کر لکھوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ تین روز بغایت درجہ چار روز کے بعد واپس آ جاؤں گا اور پھر آتے ہی جواب لکھ کر خدمت گرامی میں ارسال کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ مضامین برادر ہند میں درج ہونگے۔ مگر میری صلاح یہ ہے کہ ان مضامین کے ساتھ دو ثالثوں کی رائے بھی ہو تب اندراج پاویں۔ مگر اب مشکل یہ کہ ثالث کہاں سے لاویں، ناچار یہی تجویز خوب ہے کہ آپ ایک فاضل نامی گرامی صاحب تالیف وتصنیف کا براہم سماج کے فضلاء میں سے منتخب کر کے اطلاع دیں جو ایک خداترس اور فروتن اور محقق اور بےنفس اور بےتعصب ہو اور ایک انگریز، کہ جس کی قوم کی زیرکی بلکہ بےنظیری کے آپ قائل ہیں، انتخاب فرما کر اس سے بھی اطلاع بخشیں تو اغلب ہے کہ میں ان دونوں کو منظور کروں گا اور میں نے بطور سرسری سنا ہے کہ آپ کے برہمو سماج میں ایک صاحب کیشب چندر نام لئیق اور دانا آدمی ہیں۔ اگر یہی سچ ہے تو وہی منظور ہیں۔ اُن کے ساتھ ایک انگریز کر دیجئے۔ مگر منصفوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ صرف اتنا ہی لکھیں کہ ہماری رائے میں یہ ہے یا وہ ہے بلکہ ہر ایک فریق کی دلیل کو اپنے بیان سے توڑنا یا بحال رکھنا ہوگا۔ دوسرے یہ مناسب ہے کہ اس مضمون کو رسالہ میں متفرق طور پر درج نہ کیا جائے کہ اس میں منصف کو دوسرے نمبروں کا مدت دراز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ یہ سارا مضمون ایک ہی دفعہ ''برادر ہند'' میں درج ہو یعنی تین تحریریں ہماری طرف سے اور تین ہی آپ کی طرف سے ہوں اور اُن پر دونوں منصفوں کی مفصل رائے درج ہو اور اگر آپ کی نظر میں اب کی دفعہ منصفوں کی رائے درج کرنا کچھ دقت ہو تو پھر اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ جب میں بفضلہٖ تعالیٰ امرتسر سے واپس آ کر تحریر ثالث آپ کے پاس بھیج دوں تو آپ بھی اُس پر کچھ مختصر تحریر کر کے تینوں تحریریں یکدفعہ چھاپ دیں اور ان تحریروں کے اخیر میں یہ بھی لکھا جائے کہ فلاں فلاں منصف صاحب اس

پر اپنا اپنا موجہ رائے تحریر فرمائیں اور پھر دو جلدیں اس رسالہ کی منصفوں کی خدمت میں مفت بھیجی جائیں۔ آیندہ جیسے آپ کی مرضی ہو اس سے اطلاع بخشیں اور جلد اطلاع بخشیں اور میں نے چلتے چلتے جلدی سے یہ خط لکھ ڈالا ہے۔ کمی بیشی الفاظ سے معاف فرمائیں۔ ☆

راقم

آپ کا نیازمند

غلام احمد عفی عنہ

۱۷؍جون ۱۸۷۹ء

نوٹ: ابھی تک مجھے پنڈت شونرائن صاحب اگنی ہوتری کے متعلق اسی قدر خطوط ملے ہیں۔ اس آخری خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی مفصل خط لکھا ہے۔ اگر اس کتاب کے طبع ہو جانے تک مجھے وہ خط بھی میسر آ گیا تو انشاء اللہ العزیز اسی کتاب میں درج ہو جائے گا۔ و باللہ التوفیق۔

خاکسار

یعقوب علی تراب۔ احمدی

☆......☆......☆

☆ مکتوبات نمبر ۳، ۴، ۵۔ پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۰ تا ۳۳

مکتوب نمبر۶

باوانرائن سنگھ کی

شرائط مطلوبہ پرچہ سفیر ہند ۲۳رفروری کا ایفاء اور نیز چند امور واجب العرض بتفصیل ذیل

(۱) اوّل ذکر کرنا اس بات کا قرین مصلحت ہے کہ اشتہار مندرجہ ذیل میں جو حسب درخواست ہمارے معزز دوست باوانرائن سنگھ صاحب وکیل کے لکھا جاتا ہے لفظ **جرمانہ** کا جو بجائے لفظ **انعام** کے ثبت ہوا ہے محض بغرض رضا جوئی باوا صاحب **موصوف** کے درج کیا گیا ہے، ورنہ ظاہر رہے کہ ایسا اندراج مطابق منشاء اصول قوانین مجریہ سرکار کے ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ زرموعودہ کسی مجرمانہ فعل کا تاوان نہیں تا اس کا نام **جرمانہ** رکھا جائے بلکہ یہ وہ حق ہے جو خود مشتہر نے بطیب نفس و رضائے خاطر بلااِکراہ غیرے کسی مجیب مُصیب کو بپاداش اُس کے جواب باصواب کے دینا مقرر کیا ہے۔ اس صورت میں کچھ پوشیدہ نہیں کہ یہ رقم درحقیقت بصلہ اثبات ایک امر غیر مثبت کے ہے جس کو ہم **انعام** سے تعبیر کر سکتے ہیں، **جرمانہ** نہیں ہے اور نہ از روئے حکم کسی قانون گورنمنٹ برطانیہ کے کوئی سوال نیک نیتی سے کرنا یا کسی امر میں بصدق نیت کچھ رائے دینا داخل جرم ہے تا اس نکتہ چینی کی کچھ بنیاد ہو سکے۔ غرض اس موقعہ پر ثبت لفظ **جرمانہ** کا بالکل غیر معقول اور مہمل اور بے محل ہے لیکن چونکہ باوا صاحب **ممدوح** پرچہ مقدم الذکر میں بزمرہ دیگر شرائط کے یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ بجائے لفظ **انعام** کے لفظ **جرمانہ** کا لکھا جاوے تب ہم جواب دیں گے۔ سو خیر میں وہی لکھ دیتا ہوں۔ کاش باوا صاحب کسی طرح جواب اُس سوال اشتہاری کا دیں۔ ہر چند میں جانتا ہوں جو باوا صاحب اس جرح قانونی میں بھی غلطی پر ہیں اور کوئی ایسا ایکٹ میری نظر سے نہیں گزرا جو نیک نیتی کے سوال کو جرم میں داخل کرے۔

(۲) شرط دوئم باوا صاحب کی اس طرح پوری کر دی گئی ہے جو ایک خط بقلم خود تحریر کر کے

باقرار مضمون مشتہرہ کے خدمت مبارک باوا صاحب میں ارسال کیا گیا ہے۔ باوا صاحب خوب جانتے ہیں جو اوّل تو خود اشتہار کسی مشتہر کا جو باضابطہ کسی اخبار میں شائع کیا جاوے قانوناً تاثیر ایک اقرار نامہ کی رکھتا ہے بلکہ وہ بلحاظ تعدد نقول کے گویا صدہا تمسک ہیں۔ علاوہ ازاں چٹھیات خانگی بھی جو کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں عدالت میں پیش کئے جاویں ایک قومی دستاویز ہیں اور قوت اقرارنامہ قانونی کے رکھتے ہیں۔ سو چٹھی خاص بھی بھیجی گئی۔ ماسوائے اس کے جب کہ اس معاملہ میں اشتہارات زبانی ثالثوں کے بھی موجود ہوگی تو پھر باوجود اس قدر انواع و اقسام کے ثبوتوں کے حاجت کسی عہد نامہ خاص کی کیا رہی۔ لیکن چونکہ مجھ کو اِتمامِ حجت مطلوب ہے اس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس ثبوت پر کفایت نہ کر کے پھر باوا صاحب اقرار نامہ اشٹام کا مطالبہ کریں گے تو فوراً اقرار نامہ مطلوبہ اُن کا معرفت مطبع سفیر ہند کے یا جیسا مناسب ہو، خدمت میں اُن کی بھیجا جاوے گا۔ لیکن باوا صاحب پر لازم ہوگا کہ درصورت مغلوب رہنے کے قیمت اشٹام کی واپس کریں۔

(۳) شرط سوم میں باوا صاحب روپیہ وصول ہونے کا اطمینان چاہتے ہیں۔ سو واضح ہو اگر باوا صاحب کا اس فکر سے دل دھڑکتا ہے کہ اگر روپیہ وقت پر ادا نہ ہو تو کس جائداد سے وصول ہوگا تو اس میں یہ عرض ہے کہ اگر باوا صاحب کو ہماری املاک موجودہ کا حال معلوم نہیں تو صاحب موصوف کو ایسے قلیل معاملہ میں زیادہ آگاہ کرنا ضروری نہیں صرف اس قدر نشاندہی کافی ہے کہ درصورت تردد کے ایک معتبر اپنا صرف بٹالہ میں بھیج دیں اور ہمارے مکانات اور اراضی جو قصبہ مذکورہ میں قیمتی چھ سات ہزار روپیہ کے موجود اور واقعہ ہیں اُن کی قیمت تخمینی دریافت کر کے اپنے مضطرب دل کی تسلی کرلیں اور نیز یہ بھی واضح ہو جو بمجرد جواب دینے کے مطالبہ روپیہ کا نہیں ہو سکتا جیسا کہ باوا صاحب کی تحریر سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ مطالبہ کا وہ وقت ہوگا کہ جب کل آرائے تحریری ثالثان اہل انصاف کے، جن کے اسماء مبارکہ تنقیح شرط چہارم میں ابھی درج کروں گا، سفیر ہند میں بشرائط مشروطہ پرچہ ہذا کے طبع ہو کر شائع ہو جائیں گی۔

(۴) شرط چہارم میں باوا صاحب نے صاحبان مندرجہ ذیل کو منصفان تنقید جواب قرار دیا ہے **مولوی سید احمد خان صاحب، منشی کنہیا لال صاحب، منشی اندرمن صاحب**۔ مجھ کو منصفان مجوزہ باوا صاحب میں کسی نہج کا عذر نہیں بلکہ میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو انہوں نے تجویز تقرر ثالثان

میں مولوی سید احمد خان صاحب کا نام بھی جو ہم سے اخوت اسلام رکھتے ہیں درج کر دیا۔ اس لئے میں بھی اپنے منصفان مقبولہ میں ایک فاضل آریہ صاحب کو جن کی فضیلت میں باوا صاحب کو بھی کلام نہیں باعتماد طبیعت صالحانہ اور رائے منصفانہ اُن کی کے داخل کرتا ہوں جن کے نام نامی یہ ہیں **سوامی پنڈت دیانند سرستی، حکیم محمد شریف صاحب امرتسری، مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری** لیکن اتنی عرض اور ہے کہ علاوہ ان صاحبوں کے کہ فریقین کے ہم مذہب ہیں دو صاحب مسیحی مذہب بھی ممبر تنقید جواب کے قرار پانے چاہئیں۔ سو میری دانست میں **پادری رجب علی صاحب** اور **بابو رلارام صاحب** جو علاوہ فضیلت علمی اور طبیعت منصفانہ کے اس بحث جاری شدہ سے بخوبی واقف ہیں، بشرطیکہ صاحبین موصوفین براہ مہربانی اس شوریٰ میں داخل ہونا منظور کر لیں۔ اور آپ کو بھی اس میں کچھ کلام نہ ہو بہتر اور انسب ہیں۔ ورنہ بالآخر اس طرح تجویز ہوگی کہ ایک صاحب مسیحی مذہب کو آپ قبول کر کے اطلاع دے دیں اور ایک کے اسم مبارک سے میں مطلع کروں گا۔

اور تصفیہ اس طرح پر ہوگا کہ بعد طبع ہونے جواب آپ کے اُن سب صاحبوں کو جو حسب مرضی فریقین ثالث قرار پائے ہیں، بذریعہ خانگی خطوط کے اطلاع دی جائے گی لیکن ہر ایک فریق ہم دونوں میں سے ذمہ دار ہوگا کہ اپنے منصفین مجوزہ کو آپ اطلاع دے۔ تب صاحبان منصفین اوّل ہمارے سوال نمبر ا کو دیکھیں گے اور بعد اُس کے تبصرہ مشمولہ شرائط ہذا کو جس میں آپ کے جواب الجواب کا، جو ۱۸؍فروری آفتاب پنجاب میں طبع ہوا تھا، ازالہ ہے بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔ پھر آپ کا جواب بتدبر تمام پڑھ کر جانچیں گے کہ آیا اس جواب سے وجوہات ہمارے ردّ ہو گئے یا نہیں اور یہ بھی دیکھیں گے کہ آپ نے باثبات دونو امر مندرجہ اشتہار کے کیا کیا وجوہات پیش کئے ہیں لیکن یہ امر کسی منصف کے اختیار میں نہ ہوگا کہ صرف اس قدر رائے ظاہر کرے کہ ہماری دانست میں یہ ہے یا وہ ہے بلکہ اگر کوئی ایسی رائے ظاہر کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے کوئی رائے ظاہر نہیں کیا۔ غرض کوئی رائے شہادت میں نہیں لیا جائے گا جب تک اس صورت سے تحریر نہ ہو کہ اصل وجوہات متخاصمین کو پورا پورا بیان کر کے بتقریر مدلّل ظاہر کرے کہ کس طور سے یہ وجوہات ٹوٹ گئیں یا بحال رہیں اور علاوہ اس کے یہ سب منصفانہ آراء سے سفیر ہند میں درج ہونگے۔ نہ کسی اور پرچہ میں۔ بلکہ صاحبان منصفین اپنی اپنی تحریر کو براہ راست مطبع ممدوح الذکر میں ارسال فرمائیں گے

باستثناء بابو رلارام صاحب کے کہ اگر وہ اس شوریٰ تنقید جواب میں داخل ہوئے تو اُن کو اپنی رائے اپنے پرچہ میں طبع کرنا اختیار ہوگا اور جب کہ یہ سب آرائے بقید شرائط متذکرہ بالا کے طبع ہو جائیں گی تو اُس وقت کثرت رائے پر فیصلہ ہوگا اور اگر ایک نمبر بھی زیادہ ہوتو باوا صاحب کو ڈگری ملے گی ورنہ آں حضرت مغلوب رہیں گے۔

اشتہار مبلغ پانسو روپیہ

میں راقم، اُس سوال کا جو آریہ سماج کی نسبت پرچہ ۹؍فروری اور بعد اُس کے سفیر ہند میں بدفعات درج ہو چکا ہے، اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کر کے لکھ دیتا ہوں کہ اگر باوا نرائن سنگھ صاحب یا کوئی اور صاحب منجملہ آریہ سماج کے جو اُن سے متفق الرائے ہوں ہماری اُن وجوہات کا جواب جو سوال مذکورہ میں درج ہے اور نیز اُن دلائل کی تردید جو تبصرہ مشمولہ اشتہار ہذا میں مبیں ہے پورا پورا ادا کر کے بدلائل حقہ یقینیہ یہ ثابت کر دے کہ ارواح بے اَنت ہیں اور پرمیشور کو اُن کی تعداد معلوم نہیں تو میں پانسو نقد اُس کو بطور جرمانہ کے دوں گا اور درصورت نہ ادا ہونے روپیہ کے مجیب مثبت کو اختیار ہوگا کہ امداد عدالت سے وصول کرے۔ تنقید جواب کی اُس طرح عمل میں آوے گی جیسے تنقیح شرائط میں اوپر لکھا گیا ہے اور نیز جواب باوا صاحب کا بعد طبع اور شائع ہونے تبصرہ ہماری کے مطبوع ہوگا۔

المشتہر
مرزا غلام احمد رئیس قادیان

مکتوب نمبر ۷

جواب الجواب

باوانرائن سنگھ صاحب سیکرٹری آریہ سماج امرتسر مطبوعہ پرچہ آفتاب ۱۸؍فروری

(از حضرت مرزا غلام احمد رئیس قادیان)

اوّل باوا صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خدا روحوں کا خالق ہے اوران کو پیدا کرسکتا ہے۔ اس کے جواب الجواب میں قبل شروع کرنے مطلب کے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ازروئے قاعدہ فن مناظرہ کے آپ کا ہرگز یہ منصب نہیں ہوسکتا کہ آپ روحوں کے مخلوق ہونے کا ہم سے ثبوت مانگیں بلکہ یہ حق ہم کو پہنچتا ہے کہ ہم آپ سے روحوں کے بِلا پیدائش ہونے کی سند طلب کریں کیونکہ آپ اسی پرچہ مذکورالعنوان میں خود اپنی زبان مبارک سے اقرار کر چکے ہیں کہ پرمیشور قادر ہے اور تمام سلسلہ عالم کا وہی منتظم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ثبوت دینا اس امرِ جدید کا آپ کے ذمہ ہے کہ پرمیشور اوّل قادر ہوکر پھر غیر قادر کس طرح بن گیا، ہمارے ذمہ ہرگز نہیں کہ ہم ثبوت کرتے پھریں کہ پرمیشور جو قدیم سے قادر ہے وہ اب بھی قادر ہے۔ سوحضرت یہ آپ کو چاہیئے تھا کہ ہم کو اس بات کا ثبوت کامل دیتے کہ پرمیشور باوصف قادر ہونے کے پھر روحوں کے پیدا کرنے سے کیوں عاجز رہے گا۔ ہم پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ پرمیشور (جو قادر تسلیم ہو چکا ہے) روحوں کے پیدا کرنے کی کس قدر قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ خدا کے قادر ہونے کو تو ہم اور آپ دونوں مانتے ہیں۔ پس اس وقت تک تو ہم میں اور آپ میں کچھ تنازعہ نہ تھا۔ پھر تنازعہ تو آپ نے پیدا کیا جو روحوں کے پیدا کرنے سے اس قادر پرمیشور کو عاجز سمجھا۔ اس صورت میں آپ خود منصف ہوں اور بتلائیں کہ بارِ ثبوت کس کے ذمہ ہے؟

اور اگر ہم بطریق تنزّل یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اگرچہ دعویٰ آپ نے کیا مگر ثبوت اس کا ہمارے ذمہ ہے، پس آپ کو مژدہ ہو کہ ہم نے سفیر ہند ۲۱؍فروری میں خدا کے خالق ہونے کا ثبوت کامل

دے دیا ہے۔ جب آپ بنظر انصاف پرچہ مذکور کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی تسلی کامل ہو جائے گی اور خود ظاہر ہے کہ خدا تو وہی ہونا چاہئے جو موجد مخلوقات ہو نہ یہ کہ زور آور سلاطین کی طرح صرف غیروں پر قابض ہو کر خدائی کرے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ شک گزرتا ہے کہ پرمیشور جو اپنی نظیر نہیں پیدا کر سکتا شاید اُسی طرح ارواح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہ ہوگا۔ پس اس کا جواب بھی پرچہ مذکور ۹ رفروری میں پختہ دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ایسے افعال ہرگز نہیں کرتا جن سے اُس کی صفات قدیم کا زوال لازم آوے، جیسے وہ اپنا شریک نہیں پیدا کر سکتا۔ اپنے آپ کو ہلاک نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا کرے تو اُس کی صفات قدیمہ جو وحدت ذاتی اور حیات ابدی ہے زائل ہو جائیں گی۔ پس وہ قدوس خدا کوئی کام برخلاف اپنی صفاتِ ازلیّہ کے ہرگز نہیں کرتا۔ باقی سب افعال پر قادر ہے۔ پس آپ نے جو روحوں کی پیدائش کو شریک الباری کی پیدائش پر قیاس کیا تو خطا کی۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت کر دیتے کہ پیدا کرنا ارواح کا بھی مثل پیدا کرنے نظیر اپنی کے خدا کی کسی صفت عظمت اور جلال کے برخلاف ہے تو دعویٰ آپ کا بلاشبہ ثابت ہو جاتا۔

پس آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ خدا نے روح کہاں سے پیدا کئے۔ اس تقریر سے صاف پایا جاتا ہے آپ کو خدا کے قدرتی کاموں سے مطلق انکار ہے اور اس کو مثل آدم زاد کے محتاج بأسباب سمجھتے ہیں۔ اور اگر آپ کا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح پرمیشور روحوں کو پیدا کر لیتا ہے تو اس وہم کے دفع میں پہلے ہی لکھا گیا تھا کہ پرمیشور کی قدرتِ کاملہ میں ہرگز یہ شرط نہیں کہ ضرور انسان کی سمجھ میں آ جایا کرے۔ دنیا میں اس قسم کے ہزار ہا نمونہ موجود ہیں کہ قدرتِ مُدرِکہ انسان کی ان کی کنہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور علاوہ اس کے ایک امر کا عقل میں نہ آنا اور چیز ہے اور اس کا محال ثابت ہونا اور چیز۔ عدمِ ثبوت اس بات کا کہ خدا نے کس طرح روحوں کو بنا لیا اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ خدا سے روح نہیں بن سکتے تھے کیونکہ عدمِ علم سے عدمِ شے لازم نہیں آتا۔ کیا ممکن نہیں جو ایک کام خدا کی قدرت کے تحت داخل تو ہو لیکن عقل ناقص ہماری اس کے اَسرار تک نہ پہنچ سکے؟ بلکہ قدرت تو حقیقت میں اسی بات کا نام ہے جو داغِ احتیاجِ اسباب سے منزہ اور پاک اور اِدراکِ انسانی سے برتر ہو۔ اوّل خدا کو قادر کہنا اور پھر یہ زبان پر لانا

کہ اس کی قدرت اسباب مادی سے تجاوز نہیں کرتی ،حقیقت میں اپنی بات کو آپ ردّ کرنا ہے کیونکہ اگر وہ فی حدِّ ذاتہٖ قادر ہے تو پھر کسی سہارے اور آسرے کا محتاج ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا آپ کی پستکوں میں قادر اور سرب شکتی مان اسی کو کہتے ہیں جو بغیر توسل اسباب کے کارخانہ قدرت اس کی کا بند رہے۔ اور نرا اس کے حکم سے کچھ بھی نہ ہو سکے۔ شاید آپ کے ہاں لکھا ہوگا۔ مگر ہم لوگ تو ایسے کمزور کو خدا نہیں جانتے ہمارا تو وہ قادر خدا ہے کہ جس کی یہ صفت ہے کہ جو چاہا سو ہو گیا اور جو چاہے گا سو ہوگا۔

پھر باوا صاحب اپنے جواب میں مجھ کو فرماتے ہیں کہ جس طرح تم نے یہ مان لیا کہ خدا دوسرا خدا نہیں بنا سکتا اسی طرح یہ بھی ماننا چاہئے کہ خدا روح پیدا نہیں کر سکتا۔ اس فہم اور ایسے سوال سے اگر میں تعجب نہ کروں تو کیا کروں؟ صاحبِ من! میں تو اس وہم کا کئی دفعہ آپ کو جواب دے چکا۔ اب میں بار بار کہاں تک لکھوں۔ میں حیران ہوں کہ آپ کو یہ بیّن فرق کیوں سمجھ میں نہیں آتا اور کیوں دل پر سے یہ حجاب نہیں اُٹھتا کہ جو روحوں کے پیدا کرنے کو دوسرے خدا کی پیدائش پر قیاس کرنا خیال فاسد ہے۔ کیونکہ دوسرا خدا بنانے میں وہ صفت ازلی پرمیشور کی جو واحد لاشریک ہونا ہے نابود ہو جائے گی۔ لیکن پیدائش ارواح میں کسی صفت واجب الوجود کا ازالہ نہیں بلکہ ناپید کرنے میں ازالہ ہے کیونکہ اس سے صفت قدرت کی، جو پرمیشور میں بالاتفاق تسلیم ہو چکی ہے، زاویہ اختفا میں رہے گی اور بپایۂ ثبوت نہیں پہنچے گی۔ اس لئے کہ جب پرمیشور نے خود ایجاد اپنے سے بِلا توسل اسباب کے کوئی چیز محض قدرت کاملہ اپنی سے پیدا ہی نہیں کی تو ہم کو کہاں سے معلوم ہو کہ اس میں ذاتی قدرت بھی ہے۔ اگر یہ کہو کہ اس میں کچھ ذاتی قدرت نہیں تو اس اعتقاد سے وہ پَرَادھیں یعنی محتاج بالغیر ٹھہرے گا اور یہ بہ بداہت عقل باطل ہے۔ غرض پرمیشور کا خالق ارواح ہونا تو ایسا ضروری امر ہے جو بغیر تجویز مخلوقیت ارواح کے سب کارخانہ خدائی کا بگڑ جاتا ہے لیکن دوسرا خدا پیدا کرنا صفت وحدت ذاتی کے برخلاف ہے، پھر کس طرح پرمیشور ایسے امر کی طرف متوجہ ہو کہ جس سے اس کی صفت قدیمہ کا بطلان لازم آوے اور نیز اس صورت میں جو روح غیر مخلوق اور بے اَنت مانے جائیں، کل ارواح صفت انادی اور غیر محدود ہونے میں خدا سے شریک ہو جائیں گی اور علاوہ اس کے پرمیشور بھی، اپنی صفت قدیم سے جو پیدا کرنا بِلا اسباب ہے، محروم رہے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ

پرمیشور کوصرف روحوں پر جمعداری ہی جمعداری ہے اوران کا خالق اورواجب الوجود نہیں۔

پھر بعداس کے باوا صاحب اسی اپنے جواب میں روحوں کے انتہا ہونے کا جھگڑا لے بیٹھے ہیں جس کو ہم پہلے اس سے ۹؍اور۱۶؍فروری سفیر ہند میں چودہ (۱۴) دلائل پختہ سے ردّ کر چکے ہیں لیکن باواصاحب اب تک انکار کئے جاتے ہیں۔پس ان پرواضح رہے کہ یوں توانکار کرنااورنہ ماننا سہل بات ہےاور ہرایک کواختیار ہے کہ جس بات پر چاہے رہے۔ پر ہم تو تب جانتے کہ آپ کسی دلیل ہماری کوردّ کر کے دکھلاتے۔اور بےاَنت ہونے کی وجوہات پیش کرتے۔آپ کو سمجھنا چاہئے کہ جس حالت میں ارواح بعض جگہ نہیں پائے جاتے تو بےاَنت کس طرح ہوگئے؟ کیا بےانت کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ جب ایک جگہ تشریف لے گئے تو دوسری جگہ خالی رہ گئی۔اگر پرمیشر بھی اسی طرح کا بےاَنت ہے تو کارخانہ خدائی کا معرض خطر میں ہے۔افسوس کہ آپ نے ہمارے اُن پختہ دلائل کو کچھ نہ سوچا اور کچھ غور نہ کیا اور یونہی جواب لکھنے کو بیٹھ گئے حالانکہ آپ کی منصفانہ طبیعت پر یہ فرض تھا کہ اپنے جواب میں اس امر کا التزام کرتے کہ ہر ایک دلیل ہماری تحریر کر کے اس کے محاذات میں اپنی دلیل لکھتے، پر کہاں سے لکھتے؟ اور تعجب تو یہ ہے کہ اسی جواب میں آپ کا یہ اقرار بھی درج ہے کہ ضرور سب ارواح ابتدا سرشٹی میں زمین پر جنم لیتے ہیں اور مدت سوا چار ارب سلسلہ دنیا کا بنا رہتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔اب اے میرے پیارو اور دوستو! اپنے دل میں آپ ہی سوچو۔اپنے قول میں خود ہی غور کرو کہ جو پیدائش ایک مقرری وقت سے شروع ہوئی اور ایک محدود مقام میں اُن سب نے جنم لیا اور ایک محدود مدت تک اُن کے توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو ایسی پیدائش کس طرح بےانت ہوسکتی ہے۔آپ نے پڑھا ہوگا کہ بموجب اصول موضوعہ فلسفہ کے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو چند محدود چیزوں میں ایک محدود عرصہ تک کچھ زیادتی ہوتی رہی تو بعد زیادتی کے بھی وہ چیزیں محدود رہیں گی۔اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر متعدد جانور ایک متعدد عرصہ تک بچہ دیتے رہیں تو اُن کی اولاد بموجب اصول مذکور کے ایک مقدار متعدد سے زیادہ نہ ہوگی اور خود از روئے حساب کے ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس قدر پیدائش سوا چار ارب میں ہوتی ہے اگر بجائے اُس مدت کے ساڑھے آٹھ ارب فرض کریں تو شک نہیں کہ اس صورت مؤخر الذکر میں پہلی صورت سے پیدائش دوچند ہوگی۔حالانکہ یہ بات اَجلی بدیہات ہے کہ بےانت کبھی قابل تضعیف نہیں ہوسکتا۔اگر ارواح بےاَنت ثابت ہوتے تو ایسی مدت معدود میں کیوں محصور ہوجاتے کہ جن کے

اضعاف کوعقل تجویز کرسکتی ہے اور نہ کوئی دانا محدود زمانی اور مکانی کو بے اَنت کہے گا۔ باوا صاحب برائے مہربانی ہم کو بتلا دیں کہ اگر سوا چار ارب کی پیدائش کا نام بے اَنت ہے تو ساڑھے آٹھ ارب کی پیدائش کا نام کیا رکھنا چاہئے۔ غرض یہ قول صریح باطل ہے کہ ارواح موجودہ محدود زمانی اور مکانی ہو کر پھر بھی بے انت ہیں کیونکہ مدت معین کا توالد وتناسل تعداد معینہ سے کبھی زیادہ نہیں۔ اور اگر یہ قول ہے کہ سب ارواح بدفعہ واحد زمین پر جنم لیتے ہیں۔ سو بطلان اس کا ظاہر ہے کیونکہ زمین محدود ہے اور ارواح بقول آپ کے غیر محدود پھر غیر محدود۔ کس طرح محدود میں سما سکے۔

اور اگر یہ کہو کہ بعض حیوانات باوصف مکتی نہ پانے کے نئی دنیا میں نہیں آتے۔ سو یہ آپ کے اصول کے برخلاف ہے کیونکہ جبکہ پیشتر عرض کیا گیا ہے آپ کا یہ اصول ہے کہ ہر نئی دنیا میں تمام وہ ارواح جو سرشٹی گزشتہ میں مکتی پانے سے رہ گئے تھے اپنے کرموں کا پھل بھوگنے کے واسطے جنم لیتے ہیں، کوئی جیو جنم لینے سے باہر نہیں رہ جاتا۔ اب قطع نظر ان دلائل سے اگر اسی ایک دلیل پر، جو محدود فی الزماں والمکان ہونے کے ہے، غور کیا جائے تو صاف ثابت ہے کہ آپ کو ارواح کے متعدد ماننے سے کوئی گریز گاہ نہیں اور بجز تسلیم کے کچھ بن نہیں پڑتا بالخصوص اگر اُن سب دلائل کو جو سوال نمبر ا میں درج ہو چکے ہیں ان دلائل کے ساتھ جو اس تبصرہ میں اندراج پائیں ملا کر پڑھا جائے تو کون منصف ہے جو اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ ایسے روشن ثبوت سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ پھر افسوس کہ باوا صاحب اب تک یہی تصور کئے بیٹھے ہیں کہ اَرواح بے اَنت ہیں اور مکتی پانے سے کبھی ختم نہیں ہونگے۔ اور حقیقت حال جو تھا سو معلوم ہوا کہ کُل ارواح پانچ ارب کے اندر اندر ہمیشہ ختم ہو جاتے ہیں اور نیز ہر پرلے کے وقت پر اُن سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر بے اَنت ہوتے تو اُن دونوں حالتوں مقدم الذکر میں کیوں ختم ہونا اُن کا رکن اصول آریہ سماج کا ٹھہرتا۔ عجب حیرانی کا مقام ہے کہ باوا صاحب خود اپنے ہی اصول سے انحراف کر رہے ہیں۔ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ جو اشیاء ایک حالت میں قابل اختتام ہیں وہ دوسری حالت میں بھی یہی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مظروف اپنے ظرف سے کبھی زیادہ نہیں ہوتا۔ پس جبکہ کُل ارواح ظروفِ مکانی اور زمانی میں داخل ہو کر اندازہ اپنا ہر نئی دنیا میں معلوم کرا جاتے ہیں اور پیمانہ زمان مکان سے ہمیشہ ماپے جاتے ہیں تو پھر تعجب کہ باوا صاحب کو ہنوز اَرواح کے محدود ہونے میں کیوں شک باقی ہے۔ میں باوا صاحب سے

سوال کرتا ہوں کہ جیسے بقول آپ کے یہ سب ارواح جو آپ کے تصور میں بے انت ہیں سب کے سب دنیا کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اگر اسی طرح اپنے بھائیوں مکتی یافتوں کی طرف حرکت کریں تو اس میں استبعادِ عقلی ہے اور کونسی حجب منطقی اس حرکت سے ان کو روکتی ہے اور کس برہانِ لِمّی یا اِنّی سے لازم آتا ہے کہ دنیا کی طرف انتقال اُن سب کا ہر سرشٹی کے دورہ میں جائز بلکہ واجب ہے۔ لیکن کوچ اُن سب کا مکتی یافتوں کے کوچہ کی طرف ممتنع اور محال ہے۔ مجھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس عالم دنیا کی طرف کونسی پختہ سڑک ہے کہ سب ارواح اس پر بآسانی آتے جاتے ہیں، ایک بھی باہر نہیں رہ جاتی۔ اور اُن مکتی یافتوں کے راستہ میں کونسا پتھر پڑا ہوا ہے کہ اس طرف اُن سب کا جانا ہی محال ہے۔ کیا وہ خدا جو سب ارواح کو موت اور جنم دے سکتا ہے، سب کو مکتی نہیں دے سکتا؟ جب ایک طور پر سب ارواح کی حالت متغیر ہوسکتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ دوسرے طور سے وہ حالت قابل تغیر نہیں؟ اور نیز کیا یہ بات ممکن نہیں جو خدا اُن سب ارواح کا یہ نام رکھ دے کہ مکتی یاب ہیں، جیسا اب تک یہ نام رکھا ہوا ہے کہ مکتی یاب نہیں۔ کیونکہ جن چیزوں کی طرف نسبت سلبی جائز ہوسکتی ہے بیشک اُن چیزوں کی طرف نسبت ایجابی بھی جائز ہے۔ اور نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ قضیہ کہ، سب ارواح موجودہ نجات پا سکتے ہیں، اس حیثیت سے زیر بحث نہیں کہ محمول اس قضیہ کا جو نجات عام ہے مثل کسی جزئی حقیقی کے قابل تنقیح ہے بلکہ اس جگہ مبحوث عنہ امر کلی ہے۔ یعنی ہم کلی طور پر بحث کرتے ہیں کہ ارواح موجودہ نے جو ابھی مکتی نہیں پائی، آیا بموجب اصول آریہ سماج کے اس امر کی قابلیت رکھتے ہیں یا نہیں کہ کسی طور کا عارضہ عام خواہ مکتی ہو یا کچھ اور ہو، اُن سب پر طاری ہو جائے۔ سو آریہ صاحبوں کے ہم ممنون منت ہیں جو اُنہوں نے آپ ہی اقرار کر دیا کہ یہ عارضہ عام بعض صورتوں میں سب ارواح پر واقع ہے، جیسے موت اور جنم کی حالت سب ارواح موجودہ پر عارض ہو جاتی ہے۔ اب باوا صاحب خود ہی انصاف فرماویں کہ جس حالت میں دو مادوں میں اس عارضہ عام کے خود ہی قائل ہو گئے تو پھر اس تیسرے مادے میں جو سب کا مکتی پانا ہے انکار کرنا کیا وجہ ہے؟

پھر باوا صاحب یہ فرماتے ہیں کہ علاوہ زمین کے سورج اور چاند اور سب ستاروں میں بھی بکثرت جانور آباد ہیں اور اس سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس ثابت ہو گیا کہ بے اَنت ہیں۔ پس باوا صاحب پر واضح رہے کہ اوّل تو یہ خیال بعض حکماء کا ہے جس کو یورپ کے حکیموں نے اخذ کیا ہے اور ہماری

گفتگو آریہ سماج کے اصول پر ہے۔سوا اس کے اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ آریہ سماج کا بھی یہی اصول ہے تو پھر بھی کیا فائدہ کہ اس سے بھی آپ کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔اس سے تو صرف اتنا نکلتا ہے کہ مخلوقات خدا تعالیٰ کی بکثرت ہے۔ارواح کے بے انت ہونے سے اس دلیل کو کیا علاقہ ہے۔پر شاید باوا صاحب کے ذہن میں مثل محاورہ عام لوگوں کے یہ سمایا ہوا ہوگا کہ بے انت اُسی چیز کو کہتے ہیں جو بکثرت ہو۔ باوا صاحب کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جس حالت میں یہ سب اجسام ارضی اور اجرامِ سماوی بموجب تحقیق فن ہئیت اور علم جغرافیہ کے معدود اور محدود ہیں۔تو پھر جو چیزیں ان میں داخل ہیں کس طرح غیر محدود ہوسکتی ہیں اور جس صورت میں تمام اجرام واجسام زمین وآسمان کے خدا نے گنے ہوئے ہیں تو پھر جو کچھ ان میں آباد ہے وہ اس کی گنتی سے کب باہر رہ سکتا ہے؟ سوایسے دلائل سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔کام تو تب بنے کہ آپ یہ ثابت کریں کہ ارواح موجودہ تمام حدود وقیود وظروف مکانی وزمانی اور فضائے عالَم سے بالاتر ہیں۔کیونکہ خدا بھی انہیں معنوں پر بے اَنت کہلاتا ہے۔اگر ارواح بے اَنت ہیں تو وہی علامات ارواح میں ثابت کرنی چاہئیں۔اس لئے کہ بے اَنت ایک لفظ ہے کہ جس میں بقول آپ کے ارواح اور باری تعالیٰ مشارکت رکھتے ہیں اور اس کا حدتام بھی ایک ہے۔یہ بات نہیں کہ جب لفظ بے اَنت کا خدا کی طرف نسبت کیا جائے تو اس کے معنی اور ہیں اور جب ارواح کی طرف منسوب کریں تو اور معنی۔

پھر بعد اس کے باوا صاحب فرماتے ہیں کہ کسی نے آج تک روحوں کی تعداد نہیں کی۔اس لئے لاتعداد ہیں۔اس پر ایک قاعدہ حساب کا بھی جو مَانَحْنُ فِیْہِ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، پیش کرتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ لاتعداد کی کمی نہیں ہوسکتی۔پس باوا صاحب پر واضح رہے کہ ہم تخمینی اندازہ ارواح کا بموجب اصول آپ کے بیان کرچکے ہیں اور اُن کا ظروف مکانی اور زمانی میں محدود ہونا بھی بموجب انہی اصول کے ذکر ہو چکا ہے اور آپ اب تک وہ حساب ہمارے روبرو پیش کرتے ہیں جو غیر معلوم اور نامفہوم چیزوں سے متعلق ہے۔اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح خزانچی کو اپنی جمع تحویل شدہ کا کل میزان روپیہ آنہ پائی کا معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح اگر انسان کو کُل تعداد ارواح کا معلوم ہو تو تب قابل کمی ہونگے ، ورنہ نہیں۔سو یہ بھی آپ کی غلطی ہے۔کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ جس چیز کا اندازہ تخمینی کسی پیمانہ کے ذریعہ سے ہو چکا تو پھر ضرور عقل یہی تجویز

کرے گی کہ جب اُس اندازہ معلومہ سے نکالا جاوے تو بقدر تعداد خارج شدہ کے اصلی اندازہ میں کمی ہو جائے گی۔ بھلا یہ کیا بات ہے کہ جب مکتی شدہ سے ایک فوج کثیر مکتی شدہ ارواح میں داخل ہو جائے تو نہ وہ کچھ کم ہوں اور نہ یہ کچھ زیادہ ہوں۔ حالانکہ وہ دونوں محدود ہیں اور ظروف مکانی اور زمانی میں محصور۔

اور جو یہ باوا صاحب فرماتے ہیں کہ تعداد روحوں کی ہم کو بھی معلوم ہونی چاہئے تب قاعدہ جمع تفریق کا اُن پر صادق آوے گا۔ یہ قول باوا صاحب کا بھی قابل ملاحظہ ناظرین ہے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جمع بھی خدا نے کی اور تفریق بھی وہی کرتا ہے اور اُس کو ارواح موجودہ کے تمام افراد معلوم ہیں اور فرد فرد اس کے زیر نظر ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب ایک روح نکل کر مکتی یا بوں میں ہو جاوے گی تو پرمیشور کو معلوم ہے کہ یہ فرد اس جماعت میں سے کم ہو گیا اور اُس جماعت میں بباعث داخل ہونے اس کے ایک فرد کی زیادتی ہوئی۔ یہ کیا بات ہے کہ اس داخل خارج سے وہی پہلی صورت بنی رہی۔ نہ مکتی یاب کچھ زیادہ ہوں اور نہ وہ ارواح کہ جن سے کچھ روح نکل گئی بقدر نکلنے کے کم ہو جائیں۔ اور نیز ہم کو بھی کوئی برہان منطقی مانع اس بات کے نہیں کہ ہم اس امر متیقن متحقق طور پر رائے نہ لگا سکیں کہ جن چیزوں کا اندازہ بذریعہ ظرف مکانی اور زمانی کے ہم کو معلوم ہو چکا ہے وہ دخول وخروج سے قابل زیادت اور کمی ہیں۔ مثلاً ایک ذخیرہ کسی قدر غلہ کا کسی کوٹھے میں بھرا ہوا ہے اور لوگ اس سے نکال کر لے جاتے ہیں سو گو ہم کو اُس ذخیرہ کا وزن معلوم نہیں لیکن ہم بہ نظر محدود ہونے اس کے کے رائے دے سکتے ہیں کہ جیسا نکالا جائے گا کم ہوتا جائے گا۔

اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ خدا کا علم غیر محدود ہے اور روح بھی غیر محدود ہیں اسی واسطے خدا کو روحوں کی تعداد معلوم نہیں یہ آپ کی تقریر بے موقع ہے۔ جنابِ من! یہ کون کہتا ہے کہ جو خدا کا علم غیر محدود نہیں۔ کلام ونزاع تو اس میں ہے کہ معلومات خارجیہ اس کے جو تعینات وجودیہ سے مقید ہیں اور زمانہ واحد میں پائے جاتے ہیں اور ظروف زمانی ومکانی میں محصور اور محدود ہیں، آیا تعداد اُن اشیاء موجودہ محدودہ معینہ کا اس کو معلوم ہے یا نہیں؟ آپ اُن اشیاء موجودہ محدودہ کو غیر موجود اور غیر محدود ثابت کریں تو تب کام بنتا ہے۔ ورنہ علم الٰہی کہ موجود اور غیر موجود دونوں پر محیط ہے اس کے غیر متناہی ہونے سے کوئی چیز جو تعینات خارجیہ میں مقید ہو غیر متناہی نہیں بن سکتی۔ اور آپ نے

خدا کے علم کو خوب غیر محدود بنایا کہ جس سے روحوں کا احاطہ بھی نہ ہو سکا اور شمار بھی نہ معلوم ہوا، باوصفیکہ سب موجود تھے کوئی معدوم نہ تھا۔ کیا خوب بات ہے کہ آسمان اور زمین نے تو روحوں کو اپنے پیٹ میں ڈال کر بزبان حال اُن کی تعداد بتلائی پھر خدا کو کچھ بھی تعداد معلوم نہ ہوئی۔ یہ عجیب خدا ہے اور اس کا علم عجیب تر۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خدا کو جو ارواح موجودہ کا علم ہے یہ اُس کے علوم غیر متناہیہ کا جز ہے یا کُل ہے۔ اگر کُل ہے (تو) اس سے لازم آتا ہے کہ خدا کو سِوا روحوں کے اور کسی چیز کی خبر نہ ہو اور اس سے بڑھ کر اس کا کوئی عالم نہ ہو اور اگر جز ہے تو محدود ہو گیا۔ کیونکہ جز کُل سے ہمیشہ چھوٹا ہوتا ہے۔ پس اس سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ ارواح محدود ہیں اور خود یہی حق الامر تھا۔ جس شخص کو خدا نے معرفت کی روشنی بخشی ہو وہ خوب جانتا ہے کہ خدا کے بے انتہا علوم کے دریائے زمین سے علم ارواح موجودہ کا اس قدر بھی نسبت نہیں رکھتا کہ جیسے سوئی کو سمندر میں ڈبو کر اس میں کچھ تری باقی رہ جاتی ہے۔

پھر باوا صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’یہ اعتراض کرنا بے جا ہے کہ بے انت اور اَنادی ہونا خدا کی صفت ہے اور اگر روح بھی بے انت اور انادی ہوں تو خدا کے برابر ہو جائیں گے۔ کیونکہ کسی جزوی مشارکت سے مساوات لازم نہیں آتی۔ جیسے آدمی بھی آنکھ سے دیکھتا ہے اور حیوان بھی۔ پر دونوں مساوی نہیں ہو سکتے‘‘۔

یہ دلیل باوا صاحب کی تغلیط اور تسقیط ہے۔ ورنہ کون عاقل اس بات کو نہیں جانتا کہ جو صفات ذات الٰہی میں پائی جاتی ہیں وہ سب اس ذات بے مثل کے خصائص ہیں۔ کوئی چیز ان میں شریک سہیم ذات باری کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر ہو سکتی ہے تو پھر سب صفات اس کی میں شراکت غیر کی جائز ہو گی اور جب سب صفات میں شراکت جائز ہوئی تو ایک اور خدا پیدا ہو گیا۔ بھلا اس بات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ جو خدا کی صفات قدیمہ میں سے جو اَنادی اور بے اَنت ہونے کی صفت ہے وہ تو اس کے غیر میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن دوسری صفات اس کی اس سے مخصوص ہیں۔ ذرا آپ خیال کر کے سوچیں کہ کیا خدا کی تمام صفات یکساں ہیں یا متقارب ہیں؟ پس ظاہر ہے کہ اگر ایک صفت میں صفات مخصوصہ اس کی سے اشتراک بالغیر جائز نہ ہو گا اور اگر نہیں تو سب نہیں۔ اور یہ جو آپ نے نظیر دی جو حیوانات مثل انسان کے آنکھ سے دیکھتے ہیں لیکن اس رویت سے انسان نہیں

ہوسکتا، نہ اس کے مساوی، یہ نظیر آپ کی بے محل ہے۔ اگر آپ ذرا بھی غور کرتے تو ایسی نظیر کبھی نہ دیتے۔ حضرت سلامت! یہ کون کہتا ہے کہ ممکنات کو عوارض خارجیہ میں باہم مشارکت اور مجانست نہیں۔ امر متنازعہ فیہ تو یہ ہے کہ خصائص الٰہیہ میں کسی غیر اللہ کو بھی اشتراک ہے؟ یا صفات اُس کے اس کی ذات سے مخصوص ہیں؟ آپ مدعی اس امر متنازعہ کے ہیں اور نظیر ممکنات کی پیش کرتے ہیں جو خارج از بحث ہے، آپ امر متنازعہ کی کوئی نظیر دیں تب حجت تمام ہو ورنہ ممکنات کے تشارک تجانس سے یہ حجت تمام نہیں ہوتی۔ نہ ذات باری کے خصائص کو ممکنات کے عوارض پر قیاس کرنا طریق دانشوری ہے۔ علاوہ اس کے جو ممکنات میں بھی خصائص ہیں وہ بھی اُن کے ذوات سے مخصوص ہیں جیسا کہ انسان کی حدِّ تام یہ ہے جو حیوان ناطق ہے اور ناطق ہونا انسان کے خصائص ذاتی میں سے اور اس کا فصل اور ممیّز عن الغیر ہے یہ فصل اس کا نہیں کہ ضرور بینا بھی ہو اور آنکھ سے بھی دیکھتا ہو۔ کیونکہ اگر انسان اندھا بھی ہو جائے تب بھی انسان ہے۔ بلکہ انسان کے خصائص ذاتیہ سے وہ امر ہے جو بعد مفارقت روح کے بدن سے اس کے نفس میں بنا رہتا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے جو ممکنات میں اس وجہ سے جو وہ سب ترکیب عنصری میں متحد ہیں بعض حالات خارج از حقیقت تامہ ہیں، ایک دوسرے کی مشارکت بھی ہوتے ہیں جیسے انسان اور گھوڑا اور درخت کہ جوہر اور صاحب ابعادِ ثلاثہ اور قوت نامیہ ہونے میں یہ تینوں شریک ہیں۔ اور حساس اور متحرک بالارادہ ہونے میں انسان اور گھوڑا مشارکت رکھتے ہیں۔ لیکن ماہیت تامہ ہر ایک کی جدا جدا ہے۔ غرض یہ صفت عارضی ممکنات کی حقیقت تامہ پر زائد ہے جس میں کبھی تشارک اور کبھی تغائر ان کا ہو جاتا ہے اور باوصف مختلف الحقائق اور متغائر الماہیت ہونے کے کبھی کبھی بعض مشارکات میں ایک جنس کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں بلکہ کسی ایک حقیقت کے لئے ایک اجناس ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کچھ سمجھا کہ کیوں ایسا ہوتا ہے؟ یہ اس واسطے ہوتا ہے کہ ترکیب مادی ان کی اصل حقیقت اُن کے پر زائد ہے اور سب کی ترکیب مادی کا ایک ہی استقس یعنی اصل ہے۔ اب آپ پر ظاہر ہوگا کہ یہ تشارک ممکنات کا خصائص ذاتیہ میں تشارک نہیں بلکہ عوارض خارجیہ میں اشتراک ہے۔ باطنی آنکھ انسان کی جس کو بصیرت قلبی (این لائن منٹ[1]) کہتے ہیں دوسرے حیوانات میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

[1] سہو کتابت معلوم ہوتا ہے۔ غالباً صحیح لفظ این لائٹ منٹ (Enlightment) ہے۔

اخیر میں باوا صاحب اپنے خاتمہ جواب میں یہ بات کہہ کر خاموش ہوگئے ہیں کہ سب دلائل معترض کے توہمّات ہیں۔ قابل تردید نہیں۔ اس کلمہ سے زیرک اور ظریف آدمیوں نے فی الفور معلوم کر لیا ہوگا کہ باوا صاحب کو یہ لفظ کیوں کہنا پڑا۔ بات یہ ہوئی اوّل تو ہمارے معزز دوست جناب باوا صاحب جواب دینے کی طرف دوڑے اور جہاں تک ہوسکا ہاتھ پاؤں مارے اور کودے اُچھلے لیکن جب اخیر کچھ پیش نہ گئی اور عقدہ لاینحل معلوم ہوا تو آخر ہانپ کر بیٹھ گئے اور یہ کہہ دیا کہ کیا تردید کرنا ہے یہ تو توہمّات ہیں۔ لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ جن دلائل کی مقدمات یقینیہ پر بنیاد ہے وہ کیوں توہمّات ہوگئے۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور آئندہ بلاضرورت نہیں لکھیں گے۔☆

راقم

مرزا غلام احمد۔ رئیس قادیان

☆ پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد۲ صفحہ ۳۴ تا ۴۶

مکتوب نمبر ۸

بجانب پنڈت دیانند سرستی (بانی آریہ سماج)

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پندگیر و خواہ ملال

واضح ہو کہ ان دنوں میں اس عاجز نے حق کی تائید کے لئے اور دینِ اسلام کی حقّانیت ثابت کرنے کی غرض سے ایک نہایت بڑی کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ''براہین احمدیہ'' ہے۔ چنانچہ اُس میں سے تین حِصّے چھپ کر مشتہر ہو چکے ہیں اور حِصّہ چہارم عنقریب چھپنے والا ہے۔ حِصّہ سوم میں اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سچا دین جس کے قبول کرنے پر نجات موقوف ہے دینِ اسلام ہے کیونکہ سچائی کے معلوم کرنے کے لئے دو ہی طریق ہیں۔

ایک یہ کہ عقلی دلائل سے کسی دین کے عقائد صاف اور پاک ثابت ہوں۔ دوسرے یہ کہ جو دین اختیار کرنے کی علّتِ غائی ہے یعنی نجات۔ اس کے علامات اور انوار اس دین کی متابعت سے ظاہر ہو جائیں۔ کیونکہ جو کتاب دعویٰ کرتی ہے کہ میں اندرونی بیماریوں اور تاریکیوں سے لوگوں کو شفا دیتی ہوں بجز میرے دوسری کتاب نہیں دیتی تو ایسی کتاب کے لئے ضرور ہے کہ اپنا ثبوت دے۔ پس انہیں دونوں طریقوں کی نسبت ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے کہ یہ صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ جس کی بنیاد ایسے عقائد صحیحہ پر ہے کہ جس میں سراسر جلال الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن شریف ہر ایک جز وکمال خدا کیلئے ثابت کرتا ہے اور ہر ایک نقص و زوال سے اس کو پاک ٹھہراتا ہے۔ اس کی نسبت قرآن شریف کی یہ تعلیم ہے کہ وہ بیچون و بیچگون ہے اور ہر ایک شبیہ و مانند سے منزّہ ہے اور ہر ایک شکل اور مثال سے مبرّا ہے۔ وہ مبداء ہے عام فیضوں کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور مرجع ہے تمام امور کا اور خالق ہے تمام کائنات کا اور پاک ہے ہر ایک کمزوری اور ناقدرتی اور نقصان سے اور واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور الوہیت میں اور معبودیت میں، نہیں مشابہ اُس سے کوئی چیز اور نہیں جائز ہے کسی چیز سے اُس کا اتحاد اور حلول۔

مگر افسوس کہ آپ کا اعتقاد سراسر اس کے برخلاف ہے اور ایسی روشنی چھوڑ کر تاریکی ظلمت

میں خوش ہو رہے ہیں۔ اب چونکہ میں نے اس روشنی کو آپ جیسے لوگوں کی سمجھ کے موافق نہایت صاف اور سلیس اُردو میں کھول کر دکھلایا ہے اور اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ لوگ سخت ظلمت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ جس کے سہارے پر تمام دنیا جیتی ہے اُس کی نسبت آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ تمام فیضوں کا مبدأ نہیں اور تمام اَرواح یعنی جیو اور اُن کی روحانی قوتیں اور استعدادیں اور ایسا ہی تمام اجسام صغار یعنی پرکرتی خودبخود انادی طور پر قدیم سے چلے آتے ہیں اور تمام ہُنر یعنی گُن جو اُن میں ہیں وہ خودبخود ہیں۔ اور اس فیصلہ کو صرف عقلی طور پر نہیں چھوڑا بلکہ اسلام کے پاک گروہ میں وہ آسمانی نشان بھی ثابت کئے ہیں کہ جو خدا کی برگزیدہ قوم میں ہونے چاہئیں اور ان نشانوں کے گواہ صرف مسلمان لوگ ہی نہیں بلکہ کئی آریہ سماج والے بھی گواہ ہیں اور بفضل خداوند کریم دن بدن لوگوں پر کھلتا جاتا ہے کہ برکت اور روشنی اور صداقت صرف قرآن شریف میں ہے اور دوسری کتابیں ظلمت اور تاریکی سے بھری ہوئی ہیں۔

لہٰذا یہ خط آپ کے پاس رجسٹری کرا کر بھیجتا ہوں۔ اگر آپ کتاب براہین احمدیہ کے مطالعہ کے لئے مستعد ہوں تو میں وہ کتاب مفت بِلا قیمت آپ کو بھیج دوں گا۔ آپ اس کو غور سے پڑھیں۔ اگر اس کے دلائل کو لاجواب پاویں تو حق کے قبول کرنے میں توقف نہ کریں کہ دنیا روزے چند۔ آخر کار با خداوند۔ میں ابھی اس کتاب کو بھیج سکتا تھا مگر میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے خیالات میں محو ہو رہے ہیں اور دوسرے شخص کی تحقیقاتوں سے فائدہ اُٹھانا ایک عار سمجھتے ہیں۔ سو میں آپ کو دوستی اور خیر خواہی کی راہ سے لکھتا ہوں کہ آپ کے خیالات صحیح نہیں ہیں۔ آپ ضرور ہی میری کتاب کو منگا کر دیکھیں۔ اُمید ہے کہ اگر حق جُوئی کی راہ سے دیکھیں گے تو اس کتاب کے پڑھنے سے بہت سے حجاب اور پردے آپ کے دور ہو جائیں گے اور اگر آپ اُردو عبارت پڑھ نہ سکیں تاہم کسی لکھے پڑھے آدمی کے ذریعہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ اپنے جواب سے مجھ کو اطلاع دیں اور جس طور سے آپ تسلّی چاہیں خداوند قادر ہے۔ صرف سچی طلب اور انصاف اور حق جوئی درکار ہے۔ جواب سے جلد تر اطلاع بخشیں کہ میں منتظر ہوں اور اگر آپ خاموش رہیں تو پھر اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ آپ کو صداقت اور روشنی اور راستی سے کچھ غرض نہیں۔ ☆

۲۰/اپریل ۱۸۸۳ء مطابق ۱۲/جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ

☆ الحکم ۱۷/جولائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱،۲

مکتوب نمبر۹

خط جومختلف مذاہب کے لیڈروں کے نام بھیجا گیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد ما وَجب گزارش ضروری یہ ہے کہ یہ عاجز (مؤلف براہین احمدیہ) حضرت قادر مطلق جلّ شانہٗ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی و فروتنی وغربت وتذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے اور ان لوگوں کو جو راہ راست سے بےخبر ہیں صراطِ مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی نجات حاصل ہوتی ہے اوراسی عالم میں بہشتی زندگی کے آثاراورقبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھاوے۔اسی غرض سے کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کے ۳۷ جز چھپ کر شائع ہو چکے ہیں اوراس کا خلاصہ مطلب اشتہار ہمراہی خط ہذا میں مندرج ہے ...... لیکن چونکہ پوری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے اس لئے یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل بغرض اتمامِ حجت یہ خط (جس کی دوسَو چالیس کاپی چھپوائی گئی ہیں، معہ اشتہار انگریزی جس کی آٹھ ہزار کاپی چھپوائی گئی ہیں) شائع کیا جاوے اوراُس کی ایک ایک کاپی بخدمت معزز برہموصاحبان وآریہ صاحبان ونیچری صاحبان وحضرات مولوی صاحبان جو وجود خوارق وکرامت سے منکر ہیں اوراس وجہ سے اس عاجز پر بدظن ہیں ارسال کی جاویں۔ یہ ان حضرات نیچریہ یا مولوی صاحبان کو کہا جاتا ہے جو اسلام کو مانتے ہیں اور پھر وجود خوارق اور کرامات سے منکراوراس عاجز پر بدظن ہیں۔ یہ تجویز اپنی فکراوراجتہاد سے نہیں قرار پائی ہے بلکہ حضرت مولیٰ کریم کی طرف سے اس کی اجازت ہوئی ہے اوربطور پیشگوئی یہ بشارت ملی ہے کہ اس خط کے مخاطب (جو خط پہنچنے پر رجوع نہ کریں گے) ملزم و لاجواب ومغلوب ہوجاویں گے۔ بناءعلیہ پر یہ خط چھپوا کرآپ کی خدمت میں (اس نظر سے کہ آپ اپنی قوم میں معززاورمشہوراورمقتدر ہیں) ارسال کیا جاتا ہےاورآپ کے کمال علم اور بزرگی کی نظر سے امید ہے کہ آپ حسبۃ اللہ اس خط کے مضمون کی طرف سے توجہ فرما کر طلب حق میں کوشش کریں گے۔

اگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو آپ پر حجت تمام ہوگی اور اس کارروائی کے (کہ آپ کو خط رجسٹری شدہ ملا اور پھر آپ نے اُس کی طرف توجہ کو مبذول نہ فرمایا) حصہ پنجم کتاب براہین احمدیہ میں پوری تفصیل سے بحث کی جاوے گی اور اصل مدعا خط جس کے ابلاغ کیلئے میں مامور ہوا ہوں یہ ہے کہ دین حق جو خدا کی مرضی کے موافق ہے صرف **اسلام** ہے۔ اور کتاب حقانی جو منجانب اللہ محفوظ اور واجب العمل ہے صرف **قرآن** ہے۔ اس دین کی حقانیت اور قرآن شریف کی سچائی پر عقلی دلائل کے سوا آسمانی نشانوں (خوارق و پیشگوئیوں) کی شہادت بھی پائی جاتی ہے جس کو طالب صادق اس خاکسار (مؤلف براہین احمدیہ) کی صحبت اور صبر اختیار کرنے سے بمعائنہ چشم تصدیق کر سکتا ہے۔ آپ کو اس دین کی حقانیت یا ان آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لاویں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر آسمانی نشانوں کو بچشم خود مشاہدہ کرلیں ولیکن اس شرط ونیت سے (جو طالب صادق کی نشانی ہے) کہ بمجرد معائنہ آسمانی نشانوں کے اِسی جگہ قادیان میں مشرف اظہار اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرّف ہو جاویں گے۔ اس شرط ونیت سے آپ آویں گے تو ضرور انشاء اللہ تعالیٰ آسمانی نشان مشاہدہ کریں گے۔ اس امر کا خدا کی طرف سے وعدہ ہو چکا ہے جس میں تخلّف کا امکان نہیں۔ اب آپ تشریف نہ لاویں تو آپ پر خدا کا مواخذہ رہا اور بعد انتظار تین ماہ کے آپ کی عدم توجہی کا حال درج حِصّہ پنجم کتاب ہوگا اور اگر آپ آویں اور ایک سال تک رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دوسَو روپیہ ماہوارہ کے حساب سے آپ کو حرجانہ یا جرمانہ دیا جاوے گا۔ اس دوسَو روپیہ ماہوارہ کو آپ اپنی شایانِ شان نہ سمجھیں یا تو اپنی حرج اوقات کا عوض یا ہماری وعدہ خلافی کا جرمانہ جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے ہم اُس کو بشرط استطاعت قبول کریں گے۔ طالبان حرجانہ یا جرمانہ کے لئے ضروری ہے کہ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ رجسٹری ہم سے اجازت طلب کریں اور جو لوگ حرجانہ یا جرمانہ کے طالب نہیں ان کو اجازت طلب کرنے کی نہیں۔ اگر آپ بذاتِ خود تشریف نہ لاسکیں تو آپ اپنا وکیل جس کے مشاہدہ کو آپ معتبر اور اپنا مشاہدہ سمجھیں روانہ فرمادیں مگر اس شرط سے کہ بعد مشاہدہ اس شخص کے آپ اظہارِ اسلام یا (تصدیق خوارق) میں توقف نہ فرماویں۔ آپ اپنی شرط اظہارِ اسلام (تصدیق خوارق) ایک سادہ کاغذ پر جس پر چند ثقات مختلف مذاہب کی

شہادتیں ہوں تحریر کر دیں جس کو متعدد انگریزی اُردو اخباروں میں شائع کیا جاوے گا، ہم سے اپنی شرط دوسَو روپیہ ماہوار حرجانہ یا جو آپ پسند کریں اور ہم اُس کی ادائی کی طاقت بھی رکھیں۔ عدالت میں رجسٹری کرائیں بالآخر یہ عاجز حضرت خداوند کریم جلّ شانہٗ کا شکر ادا کرتا ہے جس نے اپنے سچے دین کے براہین ہم پر ظاہر کئے اور پھر اُن کی اشاعت کیلئے ایک آزاد سلطنت کی حمایت میں جو گورنمنٹ انگلشیہ ہے، ہم کو جگہ دی۔ اس گورنمنٹ کا بھی حق شناسی کی رو سے یہ عاجز شکریہ ادا کرتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدٰی۔ فقط

راقم خاکسار غلام احمد قادیانی

۸؍ مارچ ۱۸۸۵ء مطابق ۲۹؍ جمادی الاوّل ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر۱۰

اکبرآباد آریہ سماج کے ایک ممبر رام چرن نامی کے نام

(ایک سوال کا جواب جو بذریعہ اخبار عام مورخہ ۱۰رمئی ۱۸۸۵ء میں دیا گیا۔ایڈیٹر)

آج ایک سوال از طرف رام چرن نامی جو آریہ سماج اکبرآباد کے ممبروں میں سے ہے میری نظر سے گزرا۔سو اگرچہ لغو اور بے حقیقت سوالات کی طرف متوجہ ہونا ناحق اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے لیکن ایک دوست کے الحاح اور اصرار سے لکھتا ہوں۔سوال یہ ہے کہ خدا نے شیطان کو پیدا کر کے کیوں آپ ہی لوگوں کو گناہ اور گمراہی میں ڈالا؟ کیا اُس کا یہ ارادہ تھا کہ لوگ ہمیشہ بدی میں مبتلا رہ کر کبھی نجات نہ پاویں؟ ایسا سوال اُن لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے جنہوں نے کبھی غور اور فکر سے دینی معارف میں نظر نہیں کی یا جن کی نگاہیں خود ایسی پست ہیں کہ بجز نکتہ چینیوں کے اور کوئی حقیقت شناسی کی بات اور محققانہ صداقت ان کو نہیں سوجھتی۔اب واضح ہو کہ سائل کے اس سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصولِ اسلام سے بکلّی بیگانہ اور معارفِ ربّانی سے سراسر اجنبی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ شریعت اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ گویا شیطان صرف لوگوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی اپنے وسوسہ کو پختہ سمجھ کر تعلیم قرآنی پر اعتراض کرتا ہے۔حالانکہ تعلیم قرآنی کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے اور نہ یہ بات کسی آیت کلام الٰہی سے نکلتی ہے بلکہ عقیدہ حقّہ اہل اسلام جس کو حضرت خداوند کریم جلّ شانہٗ نے خود اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے دونوں اسباب نیکی اور بدی کے مہیا کر کے اور ایک وجہ کا اُس کو اختیار دے کر قدرتی طور پر ہر دو قسم کے محرک اس کے لئے مقرر کئے ہیں۔ایک داعی خیر یعنی ملائکہ جو نیکی کی رغبت دل میں ڈالتے ہیں۔دوسرے داعی شر یعنی شیطان جو بدی کی رغبت دل میں ڈالتا ہے۔لیکن خدا نے داعی خیر کو غلبہ دیا ہے کہ اُس کی تائید میں عقل عطا کی اور اپنا کلام نازل کیا اور خوارق اور نشان ظاہر کئے اور ارتکاب جرائم پر سخت سخت سزائیں مقرر کیں۔سو خدا تعالیٰ نے انسان کو ہدایت پانے کے لئے کئی قسم کی روشنی عنایت کی اور خود اس کے دلی انصاف کو ہدایت کے قبول کرنے کے

لئے مستعد پیدا کیا۔ اور داعی شر بدی کی طرف رغبت دینے والا ہے تا انسان اُس کی رغبت دہی سے احتراز کر کے اُس ثواب کو حاصل کرے جو بجز اس قسم کے امتحان کے حاصل نہیں کر سکتا تھا اور ثبوت اس بات کا، کہ ایسے دو داعی یعنی داعی خیر و داعی شر انسان کے لئے پائے جاتے ہیں، بہت صاف اور روشن ہے کیونکہ خود انسان بدیہی طور پر اپنے نفس میں احساس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دو قسم کے جذبات سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ کبھی اُس کے لئے ایسی حالت صاف اور نورانی میسر آ جاتی ہے کہ نیک خیالات اور نیک ارادے اس کے دل میں اُٹھتے ہیں اور کبھی اُس کی حالت ایسی پُرظلمت اور مکدّر ہوتی ہے کہ طبیعت اس کی بدخیالات کی طرف رجوع کرتی ہے اور بدی کی طرف اپنے دل میں رغبت پاتا ہے۔ سو یہی دونوں داعی ہیں جن کو ملائک اور شیاطین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حکمائے فلسفہ نے انہیں دونوں داعی خیر اور داعی شر کو دوسرے طور پر بیان کیا ہے۔ یعنی اُن کے گمان میں خود انسان ہی کے وجود میں دو قسم کی قوتیں ہیں۔ ایک قوت ملکی جو داعی خیر ہے۔ دوسری قوت شیطانی جو داعی شر ہے۔ قوت ملکی نیکی کی طرف رغبت دیتی ہے اور چپکے سے انسان کے دل میں خود بخود یہ پڑ جاتا ہے کہ میں نیک کام کروں۔ جس سے میرا خدا راضی ہو۔ اور قوت شیطانی بدی کی طرف محرک ہوتی ہے۔ غرض اسلامی عقائد اور دنیا کے کل فلاسفہ کے اعتقاد میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ اہل اسلام دونوں محرکوں کو خارجی طور پر دو وجود قرار دیتے ہیں اور فلسفی لوگ انہیں دونوں وجودوں کو دو قسم کی قوتیں سمجھتے ہیں۔ جو خود انسان ہی کے نفس میں موجود ہیں لیکن اس اصل بات میں کہ فی الحقیقت انسان کے لئے دو محرک پائے جاتے ہیں خواہ وہ محرک خارجی طور پر کوئی وجود رکھتے ہوں یا قوتوں کے نام سے اُن کو موسوم کیا جاوے یہ ایک ایسا اجماعی اعتقاد ہے جو تمام گروہ فلاسفہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں اور آج تک کسی عقلمند نے اس اجماعی اعتقاد سے انحراف اور انکار نہیں کیا۔ وجہ یہ کہ یہ بدیہی صداقتوں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کی بدیہی صداقت ہے جو اس شخص پر بہ کمال صفائی کھل سکتی ہے کہ جو اپنے نفس پر ایک منٹ کے لئے اپنی توجہ اور غور کرے اور دیکھے کہ کیونکر نفس اس کا مختلف جذبات میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور کیونکر ایک دم میں کبھی زاہدانہ خیالات اس کے دل میں بھر جاتے ہیں اور کبھی رندانہ وساوس اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ سو یہ ایک ایسی روشن اور کھلی کھلی صداقت ہے جو ذوالعقول اس سے منکر نہیں ہو سکتے۔ ہاں جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی انہوں نے اپنے

نفس کے حالات کی طرف توجہ نہیں کی ان کے دلوں میں اگر ایسے ایسے پوچ وساوس اُٹھیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بباعث نہایت درجہ کی غفلت اور کور باطنی کے قانون قدرت الٰہی سے بکلّی بے خبر اور انسانی خواص اور کیفیات سے سراسر ناواقف ہیں اور اُن کے اس جہل مرکب کا بھی یہی علاج ہے کہ وہ ہمارے اس بیان کو غور سے پڑھیں تاکہ اُن کو کچھ ندامت حاصل ہو کہ کس قدر تعصب نے اُن کو مجبور کر رکھا ہے کہ باوجود انسان کہلانے کے جو انسانیت کی عقل ہے اس سے بالکل خالی اور تہی دست ہیں اور ایسی اعلیٰ درجہ کی صداقتوں سے انکار کر رہے ہیں جن کو ایک دس برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی سائل اپنے سوال کے اخیر میں یہ شُبہ پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو تسلی دی تھی کہ شیطان تجھ کو بہکا نہیں سکے گا لیکن اُسی قرآن میں لکھا ہے کہ شیطان نے آدم کو بہکایا۔ یہ وسوسہ قلبی بھی سراسر قلّتِ فہم اور کور باطنی کی وجہ سے سائل کے دل میں پیدا ہوا۔

کیونکہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ شیطان آدم کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا قصد نہیں کرے گا یا آدم اس کے بہکانے میں کبھی نہیں آئے گا۔ ہاں قرآن شریف میں ایسی آیتیں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے شیطان کے بہکانے سے ایسے وبال میں نہیں پڑتے جس سے اِن کا انجام بد ہو بلکہ حضرت خداوند کریم جلّ شانہٗ جلد تر اُن کا تدارک فرماتا ہے اور اپنے ظلّ حفاظت میں لے لیتا ہے۔ سو ایسا ہی آدم کے حق میں اُس نے کہا کہ **آدم صفی اللہ خلیفۃ اللہ** ہے، اس کا انجام ہرگز بد نہیں ہوگا اور خدا کے محبوب بندوں میں رہے گا۔ چنانچہ یہ امر ایسا ہی ظہور میں آیا اور خدا نے آخر میں بھی آدم کو ایسا ہی چن لیا جیسا کہ پہلے برگزیدہ تھا۔ غرض یہ اعتراض معترض بھی سراسر تعصب اور جہالت پر مبنی ہے نہ عقلمندی اور انصاف پر۔

۱۰رمئی ۱۸۸۵ء والسلام علی من اتبع الھدٰی۔ فقط

مکتوب نمبر۱۱

خط بنام اِندرمن مرادآبادی

اندرمن مرادآبادی نے دعوت یکسالہ کیلئے چوبیس سَو روپیہ مانگا تھا جو مسلمانوں کے ایک معزز ڈیپوٹیشن کے ہاتھ بھیجا گیا اور یہ خط ساتھ لکھا گیا مگر اندرمن کہیں بھاگ گیا۔ آخر یہ خط شائع کیا گیا۔ (ایڈیٹر)

نقل اشتہار

منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نے میرے اس مطبوع خط (جس کی ایک ایک کاپی غیر مذاہب کے استاد و مقتداؤں کے نام خاکسار نے روانہ کی تھی) جس کے جواب میں پہلے نابھہ سے پھر لاہور سے یہ لکھا تھا کہ تم ہمارے پاس آ ؤ اور ہم سے مباحثہ کرلو اور زر موجود اشتہار پیشگی بنک میں داخل کردو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں خاکسار نے رقیمہ ذیل معہ دو ہزار چار سَو روپیہ نقد ایک جماعت اہل اسلام کے ذریعہ سے ان کی خدمت میں روانہ لاہور کیا۔ جب وہ جماعت منشی صاحب کے مکان موعود میں پہنچی تو منشی صاحب کو وہاں نہ پایا۔ وہاں سے اُن کو معلوم ہوا کہ جس دن منشی صاحب نے خاکسار کے نام خط روانہ کیا تھا۔ اُسی دن سے وہ فرید کوٹ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ اُس خط میں منشی صاحب نے ایک ہفتہ تک منتظر جواب رہنے کا وعدہ تحریر کیا تھا۔ یہ امر نہایت تعجب اور تردّد کا موجب ہوا۔ لہٰذا یہ قرار پایا کہ اس رقیمہ کو بذریعہ اشتہار مشتہر کیا جاوے اور اُس کی ایک کاپی منشی صاحب کے نام حسب نشان مکان موجود بذریعہ رجسٹری روانہ کی جاوے۔ وہ یہ ہے۔

مشفقی اِندرمن صاحب! آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا ایک نئی بات لکھی ہے۔ جس کی اجابت مجھ کو اپنے عہد کے رُو سے واجب نہیں ہے۔ میری طرف سے یہ عہد تھا کہ جو شخص میرے پاس آوے اور صدق دل سے ایک سال میرے پاس ٹھہرے اس کو خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی آسمانی نشان مشاہدہ کرادے گا جس سے قرآن اور دین اسلام کی صداقت ثابت ہو۔ آپ اُس کے جواب میں

اوّل تو مجھے اپنے پاس (نابھہ میں پھر لاہور میں) بُلاتے ہیں اور خود آنے کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں تو مباحثہ کے لئے نہ آسمانی نشان دیکھنے کیلئے۔ اس پر طرفہ یہ کہ روپیہ اشتہار پیشگی طلب فرماتے ہیں جس کا میں نے پہلے وعدہ نہیں دیا۔ اب آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ میری تحریر سے آپ کا جواب کہاں تک متفاوت ومتجاوز ہے۔ بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔ لہٰذا میں اپنے اسی پہلے اقرار کی رُو سے پھر آپ کو لکھتا ہوں کہ آپ ایک سال رہ کر آسمانی نشانوں کا مشاہدہ فرماویں۔ اگر بالفرض کسی آسمانی نشان کا آپ کو مشاہدہ نہ ہو تو میں آپ کو چوبیس سَو روپیہ دے دونگا۔

اور اگر آپ کو پیشگی لینے پر اصرار ہو تو مجھ کو اس سے بھی دریغ وعذر نہیں بلکہ آپ کے اطمینان کیلئے سر دست چوبیس سَو روپیہ نقد ہمراہ رقیمہ ہذا ارسال خدمت ہے۔ مگر چونکہ آپ نے یہ ایک امر زائد چاہا ہے اس لئے مجھے بھی حق پیدا ہو گیا ہے کہ میں اس امر زائد کے مقابلہ میں کچھ شروط ایسی لوں جس کا ماننا آپ پر واجبات سے ہے۔

(۱) جب تک آپ کا سال گذر نہ جائے کوئی دوسرا شخص آپ کے گروہ سے زرموعود پیشگی لینے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ ہر شخص کو زرپیشگی دینا سہل وآسان نہیں ہے۔

(۲) اگر آپ مشاہدہ آسمانی کے بعد اظہار اسلام میں توقف کریں اور اپنے عہد کو پورا نہ کریں تو پھر حرجانہ یا جرمانہ دو امر سے ایک امر ضرور ہو۔

(الف) سب لوگ آپ کے گروہ کے جو آپ کو مقتدا جانتے ہیں یا آپ کے حامی ومربّی ہیں اپنا عجز اور اسلام کے مقابلہ میں اپنے مذہب کا بے دلیل ہونا تسلیم کر لیں۔ وہ لوگ ابھی سے آپ کو اپنا وکیل مقرر کر کے اس تحریر کا آپ کو اختیار دیں۔ پھر اس پر اپنے دستخط کریں۔

(ب) درصورت تخلّف وعدہ جانب ثانی سے اس کا مالی جرمانہ یا معاوضہ جو آپ کے اور آپ کے دوستوں اور حامیوں اور مقتدیوں کی حیثیت کے مطابق ہو ادائی کریں تا کہ وہ اس مال سے اس وعدہ خلافی کی کوئی یادگار قائم کی جائے (ایک اخبار تائیدِ اسلام میں جاری ہو یا کوئی مدرسہ تعلیم نومسلم اہل اسلام کے لئے قائم ہو) آپ ان شرائط کو تسلیم نہ کریں تو آپ مجھ سے پیشگی روپیہ نہیں لے سکتے اور اگر آپ آسمانی نشان کے مشاہدہ کے لئے نہیں آنا چاہتے ہیں صرف مباحثہ کیلئے آنا چاہتے ہیں تو اس امر سے میری خصوصیت نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس اُمتِ محمدیہ میں علماء اور فضلاء اور بہت

ہیں جو ایسے مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ میں جس امر سے مامور ہو چکا ہوں اُس سے زیادہ نہیں کرسکتا اور اگر مباحثہ بھی مجھ سے ہی منظور ہے تو آپ میری کتاب کا جواب دیں۔ یہ مباحثہ کی صورت عمدہ ہے اوراس میں معاوضہ بھی زیادہ ہے۔ بجائے چوبیس سَو روپیہ کے دس ہزارروپیہ۔☆

۳۰رمئی ۱۸۸۵ء

☆ مجموعہ اشتہارات جلداوّل صفحہ ۷۸،۷۹

مکتوب نمبر۱۲

پنڈت کھڑک سنگھ کے نام

پنڈت کھڑک سنگھ ایک آریہ تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ۱۸۷۸ء میں قادیان میں گفتگو کرنے آیا اور بعض مذہبی مسائل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گفتگو بھی کی اور لاجواب ہوگیا۔ پھر جب وہ قادیان سے گیا تو آریہ مذہب سے بیزار ہو چکا تھا چنانچہ بالآخر وہ آریہ تو نہ رہا اور عیسائی ہوگیا اور آریہ مذہب کی تردید کا جو طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سیکھا تھا اسی طریق پر عیسائی ہوکر آریوں کے خلاف کئی رسالے لکھ ڈالے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر اتمام حجت کی غرض سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں مندرجہ ذیل سوال لکھ کر بھیجا تھا۔ مگر آخری وقت تک پنڈت کھڑک سنگھ اس کا جواب نہ دے سکا اور اس سوال کو ہی ہضم کر گیا۔ یہ مضمون تقریباً آج سے چونتیس برس پیشتر کا لکھا ہوا ہے۔ (یعقوب علی عفی اللہ عنہ)

قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اُس کی ہدایت سب ہدایتوں سے کامل تر ہے اور اس دنیا کی حالت موجودہ میں جو خرابیاں پڑی ہوئی ہیں، قرآن مجید سب کی اصلاح کرنے والا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ قرآن مجید اَور کتابوں کی طرح مثل کتھا کے نہیں ہے بلکہ مدلّل طور پر ہر ایک امر پر دلیل قائم کرتا ہے۔ اس دوسری نشانی پر...... بنام کھڑک سنگھ وغیرہ ہم نے پانسو روپیہ کا اشتہار بھی دیا تا کوئی پنڈت وید میں یہ صفت ثابت کر کے دکھلا دے کہ وید نے کن دلائل سے اپنے عقائد کو ثابت کیا ہے۔ مگر آج تک کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ دم بھی مار سکے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وید میں نہ انجیل میں نہ توریت میں ہرگز طاقت نہیں کہ کسی فرقہ مخالف کا ردّ مثلاً دہریہ کا ردّ یا طبیعہ کا ردّ یا ملحدوں کا ردّ یا منکرِ الہام کا ردّ یا منکرِ نبوت کا ردّ یا بت پرست کا ردّ یا منکر نجات کا ردّ یا منکر عذاب کا ردّ یا منکر وحدانیت باری کا ردّ یا کسی اور منکر کا ردّ دلائل قطعیہ سے کر کے دکھا دے۔ یہ سب کتابیں تو مثل مُردہ کے پڑی ہیں کہ جس میں جان نہ ہو۔ کھڑک سنگھ جو لڑکوں کو بہکاتا ہے کہ وید میں سب کچھ لکھا ہے جو وہ سچا ہے تو ہم اُس کو پانسو روپیہ دینا کرتے ہیں ہم سے ٹونبو لکھالے۔ کسی فرقہ کے ردّ

میں جو وید میں درج ہوں، دو تین جز بمقابلہ فرقان مجید لکھ کر دکھا دے۔ یا خدا کی خالقیت سے عاجز ہونے پر یا نجات ابدی دینے سے عاجز ہونے پر۔ بمقابلہ ہمارے دلائل کے وید سے دلائل نکال کر لکھے اور پانسو روپیہ فی الفور ہم سے لے لے۔ اور وہ جو کہتا ہے کہ فرقان مجید توریت وانجیل سے نکالا گیا ہے تو اُس کو چاہئے کہ اگر وید سے کام نہیں بنتا تو توریت وانجیل سے مدد لے اور اگر توریت یا انجیل وہ دلائل جو فرقان مجید پیش کرتا ہے پیش کر دیں گے تو ہم تب بھی کھڑک سنگھ کو پانسو روپیہ نقد دیں گے ایک ٹونبو تعدادی پانسو روپیہ بھی لکھ کر ہم بھیج دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے جواب میں خاموش رہے اور کچھ غیرت اور شرم اُس کو نہ آوے تو معلوم کرنا چاہئے کہ بڑا بے حیا اور بے شرم ہے کہ ایسی پاک اور مقدس کتاب کی ہتک کرتا ہے کہ جس کی ثانی حکمت اور فلسفہ میں اور کوئی کتاب نہیں۔ تین ماہ سے بنام اُس کے بوعدہ انعام پانسو روپیہ ہمارا مضمون چھپ رہا ہے۔ اُس نے آج تک کون سے دلائل وید کے پیش کرے۔ شرم چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید۔ اور پہلی نشانی جو ہم نے عنوان اس مضمون میں لکھی ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ فرقان مجید اپنے احکام میں سب کتابوں سے کامل تر ہے اور ہماری موجودہ حالت کے عین مطابق ہے اور جس قدر فرقان مجید میں احکام ہدایت حسب حالت موجودہ دنیا کے مندرج ہیں کسی اور کتاب میں ہرگز نہیں۔ اگر کھڑک سنگھ وید، توریت، انجیل میں یہ سب احکام نکال دیں تو اس پر بھی ہم پانسو روپیہ دینے کی شرط کرتے ہیں۔ اگر کچھ شرم ہوگی تو ضرور بمقابلہ اُس کے وید سے بحوالہ پتہ ونشان لکھے گا۔ ورنہ خود یہ لڑکے جن کو یہ بہکا رہا ہے سمجھ جائیں گے کہ یہ جھوٹا ہے۔ کون منصف اس عذر کو سن سکتا ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ تمہارا وید محض ناقص ہے۔ تم یہ احکام وید سے نکال دو اگر ناقص نہیں۔ تم یہ جواب دیتے ہو ’’ ہمیں فرصت نہیں۔ وید یہاں موجود نہیں۔‘‘ بھلا یہ کیا جواب ہے؟ اس جواب سے تو تم جھوٹے ٹھہرتے ہو۔ جس حالت میں ہم پانسو روپیہ نقد دینا کرتے ہیں ٹونبو لکھ دیتے ہیں، رجسٹری کرا دیتے ہیں تو پھر تمہارا وید بھی اگر کچھ چیز ہے تو کس دن کے واسطے رکھا ہوا ہے۔ دس بیس دن کی مہلت لے لو۔ دیانند کو اپنا مددگار بنا لو۔ ہم کو وہ احکام نکال دو جو ہم نیچے فرقان مجید سے نکال کر لکھیں گے یا یہ اقرار کرو کہ یہ احکام ہمارے نزدیک ناجائز ہیں۔ تب پھر اُن کے ناجائز ہونے کا نمبروار وید سے حوالہ دو۔ غرض تم ہمارے ہاتھ سے کہاں بھاگ سکتے ہو اور یہ جو تم محض شرارت سے بارادہ توہین حضرت خاتم الانبیاء کی نسبت بدزبانی کرتے ہو، یہ محض تمہاری بداصلی ہے۔ اپنے پرچہ میں بھی تم نے ایسی ایسی اہانت

سب پیغمبروں کی نسبت لکھی ہے۔ ہم کو خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ ہم سب پیغمبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور جیسا کہ خدا نے ہم کو فرمایا ہے، نجات سب مخلوقات کی اسلام میں سمجھتے ہیں۔ تم کو اگر حضرت خاتم الانبیاء پر کچھ اعتراض ہے تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب سے بھاری ہو تحریر کر کے پیش کرو۔ ہم تمسک لکھ دیتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض تمہارا صحیح ہوا تو ہزار روپیہ ہم تم کو دے دیں گے اور تم ایک ٹو نبو لکھ دو کہ اگر وہ اعتراض جھوٹا نکلا تو سَو روپیہ بطور حرجانہ تم ہم کو دو گے۔ اور اب اگر ہماری یہ تحریر سن کر چپ ہو جاؤ اور اس شرط پر بحث شروع نہ کرو تو ہر ایک منصف سمجھ جائے گا کہ وہ سب توہین تم نے بے ایمانی سے کی ہے۔ اکثر لوگوں کا اکثر قاعدہ ہے کہ آفتاب پر تھوکتے ہو اور بجھا ہوا چراغ لئے بیٹھے ہو، دنیا کو بڑی چیز سمجھ رکھا ہے کہ موت سے ڈرتے نہیں۔ ورنہ ایسے آفتاب کی توہین کرنا جو نور دنیا کا ہے نری بے ایمانی ہے۔ جھوٹے آدمی کی یہ نشانی ہے کہ جاہلوں کے روبرو تو بہت لاف وگزاف مارتے ہیں مگر جب کوئی دامن پکڑ کر پوچھے کہ ذرا ثبوت تو دے کر جاؤ، حیران ہو جاتے ہیں............ اب ہم نیچے وہ احکام فرقان مجید لکھتے ہیں کہ جن میں ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وید میں یہ تمام احکام ضرور یہ ہرگز موجود نہیں اس لئے وید ناقص تعلیم ہے اور تم کہتے ہو کہ ہیں اور ہم کہتے ہیں ہرگز نہیں اور لعنت اُس شخص پر کہ جھوٹا ہے۔

اوّل خدا کی نسبت جو احکام فرقان مجید کے ہیں۔ خلاصہ آیات کا نیچے لکھتا ہوں۔

(۱) تم خدا کو اپنے جسموں اور روحوں کا ربّ سمجھو۔ جس نے تمہارے جسموں کو بنایا اور جس نے تمہاری روحوں کو بنایا۔ وہی تم سب کا خالق ہے۔ اُس میں کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔

(۲) آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور جتنی نعمتیں زمین آسمان میں نظر آتی ہیں یہ کسی عمل کنندہ کے عمل کی پاداش نہیں۔ محض خدا کی رحمت ہے۔ کسی کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا کہ میری نیکیوں کے عوض میں خدا نے سورج بنایا یا زمین بچھائی یا پانی پیدا کیا۔

(۳) تُو سورج کی پرستش نہ کر، تو چاند کی پرستش نہ کر، تُو آگ کی پرستش مت کر، تُو پتھر کی پرستش مت کر، تُو مشتری ستارہ کی مت پوجا کر، تُو کسی آدم زاد یا کسی اور جسمانی چیز کو خدا مت سمجھ کہ یہ سب چیزیں تیرے ہی نفع کے واسطے ہم نے پیدا کی ہیں۔

(۴) بجز خدا کے کسی چیز کی بطور حقیقی تعریف مت کر کہ سب تعریفیں اُسی کی طرف راجع ہیں بجز اس

کے کسی کو اُس کا وسیلہ مت سمجھ کہ وہ تجھ سے تیری رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے۔

(۵) تُو اس کو ایک سمجھ کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ تُو اس کو قادر سمجھ جو کسی فعل قابل تعریف سے عاجز نہیں۔ تُو اُس کو رحیم اور فیاض سمجھ کہ جس کے رحم اور فیض پر کسی عامل کے عمل کو سبقت نہیں۔

دوئم حالت موجودہ دنیا کی۔ مطابق گناہوں کے نسبت۔

(۱) تُو سچ بول اور سچی گواہی دے اگرچہ اپنے حقیقی بھائی پر ہو یا باپ پر ہو یا ماں پر یا کسی اور پیارے پر ہو اور حقانی طرف سے الگ مت ہو۔

(۲) تُو خون مت کر کیونکہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا وہ ایسا ہے کہ جس نے سارے جہان کو قتل کر دیا۔

(۳) تُو اولاد کشی اور دختر کُشی مت کر، تُو اپنے نفس کو آپ قتل مت کر، تُو کسی کافر و ظالم کا مددگار مت ہو، تُو زنا مت کر۔

(۴) تُو کوئی ایسا فعل مت کر جو دوسرے کا ناحق باعثِ آزار ہو۔

(۵) تُو قمار بازی نہ کر، تُو شراب مت پی، تُو سُود مت لے اور جو اپنے لئے اچھا سمجھتا ہے وہی دوسرے کیلئے کر۔

(۶) تُو نامحرم پر ہرگز آنکھ مت ڈال، نہ شہوت سے، نہ خالی نظر سے کہ یہ تیرے لئے ٹھوکر کھانے کی جگہ ہے۔

(۷) تم اپنی عورتوں کو میلوں اور محفلوں میں مت بھیجو اور اُن کو ایسے کاموں سے بچاؤ کہ جہاں وہ ننگی نظر آویں۔ تم اپنی عورتوں کو زیور چھنکاتی ہوئی خوش اور پسند لباس کو چوں اور بازاروں اور میلوں کی سیر سے منع کرو اور اُن کو نامحرموں کی نظر بازی سے بچاتے رہو۔

تم اپنی عورتوں کو تعلیم دو اور دین اور عقل اور خدا ترسی میں اُن کو پختہ کرو اور اپنے لڑکوں کو علم پڑھاؤ۔

(۸) تُو جب حاکم ہو کر کوئی مقدمہ کرے تو عدالت سے کر اور رشوت مت لے اور جب تُو گواہ ہو کر پیش ہو تو سچی سچی گواہی دیدے اور جب تیرے نام حاکم کی طرف سے بغرض ادا کسی گواہی کے حکم طلبی کا صادر ہو تو خبردار حاضر ہونے سے انکار مت کیجیئو اور عدول حکمی مت کریو۔

(۹) تُو خیانت مت کر، تُو کم وزنی مت کر اور پورا پورا تول، تُو جنس ناقص کو عمدہ کی جگہ مت بیچ، تُو

جعلی دستاویز مت بنا اور اپنی تحریر میں جعلسازی نہ کر، تُو کسی پر تہمت مت لگا اور کسی کو الزام مت دے کہ جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(۱۰) تُو چغلی نہ کر، تُو گلہ نہ کر، تو نمامی مت کر اور جو تیرے دل میں نہیں وہ زبان پر مت لا۔

(۱۱) تیرے پر تیرے ماں باپ کا حق ہے جنہوں نے تجھے پرورش کیا۔ بھائی کا حق، محسن کا حق ہے، سچے دوست کا حق ہے، ہمسایہ کا حق ہے، ہم وطنوں کا حق ہے، تمام دنیا کا حق ہے۔ سب سے رتبہ برتبہ ہمدردی سے پیش آ۔

(۱۲) شرکاء کے ساتھ بدمعاملگی مت کر، یتیموں اور نا قابلوں کے مال کو خورد برد مت کر۔

(۱۳) اسقاطِ حمل مت کر، تمام قسموں زنا سے پرہیز کر، کسی عورت کی عزت میں خلل ڈالنے کیلئے اُس پر کوئی بہتان مت لگا۔

(۱۴) رُو بخدا ہو اور رُو بدنیا نہ ہو کہ دنیا ایک گذر جانے والی چیز ہے اور وہ جہاں ابدی جہان ہے بغیر ثبوتِ کامل کے کسی پر نالائق تہمت مت لگا کہ دلوں اور کانوں اور آنکھوں سے قیامت کے دن مواخذہ ہوگا۔

(۱۵) کسی سے جبراً کوئی چیز مت چھین اور فرض کو عین وقت پر ادا کر اور اگر تیرا قرضدار نادار ہے تو اُس کو قرض بخش دے اور اگر اتنی طاقت نہیں تو قسطوں سے وصول کر لیکن تب بھی اُس کی وسعت وقت دیکھ لے۔

(۱۶) کسی کے مال میں لاپروائی سے نقصان مت پہنچا اور نیک کاموں میں مدد دے۔

(۱۷) اپنے ہمسفر کی خدمت کر اور اپنے مہمان سے تواضع سے پیش آ۔ سوال کرنے والے کو خالی مت پھیر اور ہر ایک جاندار بھوکے پیاسے پر رحم کر۔

(۱۸) لوگوں کی راز جوئی مت کر اور کسی کے گھر میں بغیر اُس کی اجازت کے اندر مت جا اور کسی شخص کو دھوکہ دینے کی نیت سے کوئی کام مت کر، دغا اور فریب اور نفاق سے دور رہ اور ہر ایک شخص سے صفا دلی سے معاملہ کر اور یتیموں اور ہمسایوں اور غریبوں خواہ رشتہ دار ہوں خواہ غیر تعلق والے ہوں اور ساتھ والے مسافروں اور راہ گیروں اور غلاموں پر مہربانی کرو۔

خاکسار غلام احمد عفی اللہ عنہ

پنڈت لیکھرام صاحب آریہ مسافر کشتہ اعجاز مسیحائی کے نام

پنڈت لیکھرام صاحب آریہ مسافر کا نام مشہور رہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی قضا وقدر کے متعلق نشان مانگا تھا اور آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اطلاع دی اور ایک پیشگوئی اس کے متعلق شائع کی گئی کہ چھ سال کے اندر وہ ایک خارقِ عادت عذاب سے ہلاک ہوگا۔ عذاب کی نوعیت بھی اشتہار مذکور میں ظاہر کی گئی تھی جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ
بترس از تیغِ برّانِ محمد

فرمودہ الٰہی موافق ۶؍مارچ ۱۸۹۷ء کو یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اس پیشگوئی کی تفصیل اور تشریح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں درج ہے یہاں مجھے اس کی مزید تصریح کی ضرورت نہیں۔ صرف اس مقصد کے لئے یہ نوٹ لکھ دیا ہے کہ تا کہ پڑھنے والوں کو ایک سرسری علم پنڈت لیکھرام صاحب کشتہ اعجاز مسیحائی کے متعلق ہو جاوے۔ وہ اشتہار جو حضرت مسیح موعود نے مختلف لیڈران مذاہب کے نام بغرض مقابلہ روحانی دیا تھا جس کے لئے پنڈت اِندرمن مرادآبادی نے آمادگی ظاہر کی تھی اور بالآخر جب روپیہ اس کے پاس بھیجا گیا تو وہ لاہور سے بھاگ گئے۔ اسی اشتہار کے سلسلہ میں پنڈت لیکھرام صاحب نے بھی نشان بینی کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور خط وکتابت شروع کی چنانچہ اس سلسلہ میں جو خطوط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت لیکھرام صاحب کو لکھے وہ انشاء اللہ العزیز ذیل میں درج ہونگے۔ یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان خطوط کے اندراج میں کسی خاص ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ صرف جمع کر دینا زیر نظر ہے۔

(یعقوب علی عفی اللہ عنہ)

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۱۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مشفق پنڈت لیکھرام صاحب۔ بعد ما وجب۔ آپ کا خط مرقومہ ۹؍اپریل ۱۸۸۵ء مجھ کو ملا آپ نے بجائے اس کے کہ میرے جواب پر انصاف اور صدق دلی سے غور کرتے ایسے الفاظ دُور از تہذیب وادب اپنے خط میں لکھے ہیں جو میں خیال نہیں کرسکتا کہ کوئی مہذب آدمی کسی سے خط وکتابت کر کے ایسے الفاظ لکھنا روا رکھے۔ پھر آپ نے اپنے اسی خط میں ہنسی اور تمسخر کی راہ سے دین اسلام کی نسبت توہین اور ہتک کے کلمات تحریر کئے ہیں اور بغیر سوچنے سمجھنے کے ہجو ملیح کی طرح مکروہ اور نفرتی باتوں کو پیش کیا ہے۔ اگرچہ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کس قدر طالبِ حق ہیں لیکن پھر بھی میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کی سخت اور بدبودار باتوں پر صبر کرکے دوبارہ آپ کو اپنے منشاء سے مطلع کروں۔ کیونکہ یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید آپ نے میرے پہلے خط کو غور سے نہیں پڑھا اور اشتعال طبع مانع تفکر وتدبّر ہوگیا۔ سو اب میں پھر اپنے اُسی جواب کو دوہرا کر تحریر کرتا ہوں۔

صاحب من! میں نے جو پہلے خط میں لکھا تھا اس کا خلاصہ مطلب یہی ہے جواَب میں گزارش کرتا ہوں۔ یعنی ان دنوں میں اتمامِ حجت کی غرض سے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ سات سَو خط چھپوا کر اُن مخالفین مذہب کی طرف روانہ کروں جو اپنی اپنی قوم کے سرگروہ اور میرِمجلس ہیں اور یہ قرار پایا کہ چونکہ ہر ایک قوم میں اوسط اور ادنیٰ درجہ کے آدمی ہزارہا بلکہ لکھوکھہا ہوا کرتے ہیں اس لئے یہی مناسب ہے کہ یہ خطوط مطبوعہ ان چیدہ چیدہ اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی طرف روانہ کئے جائیں کہ جو خواص اور قلیل الوجود آدمی ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی سوچا گیا کہ ایسے لوگ اگر قادیان میں ایک برس تک ٹھہرنے کے لئے بلائے جائیں تو ان کی دنیوی عزت اور آمدنی کے لحاظ سے دوسَو روپیہ ماہواری ان کے لئے شرط مقرر کرنا مناسب ہوگا۔ کیونکہ یہ خیال کیا گیا کہ وہ لوگ جس قدر اپنے اپنے مکانات میں بذریعہ نوکری یا تجارت وغیرہ وجوہ معاش حاصل کرتے ہیں۔ وہ غالباً اسی اندازہ کے قریب قریب ہوگا۔ غرض جو دوسَو روپیہ کی رقم مقرر کی گئی وہ محض بنظر اندازہ وجوہِ معاش اُن اعلیٰ درجہ کے سرگروہوں کے مقرر ہوئی تا وہ لوگ یہ عذر پیش نہ کریں کہ قادیان میں ٹھہرنے سے ہمارا

دوسَو روپیہ ماہواری کا ہرج متصور ہے اور اسی غرض سے خطوط مطبوعہ میں یہ بھی اندراج پایا کہ اگر دوسَو روپیہ ماہواری کسی صاحب کی حیثیت دنیوی سے کم ہو۔تو جہاں تک ممکن ہو ان کو دوسَو روپیہ ماہوار سے کچھ زیادہ دیا جائے گا۔اب آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ وہ دوسَو روپیہ کہ جو اعلیٰ درجہ کے لوگوں کیلئے بہ لحاظ حیثیت دنیوی اُن کے مطبوعہ خطوط میں اندراج پایا ہے اُسی قدر روپیہ ملنے کی شرط سے میں قادیان میں آتا ہوں۔سو آپ خود انصاف فرمالیویں کہ آپ کیونکر اس قدر روپیہ پانے کی شرط کر سکتے ہیں۔ہاں اگر آپ کسی جگہ دوسَو روپیہ ماہواری پاتے ہیں تو پھر اس صورت میں مجھے کسی طور سے عذر نہیں ہے۔آپ مجھ پر یہ ثابت کر دیں کہ میں اسی حیثیت کا آدمی ہوں۔اگر ایسا ثابت نہ کر سکیں تو پھر آپ کے لئے یہ منظور کرتا ہوں کہ جس قدر آپ نوکری کی حالت میں تنخواہ پاتے رہے ہیں وہی تنخواہ حسبِ شرائط متذکرہ خطوط مطبوعہ آپ کو دوں گا۔لیکن آپ خود انصاف کر لیویں کہ جو تنخواہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے اُن کی ماہواری آمدنی کے لحاظ سے اور اُن کے ہرجہ کثیرہ کے خیال سے خطوط مطبوعہ میں لکھی گئی ہے وہ کیونکر اُن لوگوں کو دی جاوے جو اس درجہ کے آدمی نہیں ہیں۔اور اگر ہر ایک ادنیٰ اعلیٰ کے لئے دوسَو روپیہ ماہواری دینا تجویز کروں تو اس قدر روپیہ کہاں سے لاؤں۔آپ تحکم کی راہ سے کلام نہ کریں اور جو میں نے خطوط کے چھاپنے کے وقت انتظام کیا ہے اُس کو خوب سوچ لیں۔اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ آپ دو تین روز کے لئے قادیان میں آجائیں اور بالمواجہ گفتگو کر کے اس بات کا تصفیہ کریں۔مجھے یہ بھی منظور ہے کہ دو تین شریف اور معزز آریہ جیسے منشی جیون داس لاہور میں ہیں وہ مجھ سے ملاقات کر کے جو اس بارہ میں تصفیہ کریں وہی قرار پا جائے۔میں ناحق کی ضد کرنا نہیں چاہتا نہ کوئی حیلہ بہانہ کرنا چاہتا ہوں۔آپ غور سے میرے خط کو پڑھیں اور یہ جو آپ نے اپنے خط کے اخیر پر لکھ دیا ہے کہ قادیان کے آریہ لوگوں سے آپ کی کراماتی مایہ کی قلعی کھل چکی ہے۔یہ الفاظ بھی منصفین کے سامنے پیش کرنے کے لائق ہیں۔جس حالت میں قادیان کے بعض آریہ جو میرے پاس آمدورفت رکھتے ہیں اب تک زندہ موجود ہیں اور اس عاجز کے نشانوں اور خوارق کے قائل اور مقر ہیں تو پھر نہ معلوم کہ آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ وہ لوگ منکر ہیں۔اگر آپ راستی کے طالب تھے تو مناسب تھا کہ آپ قادیان میں آکر میرے روبرو اور میرے مواجہ میں اُن لوگوں سے دریافت کرتے تا جو امر حق ہے آپ پر واضح ہو

جاتا۔مگر یہ بات کس قدر دیانت اور انصاف سے بعید ہے کہ آپ دور بیٹھے قادیان کے آریوں پر ایسی تہمت لگا رہے ہیں۔ ذرا آپ سوچیں کہ جس حالت میں میں نے اُنہیں آریوں کا نام حصہ سوم وچہارم میں لکھ کر اُن کا شاہد خوارق ہونا حصص مذکورہ میں درج کر کے لاکھوں آدمیوں میں اس واقعہ کی اشاعت کی ہے تو پھر اگر یہ باتیں دروغ بے فروغ ہوں تو کیونکر وہ لوگ اب تک خاموش رہتے بلکہ ضرور تھا کہ اس صریح جھوٹ کے ردّ کرنے کے لئے کئی اخباروں میں اصل کیفیت چھپواتے اور مجھ کو ایک دنیا میں رسوا اور شرمندہ کرتے۔ سو منصف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ لوگ باوجود شدت مخالفت اور عناد کے اسی وجہ سے خاموش اور لاجواب رہے کہ جو جو میں نے شہادتیں اُن کی نسبت لکھیں وہ حق محض تھا۔ اور آپ پر لازم ہے کہ آپ اس ظن فاسد سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے قادیان آ کر اس بات کی تصدیق کر جائیں۔

تا سیہ رو شود کہ دروغش باشد

جواب سے جلد تر مطلع کریں۔ والدعاء

راقم مرزا غلام احمد از قادیان

۱۶/ اپریل ۱۸۸۵ء

مکتوب نمبر۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عائذ باللہ الصمد غلام احمد بطرف پنڈت لیکھرام صاحب۔ بعد ما وجب۔ آپ کا خط ملا۔ آپ لکھتے ہیں کہ خط مطبوعہ مطبع مرتضائی لاہور مطالعہ سے گزرا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک یہ خط آپ نے مطالعہ نہیں کیا کیونکہ تحریر آپ کی شرائط مندرجہ خط مذکورہ بالا سے بکلّی برعکس ہے۔ **اوّل** اس عاجز نے اپنے خط مطبوعہ کے مخاطب وہ لوگ ٹھہرائے ہیں کہ جو اپنی قوم میں معزز علماء اور مشہور اور مقتداء ہیں جن کا ہدایت پانا ایک گروہ کثیر پر مؤثر ہوسکتا ہے۔ مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اور اگر میں نے اس رائے پر غلطی کی ہے اور آپ فی الحقیقت مقتداء و پیشوائے قوم ہیں تو بہت خوب، میں زیادہ تر آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا کریں کہ پانچ آریہ سماج میں (۱) آریہ سماج قادیان (۲) آریہ سماج لاہور (۳) آریہ سماج پشاور (۴) آریہ سماج امرتسر (۵) آریہ سماج لدھیانہ میں جس قدر ممبر ہیں سب کی طرف سے ایک اقرار نامہ حلفاً اس مضمون کا پیش کریں کہ جو پنڈت لیکھرام صاحب ہم سب لوگوں کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ اگر اس مقابلہ میں مغلوب ہو جاویں گے اور کوئی نشانِ آسمانی دیکھ لیں گے تو ہم سب لوگ بلاتوقف شرفِ اسلام سے مشرف ہوجائیں گے۔ پس اگر آپ مقتدائے قوم ہیں تو ایسا اقرار نامہ پیش کرنا آپ پر کچھ مشکل نہ ہوگا بلکہ تمام لوگ آپ کا نام سنتے ہی اقرار نامہ پر دستخط کر دیں گے کیونکہ آپ پیشوائے قوم جو ہوئے۔ لیکن اگر آپ اپنا مقتدائے قوم ہونا ثابت نہ کرسکیں اور ایسا اقرار نامہ مرتب کر کے دو ہفتہ تک میرے پاس نہ بھیج دیں تو آپ ایک شخص عوام النّاس سے سمجھے جائیں گے جو قابلِ خطاب نہیں۔ یہ بات آپ پر واضح رہے کہ اس معاملہ میں خط مطبوعہ میں شرط یہی درج ہے کہ مقتدائے قوم ہو (دیکھو سطر دہم خط مطبوعہ) اب مقتداء ہونا بجز مقتدیوں کے اقرار کے کیونکر ثابت ہو۔ اور یہ بات کہ ہم نے اپنے خط میں یہ شرائط لازمی کیوں رکھی کہ شخص ممتحن مقتدائے قوم ہو، عوام النّاس سے نہ ہو، اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ عوام النّاس میں سے کسی کو مغلوب اور قائل کرنا دوسروں پر مؤثر نہیں ہوسکتا بلکہ ایسے شخص کے تجربہ کے خواص لوگ سادہ لوحی اور عدم بصیرتی پر حمل کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کوئی

گروہ اس کا اتباع کر کے راہ راست پر آئے، حق کی ہدایت یابی کو کسی غرض نفسانی پر مبنی سمجھ لیتے ہیں۔ ماسوا اُس کے ان خطوط مطبوعہ کے بھیجنے سے میری غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک قوم پر حجت پوری ہو کر حصہ پنجم میں اس اتمامِ حجت کا حال درج کیا جاوے لیکن ایک عامی آدمی کے قائل اور مسلمان ہو جانے سے قوم پر کیونکر حجت پوری ہو جائے گی۔ عامی کا عدم و وجود قوم کے نزدیک برابر ہے۔ کیا اس جگہ کے بعض آریہ سماج کے ممبروں کی شہادت سے جنہوں نے بچشم خود بعض نشانوں کو دیکھا ہے، آپ لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ تو پھر کیونکر امید رکھیں کہ آپ کی شہادت قوم پر مؤثر ہوگی۔ حالانکہ آپ قادیان کے بعض آریوں سے جنہوں نے بعض نشانوں کو مشاہدہ کیا ہے حیثیت اور عزت اور لیاقت میں زیادہ نہیں ہیں۔ بہرحال ہم کو اس خط مطبوعہ پر عمل کرنا لازم ہے جس کو آپ بنظر سرسری دیکھ چکے ہیں۔ اگر قوم کے مقتدا مخاطب ہونے کے لئے مخصوص نہ ہوں تو یہ سلسلہ قیامت تک ختم نہ ہوگا۔ مناسب ہے کہ آپ بہت جلد اس کا جواب لکھیں کیونکہ اگر آپ مقتداء قوم کے قرار پا گئے تو دوسرے مراتب اس کے بعد طے ہونگے اور جو مبلغ دوسَو روپیہ ماہواری کے حساب سے دو ہزار چار سَو روپیہ سال بصورت مغلوبیت دینا تجویز کیا ہے، یہ بھی اسی لحاظ سے یعنی مقتدائے قوم کی وجہ سے قرار پایا ہے۔ پھر خواہ وہ مقتدا تمام روپیہ آپ رکھے یا قوم جو اقرارنامہ پر دستخط کرے گی اپنے اپنے حصہ ٹھہرا لیں۔ اب خلاصۂ کلام آپ یہ یاد رکھیں کہ ہم نے تین ماہ تک حصہ پنجم کا چھپنا ملتوی کر کے ہر ایک قوم کے سرگروہ کو خطوط مطبوعہ بصیغہ رجسٹری بھیجے ہیں۔ کیونکہ قوم کے سرگروہ کُل قوم کا حکم رکھتے ہیں۔ عوامُ النَّاس سے ہم کو کچھ سروکار نہیں اور نہ اس طور سے بحث کا سلسلہ کبھی ختم ہوسکتا ہے۔ جو شخص ہمارے مقابل پر آنا چاہے (آپ ہوں یا کوئی اور) اوّل اُس کو یہ ثبوت دینا چاہئے کہ درحقیقت وہ مقتدائے قوم ہے اور اس کی قوم کے لوگ اس بات پر مستعد ہیں کہ اس کے قائل اور اقراری ہو جانے سے بِلا حجت وحیلہ دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ سو مناسب ہے کہ آپ سعی و کوشش کر کے پانچوں آریہ سماج کے جس قدر ممبر ہوں اُن سے حلفاً اقرارنامہ لے لیں اور نام بنام اُن سے دستخط کرائیں اور اس اقرارنامہ پر دس یا بیس متفقہ مسلمانوں اور بعض پادریوں کے دستخط بھی ہوں تا کہ وہ اقرارنامہ معہ آپ کے اقرارنامہ اور ہمارے اقرار کے چند اخباروں میں چھپوایا جاوے۔ لیکن جب تک آپ اس طور سے اپنا سرگروہ ہونا ثابت نہ کریں تب تک آپ عوامُ النَّاس میں سے

محسوب ہونگے۔ ہمارے خط کوغور سے دیکھواوراس کے منشاء کے موافق قدم رکھو۔ان خطوط سے اصل مطلب تو ہمارا یہی تھا کہ قوموں کے سرگروہوں کو قائل یا لاجواب کر کے کُل قوموں پر (ہندو ہوں یا عیسائی) اتمامِ حجت کیا جائے۔ پس جولوگ سرگروہ ہی نہیں ان کے لاجواب یا قائل کرنے سے ہمارا مطلب کیونکر پورا ہوگا اور حصہ پنجم کے چھپنے کی کب نوبت آئے گی؟ اوراگر خدا توفیق دیوے تو اپنے آریہ بھائیوں کی شہادت کو ہی کافی سمجھو۔ کیونکہ وہ بھی آخر تمہارے ہی بھائی ہیں۔ والدعاء ☆

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

مورخہ ۱۷/ اپریل ۱۸۸۵ء مطابق یکم رجب ۱۳۰۲ھ

☆ مکتوب نمبر۱۳،۱۴۔ الفضل ۲۷/ جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

مکتوب نمبر۱۵

مشفقی پنڈت لیکھرام صاحب! بعد ماوجب۔ اگرچہ اس خاکسار نے آپ کے اُن خطوط کے جواب میں جن میں آپ نے قادیان میں ایک سال تک ٹھہرنے کی درخواست کی تھی یہ لکھا تھا کہ چوبیس سَو روپیہ لینے کی شرط پر آپ کا ایسی درخواست کرنا آپ کی عزت اور حیثیت عرفی کے برخلاف ہے لیکن چونکہ آپ اب تک اسی بات پر اصرار کئے جاتے ہیں کہ میں آریہ سماج کے گروہ میں ایک بڑا عزت دار آدمی ہوں اور بزرگوار اور عالی مرتبت ہونے کی وجہ سے تمام آریہ سماجوں میں مشہور و معروف ہوں بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے اسی دعویٰ کو بعض اخباروں میں چھپوا کر جا بجا مجھے بدنام کرنا چاہا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جس حالت میں میں ایسا عزت دار آدمی ہوں اور پھر طالب حق۔ تو پھر کیوں مجھے آسمانی نشان کے دکھلانے اور اسلام کی حقیت مشاہدہ کرانے سے محروم رکھا جاتا ہے اور کیوں چوبیس سَو روپیہ دینے کی شرط پر مجھ کو قادیان میں ایک سال تک ٹھہرا کر آسمانی نشانوں کے آزمانے کیلئے اجازت نہیں دی جاتی؟ سو آپ پر واضح ہو کہ ہم نے جو آج تک آپ کی درخواست منظور کرنے میں توقف کیا تو اس کی یہی وجہ تھی کہ ہم اپنے خط مطبوع میں یہ شرط درج کر چکے ہیں کہ ہمارا مقابلہ عوام الناس سے نہیں ہے بلکہ ہر قوم کے چیدہ اور منتخب اور صاحب عزت لوگوں سے ہے۔ اور ہر چند ہم نے کوشش کی مگر ہم پر یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ اُن معزز اور ذی مرتبت لوگوں میں سے ہیں جو بوجہ حیثیت عرفی اپنی کے دوسَو روپیہ ماہواری خرچہ پانے کے مستحق ہیں مگر چونکہ آپ کا اصرار اپنے اس دعویٰ پر غایت درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ فی الحقیقت میں ایسا ہی عزت دار ہوں اور پشاور سے بمبئی تک جس قدر آریہ سماج ہیں وہ سب مجھ کو معزز اور قوم میں سے ایک بزرگ اور سرگروہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے آپ کی طرف لکھا جاتا ہے کہ اگر آپ سچ مچ ایسے ہی عزت دار ہیں تو ہم آپ کی درخواست منظور کر لیتے ہیں اور جہاں چاہو چوبیس سَو روپیہ جمع کرانے کو تیار اور مستعد ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ شرائط مندرجہ خطوط مطبوعہ سے تجاوز کر کے اپنی پوری پوری تسلّی کرنے کے لئے مجھ سے چوبیس سَو روپیہ نقد کسی دوکان یا بنک سرکار میں جمع کرانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی آپ کے اس اقرار کو جو بعد دیکھنے کسی آسمانی نشان کے بلاتوقف قادیان میں ہی

مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ ہی کے اعتبار پر نہ چھوڑوں بلکہ جیسے آپ روپیہ وصول کرنے کے باب میں اپنی پوری پوری تسلی کریں گے ایسا ہی میں بھی آپ کے مسلمان ہونے کے لئے کوئی اور تدبیر کر لوں جس سے مجھے بھی پورا پورا یقین اور کامل تسلی ہو جائے کہ آپ بھی درحالت انکار اسلام اپنی عہدشکنی کے ضرر سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ سو عدالت کی بات جس میں میں اور آپ برابر ہیں یہ ہے کہ ایک طرف یہ خاکسار چوبیس سَو روپیہ حسب نشاندہی آپ کے کسی جگہ جمع کرا دے اور ایک طرف آپ بھی اسی قدر روپیہ حسب نشاندہی اس عاجز کے بوجہ تاوان انکار اسلام کسی مہاجن کی دوکان پر رکھوا دیں تا جس کو خدا تعالیٰ فتح بخشے اُس کیلئے یہ روپیہ فتح کی ایک یادگار رہے۔ یہ تجویز کسی فریق پر ظلم نہیں بلکہ فریقین کیلئے موجب تسلّی و سراسر انصاف ہے کیونکہ جیسے آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ آپ بصورت مغلوب ہونے اس عاجز کے چوبیس سَو روپیہ جبراً وصول نہیں کر سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس! مجھے بھی یہ فکر ہے کہ میں بھی بعد مغلوب ہونے آپ کے آپ کو جبراً مسلمان نہیں کرسکتا۔ سو یہ انتظام حقیقت میں نہایت عمدہ اور مستحسن ہے کہ ایک طرف آپ وصولی روپیہ کے لئے اپنی تسلی کرلیں اور ایک طرف میں بھی ایسا بندوبست کرلوں کہ درحالت عدم قبول اسلام آپ بھی شکست کے اثر سے خالی نہ جانے پاویں۔ اور اگر آپ اسلام کے قبول کرنے میں صادق النیت ہیں تو آپ کو روپیہ جمع کرنے میں کچھ نقصان اور اندیشہ نہیں کیونکہ جب آپ بصورت مغلوب ہونے کے مسلمان ہو جائیں گے تو ہم کو آپ کے روپیہ سے کچھ سروکار نہیں ہوگا بلکہ یہ روپیہ تو صرف اُس حالت میں بطور تاوان آپ سے لیا جائے گا کہ جب آپ عہدشکنی کر کے اسلام کے قبول کرنے سے گریز یا روپوشی اختیار کریں گے۔ سو یہ روپیہ بطور ضمانت آپ کی طرف سے جمع ہوگا اور صرف عہدشکنی کی صورت میں ضبط ہوگا نہ اور کسی حالت میں۔ رہا یہ امر کہ آپ اس قدر روپیہ کہاں سے لائیں گے تو اس کا فیصلہ تو آپ ہی کے اقرار سے ہوگیا۔ جب کہ آپ نے اقرار کرلیا کہ میں بڑا عزت دار آدمی اور قوم میں مشہور ومعروف ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں آپ اتنے بڑے عزت دار ہیں تو اوّل یہ روپیہ آپ کے آگے کچھ چیز ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ آپ کے دولت خانہ میں جمع ہوگا اور اگر کسی اتفاق سے آپ پر افلاس طاری ہے تو قوم کے لوگ ایسے معزز اور سرگروہ سے امداد وغیرہ کے بارے میں کب دریغ کریں گے بلکہ وہ تو سنتے ہی ہزارہا روپیہ آپ کے قدموں پر رکھ دیں گے اور صرف آپ کی ایک

زبان کے اشارہ سے روپیوں کا ڈھیر جمع ہو جائے گا۔ خدانخواستہ ایسا کیوں ہونے لگا کہ آریہ سماج کے دولتمند اور ذی مقتدرت لوگ آپ کو چندروز کے لئے بطورامانت روپیہ دینے سے انکار کریں اور آپ کی دیانتداری اورامانت گزاری میں اُن کو کلام ہو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ادنیٰ ادنیٰ آدمی جیسے چوہڑے چمار یا سانسی اپنی قوم میں کچھ ذرا سا اعتبار رکھتے ہیں، وہ بھی اپنی برادری میں اس قدر مسلّم العزت ہوتے ہیں کہ قوم کے ذی مقدرت لوگ کسی مشکل کے وقت صدہا روپیہ سے بطور قرضہ وغیرہ اُن کی امداد کرتے ہیں اور آپ تو بقول آپ کے بڑے ذی عزت آدمی ہیں جن کی عزت سارے آریہ سماجوں میں تسلیم وقبول کی گئی ہے۔ ماسوااس کے یہ روپیہ صرف کچھ مدت کیلئے امانت کے طور پر آپ کے ہاتھ میں دیں گے یہ نہیں کہ وہ روپیہ آپ کی مِلک کر دیں گے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ آج ہم یہ خط رجسٹری کرا کر آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور اگر بیس دن تک آپ نے ہمارا جواب نہ بھیجا اور قادیان میں آ کر ایک سال تک ٹھہرنے کیلئے بات نہ ٹھہرالی اور ان شرائط کو جو عین انصاف اور حق پسندی پر مبنی ہیں قبول نہ کیا تو پھر بعد گزرنے بیس روز کے یہ حال کنارہ کشی آپ کا چند اخباروں میں شائع کرا کر لوگوں پر ثابت کیا جائے گا کہ آپ کا ایک سال تک قادیان میں ٹھہرنے کے لئے مجھ سے دریافت کرنا سراسر لاف وگزاف پر مبنی تھا۔ نہ آپ کی نیت صاف و درست تھی نہ آپ کی ایسی حیثیت وعزت تھی جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔

اب ہم اس خط کو ختم کرتے ہیں اور مدت مقررہ تک ہر روز آپ کے جواب کے منتظر رہیں گے۔☆

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

خاکسار۔غلام احمد

از قادیان ضلع گورداسپور

مورخہ ۱۷؍جولائی ۱۸۸۵ء

☆ روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ ۲؍فروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

مکتوب نمبر ۱۶
بنام پنڈت لیکھرام آریہ مسافر

[اصل خط نہیں ملا۔صرف اس خط کے اقتباس لیکھرام کی تکذیب سے لئے ہیں۔ اس لئے ان کو ہی مفصل درج کر دیا جاتا ہے۔بہرحال اس اقتباس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا لکھا ہوگا۔(ایڈیٹر)]

پہلے اشتہار میں چوبیس سَو (۲۴۰۰) دینے کا وعدہ ضرور ہوا ہے مگر پیشگی جمع کر دینے کی شرط نہیں کی تھی۔ چونکہ آپ نے میرے وعدہ کو معتبر نہ سمجھا اور یہ زائد شرط لگائی کہ زرِ معہودہ کسی بنک سرکاری میں جمع کر دیا جائے۔اس صورت میں میرے لئے برخلاف اس اشتہار کے استحقاق پیدا ہوگیا کہ چوبیس سَو روپیہ بالمقابل پیشگی امانت رکھاؤں۔

اخیر پر آپ اس قسم کے نشانوں کو قبول کرتے ہیں کہ ستاروں، آفتاب و ماہتاب کے تغیر و تبدل وغیرہ پر مشتمل ہوں۔

پنڈت صاحب! ہمارا یہ کام ہرگز نہیں کہ ہم جس طور سے کوئی شخص زمین وآسمان میں انقلاب پیدا کرنا چاہے اس طور سے انقلاب کر کے دکھا دیں۔ہم صرف بندہ مامور ہیں۔ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور پر کا نشان ظاہر کرے گا۔ہم جانتے اور سمجھتے ہیں کہ نشان اس شے کا نام ہے کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ ہمارا دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ صرف ایسا نشان دکھائے گا جس کے مقابلہ سے انسانی طاقتیں عاجز ہوں۔

لفظ نشان کو اپنی اصطلاح میں معجزہ قرار دے کر یہ تعریف لکھتے ہو کہ اس کے مقابلہ سے انسانی طاقتیں عاجز ہوں تو واقعی یہ معنی معجزہ کے درست ہیں کہ مشاہدین فوراً عاجز ہو کر مشاہدہ کرانے والے پر ایمان لاویں اور دور تک مؤثر ہووے۔غرضیکہ اظہر من الشّمس ہونا چاہئے۔

خاکسار

مرزا غلام احمد

از قادیان

۳۱؍جولائی ۱۸۸۵ء

☆ روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ ۲؍فروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

۞ مکتوب نمبر ۱۷

پنڈت لیکھرام نے لکھا ہے کہ میرے آخری خط کا جواب عرصہ تین ماہ تک نہ آیا تو پھر میں نے ایک پوسٹ کارڈ بطور یاددہانی کے ارسال کیا۔اس کے جواب میں مرزا جی کا کارڈ آیا کہ

’’قادیان کوئی دُور تو نہیں ہے۔آن کر کے ملاقات کر جاؤ۔امید کہ یہاں پر باہمی ملنے سے شرائط طے ہو جائیں گی‘‘۔(کلیات صفحہ ۴۱۳)☆

۞ مکتوب نمبر ۱۸

لیکھرام کا خط

مرزا صاحب۔کندن کوہ (اس کے آگے ایک شکستہ لفظ ہے جو پڑھا نہیں جاتا ہے) افسوس کہ آپ نے قرآنی اسپ خود کو اسپ اور اوروں کے اسپ کو خچر قرار دیتے ہیں۔ میں نے ویدک اعتراض کا عقل سے جواب دیا اور آپ نے قرآنی اعتراض کا نقل سے۔مگر وہ عقل سے بسا بعید ہے۔اگر آپ فارغ نہیں تو مجھے بھی تو کام بہت ہے اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں۔اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو ربّ العرش خیرالماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو۔(لیکھرام)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے جواب

جناب پنڈت صاحب! آپ کا خط میں نے پڑھا۔آپ یقیناً سمجھیں کہ ہم کو نہ بحث سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے۔مگر آپ سیدھی نیت سے طلب حق نہیں کرتے بیجا شرائط زیادہ کر دیتے ہیں۔آپ کی زبان بدزبانی سے رُکتی نہیں۔آپ لکھتے ہیں کہ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو ربُّ العرش خیرالماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں۔یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں گویا آپ اُس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بے باکوں کو تنبیہہ کر سکتا ہے۔باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور

☆ روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ ۲رفروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

مکر کرتا ہے یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے۔ مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لیے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے زیادہ اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اُس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں۔ پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش کا اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے۔ آپ عربی سے بے بہرہ ہیں آپ کو مکر کے معنی بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لیے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں ان کا نام مکر ہے۔ لغت دیکھو پھر اعتراض کرو میں اگر بقول آپ کے وید سے اُمّی ہوں تو کیا حرج ہے کیونکہ میں آپ کے مسلم اصول کو ہاتھ میں لے کر بحث کرتا ہوں۔ مگر آپ تو اسلام کے اصول سے باہر ہو جاتے ہیں۔ صاف افترا کرتے ہیں چاہیے تھا کہ عرش پر خدا کا ہونا جس طور سے مانا گیا ہے اوّل مجھ سے دریافت کرتے پھر اگر گنجائش ہوتی تو اعتراض کرتے۔ اور ایسا ہی مکر کے معنی اوّل پوچھتے پھر اعتراض کرتے اور نشان خدا کے پاس ہیں وہ قادر ہے جو آپ کو دکھلاوے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ ☆

خاکسار

مرزا غلام احمد

☆ حیات احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۲، ۴۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکتوب نمبر۱۹

نامہ مرزا غلام احمد صاحب

بجواب خط

ساہوکاران قادیان

عنایت فرمائی من پنڈت نہال چند صاحب و پنڈت پھارامل صاحب وبچھی رام صاحب ولالہ بشن داس صاحب ومنشی تاراچند صاحب ودیگر صاحبان ارسال کنندگان درخواست مشاہدہ خوارق۔

بعد ما وجب! آپ صاحبوں کا عنایت نامہ جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کے دیکھنے کیلئے درخواست کی ہے، مجھ کو ملا۔ چونکہ یہ خط سراسر انصاف وحق جوئی پر مبنی ہے اور ایک جماعت طالب حق نے جو عشرہ کاملہ ہے اس کو لکھا ہے اس لیے یہ تمام تر شکرگزاری اس کے مضمون کو قبول منظور کرتا ہوں۔ اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان ان عہود کے پابند رہیں گے کہ جو اپنے خط میں آپ لوگ کر چکے ہیں تو ضرور خدائے قادر مطلق جلّشانہٗ کی تائید ونصرت سے ایک سال تک کوئی ایسا نشان آپ کو دکھلایا جائے گا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ یہ عاجز آپ صاحبوں کے پُرانصاف خط پڑھنے سے بہت خوش ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ تر اس روز خوش ہوگا کہ جب آپ بعد دیکھنے کسی نشان کے اپنے وعدے کے ایفاء کیلئے جس کو آپ صاحبوں نے اپنے حلفوں اور قسموں سے کھول دیا ہے۔ اپنی شہادت رؤیت کا بیان چند اخباروں میں مشتہر کر کے متعصب مخالفوں کو ملزم ولاجواب کرتے رہیں گے اور اس جگہ یہ بھی بخوشی دل آپ صاحبوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی نشان نہ دیکھیں یا کسی نشان کو جھوٹا پاویں تو بے شک اس کو مشتہر کر دیں اور اخباروں میں چھپوا دیں۔ یہ امر کسی نوع سے موجب ناراضگی نہ ہوگا اور نہ آپ کے دوستانہ تعلقات میں کچھ فرق

آئے گا بلکہ یہ وہ بات ہے جس میں خدا بھی راضی اور ہم بھی اور ہر ایک منصف بھی۔اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپیہ نہیں مانگتے۔صرف دلی سچائی سے نشانوں کا دیکھنا چاہتے ہیں۔اس لیے اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لیے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں بلکہ یہ بات بقول آپ لوگوں کے توفیق ایزدی پر چھوڑی گئی ہے اور اخیر پر دلی جوش سے یہ دعا ہے کہ خداوند قادر وکریم بعد دکھلانے کسی نشان کے آپ لوگوں کو غیب سے قوت ہدایت پانے کی بخشے۔تا آپ لوگ مائدہ رحمت الٰہی پر حاضر ہوکر پھر محروم نہ رہیں۔اے قادر مطلق کریم ورحیم ہم میں اور ان میں سچا فیصلہ کر اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور کوئی نہیں کہ بجز تیرے فیصلہ کر سکے۔آمین ثم آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ ☆

خاکسار

احقر عباد اللہ غلام احمد عفی اللہ عنہ

شہادت گواہان حاضر الوقت

ہم لوگ جن کے نام نیچے درج ہیں اس معاہدۂ فریقین کے گواہ ہیں۔ہمارے رو برو ساہوکاران قادیان نے جن کے نام اوپر درج ہیں اپنے خط کے مضمون کو حلفاً تصدیق کیا اور اسی طرح مرزا غلام احمد صاحب نے بھی۔

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
میر عباس علی لودھیانوی	فقیر عبداللہ سنوری	شہاب الدین تھہ غلام نبی والا

(مطبوعہ ریاض ہند امرتسر)

☆ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۹۱۔۹۲

مکتوب نمبر۲۰

ڈاکٹرجگن ناتھ صاحب ملازم ریاست جموں کے نام

ڈاکٹرجگن ناتھ صاحب ملازم ریاست جموں سے آسمانی نشان دکھلانے کے متعلق جو خط وکتابت بتوسل حضرت مولوی نورالدین صاحب سلّمہُ اللہ تعالیٰ ہوئی تھی اُس کے متعلق کسی انٹروڈکٹری[1] نوٹ کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس خط سے پہلے، جس کا یہاں درج کرنا مقصود ہے، ایک تمہیدی نوٹ لکھ دیا ہے میں اسے ہی درج کردیتا ہوں۔ (یعقوب علی)

ڈاکٹر جگن ناتھ صاحب ملازم ریاست جموں کو آسمانی نشانوں کی طرف دعوت۔ میرے مخلص دوست اور لِلّٰہی رفیق اخویم حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب فانی فی ابتغاءِ مرضات ربّانی ملازم ومعالج ریاست جموں نے ایک عنایت نامہ مورخہ ۷؍جنوری ۱۸۹۲ء اس عاجز کی طرف بھیجا ہے☆ جس کی عبارت کسی قدر نیچے لکھی اور وہ یہ ہے۔ خاکسار نابکار نورالدین۔

بحضور خدام والا مقام حضرت مسیح الزمان سلمہ الرحمٰن السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد

☆ حضرت مولوی صاحب کے محبت نامہ موصوفہ کے چند فقرے لکھتا ہوں۔ غور سے پڑھنا چاہئے۔ نہ معلوم کہ کہاں تک رحمانی فضل سے ان کو انشراح صدر وصدق قدم ویقین کامل عطا کیا گیا ہے اور وہ فقرات یہ ہیں۔ ’’عالی جناب مرزا جی! مجھے اپنے قدموں میں جگہ دو۔ اللہ کی رضامندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے تیار ہوں۔ اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے تو یہ نابکار (مگر محبّ انسان) چاہتا ہے کہ اس کام میں کام آوے‘‘۔ تَمَّ کلامہ۔ جزاہ اللّٰہ حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب اور ایثار مال وعزت اور جان فشانی میں فانی ہیں وہ خود نہیں بولتے بلکہ اُن کی روح بول رہی ہے۔ درحقیقت ہم اُسی وقت سچے بندے ٹھہر سکتے ہیں کہ جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہم اُس کو واپس دیں یا واپس دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ ہماری جان اُس کی امانت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا[2]

سر کہ نہ در پائے عزیزش رود بار گراں است کشیدن بدوش۔ منہ

[1] Introductory [2] النِّساء: ۵۹

ہے۔غریب نوازا! پر یروز ایک عرضی خدمت میں روانہ کی۔اس کے بعد یہاں جموں میں ایک عجیب طوفان بے تمیزی کی خبر پہنچی جس کو بضرورت تفصیل کے ساتھ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ازالہ اوہام میں حضور والا نے ڈاکٹر جگن ناتھ کی نسبت ارقام فرمایا ہے کہ وہ گریز کر گئے۔اب ڈاکٹر صاحب نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو اس معاملہ سے آگاہ تھے کہا ہے۔ سیاہی سے یہ بات لکھی گئی ہے۔ سرخی سے اس پر قلم پھیر دو۔ میں نے ہرگز گریز نہیں کیا اور نہ کسی نشان کی تخصیص چاہی۔ مُردہ کا زندہ کرنا میں نہیں چاہتا اور نہ خشک درخت کا ہرا ہونا۔ یعنی بلا تخصیص کوئی نشان چاہتا ہوں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔

اب ناظرین پر واضح ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک خط میں نشانوں کو تخصیص کے ساتھ طلب کیا تھا جیسے مردہ زندہ کرنا وغیرہ اس پر ان کی خدمت میں خط لکھا گیا کہ تخصیص ناجائز ہے۔خدا تعالیٰ اپنے ارادہ اور اپنے مصالح کے موافق نشان ظاہر کرتا ہے اور جب کہ نشان کہتے ہی اس کو ہیں جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو تو پھر تخصیص کی کیا حاجت ہے۔کسی نشان کے آزمانے کے لئے یہی طریق کافی ہے کہ انسانی طاقتیں اُس کی نظیر نہ پیدا کرسکیں۔اس خط کا جواب ڈاکٹر صاحب نے کوئی نہیں دیا تھا۔اب پھر ڈاکٹر صاحب نے نشان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور مہربانی فرما کر اپنی اُس پہلی قید کو اُٹھا لیا ہے اور صرف نشان چاہتے ہیں۔کوئی نشان ہو مگر انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو۔ لہٰذا آج ہی کی تاریخ یعنی ۱۱؍جنوری ۱۸۹۲ء کو بروز دوشنبہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مکرراً دعوتِ حق کے طور پر ایک خط رجسٹری شدہ بھیجا گیا ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ آپ بلا تخصیص کسی نشان دیکھنے پر سچے دل سے مسلمان ہونے کے لئے تیار ہیں تو اخبارات[1] مندرجہ حاشیہ میں حلفاً یہ اقرار اپنی طرف سے شائع کر دیں کہ میں جو فلاں ابن فلاں ساکن بلدہ فلاں ریاست جموں میں برعہدہ ڈاکٹری متعین ہوں اس وقت حلفاً یہ اقرار صحیح سراسر نیک نیتی اور حق طلبی اور خلوص دل سے کرتا ہوں کہ اگر میں اسلام کی تائید میں کوئی نشان دیکھوں جس کی نظیر مشاہدہ کرانے سے میں عاجز آ جاؤں اور انسانی طاقتوں میں اُس کا کوئی نمونہ اُنہیں تمام لوازم کے ساتھ دکھلا نہ سکوں تو بلا توقف مسلمان ہو جاؤں گا۔اس اشاعت اور اس اقرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ خدائے قیوم وقدوس بازی اور

[1] پنجاب گزٹ سیالکوٹ اور رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور اور ناظم الہند لاہور اور اخبار عام لاہور۔اور نور افشاں لودیانہ۔

کھیل کی طرح کوئی نشان دکھلانا نہیں چاہتا جب تک کوئی انسان پورے انکسار و ہدایت یابی کی غرض سے اُس کی طرف رجوع نہ کرے تب تک وہ بنظرِ رحمت رجوع نہیں کرتا اور اشاعت سے خلوص اور پختہ ارادہ ثابت ہوتا ہے اور چونکہ عاجز نے خداتعالیٰ کے اعلام سے ایسے نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کے وعدہ پر اشتہار دیا ہے، سو وہی میعاد ڈاکٹر صاحب کے لئے قائم رہے گی۔ طالبِ حق کے لئے یہ کوئی بڑی میعاد نہیں۔ اگر میں ناکام رہا تو ڈاکٹر صاحب جو سزا اور تاوان میری مقدرت کے موافق میرے لئے تجویز کریں وہ مجھے منظور ہے اور بخدا مجھے مغلوب ہونے کی حالت میں سزائے موت سے بھی کچھ عذر نہیں۔

ہماں بہ کہ جاں در رہِ او فشانم　　　　جہاں راچہ نقصاں اگر من نہ مانم

والسلام علیٰ من اتبع الھدٰی

المعلن والمشتھر ☆

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی عفی اللہ عنہ

یازدھم جنوری ۱۸۹۲ء

☆☆☆

☆ آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۳۳۸ تا ۳۴۰

مکتوب نمبر ۲۱

لاتکتموا الشهادة

و من یکتمها فانه اثم قلبه والله بما تعملون علیم.

تم گواہی کومت چھپاؤ اور جواسے چھپاتا ہے اسکا دل بدکار ہے اللہ تعالیٰ اعمال کوخوب جانتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

صاحب من! میں اس چٹھی کے ہمراہ آپ کی خدمت میں ایک رسالہ بھیجتا ہوں جس کا نام استفتاء ہے اس رسالہ کے لکھنے کی ضرورت یہ ہوئی ہے کہ آریہ قوم نے حد سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ لیکھرام اس شخص یعنی اس راقم کی سازش سے قتل ہوا ہے اور میری دانست میں وہ کسی قدر معذور بھی ہیں کیونکہ وہ الہامی پیشگوئیوں کی فوق العادت طریق سے بالکل بے خبر ہیں۔ وجہ یہ کہ ان کے عقیدہ کی رو سے ہزارہا برس سے الہام الٰہی پر مہر لگ چکی ہے اور خدا کا کلام آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ اس لئے وہ کسی طرح سمجھ نہیں سکتے کہ خدا کی طرف سے ایسی پیشگوئیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ بہرحال ہمارے ہاتھ میں جو اپنی بریت کے وجوہ ہیں۔ ان کا بیان کر دینا نہ صرف لیکھرام کے حامیوں کے شبہات کو مٹانا ہے بلکہ ایسے لوگوں کے معلومات کو بھی وسیع کرنا ہے جو اس زمانہ میں کسی الہامی پیشگوئی کے نفس مفہوم پر بھی اعتراض رکھتے ہیں اور غیب کی باتوں کو قبل از وقت بیان کرنا قانون قدرت کے خلاف خیال کر رہے ہیں۔ غالبًا یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے بھی دلچسپ اور موجب زیادت علم ہوگا جو دلی شوق کے ساتھ اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ کیا خدا حقیقت میں موجود ہے۔ اور کیا وہ قبل از وقت کسی پر غیب کی باتیں ظاہر کرسکتا ہے۔ اسی غرض سے اس رسالہ میں تمام ایسے وجوہ بیان کئے گئے ہیں کہ جو بخوبی ثابت کرتے ہیں کہ وہ پیشگوئی جو لیکھرام کے بارے میں کی گئی تھی۔ وہ واقعی طور پر خدا کی طرف سے تھی۔ اور کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ وہ انسان کا منصوبہ ہو۔ یا انسان اس پر قادر ہو سکے۔ اور اس بات کو ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ اس پیشگوئی کی درخواست لیکھرام نے آپ ہی کی تھی۔ اور اس کو اسلام اور آریہ مذہب کے امتحان صدق و کذب کا معیار قرار

دیا تھا۔ اور پھر بعد اس کے فریقین کی باہمی رضامندی سے دونوں فریق نے بڑے زور سے اس پیشگوئی کو شائع کیا تھا۔ اور جس طرح پہلوانوں کی کشتی ہوتی ہے۔ اسی طرح دونوں گروہ کا اس پیشگوئی پر خیال لگا ہوا تھا۔ آخر بڑی صفائی سے یہ پوری ہوئی۔ اس پیشگوئی میں یہ بات نہایت عجیب ہے۔ جس کو میں نے زبردست دلائل کے ساتھ اس رسالہ میں بیان کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ پیشگوئی مارچ ۱۸۹۷ء کے مہینہ سے جس میں لیکھرام قتل ہوا ہے۔ ۱۷ برس پہلے ہماری کتاب براہین احمدیہ کے ایک الہام میں بڑی صفائی سے ذکر کی گئی ہے اور براہین کی تالیف کا وہ زمانہ تھا کہ شاید اس وقت لیکھرام ۱۲۔۱۳ برس کا ہوگا۔ یہی وہ بات ہے جس کو خوب غور سے سوچنا چاہئے۔ اور یہی وہ امر ہے جس سے معرفت کی ترقی ہوگی۔ اور خدا کے فعل اور انسان کے فعل میں کھلا کھلا فرق دکھائی دے گا۔ اور دل میں سکینت اور اطمینان پیدا ہو جائیں گے۔ اور غالباً اس جگہ اس بات کا بیان کرنا بھی مفید ہوگا۔ کہ ابھی میں نے اپنے ایک دوسرے رسالہ میں جس کا نام سراج منیر ہے۔ اپنی بریت اور سچائی ثابت کرنے کے لئے ایک اور سلسلہ گواہ کی طرح پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے وہ تمام پیشگوئیاں جو لیکھرام کے مرنے سے پہلے پوری ہو چکی تھیں۔ رسالہ مذکور میں جمع کر کے لکھ دی ہیں۔ اور نہایت لطیف طور پر ان کا نظام دکھلایا ہے۔ ان پیشگوئیوں کے بعض ایسے آریہ بھی گواہ ہیں جن کے بارہ میں یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ سو میرے نزدیک بہتر ہوگا کہ جو صاحب اپنی رائے لکھنے کے وقت سراج منیر کا دیکھنا مناسب سمجھیں وہ مجھ سے طلب کریں۔ میں وہ رسالہ ان کی خدمت میں روانہ کر دوں گا اور یہ بات بھی بیان کر دینے کے قابل ہے کہ جیسا کہ آریوں کو اس پیشگوئی کے بارے میں ناحق کے شبہات ہیں۔ جن کی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ پیشگوئی کی عظمت نے ان کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ایسا ہی ہمارے مخالف مولوی بھی جو روحانیت سے بے بہرہ ہیں۔ اسی گرداب میں پڑے ہوئے ہیں سو ان کیلئے بھی یہ رسالہ مفید ہوگا۔ بشرطیکہ وہ غور سے پڑھیں۔ اور یہ رسالہ اس چٹھی کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ رسالہ کے وجوہات پیش کردہ پر غور کر کے اپنے دلی انصاف کے تقاضا سے وہ فتویٰ لکھیں جس کا لکھنا وجوہات معروضہ کی رو سے واجب ہو۔ یعنی یہ کہ لیکھرام کے مرنے کی نسبت جو پیشگوئی کی گئی تھی۔ کیا وہ فی الواقعہ پوری ہوگئی یا نہیں اور کیا وہ اس اعلیٰ درجہ فوق العادت پر ہے یا نہیں جس کی نسبت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہ انسانی

منصوبہ ہے اور نہ اتفاق امر ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا وہ خاص فعل ہے جس کو الہامی پیشگوئی کہنا چاہئے۔
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

راقم غلام احمد قادیانی ۸۔ذوالحجہ ۱۳۱۴ھ

مکرّر آنکہ جو صاحب بغرض تصدیق نشان لیکھرام والی پیشگوئی کے اپنی گواہی نقشہ منسلکہ پر کرنا نہ چاہیں انہیں لازم ہوگا کہ یہ رسالہ استفتاء معہ اس چٹھی کے واپس کریں۔☆

☆ (استفتاء۔روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

لالہ بھیم سین صاحب کے نام خط

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہم مکتب ایک لالہ بھیم سین صاحب تھے اور زمانہ قیام سیالکوٹ میں حضرت اقدس کی ان کے ساتھ بڑی راہ و رسم تھی۔ لالہ بھیم سین صاحب کی بابت اس خط کے شائع کرتے وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بڑی محبت تھی اور خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ جن ایام میں گورداسپور میں مقدمات کا سلسلہ شروع تھا تو لالہ بھیم سین صاحب نے اپنے بیٹے کی خدمات بھی پیش کی تھیں جو بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آ چکے تھے۔ حضرت مسیح موعود نے شکریہ کے ساتھ ان کی خدمات کو کسی دوسرے وقت پر عند الضرورت ملتوی کر دیا تھا۔ غرض حضرت صاحب کو لالہ بھیم سین صاحب سے محبت اور لالہ بھیم سین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اخلاص تھا۔

۱۴ر جون ۱۹۰۳ء کو حضرت مسیح موعود نے لالہ بھیم سین کو ایک خط لکھا تھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ میں لالہ بھیم سین صاحب کے فرزندِ ارجمند سے خط کتابت کر کے حضرت اقدس کی بعض اور تحریریں بھی جو میسر آ سکیں حاصل کرنی چاہتا ہوں مگر سر دست یہ ایک خط یہاں درج کر دیا جاتا ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

خاکسار یعقوب علی عفی اللہ عنہ

مکتوب نمبر۲۲

آپ نے اپنے خط میں کچھ مذہبی رنگ میں بھی نصائح تحریر فرمائی تھیں۔ مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو اس عظیم الشان پہلو سے بھی دلچسپی ہے۔ درحقیقت چونکہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب لوگ اصلی گھر کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ اس لئے ہر ایک کا فرض ہونا چاہیئے کہ دین اور مذہب کے عقائد کے معاملہ میں پورے غور سے سوچے پھر جس طریق کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے موافق پاوے اُسی کے اختیار کرنے میں کسی ذلّت اور بدنامی سے نہ ڈرے اور نہ اہل وعیال اور خوشیوں اور فرزندوں کی پروا رکھے۔ ہمیشہ صادقوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ سچائی کے اختیار کرنے میں اُنہوں نے بڑے بڑے دُکھ اُٹھائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خواہ عقائد ہوں یا اعمال، دو حال سے خالی نہیں۔ یا سچے ہوتے ہیں یا جھوٹے۔ پھر جھوٹے کو اختیار کرنا دھرم نہیں ہے۔ مثلاً وید کی طرف یہ ہدایت منسوب کی جاتی ہے کہ اگر کسی عورت کے چند سال تک بیٹا نہ ہو، بیٹیاں ہی ہوں تو اس کا خاوند اپنی عورت کو دوسرے سے ہمبستر کرا سکتا ہے۔ اور ایسا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک ایک بیگانہ مرد کے نُطفہ سے گیارہ فرزند نرینہ پیدا ہو جائیں۔ اور شاکت مت میں جو وید کی طرف ہی اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں یہ ہدایت ہے کہ اُن کے خاص مذہبی میلوں میں ماں اور بہن سے بھی جماع درست ہے اور ایک شخص دوسرے کی عورت سے زنا کر سکتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں ہزار ہا ایسے مذہب ہیں کہ اگر ان کا ذکر کیا جاوے تو آپ انگشت بدنداں رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان صلح کاری اختیار کر کے اُن لوگوں کی ہاں سے ہاں ملاوے۔ ایسا ہی عقائد کا حال ہے۔ بعض لوگ دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں، بعض لوگ آگ کی، بعض سورج کی، بعض چاند کی، بعض درختوں کی، بعض سانپوں اور بلیوں کی۔ اور بعض انسانوں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں۔ تو کیا ممکن ہے کہ ان سب کو راستباز سمجھا جاوے؟

جو لوگ دنیا کی اصلاح کے لئے آتے ہیں اُن کا فرض ہوتا ہے کہ سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور جھوٹ کی بیخ کنی کریں۔ وہ سچائی کے دوست اور جھوٹ کے دشمن ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی راستباز کو چند ڈاکو یا چور یہ ترغیب دیں کہ بذریعہ ڈاکو یا کیسہ بری یا نقب زنی کے کوئی مال حاصل کرنا چاہیئے تو

کیا جائز ہوگا کہ وہ راستباز اُن کیساتھ ہوکر ایسے جرائم کا ارتکاب کرے؟ پس مذہب کس چیز کا نام ہے۔ اسی بات کا نام تو مذہب ہے کہ جو عقائد یا اعمال بُرے اور گندے اور ناپاک ہوں اُن سے پرہیز کیا جاوے اور ایسی کتابیں جو ناپاک عقائد یا اعمال سکھلاتی ہیں اُن کو اپنا پیشوا اور رہبر نہ بنایا جاوے۔ میں اس بات کو کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ہر ایک مذہب سے صلح رکھی جاوے اور اُن کی ہاں میں ہاں ملائی جاوے۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاوے تو دنیا میں کوئی بدی بدی نہیں رہے گی اور ہر قسم کے بدعقائد اور بداعمال ان نیکیوں میں داخل ہو جائیں گے۔ حالانکہ جو شخص ایک نظر دنیا کے مذاہب پر ڈالے تو اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا شناسی ہی کے بارے میں کئی عقائد ہیں۔ بعض ناستک مت یعنی دہریہ ہیں۔ وہ خدا کے قائل نہیں ہیں اور بعض انسانوں یا حیوانوں یا اجرام سماوی یا عناصر کو خدا بناتے ہیں۔ خاص آریہ سماجی جو اپنے تئیں ویدوں کے وارث ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہ کیا اور نہ ارواح پیدا کئے بلکہ یہ تمام چیزیں اور ان کی تمام قوتیں خود بخود ہیں۔ پرمیشور کا ان میں کچھ بھی دخل نہیں۔ مگر مجھے ان باتوں کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایک راستباز کے لئے ممکن نہیں کہ ان تمام متناقض امور کو مان لے اور اُن پر ایمان لے آوے۔ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت اور توحید اور قدرت کاملہ پر داغ لگایا ہے یا بدکاری کو جائز رکھا ہے میں اس جگہ اُن کی نسبت اور اُن کی کتاب کی نسبت کچھ نہیں کہتا۔ صرف آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ ناپاک کو بھی ایسا ہی تسلیم کرے جیسا کہ پاک کو کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ پاک ہونے سے خدا ملتا ہے۔ لیکن ایسے طریقوں سے جو ناپاک عقائد اور ناپاک اعمال پر مشتمل ہیں کیونکر خدا مل سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا بہشتی زندگی تک پہنچاتا ہے لیکن جو شخص راجہ رام چندر یا راجہ کرشن یا حضرت عیسیٰ کو خدا سمجھتا ہے یا خدائے قیوم کو ایسا عاجز اور ناقص خیال کرتا ہے کہ ایک ذرّہ یا ایک روح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں، وہ کیونکر اس پاک ذوالجلال کی حقیقی محبت سے حصہ لے سکتا ہے۔ حقیقی اور سچے خدا کو اُس کی پاک اور کامل صفات کے ساتھ جاننا اور اُس کی پاک راہوں کے مطابق چلنا ہی حقیقی نجات ہے اور اُس حقیقی نجات کے مخالف جو طریق ہیں۔ وہ سب گمراہی کے طریق ہیں پھر کیونکر ان طریقوں میں پھنسے رہنے سے انسان حقیقی نجات پا سکتا ہے۔

دنیا میں اکثر یہ واقعہ مشہور ہے کہ ہر ایک شخص اُن خیالات پر بہت بھروسہ رکھتا ہے جن خیالات میں اُن نے پرورش پائی ہے یا جن کو سننے کا اُس کو بہت موقعہ ملا ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی بے تکلّف کہہ دیتا ہے کہ عیسٰی ہی خدا ہے اور ایک ہندو اس بات کے بیان کرنے سے کچھ شرم نہیں کرتا کہ رام چندر اور کرشن درحقیقت خدا ہیں یا دریائے گنگ اپنے پرستاروں کو مرادیں دیتا ہے یا اُن کا ایک ایسا خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، صرف موجودہ اجسام یا اراوح کو جو کسی اتفاق سے خودبخود قدیم سے چلے آتے ہیں جوڑنا اس کا کام ہے۔ لیکن یہ تمام بھروسے بے اصل ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ زندہ خدا کو خوش کرنا نجات کے طالب کا اصول ہونا چاہئے۔ دنیا رسوم و عادات کی قید میں ہے۔ ہر ایک شخص جو کسی مذہب میں پیدا ہوتا ہے اکثر بہرحال اُسی کی حمایت کرتا ہے لیکن یہ طریق صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ بات ہے کہ جس مذہب کی رو سے زندہ خدا کا پتہ مل سکے اور بڑے بڑے نشانوں اور معجزات سے ثابت ہو کہ وہی خدا ہے، اس مذہب کو اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر درحقیقت خدا موجود ہے اور اُس کی ذات کی قسم کہ درحقیقت وہ موجود ہے تو یہ اس کا کام ہے کہ وہ بندوں پر اپنے تئیں ظاہر کرے اور انسان جو محض اپنی اٹکلوں سے خیال کرتا ہے کہ اس جہان کا ایک خدا ہے اور وہ اٹکلیں سچی تسلّی دینے کیلئے کافی نہیں اور جیسا کہ ایک محجوب اُن روپوں پر بھروسہ کرتا ہے جو اُس کے صندوق میں بند ہیں اور اُس زمین پر جو اُس کے قبضہ میں ہے اور اُن باغات پر جو ہمیشہ صدہا روپیہ کی آمدنی نکالتے ہیں اور اُن لائق بیٹوں پر جو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہیں اور ماہ بماہ اپنے باپ کو ہزار ہا روپیہ سے مدد کرتے ہیں وہ محجوب ایسا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ یہی سبب ہے کہ اُس پر حقیقی ایمان نہیں۔ ایسا ہی ایک غافل جیسا کہ طاعون سے ڈرتا ہے اور اُس گاؤں میں داخل نہیں ہوتا جو طاعون سے ہلاک ہو رہا ہے اور جیسا کہ وہ سانپ سے ڈرتا ہے اور اُس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس میں سانپ ہو یا سانپ ہونے کا گمان ہو اور جیسا کہ وہ شیر سے ڈرتا ہے اور اُس بَن میں داخل نہیں ہوتا جس میں شیر ہو۔ ایسا ہی وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور دلیری سے گناہ کرتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اگرچہ وہ زبان سے کہتا ہے مگر دراصل خدا تعالیٰ سے غافل اور بہت دور ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ بلکہ جب تک خدا تعالیٰ کے کھلے کھلے نشان ظاہر نہ ہوں اُس وقت تک انسان سمجھ بھی نہیں سکتا کہ خدا بھی ہے۔ گو

تمام دنیا اپنی زبان سے کہتی ہے کہ ہم خدا پر ایمان لائے مگر اُن کے اعمال گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ سچا ایمان تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً جب انسان بار بار کے تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ سمّ الفار ایک زہر ہے جو نہایت قلیل مقدار اُس کی قاتل ہے تو وہ سمّ الفار کھانے سے پرہیز کرتا ہے۔ تب اُس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ سمّ الفار کے قاتل ہونے پر ایمان لایا۔ سو جو شخص کسی پہلو سے گناہ میں گرفتار ہے وہ ہنوز خدا پر ایمان ہرگز نہیں لایا اور نہ اس کو شناخت کیا۔

دنیا بہت سی فضولیوں سے بھری ہوئی ہے اور لوگ ایک جھوٹی منطق پر راضی ہو رہے ہیں۔ مذہب وہی ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھلاتا ہے اور خدا سے ایسا قریب کر دیتا ہے کہ گویا انسان خدا کو دیکھتا ہے۔ اور جب انسان یقین سے بھر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ سے اس کا خاص تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ گناہ سے اور ہر ایک ناپاکی سے خلاصی پاتا ہے اور اس کا سہارا صرف خدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے خاص نشانوں سے اور اپنی خاص تجلّی سے اور اپنے خاص کلام سے اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ میں موجود ہوں تب اس روز سے وہ جانتا ہے کہ خدا ہے اور اسی روز سے وہ پاک کیا جاتا ہے اور اندرونی آلائشیں دور کی جاتی ہیں۔ یہی معرفت ہے جو بہشت کی کنجی ہے۔ مگر یہ بغیر اسلام کے اور کسی کو بھی میسر نہیں آتی۔ یہی خدا تعالیٰ کا ابتداء سے وعدہ ہے جو وہ اُنہی پر ظاہر ہوتا ہے جو اُس کے پاک کلام کی پیروی کرتے ہیں۔ تجربہ سے زیادہ کوئی گواہ نہیں۔ پس جبکہ تجربہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں بجز اسلام کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسی کی اپنے زبردست معجزات سے مدد نہیں کرتا تو ہم کیونکر مان لیں کہ دوسرے مذہب میں ایسا ہو سکتا ہے۔

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا، قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے۔ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے۔ میں نے اُس کو کہا کہ چونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اُس کو اُس کی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں۔ مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ نہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے اور اُس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آ جاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ پس بہت سہل طریق یہ ہے کہ تم وید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیشگوئی کرو اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پا کر پیشگوئی

کروں گا۔ پس اُس نے میری نسبت یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مرجائے گا۔ اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھرام بذریعہ قتل نابود ہو جائے گا کیونکہ وہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گزر گیا۔ اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اس کے مرنے کے تھوڑی مدت کے بعد پنجاب میں طاعون پھیل جائے گی۔ تمام پیشگوئی میں نے اپنی کتابوں میں بار بار شائع کر دی اور یہ بھی شائع کر دیا کہ وید درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اَب آریہ سماج والوں کو چاہئے کہ لیکھرام کی نسبت اپنے پرمیشور سے بہت دعا کریں تا وہ اُس کو بچالے کیونکہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا پرمیشور اِن کو بچا نہیں سکے گا اور ایسا ہی لیکھرام نے بھی میری نسبت اپنی کتاب میں شائع کر دیا کہ یہ شخص تین برس میں ہیضہ کی بیماری سے فوت ہو جائے گا۔ آخر لیکھرام اپنے قتل ہونے پر گواہی دے گیا کہ وید خدا کی طرف سے نہیں ہے۔

اسی طرح نہ ایک نشان بلکہ ہزار ہا نشان ظاہر ہوئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں۔ جن سے روز روشن کی طرح کھل گیا کہ دین اسلام ہی دنیا میں سچا مذہب ہے اور سب انسانوں کے اختراع ہیں اور یا کسی وقت سچے تھے اور بعد میں وہ کتابیں بگڑ گئیں۔ اے عزیز! ہم آپ کی باتوں کو کہ جو کوئی روشن دلیل ساتھ نہیں رکھتیں کیونکر مان لیں۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف دعویٰ ہے جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ دنیا میں ایک ادنیٰ مقدمہ بھی جب کسی عدالت میں پیش ہوتا ہے تو ثبوت کے سوائے کسی حاکم کے نزدیک قابل سماعت نہیں ہوتا اور ایسا مدعی ڈگری حاصل نہیں کر سکتا تو پھر نہ معلوم آپ ان خیالات پر کیونکر بھروسہ رکھتے ہیں جو بے ثبوت ہیں۔ خدا ایک ہے اور اس کی مرضی ایک ہے پھر وہ کیونکر متناقض امور کا مصداق ہو سکتا ہے اور کیونکر ہم ان سب باتوں کو سچی مان سکتے ہیں کہ عیسیٰ خدا ہے اور رام چندر خدا ہے اور کرشن خدا ہے اور یا کہ خدا ایسا عاجز ہے کہ ایک ذرّہ بھی اُس نے پیدا نہیں کیا۔ وہ مذہب قبولیت کے لائق ہے جو ثبوت کا روشن چراغ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسلام ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ جو زبردست نشان اور معجزات اسلام میں ظاہر ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے مذہب میں بھی ہوتے ہیں تو ہم آپ کی اس بات کو بشوق سنیں گے۔ بشرطیکہ آپ اس بات کا ثبوت دیں۔ مگر یاد رکھیں کہ یہ آپ کے لئے ہرگز ممکن نہیں ہوگا کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا زندہ شخص بھی دکھلا سکیں کہ وہ برکات اور آسمانی نشان جو مجھے ملے ہیں ان میں وہ مقابلہ کر کے دکھلا وے۔

اب میں آپ کے بعض خیالات کی غلطی کو رفع کرتا ہوں۔

قول آں عزیز۔ خدانے کافر اور مومن کو اس دنیا میں یکساں حصہ بخشا ہے۔

اقول۔ چونکہ خدانے ہر ایک کو اپنی طرف بلایا ہے اس لئے سب کو ایسی قوتیں بخشی ہیں کہ اگر وہ ان قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ مگر تجربہ سے ثابت ہے کہ بجز اس کے کوئی اسلام پر قدم مارے ہر ایک شخص ان قوتوں کو بے اعتدالی سے استعمال میں لاتا ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتا۔

قول آں عزیز۔ بہت مشکل ہے کہ تمام لوگ ایک ہی مذہب پر چلیں۔

اقول۔ سچے طالب کے لئے ہر ایک مشکل سہل کی جاتی ہے۔

قول آں عزیز۔ اگرچہ ریل پر چلنے والے بہت آرام پاتے ہیں لیکن اگر کوئی پیادہ پا سفر اختیار کرے تو ریل والے اس کو کافر نہیں کہتے۔

اقول۔ یہ قول دینی معاملہ پر چسپاں نہیں ہے اور قیاس مع الفارق ہے۔ خدا کے ملنے کی ایک خاص راہ ہے یعنی معجزات اور نشانوں سے یقین حاصل ہونا۔ اسی پر تزکیہ نفس موقوف ہے اور یقین کے اسباب بجز اسلام کے کسی مذہب میں نہیں۔

قول آں عزیز۔ خدا بے انت ہے۔ سو ہم بے انت کو اُسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب پابندئ شرع سے باہر ہو جائیں۔

اقول۔ شرع عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں راہ۔ یعنی خدا کے پانے کی راہ۔ پس آپ کے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب ہم خدا کے پانے کی راہ چھوڑ دیں تب ہمیں خدا ملے گا۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ یہ کیسا مقولہ ہے۔

قول آں عزیز۔ ذات پات نہ پوچھے کو۔ ہَر کو بھجے سو ہَر کا ہو۔

اقول۔ یہ سچ بات ہے۔ اس سے اسلام بحث نہیں کرتا کہ کس قوم اور کس ذات کا آدمی ہے۔ جو شخص راہِ راست طلب کرے گا خواہ وہ کسی قوم کا ہو خدا اُسے ملے گا۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خواہ کسی مذہب کا پابند ہو خدا کو مل سکتا ہے۔ کیونکہ جب تک پاک مذہب اختیار نہیں کرے گا تب تک خدا ہرگز نہیں پائے گا۔ مذہب اَور چیز ہے اَور قوم اور چیز۔

قول آں عزیز۔ یہی وجہ ہے کہ پیروانِ وید نے کسی شخص کی پیروی نجات کیلئے محصور نہیں رکھی۔

اقول۔ جس شخص کے نزدیک وید کے مؤلّف کی پیروی نجات کے لئے محصور نہیں وہ وید کا مکذّب ہے۔ آپ خود بتلائیں کہ اگر مثلاً ایک شخص وید کے اصولوں اور تعلیموں کو نہیں مانتا۔ نہ نیوگ کو مانتا ہے نہ اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے لئے اپنی زندگی میں اپنی جورو کو ہمبستر کراوے اور یا وہ اس بات کو نہیں مانتا کہ پرمیشور نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور تمام روحیں اپنے اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور یا وہ اگنی، وایو، سورج وغیرہ کی پرستش کو نہیں مانتا۔ غرض وہ بہرطرح وید کو ردّی کی طرح خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جس پرمیشور کو وید نے پیش کیا ہے اُس کو پرمیشور ہی نہیں جانتا تو کیا ایسے آدمی کیلئے نجات ہے یا نہیں؟ اگر نجات ہے تو آپ وید سے ایسی شُرتی پیش کریں جو ان معنوں پر مشتمل ہو اور اگر نجات نہیں تو پھر آپ کا یہ قول صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ ہم لوگ بھی تو صرف اس قدر کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن شریف کی تعلیموں کو نہیں مانتا اُس کو ہرگز نجات نہیں اور اس جہان میں وہ اندھے کی طرح بسر کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [1]۔ یعنی قرآن نے جو دین اسلام پیش کیا ہے۔ جو شخص قرآنی تعلیم کو قبول نہیں کرے گا وہ مقبول خدا ہرگز نہ ہوگا اور مرنے کے بعد وہ زیاں کاروں میں ہوگا۔ یہ کہنا کہ کسی شخص کی پیروی وید کی رُو سے درست نہیں، یہ غلط ہے۔ جب اُس کی کتاب کی پیروی کی تو خود اُس کی پیروی ہوگئی۔ اگر ہندو صاحبان وید کی پیروی نہیں کرتے تو پھر وید کو پیش کیوں کرتے ہیں؟

قول آں عزیز۔ ہرملّت اور ہر مذہب میں صاحبِ کمال گزرے ہیں۔

اقول۔ زمانہ موجودہ میں بطور ثبوت کے کسی صاحبِ کمال کو پیش کرنا چاہئے۔ کیا آپ کے نزدیک پنڈت لیکھرام صاحب صاحبِ کمال تھا یا نہیں؟ جس کو آج تک آریہ سماجی لوگ روتے ہیں۔

میں نے آں محبّ کی دلجوئی کے لئے باوجود کم فرصتی کے یہ چند سطریں لکھی ہیں۔ امید کہ اس پر غور فرمائیں گے۔

خاکسار

غلام احمد۔ قادیان

۱۴؍جون ۱۹۰۳ء

[1] اٰلِ عمران: ۸۶

مینیجر گروکل گوجرانوالہ کے نام

فروری ۱۹۰۷ء کو گوجرانوالہ گروکل کے مینیجر کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں متواتر خطوط وہاں کی مذہبی کانفرنس میں شمولیت کیلئے آئے۔ یہ کانفرنس آریوں کی طرف سے قرار پائی تھی۔ اس کانفرنس میں مختلف مذاہب کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا تھا اور ہر ایک کے لئے نصف گھنٹہ مقرر کیا تھا کہ وہ تقریر کریں۔ نصف گھنٹہ میں مذہب جیسی چیز کا فیصلہ آریوں کے نزدیک آسان ہو تو یہ امر دیگر ہے لیکن جو شخص مذہب کی حقیقت اور صداقت کو کھول کر بیان کرنا چاہتا ہو اس کے لئے یہ ہنسی کی بات ہے۔ بہرحال وہاں کے مینیجر صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں متواتر خطوط لکھے اور وقت کی توسیع کے لئے جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے یہی کہا کہ آپ جلسہ مذاہب میں ضرور تشریف لاویں۔ سب کے واسطے نصف گھنٹہ مقرر کیا ہے اور ایک عالم کے واسطے یہ وقت کافی ہے۔ اس خط کا جواب حضرت اقدس نے مفتی صاحب (برادرم محمد صادق) کو زبانی فرما دیا کہ یہ لکھ دو۔ چنانچہ مفتی صاحب نے وہ خط لکھ دیا۔ چونکہ یہ حضرت اقدس ہی کی طرف سے ہے اور حضرت ہی کے کلمات ہیں اس لئے اس کو درج کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

مکتوب نمبر ۲۳

جناب مینیجر صاحب گروکل گوجرانوالہ تسلیم

آپ کا دوسرا خط حضرت کی خدمت میں پہنچا جس میں آپ نے ظاہر کیا ہے کہ آپ نصف گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتے اور کہ ایک عالم کے واسطے بہ سبب اس کے علم کے اتنا وقت کافی ہے۔

بجواب گزارش ہے کہ حضرت فرماتے ہیں:

کہ اہم مذہبی امور پر گفتگو کرنے کے واسطے اتنا تھوڑا وقت کسی صورت میں کافی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ہم ایسی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کم از کم تین گھنٹہ وقت ہمارے مضمون کے واسطے رکھتے تو ممکن تھا کہ ہم خود جاتے یا اپنا کوئی فاضل دوست اپنا مضمون دے کر بھیج دیتے۔ ہم کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایسے مضامین عالیہ میں صرف آدھ گھنٹے کی تقریر کافی ہے۔ ہم رسوم کے پابند نہیں بلکہ ہم پابند احقاقِ حق ہیں۔ باقی آپ کا یہ فرمانا کہ بڑے عالم کے واسطے نصف گھنٹہ ہی کافی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ بات آپ کیونکر درست قرار دیتے ہیں جب کہ آپ کے وید مقدس لکھنے والوں نے اپنی باتوں کو ختم نہ کیا جب تک کہ وہ ایک گدھے کے بوجھ کے برابر ہو گئے تو پھر آپ ہم سے یہ امید کیونکر رکھتے ہیں۔ ایک نکتۂ معرفت کا قبل از تکمیل گلا گھوٹنا درحقیقت سچائی کا خون کرنا ہے جس کو کوئی راستباز پسند نہ کرے گا۔ اگر علم وفضل کا معیار حد درجہ کے اختصار اور تھوڑے وقت میں ہوتا، تو چاہئے کہ وید صرف چند سطروں میں ختم ہو جاتا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تھوڑے وقت نے مجھے اس اشتراک سے محروم رکھا۔ کیا خدا تعالیٰ کی ذات صفات کی نسبت کچھ بیان کرنا اور پھر روح اور مادہ میں جو کچھ فلاسفی مخفی ہے اس کو کھولنا آدھ گھنٹہ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لفظ ہی سوءِ ادب میں داخل ہے۔

جن لوگوں کو محض شراکت کا فخر حاصل کرنا مقصود ہے وہ جو چاہیں کریں مگر ایک محقق ناتمام تقریر پر خوش نہیں ہوسکتا۔ سچائی کو ناتمام چھوڑنا ایسا ہے جیسا کہ بچہ اپنے پورے دنوں سے پہلے پیٹ سے ساقط ہو جائے۔ آئندہ آپ کا اختیار ہے۔

خادم مسیح موعودؑ

محمد صادق عفی اللہ عنہ

۱۷رفروری ۱۹۰۷ء

پادریوں کے نام

خطوط

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

سابقہ جلد سوم

مرتبہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

صفحہ ۹۷ تا ۲۹۱

فہرست مکتوبات

پادریوں کے نام

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱	۱۰۲	۱۸۸۵ء	پادری سوفٹ
۲	۱۱۰	۱۸۹۱ء	ایک عیسائی کے چند سوالوں کے جوابات ۞
۳	۱۶۱	اپریل ۱۸۹۳ء	عبداللہ آتھم کے نام مکتوب
۴	۱۶۶	۱۳ اپریل ۱۸۹۳ء	مسیحان جنڈیالہ
۵	۱۶۹	۲۳ اپریل ۱۸۹۳ء	مارٹن کلارک
۶	۱۷۳	۲۵اپریل۱۸۹۳ء	پادری صاحب
۷	۱۷۵	۳۱ جون ۱۸۹۳ء	پادری جوالہ سنگھ
۸	۱۷۹	۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء	ناظرین کے لئے ضروری اطلاع
۹	۱۸۱	۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء	پادری فتح مسیح (نورالقرآن حصہ۲)
۱۰	۱۹۵	۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء	بقیہ اعتراضات فتح مسیح (نورالقرآن حصہ۲) ۞
۱۱	۲۳۰	یکم فروری ۱۸۹۶ء	پادری فتح مسیح
۱۲	۲۳۵	۲۵ مئی ۱۹۰۰ء	بشپ صاحب لاہور سے سچے فیصلہ کی درخواست
۱۳	۲۴۱	ستمبر ۱۹۰۲ء	جارج لیفرائے ڈی ڈی بشپ لاہور

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱۴	۲۵۶	ستمبر ۱۹۰۲ء	جان الیگزنڈر ڈوئی (پہلا خط)
۱۵	۲۶۷	بلا تاریخ	جان الیگزنڈر ڈوئی (دوسرا خط)
۱۶	۲۷۱	۲۴ جون ۱۹۰۴ء	ایک انگریز کے نام ۞
۱۷	۲۷۳	۱۹۰۶ء	بانس بریلی کے ایک مسلمان (بجواب ینابیع الاسلام)

☆......☆......☆

پادری سوفٹ صاحب کے نام

[یہ ایک پُرانا خط ہے جو پادری سوفٹ صاحب کے نام لکھا گیا تھا۔ یہ پادری صاحب گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ انہیں عام پادریوں کی نسبت عیسوی تھیالوجی کا بڑا دعویٰ تھا۔ افسوس اس خط کے نقل کرنے والے نے بھی تاریخ وسنہ کے لکھنے سے جو سخت ضروری بات تھی تأمل کیا۔ بہرحال یہ ۱۸۸۴ء سے کم عرصہ کا یہ خط نہیں۔ اس سے بڑا بھاری فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت امام الزمان اپنے دعاوی کے صادقانہ لہجے میں برابر مستقیم اور غیر متبدل چلے آتے ہیں اور یہ افتراء واختلاق کے ردّ کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ **والحمدللّٰہ علٰی ذٰلک**۔ (ایڈیٹر)]

حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۳۵ میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مزید تحریر فرماتے ہیں۔

دعوت یکسالہ اور عیسائی

میں نے اعلان دعوت نشان نمائی یکسالہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ عیسائیوں میں کوئی فوری تحریک اس کے مقابلہ میں آنے کی نہیں ہوئی مگر جب اِندرمن وغیرہ کے متعلق اعلانات شائع ہوئے تو ایک دیسی عیسائی مسٹر سوفٹ نے اس مقابلہ میں حضرت کو ایک خط لکھا اور آمادگی کا اظہار ایسے رنگ میں کیا جس کا لازمی نتیجہ فرار تھا۔

اس خصوص میں پادری سوفٹ کو جو جوابی خط حضرت نے لکھا تھا میں نے اسے مکتوباتِ احمدیہ کی تیسری جلد میں شائع کر دیا تھا چونکہ خط پر کوئی تاریخ نہ تھی میرا خیال اس وقت یہ تھا کہ غالباً ۱۸۸۴ء میں لکھا گیا لیکن چونکہ حضرت کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی دعوت یکسالہ کے متعلق ہے اس لئے یہ مکتوب ۱۸۸۵ء کی آخری ششماہی کا ہی ہوسکتا ہے۔

پادری سوفٹ کون تھا

یہ شخص دراصل ایک دیسی عیسائی تھا اور اس کا نام رام چند تھا (ماسٹر رام چند اور تھا) یہ گوالیار اسٹیٹ کا باشندہ تھا۔ عیسائی ہوکر اس نے اپنا نام تبدیل کر کے سوفٹ رکھ لیا تا کہ اس طرح وہ اپنی عیسائیت یا پہلی زندگی کو مخفی رکھ سکے یہ شخص بعد میں سہارن پور وغیرہ کے مدرسہ الٰہیات میں تعلیم پاکر

گوجرانوالہ میں متعین ہوا۔ اور اسے اپنے علم الٰہیات پر بڑا ناز تھا اس نے اسی سستی شہرت کے لئے حضرت اقدس کو اس دعوت کے قبول کرنے کے لئے مشروط خط لکھا۔

حضرت اقدس کا جواب اور سوفٹ کی خاموشی

اور اس کا جواب حضرت اقدس نے جو دیا میں ذیل میں درج کر دیتا ہوں۔ اس جواب کے بعد پادری صاحب خاموش ہو گئے اور اس طرح عیسائی قوم پر بھی اِتمامِ حجت ہو گئی۔

مکتوب نمبرا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بعد ما وجب۔ آپ کا عنایت نامہ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں، بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا۔ آپ نے پہلے تو بے تعلق اپنے خط میں قصہ چھیڑ دیا ہے کہ حقیقت میں خدائے قادر مطلق خالق و مالک ارض و سما مسیح ہے اور وہی نجات دہندہ ہے لیکن میں سوچ میں ہوں کہ آپ صاحبوں کی طبیعت کیونکر گوارا کر لیتی ہے کہ ایک آدم زاد، خاکی نہاد، عاجز بندہ کی نسبت آپ لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ وہی ہمارا پیدا کنندہ اور ربُّ العٰلمین ہے یہ خیال آپ کا حضرت مسیح کی نسبت ایسا ہی ہے جیسے ہندو لوگ راجہ رام چندر کی نسبت رکھتے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہندو لوگ کشلیا کے بیٹے کو اپنا پرمیشر بنا رہے ہیں اور آپ حضرت مریم صدیقہ کے صاحبزادہ کو۔ نہ ہندوؤں نے کبھی یہ ثابت کر دکھایا کہ زمین و آسمان میں سے کوئی ٹکڑا کسی مخلوق کا رام چندر یا کرشن نے پیدا کیا ہے اور نہ آج تک آپ لوگوں نے حضرت مسیح کی نسبت کچھ ایسا ثبوت دیا۔ افسوس کہ جو قوتیں عقل اور ادراک اور فہم و قیاس کی آپ صاحبوں کی فطرت کو عطا کی گئیں تھیں آپ لوگوں نے ایک ذرا ان کا قدر نہیں کیا اور علوم طبعی اور فلسفی کو پڑھ پڑھا کر ڈبو دیا اور عقلی علوم کی روشنی آپ لوگوں کے دل پر ایک ذرہ نہ پڑی۔ سادگی اور ناسمجھی کے زمانہ میں جو کچھ گھڑا گیا انہیں باتوں کو آپ لوگوں نے اب تک اپنا دستور العمل بنا رکھا ہے۔ کاش! اس زمانہ میں دو چار دن کیلئے حضرت مسیح اور راجہ رام چندر اور کرشن و بدھ وغیرہ کہ جن کو مخلوق پرستوں

نے خدا بنایا ہوا ہے پھر دنیا میں اپنا درشن کرا جاتے۔ تا خود ان لوگوں کا انصاف دلی ان کو ملزم کرتا کہ کیا ان آدم زادوں کو خدا خدا کر کے پکارنا چاہئے؟ اور تعجب تو یہ ہے کہ باوجود ان تمام رُسوائیوں کے جو آپ لوگوں کے عقائد میں پائی جاتی ہیں پھر آپ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے عقائد عقل کے موافق ہیں۔ میں حیران ہوں کہ جن لوگوں کے یہ عقائد ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنا قدیمی اور غیر متغیر جلال چھوڑ کر ایک عورت کے پیٹ میں حلول کیا اور ناپاک راہ سے تولد پایا اور دکھ اور تکلیف اُٹھاتا رہا اور مصلوب ہو کر مر گیا اور پھر یہ کہ وہ تین بھی ہے اور ایک بھی۔ اور انسان کامل بھی ہے اور خدائے کامل بھی۔ وہ ایسے عقائد کو کیونکر عقل کے مطابق کر سکتے ہیں اور ایسی نئی فلسفی[1] کونسی ہے۔ جس کے ذریعے سے یہ لغویات معقول ٹھہر سکتی ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آپ لوگ معقول طور پر اپنے خوش عقیدہ کی سچائی ثابت نہیں کر سکتے تو پھر لاچار ہو کر نقل کی طرف بھاگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہم نے پہلی کتابوں میں یعنی بائیبل میں دیکھی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم ان کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ جواب بھی سراسر پوچ اور بے معنی ہے کیونکہ ان کتابوں میں ہرگز یہ بات درج نہیں ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے یا خود ربُّ العلمین ہیں اور دوسرے لوگ خدا کے بندے ہیں بلکہ بائیبل پر غور کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا کر کے کسی کو پکارنا یہ ان کتابوں کا عام محاورہ ہے بلکہ بعض جگہ خدا کی بیٹیاں بھی لکھی ہیں اور ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ تم سب خدا ہو۔ تو پھر اس حالت میں حضرت مسیح کی کیا خصوصیت رہی؟ ماسوا اس کے ہر ایک عاقل جانتا ہے کہ منقولات اور اخبار میں صدق اور کذب اور تغیر اور تبدل کا احتمال ہے۔ خصوصاً جو جو صدمات عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں کو پہنچے ہیں اور جن جن خیانتوں اور تحریفوں کا انہوں نے آپ اقرار کر لیا ہے۔ ان وجوہ سے یہ احتمال زیادہ تر قوی ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ بھی آپ کو سوچنا چاہئے کہ اگر ہر ایک تحریر بغیر ثبوت باضابطہ کے قابل اعتبار ٹھہر سکتی ہے تو پھر آپ لوگ ان قصوں کو کیوں معتبر نہیں سمجھتے کہ جو ہندوؤں کے پستکوں میں رام چندر اور کرشن اور برہما اور بشن وغیرہ کے معجزات کی نسبت اور ان کے بڑے بڑے کاموں کے بارہ میں اب تک لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ جیسے مہادیو کی لٹوں سے گنگا کا نکلنا اور مہادیو کا پہاڑ کو اُٹھا لینا اور ایسا ہی ارجن کے بھائی راجہ بھیم کے مقابل پر مہادیو کا کشتی کیلئے آنا۔

---

[1] یہاں مراد فلاسفی ہے۔ ناشر

جس کی پرانوں میں یہ کتھا لکھی ہے کہ مہا دیو جی پلہنسی کا روپ دھار کر راجہ بھیم کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ بھیم نے چاہا کہ ان سے لڑے۔ مہا دیو جی بھاگ نکلے۔ بھیم نے ان کا پیچھا کیا تب وہ زمین میں گھس گئے۔ بھیم نے یہ دیکھ کر بڑے زور سے ان کی پونچھ پکڑ لی اور کہا کہ اب میں نہ جانے دوں گا۔ سو پونچھ اور پچھلا دھڑ تو بھیم[1] کے ہاتھ میں رہ گیا اور منہ نیپال کے پہاڑ میں جا نکلا۔ اسی وجہ سے منہ کی پوجا نیپال میں ہوتی ہے اور پونچھ اور پچھلے دھڑ کی کدارناتھ میں۔

اب دیکھئے کہ جو کچھ آپ نے عقیدہ بنا رکھا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ کی روح حضرت مریم کے رِحم میں گھس گئی اور گھسنے کے بعد اُس نے ایک نیا روپ دھار لیا۔ جس سے وہ کامل خدا بھی بنے رہے اور کامل انسان بھی ہو گئے۔ کیا یہ قصہ بھیم اور مہا دیو کے قصہ سے کچھ کم ہے۔

پھر آپ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم کو مسیح کے کفارہ پر ایمان لانے سے نجات حاصل ہوگئی ہے۔ مگر میں آپ لوگوں میں نجات کی کوئی علامت نہیں دیکھتا۔ اور اگر میں غلطی پر ہوں تو آپ مجھ کو بتلائیں کہ وہ کون سے انوار و برکات اور قبولیتِ الٰہی کے نشان آپ لوگوں میں پائے جاتے ہیں جن سے دوسرے لوگ محروم رہے ہوئے ہیں۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ ایمانداروں اور بے ایمانوں اور ناجیوں اور غیر ناجیوں میں ضرور مابہ الامتیاز ہونا چاہئے۔ مگر پادری صاحب! آپ ناراض نہ ہوں وہ علامات جو ایمانداروں میں ہوتی ہیں اور ہونی چاہئیں۔ جن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی دو تین جگہ انجیل میں لکھا ہے وہ آپ لوگوں میں مجھ کو نظر نہیں آتیں۔ بلکہ وہ نشان سچے مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں اور انہیں میں ہمیشہ پائے گئے ہیں اور انہیں نشانوں کے ظاہر کرنے کیلئے اس عاجز نے آپ صاحبوں کی خدمت میں رجسٹری کرا کر خط لکھے اور بیس ہزار اشتہار تقسیم کیا اور کوئی دقیقہ ابلاغ اور اتمامِ حجت کا باقی نہ رکھا۔ تا خدا کرے کہ آپ لوگوں کو حق دیکھنے کیلئے شوق پیدا ہو اور جو مقبول اور مَردُود میں فرق ہونا چاہئے وہ آپ بچشم خود دیکھ لیں اور اچھے درختوں کے اچھے پھل اور اچھے پھول بذات خود ملاحظہ کر لیں۔ مگر افسوس کہ میری اس قدر سعی اور کوشش سے اب تک آپ لوگوں میں سے کوئی صاحب میدان میں نہیں آئے۔ اب آپ نے یہ خط لکھا ہے مگر دیکھئے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے خط میں تین شرطیں لکھی ہیں۔ پہلے آپ یہ لکھتے ہیں کہ چھ سَو روپیہ یعنی

---

[1] راجہ یدھشٹر کا چھوٹا بھائی۔ شیو جی (اُردو ہندی لغت)

تین ماہ کی تنخواہ بطور پیشگی ہمارے پاس گوجرانوالہ میں بھیجا جاوے اور نیز مکان وغیرہ کا انتظام اس عاجز کے ذمہ رہے اور اگر کسی نوع کی دقت پیش آوے تو فوراً آپ گوجرانوالہ میں واپس آجاویں گے اور جو روپیہ آپ کو مل چکا ہو اس کو واپس لینے کا استحقاق اس عاجز کو نہیں رہے گا۔

یہ پہلی شرط ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے لیکن گزارش خدمت کیا جاتا ہے کہ روپیہ کسی حالت میں قبل از انفصال اس امر کے جس کے لئے بحالت مغلوب ہونے کے روپیہ دینے کا اقرار ہے، آپ کو نہیں مل سکتا۔ ہاں البتہ یہ روپیہ آپ کی تسلّی اور اطمینان قلبی کیلئے کسی بنک سرکاری میں جمع ہو سکتا ہے یا کسی مہاجن کے پاس رکھا جا سکتا ہے۔ غرض جس طرح چاہیں روپیہ کی بابت ہم آپ کی تسلّی کرا سکتے ہیں لیکن آپ کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے اور یہ بات سچ اور قریب انصاف بھی ہے کہ جب تک فریقین میں جو امر متنازعہ فیہ ہے وہ تصفیہ نہ پا جائے تب تک روپیہ کسی ثالث کے ہاتھ میں رہنا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ جو طالب حق ہیں اس بات کو سمجھ جائیں گے اور اس کے برخلاف اصرار نہیں کریں گے۔ اور جو اسی شرط کے دوسرے حصہ میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اگر مکان وغیرہ کے بارے میں کسی نوع کی ہم کو دقت پہنچی تو ہم فوراً گوجرانوالہ میں آویں گے اور جو روپیہ جمع کرایا گیا ہے وہ ہمارا ہو جائے گا۔ یہ شرط آپ کی بھی ایسی وسیع التاویل ہے کہ ایک بہانہ جُو آدمی کو اس سے بہت کچھ گنجائش مل سکتی ہے کیونکہ مکان بلکہ ہر یک چیز میں نکتہ چینی کرنا بہت آسان ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ کی آب و ہوا ہم کو مخالف ہے، ہم بیمار ہو گئے، مکان میں بہت گرمی ہے، فلاں چیز ہم کو وقت پر نہیں ملتی، فلاں فلاں ضروری چیزوں سے مکان خالی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب ایسی ایسی نکتہ چینیوں کا کہاں تک تدارک کیا جائے گا۔ سو اس بات کا انتظام اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ آپ ایک دو دن کیلئے خود قادیان میں آ کر مکان کو دیکھ بھال لیں اور اپنی ضروریات کا بالمواجہ تذکرہ اور تصفیہ کر لیں تا جہاں تک مجھ سے بن پڑے آپ کی خواہشوں کے پورا کرنے کیلئے کوشش کروں اور پھر بعد میں نکتہ چینی کی گنجائش نہ رہے۔ ماسوا اس کے یہ عاجز تو اس بات کا ہرگز دعویٰ نہیں کرتا کہ کسی کو اپنے مکان میں فروکش کر کے جو کچھ نفسِ امّارہ اُس کا اسباب عیش و تنعّم مانگتا جائے وہ سب اس کے لئے مہیا کرتا جاؤں گا بلکہ اس خاکسار کا یہ عہد و اقرار ہے کہ جو صاحب اس عاجز کے پاس آئیں ان کو اپنے مکانات میں سے اچھا مکان اور اپنی خوراک کے موافق خوراک دی جائے گی اور جس طرح

ایک عزیز اور پیارے مہمان کی حتی الوسع دلجوئی و خدمت و تواضع کرنی چاہئے ، اسی طرح ان کی بھی کی جائے گی ۔ اپنی طاقت اور استطاعت کے موافق برتاؤ اور معاملہ ہوگا اور اپنے نفس سے زیادہ تر اَکل وشرب میں ان کی رعایت رکھی جائے گی ۔ ہاں اگر کوئی اس قسم کی تکلیف ہو جس کو اس گاؤں میں ہم لوگ خود اُٹھاتے ہیں اور اس کا دفع اور ازالہ ہماری طاقت اور استطاعت سے باہر ہے ۔ اس میں ہمارے مہمان ہماری حالت کے شریک رہیں گے اور اس بات کو آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر ہر ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ جس حالت میں ہم نے دوسَو روپیہ ماہواری دینا قبول کیا اور اس کیلئے ہر طرح تسلی بھی کر دی تو ہم نے اپنے فرض کو ادا کر دیا ۔ کہ جو کسی کا پورا پورا حرجہ دینے کے لئے ہمارے سر پر تھا ۔ رہا تجویز مکان و دیگر لوازم مہمانداری سو یہ زوائد ہیں جن کو ہم نے حسنِ اَخلاق کے طور پر اپنے ذمہ آپ لے لیا ہے ۔ ورنہ ہر ایک باانصاف آدمی جانتا ہے کہ جس شخص کو پورا پورا حرجہ اس کی حیثیت کے موافق بلکہ اس سے بڑھ کر دیا جائے تو پھر اور کوئی مطالبہ اس کا بے جا ہے ۔ اس کو تو خود مناسب ہے کہ اگر زیادہ تر آرام پسند اور آسائش دوست ہے تو اپنی آسائش کے لئے آپ بندوبست کر لے ۔ جیسا اس حالت میں بندوبست کرتا کہ جب وہ دوسَو روپیہ نقد کسی اور جگہ سے بطور نوکری پاتا ۔ غرض جس قدر علاوہ ادائے حرجہ کے ہم سے کسی کی خدمت ہو جاوے ۔ اس میں تو ہمارا ممنون ہونا چاہئے کہ ہم نے علاوہ اصل شرط کے بطور مہمانوں کے اس کو رکھا ۔ نہ کہ اُلٹی نکتہ چینی کی جائے ۔ کیونکہ یہ تو تہذیب اور اخلاق اور انصاف سے بہت بعید ہے اور اس مقام میں مجھ کو ایک سخت تعجب یہ ہے کہ اگر ایسی شرائط جو آپ نے پیش کیں کوئی اور شخص کسی فرقہ مخالف کا پیش کرتا تو کچھ بعید نہ تھا ۔ مگر آپ لوگ تو حضرت مسیح علیہ السلام کے خادم اور تابع کہلاتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا دَم مارتے ہیں ۔ سو یہ کیسی بھول کی بات ہے کہ آپ حضرت مسیح کی سیرت کو چھوڑے جاتے ہیں ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح ایک مسکین اور درویش طبع آدمی تھے جنہوں نے اپنی تمام زندگی میں کوئی اپنا گھر نہ بنایا اور کسی نوع کا اسباب عیش وعشرت اپنے لئے مہیا نہ کیا ۔ تو پھر آپ فرماویں کہ آپ کو ان کی پیروی کرنا لازم ہے یا نہیں؟ جب تک آپ کی زندگی مسیح کی زندگی کا نمونہ نہ بنے تب تک آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کے سچے پیرو ہیں ۔ سو اب آپ غور کر لیں کہ یہ کس قدر نازیبا بات ہے کہ جو آپ پہلے ہی اپنی عیش وعشرت کے لئے مجھ سے شرطیں کر رہے ہیں ۔

آپ پر واضح ہو کہ یہ عاجز مسیح کی زندگی کے نمونہ پر چلتا ہے۔ کسی باغ میں کوئی امیرانہ کوٹھی نہیں رکھتا اوراس عاجز کا گھر اس قسم کی عیش ونشاط کا گھر نہیں ہوسکتا جس کی طرف دنیا پرستوں کی طبیعتیں راغب اور مائل ہیں۔ ہاں اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق مہمانوں کیلئے خالصًا لِلّٰہ مکانات بنا رکھے ہیں اور جہاں تک بس چل سکتا ہے۔ ان کی خدمت کے لئے آمادہ وحاضر ہوں۔ سو اگر آپ ایسے مکانات میں گزارہ کرنا چاہیں تو بہتر ہے کہ اوّل آ کراُن کو دیکھ لیں۔ لیکن اگر آپ تنعّم پسند لوگوں کی طرح مجھ سے یہ درخواست کریں کہ میرے لئے ایک ایسا شیش محل چاہئے جو ہر ایک طرح کی فرش فروش سے آراستہ ہو۔ جا بجا تصویریں لگی ہوئی اور مکان سجا ہوا اور بوتلوں میں مست اور متوالا کرنے والی چیز بھری ہوئی رکھی ہوں اور اِردگرد مکان کے ایک خوشنما باغ اور چاروں طرف اس کے نہریں جاری ہوں اور دس بیس خدمت گذار غلاموں کی طرح حاضر ہوں تو ایسا مکان پیش کرنے سے مجبور ومعذور ہوں بلکہ ایک سادہ مکان جو ان تکلّفات سے خالی لیکن معمولی طور پر گزارہ کرنے کا مکان ہو، موجود اور حاضر ہے اور مکرر کہتا ہوں کہ آپ کو پُر تکلف مکانات اور دوسرے لوازم سے گریز کرنا چاہئے تا آپ میں مسیح کی زندگی کی علامات ظاہر ہو جائیں۔ اور میں ہرگز خیال نہیں کرتا کہ یہ مکان آپ کو کچھ تکلیف دِہ ہوگا۔ بلکہ مجھے کامل تسلی ہے کہ ایک شکرگزار آدمی ایسے مکان میں رہ کر کوئی کلمہ شکوہ شکایت کا منہ پر نہیں لائے گا۔ کیونکہ مکان وسیع موجود ہے اور گذارہ کرنے کے لئے سب کچھ مل سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر آپ بعد ملاحظہ مکان چند معمولی اور جائز باتوں میں جو ہماری طاقت میں ہوں فرمائش کریں تو وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ میسر آ سکتی ہیں مگر بہرحال پہلے آپ کا تشریف لانا ازبس ضروری ہے۔

پھر آپ دوسری شرط میں یہ لکھتے ہیں کہ الہام اور معجزہ کا ثبوت ایسا چاہئے، جیسے کتاب اقلیدس میں ثبوت درج ہیں، جس سے ہمارے دل قائل ہو جائیں۔ اس میں اوّل اس عاجز کی اس بات کو یاد رکھیں کہ ہم لوگ معجزہ کا لفظ صرف اُسی محل میں بولا کرتے ہیں جب کوئی خارقِ عادت کسی نبی یا رسول کی طرف منسوب ہو لیکن یہ عاجز[1] نہ نبی ہے اور نہ رسول ہے، صرف اپنے نبی معصوم محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ خادم اور پیرو ہے اور اسی رسول مقبول کی برکت ومتابعت سے

[1] یہ آپ کی سچائی کی دلیل ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس روز نبوت کو نہیں کھولا آپ نے بھی دعویٰ نہ کیا۔ (ایڈیٹر)

یہ انوار و برکات ظاہر ہو رہے ہیں۔ سو اس جگہ کرامت کا لفظ موزوں ہے نہ معجزہ کا اور ایسا ہی ہم لوگوں کی بول و چال میں آتا ہے۔ اور جو آپ اقلیدس کی طرح ثبوت مانگتے ہیں۔ اس میں یہ عرض ہے کہ جس قدر بفضلہٖ تعالیٰ روشن نشان آپ کو دکھلائے جائیں گے بمقابلہ اُن کے ثبوت اقلیدس کا جو اکثر دوائر موہومہ پر مبنی ہے ناکارہ اور ہیچ ہے۔ اقلیدس کے ثبوتوں میں کئی محل گرفت کی جگہ ہیں اور ان ثبوتوں کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے کوئی کہے۔ کہ اگر اوّل آپ بلا دلیل کسی ایک چارپایہ کی نسبت یہ مان لیجئے کہ یہ چارپایہ نجاست کھالیتا ہے اور مَیں مَیں کرتا ہے اور بدن پر اس کے اُون ہے تو ہم ثابت کر دیں گے کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔ ایسا اسی اقلیدس کے بیانات میں اکثر جگہ تناقض ہے۔ جیسے اوّل وہ آپ ہی لکھتا ہے کہ نقطہ وہ شئے ہے جس کی کوئی جز نہ ہو یعنی بالکل قابل انقسام نہ ہو۔ پھر دوسری جگہ آپ ہی تجویز کرتا ہے کہ ہر یک خط کے دو ایسے ٹکڑے ہو سکتے ہیں کہ وہ دونوں اپنی اپنی مقدار میں برابر ہوں۔ اب فرض کرو کہ ایک خط مستقیم ایسا ہے جو نو نقطوں سے مرکب ہے اور بموجب دعویٰ اقلیدس کے ہم چاہتے ہیں جو اس کے دو ٹکڑے مساوی کریں تو اس صورت میں یا تو یہ امر خلاف قرارداد پیش آئے گا کہ ایک نقطہ کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور یا یہ دعویٰ اقلیدس کا کہ ہر ایک خط مستقیم دو ٹکڑے مساوی ہو سکتا ہے، غلط ٹھہرے گا۔ غرض اقلیدس میں بہت سی وہمی اور بے ثبوت باتیں بھری ہوئی ہیں۔ جن کو جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ مگر آسمانی نشان تو وہ چیز ہے کہ وہ خود منکر کی ذات پر ہی وارد ہو کر حق الیقین تک اس کو پہنچا سکتا ہے اور انسان کو بجز اس کے ماننے کے کچھ بَن نہیں پڑتا۔ سو آپ تسلی رکھیں کہ اقلیدس کے ناچیز خیالات کو اُن عالی مرتبہ نشانوں سے کچھ نسبت نہیں۔

''چہ نسبت خاک را با عالم پاک''

اور یہ نہیں کہ صرف اس عاجز کے بیان پر ہی حصر رہے گا بلکہ یہ فیصلہ بذریعہ ثالثوں کے ہو جائے گا اور جب تک ثالث لوگ جو فریقین کے مذہب سے الگ ہوں گے یہ شہادت نہ دیں کہ ہاں فی الحقیقت یہ خوارق اور پیشگوئیاں انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ تب تک آپ غالب اور یہ عاجز مغلوب سمجھا جائے گا۔ لیکن درصورت مل جانے ایسی گواہیوں کے جو اُن خوارق اور پیشگوئیوں کو انسانی طاقت سے بالاتر قرار دیتی ہوں، تو آپ مغلوب اور میں بفضلہٖ تعالیٰ غالب ہوں گا اور اُسی وقت آپ پر لازم ہوگا کہ اسی جگہ قادیان میں بشرفِ اسلام مشرف ہو جائیں۔ پھر آپ اپنے خط

کے اخیر پر یہ لکھتے ہیں کہ اگر شرائط مذکورہ بالا کو قبول نہیں فرماؤ گے۔ تو آپ کا حال اور یہ شرائط چند اخبار ہند میں شائع کی جائیں گی۔ سو مشفق من! جو کچھ حق حق تھا آپ کی خدمت میں لکھ دیا گیا ہے اور یہ عاجز آپ کے حالات شائع کرنے کرانے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ بلکہ خدا جانے آپ کب اور کس وقت اپنی طرف سے اخباروں میں یہ مضمون درج کرائیں گے مگر یہ خاکسار تو آج ہی کی تاریخ میں ایک نقل اس خط کی بعض اخباروں میں درج کرنے کیلئے روانہ کرتا ہے اور آپ کو یہ خوشخبری پہلے سے سنا دیتا ہے تا آپ کی تکلیف کشی کی حاجت نہ رہے اور مِن بعد جو کچھ آپ کی طرف سے ظہور میں آئے گا وہ بھی بیس روز تک انتظار کر کے چند اخباروں میں چھپوا دیا جائے گا۔ اور اگر آپ کچھ غیرت کو کام میں لا کر قادیان میں آ گئے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ خداوند کریم کس کے ساتھ ہے اور کس کی حمایت اور نصرت کرتا ہے۔ اور پھر اس وقت آپ پر یہ بھی کھل جائے گا کہ کیا سچا اور حقیقی خدا جو خالق و مالک ارض وسما ہے وہ حقیقت میں ابن مریم ہے یا وہ خدا ازلی و ابدی و غیر متغیر وقدوس، جس پر ہم لوگ ایمان لائے ہیں۔ سو میں اُسی خدائے کامل اور صادق کی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ضرور تشریف لائیں ضرور آئیں۔ اگر وہ قسم آپ کے دل پر مؤثر نہیں تو پھر اتمامِ الزام کی نیت سے آپ کو حضرت مسیح کی قسم ہے کہ آپ آنے میں ذرا توقف نہ کریں تا حق و باطل میں جو فرق ہے وہ آپ پر کھل جائے اور جو صادقوں اور کاذبوں میں مابہ الامتیاز ہے وہ آپ پر روشن ہو جائے۔
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت　　کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور
من ایستادہ ام اینک تو ہم بیا بشتاب　　کہ تا سیاہ شود روئے کاذب مغرور

الراقم
خاکسار
آپ کا خیرخواہ
مرزا غلام احمد
قادیان ضلع گورداسپور ☆

☆ الحکم ۲۴؍ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ تا ۶

مکتوب نمبر۲

ایک عیسائی کے چند سوالوں کا جواب

انجمن حمایت اسلام لاہور کے ذریعہ ایک عیسائی نے کچھ سوال اسلام پر کئے تھے انجمن نے ان سوالات کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح مدّ ظلہ العالی کے پاس بھیج دیا اور آقا و غلام نے ان سوالات کے جواب لکھ کر انجمن کو بھیج دیئے تھے۔ چونکہ وہ ایک عیسائی کے خط کا جواب بذریعہ ایک کھلے خط کے تھا اس لئے انہیں درج کر دیا جاتا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق (ایڈیٹر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بَلۡ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ [۱]

چند روز ہوئے کہ ایک عیسائی صاحب مسمّی عبداللہ جیمز نے چند سوال اسلام کی نسبت بطلب جواب انجمن میں ارسال فرمائے تھے چنانچہ اُن کے جواب اس انجمن کے تین معزز و مقتدر معاونین نے تحریر فرمائے ہیں جو بعد مشکوری تمام بصورت رسالہ ہذا شائع کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر۱: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوت اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر متشکّی ہونا جیسا سورہ بقر اور سورہ انعام میں درج ہے فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ [۲] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں یقین جانتے تھے کہ وہ پیغمبر خدا نہیں اگر وہ پیغمبر خدا ہوتے یا انہوں نے کبھی بھی کوئی معجزہ کیا ہوتا یا معراج ہوا ہوتا یا جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید لائے ہوتے تو وہ کبھی اپنی نبوت پر متشکّی نہ ہوتے اُس سے انکار قرآن مجید پر اور اپنی نبوت پر متشکّی ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ رسول اللہ ہیں۔

پہلے سوال کا جواب: معترض نے پہلے اپنے دعوٰی کی تائید میں سورہ بقر میں سے ایک آیت پیش کی ہے جس کے پورے پورے لفظ یہ ہیں۔ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ [۳]

---

[۱] العنکبوت: ۵۰ [۲] البقرۃ: ۱۴۸، الانعام: ۱۱۵ [۳] البقرۃ: ۱۴۸

اس آیت کا سیاق سباق یعنی اگلی پچھلی آیتوں کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ نبوت اور قرآن شریف کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اس بات کا بیان ہے کہ اب بیت المقدس کی طرف نہیں بلکہ بیت کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنی چاہیے۔ سو اللہ جلّشانہ اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ ہی حق بات ہے یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہی نماز پڑھنا حق ہے جو ابتدا سے مقرر ہو چکا ہے اور پہلی کتابوں میں بطور پیشگوئی اس کا بیان بھی ہے سو تو (اے پڑھنے والے اس کتاب کے) اس بارے میں شک کرنے والوں سے مت ہو۔☆ پھر اس آیت کے آگے بھی اسی مضمون کے متعلق آیتیں ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ[1] یعنی ہر ایک طرف سے جو تو نکلے تو خانہ کعبہ کی ہی طرف نماز پڑھ۔ یہی تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ غرض صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام آیات خانہ کعبہ کے بارے میں ہیں نہ کسی اور تذکرہ کے متعلق اور چونکہ یہ حکم جو خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کے لئے صادر ہوا ایک عام حکم ہے جس میں سب مسلمان داخل ہیں لہٰذا بوجہ عموم منشاء حکم بعض وسوسے والی طبیعتوں کا وسوسہ دور کرنے کے لئے ان آیات میں اُن کو تسلی دی گئی کہ اس بات سے متردد نہ ہوں کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے اب اُس کی طرف سے ہٹ کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا کیوں شروع کر دیا۔ سو فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ وہی مقرر شدہ بات ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے پہلے نبیوں کے ذریعے سے پہلے ہی سے بتلا رکھا تھا اس میں شک مت کرو۔

دوسری آیت میں جو معترض نے بتائید دعویٰ خود تحریر کی ہے وہ سورہ انعام کی ایک آیت ہے جو معہ اپنی آیات متعلقہ کے اس طرح پر ہے اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ[2] یعنی کیا بجز خدا کے میں کوئی اور حَکَم طلب کروں اور وہ وہی ہے جس نے مفصل کتاب تم پر اُتاری اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی قرآن دیا ہے مراد یہ ہے کہ جن کو ہم نے علمِ قرآن سمجھایا ہے وہ

☆ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی کتابوں میں اور نیز انجیل میں بھی تحویل کعبہ کے بارے میں بطور پیشگوئی اشارات ہو چکے ہیں۔ دیکھو یوحنا ۴۔ ۲۲ تا ۲۴ یسوع نے اسے کہا کہ اے عورت میری بات کو یقین رکھ وہ گھڑی آتی ہے کہ جس میں تم نہ اِس پہاڑ پر اور نہ یروشلم میں باپ کی پرستش کرو گے۔

[1] البقرة: ۱۵۰　[2] الانعام: ۱۱۵

خوب جانتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے سواے پڑھنے والے! تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔

اب اِن آیات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اس آیت کے جو فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ہے ایسے لوگ ہیں جو ہنوز یقین اور ایمان اور علم سے کم حصہ رکھتے ہیں بلکہ اوپر کی آیتوں سے یہ بھی کھلتا ہے کہ اِس جگہ یہ حکم فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ شروع کی آیت میں جس سے یہ آیت تعلق رکھتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی قول ہے یعنی یہ کہ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا سو اِن تمام آیات کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ میں بجز خدا تعالیٰ کے کوئی اور حَکَم جو مجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے مقرر نہیں کر سکتا وہ وہی ہے جس نے تم پر مفصل کتاب نازل کی سو جن کو اس کتاب کا علم دیا گیا ہے وہ اس کا منجانب اللہ ہونا خوب جانتے ہیں سو تو (اے بے خبر آدمی) شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔

اب تحقیق سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شک نہیں کرتے بلکہ شک کرنے والوں کو بحوالہ شواہد و دلائل منع فرماتے ہیں۔ پس باوجود ایسے کھلے کھلے بیان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شک فی الرسالت کو منسوب کرنا بے خبری و بے علمی یا محض تعصب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ اگر شک کرنے سے بعض ایسے نَو مسلم یا متردّد منع کئے گئے تھے جو ضعیف الایمان تھے تو اُن کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ تم شک مت کرو نہ یہ کہ تو شک مت کر کیونکہ ضعیف الایمان آدمی صرف ایک ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی ہوتے ہیں بجائے جمع کے واحد مخاطب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وحدت سے وحدت جنسی مراد ہے جو جماعت کا حکم رکھتی ہے اگر تم اوّل سے آخر تک قرآن شریف کو پڑھو تو یہ عام محاورہ اُس میں پاؤ گے کہ وہ اکثر مقامات میں جماعت کو فرد واحد کی صورت میں مخاطب کرتا ہے مثلاً نمونہ کے طور پر اِن آیات کو دیکھو۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا - وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ ... وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝[1]

---

[1] بنی اسرآءیل: ۲۳ تا ۲۵

یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدامت ٹھہرا اگر تو نے ایسا کیا تو مذموم اور مخذول ہو کر بیٹھے گا۔اور تیرے خدا نے یہی چاہا ہے کہ تم اسی کی بندگی کرو۔ اُس کے سوا کوئی اور دوسرا تمہارا معبود نہ ہو اور ماں باپ سے احسان کر اگر وہ دونو یا ایک اُن میں سے تیرے سامنے بڑی عمر تک پہنچ جائیں تو تُو اُن کو اُف نہ کر اور نہ اُن کو جھڑک بلکہ اُن سے ایسی باتیں کر کہ جن میں اُن کی بزرگی اور عظمت پائی جائے اور تذلل اور رحمت سے ان کے سامنے اپنا بازو جھکا اور دُعا کر کہ اے میرے رَبّ! تو ان پر رحم کر جیسا اُنہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں میری پرورش کی۔

اب دیکھو کہ ان آیات میں یہ ہدایت ظاہر ہے کہ یہ واحد کا خطاب جماعت اُمت کی طرف ہے جن کو بعض دفعہ انہیں آیتوں میں تم کر کے بھی پکارا گیا ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات میں مخاطب نہیں کیونکہ ان آیتوں میں والدین کی تعظیم وتکریم اور اُن کی نسبت برّواحسان کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو صغیرسنی کے زمانے میں بلکہ جناب ممدوح کی شیر خوارگی کے وقت میں ہی فوت ہو چکے تھے۔سو اس جگہ سے اور نیز ایسے اور مقامات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کو واحد کے طور پر مخاطب کر کے پکارنا یہ قرآن شریف کا ایک عام محاورہ ہے کہ جو ابتدا سے آخر تک جابجا ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔یہی محاورہ توریت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے کہ واحد مخاطب کے لفظ سے حکم صادر کیا جاتا ہے اور مراد بنی اسرائیل کی جماعت ہوتی ہے جیسا کہ خروج باب ۳۳، ۳۴ میں بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ (۱۱) آج کے دن میں جو حکم تجھے کرتا ہوں تو اُسے یاد رکھیو۔ (۱۲) ہوشیار رہ تا نہ ہووے کہ اُس زمین کے باشندوں کے ساتھ جس میں تو جاتا ہے کچھ عہد باندھے۔ (۱۷) تو اپنے لئے ڈہائے ہوئے معبودوں کو مت بنائیو۔

اب ان آیات کا سیاق سباق دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ ان آیات میں حضرت موسیٰ مخاطب کئے گئے تھے مگر دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِن احکام کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ کنعان میں گئے اور نہ بت پرستی جیسا بُرا کام حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے مردِ خدا بت شکن سے ہوسکتا تھا جس سے ان کو منع کیا جاتا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام وہ مقربُ اللہ ہے جس کی شان میں اسی باب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو میری نظر میں منظور ہے اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں

دیکھوخروج آیت (۱۷)

سو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی طرز قرآن شریف کی ہے۔تو ریت اور قرآن شریف میں اکثر احکام اسی شکل سے واقعہ ہیں کہ گویا مخاطب اُن کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر دراصل وہ خطاب قوم اور اُمت کے لوگوں کی طرف ہوتا ہے لیکن جس کو ان کتابوں کی طرز تحریر معلوم نہیں وہ اپنی بے خبری سے یہی خیال کر لیتا ہے کہ گویا وہ خطاب وعتاب نبی منزل علیہ کو ہو رہا ہے مگر غور اور قرائن پر نظر ڈالنے سے اُس پر کھل جاتا ہے کہ یہ سراسر غلطی ہے۔

پھر یہ اعتراض اُن آیات پر نظر ڈالنے سے بھی بکلّی مستاصل ہوتا ہے جن میں اللہ جلشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کامل کی تعریف کی ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ[1] یعنی کہ مجھے اپنی رسالت پر کھلی کھلی دلیل اپنے ربّ کی طرف سے ملی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ[2] یعنی کہ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کاملہ کے ساتھ بُلاتا ہوں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا[3] یعنی خدا نے تجھ پر کتاب اُتاری اور حکمت یعنی دلائل حقیت کتاب وحقیت رسالہ تجھ پر ظاہر کئے اور تجھے وہ علوم سکھائے جنہیں تو خود بخود جان نہیں سکتا تھا اور تجھ پر اُس کا ایک عظیم فضل ہے۔ پھر سورہ نجم میں فرماتا ہے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی[4] مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی[5] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جو اپنی صداقت کے آسمانی نشان دیکھے تو اُس کی کچھ تکذیب نہ کی یعنی شک نہیں کیا اور آنکھ چپ وراست کی طرف نہیں پھیری اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی حق پر ٹھہر گئی اور اِس نے اپنے خدا کے وہ نشان دیکھے جو نہایت بزرگ تھے۔

اب اے ناظرین! ذرا انصافاً دیکھو۔ اے حق پسندو! ذرا منصفانہ نگہ سے غور کرو کہ خدائے تعالیٰ کیسے صاف صاف طور پر بشارت دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیرتِ کاملہ کے ساتھ اپنی نبوت پر یقین تھا اور عظیم الشان نشان ان کو دکھلائے گئے تھے۔

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں ایک نقطہ یا ایک شعشہ اس بات پر دلالت

[1] الانعام: ۵۸ [2] یوسف: ۱۰۹ [3] النّسآء: ۱۱۴ [4] النجم: ۱۲ [5] النجم: ۱۸، ۱۹

کرنے والا نہیں پاؤ گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت یا قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی نسبت کچھ شک تھا بلکہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ جس قدر یقین کامل و بصیرت کامل و معرفت اکمل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کی نسبت دعویٰ کیا ہے اور پھر اُس کا ثبوت دیا ہے ایسا کامل ثبوت کسی دوسری موجودہ کتاب میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ فَهَلْ مَنْ يَسْمَعُ فَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَكُوْنُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُخْلِصِيْنَ۔ واضح رہے کہ انجیلوں میں حضرت مسیح کے بعض اقوال ایسے بیان کئے گئے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی عمر کے آخری دنوں میں اپنی نبوت اور اپنے مویّد من اللہ ہونے کی نسبت کچھ شبہات میں پڑ گئے تھے جیسا کہ یہ کلمہ کہ گویا آخری دم کا کلمہ تھا یعنی ایلی ایلی لماسبقتنی[1] جس کے معنی یہ ہیں کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ عین دنیا سے رخصت ہونے کے وقت میں کہ جو اہل اللہ کے یقین اور ایمان کے انوار ظاہر ہونے کا وقت ہوتا ہے آنجناب کے منہ سے نکل گیا۔ پھر آپ کا یہ بھی طریق تھا کہ دشمنوں کے بدارادہ کا احساس کر کے اُس جگہ سے بھاگ جایا کرتے تھے حالانکہ خدا تعالیٰ سے محفوظ رہنے کا وعدہ پا چکے تھے۔ ان دونوں امور سے شک اور تحیر ظاہر ہے۔ پھر آپ کا تمام رات رو رو کر ایسے امر کے لئے جس کا انجامِ بد آپ کو پہلے سے معلوم تھا بجز اس کے کیا معنی رکھتا ہے کہ ہر ایک بات میں آپ کو شک ہی شک تھا۔ یہ باتیں صرف عیسائیوں کے اس اعتراض اُٹھانے کی غرض سے لکھی گئی ہیں ورنہ ان سوالات کا جواب ہم تو اَحسن طریق سے دیکھتے ہیں اور اپنے پیارے مسیح کے سر سے جو بشری ناتوانیوں اور ضعفوں سے مستثنیٰ نہیں تھے ان تمام الزامات کو صرف ایک نفی الوہیت و ابنیت سے ایک طرفۃ العین میں اُٹھا سکتے ہیں مگر ہمارے عیسائی بھائیوں کو بہت دقت پیش آئے گی۔☆

سوال نمبر۲: اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو اس وقت کے سوالوں کے جواب میں لاچار ہو کر یہ نہ کہتے کہ خدا کو معلوم یعنی مجھ کو معلوم نہیں اور اصحابِ کہف کی بابت ان کی تعداد میں غلط بیانی نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ سورج چشمہ دلدل میں چھپتا ہے یا غرق ہوتا ہے حالانکہ سورج زمین سے نو کروڑ حصہ بڑا ہے وہ کس طرح دلدل میں چھپ سکتا ہے؟

☆ یہ شبہات چاروں انجیلوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ خاص کر انجیل متی تو اوّل درجہ کی شبہ اندازی میں ہے

[1] متی باب ۲۷ آیت ۴۶

دوسرے سوال کا جواب: پوشیدہ نہ رہے کہ ان دونوں آیتوں سے معترض کا مدعا جو استدلال برنفی معجزات ہے، ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ایسے معجزات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں کہ جو ایک صادق و کامل نبی سے ہونے چاہئیں۔ چنانچہ تصریح اس کی نیچے کے بیانات سے بخوبی ہو جائے گی۔

پہلی آیت جس کا ترجمہ معترض نے اپنے دعویٰ کی تائید کیلئے عبارات متعلقہ سے کاٹ کر پیش کر دیا ہے مع اس ساتھ کی دوسری آیتوں کے جن سے مطلب کُھلتا ہے، یہ ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝[1] ......وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝[2]

یعنی کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر نشانیاں کہ وہ نشانیاں (جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں) وہ تو خدائے تعالیٰ کے پاس اور خاص اس کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میرا کام فقط یہ ہے کہ عذاب کے دن سے ڈراؤں نہ یہ کہ اپنی طرف سے عذاب نازل کروں اور پھر فرمایا کہ ان لوگوں کیلئے (جو اپنے پر کوئی عذاب کی نشانی وارد کرانی چاہتے ہیں) یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں جو ہم نے تجھ پر (اے رسول اُمّی) وہ کتاب (جو جامع کمالات ہے) نازل کی جو اُن پر پڑھی جاتی ہے یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے۔ جس سے درحقیقت وہی مطلب نکلتا ہے جو کفّار عذاب کے نشانوں سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ کفّار مکہ اس غرض سے عذاب کا نشان مانگتے تھے کہ تا وہ ان پر وارد ہو کر انہیں حق الیقین تک پہنچاوے۔ صرف دیکھنے کی چیز نہ رہے کیونکہ مجرد رویت کے نشانوں میں ان کو دھوکے کا احتمال تھا اور چشم بندی وغیرہ کا خیال۔ سو اس وہم اور اضطراب کے دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہو جائے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے؟ کیا اس مدّعا کے حاصل کرنے کے لئے رحمت کا نشان کافی نہیں؟ یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنی پُرنور اور تیز شعاعوں سے خیرہ

[1] العنکبوت: ۵۱، ۵۲ [2] العنکبوت: ۵۴

کر رہا ہے اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنے فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو۔ اور تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارقِ عادت اثر ڈال رہا ہے☆ اور دلوں پر وارد ہوکر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدت ہائے دراز کے مردے اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادرزاد اندھے جو بے شمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے، آنکھیں کھول رہے ہیں اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دُور ہوتی ہے اور وصل الٰہی میسر آتا ہے اور اس کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ سو

☆ یہ تمام خارقِ عادت خاصیتیں قرآن شریف کی، جن کی رو سے وہ معجزہ کہلاتا ہے ان مفصلہ ذیل سورتوں میں بہ تفصیل ذیل کہتے ہیں۔ سورة البقرة، سورة اٰل عمران، سورة النساء، سورة المائدة، سورة الانعام، سورة الاعراف، سورة الانفال، سورة التوبة، سورة یونس، سورة هود، سورة الرعد، سورة ابراهيم، سورة الحجر، سورة الواقعة، سورة النمل، سورة الحج، سورة البيّنة، سورة المجادلة چنانچہ بطور نمونہ چند آیات یہ ہیں فرماتا ہے عزّو جلّ۔

یهدی به الله من اتبّع رضوانه سبل السلام ویخرجهم من الظلمت الی النور ۔ شفاءٌ لما فی الصدور ۔ انزل من السماء ماء فاحیابه الارض بعد موتها ۔ انزل من السماء ماءً فسالت اودية بقدرها ۔انزل من السماء ماءً فتصبح الارض مُخضَرَّةً ۔تقشعرمنه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الٰی ذکر الله الابذکر الله تطمئن القلوب ۔اولئک کتب فی قلوبهم الایمان وایَّدَهُمْ بروح منه۔قل نزله روح القدس من ربک بِالْحَقِّ لیثبت الذین اٰمنوا وهدًی وبشری للمسلمین ۔انا نحن نزلنا الذِّکْرَ وَانالهٗ لحفظون ۔فیها کتب قیّمة۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القران لایاتون بمثله ولوکان بعضهم لبعضٍ ظهیرًا ؈ یعنی قرآن کے ذریعہ سے سلامتی کی راہوں کی ہدایت ملتی ہے اور لوگ ظلمت سے نور کی طرف نکالے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک اندرونی بیماری کو اچھا کرتا ہے۔ خدا نے ایک ایسا پانی اُتارا ہے جس سے مردہ زمین زندہ ہو رہی ہے۔ ایسا پانی اُتارا جس سے ہر ایک وادی بقدر اپنی وسعت کے بہہ نکلا ہے۔ ایسا پانی اُتارا جس سے گلی سڑی ہوئی زمین سرسبز ہوگئی۔ اس سے خدا خوف بندوں کی جلدیں کانپتی ہیں۔ پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل ذکر الٰہی کیلئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ قرآن سے دل اطمینان پکڑتے ہیں۔ جو لوگ قرآن کے تابع ہو جائیں اُن کے دلوں میں ایمان لکھا جاتا ہے اور روح القدس انہیں ملتا ہے۔ روح القدس نے ہی قرآن کو اُتارا تا قرآن ایمانداروں کے دلوں کو مضبوط کرے اور مسلمین کیلئے ہدایت اور بشارت کا نشان ہو۔ ہم نے ہی قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی کیا صورت کے لحاظ سے اور کیا خاصیت کے لحاظ سے ہمیشہ قرآن اپنی حالت اصلی پر رہے گا اور الٰہی حفاظت کا اس پر سایہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ قرآن میں تمام معارف وحقائق وصداقتیں ہیں جو حقانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس کی مثل بنانے پر کوئی انسان وجنّ قادر نہیں اگرچہ اس کام کیلئے باہم مدد ومعاون ہو جائیں۔

تم کیوں اس رحمت کے نشان کو چھوڑ کر جو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے عذاب اور موت کا نشان مانگتے ہو؟ پھر بعد اس کے فرمایا کہ یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے۔ رحمت کے نشانوں سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتی۔ اُن کو کہہ دے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ عذاب کی نشانیاں وابستہ باوقات ہوتی ہیں تو یہ عذابی نشانیاں بھی کب کی نازل ہوگئی ہوتیں۔ اور عذاب ضرور آئے گا اور ایسے وقت میں آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوگی۔

اب انصاف سے دیکھو! کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔ یہ آیتیں تو باآواز بلند پکار رہی ہیں کہ کفّار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اوّل انہیں کہا گیا کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے یعنی قرآن جو تم پر وارد ہو کر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہوا تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ بھی جلد آئے گا۔ پس اللہ جلّ شانہٗ نے ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا ہے اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں اور دلوں پر وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں ان کی طرف توجہ دلائی۔

پر معترض کا یہ گمان کہ اس آیت میں **لا** نافیہ جنس معجزات کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض صَرف و نحو سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نفی کا اثر اُسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلّم کے ارادہ میں متعین ہوتی ہے۔ خواہ وہ ارادہ تصریحاً بیان کیا گیا ہو یا اشارۃً۔ مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام ونشان باقی نہیں رہا، تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے بلدہ کی حالت موجودہ کے موافق کہا ہے اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی اور سب جگہ سخت اور تیز دھوپ پڑنے لگی اور اس کی دلیل یہ پیش کرنا کہ جس **لا** کو اس نے استعمال کیا ہے وہ نفی جنس کا **لا** ہے۔ جس کا تمام جہان پر اثر پڑنا چاہئے، درست نہیں۔ مکہ کے مغلوب بت پرست جنہوں نے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو معجزہ کر کے مان لیا اور جو کفر کے زمانہ میں بھی صرف خشک منکر نہیں تھے بلکہ روم اور ایران میں بھی جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متعجبانہ خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے اور گو بے جا پیرایوں میں ہی سہی، مگر نشانوں کا اقرار کر لیا

کرتے تھے۔ جن کے اقرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ وہ اپنے ضعیف اور کمزور کلام میں جو انوار ساطعہ نبوت محمدیہ کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ کیوں **لا** نافیہ استعمال کرنے لگے۔ اگر ان کو ایسا ہی لمبا چوڑا انکار ہوتا تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو انہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا مشرف بالاسلام کیوں ہو جاتے؟ اور کفر کے ایام میں جو اُن کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں کہ وہ اپنی کوتہ بینی کے دھوکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام **ساحر** رکھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [۱] یعنی جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پکا جادو ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ [۲] یعنی انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک شخص اُن کی طرف بھیجا گیا اور بے ایمانوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر کذّاب ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور پھر اس کے بعد انہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک معجزات کا ہمیشہ کیلئے سچے دل سے گواہ بن گیا تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ عام طور پر نشانوں سے صاف منکر ہو جاتے اور انکار معجزات میں ایسا **لا** نافیہ استعمال کرتے جو اُن کی حد حوصلہ سے باہر اور ان کی مستمر رائے سے بعید تھا بلکہ قرائن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفّار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا ہے کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اُتری؟ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جو نشانیاں ہم مانگتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی☆۔

اب قصہ کوتاہ یہ کہ آپ نے آیت متذکرہ بالا کے **لا** نافیہ کو قرائن کی حد سے زیادہ کھینچ دیا ہے

---

[۱] القمر: ۳ [۲] صٓ: ۵

☆ واضح ہو کہ قرآن شریف میں نشان مانگنے کے سوالات کفّار کی طرف سے ایک دو جگہ نہیں بلکہ کئی مقامات میں یہی سوال کیا گیا ہے اور اب سب مقامات کو بنظر یکجائی دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ کفّارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے نشانات مانگا کرتے تھے۔

(۱) وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اقتراح سے کفّارِ مکہ نے طلب کئے تھے۔

ایسا **لا** نافیہ عربوں کے کبھی خواب میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ ان کے دل تو اسلام کی حقیّت سے بھرے ہوئے تھے۔ تب ہی تو سب کے سب، بجز معدودے چند کہ جو اس عذاب کو پہنچ گئے تھے جس کا اُن کو

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) (۲) دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت میں یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی اُمتوں پر وارد کئے گئے تھے۔

(۳) تیسرے وہ نشان جن سے پردہ غیبی بکلّی اُٹھ جائے، جس کا اُٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلّی برخلاف ہے۔ سو عذاب کے نشان ظاہر ہونے کے لئے جو سوال کئے گئے ہیں ان کا جواب تو قرآن شریف میں بھی دیا گیا ہے کہ تم منتظر رہو، عذاب نازل ہوگا۔ ہاں ایسی صورت کا عذاب نازل کرنے سے انکار کیا گیا ہے جس کی پہلے تکذیب ہو چکی ہے۔ تاہم عذاب نازل ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے جو آخر غزوات کے ذریعہ سے پورا ہو گیا۔ لیکن تیسری قسم کا نشان دکھلانے سے بکلّی انکار کیا گیا ہے اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا، نہ اور کچھ۔ کیونکہ کفّار کہتے تھے کہ تب ہم ایمان لاویں گے کہ جب ہم ایسا نشان دیکھیں کہ زمین سے آسمان تک نردبان رکھی جائے اور تو ہمارے دیکھتے دیکھتے اس نردبان کے ذریعہ سے زمین سے آسمان پر چڑھ جائے اور فقط تیرا آسمان پر چڑھنا ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے جب تک آسمان سے ایک کتاب نہ لادے جس کو ہم پڑھ لیں اور پڑھیں بھی اپنے ہاتھ میں لے کر۔ یا تو ایسا کر کہ مکہ کی زمین میں جو ہمیشہ پانی کی تکلیف رہتی ہے۔ شام اور عراق کے ملک کی طرح نہریں جاری ہو جاویں اور جس قدر ابتداء دنیا سے آج تک ہمارے بزرگ مر چکے ہیں، سب زندہ ہو کر آجائیں اور اس میں قصی بن کلاب بھی ہو کیونکہ وہ بڈھا ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ اس سے ہم پوچھیں گے کہ تیرا دعویٰ حق ہے یا باطل؟ یہ سخت سخت خود تراشیدہ نشان تھے جو وہ مانگتے تھے اور پھر بھی نہ صاف طور پر بلکہ شرط پر شرط لگانے سے جس کا ذکر جا بجا قرآن شریف میں آیا ہے۔ پس سوچنے والے کیلئے عرب کے شریروں کی ایسی درخواستیں ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ و آیات بیّنہ ورسولانہ ہیبت پر صاف صاف اور کھلی کھلی دلیل ہے۔ خدا جانے ان دل کے اندھوں کو ہمارے مولیٰ و آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے انوار صداقت نے کس درجہ تک عاجز و تنگ کر رکھا تھا اور کیا کچھ آسمانی تائیدات و برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں کہ جن سے خیرہ ہو کر اور جن کی ہیبت سے منہ پھیر کر سراسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب درخواستیں پیش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے۔ یوں تو اللہ جلّشانہٗ قادر ہے کہ زمین سے آسمان تک زینہ رکھ دیوے۔ جس کو سب لوگ دیکھ لیویں اور دو چار ہزار کیا دو کروڑ آدمیوں کو زندہ کر کے ان کے منہ سے اُن کی اولاد کے سامنے صدق نبوت کی گواہی دلا دیوے۔ یہ سب کچھ وہ کر سکتا ہے مگر ذرا سوچ کر دیکھو کہ اس انکشاف تام سے ایمان بالغیب جو مدار ثواب اور اجر ہے، دور ہو جاتا ہے اور دنیا نمونہ محشر ہو جاتی ہے۔ پس جس طرح قیامت کے میدان میں جو انکشافِ تام کا وقت ہوگا۔ ایمان کام نہیں آتا۔ اِسی طرح اس انکشافِ تام سے بھی ایمان لانا کچھ مفید نہیں بلکہ ایمان اسی حد تک ایمان کہلاتا ہے کہ جب کچھ اِخفاء بھی باقی رہے جب سارے پردے کھل گئے تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے سارے نبی ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزے دکھلاتے رہے ہیں۔ کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کر کے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلاوے یا آسمان تک نردبان رکھ کر اور سب کے روبرو چڑھ کر تمام دنیا کو تماشا دکھلاوے۔

وعدہ دیا گیا تھا، بالآخر مشرف بالاسلام ہوگئے تھے اور یاد رہے کہ ایسا لا نافیہ حضرت مسیح کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔فریسیوں نے مسیح سے نشانات طلب کئے۔ اُس نے آہ کھینچ کر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں اِس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔ دیکھو مرقس ۸ باب ۱۱

اب دیکھو کیسا حضرت مسیح نے صفائی سے انکار کر دیا ہے۔ اگر غور فرمائیں تو آپ کا اعتراض اس اعتراض کے آگے کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ آپ نے فقط کفار کا انکار پیش کیا اور وہ بھی نہ عام انکار بلکہ خاص نشانات کے بارے میں اور ظاہر ہے کہ دشمن کا انکار بکلّی قابل اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دشمن خلافِ واقعہ بھی کہہ جاتا ہے مگر حضرت مسیح تو آپ اپنے منہ سے معجزات کے دکھلانے سے انکار کر رہے ہیں اور نفی صدور معجزات کو زمانہ کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔ پس اس سے بڑھ کر انکار معجزات کے بارے میں اور کون سا بیان واضح ہوسکتا ہے اور اس **لا** نافیہ سے بڑھ کر پھر اور کونسا لا نافیہ ہوگا۔

پھر دوسری آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی سیاق وسباق کی آیتوں سے بالکل الگ کر کے اس پر اعتراض وارد کر دیا ہے مگر اصل آیت اور اس کے متعلقات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک منصف بصیر سمجھ سکتا ہے کہ آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جو انکار معجزات پر دلالت کرتا ہو بلکہ تمام الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ ضرور معجزات ظہور میں آئے۔ چنانچہ وہ آیت معہ اس کی دیگر آیات متعلقہ کے یہ ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا۝ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا۝[1] فرماتا ہے عزوجل کہ یوں تو قیامت سے پہلے ہر ایک بستی کو ہم نے ہی ہلاک کرنا ہے یا عذاب شدید نازل کرنا ہے یہی کتاب میں مندرج ہو چکا ہے۔ مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کے (جو عذاب کی صورت میں پہلی اُمتوں پر نازل ہو چکے ہیں) اس لئے نہیں بھیجتے جو پہلی اُمت کے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں۔ چنانچہ ہم

---

[1] بنی اسرآءیل: ۶۰،۵۹

نے ثمود کو بطور نشان کے جو مقدمہ عذاب کا تھا۔ ناقہ دیا جو حق نما نشان تھا۔ جس پر انہوں نے ظلم کیا۔ یعنی وہی ناقہ جس کی بسیار خوری اور بسیار نوشی کی وجہ سے شہر حجر کے باشندوں کے لئے جو قوم ثمود میں تھے۔ پانی تالاب وغیرہ کا پینے کے لئے باقی رہا تھا اور نہ اُن کے مویشی کیلئے کوئی چراگاہ رہی تھی اور ایک سخت تکلیف اور رنج اور بلا میں گرفتار ہوگئی تھی۔ اور قہری نشانوں کے نازل کرنے سے ہماری غرض یہی ہوتی ہے کہ لوگ اُن سے ڈریں۔ یعنی قہری نشان تو صرف تخویف کیلئے دکھلائے جاتے ہیں۔ پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر انہیں جھٹلا دیا اور اُن کے دیکھنے سے کچھ بھی خائف و ہراساں نہ ہوئے۔

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) نشان تخویف و تعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۲) نشان تبشیر و تسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں اور نافرمانوں اور بے ایمانوں اور فرعونی طبیعت والوں کیلئے ظاہر کئے جاتے ہیں تا وہ ڈریں اور خدا تعالیٰ کی قہری اور جلالی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو اور تبشیر کے نشان اُن حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی کے متلاشیوں کیلئے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو دل کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے اُن مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور ان کے مضطرب سینہ پر دستِ شفقت و تسلّی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا رہتا ہے اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے اور وہ اضطراب جو فطرتاً انسان میں ہے، جاتا رہتا ہے اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے۔ مومن ببرکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جائے اور حق الیقین تک پہنچ جائے اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے کہ جیسے مومن ان کے نزول سے یقین اور معرفت اور قوتِ ایمان میں ترقی کرتا ہے ایسا ہی وہ بوجہ مشاہدہ آلاء و نعماءِ الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ و جلیّہ و خفیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ محبت و عشق میں بھی

دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصو دتبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں جو سالک کو معرفتِ کاملہ اور محبتِ ذاتیہ کے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جو اولیاء اللہ کے لئے **منتہی المقامات** ہے۔ اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت کچھ ذکر ہے یہاں تک کہ اس نے اُن نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دے دیا ہے کہ قرآن شریف کے سچے متبع ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہیں گے جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔[1] یعنی ایماندار لوگ دنیوی زندگی اور آخرت میں بھی تبشیر کے نشان پاتے رہیں گے۔ جن کے ذریعے سے وہ دنیا اور آخرت میں معرفت اور محبت کے میدانوں میں ناپیدا کنار ترقیاں کرتے جائیں گے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو کبھی نہیں ٹلیں گی اور تبشیر کے نشانوں کو پالینا یہی فوز عظیم ہے (یعنی یہی ایک امر ہے جو محبت اور معرفت کے منتہیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے)۔

اب جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں، جو معترض نے بصورت اعتراض پیش کی ہے، صرف تخویف کے نشانوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ آیت وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا[2] سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کے کل نشانوں کو قہری نشانوں میں ہی محصور سمجھ کر اس آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ ہم تمام نشانوں کو محض تخویف ہی کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ تو یہ معنی بہ بداہت باطل ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے کہ نشان دو غرضوں سے بھیجے جاتے ہیں۔ یا تخویف کی غرض سے یا تبشیر کی غرض سے۔ انہیں دو قسموں کو قرآن شریف اور بائیبل بھی جا بجا ظاہر کر رہی ہے۔ پس جب کہ نشان دو قسم کے ہوئے تو آیت ممدوحہ بالا میں جو لفظ آیات ہے (جس کے معنی وہ نشانات) بہر حال اسی تاویل پر بصحت منطبق ہوگا کہ نشانوں سے قہری نشان مراد ہیں کیونکہ اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو پھر اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام نشانات جو تحت قدرتِ الٰہی داخل ہیں۔ تخویف کی قسم میں ہی محصور ہیں۔ حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارے نشانوں کا حصر سمجھنا سراسر خلاف واقعہ ہے کہ جو نہ کتاب اللہ کی رو سے اور نہ عقل کی رو سے اور نہ کسی پاک دل کے کانشنس کی رو سے درست ہوسکتا ہے۔

---

[1] یونس: ۶۵ [2] بنی اسرآءیل: ۶۰

اب چونکہ اس بات کا صاف فیصلہ ہوگیا کہ نشانوں کی دوقسموں میں سے صرف تخویف کے نشانوں کا آیات موصوفہ بالا میں ذکر ہے تو یہ دوسراامر تنقیح طلب باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو **مامنعنا الخ** ہے) یہ معنی سمجھنے چاہئیں کہ تخویف کا کوئی نشان خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کیا یا یہ سمجھنے چاہئیں کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی اُمتوں کو دکھلائے گئے تھے؟ اور یا یہ تیسرے معنی قابل اعتبار ہیں کہ دونوں قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ بجز اُن خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر جھٹلا دیا تھا اوران کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔

سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے سے بہ تمام تر صفائی کھل جاتا ہے کہ پہلے اور دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ آیت ممدوحہ بالا کے یہ سمجھ لینا کہ تمام انواع واقسام کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں اور تمام وہ وراء الوراء تعذیبی نشان جن کے بھیجنے پر غیر محدود طور پر ہم قادر ہیں اس لئے ہم نے نہیں بھیجے کہ پہلی اُمتیں اس کی تکذیب کر چکی ہیں۔ یہ معنے سراسر باطل ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں نے انہیں نشانوں کی تکذیب کی جوانہوں نے دیکھے تھے وجہ یہ کہ تکذیب کیلئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تکذیب کی جائے۔ اوّل اس کا مشاہدہ بھی ہو جائے۔ جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اس کی تکذیب کیسی؟ حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلیٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باری تعالیٰ ہیں جس کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے اور سب گردنیں اُن کی طرف جھک جائیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہر ایک رنگ کا نشان دکھلانے پر قادر ہے اور پھر چونکہ نشان ہائے قدرت باری تعالیٰ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور ان کی تکذیب بھی ہوگئی۔ وقت محدود میں تو وہی چیز دیکھی جائے گی جو محدود ہوگی۔ بہرحال اس آیت کے یہی معنی صحیح ہوں گے کہ جو بعض نشانات پہلے کفّار دیکھ چکے تھے اوران کی تکذیب کر چکے تھے۔ ان کا دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا۔ جیسا کہ قرینہ بھی انہیں معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اس موقعہ پر جو ناقہ ثمود کا خدا تعالیٰ نے ذکر کیا ہے وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے کہ اس جگہ گذشتہ اور ردّ کردہ نشانات کا ذکر ہے جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے اور یہی تیسرے معنی ہیں جو صحیح اور درست ہیں۔

پھر اس جگہ ایک اور بات منصفین کے سوچنے کے لائق ہے جس سے اُن پر ظاہر ہوگا کہ آیت وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ[1] الخ سے ثبوت معجزات ہی پایا جاتا ہے نہ نفی معجزات کیونکہ الآیٰت کے لفظ پر جو الف لام واقعہ ہے وہ بموجب قواعد نحو کے دوصورتوں سے خالی نہیں۔ یا کل کے معنے دے گا یا خاص کے۔ اگر کل کے معنے دے گا تو یہ معنے کئے جائیں گے کہ ہمیں کل معجزات کے بھیجنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر اگلوں کا ان کو جھٹلانا۔ اور اگر خاص کے معنی دے گا تو یہ معنی ہونگے کہ ہمیں ان خاص نشانیوں کے بھیجنے سے (جنہیں منکر طلب کرتے ہیں) کوئی امر مانع نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ ان نشانیوں کو اگلوں نے جھٹلایا۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں نشانوں کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ معنے ہوں کہ ہم نے ساری نشانیاں بوجہ تکذیب اُمَمِ گذشتہ نہیں بھیجیں۔ تو اس سے بعض نشانوں کا بھیجنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنا سارا مال زید کو نہیں دیا تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کچھ حصہ اپنے مال کا زید کو ضرور دیا ہے اور اگر یہ معنے لیں کہ بعض خاص نشان ہم نے نہیں بھیجے تو بھی بعض دیگر کا بھیجنا ثابت ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ بعض خاص چیزیں میں نے زید کو نہیں دیں تو اس سے صاف پایا جائے گا کہ بعض دیگر ضرور دی ہیں۔ بہرحال جو شخص اوّل اس آیت کے سیاق وسباق کی آیتوں کو دیکھے کہ کیسی وہ دونوں طرف کے عذاب کے نشانوں کا قصہ بتلا رہی ہیں اور پھر ایک دوسری نظر اُٹھاوے اور خیال کرے کہ کیا یہ معنے صحیح اور قرین قیاس ہیں؟ کہ خدا تعالیٰ کے تمام نشانوں اور عجائب کاموں کی جو اس کی بے انتہا قدرت سے وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے اور غیر محدود ہیں پہلے لوگ اپنے محدود زمانہ میں تکذیب کر چکے ہوں۔ اور پھر ایک تیسری نظر منصفانہ سے کام لے کر سوچے کہ کیا اس جگہ تخویف کے نشانوں کا ایک خاص بیان ہے یا تبشیر اور رحمت کے نشانوں کا بھی کچھ ذکر ہے اور پھر ذرا چوتھی نگاہ الآیات کے الف لام پر بھی ڈال دیوے کہ وہ کن معنوں کا افادہ کر رہا ہے تو اس چار طور کی نظر کے بعد، بجز اس کے کہ کوئی تعصب کے باعث حق پسندی سے بہت دور جا پڑا ہو، ہر ایک شخص اپنے اندر سے نہ ایک شہادت بلکہ ہزاروں شہادتیں پائے گا کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک قسم خاص کی نفی کیلئے آیا ہے جس کا دوسری اقسام پر کچھ اثر نہیں بلکہ اس سے ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلّشانہٗ

[1] بنی اسرآءیل:۶۰

بتلا رہا ہے کہ اس وقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے کہ پہلی آیتیں ان کی تکذیب کر چکی ہیں۔ سو جو نشان پہلے ردّ کئے گئے اب بار بار انہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید۔ پس ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہوں گے مگر اور رنگوں میں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسیٰؑ کے یا وہی نشان حضرت نوحؑ اور قوم لوطؑ اور عادؑ اور ثمود کے ظاہر کئے جائیں۔ چنانچہ ان آیات کی تفصیل دوسری آیات میں زیادہ تر کی گئی ہے جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ [1] وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ [2] قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ [3] قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ [4] وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ [5] قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ [6] قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا [7] قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ [8] وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ [9] سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ [10] خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ [11] یعنی یہ لوگ تمام نشانوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے لڑتے ہیں اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانیں گے جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولوں کو ملتی ہیں۔ کہہ میں کامل ثبوت لے کر اپنے ربّ کی طرف سے آیا ہوں اور تم اس ثبوت کو دیکھتے ہو اور پھر تکذیب کر رہے ہو۔ جس چیز کو تم جلدی سے مانگتے ہو (یعنی عذاب) وہ تو میرے اختیار میں نہیں۔ حکم اخیر صادر کرنا تو خدا ہی کا منصب ہے، وہی حق کو کھول

---

[1] الانعام:۲۶ [2] الانعام: ۱۲۵ [3] الانعام: ۵۸ [4] الانعام: ۱۰۵ [5] العنکبوت: ۵۴ [6] الانعام: ۶۶
[7] النّمل: ۹۴ [8] سبا: ۳۱ [9] یونس: ۵۴ [10] حٰمٓ السجدة: ۵۴ [11] الانبیآء: ۳۸

دے گا اور وہی خیر الفاصلین ہے جو ایک دن میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔ خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں دیئے ہیں۔ سو جو ان کو شناخت کرے اُس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ میں تو تم پر نگہبان نہیں۔ اور تجھ سے عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں۔ کہہ وہی پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب تم پر بھیجے اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزا چکھا دے اور یہ کہ سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائے گا جنہیں تم شناخت کر لو گے اور کہہ تمہارے لئے ٹھیک ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے☆ نہ اس سے تم تاخیر کر سکو گے نہ تقدیم۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ بات ہے۔ کہہ ہاں مجھے قسم ہے اپنے ربّ کی کہ یہ سچ ہے اور تم خدا تعالیٰ کو اس کے وعدوں سے روک نہیں سکتے۔ ہم عنقریب ان کو اپنے نشان دکھلائیں گے۔ ان کے ملک کے اردگرد میں اور خود اُن میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے گا کہ یہ نبی سچا ہے۔ انسان کی فطرت میں جلدی ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھلاؤں گا۔ سو تم مجھ سے تو جلدی مت کرو۔

اب دیکھو کہ ان آیات میں نشان مطلوبہ کے دکھلانے کے بارے میں کیسے صاف اور پختہ وعدے دیئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا کہ ایسے کھلے کھلے نشانات دکھلائے جائیں گے کہ تم ان کو شناخت کر لو گے اور اگر کوئی کہے کہ یہ تو ہم نے مانا کہ عذاب کے نشانوں کے بارے میں جا بجا قرآن شریف میں وعدے دیئے گئے ہیں کہ وہ ضرور کسی دن دکھلائے جائیں گے اور یہ بھی ہم نے تسلیم کیا کہ وہ سب وعدے اس زمانہ میں پورے بھی ہو گئے کہ جب کہ خدا تعالیٰ نے اپنی خداوندی قدرت دکھلا کر مسلمانوں کی کمزوری اور ناتوانی کو دور کر دیا اور معدودے چند سے ہزار ہا تک ان کی نوبت پہنچا دی اور ان کے ذریعہ سے ان تمام کفّار کو تہ تیغ کیا جو مکہ میں اپنی سرکشی اور جور و جفا کے زمانہ میں نہایت تکبر سے عذاب کا نشان مانگا کرتے تھے۔ لیکن اس بات کا ثبوت قرآن شریف سے کہاں ملتا ہے کہ بجز اُن نشانوں کے اور بھی نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے تھے۔ سو واضح ہو کہ نشانوں کے دکھلانے کا ذکر قرآن شریف میں جا بجا آیا ہے۔ بعض جگہ اپنے پہلے نشانوں کا

☆ یوم سے مراد اس جگہ برس ہے۔ چنانچہ بائبل میں بھی یہ محاورہ پایا جاتا ہے سو پورے برس کے بعد بدر کی لڑائی کا عذاب مکہ والوں پر نازل ہوا۔ جو پہلی لڑائی تھی۔

حوالہ بھی دیا ہے دیکھو آیت کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ[1] بعض جگہ کفّار کی ناانصافی کا ذکر کر کے ان کا اس طور کا اقرار درج کیا ہے کہ وہ نشانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ جادو ہے۔ دیکھو آیت وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[2] بعض جگہ جونشانوں کے دیکھنے کا صاف اقرار منکرین نے کر دیا ہے وہ شہادتیں ان کی پیش کی ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَشَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ[3] یعنی انہوں نے رسول کے حق ہونے پر گواہی دی اور کھلے کھلے نشان ان کو پہنچ گئے۔ اور بعض جگہ بعض معجزات کو بتصریح بیان کر دیا ہے جیسے معجزہ شق القمر جو ایک عظیم الشان معجزہ اور خدائی قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے، جس کی تصریح ہم نے کتاب سرمہ چشم آریہ میں بخوبی کر دی ہے۔ جو شخص مفصل دیکھنا چاہے اس میں دیکھ سکتا ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے اکثر وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانوں کے آخر کار گواہ بھی بن گئے تھے کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنہوں نے مشرف باسلام ہو کر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے میں کتب حدیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں۔ پس اس زمانہ میں ایک عجیب طرز ہے کہ ان بزرگان دین کے اس زمانہ جاہلیت کے انکاروں کو بار بار پیش کرتے ہیں جن سے بالآخر خود وہ دست کش اور تائب ہو گئے تھے لیکن اُن کی اُن شہادتوں کو نہیں مانتے جو راہ راست پر آنے کے بعد انہوں نے پیش کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیش گوئیاں تو شاید دس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گی جو اپنے وقتوں پر پوری ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات و پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے جو اس زمانہ میں ہیں، مشہود و محسوس کا حکم رکھتی ہیں اور کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا چنانچہ وہ یہ ہیں۔

(۱) عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفّار کو دکھلایا گیا تھا، یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو چشم دید کہنا چاہئے۔ وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک ضروری نتیجہ ہے جس سے کوئی موافق اور مخالف کسی صورت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اوّل یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے

[1] الانعام: ۱۱۱ [2] القمر: ۳ [3] اٰلِ عمران: ۸۷

ہے نہایت بدیہی اور مسلّم الثبوت ہے کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صدہا تکالیف اور دردوں اور دکھوں میں مبتلا تھے اور وہ ایام دین اسلام کے لئے ایسے ضعف اور کمزوری کے دن تھے کہ خود کفّارِ مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھ سے کیوں تمہیں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا اور کیوں تم ایک قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونے والی ہے اور اگر تم سچے ہو تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا؟ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ کفّار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکالیف میں کہا گیا وہ **دوسرا مقدمہ** اس پیشگوئی کی عظمت شان سمجھنے کیلئے ہے کیونکہ وہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ پر ایسا نازک زمانہ تھا کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا اور چاروں طرف ناکامی منہ دکھلا رہی تھی۔ سو ایسے زمانہ میں کفّار کو اُن سے عذابی نشان مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتح مندی اور تمہارے سزایاب ہونے کا نشان دکھلایا جائے گا اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کرے گا اور وہ جو عذاب کا نشان مانگتے ہیں وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جائیں گے اور تمام جزیرہ عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جائے گا۔ اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آ جائے گی اور خدا تعالیٰ دین اسلام کو عرب کے ملک میں ایسے طور سے جما دے گا کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے، بکلّی امن کے ساتھ بدل جائے گی اور اسلام قوت پکڑے گا اور غالب ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی نصرت اور فتح کا سایہ ڈالے گا اور دور دور تک اس کی فتوحات پھیل جائیں گی اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہو جائے گی جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا۔

اب جو شخص پہلے ان دونوں مقدمات پر نظر ڈال کر معلوم کر لیوے کہ وہ زمانہ جس میں یہ پیشگوئی کی گئی، اسلام کے لئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا اور جو پیشگوئی کی گئی وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی۔ پھر بعد اس کے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے۔ ایک

منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی اور کس قدر دلوں پر ہیبت ناک اثر اس کا پڑا اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت اور طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوا۔ تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشم دید معجزہ قرار دے گا جس میں اس کو ایک ذرہ بھی شک و شبہ نہ ہوگا۔

پھر **دوسرا معجزہ** قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود و محسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب و غریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف و اثر صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئیں۔ جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس طریق اور عادت کے آدمی تھے اور پھر بعد شرفِ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واتباعِ قرآن شریف کس رنگ میں آ گئے اور کیسے اخلاق میں، عقائد میں، چلن میں، گفتار میں، رفتار میں، کردار میں اور اپنی جمیع عادات میں خبیث حالت سے منتقل ہو کر نہایت طیّب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی۔ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ تصرف ایک خارقِ عادت تصرّف تھا جو خاص خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کو مُردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا تو اُس ہولناک حالت سے چھڑایا۔ بیمار پایا اور اُنہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا انہیں روشنی بخشی اور خدا تعالیٰ نے اس اعجاز کے دکھلانے کے لئے قرآن شریف میں ایک طرف عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے وہ رکھتے تھے اور دوسری طرف ان کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں جو اسلام لانے کے بعد ان میں پیدا ہوگئے تھے کہ تا جو شخص ان پہلے حالات کو دیکھے جو کفر کے زمانہ میں تھے اور پھر مقابل اس کے وہ حالت پڑھے جو اسلام لانے کے بعد ظہور پذیر ہوگئی۔ تو ان دونوں طور کے سوانح پر مطلع ہونے سے بہ یقین کامل سمجھ لیوے گا کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہئے۔

پھر **تیسرا معجزہ** قرآن شریف کا جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے اس کے حقائق و معارف و نکات و لطائف ہیں جو اس کی بلیغ و فصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑی شدّ و مد سے بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تمام جن و انس اکٹھے ہو کر اس کی نظیر بنانا چاہیں تو اُن کے لئے ممکن نہیں۔ یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے کہ اس زمانہ تک کہ

تیرہ سَو برس سے زیادہ گزر رہا ہے باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دنیا کے ہر ایک نواح میں ہو رہی ہے اور بڑے زور سے **هَلْ مِنْ مُعَارِضٍ** کا نقارہ بجایا جاتا ہے مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی۔ پس اس سے اس بات کا صریح ثبوت ملتا ہے کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز ہیں بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے صرف ایک خوبی کو پیش کر کے اس کی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البُنیان سے یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کے ایک جزو کی نظیر پیش کر سکے۔ مثلاً قرآن شریف کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی خوبی ہے کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے، ایسی نہیں جو قرآن شریف میں پائی نہ جاتی ہو۔ مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جس میں یہ صفت موجود ہو۔ اور اگر کسی کو اس بات میں شک ہو کہ قرآن شریف جامع تمام حقائق دینیہ ہے تو ایسا مشکک خواہ عیسائی ہو، خواہ آریہ اور خواہ برہمو ہو، خواہ دہریہ اپنی طرز اور طور پر امتحان کر کے اپنی تسلی کرا سکتا ہے اور ہم تسلی کر دینے کے ذمہ دار ہیں۔ بشرطیکہ کوئی طالبِ حق ہماری طرف رجوع کرے۔ بائیبل میں جس قدر پاک صداقتیں ہیں یا حکماء کی کتابوں میں جس قدر حق اور حکمت کی باتیں ہیں جن پر ہماری نظر پڑی ہے یا ہندوؤں کے وید وغیرہ میں جو اتفاقاً بعض سچائیاں درج ہوگئی ہیں یا باقی رہ گئی ہیں جن کو ہم نے دیکھا ہے یا صوفیوں کی صدہا کتابوں میں جو حکمت و معرفت کے نکتے ہیں، جن پر ہمیں اطلاع ہوئی ہے اُن سب کو ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اور اس کامل استقراء سے جو تین[۳] برس کے عرصہ میں نہایت عمیق اور محیط نظر کے ذریعہ سے ہم کو حاصل ہے، نہایت قطع اور یقین سے ہم پر یہ بات کھل گئی ہے کہ کوئی روحانی صداقت جو تکمیل نفس اور دماغی اور دلی قویٰ کی تربیت کے لئے اثر رکھتی ہے ایسی نہیں جو قرآن شریف میں درج نہ ہو اور یہ صرف ہمارا ہی تجربہ نہیں بلکہ یہی قرآن شریف کا دعویٰ بھی ہے جس کی آزمائش نہ فقط میں نے کی بلکہ ہزارہا علماء ابتداء سے کرتے آئے اور اس کی سچائی کی گواہی دیتے آئے ہیں۔

پھر **چوتھا معجزہ** قرآن شریف کا اس کی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اس کی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں اور مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں محبت اور رحمت کی راہ سے

جواب دیتا ہے اور بعض اسرارِ غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے انہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے کہ جو قیامت تک اُمت محمدیہ میں قائم رہے گا اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے۔ مسلمانوں میں سے اب بھی ایسے لوگ دنیا میں پائے جاتے ہیں کہ جن کو اللہ جلّشانہٗ اپنی تائیداتِ خاصہ سے مؤیّد فرما کر الہاماتِ صحیحہ وصادقہ ومبشرات ومکاشفاتِ غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔

اب اے حق کے طالبو اور سچے نشانوں کے بھوکو اور پیاسو! انصاف سے دیکھو اور ذرا پاک نظر سے غور کرو کہ جن نشانوں کا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے کس اعلیٰ درجہ کے نشان ہیں اور کیسے ہر زمانہ کیلئے مشہود ومحسوس کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلے نبیوں کے معجزات کا اب نام ونشان باقی نہیں، صرف قصے ہیں۔ خدا جانے ان کی اصلیت کہاں تک درست ہے۔ بالخصوص حضرت مسیح کے معجزات جو انجیلوں میں لکھے ہیں باوجود قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ہونے کے اور باوجود بہت سے مبالغات کے جو اُن میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے شکوک وشبہات ان پر وارد ہوتے ہیں کہ جن سے انہیں بکلّی صاف وپاک کر کے دکھلانا بہت مشکل ہے۔ اور اگر ہم فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ جو کچھ اناجیل مروجہ میں حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ لولے اور لنگڑے اور مفلوج اور اندھے وغیرہ بیماران کے چھونے سے اچھے ہو جاتے تھے، یہ تمام بیان بلا مبالغہ ہے اور ظاہر پر ہی محمول ہے کوئی اور معنی اس کے نہیں۔ تب بھی حضرت مسیح کی ان باتوں سے کوئی بڑی خوبی ثابت نہیں ہوتی۔ اوّل تو انہیں دنوں میں ایک تالاب بھی ایسا تھا کہ اس میں ایک وقت صاف میں غوطہ مارنے سے ایسی سب مرضیں فی الفور دور ہو جاتی تھیں۔ جیسا کہ خود انجیل میں مذکور ہے۔ پھر ماسوائے اس کے زمانہ دراز کی تحقیقاتوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ملکہ سلبِ امراض منجملہ علوم کے ایک علم ہے جس کے اب بھی بہت لوگ مشّاق پائے جاتے ہیں۔ جس میں شدت توجہ اور دماغی طاقتوں کے خرچ کرنے اور جذبِ خیال کا اثر ڈالنے کی مشق درکار ہے۔ سو اس علم کو نبوت سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ مردِ صالح ہونا بھی اس کے لئے ضروری نہیں اور قدیم سے یہ علم رائج ہوتا چلا آیا ہے۔ مسلمانوں میں بعض اکابر جیسے محی الدین عربی صاحب فصوص اور بعض نقشبندیوں کے اکابر اس کام میں مشاق

گزرے ہیں۔ایسے کہ ان کے وقت میں ان کی نظیر پائی نہیں گئی بلکہ بعض کی نسبت ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی کامل توجہ سے باذنہٖ تعالیٰ تازہ مُردوں سے باتیں کر کے دکھلا دیتے تھے☆ اور دو دو تین تین سَو بیماروں کو اپنے دائیں بائیں بٹھلا کر ایک ہی نظر سے تندرست کر دیتے تھے اور بعض جو مشق میں کچھ کمزور تھے وہ ہاتھ لگا کر یا کپڑے کو چُھو کر شفا بخشتے تھے۔اس مشق میں عامل عمل کے وقت کچھ ایسا احساس کرتا ہے کہ گویا اس کے اندر سے بیمار پر اثر ڈالنے کے وقت ایک قوت نکلتی ہے اور بسا اوقات بیمار کو بھی یہ مشہود ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک زہریلا مادہ حرکت کر کے سفلی اعضاء کی طرف اُترتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بکلّی منعدم ہو جاتا ہے۔اس علم میں اسلام میں بہت سی تالیفیں موجود ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوؤں میں بھی اس کی کتابیں ہونگی۔ حال میں جو انگریزوں نے فن مسمریزم نکالا ہے حقیقت میں وہ بھی اسی علم کی ایک شاخ ہے۔انجیل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو بھی کسی قدر اس علم میں مشق تھی مگر کامل نہیں تھے۔اس وقت کے لوگ سادہ اور اس علم سے بے خبر تھے۔اسی وجہ سے اس زمانہ میں یہ عمل اپنی حد سے زیادہ قابل تعریف سمجھا گیا تھا۔مگر پیچھے سے جوں جوں اس علم کی حقیقت کھلتی گئی لوگ اپنے عَلُوِّ اعتقاد سے تنزّل کرتے گئے۔ یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایسی مشقوں سے بیماروں کو چنگا کرنا یا مجنونوں کو شفا بخشنا کچھ بھی کمال کی بات نہیں بلکہ اس میں ایماندار ہونا بھی ضرور نہیں۔ چہ جائیکہ نبوت یا ولایت پر یہ دلیل ہو سکے۔ان کا یہ بھی قول ہے کہ عمل سلب امراض بدنیہ کی کامل مشق اور اُسی شغل میں دن رات اپنے تئیں ڈالے رکھنا روحانی ترقی کیلئے سخت مضر ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ سے روحانی تربیت کا کام بہت ہی کم ہوتا ہے اور قوتِ منوّرہ اُس کے قلب کی بغایت درجہ گھٹ جاتی ہے۔خیال ہوسکتا ہے کہ اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی روحانی تربیت میں بہت کمزور نکلے جیسا کہ پادری ٹیلر صاحب جو باعتبار عہدہ و نیز بوجہ لیاقت ذاتی کے ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نہایت افسوس سے لکھتے ہیں کہ مسیح کی روحانی تربیت بہت ضعیف اور کمزور ثابت ہوتی ہے اور اُن کے صحبت یافتہ لوگ جو حواریوں کے نام سے موسوم تھے اپنے روحانی تربیت یافتہ ہونے میں اور انسانی قوتوں کی

☆ تازہ مردوں کا عمل توجہ سے چند منٹ یا چند گھنٹوں کیلئے زندہ ہو جانا قانون قدرت کے منافی نہیں۔جس حالت میں ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ بعض جاندار مرنے کے بعد کسی دوا سے زندہ ہو جاتے ہیں تو پھر انسان کا زندہ ہونا کیا مشکل اور کیوں دُور از قیاس ہے۔

پوری تکمیل سے کوئی اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھلا نہ سکے (کاش حضرت مسیح نے اپنے ظاہری شغل سلبِ امراض کی طرف کم توجہ کی ہوتی اور وہی توجہ اپنے حواریوں کی باطنی کمزوریوں اور بیماریوں پر ڈالتے، خاص کر یہودا اسکریوطی پر) اس جگہ صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہؓ کے مقابلہ پر حواریوں کی روحانی تربیت یابی اور دینی استقامت کا موازنہ کیا جائے تو ہمیں افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح کے حواری روحانی طور پر تربیت پذیر ہونے میں نہایت ہی کچے اور پیچھے رہے ہوئے تھے اور ان کے دماغی اور دلی قویٰ کو حضرت مسیح کی صحبت نے کوئی ایسی توسیع نہیں بخشی تھی جو صحابہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل پر کچھ قابل تعریف ہو سکے۔ بلکہ حواریوں کے قدم قدم میں بزدلی، سُست اعتقادی، تنگدلی و دنیا طلبی، بیوفائی ثابت ہوتی تھی۔ مگر صحابہؓ نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وہ صدقِ وفا ظہور میں آیا جس کی نظیر کسی دوسرے نبی کے پیرووں میں ملنا مشکل ہے۔ سو یہ اس روحانی تربیت کا جو کامل طور پر ہوئی تھی اثر تھا جس نے اُن کو بکلّی مبدّل کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح سے بہت سے دانشمند انگریزوں نے حال میں ایسی کتابیں تالیف کی ہیں کہ جن میں اُنہوں نے اقرار کرلیا ہے کہ اگر ہم نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حالت رجوع الی اللہ وتوکّل، استقامت ذاتی وتعلیم کامل ومطہرو القائے تاثیر واصلاح خلق کثیر از مفسدین وتائیدات ظاہری و باطنی قادر مطلق کو ان معجزات سے الگ کر کے بھی دیکھیں جو بمد منقول ان کی نسبت بیان کی جاتی ہیں۔ تب بھی ہمارا انصاف اس اقرار کے لئے ہمیں مجبور کرتا ہے کہ یہ تمام امور جو اُن سے ظہور میں آئے۔ یہ بھی بلاشبہ فوق العادت اور بشری طاقتوں سے بالاتر ہیں اور نبوت صحیحہ صادقہ کی شناخت کرنے کیلئے قوی اور کافی نشان ہیں۔ کوئی انسان جب تک اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نہ ہو کبھی ان سب باتوں میں کامل اور کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ایسی غیبی تائیدیں اُس کے شامل ہوتی ہیں۔

تیسرے سوال کا جواب

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی معجزہ نہ ملا۔ جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں درج ہے (ترجمہ عربی کا) اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر نشانیاں یعنی کوئی ایک بھی (کیونکہ **لا** نافیہ اس آیت میں جو کہ جنسی ہے کل جنس کی نفی کرتا ہے) اس کے ربّ سے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی، اور ہم نے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ خدا نے کوئی معجزہ نہیں دیا۔ حقیقت میں اگر کوئی ایک معجزہ ملتا تو وہ نبوت اور قرآن پر متشکی نہ ہوتے؟

فَاَمَّا الْجَوَاب: جن خیالات کو عیسائی صاحب نے اپنی عبارت میں بصورت اعتراض پیش کیا ہے وہ درحقیقت اعتراض نہیں ہیں بلکہ وہ تین غلط فہمیاں ہیں جو بوجہ قلّتِ تدبّر اُن کے دل میں پیدا ہوگئی ہیں۔ ذیل میں ہم ان غلط فہمیوں کو دُور کرتے ہیں۔

پہلی غلط فہمی کی نسبت جواب یہ ہے کہ نبی برحق کی یہ نشانی ہرگز نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرح ہر ایک مخفی بات کا بالاستقلال اس کو علم بھی ہو بلکہ اپنے ذاتی اقتدار اور اپنی ذاتی خاصیت سے عالم الغیب ہونا خدا تعالیٰ کی ذات کا ہی خاصہ ہے۔ قدیم سے اہل حق حضرت واجب الوجود کے علم غیب کی نسبت وجوبِ ذاتی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور دوسرے تمام ممکنات کی نسبت امتناعِ ذاتی اور امکان بالواجب عزاسمہٗ کا عقیدہ ہے۔ یعنی یہ عقیدہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے عالم الغیب ہونا واجب ہے اور اس کی ہَوِیّتِ حقّہ کی یہ ذاتی خاصیت ہے کہ عالم الغیب ہو۔ مگر ممکنات کی جو **ھالکۃ الذات** اور **باطلۃ الحقیقۃ** ہیں اس صفت میں اور ایسا ہی دوسری صفات میں شراکت بحضرت باری عزاِسمہٗ جائز نہیں۔ اور جیسا ذات کی رو سے شریک الباری ممتنع ہے ایسا ہی صفات کی رو سے بھی ممتنع ہے۔ پس ممکنات کیلئے **نظراً علٰی ذاتھم** عالم الغیب ہونا **ممتنعات** میں سے ہے۔ خواہ نبی ہوں محدّث یا ولی ہوں، ہاں الہام الٰہی سے اسرارِ غیبیہ کو معلوم کرنا، یہ ہمیشہ خاص اور برگزیدہ کو حصہ ملتا رہا ہے جس کو ہم تابعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پاتے ہیں نہ کسی اور میں۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے مخصوص بندوں کو اپنے بعض اَسرارِ خاصہ پر مطلع کر دیتا ہے اور اوقاتِ مقررہ اور مقدرہ میں رشحِ فیضِ غیب ان پر ہوتا ہے بلکہ کامل مقرب اللہ اُسی سے آزمائے جاتے ہیں اور

شناخت کیئے جاتے ہیں کہ بعض اوقات آیندہ کی پوشیدہ باتیں یا کچھ چھپے اَسرار اُنہیں بتلائے جاتے ہیں۔مگر یہ نہیں کہ ان کے اختیار اور ارادہ اقتدار سے بلکہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار اور اقتدار سے یہ سب نعمتیں انہیں ملتی ہیں۔

وہ جو اس کی مرضی پر چلتے ہیں اور اُسی کے ہو رہتے ہیں اور اسی میں کھوئے جاتے ہیں۔اس خیرمحض کی ان سے کچھ ایسی ہی عادت ہے کہ اکثر ان کی سنتا اور اپنا گزشتہ فعل یا آئندہ کا منشاء بسا اوقات ان پر ظاہر کر دیتا ہے۔مگر بغیر اعلامِ الٰہی انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔وہ اگرچہ خدا تعالیٰ کے مقرب تو ہوتے ہیں مگر خدا تو نہیں ہوتے۔سمجھائے سمجھتے ہیں، بتلائے جانتے ہیں، دکھلائے دیکھتے ہیں بولائے بولتے ہیں اور اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوتے۔جب طاقت عظمیٰ انہیں اپنے الہام کی تحریک سے بلاتی ہے تو وہ بولتے ہیں اور جب دکھلاتی ہے تو دیکھتے ہیں اور جب سناتی ہے تو سنتے ہیں اور جب تک خدا تعالیٰ ان پر کوئی پوشیدہ بات ظاہر نہیں کرتا تب تک انہیں اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ تمام نبیوں کے حالات زندگی (لائف) میں اس کی شہادت پائی جاتی ہے۔حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہی دیکھو کہ وہ کیونکر اپنی لاعلمی کا آپ اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دن اور اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں، نہ بیٹا، کوئی نہیں جانتا۔[1]

اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ نہیں کرتا (یعنی کچھ نہیں کرسکتا) مگر جو میرے باپ نے سکھلایا وہ باتیں کہتا ہوں۔کسی کو راستبازوں کے مرتبہ تک پہنچانا میرے اختیار میں نہیں۔ مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔[2]

غرض کسی نبی نے بااقتدار یا عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔دیکھو اس عاجز بندہ کی طرف جس کو مسیح کر کے پکارا جاتا ہے اور جسے نادان مخلوق پرستوں نے خدا سمجھ رکھا ہے کہ کیسے اس نے ہر مقام میں اپنے قول اور فعل سے ظاہر کر دیا کہ میں ایک ضعیف اور کمزور اور ناتواں بندہ ہوں اور مجھ میں ذاتی طور پر کوئی بھی خوبی نہیں اور آخری اقرار جس پر ان کا خاتمہ ہوا کیسا پیارے لفظوں میں ہے۔چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ یعنی (مسیح اپنی گرفتاری کی خبر پا کر) گھبرانے اور بہت دلگیر ہونے لگا اور ان سے (یعنی اپنے حواریوں سے) کہا کہ میری جان کا غم موت کا سا ہے اور وہ تھوڑا آگے

---

[1] مرقس باب۱۳۔آیت ۳۲ [2] مرقس باب۱۰ آیت ۸

جا کرزمین پر گر پڑا (یعنی سجدہ کیا) اور دعا مانگی کہ اگر ہوسکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے اور کہا کہ اے ابّا! اے باپ! سب کچھ تجھ سے ہوسکتا ہے۔ اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے۔ یعنی تو قادرِ مطلق ہے اور میں ضعیف اور عاجز بندہ ہوں۔ تیرے ٹالنے سے یہ بلاٹل سکتی ہے اور آخر اِیلِیْ اِیلِیْ لِمَا سَبقْتَنِیْ[1] کہہ کر جان دی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا''

اب دیکھئے کہ اگرچہ دعا تو قبول نہ ہوئی کیونکہ تقدیر مبرم تھی۔ ایک مسکین مخلوق کی خالق کے قطعی ارادہ کے آگے کیا پیش جاتی تھی۔ مگر حضرت مسیح نے اپنی عاجزی اور بندگی کے اقرار کو نہایت تک پہنچا دیا۔ اس امید سے کہ شاید قبول ہو جائے۔ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا کہ دعا ردّ کی جائے گی۔ ہرگز قبول نہیں ہوگی تو وہ ساری رات برابر فجر تک اپنے بچاؤ کے لئے کیوں دعا کرتے رہتے اور کیوں اپنے تئیں اور اپنے حواریوں کو بھی تقید سے اس لاحاصل مشقت میں ڈالتے۔

سو بقول معترض صاحب ان کے دل میں یہی تھا کہ انجام خدا کو معلوم ہے۔ مجھے معلوم نہیں۔ پھر ایسا ہی حضرت مسیح کی بعض پیشگوئیوں کا صحیح نہ نکلنا دراصل اسی وجہ سے تھا کہ بباعث عدم علم براسرارِ مخفیہ اجتہادی طور پر تشریح کرنے میں اُن سے غلطی ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب نئی خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی (اے میرے بارہ حواریو) بارہ تختوں پر بیٹھوگے۔ دیکھو باب ۲۰۔ آیت ۲۸۔ متی''۔

لیکن اسی انجیل سے ظاہر ہے کہ یہودا اسکریوطی اس تخت سے بے نصیب رہ گیا۔ اس کے کانوں نے تخت نشینی کی خبر سن لی مگر تخت پر بیٹھنا اُسے نصیب نہ ہوا۔ اب راستی اور سچائی سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مسیح کو اس شخص کے مرتد اور بدعاقبت ہونے کا پہلے سے علم ہوتا تو کیوں اس کو تخت نشینی کی جھوٹی خبر سناتے۔ ایسا ہی ایک مرتبہ آپ ایک انجیر کا درخت دور سے دیکھ کر انجیر کھانے کی نیت سے اس کی طرف گئے مگر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس پر ایک بھی انجیر نہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے اور غصہ کی حالت میں اس انجیر کو بدعا دی جس کا کوئی بداثر انجیر پر ظاہر نہ ہوا۔ اگر آپ کو کچھ غیب کا علم ہوتا تو بے ثمر درخت کی طرف اس کا پھل کھانے کے ارادہ سے کیوں جاتے؟

ایسا ہی ایک مرتبہ آپ کے دامن کو ایک عورت نے چھوا تھا تو آپ چاروں طرف پوچھنے لگے

[1] متی باب ۲۷ آیت ۴۶

کہ کس نے میرا دامن چھوا ہے؟ اگر کچھ علم غیب سے حصہ ہوتا تو دامن چھونے والے کا پتہ معلوم کرنا تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ ایک اور مرتبہ آپ نے یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائیں گے جب تک یہ سب کچھ (یعنی مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا اور ستاروں کا گرنا وغیرہ) واقع نہ ہووے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نہ اس زمانہ میں کوئی ستارہ آسمان کا زمین پر گرا اور نہ حضرت مسیح عدالت کیلئے دنیا میں آئے اور وہ صدی تو کیا اس پر اٹھارہ صدیاں اور بھی گزر گئیں اور انیسویں گزرنے کو عنقریب ہے۔ سو حضرت مسیح کے علم غیب سے بے بہرہ ہونے کے لئے یہی چند شہادتیں کافی ہیں جو کسی اور کتاب سے نہیں بلکہ چاروں انجیلوں سے دیکھ کر ہم نے لکھی ہیں۔ دوسرے اسرائیلی نبیوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت یعقوب نبی ہی تھے مگر انہیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ اُسی گاؤں کے بیابان میں میرے بیٹے پر کیا گزر رہا ہے۔ حضرت دانیال اس مدت تک، کہ خدا نے بخت نصر کے رؤیا کی ان پر تعبیر کھول دی، کچھ بھی علم نہیں رکھتے تھے کہ خواب کیا ہے اور اس کی تعبیر کیا ہے؟

پس اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ نبی کا یہ کہنا کہ یہ بات خدا کو معلوم ہے مجھے معلوم نہیں، بالکل سچ اور اپنے محل پر چسپاں اور سراسر اس نبی کا شرف اور اس کی عبودیت کا فخر ہے بلکہ ان باتوں سے اپنے آقائے کریم کے آگے اس کی شان بڑھتی ہے نہ یہ کہ اس کے منصب نبوت میں کچھ فتور لازم آتا ہے۔ ہاں اگر یہ تحقیق منظور ہو کہ خدا تعالیٰ کے اعلام سے جو اسرار غیب حاصل ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہوئے ہیں تو میں ایک بڑا ثبوت اس بات کا پیش کرنے کیلئے تیار ہوں کہ جس قدر توریت وانجیل اور تمام بائیبل میں نبیوں کی پیشگوئیاں لکھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں کَمًّا وَ کیفًا ہزار حصہ سے بھی ان سے زیادہ ہیں جن کی تفصیل احادیث نبویہ کی رو سے جو بڑی تحقیق سے قلم بند کی گئی ہیں، معلوم ہوتی ہے اور اجمالی طور پر مگر کافی اور اطمینان بخش اور نہایت مؤثر بیان قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر دیگر اہل مذاہب کی طرح مسلمانوں کے ہاتھ میں صرف قصہ ہی نہیں بلکہ وہ تو ہر صدی میں غیر قوموں کو کہتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ یہ سب برکات اسلام میں ہمیشہ کے لئے موجود ہیں۔ بھائیو! آؤ۔ اوّل آزماؤ پھر قبول کرو۔ مگر اُن آوازوں کو کوئی نہیں سنتا۔ حجت الٰہی ان پر پوری ہے کہ ہم بلاتے ہیں وہ نہیں آتے اور ہم دکھاتے ہیں وہ نہیں دیکھتے۔ انہوں نے آنکھوں اور کانوں کو بکلّی ہم سے پھیر لیا تا نہ ہو کہ وہ

سنیں اور دیکھیں اور ہدایت پاویں۔

دوسری غلط فہمی جو معترض نے پیش کی ہے یعنی یہ کہ اصحاب کہف کی تعداد کی بابت قرآن شریف میں غلط بیان ہے۔ یہ نرا دعویٰ ہے۔ معترض نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا کہ وہ بیان کیوں غلط ہے اور اس کے مقابل پر صحیح کونسا بیان ہے اور اس کی صحت پر کون سے دلائل ہیں تا اس کے دلائل پر غور کی جائے اور جواب شافی دیا جائے۔ اگر معترض کو فرقانی بیان پر کچھ کلام تھا تو اس کی وجوہات پیش کرنی چاہئیں تھیں۔ بغیر پیش کرنے وجوہات کے یونہی غلط ٹھہرانا متلاشی حق کا کام نہیں ہے۔

تیسری غلط فہمی معترض کے دل میں یہ پیدا ہوئی ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ (جس کی سیر و سیاحت کا ذکر قرآن شریف میں ہے) سیر کرتا کرتا کسی ایسے مقام تک پہنچا جہاں اُسے سورج دلدل میں چھپتا نظر آیا۔ اب عیسائی صاحب مجاز سے حقیقت کی طرف رُخ کر کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج اتنا بڑا ہو کر ایک چھوٹے سے دلدل میں کیونکر چھپ گیا۔ یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ انجیل میں مسیح کو خدا کا برّہ لکھا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ برّہ تو وہ ہو سکتا ہے جس کے سر پر سینگ اور بدن پر پشم وغیرہ بھی ہو اور چار پایوں کی طرح سرنگون چلتا اور وہ چیزیں کھاتا ہو جو برّے کھایا کرتے ہیں؟

اے صاحب! آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ قرآن شریف نے واقعی طور پر سورج کے دلدل میں چھپنے کا دعوٰی کیا ہے۔ قرآن شریف تو فقط بمنصب نقل خیال اس قدر فرماتا ہے کہ اس شخص کو اس کی نگاہ میں سورج دلدل میں چھپتا ہوا معلوم ہوا۔ سو یہ تو ایک شخص کی رؤیت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی جگہ پہنچا جس جگہ سورج کسی پہاڑ یا آبادی یا درختوں کی اوٹ میں چھپتا ہوا نظر نہیں آتا تھا جیسا کہ عام دستور ہے۔ بلکہ دلدل میں چھپتا ہوا معلوم دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ اُس جگہ کوئی آبادی یا درخت یا پہاڑ نزدیک نہ تھے بلکہ جہاں تک نظر وفا کرے ان چیزوں میں سے کسی چیز کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ فقط ایک دلدل تھا جس میں سورج چھپتا دکھائی دیتا تھا۔

ان آیات کا سیاق سباق دیکھو کہ اس جگہ حکیمانہ تحقیق کا کچھ ذکر بھی ہے؟ فقط ایک شخص کی دُور دراز سیاحت کا ذکر ہے اور ان باتوں کے بیان کرنے سے اسی مطلب کا اثبات منظور ہے کہ وہ ایسے غیر آباد مقام پر پہنچا۔ سو اس جگہ ہیئت کے مسائل لے بیٹھنا بالکل بے محل نہیں تو اور کیا ہے؟ مثلاً

اگر کوئی کہے کہ آج رات بادل وغیرہ سے آسمان خوب صاف ہو گیا تھا اور ستارے آسمان کے نقطوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے تو اس سے یہ جھگڑا لے بیٹھیں کہ کیا ستارے نقطوں کی مقدار پر ہیں اور ہیئت کی کتابیں کھول کھول کر پیش کریں تو بلاشبہ یہ حرکت بے خبروں کی سی حرکت ہوگی کیونکہ اس وقت متکلّم کی نیت میں واقعی امر کا بیان کرنا مقصود نہیں وہ تو صرف مجازی طور پر جس طرح ساری دنیا جہان بولتا ہے بات کر رہا ہے۔ اے وہ لوگو! جو عشائے ربّانی میں مسیح کا لہو پیتے اور گوشت کھاتے ہو۔ کیا ابھی تک تمہیں مجازات اور استعارات کی خبر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک ملک کی عام بول چال میں مجازات اور استعارات کے استعمال کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے اور وحی الٰہی انہیں محاورات و استعارات کو اختیار کرتی ہے جو سادگی سے عوامُ النّاس نے اپنی روزمرہ کی بات چیت اور بول چال میں اختیار کر رکھی ہیں۔ فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کی ہر جگہ اور ہر محل میں پیروی کرنا وحی کی طرز نہیں کیونکہ روئے سخن عوامُ النّاس کی طرف ہے۔ پس ضرور ہے کہ ان کی سمجھ کے موافق اور ان کے محاورات کے لحاظ سے بات کی جائے۔ حقائق و دقائق کا بیان کرنا بجائے خود ہے مگر محاورات کا چھوڑنا اور مجازات اور استعارات عادیہ سے یک لخت کنارہ کش ہونا ایسے شخص کے لئے ہرگز روا نہیں جو عوامُ النّاس سے مذاق پر بات کرنا اس کا فرضِ منصب ہے تا وہ اس کی بات کو سمجھیں اور ان کے دلوں پر اس کا اثر ہو۔ لہٰذا یہ مسلّم ہے کہ کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جس میں مجازات اور استعارات سے کنارہ کیا گیا ہو یا کنارہ کرنا جائز ہو۔ کیا کوئی کلامِ الٰہی دنیا میں ایسا بھی آیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ہم خود ہر روزہ بول چال میں صدہا مجازات و استعارات بول جاتے ہیں اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہلال بال سا باریک ہے اور ستارے نقطے سے ہیں یا چاند بادل کے اندر چھپ گیا اور سورج ابھی تک جو پہر دن چڑھا ہے نیزہ بھر اوپر آیا ہے یا ہم نے ایک رکابی پلاؤ کی کھائی یا ایک پیالہ شربت کا پی لیا۔ تو ان سب باتوں سے کسی کے دل میں یہ دھڑکا شروع نہیں ہوتا کہ ہلال کیونکر بال سا باریک ہوسکتا ہے اور ستارے کس وجہ سے بقدر نقطوں کے ہو سکتے ہیں یا چاند بادل کے اندر کیونکر سما سکتا ہے اور کیا سورج نے باوجود اپنی اس تیز حرکت کے جس سے وہ ہزارہا کوس ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔ ایک پہر میں فقط بقدر نیزہ کے اتنی مسافت طے کرے ہے اور نہ رکابی پلاؤ کی کھانے یا پیالہ شربت کا پینے سے یہ کوئی خیال کر سکتا ہے کہ رکابی اور

پیالہ کوٹکڑے ٹکڑے کر کے کھالیا ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھیں گے کہ جوان کے اندر چاول اور پانی ہے وہی کھایا پیا ہوگا۔ نہایت صاف بات پر اعتراض کرنا کوئی دانا مخالف بھی پسند نہیں کرتا۔ انصاف پسند عیسائیوں سے ہم نے خود سنا ہے کہ ایسے ایسے اعتراض ہم میں سے وہ لوگ کرتے ہیں جو بے خبر یا سخت درجہ کے متعصّب ہیں۔ بھلا یہ کیا حق روی ہے کہ اگر کلامِ الٰہی میں مجاز یا استعارہ کی صورت پر کچھ وارد ہو تو اس بیان کو حقیقت پر حمل کر کے موردِ اعتراض بنایا جائے۔ اس صورت میں کوئی الہامی کتاب بھی اعتراض سے نہیں بچ سکتی۔ جہاز میں بیٹھنے والے اور اگنبوٹ پر سوار ہونے والے ہر روز یہ تماشا دیکھتے ہیں کہ سورج پانی میں سے ہی نکلتا ہے اور پانی میں ہی غروب ہوتا ہے اور صدہا مرتبہ آپس میں جیسا دیکھتے ہیں، بولتے بھی ہیں کہ وہ نکلا اور وہ غروب ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ اس بول چال کے وقت میں علم ہیئت کے دفتر اُن کے آگے کھولنا اور نظامِ شمسی کا مسئلہ لے بیٹھنا گویا یہ جواب سننا ہے کہ اے پاگل! کیا یہ علم تجھے ہی معلوم ہے۔ ہمیں معلوم نہیں۔

عیسائی صاحب نے قرآن شریف پر تو اعتراض کیا۔ مگر انجیل کے وہ مقامات جن پر حقًّا وحقیقتاً اعتراض ہوتا ہے بھولے رہے۔ مثلاً بطور نمونہ دیکھو کہ انجیل متی ومرقس میں لکھا ہے کہ مسیح کو اس وقت آسمان سے خلق اللہ کی عدالت کے لئے اُترتا دیکھو گے جب سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہیں دے گا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے۔ اب ہیئت کا علم ہی یہ اشکال پیش کرتا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام ستارے زمین پر گریں اور سب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کے کسی گوشہ میں جا پڑیں اور بنی آدم کو ان کے گرنے سے کچھ بھی حرج اور تکلیف نہ پہنچے اور سب زندہ اور سلامت رہ جائیں۔ حالانکہ ایک ستارہ کا گرنا بھی سُکَّانُ الْاَرْضِ کی تباہی کیلئے کافی ہے۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب ستارے زمین پر گر کر زمین والوں کو صفحہ ہستی سے بے نشان و نابود کریں گے تو مسیح کا یہ قول کہ تم مجھے بادلوں میں آسمان سے اُترتا دیکھو گے کیونکر درست ہوگا؟ جب لوگ ہزاروں ستاروں کے نیچے دبے ہوئے مرے پڑے ہوں گے تو مسیح کا اُترنا کون دیکھے گا؟ اور زمین جو ستاروں کی کشش سے ثابت و برقرار ہے کیونکر اپنی حالت صحیحہ پر قائم اور ثابت رہے گی اور مسیح کن برگزیدوں کو (جیسا کہ انجیل میں ہے) دُور دُور سے بلائے گا اور کن کو سرزنش اور تنبیہ کرے گا کیونکہ ستاروں کا گرنا تو بداہت مستلزم عام فنا اور عام موت بلکہ تختۂ زمین کے انقلاب کا موجب ہوگا۔ اب دیکھئے

کہ یہ سب بیانات علم ہیئت کے برخلاف ہیں یا نہیں؟ ایسا ہی ایک اور اعتراض علم ہیئت کے رو سے انجیل پر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انجیل متی میں دیکھو وہ ستارہ جو انہوں نے (یعنی مجوسیوں نے) پورب میں دیکھا تھا ان کے آگے آگے چل رہا اور اس جگہ کے اوپر جہاں وہ لڑکا تھا جا کر ٹھہرا۔ (باب۲۔آیت ۹ متی)

اب عیسائی صاحبان براہ مہربانی بتلاویں کہ علم ہیئت کی رو سے اس عجیب ستارہ کا کیا نام ہے جو مجوسیوں کے ہم قدم اور ان کے ساتھ ساتھ چلا تھا اور یہ کس قسم کی حرکت اور کن قواعد کی رو سے مسلّم الثبوت ہے؟ مجھے معلوم نہیں کہ انجیل متی ایسے ستارہ کے بارے میں ہیئت والوں سے کیونکر پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ بعض صاحب تنگ آ کر یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ مسیح کا قول نہیں متی کا قول ہے۔ متی کے قول کو ہم الہامی نہیں جانتے۔ یہ خوب جواب ہے جس سے انجیل کے الہامی ہونے کی بخوبی قلعی کھل گئی اور میں بطور تنزّل کہتا ہوں کہ گو یہ مسیح کا قول نہیں متی یا کسی اور کا قول ہے مگر مسیح کا قول بھی تو (جس کو الہامی مانا گیا ہے اور جس پر ابھی ہماری طرف سے اعتراض ہو چکا ہے) اُسی کا ہم رنگ اور ہم شکل ہے ذرا اُسی کو اصولِ ہیئت سے مطابق کر کے دکھلائے اور نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ قول الہامی نہیں بلکہ انسان کی طرف سے انجیل میں ملایا گیا ہے تو پھر آپ لوگ ان انجیلوں کو جو آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ تمام بیانات کے اعتبار سے الہامی کیوں کہتے ہو؟ صاف طور پر کیوں مشتہر نہیں کر دیتے کہ بجز چندان باتوں کے جو حضرت مسیح کے منہ سے نکلی ہیں۔ باقی جو کچھ اناجیل میں لکھا ہے وہ مؤلفین نے صرف اپنے خیال اور اپنی عقل اور فہم کے مطابق لکھا ہے، جو غلطیوں سے مبرا متصوّر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ پادری صاحبوں کی عام تحریروں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ رائے عام طور پر مشتہر بھی کی گئی ہے۔ یعنی بالاتفاق انجیلوں کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جو کچھ تاریخی طور پر معجزات وغیرہ کا ذکر ان میں پایا جاتا ہے وہ کوئی الہامی امر نہیں بلکہ انجیل نویسوں نے اپنے قیاس یا سماعت وغیرہ وسائل خارجیہ سے لکھ دیا ہے۔ غرض پادری صاحبوں نے اس اقرار سے ان بہت سے حملوں سے جو انجیلوں پر ہوتے ہیں اپنا پیچھا چھڑانا چاہا ہے اور ہر ایک انجیل میں تقریباً دس۱۰ حصے انسان کا کلام اور ایک حصہ خدائے تعالیٰ کا کلام مان لیا ہے اور ان اقرارات کی وجہ سے جو جو نقصان انہیں اُٹھانے پڑے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عیسوی معجزات ان کے ہاتھ سے گئے اور ان کا

کوئی شافی کافی ثبوت ان کے پاس نہ رہا کیونکہ ہر چند انجیل نویسوں نے تاریخی طور پر فقط اپنی طرف سے مسیح کے معجزات انجیلوں میں لکھے ہیں مگر مسیح کا اپنا خالص بیان جو الہامی کہلاتا ہے حواریوں کے بیان سے صریح مبائن ومخالف معلوم ہوتا ہے بلکہ اُسی کی ضد اور نقیض ہے۔ وجہ یہ کہ مسیح نے اپنے بیان میں جس کو الہامی کہا جاتا ہے جابجا معجزات کے دکھلانے سے انکار ہی کیا ہے اور معجزات کے مانگنے والوں کو صاف جواب دے دیا ہے کہ تمہیں کوئی معجزہ دکھلایا نہیں جائے گا۔ چنانچہ ہیرودیس نے بھی مسیح سے معجزہ مانگا تو اُس نے نہ دکھلایا اور بہت سے لوگوں نے اس کے نشان دیکھنے چاہے اور اور نشانوں کے بارے میں اس سے سوال بھی کیا مگر وہ صاف منکر ہوگیا اور کوئی نشان دکھلا نہ سکا بلکہ اس نے تمام رات جاگ کر خدا تعالیٰ سے یہ نشان مانگا کہ وہ یہودیوں کے ہاتھ سے محفوظ رہے تو یہ نشان بھی اس کو نہ ملا اور دعا ردّ کی گئی۔

پھر مصلوب ہونے کے بعد یہودیوں نے سچے دل سے کہا کہ اگر وہ اب صلیب پر سے زندہ ہو کر اُتر آوے تو ہم سب کے سب اس پر ایمان لائیں گے مگر وہ اُتر بھی نہ سکا۔ پس ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں تک انجیلوں میں الہامی فقرات ہیں وہ مسیح کو صاحبِ معجزات ہونے سے صاف جواب دے رہے ہیں اور اگر کوئی ایسا فقرہ ہے بھی کہ جس میں مسیح کے صاحبِ معجزات ہونے کے بارے میں کچھ خیال کرسکیں تو حقیقت میں وہ فقرہ ذوالوجوہ ہے جس کے اور اور معنی بھی ہوسکتے ہیں اور کچھ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے یا خواہ نخواہ کھینچ تان کر ان معجزات کا ہی مصداق ٹھہرایا جائے جن کا انجیل نویسوں نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے اور کوئی فقرہ خاص حضرت مسیح کی زبان سے نکلا ہوا ایسا نہیں کہ جو وقوع اور ثبوت معجزات پر صاف طور پر دلالت کرتا ہو بلکہ مسیح کے خاص اور پُر زور کلمات کی اسی امر پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اُن سے ایک بھی معجزہ ظہور میں نہیں آیا☆ تعجب کہ عیسائی لوگ کیوں ان باتوں پر اعتماد و اعتبار نہیں کرتے جو مسیح کا خاص بیان اور الہامی کہلاتی ہیں اور خاص مسیح کے منہ سے نکلی ہیں؟ اور باتوں پر کیوں اعتماد کیا جاتا ہے اور کیوں ان کے قدر سے زیادہ ان پر زور دیا جاتا ہے جو عیسائیوں کے اپنے اقرار کے موافق

☆ (قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں اور ہوں گے اور پھر قرآنی تصدیق ذوالوجوہ ہے جو انجیل نویسوں کے بیان کی ہرگز مصداق نہیں)

الہامی نہیں ہیں بلکہ تاریخی طور پر انجیلوں میں داخل ہیں اور الہام کے سلسلہ سے بکلّی خارج ہیں اور الہامی عبارات سے بکلّی ان کا تناقض پایا جاتا ہے پس جب الہامی اور غیر الہامی عبارات میں تناقض ہو تو اس کے دور کرنے کیلئے بجز اس کے اور کیا تدبیر ہے کہ جو عبارتیں الہامی نہیں ہیں وہ ناقابلِ اعتبار سمجھی جائیں اور صرف انجیل نویسوں کے مبالغات یقین نہ کئے جائیں؟ چنانچہ جا بجا ان کا مبالغہ کرنا ظاہر بھی ہے جیسا کہ یوحنا کی انجیل کی آخری آیت جس پر وہ مقدس انجیل ختم کی گئی ہے یہ ہے ’’پر اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اور اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں سما نہیں سکتیں‘‘۔ دیکھو کس قدر مبالغہ ہے زمین و آسمان کے عجائبات تو دنیا میں سما گئے مگر مسیح کی تین یا اڑھائی برس کی سوانح دنیا میں سما نہیں سکتی۔ ایسے مبالغہ کرنے والے لوگوں کی روایت پر کیونکر اعتبار کرلیا جاوے۔

ہندوؤں نے بھی اپنے اوتاروں کی نسبت ایسی ہی کتابیں تالیف کی تھیں اور اسی طرح خوب جوڑ جوڑ سے ملا کر جھوٹ کا پل باندھا تھا۔ سو اس قوم پر بھی اس افترا کا نہایت قوی اثر پڑا اور اِس سرے سے ملک کے اُس سرے تک رام رام اور کرشن کرشن دلوں میں رچ گیا۔ بات یہ ہے کہ مرتب کردہ کتابیں جن میں بہت سا افتراء بھرا ہوا ہو اُن قبروں کی طرح ہوتے ہیں جو باہر سے خوب سفید کی جائیں اور چمکائی جائیں پر اندر کچھ نہ ہو۔ اندر کا حال ان بے خبر لوگوں کو کیا معلوم ہو سکتا ہے جو صدہا برسوں کے بعد پیدا ہوئے اور بنی بنائی کتابیں ایسی متبرک اور بے لوث ظاہر کر کے ان کو دی گئیں کہ گویا وہ اسی صورت اور وضع کے ساتھ آسمان سے اُتری ہیں۔ سو وہ کیا جانتے ہیں کہ دراصل یہ مجموعہ کس طرح تیار کیا گیا ہے؟ دنیا میں ایسی تیز نگاہیں جو پردوں کو چیرتی ہوئی اندر گھس جائیں اور اصل حقیقت پر اطلاع پالیں اور چور کو پکڑ لیں، بہت کم ہیں اور افتراء کے جادو سے متاثر ہونے والی روحیں اس قدر ہیں جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے اسی وجہ سے ایک عالم تباہ ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔ نادانوں نے ثبوت یا عدم ثبوت کے ضروری مسئلہ پر کچھ بھی غور نہیں کی اور انسانی منصوبوں اور بندشوں کا جو ایک مستمرہ طریقہ اور نیچرلی امر ہے جو نوع انسان میں قدیم سے چلا آتا ہے اس سے چوکس رہنا نہیں چاہا اور یونہی شیطانی دام کو اپنے پر لے لیا۔ مکاروں نے اس شریر کیمیاگر کی طرح جو ایک سادہ لوح سے ہزار روپیہ نقد لے کر دس بیس لاکھ کا سونا بنا دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ سچا اور پاک

ایمان نادانوں کا کھویا اور ایک جھوٹی راستبازی اور جھوٹی برکتوں کا وعدہ دیا جن کا خارج میں کچھ بھی وجود نہیں اور نہ کچھ ثبوت۔ آخر شرارتوں میں، مکروں میں، دنیا پرستیوں میں، نفسِ امّارہ کی پیروی میں اپنے سے بدتر ان کو کر دیا۔ بالآخر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اعجازات اور پیشگوئیوں کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئیں قرآن شریف کی ایک ذرہ شہادت، انجیلوں کے ایک تودہ عظیم سے جو مسیح کے اعجاز وغیرہ کے بارے میں ہو، ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیوں بڑھ کر ہے اسی وجہ سے کہ خود باقرار تمام محقق پادریوں کے انجیلوں کا بیان خود حواریوں کا اپنا ہی کلام ہے اور پھر اپنا چشم دید بھی نہیں اور نہ کوئی سلسلہ راویوں کا پیش کیا ہے اور نہ کہیں ذاتی مشاہدہ کا دعویٰ کیا لیکن قرآن شریف میں اعجازات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خاص خدائے صادق وقدوس کی پاک شہادت ہے۔ اگر وہ صرف ایک ہی آیت ہوتی تب بھی کافی ہوتی۔ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ان شہادتوں سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے۔ اب موازنہ کرنا چاہیئے کہ کجا خدا تعالیٰ کی پاک شہادت جس میں کذب ممکن نہیں اور کجا نادیدہ جھوٹ اور مبالغہ آمیز شہادتیں۔

بہ نزدیک دانائے بیدار دل جَوے سیم بہتر ز صد تودہ گِل

افترائی باتوں پر کیوں تعجب کرنا چاہیئے۔ ایسا بہت کچھ ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ عیسائیوں کو آپ اقرار ہے کہ ہم میں سے بہت لوگ ابتدائی زمانوں میں اپنی طرف سے کتابیں بنا کر اور بہت کچھ کمالات اپنے بزرگوں کے ان میں لکھ کر پھر خدا تعالیٰ کی طرف اُن کو منسوب کرتے رہے ہیں اور دعویٰ کر دیا جاتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ہیں☆ پس جب کہ قدیم عادت عیسائیوں اور یہودیوں کی یہی جعلسازی چلی آئی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ متی وغیرہ انجیلوں کو اس

☆ جو کچھ انجیلوں میں ناجائز اور بے ثبوت مبالغہ معجزات حضرت مسیح کی نسبت یا ان کی ناواجب تعریفوں کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کب اور کس وقت یہ باتیں انجیلوں میں ملائی گئی ہیں۔ اگرچہ عیسائیوں کو اقرار ہے کہ خود انجیل نویسوں نے یہ باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں مگر اس عاجز کی دانست میں یہ حاشئے آہستہ آہستہ چڑھے ہیں۔ اور جعلساز مکار پیچھے سے بہت کچھ موقع پاتے رہے ہیں۔ ہاں مستقل طور پر کئی جعلی کتابیں جو الہامی ہونے کے نام سے مشہور ہوگئیں حضرات مسیحیوں اور یہودیوں نے اوائل دنوں میں ہی تالیف کر کے شائع کر دی تھیں۔ چنانچہ اسی جعلسازی کی برکت سے بجائے ایک انجیل کے بہت سی انجیلیں شائع ہوگئیں۔ عیسائیوں کا خود یہ بیان ہے کہ مسیح کے بعد جعلی انجیلیں کئی تالیف

عادت سے کیوں باہر رکھا جائے؟ حالانکہ اس ساہوکار کی طرح جس کا روزنامچہ اور بہی کھاتہ بوجہ صریح تناقض اور مشکوکیت کے پوشیدہ حال کو ظاہر کررہا ہو۔ ہر چہار انجیلوں سے وہ کارستانی ظاہر ہو رہی ہے جس کو انہوں نے چھپانا چاہا تھا۔ اسی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں غور کرنے والوں کی طبیعتوں میں ایک طوفان شکوک پیدا ہو گیا ہے اور جس ناقص اور متغیر اور مجسم خدا کی طرف انجیل رہنمائی کررہی ہے اس کے قبول کرنے سے وہ دہریہ رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ میرے ایک دوست فاضل انگریز نے امریکہ سے بذریعہ اپنی کئی چٹھیوں کے مجھے خبر دی ہے کہ ان ملکوں میں دانشمندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ عیسائی مذہب کو نقص سے خالی سمجھتا ہو اور اسلام کے قبول کرنے کے لئے مستعد نہ ہو۔ اور گو عیسائیوں نے قرآن شریف کے ترجمے محرف اور بدنما کر کے یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں شائع کئے ہیں مگر ان کے اندر جو نور چھپا ہوا ہے وہ پاکیزہ دلوں پر اپنا کام کررہا ہے۔ غرض امریکہ اور یورپ آج کل ایک جوش کی حالت میں ہے اور انجیل کے عقیدوں

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ) ہوئیں۔ جیسا کہ منجملہ اُن کے ایک انجیل برنباس بھی ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا بیان ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چونکہ اُن انجیلوں اور اناجیل اربعہ مروجہ میں بہت کچھ تناقض ہے۔ یہاں تک کہ برنباس کی انجیل مسیح کے مصلوب ہونے سے بھی منکر اور مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف اور مسیح کی الوہیت اور ابنیت کو بھی نہیں مانتی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی صریح لفظوں میں بشارت دیتی ہے۔ تو اب عیسائیوں کے اس دعویٰ بے دلیل کو کیونکر مان لیا جائے کہ جن انجیلوں کو اُنہوں نے رواج دیا ہے۔ وہ تو سچی ہیں اور جو اُن کے مخالف ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔ ماسوا اس کے جب کہ عیسائیوں میں جعل کی اس قدر گرم بازاری رہی ہے کہ بعض کامل اُستادوں نے پوری پوری انجیلیں بھی اپنی طرف سے بنا کر عام طور پر قوم میں اُنہیں شائع کر دیا اور ایک ذرہ پروں پر پانی پڑنے نہ دیا۔ تو کسی کتاب کا محرف مبدل کرنا اُن کے آگے کیا حقیقت تھا۔ پھر جب کہ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں یہ انجیلیں قلمبند نہیں ہوئیں بلکہ ساٹھ یا ستر برس مسیح کے فوت ہونے کے بعد یا کچھ کم و بیش یا اختلاف روایت اناجیل اربعہ کا مجموعہ دنیا میں پیدا ہوا تو اُس سے ان انجیلوں کی نسبت اور بھی شک پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت دینا مشکل ہے کہ اس عرصہ تک حواری زندہ رہے ہوں یا اُن کی قوتیں قائم رہی ہوں۔ اب ہم سب قصوں کو مختصر کر کے ناظرین کو یہ باور دلاتے ہیں کہ اس بات کا عیسائیوں نے ہرگز صفائی سے ثبوت نہیں دیا کہ بارہ انجیلیں جعلی اور چار جن کو رواج دے رہے ہیں جعل اور تحریف سے مبرا ہیں بلکہ وہ ان چاروں کی نسبت بھی خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کا کلام نہیں اور اگر وہ ایسا اقرار بھی نہ کرتے تب بھی انجیلوں کے مغشوش ہونے میں کچھ شک نہیں تھا کیونکہ اس بات کا بارِ ثبوت اُن کے ذمہ ہے۔ جس سے آج تک وہ سبکدوش نہیں ہو سکے کہ کیوں دوسری انجیلیں جعلی اور یہ جعلی نہیں۔

نے جو برخلاف حقیقت ہیں، بڑی گھبراہٹ میں انہیں ڈال دیا ہے یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ مسیح یا عیسیٰ نام (کا) خارج میں کوئی شخص کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے آفتاب مراد ہے اور بارہ حواریوں سے بارہ برج مراد ہیں۔ اور پھر اس مذہب عیسائی کی حقیقت زیادہ تر اس بات سے کھلتی ہے کہ جن نشانیوں کو حضرت مسیح ایمان داروں کے لئے قرار دے گئے تھے اُن میں سے ایک بھی ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو ہر ایک طرح کی برکت اور قبولیت میں میرا ہی روپ بن جاؤ گے اور معجزات اور قبولیت کے نشان تم کو دیئے جائیں گے اور تمہارے مومن ہونے کی یہی علامت ہوگی کہ تم طرح طرح کے نشان دکھلا سکو گے اور جو چاہو گے تمہارے لئے وہی ہوگا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہیں ہوگی۔ لیکن عیسائیوں کے ہاتھ میں ان برکتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ وہ اس خدا سے ناآشنا محض ہیں جو اپنے مخصوص بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں آمنے سامنے شفقت اور رحمت کا جواب دیتا ہے اور عجیب عجیب کام ان کے لئے کر دکھاتا ہے لیکن سچے مسلمان جو اُن راستبازوں کے قائم مقام اور وارث ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں وہ اُس خدا کو پہچانتے اور اس کی رحمت کے نشانوں کو دیکھتے ہیں اور اپنے مخالفوں کے سامنے آفتاب کی طرح جو ظلمت کے مقابل ہو مابہ الامتیاز رکھتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اس دعویٰ کو بلا دلیل نہیں سمجھنا چاہئے۔ سچے اور جھوٹے مذہب میں ایک آسمان پر فرق ہے اور ایک زمین پر۔ زمین کے فرق سے مراد وہ فرق ہے جو انسان کی عقل اور انسان کا کانشنس اور قانونِ قدرت اس عالَم کا اس کی تشریح کرتا ہے۔ سو عیسائی مذہب اور اسلام کو جب اس محک کی رو سے جانچا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام وہ فطرتی مذہب ہے جس کے اصولوں میں کوئی تصنع اور تکلّف نہیں اور جس کے احکام کوئی مستحدث اور بناوٹی امر نہیں اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی منوانی پڑے اور جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے جابجا آپ فرمایا ہے۔ قرآن شریف صحیفۂ فطرت کے تمام علوم اور اس کی صداقتوں کو یاد دلاتا ہے اور اس کے اسرارِ غامضہ کو کھولتا ہے اور کوئی نئے امور برخلاف اس کے پیش نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اُسی کے معارف دقیقہ ظاہر کرتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی تعلیم جس کا انجیل پر حوالہ دیا جاتا ہے ایک نیا خدا پیش کر رہی ہے جس کی خودکشی پر دنیا کے گناہ اور عذاب سے نجات موقوف اور اس کے دُکھ اُٹھانے پر خلقت کا آرام موقوف اور اس کے بے عزت اور ذلیل

ہونے پر خلقت کی عزت موقوف خیال کی گئی ہے۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا عجیب خدا ہے کہ ایک حصہ اس کی عمر کا تو منزہ عن الجسم وعن عیوب الجسم میں گزرا ہے اور دوسرا حصہ عمر کا (کسی نامعلوم بدبختی کی وجہ سے) ہمیشہ کے تجسم اور تحیّز کی قید میں اسیر ہوگیا اور گوشت پوست استخوان وغیرہ سب کے سب اس کی روح کے لئے لازمی ہوگئے اور اس تجسم کی وجہ سے، کہ اب ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا، انواع اقسام کے اس کو دکھ اُٹھانے پڑے۔ آخر دکھوں کے غلبہ سے مر گیا اور پھر زندہ ہوا اور اُسی جسم نے پھر آکر اس کو پکڑ لیا اور ابدی طور پر اُسے پکڑے رہے گا۔ کبھی مخلصی نہیں ہوگی۔ اب دیکھو کہ کیا کوئی فطرت صحیحہ اس اعتقاد کو قبول کرسکتی ہے؟ کیا کوئی پاک کانشنس اس کی شہادت دے سکتا ہے؟ کیا قانون قدرت کا ایک جزو بھی خدائے بےعیب و بےنقص وغیر متغیر کیلئے یہ حوادث وآفات روا رکھ سکتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہر ایک عالَم کے پیدا کرنے اور پھر اس کو نجات دینے کیلئے ایک مرتبہ مرنا درکار ہے اور بجز خودکشی اپنے کسی افاضۂ خیر کی صفت کو ظاہر نہیں کرسکتا اور نہ کسی قسم کا اپنی مخلوقات کو دنیا یا آخرت میں آرام پہنچا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کو اپنی رحمت بندوں پر نازل کرنے کیلئے خودکشی کی ضرورت ہے تو اُس سے لازم آتا ہے کہ ہمیشہ اس کو حادثہ موت کا پیش آتا رہے اور پہلے بھی بے شمار موتوں کا مزہ چکھ چکا ہو اور نیز لازم آتا ہے کہ ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح معطل الصفات ہو۔ اب خود ہی سوچو کہ کیا ایسا عاجز اور درماندہ خدا ہوسکتا ہے کہ جو بغیر خودکشی کے اپنی مخلوقات کو کبھی اور کسی زمانہ میں کوئی بھلائی پہنچا نہیں سکتا۔ کیا یہ حالت ضعف اور ناتوانی کی خدائے قادر مطلق کے لائق ہے؟ پھر عیسائیوں کے خدا کی موت کا نتیجہ دیکھئے تو کچھ بھی نہیں۔ ان کے خدا کی جان گئی مگر شیطان کے وجود اور اس کے کارخانہ کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ وہی شیطان اور وہی اس کے چیلے جو پہلے تھے اب بھی ہیں۔ چوری، ڈکیتی، زنا، قتل، دروغ گوئی، شراب خواری،☆ قمار بازی، دنیا پرستی، بے ایمانی، کفر شرک، دہریہ پن اور دوسرے صدہا طرح کے جرائم جو قبل از

☆ تازہ اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ تیرہ کروڑ ساٹھ ہزار پاؤنڈ ہر سال سلطنت برطانیہ میں شراب کشی اور شراب نوشی میں خرچ ہوتا ہے (اور ایک نامہ نگار ایم اے کی تحریر ہے) کہ شراب کی بدولت لندن میں صدہا خودکشی کی وارداتیں ہوجاتی ہیں اور خاص لندن میں شاید مجملہ تیس لاکھ آبادی کے دس ہزار آدمی مے نوش نہ ہوں گے، ورنہ سب مرد اور عورت خوشی اور آزادی سے شراب پیتے اور پلاتے ہیں۔ اہل لندن کا کوئی ایسا جلسہ اور سوسائٹی اور محفل نہیں ہے کہ جس میں سب سے پہلے برانڈی اور شیری اور لال شراب کا انتظام نہ کیا جاتا ہو۔ ہر ایک جلسہ کا جزوِ اعظم شراب کو قرار دیا جاتا ہے اور طرفہ برآں یہ

مصلوبیت مسیح تھے اب بھی اُسی زور وشور میں ہیں بلکہ کچھ چڑھ، بڑھ کر۔ مثلاً دیکھئے کہ اس زمانہ

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ) کہ لندن کے بڑے بڑے کشیش اور پادری صاحبان بھی باوجود دیندار کہلانے کے مئے نوشی میں اوّل درجہ ہوتے ہیں۔ جتنے جلسوں میں مجھ کو بطفیل مسٹر نکلیٹ صاحب شامل ہونے کا اتفاق ہوا ہے ان سب میں ضرور دو چار نوجوان پادری اور ریورنڈ بھی شامل ہوتے دیکھے۔ لندن میں شراب نوشی کو کسی بُری مد میں شامل نہیں سمجھا گیا اور یہاں تک شراب نوشی کی علانیہ گرم بازاری ہے کہ میں نے بچشم خود بہنگام سیر لندن اکثر انگریزوں کو بازار میں پھرتے دیکھا کہ متوالے ہو رہے ہیں اور ہاتھ میں شراب کی بوتل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لندن میں عورتیں دیکھی جاتی تھیں کہ ہاتھ میں بوتل بیئر پکڑی لڑکھڑاتی چلی جاتی ہیں۔ بیسیوں لوگ شراب سے مدہوش اور متوالے، اچھے بھلے، بھلے مانس مہذب بازاروں کی نالیوں میں گرے ہوئے دیکھے۔ شراب نوشی کے طفیل اور برکت سے لندن میں اس قدر خودکشی کی وارداتیں واقعہ ہوتی رہتی ہیں کہ ہر ایک سال اُن کا ایک مہلک وبا پڑتا ہے (یکم فروری ۱۸۸۳ء۔ رہبر ہند لاہور)

اسی طرح ایک صاحب نے لندن کی عام زناکاری اور قریب ستر ستر ہزار کے ہر سال ولد الزنا پیدا ہونا ذکر کر کے وہ باتیں ان لوگوں کی بے حیائی کی لکھی ہیں کہ جن کی تفصیل سے قلم رُکتی ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یورپ کے اوّل درجہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کے اگر دس حصے کئے جائیں تو بلاشبہ نو حصے ان میں سے دہریہ ہوں گے جو مذہب کی پابندی اور خدائے تعالیٰ کے اقرار اور جزا سزا کے اعتقاد سے فارغ ہو بیٹھے ہیں اور یہ مرض دہریّت کا دن بدن یورپ میں بڑھتا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دولت برطانیہ کی کشادہ دلی نے اس کی ترقی سے کچھ بھی کراہت نہیں کی۔ یہاں تک کہ بعض پکے دہریہ پارلیمنٹ کی کرسی پر بھی بیٹھ گئے اور کچھ پرواہ نہیں کی گئی۔ نامحرم لوگوں کا نوجوان عورتوں کا بوسہ لینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ یورپ کی نئی تہذیب میں ایک مستحسن امر قرار دیا گیا ہے۔ کوئی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ انگلستان میں کوئی ایسی عورت بھی ہے کہ جس کا عین جوانی کے دنوں میں کسی نامحرم جوان نے بوسہ نہ لیا ہو۔ دنیا پرستی اس قدر ہے کہ آروپ الیگزنڈر صاحب اپنی ایک چٹھی میں (جو میرے نام بھیجی ہے) لکھتے ہیں کہ تمام مہذب اور تعلیم یافتہ جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی میری نظر میں ایسا نہیں جس کی نگاہ آخرت کی طرف لگی ہوئی ہو بلکہ تمام لوگ سر سے پیر تک دنیا پرستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اب ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ مسیح کے قربان ہونے کی وہ تاثیریں جو پادری لوگ ہندوستان میں آ کر سادہ لوحوں کو سناتے ہیں، سراسر پادری صاحبوں کا افتراء ہے۔ اور اصل حقیقت یہی ہے کہ کفّارہ کے مسئلہ کو قبول کر کے جس طرح عیسائیوں کی طبیعتوں نے پلٹا کھایا ہے وہ یہی ہے کہ شراب خواری بکثرت پھیل گئی۔ زناکاری اور بدنظری شیر مادر سمجھی گئی۔ قمار بازی کی از حد ترقی ہوگئی۔ خدا تعالیٰ کی عبادت سچے دل سے کرنا اور بکلّی رو بحق ہو جانا یہ سب باتیں موقوف ہوگئیں۔ ہاں انتظامی تہذیب یورپ میں بے شک پائی جاتی ہے۔ یعنی باہم رضامندی کے برخلاف جو گناہ ہیں جیسے سرقہ اور قتل اور زنا بالجبر وغیرہ جن کے ارتکاب سے شاہی قوانین نے بوجہ مصالح ملکی روک دیا ہے ان کا انسداد بے شک ہے مگر ایسے گناہوں کے انسداد کی یہ وجہ نہیں کہ مسیح کے کفّارہ کا اثر ہوا ہے بلکہ رعب قوانین اور سوسائٹی کے دباؤ نے یہ اثر ڈالا ہوا ہے کہ اگر یہ موانع درمیان نہ ہوں تو حضرات مسیحیاں سب کچھ کر گزریں اور پھر یہ جرائم بھی تو اور ملکوں کی طرح یورپ میں بھی ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انسداد کلّی تو نہیں۔ منہ

میں کہ جب ابھی مسیحیوں کا خدا زندہ تھا عیسائیوں کی حالت اچھی تھی جبھی کہ اس خدا پر موت آئی جس کو کفّارہ کہا جاتا ہے۔ تبھی سے عجیب طور پر شیطان اس قوم پر سوار ہو گیا اور گناہ اور نافرمانی اور نفس پرستی کے ہزارہا دروازے کھل گئے۔ چنانچہ عیسائی لوگ خود اس بات کے قائل ہیں اور پادری فنڈر صاحب مصنف میزان الحق فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کی کثرت گناہ اور اُن کی اندرونی بدچلنی اور فسق و فجور کے پھیلنے کی وجہ سے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بغرض سزا دہی اور تنبیہہ عیسائیوں کے بھیجے گئے تھے۔ پس ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ زیادہ تر گناہ اور معصیت کا طوفان مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد ہی عیسائیوں میں اُٹھا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مسیح کا مرنا اس غرض سے نہیں تھا کہ گناہ کی تیزی اس کی موت سے کچھ رو بہ کمی ہو جائے گی۔ مثلاً اس کے مرنے سے پہلے اگر لوگ بہت شراب پیتے تھے یا اگر بکثرت زنا کرتے تھے یا اگر پکے دُنیا دار تھے تو مسیح کے مرنے کے بعد یہ ہر ایک قسم کے گناہ دور ہو جائیں گے کیونکہ یہ بات مستغنی عن الثبوت ہے کہ جس قدر اب شراب خوری و دنیا پرستی و زنا کاری خاص کر یورپ کے ملکوں میں ترقی پر ہے کوئی دانا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ مسیح کی موت سے پہلے یہی طوفان فسق و فجور کا برپا ہو رہا تھا بلکہ اس کا ہزارم حصہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا اور انجیلوں پر غور کر کے بکمال صفائی کھل جاتا ہے کہ مسیح کو ہرگز منظور نہ تھا کہ یہودیوں کے ہاتھ میں پکڑا جائے اور مارا جائے اور صلیب پر کھینچا جائے کیونکہ اگر یہی منظور ہوتا تو ساری رات اس بلا کے دفعہ کرنے کیلئے کیوں روتا رہتا اور رو رو کر کیوں یہ دعا کرتا کہ اے ابّا! اے باپ!! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ بلکہ سچ یہی ہے کہ مسیح بغیر اپنی مرضی کے ناگہانی طور پر پکڑا گیا اور اس نے مرتے وقت تک رو رو کر یہی دعا کی ہے کہ اِیلِیْ اِیلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

اس سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ مسیح زندہ رہنا اور کچھ اور دن دنیا میں قیام کرنا چاہتا تھا اور اس کی روح نہایت بے قراری سے تڑپ رہی تھی کہ کسی طرح اس کی جان بچ جائے لیکن بِلا مرضی اس کے یہ سفر اس کو پیش آ گیا تھا اور نیز یہ بھی غور کرنے کی جگہ ہے کہ قوم کے لئے اس طریق پر مرنے سے جیسا کہ عیسائیوں نے تجویز کیا ہے۔ مسیح کو کیا حاصل تھا اور قوم کو اُس سے کیا فائدہ؟ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنی قوم میں بڑی بڑی اصلاحیں کرتا۔ بڑے بڑے عیب اُن سے دور کر کے دکھاتا۔ مگر

اس کی موت نے کیا کر کے دکھایا بجز اس کے کہ اس کے بے وقت مرنے سے صدہا فتنے پیدا ہوئے اور ایسی خرابیاں ظہور میں آئیں جن کی وجہ سے ایک عالَم ہلاک ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ جوانمرد لوگ قوم کی بھلائی کیلئے اپنی جان بھی فدا کر دیتے ہیں یا قوم کے بچاؤ کے لئے جان کو معرضِ ہلاکت میں ڈالتے ہیں مگر نہ ایسے لغو اور بیہودہ طور پر جو مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے بلکہ جو شخص دانشمندانہ طور سے قوم کے لئے جان دیتا ہے یا جان کو معرضِ ہلاکت میں ڈالتا ہے وہ تو معقول اور پسندیدہ اور کارآمد اور صریح مفید طریقوں میں سے کوئی سے ایسا اعلیٰ اور بدیہی اَنفع طریقہ فدا ہونے کا اختیار کرتا ہے جس طریقے کے استعمال سے گو اس کو تکلیف پہنچ جائے یا جان ہی جائے مگر اُس کی قوم بعض بلاؤں سے واقعی طور پر بچ جائے۔ یہ تو نہیں کہ پھانسی لے کر یا زہر کھا کر یا کسی کوئیں میں گرنے سے خودکشی کا مرتکب ہو، اور پھر یہ خیال کرے کہ میری خودکشی قوم کے لئے بہبودی کا موجب ہوگی۔ ایسی حرکت تو دیوانوں کا کام ہے نہ عقلمندوں دینداروں کا، بلکہ یہ موت موتِ حرام ہے اور بجز سخت جاہل اور سادہ لوح کے کوئی اس کا ارادہ نہیں کرتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ کامل اور اولوالعزم آدمی کا مرنا بجز اُس حالت خاص کے کہ بہتوں کے بچاؤ کے لئے کسی معقول اور معروف طریق پر مرنا ہی پڑے، قوم کیلئے اچھا نہیں بلکہ بڑی مصیبت اور ماتم کی جگہ ہے اور ایسا شخص جس کی ذات سے خلق اللہ کو طرح طرح کا فائدہ پہنچ رہا ہے اگر خودکشی کا ارادہ کرے تو وہ خدائے تعالیٰ کا سخت گنہگار ہے اور اس کا گناہ دوسرے ایسے مجرموں کی نسبت زیادہ ہے۔ پس ہر ایک کامل کے لئے لازم ہے کہ اپنے لئے جناب باری تعالیٰ سے درازیٔ عمر مانگے تا وہ خلق اللہ کے لئے ان سارے کاموں کو بخوبی انجام دے سکے جن کے لئے اُس کے دل میں جوش ڈالا گیا ہے۔ ہاں! شریر آدمی کا مرنا اس کے لئے اور نیز خلق اللہ کے لئے بہتر ہے تا شرارتوں کا ذخیرہ زیادہ نہ ہوتا جائے اور خلق اللہ اس کے ہر روز کے فتنہ سے تباہ نہ ہو جائے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمام پیغمبروں میں سے قوم کے بچاؤ کے لئے اور الٰہی جلال کے اظہار کی غرض سے معقول طریقوں کے ساتھ اور ضروری حالتوں کے وقت میں کس پیغمبر نے زیادہ تر اپنے تئیں معرضِ ہلاکت میں ڈالا اور قوم پر اپنے تئیں فدا کرنا چاہا، آیا مسیح یا کسی اور نبی یا ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کا جواب جس جوش اور روشن دلائل اور آیات بیّنات اور تاریخی ثبوت سے میرے سینہ میں بھرا ہوا ہے، میں افسوس کے ساتھ اس جگہ اس کا لکھنا چھوڑ دیتا

ہوں کہ وہ بہت طویل ہے۔ یہ تھوڑا سا مضمون اس کی برداشت نہیں کرسکتا۔ انشاء اللہ القدیر، اگر عمر نے وفا کی تو آئندہ ایک رسالہ مستقلہ اس بارے میں لکھوں گا لیکن بطور مختصر اس جگہ بشارت دیتا ہوں کہ وہ فرد کامل جو قوم پر اور تمام بنی نوع پر اپنے نفس کو فدا کرنے والا ہے وہ ہمارے نبی کریم ہیں یعنی **سیّدنا و مولٰینا و وحیدنا و فریدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی الرسول النبی الامی العربی القرشی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔**

اس جگہ میں نے سچے اور جھوٹے مذہب کی تفریق کیلئے وہ فرق جو زمین پر موجود ہے یعنی جو باتیں عقل اور کانشنس کے ذریعہ سے فیصلہ ہوسکتی ہیں، کسی قدر لکھ دیا ہے لیکن جو فرق آسمان کے ذریعہ سے کھلتا ہے وہ بھی ایسا ضروری ہے کہ بجز اس کے حق اور باطل میں امتیاز بیّن نہیں ہوسکتا اور وہ یہ ہے کہ سچے مذہب کے پیرو کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ایک خاص تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ کامل پیرو اپنے نبی متبوع کا مظہر اور اس کے حالات روحانیہ اور برکات باطنیہ کا ایک نمونہ ہو جاتا ہے اور جس طرح بیٹے کے وجود درمیانی کی وجہ سے پوتا بھی بیٹا ہی کہلاتا ہے اسی طرح جو شخص زیر سایہ متابعت نبی پرورش یافتہ ہے اس کے ساتھ بھی وہی لطف اور احسان ہوتا ہے جو نبی کے ساتھ ہوتا ہے اور جیسے نبی کو نشان دکھائے جاتے ہیں ایسا ہی اس کی خاص طور پر معرفت بڑھانے کیلئے اس کو بھی نشان ملتے ہیں۔ سو ایسے لوگ اس دین کی سچائی کے لئے جس کی تائید کے لئے وہ ظہور فرماتے ہیں، زندہ نشان ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ آسمان سے ان کی تائید کرتا ہے اور بکثرت ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور قبولیت کی اطلاع بخشتا ہے۔ ان پر مصیبتیں بھی نازل ہوتی ہیں مگر اس لئے نازل نہیں ہوتیں کہ اُنہیں ہلاک کریں بلکہ اس لئے کہ تا آخر ان کی خاص تائید سے قدرت کے نشان ظاہر کئے جائیں۔ وہ بے عزتی کے بعد پھر عزت پا لیتے ہیں اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں تا خدا تعالیٰ کے خاص کام ان میں ظاہر ہوں۔

اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دعا کا قبول ہونا دو طور سے ہوتا ہے۔ ایک بطور **ابتلاء** اور ایک بطور **اصطفاء**۔ بطور **ابتلاء** تو کبھی کبھی گنہگاروں اور نافرمانوں بلکہ کافروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبول ہونا۔ حقیقی قبولیت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ از قبیل استدراج و امتحان ہوتا ہے لیکن جو بطور **اصطفاء** دعا قبول ہوتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ دعا کرنے والا خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ

بندوں میں سے ہو اور چاروں طرف سے برگزیدگی کے انوار و آثار اس میں ظاہر ہوں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ حقیقی قبولیت کے طور پر نافرمانوں کی دعا ہرگز نہیں سنتا بلکہ انہیں کی سنتا ہے کہ جو اس کی نظر میں راستباز اور اس کے حکم پر چلنے والے ہوں۔ سو ابتلاء اور اصطفاء کی قبولیت ادعیہ میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو **ابتلاء** کے طور پر دعا قبول ہوتی ہے اس میں متقی اور خدا دوست ہونا شرط نہیں اور نہ اس میں یہ ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ دعا کو قبول کر کے بذریعہ اپنے مکالمہ خاص کے اس کی قبولیت سے اطلاع بھی دیوے اور نہ وہ دعائیں ایسی اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہیں جن کا قبول ہونا ایک امر عجیب اور خارقِ عادت متصوّر ہو سکے لیکن جو دعائیں **اصطفاء** کی وجہ سے قبول ہوتی ہیں ان میں یہ نشان نمایاں ہوتے ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ دعا کرنے والا ایک متقی اور راست باز اور کامل فرد ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ بذریعہ مکالماتِ الٰہیہ اُس دعا کی قبولیت سے اس کو اطلاع دی جاتی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اکثر وہ دعائیں جو قبول کی جاتی ہیں نہایت اعلیٰ درجہ کی اور پیچیدہ کاموں کے متعلق ہوتی ہیں، جن کی قبولیت سے کھل جاتا ہے کہ یہ انسان کا کام اور تدبیر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص نمونہ قدرت ہے جو خاص بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ ابتلائی دعائیں تو کبھی کبھی شاذ و نادر کے طور پر قبول ہوتی ہیں لیکن اصطفائی دعائیں کثرت سے قبول ہوتی ہیں۔ بسا اوقات صاحب اصطفائی دعا کا ایسی بڑی بڑی مشکلات میں پھنس جاتا ہے کہ اگر اور شخص ان میں مبتلا ہو جاتا تو بجز خودکشی کے اور کوئی حیلہ اپنی جان بچانے کیلئے ہرگز اُسے نظر نہ آتا۔ چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے کہ جب کبھی دنیا پرست لوگ جو خدا تعالیٰ سے مہجور و دور ہیں بعض بڑی بڑی ہموم و غموم و اَمراض و اَسقام و بلیّاتِ لا ینحل میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو آخر وہ بباعث ضعف ایمان خدائے تعالیٰ سے ناامید ہو کر کسی قسم کا زہر کھا لیتے ہیں یا کنوئیں میں گرتے ہیں یا بندوق وغیرہ سے خودکشی کر لیتے ہیں لیکن ایسے نازک وقتوں میں صاحب اصطفاء کا بوجہ اپنی قوتِ ایمانی اور تعلقِ خاص کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہایت عجیب در عجیب مدد دیا جاتا ہے اور عنایتِ الٰہی ایک عجیب طور سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے یہاں تک کہ ایک محرم راز کا دل بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ یہ شخص مؤیّد الٰہی ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ صاحب اصطفائی دعا کا مَورَدِ عنایاتِ الٰہیہ کا ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں اس کا متولّی ہو جاتا ہے اور عشق الٰہی کا نور اور مقبولانہ کبریائی کی مستی اور روحانی

لذت یابی اور تنعم کے آثار اس کے چہرہ میں نمایاں ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ[1] اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝[2] اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝[3] وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝[4]

اب جاننا چاہئے کہ محبوبیت اور قبولیت اور ولایت حقّہ کا درجہ جس کے کسی قدر مختصر طور پر نشان بیان کر چکا ہوں۔ یہ بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور سچے متبع

---

[1] المطففین: ۲۵ [2] یونس: ۶۳ تا ۶۵ [3] حٰمٓ السجدۃ: ۳۱ تا ۳۲ [4] البقرۃ: ۱۸۷

ترجمہ: خبردار ہو یعنی یقیناً سمجھ کہ جو لوگ اللہ جلشانہٗ کے دوست ہیں یعنی جو لوگ خدائے تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے تو ان کی یہ نشانیاں ہیں کہ نہ ان پر خوف مستولی ہوتا ہے کہ کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا فلاں بلا سے کیونکر نجات ہوگی۔ کیونکہ وہ تسلی دیئے جاتے ہیں اور نہ گزشتہ کے متعلق کوئی حزن و اندوہ انہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ صبر دیئے جاتے ہیں۔ **دوسری** یہ نشانی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی ایمان میں کامل ہوتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی خلافِ ایمان و خلاف فرمانبرداری جو باتیں ہیں اُن سے بہت دُور رہتے ہیں۔ **تیسری** اُن کی یہ نشانی ہے کہ انہیں (بذریعہ مکالمہ الٰہیہ و رویائے صالحہ) بشارتیں ملتی رہتی ہیں، اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی۔ خدائے تعالیٰ کا ان کی نسبت یہ عہد ہے جو ٹل نہیں سکتا اور یہی پیارا درجہ ہے جو انہیں ملا ہوا ہے۔ یعنی مکالمہ الٰہیہ اور رویائے صالحہ سے خدا تعالیٰ کے مخصوص بندوں کو جو اس کے ولی ہیں ضرور حصہ ملتا ہے اور ان کی ولایت کا بھاری نشان یہی ہے کہ مکالمات ومخاطباتِ الٰہیہ سے مشرف ہوں (یہی قانونِ قدرت اللہ جلّشانہٗ کا ہے) کہ جو لوگ اربابِ متفرقہ سے منہ پھیر کر اللہ جلّشانہٗ کو اپنا ربّ سمجھ لیں اور کہیں کہ ہمارا تو ایک اللہ ہی ربّ ہے (یعنی اور کسی کی ربوبیت پر ہماری نظر نہیں) اور پھر آزمائشوں کے وقت میں مستقیم رہیں (کیسے ہی زلزلے آویں، آندھیاں چلیں، تاریکیاں پھیلیں ان میں ذرا تزلزل اور تغیر اور اضطراب پیدا نہ ہو۔ پوری پوری استقامت پر رہیں) تو ان پر فرشتے اُترتے ہیں (یعنی الہام اور رؤیائے صالحہ کے ذریعہ سے انہیں بشارتیں ملتی ہیں) کہ دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے دوست اور متولّی اور متکفّل ہیں اور آخرت میں جو کچھ تمہارے جی چاہیں گے وہ سب تمہیں ملے گا۔ یعنی اگر دنیا میں کچھ مکروہات بھی پیش آویں تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں کیونکہ

کے مقابل پر اگر کوئی عیسائی یا آریہ یا یہودی قبولیت کے آثار وانوار دکھلانا چاہے تو یہ اس کے لئے ہرگز ممکن نہ ہوگا۔ ایک نہایت صاف طریق امتحان کا یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان صالح کے مقابل پر، جو سچا مسلمان اور سچائی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو، کوئی دوسرا شخص عیسائی وغیرہ معارضہ کے طور پر کھڑا ہو اور یہ کہے کہ جس قدر تجھ پر آسمان سے کوئی نشان ظاہر ہوگا یا جس قدر اسرارِ غیبیہ تجھ پر کھلیں گے یا جو کچھ قبولیت دعاؤں سے تجھے مدد دی جائے گی یا جس طور سے تیری عزت اور شرف کے اظہار

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ: آخرت میں تمام غم دور ہو جائیں گے اور سب مرادیں حاصل ہوں گی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ آخرت میں جو کچھ انسان کا نفس چاہے اس کو ملے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہونا نہایت ضروری ہے اور اسی بات کا نام نجات ہے ورنہ اگر انسان نجات پاکر بعض چیزوں کو چاہتا رہا اور ان کے غم میں کباب ہوتا اور جلتا رہا مگر وہ چیزیں اس کو نہ ملیں تو پھر نجات کا ہے کی ہوئی۔ ایک قسم کا عذاب تو ساتھ ہی رہا۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جنت یا بہشت یا مکتی خانہ یا سُرگ جو نام اس مقام کا رکھا جائے جو انتہا سعادت پانے کا گھر ہے وہ ایسا گھر چاہئے کہ انسان کو من کل الوجوہ اس میں مصفّا خوشی حاصل ہو اور کوئی ظاہری یا باطنی رنج کی بات درمیان نہ ہو اور کسی ناکامی کی سوزش دل پر غالب نہ ہو۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ بہشت میں نالائق و نامناسب باتیں نہیں ہوں گی مگر مقدس دلوں میں اُن کی خواہش بھی پیدا نہ ہوگی بلکہ ان مقدس اور مطہر دلوں میں جو شیطانی خیالات سے پاک کئے گئے ہیں، انسان کی پاک فطرت اور خالق کی پاک مرضی کے موافق پاک خواہشیں پیدا ہوں گی تا انسان اپنی ظاہری اور باطنی اور بدنی اور روحانی سعادت کو پورے پورے طور پر پالیوے اور اپنے جمیع قویٰ کے کامل ظہور سے کامل انسان کہلاوے کیونکہ بہشت میں داخل کرنا انسانی نقش کے مٹا دینے کی غرض سے نہیں جیسا کہ ہمارے مخالف عیسائی و آریہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ تا انسانی فطرت کے نقوش ظاہراً و باطناً بطور کامل چمکیں اور سب بے اعتدالیاں دور ہو کر ٹھیک ٹھیک وہ امور جلوہ نما ہو جائیں جو انسان کے لئے بلحاظ ظاہری و باطنی خلقت اس کی کے ضروری ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ جب میرے مخصوص بندے (جو برگزیدہ ہیں) میرے بارہ میں سوال کریں اور پوچھیں کہ کہاں ہے؟ تو انہیں معلوم ہو کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ اپنے مخلص بندوں کی دعا سنتا ہوں جب ہی کہ کوئی مخلص بندہ دعا کرتا ہے (خواہ دل سے یا زبان سے) سن لیتا ہوں (پس اس سے قرب ظاہر ہے) مگر چاہئے کہ وہ ایسی اپنی حالت بنائی رکھیں جس سے میں ان کی دعا سُن لیا کروں۔ یعنی انسان اپنا حجاب آپ ہو جاتا ہے۔ جب پاک حالت کو چھوڑ کر دور جا پڑتا ہے تب خدائے تعالیٰ بھی اُس سے دور ہو جاتا ہے اور چاہیے کہ ایمان اپنا مجھ پر ثابت رکھیں (کیونکہ قوتِ ایمانی کی برکت سے دُعا جلد قبول ہوتی ہے) اگر وہ ایسا کریں تو رُشد حاصل کرلیں گے یعنی ہمیشہ خدائے عزوجل اُن کے ساتھ ہوگا۔ اور کبھی عنایت و رہنمائی الٰہی اُن سے الگ نہیں ہوگی۔ سو استجابِ دعاء بھی اولیاء اللہ کے لئے ایک بھاری نشان ہے۔ فتدبر۔ منہ

کے لئے کوئی نمونہ قدرت ظاہر کیا جائے گا یا اگر انعامات خاصہ کا بطور پیش گوئی تجھے وعدہ دیا جائے گا یا اگر تیرے کسی موذی مخالف پر کسی تنبیہہ کے نزول کی خبر دی جائے گی تو اُن سب باتوں میں جو کچھ تجھ سے ظہور میں آئیگا اور جو کچھ تو دکھائے گا، وہ میں بھی دکھلاؤں گا۔ تو ایسا معارضہ کسی مخالف سے ہرگز ممکن نہیں اور ہرگز مقابل پر نہیں آئیں گے کیونکہ اُن کے دل شہادت دے رہے ہیں کہ وہ کذّاب ہیں۔ انہیں اس سچے خدا سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ جو راستبازوں کا مددگار اور صدیقوں کا دوست دار ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کسی قدر بیان کر چکے ہیں۔ وَھٰذَا اٰخِرُ کَلَامِنَا وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً وَّ ظَاھِراً وَّ بَاطِناً۔ ھُوَمَوْلٰینَا نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔ ☆

☆ روحانی خزائن جلد۴۔ ’’تصدیق النبی‘‘ ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب

وہ خط جو ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب نے محمد بخش پانڈہ کو لکھا

بخدمت شریف میاں محمد بخش و جملہ شرکاء اہل اسلام جنڈیالہ۔

جنابِ من۔ بعد سلام کے واضح رائے شریف ہو کہ چونکہ ان دنوں قصبہ جنڈیالہ میں مسیحیوں اور اہلِ اسلام کے درمیان دینی چرچے بہت ہوتے ہیں اور چند صاحبان آپ کے ہم مذہب دین عیسوی پر حرف لاتے ہیں اور کئی ایک سوال و جواب کرتے اور کرنا چاہتے ہیں اور نیز اسی طرح سے مسیحیوں نے بھی دین محمدی کے حق میں کئی ایک تحقیقاتیں کر لی ہیں اور مبالغہ از حد ہو چلا ہے۔ لہٰذا راقم رقیمہ ہذا کی دانست میں طریقہ بہتر اور مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جلسہ عام کیا جائے جس میں صاحبان اہل اسلام مع علماء و دیگر بزرگان دین کے جن پر کہ ان کی تسلی ہو، موجود ہوں اور اسی طرح سے مسیحیوں کی طرف بھی کوئی صاحب اعتبار پیش کئے جاویں تا کہ جو باہمی تنازعہ ان دنوں میں ہو رہے ہیں، خوب فیصل کئے جاویں اور نیکی اور بدی اور حق اور خلاف ثابت ہوویں۔ لہٰذا چونکہ اہل اسلام جنڈیالہ کے درمیان آپ صاحبِ ہمت گنے جاتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں از طرف مسیحیان جنڈیالہ التماس کرتے ہیں کہ آپ خواہ خود یا اپنے ہم مذہبوں سے مصلحت کر کے ایک وقت مقرر کریں اور جس کسی بزرگ پر آپ کی تسلی ہو، اُسے طلب کریں اور ہم بھی وقت معین پر محفل شریف میں کسی اپنے بزرگ کو پیش کریں گے کہ جلسہ اور فیصلہ اموراتِ مذکورہ بالا کا بخوبی ہو جاوے اور خداوند صراطِ مستقیم سب کو حاصل کرے۔ ہم کسی ضد اور فساد یا مخالفت کی رو سے اس جلسہ کے درپے نہیں ہیں مگر فقط اس بنا سے کہ جو باتیں راست، برحق اور پسندیدہ ہیں سب صاحبان پر خوب ظاہر ہوں۔ دیگر التماس یہ ہے کہ اگر صاحبان اہل اسلام ایسے مباحثہ میں شریک نہ ہونا چاہیں تو آیندہ کو اپنے اسپ کلام کو میدان گفتگو میں جولانی نہ دیں اور وقت منادی یا دیگر موقعوں پر حجت بے بنیاد و لاحاصل سے باز آ کر خاموشی اختیار کریں۔ از راہ مہربانی اس خط کا جواب جلدی عنایت فرماویں تا کہ اگر آپ ہماری دعوت کو قبول کریں تو جلسہ کا اور ان مضامین کا جن کی بابت مباحثہ ہونا ہے، معقول انتظام کیا جائے۔ فقط۔ زیادہ سلام

الراقم مسیحیان جنڈیالہ۔ مارٹن کلارک امرتسر (دستخط انگریزی میں ہیں)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَنَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

حضرت جناب فیض مآب مجدد الوقت فاضل اجل حامی دین رسول حضرت غلام احمد صاحب از طرف محمد بخش۔ السلام علیکم۔ گزارش یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے قصبہ جنڈیالہ کے عیسائیوں نے بہت شور وشر مچایا ہوا ہے۔ بلکہ آج بتاریخ ۱۱؍اپریل ۱۸۹۳ء عیسائیان جنڈیالہ نے معرفت ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب امرتسر بنام فدوی بذریعہ رجسٹری ایک خط ارسال کیا ہے۔ جس کی نقل خط ہذا کی دوسری طرف واسطے ملاحظہ کے پیش خدمت ہے۔ عیسائیوں نے بڑے زور وشور سے لکھا ہے کہ اہل اسلام جنڈیالہ اپنے علماء و دیگر بزرگانِ دین کو موجود کر کے ایک جلسہ کریں اور دینِ حق کی تحقیقات کی جائے۔ ورنہ آئندہ سوال کرنے سے خاموشی اختیار کریں۔ اِس لئے خدمت بابرکت میں عرض ہے کہ چونکہ اہل اسلام جنڈیالہ اکثر کمزور اور مسکین ہیں۔ اِس لئے خدمت شریف عالی میں ملتمس ہوں کہ آنجناب لِلّٰہ اہل اسلام جنڈیالہ کو امداد فرماؤ۔ ورنہ اہل اسلام پر دھبہ آجائے گا و نیز عیسائیوں کے خط کو ملاحظہ فرما کر یہ تحریر فرماویں کہ اُن کو جواب خط کا کیا لکھا جاوے۔ جیسا آنجناب ارشاد فرماویں۔ ویسا عمل کیا جاوے۔ فقط

جواب طلب ضروری

راقم

محمد بخش پاندہا مکتب دیسی قصبہ جنڈیالہ ضلع وتحصیل امرتسر

۱۱؍اپریل ۱۸۹۳ء

امرتسر میڈیکل مشن (۱۸؍اپریل۱۸۸۳ء)

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیان سلامت تسلیم۔

عنایت نامہ آں صاحب کا وارد ہوا۔ بعد مطالعہ طبیعت شاد ہوئی، خاص اس بات سے کہ جنڈیالہ کے اہل اسلام کو آپ جیسے لائق و فائق ملے۔لیکن چونکہ ہمارا دعویٰ نہ آپ سے، پر جنڈیالہ کے محمدیوں سے ہے۔ہم آپ کی دعوت قبول کرنے میں قاصر ہیں۔ان کی طرف ہم نے خط لکھا ہوا ہے اور تا حال جواب کے منتظر ہیں۔اگر ان کی مدد آپ کو قبول ہے تو مناسب و باقاعدہ طریقہ تو یہ ہے کہ آپ خود انہیں خطوط لکھیں۔ جو آپ کے ارادے مہربانی کے ہیں۔اُن پر ظاہر کریں۔اگر وہ آپ کو تسلیم کر کے اس جنگ مقدس کیلئے اپنی طرف سے پیش کریں تو ہمارا کچھ عذر نہیں بلکہ عین خوشی ہے۔چونکہ آپ روشن ضمیر و صاحب کار آزمودہ ہیں۔یہ آپ سے مخفی نہ ہوگا کہ اس خاص بحث کیلئے آپ کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہمارا اختیار نہیں بلکہ جنڈیالہ کے اہل اسلام کا۔لہٰذا آپ انہیں سے فیصلہ کر لیں۔بعد ازاں ہم بھی حاضر ہیں آپ کے اور ان کے فیصلہ کرنے ہی کی دیر ہے۔زیادہ سلام

(راقم ڈاکٹر مارٹن کلارک امرتسر)

ترجمہ خلاصہ چٹھی ڈاکٹر کلارک صاحب

امرتسر

۲۴؍اپریل ۱۸۹۳ء

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان۔

جنابِ مَن! مولوی عبدالکریم صاحب معہ معزز سفارت یہاں پہنچے اور مجھے آپ کا دستی خط دیا۔ جناب نے جو مسلمانوں کی طرف سے مجھے مقابلہ کیلئے دعوت کی ہے اس کو میں بخوشی قبول کرتا ہوں۔ آپ کی سفارت نے آپ کی طرف سے مباحثہ اور شرائط ضروریہ کا فیصلہ کرلیا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ جناب کو بھی وہ انتظام اور شرائط منظور ہوں گے۔ اس لئے مہربانی کر کے اپنی فرصت میں اطلاع بخشیں کہ آپ ان شرائط کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟

آپ کا تابعدار

ایچ مارٹن کلارک

ایم۔ڈی۔سی۔ایم۔اڈنبرا۔ایم۔آر۔اے۔ایس۔سی

مکتوب نمبر ۳

مسٹر عبداللہ آتھم کے نام ایک مکتوب جس میں اس کے خط کا جواب دیا گیا ہے

آج اس اشتہار کے لکھنے سے ابھی میں فارغ ہوا تھا کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کا خط بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا۔ یہ خط اس خط کا جواب ہے جو میں نے مباحثہ مذکورہ بالا کے متعلق صاحب موصوف اور نیز ڈاکٹر کلارک صاحب کی طرف لکھا تھا۔ سواب اس کا بھی جواب ذیل میں بطور قولہ اوراقول کے لکھتا ہوں۔

قولہ: ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ تعلیمات قدیم کے لئے معجزہ جدید کی کچھ بھی ضرورت ہے اس لئے ہم معجزہ کیلئے نہ کچھ حاجت اور نہ استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں۔

اقول: صاحب من! میں نے معجزہ کا لفظ اپنے خط میں استعمال نہیں کیا۔ بیشک معجزہ دکھلانا نبی اور مُرسَل مِنَ اللہ کا کام ہے نہ ہریک انسان کا۔ لیکن اس بات کو تو آپ مانتے اور جانتے ہیں کہ ہر ایک درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور ایمانداری کے پھلوں کا ذکر جیسا کہ قرآن کریم میں ہے انجیل شریف میں بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ اس لئے طول کلام کی ضرورت نہیں۔ مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ایمانداری کے پھل دکھلانے کی بھی آپ کو استطاعت نہیں؟

قولہ: بہرکیف اگر جناب کسی معجزہ کے دکھلانے پر آمادہ ہیں تو ہم اس کے دیکھنے سے آنکھیں بند نہ کریں گے اور جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے۔

اقول: بیشک یہ آپ کا مقولہ انصاف پر مبنی ہے اور کسی کے منہ سے یہ کامل طور پر نکل نہیں سکتا جب تک اس کو انصاف کا خیال نہ ہو۔ لیکن اس جگہ یہ آپ کا فقرہ کہ ’’جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی

ہم آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اُس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے'' تشریح طلب ہے۔ یہ عاجز تو محض اس غرض کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچاوے کہ دنیا کے تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دارالنجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ وبس۔ اب کیا آپ اس بات پر طیار اور مستعد ہیں کہ نشان دیکھنے کے بعد اس مذہب کو قبول کرلیں گے؟ آپ کا فقرہ مذکورہ بالا مجھے امید دلاتا ہے کہ آپ اس سے انکار نہ کریں گے۔ پس اگر آپ مستعد ہیں تو چند سطریں تین اخباروں یعنی نور افشاں اور منشور محمدی اور کسی آریہ کے اخبار میں چھپوا دیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اس مباحثہ کے بعد، جس کی تاریخ ۲۲ رمئی ۱۸۹۳ء قرار پائی ہے، مرزا غلام احمد کی خدا تعالیٰ مدد کرے اور کوئی ایسا نشان اس کی تائید میں خدا تعالیٰ ظاہر فرماوے کہ جو اس نے قبل از وقت بتلا دیا ہو اور جیسا کہ اُس نے بتلایا ہو وہ پورا بھی ہو جاوے تو ہم اس نشان کے دیکھنے کے بعد بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے اور ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس نشان کو بغیر کسی قسم کی بیہودہ نکتہ چینی کے قبول کرلیں گے اور کسی حالت میں وہ نشان نامعتبر اور قابل اعتراض نہیں سمجھا جائے گا، بغیر اس صورت کے کہ ایسا ہی نشان اسی برس کے اندر ہم بھی دکھلا دیں۔ مثلاً اگر نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ہو کہ فلاں وقت کسی خاص فرد پر یا ایک گروہ پر فلاں حادثہ وارد ہوگا اور وہ پیشگوئی اس میعاد میں پوری ہو جائے تو بغیر اس کے کہ اس کی نظیر اپنی طرف سے پیش کریں بہرحال قبول کرنی پڑے گی اور اگر ہم نشان دیکھنے کے بعد دین اسلام اختیار نہ کریں اور نہ اس کے مقابل پر اسی برس کے اندر اس کی مانند کوئی خارقِ عادت نشان دکھلا سکیں تو عہد شکنی کے تاوان میں نصف جائیداد اپنی امداد اسلام کیلئے اس کے حوالہ کریں گے۔ اور اگر ہم اس دوسری شق پر بھی عمل نہ کریں اور عہد کو توڑ دیں اور اس عہد شکنی کے بعد کوئی قہری نشان ہماری نسبت مرزا غلام احمد شائع کرنا چاہے تو ہماری طرف سے مجاز ہوگا کہ عام طور پر اخباروں کے ذریعہ سے یا اپنے رسائل مطبوعہ میں اس کو شائع کرے۔ فقط یہ تحریر آپ کی طرف سے بقید نام و مذہب و ولدیت وسکونت ہو اور فریقین کے پچاس پچاس معزز اور معتبر گواہوں کی شہادت اُس پر ثبت ہو۔ تب تین اخباروں میں اس کو آپ شائع کرا دیں جب کہ آپ کا منشاء اظہار حق ہے اور یہ معیار آپ کے اور ہمارے مذہب کے موافق

ہے تو اب برائے خدا اِس کے قبول کرنے میں توقف نہ کریں۔ اب بہرحال وہ وقت آ گیا ہے کہ خدا تعالیٰ سچے مذہب کے انوار اور برکات ظاہر کرے اور دنیا کو ایک ہی مذہب پر کر دیوے۔ سو اگر آپ دل کو قوی کر کے سب سے پہلے اس راہ میں قدم ماریں اور پھر اپنے عہد کو بھی صدق اور جوانمردی کے ساتھ پورا کریں تو خدا تعالیٰ کے نزدیک صادق ٹھہریں گے اور آپ کی راستبازی کا یہ ہمیشہ کیلئے ایک نشان رہے گا۔

اور اگر آپ یہ فرماویں کہ ہم تو یہ سب باتیں کر گزریں گے اور کسی نشان کے دیکھنے کے بعد دین اسلام قبول کر لیں گے یا دوسری شرائط متذکرہ بالا بجا لائیں گے اور یہ عہد پہلے ہی سے تین اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے۔ لیکن اگر تم ہی جھوٹے نکلے اور کوئی نشان دکھا نہ سکے تو تمہیں کیا سزا ہوگی؟ تو میں اس کے جواب میں حسب منشاء توریت سزائے موت اپنے لئے قبول کرتا ہوں اور اگر یہ خلاف قانون ہو تو کُل جائیداد اپنی آپ کو دوں گا۔ جس طرح چاہیں پہلے مجھ سے تسلی کر لیں۔

قولہ: لیکن یہ جناب کو یاد رہے کہ معجزہ ہم اسی کو جانیں گے جو ساتھ تحدی مدعی معجزہ کے بہ ظہور آوے اور کہ مصدق کسی امر ممکن کا ہو۔

اقول: اس سے مجھے اتفاق ہے۔ اور تحدی اسی بات کا نام ہے کہ مثلاً ایک شخص منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے دعویٰ کی تصدیق کیلئے کوئی ایسی پیشگوئی کرے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہو اور پیشگوئی سچی نکلے تو وہ حسب منشاء توریت استثنا ۱۸۔۱۸ سچا ٹھہرے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ایسا نشان کسی امر ممکن کا مصدق ہونا چاہئے ورنہ یہ تو جائز نہیں کہ کوئی انسان مثلاً یہ کہے کہ میں خدا ہوں اور اپنی خدائی کے ثبوت میں کوئی پیشگوئی کرے اور وہ پیشگوئی پوری ہو جائے تو پھر وہ خدا مانا جاوے۔

لیکن میں اس جگہ آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب اس عاجز نے ملہم اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو ۱۸۸۸ء میں مرزا امام الدین نے جس کو آپ خوب جانتے ہیں۔ چشمۂ نور امرتسر میں میرے مقابل پر اشتہار چھپوا کر مجھ سے نشان طلب کیا تھا۔ تب بطور نشان نمائی ایک پیشگوئی کی گئی تھی جو نور افشاں ۱۰؍مئی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوگئی تھی جس کا مفصل ذکر اس اخبار میں اور نیز میری کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۲۷۹، ۲۸۰ میں موجود ہے اور وہ پیشگوئی ۳۰؍ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنی

میعاد کے اندر پوری ہوگئی۔سواب بطور آزمائش آپ کے انصاف کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ نشان ہے یانہیں؟ اور اگر نشان نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر نشان ہے اور آپ نے اس کو دیکھ بھی لیا اور نہ صرف نورافشاں ۱۰رمئی ۱۸۸۸ء میں بلکہ میرے اشتہار مجریہ ۱۰رجولائی ۱۸۸۸ء میں بقیدِ میعاد یہ شائع بھی ہو چکا ہے۔تو آپ کا اس وقت فرض عین ہے یانہیں کہ اس نشان سے بھی فائدہ اُٹھاویں اور اپنی غلطی کی اصلاح کریں اور براہ مہربانی مجھ کو اطلاع دیں کہ کیا اصلاح کی اور کس قدر عیسائی اصول سے آپ دستبردار ہوگئے؟ کیونکہ یہ نشان تو کچھ پرانا نہیں، ابھی کل کی بات ہے کہ نورافشاں اور میرے اشتہار ۱۰رجولائی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا تھا اور آپ کی یہ تمام شرائط کے موافق ہے۔میرے نزدیک آپ کے انصاف کا یہ ایک معیار ہے۔اگر آپ نے اس نشان کو مان لیا اور حسبِ اقرار اپنے اپنی غلطی کی بھی اصلاح کی، تو مجھے پختہ یقین ہوگا کہ اب آئندہ بھی آپ اپنی بڑی اصلاح کیلئے مستعد ہیں۔اس نشان کا اس قدر تو آپ پر اثر ضرور ہونا چاہئے کہ کم سے کم آپ یہ اقرار اپنا شائع کردیں کہ اگرچہ ابھی قطعی طور پر نہیں مگر ظن غالب کے طور پر دین اسلام ہی مجھے سچا معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ تحدی کے طور پر اُس کی تائید کے بارہ میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ آپ جانتے ہیں کہ امام الدین دین اسلام سے منکر اور ایک دہریہ آدمی ہے اور اس نے اشتہار کے ذریعہ سے دین اسلام کی سچائی اور اس عاجز کے ملہم ہونے کے بارے میں ایک نشان طلب کیا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے نزدیک کی راہ سے اُسی کے عزیزوں پر ڈال کر اس پر اتمام حجت کی۔آپ اِس نشان کے ردّ یا قبول کے بارے میں ضرور جواب دیں، ورنہ ہمارا یہ ایک پہلا قرضہ ہے جو آپ کے ذمے رہے گا۔

قولہ: مباہلات بھی از قسم معجزات ہی ہیں مگر ہم بروئے تعلیم انجیل کسی کے لئے لعنت نہیں مانگ سکتے۔جناب صاحب اختیار ہیں جو چاہیں مانگیں اور انتظار جواب ایک سال تک کریں۔

اقول: صاحب من! مباہلہ میں دوسرے پر لعنت ڈالنا ضروری نہیں بلکہ اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ مثلاً ایک عیسائی کہے کہ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ درحقیقت حضرت مسیح خدا ہیں اور قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور اگر میں اس بیان میں کاذب ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے۔سو یہ صورت مباہلہ انجیل کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے۔آپ غور سے انجیل کو پڑھیں۔

ماسوائے اس کے میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اگر آپ نشان نمائی کے مقابلہ سے عاجز ہیں تو پھر یکطرفہ اس عاجز کی طرف سے سہی، مجھ کو بسر وچشم منظور ہے، آپ اقرار نامہ حسب نمونہ مرقومہ بالا شائع کریں اور جس وقت آپ فرماویں میں بلاتوقف امرتسر حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ تو مجھ کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ عیسائی مذہب اسی دن سے تاریکی میں پڑا ہوا ہے جب سے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کی جگہ دی گئی اور جب کہ حضرات عیسائیوں نے ایک سچے اور کامل اور مقدس نبی افضل الانبیاء **محمد** مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ اس لئے میں یقیناً جانتا ہوں کہ حضرات عیسائی صاحبوں میں سے یہ طاقت کسی میں بھی نہیں کہ اسلام کے زندہ نوروں کا مقابلہ کر سکیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ نجات اور حیاتِ ابدی جس کا ذکر عیسائی صاحبوں کی زبان پر ہے، وہ اہل اسلام کے کامل افراد میں سورج کی طرح چمک رہی ہے۔ اسلام میں یہ ایک زبردست خاصیت ہے کہ وہ ظلمت سے نکال کر اپنے نور میں داخل کرتا ہے۔ جس نور کی برکت سے مومن میں کھلے کھلے آثار قبولیت پیدا ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا شرفِ مکالمہ میسر آ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی محبت کی نشانیاں اس میں ظاہر کر دیتا ہے میں زور سے اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ایمانی زندگی صرف کامل مسلمان کو ہی ملتی ہے اور **یہی اسلام کی سچائی کی نشانی ہے۔**

اب آپ کے خط کا ضروری جواب ہو چکا اور یہ اشتہار ایک رسالہ کی صورت پر مرتب کر کے آپ کی خدمت میں اور نیز ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔ اب میری طرف سے حجت پوری ہو چکی۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ**۔☆

راقم خاکسار

میرزا غلام احمد

از قادیان ضلع گورداسپور

☆ حجۃ الاسلام، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۵۲ تا ۵۷

مکتوب نمبر۴

نقل خط جو مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے مسیحیان جنڈیالہ کی طرف ۱۳؍اپریل ۱۸۹۳ء کو رجسٹری کر کے بھیجا گیا!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت مسیحیان جنڈیالہ! بعد ماوَجب۔ آج میں نے آپ صاحبوں کی وہ تحریر جو آپ نے میاں محمد بخش صاحب کو بھیجی تھی، اوّل سے آخر تک پڑھی۔ جو کچھ آپ صاحبوں نے سوچا ہے مجھے اتفاق رائے ہے بلکہ درحقیقت میں اس مضمون کے پڑھنے سے ایسا خوش ہوا کہ میں اس مختصر خط میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے کہ یہ روز کے جھگڑے اچھے نہیں اور ان سے دن بدن عداوتیں بڑھتی ہیں اور فریقین کی عافیت اور آسودگی میں خلل پڑتا ہے اور یہ بات تو ایک معمولی سی ہے۔ اس سے بڑھ کر نہایت ضروری اور قابل ذکر یہ بات ہے کہ جس حالت میں دونوں فریق مرنے والے اور دنیا کو چھوڑنے والے ہیں تو پھر اگر باقاعدہ بحث کر کے اظہارِ حق نہ کریں تو اپنے نفسوں اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ جنڈیالہ کے مسلمانوں کا ہم سے کچھ زیادہ حق نہیں بلکہ جس حالت میں خداوند کریم اور رحیم نے اس عاجز کو انہیں کاموں کیلئے بھیجا ہے تو ایک سخت گناہ ہوگا کہ ایسے موقع پر خاموش رہوں۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ اس کام کے لئے میں ہی حاضر ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اپنا اپنا مذہب بہت سے نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ملا ہے اور یہ بھی فریقین کو اقرار ہے کہ زندہ مذہب وہی ہوسکتا ہے کہ جن دلائل پر ان کی صحت کی بنیاد ہے وہ دلائل بطور قصہ کے نہ ہوں بلکہ دلائل ہی کے رنگ میں اب بھی موجود اور نمایاں ہوں۔ مثلاً اگر کسی کتاب میں بیان کیا گیا ہو کہ فلاں نبی نے بطور معجزہ ایسے ایسے بیماروں کو اچھا کیا تھا تو یہ اور اس قسم کے اور امور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک قطعی اور یقینی دلیل نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک خبر ہے جو منکر کی نظر میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال

رکھتی ہے۔ بلکہ منکر ایسی خبروں کو صرف ایک قصہ سمجھے گا۔ اسی وجہ سے یورپ کے فلاسفر مسیح کے معجزات سے جو انجیل میں مندرج ہیں کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے بلکہ اس پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔ پس جب کہ یہ بات ہے تو یہ نہایت آسان مناظرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا کوئی فرد، اس تعلیم اور علامات کے موافق جو کامل مسلمان ہونے کے لئے قرآن میں موجود ہیں، اپنے نفس کو ثابت کرے اور اگر نہ کر سکے تو دروغ گو ہے نہ مسلمان۔ اور ایسا ہی عیسائی صاحبوں میں سے ایک فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو انجیل شریف میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کر کے دکھلائے اور اگر وہ ثابت نہ کر سکے تو دروغ گو ہے نہ عیسائی۔ جس حالت میں دونوں فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ جس نور کو ان کے انبیاء لائے تھے وہ نور فقط لازمی نہ تھا بلکہ متعدی تھا تو پھر جس مذہب میں یہ نور متعدی ثابت ہوگا اسی کی نسبت عقل تجویز کرے گی کہ یہی مذہب زندہ اور سچا ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایک مذہب کے ذریعہ سے وہ زندگی اور پاک نور معہ اس کی تمام علامتوں کے حاصل نہیں کر سکتے جو اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے تو ایسا مذہب بجز لاف وگزاف کے زیادہ نہیں۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ کوئی نبی پاک تھا مگر ہم میں سے کسی کو بھی پاک نہیں کر سکتا، اور صاحب خوارق تھا مگر کسی کو صاحب خوارق نہیں بنا سکتا، اور الہام یافتہ تھا مگر ہم میں سے کسی کو ملہم نہیں بنا سکتا تو ایسے نبی سے ہمیں کیا فائدہ؟ مگر الحمدللہ والمنۃ کہ ہمارا سیّد ورسول خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں تھا۔ اس نے ایک جہان کو وہ نور حسب مراتب استعداد بخشا کہ جو اس کو ملا تھا اور اپنے نورانی نشانوں سے وہ شناخت کیا گیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے نور تھا جو بھیجا گیا اور اس سے پہلے کوئی ہمیشہ کے لئے نور نہیں آیا۔ اگر وہ نہ آتا اور نہ اس نے بتلایا ہوتا تو حضرت مسیح کے نبی ہونے پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں تھی کیونکہ اس کا مذہب مر گیا اور اس کا نور بے نشان ہو گیا اور کوئی وارث نہ رہا جو اس کو کچھ نور دیا گیا ہو۔ **اب دنیا میں زندہ مذہب صرف اسلام ہے** اور اس عاجز نے ذاتی تجارب سے دیکھ لیا اور پرکھ لیا کہ دونوں قسم کے نور اسلام اور قرآن میں اب بھی ایسے ہی تازہ بتازہ موجود ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے اور ہم ان کے دکھلانے کے لئے ذمہ دار ہیں۔ اگر کسی کو مقابلہ کی طاقت ہے تو ہم سے خط وکتابت کرے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ اس عاجز کے مقابلہ پر جو صاحب کھڑے ہوں وہ کوئی بزرگ نامی

اور معزز انگریز پادری صاحبوں میں سے ہونے چاہئیں ۔ کیونکہ جو بات اس مقابلہ اور مباحثہ سے مقصود ہے اور جس کا اثر عوام پر ڈالنا مدِّنظر ہے وہ اسی امر پر موقوف ہے کہ فریقین اپنی اپنی قوم کے خواص میں سے ہوں۔ ہاں بطور تنزّل اور اتمامِ حجت مجھے یہ بھی منظور ہے کہ اس مقابلہ کیلئے پادری عماد الدین صاحب یا پادری ٹھاکر داس صاحب یا مسٹر عبداللہ آتھم صاحب عیسائیوں کی طرف سے منتخب ہوں اور پھر اُن کے اسماء کسی اخبار کے ذریعہ شائع کر کے ایک پرچہ اس عاجز کی طرف بھی بھیجا جائے اور اس کے بھیجنے کے بعد یہ عاجز بھی اپنے مقابلہ کا اشتہار دے دے گا اور ایک پرچہ صاحب مقابلہ کی طرف بھیج دے گا۔ مگر واضح رہے کہ یوں تو ایک مدت دراز سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا جھگڑا چلا آتا ہے اور تب سے مباحثات ہوئے اور فریقین کی طرف سے بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور درحقیقت علمائے اسلام نے تمام تر صفائی سے ثابت کر دیا کہ جو کچھ قرآن کریم پر اعتراض کئے گئے ہیں وہ دوسرے رنگ میں توریت پر اعتراض ہیں اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نکتہ چینی ہوئی وہ دوسرے پیرایہ میں تمام انبیاء کی شان میں نکتہ چینی ہے۔ جس سے حضرت مسیح بھی باہر نہیں بلکہ ایسی نکتہ چینیوں کی بنا پر خداتعالیٰ بھی مَوردِ اعتراض ٹھہرتا ہے۔ سو یہ بحث زندہ مذہب یا مردہ مذہب کی تنقیح کے بارہ میں ہوگی اور دیکھا جاوے گا کہ جن روحانی علامات کا مذہب اور کتاب نے دعویٰ کیا ہے، وہ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں کہ نہیں؟ اور مناسب ہوگا کہ مقامِ بحث لاہور یا امرتسر مقرر ہو اور فریقین کے علماء کے مجمع میں یہ بحث ہو۔

خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان

ضلع گورداسپور

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۵

ڈاکٹر مارٹن کلارک کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشفق مہربان پادری صاحب

بعد ما وجب ۔ یہ وقت کیا مبارک ہے کہ میں آپ کی اس مقدس جنگ کیلئے تیار ہوکر جس کا آپ نے اپنے خط میں ذکر فرمایا ہے۔ اپنے چند عزیز دوست بطور سفیر منتخب کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس پاک جنگ کیلئے آپ مجھے مقابلہ پر منظور فرماویں گے۔ جب آپ کا پہلا خط جو جنڈیالہ کے بعض مسلمانوں کے نام مجھ کو ملا اور میں نے یہ عبارتیں پڑھیں کہ **کوئی ہے کہ ہمارا مقابلہ کرے! تو میری روح اسی وقت بول اُٹھی کہ ہاں میں ہوں جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا اور سچائی کو ظاہر کرے گا**۔ وہ حق جو مجھ کو ملا ہے اور وہ آفتاب جس نے ہم میں طلوع کیا ہے وہ اب پوشیدہ رہنا نہیں چاہتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زوردار شعاعوں کے ساتھ نکلے گا اور دلوں پر اپنا ہاتھ ڈالے گا اور اپنی طرف کھینچ لائے گا۔لیکن اس کے نکلنے کیلئے کوئی تقریب چاہیے تھی سو آپ صاحبوں کا مسلمانوں کو مقابلہ کیلئے بلانا نہایت مبارک اور نیک تقریب ہے۔ مجھے امید نہیں کہ آپ اس بات پر ضد کریں کہ ہمیں تو جنڈیالہ کے مسلمانوں سے کام ہے، نہ کسی اَور سے۔ آپ جانتے ہیں کہ جنڈیالہ میں کوئی مشہور اور نامی فاضل نہیں اور یہ آپ کی شان سے بعید ہوگا کہ آپ عوام سے اُلجھتے پھریں۔ اور اس عاجز کا حال آپ پر مخفی نہیں کہ آپ صاحبوں کے مقابلہ کیلئے دس۱۰ برس کا پیاسا ہے اور کئی ہزار خط اُردو و انگریزی اسی پیاس کے جوش سے آپ جیسے معزز پادری صاحبان کی خدمت میں روانہ کر چکا ہوں اور پھر جب کچھ جواب نہ آیا تو آخر نا امید ہوکر بیٹھ گیا۔ چنانچہ بطور نمونہ اُن خطوں میں سے کچھ روانہ بھی کرتا ہوں تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کی اس توجہ کا اوّل مستحق میں ہی ہوں۔ اور سوائے اس کے اگر میں کاذب ہوں تو ہر ایک سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوں۔ میں پورے دس۱۰ سال سے میدان میں کھڑا ہوں۔ جنڈیالہ میں میری دانست میں ایک بھی نہیں جو میدان کا سپاہی تصور کیا جاوے۔ اس لئے بادب مُکلّف ہوں کہ اگر یہ امر مطلوب ہے کہ روز

کے قصے طے ہو جائیں اور جس مذہب کے ساتھ خدا ہے اور جو لوگ سچے خدا پر ایمان لا رہے ہیں ان کے کچھ امتیازی انوار ظاہر ہوں تو اس عاجز سے مقابلہ کیا جائے۔ آپ لوگوں کا یہ ایک بڑا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام درحقیقت خدا تھے اور وہی خالق ارض و سما تھے۔ اور ہمارا یہ بیان ہے کہ وہ سچے نبی ضرور تھے، رسول تھے، خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے۔ سو اِنہیں امور کے حقیقی فیصلہ کیلئے یہ مقابلہ ہوگا۔ مجھ کو خدا تعالیٰ نے براہ راست اطلاع دی ہے کہ جس تعلیم کو قرآن لایا ہے وہی سچائی کی راہ ہے۔ اسی پاک توحید کو ہر یک نبی نے اپنی اُمت تک پہنچایا ہے مگر رفتہ رفتہ لوگ بگڑ گئے اور خدا تعالیٰ کی جگہ انسانوں کو دے دی۔ غرض یہی امر ہے جس پر بحث ہوگی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی غیرت اپنا کام دکھلائے گی اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس مقابلہ سے ایک دنیا کیلئے مفید اور اثر انداز نتیجے نکلیں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اب کل دنیا یا ایک بڑا بھاری حصہ اُس کا ایک ہی مذہب قبول کر لے جو سچا اور زندہ مذہب ہو اور جس کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی مہربانی کا بادل ہو۔ چاہیے کہ یہ بحث صرف زمین تک محدود نہ رہے بلکہ آسمان بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ اور مقابلہ صرف اس بات میں ہو کہ روحانی زندگی اور آسمانی قبولیت اور روشن ضمیری کس مذہب میں ہے۔ اور میں اور میرا مقابل اپنی اپنی کتاب کی تاثیریں اپنے اپنے نفس میں ثابت کریں۔ ہاں! اگر یہ چاہیں کہ معقولی طور پر بھی ان دونوں عقیدوں کا بعد اس کے تصفیہ ہو جائے تو یہ بھی بہتر ہے مگر اس سے پہلے روحانی اور آسمانی آزمائش ضرور چاہئے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

خاکسار
غلام احمد قادیان ضلع گورداسپور
۲۳ر اپریل ۱۸۹۳ء

☆......☆......☆

شرائط انتظام مباحثہ قرار یافتہ مابین عیسائیاں و مسلمانان

(ترجمہ از انگریزی)

(۱) یہ مباحثہ امرتسر میں ہوگا۔

(۲) ہر ایک جانب میں صرف پچاس اشخاص حاضر ہونگے۔ پچاس ٹکٹ مرزا غلام احمد صاحب عیسائیوں کو دیں گے اور پچاس ٹکٹ ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب مرزا صاحب کو مسلمانوں کیلئے دیں گے۔ عیسائیوں کے ٹکٹ مسلمان جمع کریں گے اور مسلمانوں کے عیسائی۔

(۳) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسلمانوں کی طرف سے اور ڈپٹی عبداللہ آتھم خاں صاحب عیسائیوں کی طرف سے مقابلہ میں آئیں گے۔

(۴) سوائے ان صاحبوں کے اور کسی صاحب کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں یہ صاحب تین شخصوں کو بطور معاون منتخب کر سکتے ہیں مگر ان کو بولنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۵) مخالف جانب صحیح صحیح نوٹ بغرض اشاعت لیتے رہیں گے۔

(۶) کوئی صاحب کسی جانب سے ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ بول سکیں گے۔

(۷) انتظامی معاملات میں صدر انجمن کا فیصلہ ناطق مانا جائے گا۔

(۸) دو صدر انجمن ہوں گے۔ یعنی ایک ایک ہر طرف سے، جو اس وقت مقرر کئے جائیں گے۔

(۹) جائے مباحثہ کا تقرر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کے اختیار میں ہوگا۔

(۱۰) وقت مباحثہ ۶ بجے صبح سے ۱۱ بجے صبح تک ہوگا۔

(۱۱) کل وقت مباحثہ دو زمانوں پر تقسیم ہوگا۔

چھ دن یعنی روز پیر مئی ۲۲ سے ۲۷ مئی تک ہوگا۔ اس وقت میں مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنا یہ دعویٰ پیش کریں کہ ہر ایک مذہب کی صداقت زندہ نشانات سے ثابت کرنی چاہیے جیسے کہ انہوں نے اپنی چٹھی ۴ر اپریل ۱۸۹۳ء موسومہ ڈاکٹر کلارک صاحب میں ظاہر کیا ہے۔

(۱۲) پھر دوسرا سوال اُٹھایا جائے گا۔ پہلے مسئلہ الوہیت مسیح پر اور پھر مرزا صاحب کو اختیار ہوگا کہ کوئی اور سوال جو چاہیں پیش کریں مگر چھ دن کے اندر اندر۔

(۱۳) دوسرا زمانہ بھی چھ دن کا ہوگا یعنی مئی ۲۹ سے جون ۳ تک (اگر اس قدر ضرورت ہوئی) اس زمانہ میں مسٹر عبداللہ آتھم خان صاحب کو اختیار ہوگا کہ اپنے سوالات بہ تفصیل ذیل پیش کریں۔ (الف) رحم بلا مبادلہ (ب) جبر اور قدر (ج) ایمان بالجبر (د) قرآن کے خدائی کلام ہونے کا ثبوت (س) اس بات کا ثبوت کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رسول اللہ ہیں۔ وہ اور سوال بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ چھ دن سے زیادہ نہ ہو جائے۔

(۱۴) ٹکٹ ۱۵ مئی تک جاری ہو جانے چاہئیں۔ وہ ٹکٹ مفصلہ ذیل نمونہ کے ہوں گے۔

(۱۵) عیسائیوں اور ڈپٹی عبداللہ آتھم خان صاحب کی طرف سے یہ قواعد واجب الاطاعت اور یہ صحیح تحریر مانی گئی۔

بطور شہادت میں (جن کے دستخط نیچے درج ہیں) مسٹر عبداللہ آتھم خان صاحب کی طرف سے دستخط کرتا ہوں اور مذکورہ بالا شرائط میں سے کسی شرط کا توڑنا فریق توڑنے والے کی طرف سے ایک اقرار گریز خیال کیا جائے گا۔

(۱۶) تقریروں پر صاحبانِ صدر اور تقریر کنندگان اپنے اپنے دستخط اُن کی صحت کے ثبوت میں ثبت کریں گے۔

دستخط ہنری کلارک ایم۔ڈی وغیرہ امرتسر۔ ۲۴/ اپریل ۱۸۹۳ء

(نمونہ ٹکٹ)

مباحثہ مابین ڈپٹی عبداللہ آتھم خان صاحب امرتسری اور
مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
ٹکٹ داخلہ عیسائیوں کیلئے

داخل کرو.........کو
نمبر
دستخط مرزا صاحب

(نمونہ ٹکٹ)

مباحثہ مابین ڈپٹی عبداللہ آتھم خان
صاحب امرتسری اور
مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
ٹکٹ داخلہ فریق مسلمانوں کیلئے

داخل کرو.....................کو
نمبر
دستخط ڈاکٹر کلارک صاحب
امرتسر ۱۸۹۳ء/۴/۲۴

مکتوب نمبر ۶

رجسٹرڈ خط جو ۲۵؍اپریل کو پادری صاحب کے ۲۴؍اپریل کے خط کے جواب میں بھیجا گیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشفق مہربان پادری صاحب سلامت۔

بعد مَا وَجب۔ میں نے آپ کی چٹھی کو اوّل سے آخر تک سُنا۔ میں اُن تمام شرائط کو منظور کرتا ہوں جن پر آپ کے اور میرے دوستوں کے دستخط ہو چکے ہیں لیکن سب سے پہلے یہ بات تصفیہ پا جانی چاہئے کہ اس مباحثہ اور مقابلہ سے علّتِ غائی کیا ہے؟ کیا یہ انہیں معمولی مباحثات کی طرح ایک مباحثہ ہوگا جو سالہائے دراز سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں پنجاب اور ہندوستان میں ہو رہے ہیں؟ جن کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان تو اپنے خیال میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے عیسائیوں کو ہر ایک بات میں شکست دی ہے اور عیسائی اپنے گھر میں یہ باتیں کرتے ہیں کہ مسلمان لاجواب ہو گئے ہیں۔ اگر اسی قدر ہے تو یہ بالکل بے فائدہ اور تحصیل حاصل ہے اور بجز اس بات کے اس کا آخری نتیجہ کچھ نظر نہیں آتا کہ چندروز بحث مباحثہ کا شور و غوغا ہو کر پھر ہر یک فضول گو کو اپنی ہی طرف کا غلبہ ثابت کرنے کیلئے باتیں بنانے کا موقعہ ملتا رہے۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ حق کھل جائے اور ایک دنیا کو سچائی نظر آ جائے۔ اگر فی الحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہی ہیں اور وہی ربّ العالمین اور خالق السموات والارض ہے تو بیشک ہم لوگ کافر کیا اَکفر ہیں اور بیشک اس صورت میں دین اسلام حق پر نہیں ہے۔ لیکن اگر حضرت مسیح علیہ السلام صرف ایک بندہ، خدا تعالیٰ کا نبی اور مخلوقیت کی تمام کمزوریاں اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر یہ عیسائی صاحبوں کا ظلم عظیم اور کفر کبیر ہے کہ ایک عاجز بندہ کو خدا بنا رہے ہیں اور اس حالت میں قرآن کے کلام اللہ ہونے میں اِس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ دلیل نہیں کہ اُس نے نابود شدہ توحید کو پھر قائم کیا اور جو اصلاح ایک سچی کتاب کو کرنی چاہئے تھی وہ کر دکھائی

اور ایسے وقت میں آیا جس وقت میں اس کے آنے کی ضرورت تھی۔ یوں تو یہ مسئلہ بہت ہی صاف تھا کہ خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیسی ہونی چاہئیں مگر چونکہ اب عیسائی صاحبوں کو یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا اور معقولی اور منقولی بحثوں نے اس ملک ہندوستان میں کچھ ایسا ان کو فائدہ نہیں بخشا، اس لئے ضرور ہوا کہ اب طرز بحث بدل لی جائے۔ سو میری دانست میں اس سے اَنسب طریق اور کوئی نہیں کہ ایک روحانی مقابلہ مباہلہ کے طور پر کیا جائے اور وہ یہ کہ اوّل اسی طرح ہر چھ دن تک مباحثہ ہو، جس مباحثہ کو میرے دوست قبول کر چکے ہیں اور پھر ساتویں دن مباہلہ ہو اور فریقین مباہلہ میں یہ دعا کریں۔ مثلاً فریق عیسائی یہ کہے کہ وہ عیسیٰ مسیح ناصری جس پر میں ایمان لاتا ہوں، وہی خدا ہے اور قرآن انسان کا افترا ہے، خدا تعالیٰ کی کتاب نہیں اور اگر میں اس بات میں سچا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل ہو جس سے میری رسوائی ظاہر ہو جائے اور ایسا ہی یہ عاجز دعا کرے گا کہ اے کامل اور بزرگ خدا! میں جانتا ہوں کہ درحقیقت عیسیٰ مسیح ناصری تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ خدا ہرگز نہیں اور قرآن کریم تیری پاک کتاب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیرا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے، اور اگر میں اس بات میں سچا نہیں تو میرے پر ایک سال کے اندر کوئی ایسا عذاب نازل کر جس سے میری رُسوائی ظاہر ہو جائے اور اے خدا! میری رسوائی کیلئے یہ بات کافی ہوگی کہ ایک برس کے اندر تیری طرف سے میری تائید میں کوئی ایسا نشان ظاہر نہ ہو جس کے مقابلہ سے تمام مخالف عاجز رہیں۔ اور واجب ہوگا کہ فریقین کے دستخط سے یہ تحریر چند اخبارات میں شائع ہو جائے کہ جو شخص ایک سال کے اندر موردِ غضب الٰہی ثابت ہو جائے اور یا یہ کہ ایک فریق کی تائید میں کچھ ایسے نشان آسمانی ظاہر ہوں کہ دوسرے فریق کی تائید میں ظاہر و ثابت نہ ہو سکیں تو ایسی صورت میں فریق مغلوب یا تو فریق غالب کا مذہب اختیار کرے اور یا اپنی کل جائیداد کا نصف حصہ اس مذہب کی تائید کیلئے فریق غالب کو دے دے جس کی سچائی ثابت ہو۔☆

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

☆ (حجۃ الاسلام۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۶۹، ۷۰)

مکتوب نمبر ۷

(پادری جوالاسنگھ کے نام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشفقی پادری جوالاسنگھ صاحب

بعد ما وجب! چند روز ہوئے کہ آپ کا ایک طول طویل خط پہنچا مگر میں بباعث اپنے ضروری کاموں کے جواب نہ لکھ سکا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے کس قدر جلدی اپنے پہلے خط کے مضمون کے مخالف یہ خط لکھ دیا۔ آپ کا خط موجود ہے جس میں آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ جو نشان چاہو، میں دکھلا سکتا ہوں اور خداوند مسیح میری آواز سنتا ہے۔ اسی بنا پر میں نے جواب لکھا تھا کہ مجھے ضرور نہیں کہ میں اپنی طرف سے درخواست کروں کہ ایسا نشان دکھلاؤ بلکہ واجب ہے کہ ان نشانوں کے موافق دکھلاؤ جو خود آپ کے خداوند نے آپ کی ایمان داری کی نشانیاں قرار دی ہیں۔ اور اگر ایسا نشان دکھلا نہ سکو تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ یا تو یہ کہ آپ ایمان دار نہیں اور یا یہ کہ جس نے ایسی نشانیاں قرار دی ہیں وہ کذّاب اور دروغ گو ہے جو جھوٹے وعدوں کی بنا پر اپنے مذہب کو چلانا چاہتا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے میرے اس سوال کا کیا جواب دیا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ آپ نے اپنے خط میں ایسا ہی لکھا ہے کہ میں جو نشان چاہو دکھلا سکتا ہوں اور خداوند مسیح میری آواز سنتا ہے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو اب آپ کو اس خداوند مسیح کی نسبت اتنی جلدی کیوں شک پڑ گیا اور آپ کا اپنے دوسرے خط میں یہ جواب لکھنا کہ پہلے آپ نشان دکھلاؤ۔ پھر اس قسم کا نشان مَیں دکھلاؤں گا۔ یہ صریح وعدہ شکنی ہے۔ دعویٰ کر کے پھر اس دعویٰ سے منہ پھیر لینا، کیا یہ حق کے طالبوں کی نشانی ہے؟ جو شخص کسی نشان دکھلانے کیلئے توفیق دیا گیا ہے وہ پہلے بھی دکھلا سکتا ہے اور بعد بھی۔ اچھا ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ نشان دیکھنے کے بعد ہی نشان دکھلا دیں لیکن آپ صاف طور پر

اپنا اقرار تحریری لکھ بھیجیں کہ کسی نشان کے دیکھنے کے بعد یا تو میں اس کے مقابل یہ نشان دکھلاؤں گا اور یا بلاتوقف مسلمان ہو جاؤں گا اور اگر ایسا نہ کروں تو خدا تعالیٰ کی لعنت میرے پر ہو۔ پھر اس تحریر کے بعد ہم آپ کی پہلی تحریر کا آپ سے مؤاخذہ کریں گے۔ اور یہ آپ کا لکھنا کہ ہم کسی کوٹھڑی میں بیٹھ جائیں اور اس میں نشان دکھلاویں گے، یہ قرآن کریم کی تعلیم نہیں اور انجیل میں بھی پائی نہیں جاتی۔ شاید کوٹھڑیوں کا پُرانا خیال ہندوؤں کی تعلیم سے آپ کے دل میں باقی رہا ہو۔ ہم لوگ اپنے ربّ کریم کی تعلیم سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ میدانوں میں آؤ اور میدانوں میں اپنے دشمنوں کو ملزم کرو۔ سو ہم اپنے روشن چراغ کو کسی کوٹھڑی کے اندر چھپا نہیں سکتے بلکہ میدان کی اس اونچی جگہ پر رکھیں گے جس سے دور دور تک روشنی جائے۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ ان خطوط کی دوسرے کو خبر نہ ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ قول کس تعلیم کی بنا پر ہے؟ ہم کسی کام میں مخلوق سے نہیں ڈرتے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ درحقیقت ابن مریم خدا ہے تو سب سے پہلے ہم اس پر ایمان لاویں اور کسی بے عزتی اور مرنے سے نہ ڈریں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ عاجز انسان ہے اور ہم میں سے ایک ہے جو کسی کی آواز نہیں سن سکتا۔ اور پھر آپ اگر طالب حق ہیں تو اس بحث کو کیوں چھپاتے ہیں۔ کیا یہ اندیشہ ہے کہ اگر پادریوں کو خبر ہوگئی تو آپ نوکری سے برخاست کئے جائیں گے یا کوئی وظیفہ بند کیا جائے گا؟ چھپ چھپ کر بحث کرنا ایمان داروں کا کام نہیں۔ اور پھر آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن مسیح کے معجزات کا مصدق ہے، کس قدر آپ کی بے خبری ثابت کرتا ہے۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ مسیح ایک عاجز بندہ تھا، کبھی اُس نے خدائی کا دعوٰی نہ کیا اور اگر خدائی کا دعوٰی کرتا تو میں اُسے جہنم میں ڈالتا اور پھر قرآن کہتا ہے کہ مسیح کو جو کچھ بزرگی ملی وہ بوجہ تابعداری حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملی کیونکہ مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی خبر دی گئی اور مسیح آنجناب پر ایمان لایا اور بوجہ اس ایمان کے مسیح نے نجات پائی۔ پس قرآن کے رو سے مسیح کے مُنجّی پاک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور پھر قرآن نے ایسے مسیح کی تصدیق کہاں کی جو اپنے تئیں خدا ٹھہراتا ہے؟ بلکہ اس مسیح کی تصدیق کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور ایک عاجز بندہ کہوایا (کہ) یہ سچ ہے کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم سے، جو خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہے، بعض معجزات بھی صادر ہوئے ہیں۔ مگر کیا

اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ مسیح کی وہی تعلیم تھی جس پر آپ لوگ اصرار کر رہے ہیں اور کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ جس ایمان کی طرف مسیح نے آپ کو بلایا تھا وہ ایمان آپ کو حاصل ہے؟

اے عزیز! ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ جب تک مسیح کے قول کے موافق آپ میں ایمانداروں کی نشانیاں پائی نہ جائیں۔ اور اگر آپ قرآن کریم کی اس تصدیق سے کچھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں کہ اس نے مسیح کو صاحب معجزہ قرار دیا ہے اور اس کی تصدیق سے مسلمانوں پر اپنی حجت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اوّل لازم ہے کہ مسیح کی شرط کے موافق اپنے تئیں ایمان دار ثابت کریں۔ مسیح تو ایک طور پر آپ لوگوں کو بے ایمان کہہ چکا ہے۔ گویا کہہ چکا ہے کہ ان لوگوں سے دور رہو، کہ یہ مجھ میں سے نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں آپ کو مسیح سے تعلق کیا اور مسیح کو آپ سے کیا۔ اور آپ کو مسلمانوں سے بحث کرنے کا حق نہیں پہنچتا جب تک کہ انجیل کے رو سے اپنے تئیں سچا مسیحی ثابت نہ کریں۔ مجھے یاد ہے تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ پادری ڈاکٹر وائٹ بریخٹ صاحب جو مشن بٹالہ میں متعین ہیں ملاقات کیلئے معہ ایک دیسی عیسائی کے میرے مکان پر آئے۔ تو میں نے کہا کہ پادری صاحب! سچ کہیں کہ اس وقت کے عیسائی انجیل کی علامات کی رو سے سچے عیسائی کہلا سکتے ہیں؟ تو پادری صاحب کے منہ سے صاف یہی نکل گیا کہ نہیں! پادری صاحب بٹالہ میں زندہ موجود ہیں۔ دریافت کر لیں کہ آیا یہ میرا بیان صحیح ہے یا نہیں؟ پھر اگر قرآن نے مسیح کی تصدیق کی تو آپ لوگوں کو اس تصدیق سے کیا فائدہ؟ جب تک انجیل کی علامات کے رو سے اپنے تئیں ایمان دار ثابت نہ کریں۔ اور یاد رکھیں کہ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ تمام باتیں آپ کی دروغ اور لاف ہے۔ انسان کا پرستار آسمان سے مدد نہیں پا سکتا۔ جواب سے جلدی مسرور فرماویں اور بعض الفاظ اگر تلخ ہوں تو معاف فرماویں کیونکہ راست گوئی کو تلخی لازم پڑی ہوئی ہے۔

خاکسار

غلام احمد

از قادیان☆

۳۱؍جون ۱۸۹۳ء

☆الحکم ۳۰؍جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۳،۴

پادری فتح مسیح کے نام

تعارف: پادری فتح مسیح فتح گڑھ چوڑیاں کے مشن میں ملازم تھے۔ پادری وائٹ بریخٹ جو بٹالہ کے انچارج مشنری تھے اس کے بڑے حامی تھے۔ یہ شخص چونکہ اسلام سے مرتد ہوا تھا۔ اس لئے نہایت سخت زبان ہوگیا تھا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ارتداد انسان کے ارتداد کو پست کردیتا ہے اور یہ ایک قسم کی لعنت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں ایک مرتبہ اس نے لفافہ میں بند مضمون کے بتانے کا اعلان کیا۔ لیکن جب حضورؑ نے اس چیلنج کو قبول کرلیا تو بٹالہ کے مقام پر اسے دُم دبا کر بھاگنا پڑا۔ اور بٹالہ کے مشنری نے بھی اس کی اس قسم کی لاف وگزاف کو پسند نہ کیا۔ ان امور کی تفصیلات انشاء اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانحِ حیات (حیات احمد) میں آرہی ہیں۔

پھر یہ وہی پادری فتح مسیح ہے جس کے ایک خط کے جواب میں حضور نے رسالہ نورالقرآن شائع کیا تھا۔ یہ مکتوب جو میں آج شائع کررہا ہوں اسی پادری فتح مسیح کے نام ہے۔ اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک انعامی اشتہار ایک ہزار روپیہ کے سلسلہ میں فتح مسیح نے اس مقابلہ میں آنے کے لئے حضرت کو لکھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مکتوب کے بعد اس پر گویا موت طاری ہوگئی اور مقابلہ کی ہمت نہ پڑی۔ اور اس طرح پر وہ دعویٰ پھر ایک بار صحیح ثابت ہوا۔

چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را
کہ ناید کس بہ میدانِ محمدؐ

اس قدر بیان سے قارئین کرام کو فتح مسیح کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور مکتوب حضرت جن حقائق پر مشتمل ہے ان کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ (عرفانی)

مکتوب نمبر۸

ناظرین کے لئے ضروری اطلاع

ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا ہے جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سید و مولا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطیّبین وسیّد المطہّرین پر سراسر افترا سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہٰذا محض ایسے یاوہ لوگوں کے علاج کے لئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا یعنی اُن بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی اس شخص کی چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے پاکوں کو جو ہزارہا درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنی کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔ بعض نادان مولوی جن کو اندھے اور نابینا کہنا چاہیے۔

عیسائیوں کو معذور رکھتے ہیں کہ وہ بے چارے کچھ بھی منہ سے نہیں بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بے ادبی نہیں کرتے۔ لیکن یاد رہے کہ درحقیقت پادری صاحبان تحقیر اور توہین اور گالیاں دینے میں اوّل نمبر پر ہیں۔ ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جنہوں نے اپنی عبارت کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے جس مولوی کی خواہش ہو وہ آ کر دیکھ لیوے اور یاد رہے کہ آئندہ جو پادری صاحب گالی دینے کے طریق کو چھوڑ کر ادب سے کلام کریں گے ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آویں گے اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملہ کر رہے ہیں کہ کس طرح سبّ وشتم سے باز ہی نہیں آتے ہم سنتے سنتے تھک گئے اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو کیا اس مظلوم کا حق نہیں ہے کہ اس کے باپ کو بھی گالی دے اور ہم نے تو جو کچھ کہا واقعی کہا۔ **وانما الاعمال بالنیات**۔[1]

خاکسار

غلام احمد ☆

۲۰ر دسمبر ۱۸۹۵ء

---

[1] بخاری کتاب الایمان والنذور باب النیّۃ الایمان

☆ نورالقرآن حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۷۴، ۳۷۵

مکتوب نمبر۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ۔اما بعدواضح ہوکہ چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا اور اس میں ہمارے سیّد ومولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر زنا کی تہمت لگائی اور سوااس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سبّ وشتم استعمال کئے ۔اس لئے قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جاوے ۔لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔امید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اوراس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اورنہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شان مقدس کا بہرحال لحاظ ہےاورصرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کےعوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہےاوروہ بھی سخت مجبوری سے ۔کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کونکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے اوراب ہم اس کے خط کا جواب ذیل میں لکھتے ہیں ۔وھو ھذا

مشفقی پادری صاحب! بعد ما وجب ۔اس وقت مجھے بہت کم فرصت ہےمگر میں نے جب آپ کا وہ خط دیکھا جو آپ نے اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کے نام بھیجا تھا۔مناسب سمجھا کہ اپنے اس رسالہ کی جو زیر تالیف ہے خود ہی آپ کو بشارت دوں ۔تا آپ کو زیادہ تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہ رہے ۔یادرکھیں یہ رسالہ ایسا ہوگا کہ آپ بہت ہی خوش ہو جائیں گے ۔آپ کی اُن مہربانیوں کی وجہ سے جواَب کی دفعہ آپ کے خط میں بہت ہی پائی جاتی ہیں ۔میں نے مصمم ارادہ کر لیاہے کہ اس رسالہ کی وجہ اشاعت صرف آپ ہی کی درخواست قرار دی جاوے ۔کیونکہ جس مضمون کے لکھنے کیلئے اب ہم طیار ہیں ۔اگر آپ کا یہ خط نہ آیا ہوتا جس میں جناب **مقدس نبوی اور حضرت عائشہ صدیقہ** اورسودہ کی نسبت آپ نے بدزبانی کی ہےتو شاید وہ مضمون دیر کے بعد نکلتا۔ یہ آپ

کی بڑی مہربانی ہوئی کہ آپ ہی محرک ہوگئے۔امید ہے کہ دوسرے پادری صاحبان آپ پر بہت ہی خوش ہوں گے۔اور کچھ تعجب نہیں کہ ہمارا رسالہ نکلنے کے بعد آپ کی کچھ ترقی بھی ہو جاوے۔ پادری صاحب! ہمیں آپ کی حالت پر رونا آتا ہے کہ آپ زبان عربی سے تو بے نصیب تھے ہی مگر وہ علوم جو دینیات سے کچھ تعلق رکھتے ہیں جیسے طبعی اور طبابت، ان سے بھی آپ بے بہرہ ہی ثابت ہوئے۔آپ نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے نو برس کی رسم شادی کا ذکر لکھا ہے۔**اوّل** تو نو برس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثابت نہیں اور نہ اس میں کوئی وحی ہوئی اور نہ اخبار متواتر سے ثابت ہوا کہ ضرور نو برس ہی تھے۔صرف ایک راوی سے منقول ہے۔ عرب کے لوگ تقویم پترے نہیں رکھا کرتے تھے کیونکہ اُمّی تھے اور دو تین برس کی کمی بیشی ان کی حالت پر نظر کر کے ایک عام بات ہے۔جیسے کہ ہمارے ملک میں بھی اکثر ناخواندہ لوگ دو چار برس کے فرق کو اچھی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے۔پھر اگر فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ فی الواقع دن دن کا حساب کر کے نو برس ہی تھے لیکن پھر بھی کوئی عقلمند اعتراض نہیں کرے گا۔مگر احمق کا کوئی علاج نہیں۔ہم آپ کو اپنے رسالہ میں ثابت کر کے دکھاویں گے کہ حال کے محقق ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نو برس تک بھی لڑکیاں بالغ ہوسکتی ہیں۔بلکہ سات برس تک بھی اولاد ہوسکتی ہے۔اور بڑے بڑے مشاہدات سے ڈاکٹروں نے اس کو ثابت کیا ہے اور خود صدہا لوگوں کی یہ بات چشم دید ہے کہ اسی ملک میں آٹھ آٹھ نو نو برس کی لڑکیوں کے یہاں اولاد موجود ہے۔مگر آپ پر تو کچھ بھی افسوس نہیں اور نہ کرنا چاہئے کیونکہ آپ صرف متعصب ہی نہیں بلکہ اوّل درجہ کے احمق بھی ہیں۔ آپ کو اب تک اتنی خبر بھی نہیں کہ گورنمنٹ کے قانون عوام کی درخواست کے موافق انکی رسم اور سوسائٹی کی عام وضع کی بنا پر تیار ہوتے ہیں۔اُن میں فلاسفروں کی طرز پر تحقیقات نہیں ہوتی۔اور جو بار بار آپ گورنمنٹ انگریزی کا ذکر کرتے ہیں۔یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے شکرگزار ہیں اور اس کے خیر خواہ ہیں اور جب تک زندہ ہیں رہیں گے۔مگر تاہم ہم اس کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے اور نہ اس کے قوانین کو حکیمانہ تحقیقاتوں پر مبنی سمجھتے ہیں۔بلکہ قوانین بنانے کا اصول رعایا کی کثرت رائے ہے۔گورنمنٹ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تا وہ اپنے قوانین میں غلطی نہ کرے۔اگر ایسے ہی قوانین محفوظ ہوتے تو ہمیشہ نئے نئے قانون کیوں بنتے رہتے۔انگلستان میں

لڑکیوں کی بلوغ کا زمانہ اٹھارہ برس قرار دیا گیا ہے اور گرم ملکوں میں تو لڑکیاں بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔آپ اگر گورنمنٹ کے قوانین کو **کالوحی من السماء** سمجھتے ہیں کہ اُن میں امکان غلطی نہیں۔تو ہمیں بواپسی ڈاک اطلاع دیں تا انجیل اور قانون کا تھوڑا سا مقابلہ کر کے آپ کی کچھ خدمت کی جائے۔غرض گورنمنٹ نے اب تک کوئی اشتہار نہیں دیا کہ ہمارے قوانین بھی توریت اور انجیل کی طرح خطا اور غلطی سے خالی ہیں۔اگر آپ کو کوئی اشتہار پہنچا ہو تو اس کی ایک نقل ہمیں بھی بھیج دیں۔پھر اگر گورنمنٹ کے قوانین خدا کی کتابوں کی طرح خطا سے خالی نہیں تو اُن کا ذکر کرنا یا تو حمق کی وجہ سے ہے یا تعصّب کے سبب سے۔مگر آپ معذور ہیں۔اگر گورنمنٹ کو اپنے قانون پر اعتماد تھا تو کیوں ان ڈاکٹروں کو سزا نہیں دی جنہوں نے حال میں یورپ میں بڑی تحقیقات سے نو برس بلکہ سات برس کو بھی بعض عورتوں کے بلوغ کا زمانہ قرار دے دیا ہے اور نو برس کی عمر کے متعلق آپ اعتراض کر کے پھر توریت یا انجیل کا کوئی حوالہ نہ دے سکے صرف گورنمنٹ کے قانون کا ذکر کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا توریت اور انجیل پر ایمان نہیں رہا۔ورنہ نو برس کی حرمت یا تو توریت سے ثابت کرتے یا انجیل سے ثابت کرنی چاہئے تھی۔ **پادری صاحب یہی تو دجل ہے** کہ الہامی کتب کے مسائل میں آپ نے گورنمنٹ کے قانون کو پیش کر دیا۔اگر آپ کے نزدیک گورنمنٹ کے قانون کی تمام باتیں خطا سے خالی ہیں اور الہامی کتابوں کی طرح، بلکہ ان سے افضل ہیں۔تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جن نبیوں نے خلاف قانون انگریزی **کئی لاکھ شیر خوار بچے قتل کئے** اگر وہ اس وقت ہوتے تو گورنمنٹ اُن سے کیا معاملہ کرتی۔اگر وہ لوگ گورنمنٹ کے سامنے چالان ہو کر آتے جنہوں نے بیگانے کھیتوں کے خوشے توڑ کر کھا لئے تھے تو گورنمنٹ ان کو اور ان کے اجازت دینے والے کو کیا کیا سزا دیتی؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ وہ شخص جو انجیر کا پھل کھانے دوڑا تھا اور انجیل سے ثابت ہے کہ وہ انجیر کا درخت اس کی ملکیت نہ تھا بلکہ غیر کی مِلک تھا، اگر وہ شخص گورنمنٹ کے سامنے یہ حرکت کرتا تو گورنمنٹ اس کو کیا سزا دیتی؟ انجیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے سؤر جو بیگانہ مال تھے اور جن کی تعداد بقول پادری کلارک دو ہزار تھی۔مسیح نے تلف کئے۔اب آپ ہی بتلائیں کہ تعزیرات کی رو سے اس کی سزا کیا ہے؟ بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے جواب ضرور لکھیں تا اور بہت سے سوال کئے جائیں۔

پادری صاحب! آپ کا یہ خیال کہ نو برس کی لڑکی سے جماع کرنا زنا کے حکم میں ہے، سراسر غلط ہے۔ آپ کی ایمانداری یہ تھی کہ آپ انجیل سے اس کو ثابت کرتے۔ انجیل نے آپ کو دھکے دیئے اور وہاں ہاتھ نہ پڑا تو گورنمنٹ کے پیروں میں آپڑے یاد رکھیں کہ یہ گالیاں محض شیطانی تعصب سے ہیں۔ **جناب مقدس نبوی** کی نسبت فسق وفجور کی تہمت لگانا، یہ افترا شیطانوں کا کام ہے۔ ان دو مقدس نبیوں پر یعنی **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح علیہ السلام** پر بعض بدذات اور خبیث لوگوں نے سخت افترا کئے ہیں۔ چنانچہ ان پلیدوں نے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ** پہلے نبی کو زانی قرار دیا جیسا کہ آپ نے اور دوسرے کو ولد زنا کہا جیسا کہ **پلید طبع یہودیوں** نے۔ آپ کو چاہیے کہ ایسے اعتراضوں سے پرہیز کریں۔

اور یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی سودہ کو پیرانہ سالی کے سبب سے طلاق دینے کیلئے مستعد ہو گئے تھے، سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے اور جن لوگوں نے ایسی روائتیں کی ہیں وہ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ کس شخص کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارادہ ظاہر کیا۔ پس اصل حقیقت جیسا کہ کتب معتبرہ احادیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ خود سودہ نے ہی اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے دل میں یہ خوف کیا کہ اب میری حالت قابلِ رغبت نہیں رہی، ایسا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بباعث طبعی کراہت کے جو نشاء بشریت کو لازم ہے مجھ کو طلاق دے دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی امر کراہت کا بھی اس نے اپنے دل میں سمجھ لیا ہو اور اس سے طلاق کا اندیشہ دل میں جم گیا ہو کیونکہ عورتوں کے مزاج میں ایسے معاملات میں وہم اور وسوسہ بہت ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس نے خود بخود ہی عرض کر دیا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ آپ کی ازواج میں میرا حشر ہو چنانچہ **نیل الاوطار** کے صفحہ ۱۴۰ میں یہ حدیث ہے۔

ولقد قالت سودة بنت زمعة حين أسنّت وخافت أن يفارقها رسولُ اللّٰه ﷺ: يارسولَ اللّٰه وهبت يومى لعائشة فقبّل ذلك منها ورواه أيضاً ابن سعد و سعيد بن منصور والترمذى وعبدالرزاق قال الحافظ فى الفتح فتواردت هذه الروايات على انها خشيت الطلاق فوهبت۔ ☆

☆ نيل الاوطار شرح منتقى الاخبار. جلد٦ صفحه٢٤٦

یعنی سودہ بنت زمعہ کو جب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس بات کا خوف ہوا کہ اب شاید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو جاؤں گی تو اُس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنی نوبت عائشہ کو بخش دی۔ آپ نے اس کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ ابن سعد اور سعید ابن منصور اور ترمذی اور عبدالرزاق نے بھی یہی روایت کی ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ اسی پر روایتوں کا توارد ہے کہ سودہ کو آپ ہی طلاق کا اندیشہ ہوا تھا۔ اب اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا بلکہ سودہ نے اپنی پیرانہ سالی کی حالت پر نظر کر کے خود ہی اپنے دل میں یہ خیال قائم کر لیا تھا اور اگر ان روایات کے تَوارُد اور تظاہر کو نظر انداز کر کے فرض بھی کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طبعی کراہت کے باعث سودہ کو پیرانہ سالی کی حالت میں پا کر طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس میں بھی کوئی بُرائی نہیں اور نہ یہ امر کسی اخلاقی حالت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس امر پر عورت مرد کے تعلقات مخالطت موقوف ہیں۔ اگر اس میں کسی نوع سے کوئی ایسی روک پیدا ہو جائے کہ اس کے سبب سے مرد اس تعلق کے حقوق کی بجا آوری پر قادر نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں اگر اصول تقویٰ کے لحاظ سے کوئی کارروائی کرے تو عندالعقل کچھ جائے اعتراض نہیں۔

پادری صاحب! آپ کا یہ سوال کہ اگر آج ایسا شخص (جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے) گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ میں ہوتا تو گورنمنٹ اس سے کیا کرتی؟ آپ کو واضح ہو کہ اگر وہ سیّد الکونین اس گورنمنٹ کے زمانہ میں ہوتے تو یہ سعادت مند گورنمنٹ **اُن کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتی جیسا کہ قیصر روم صرف تصویر دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔** آپ کی یہ نالیاقتی اور ناسعادتی ہے کہ اس گورنمنٹ پر ایسی بدظنی رکھتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے مقدسوں کی دشمن ہے یہ گورنمنٹ اس زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ امیر مسلمانوں کی عزت کرتی ہے۔ دیکھو نصر اللہ خان جو اُس جناب کے غلاموں جیسا بھی درجہ نہیں رکھتا۔ ہماری قیصر ہند دام اقبالہا نے کیسی اُس کی عزت کی ہے۔ پھر وہ عالی جناب مقدس ذات جو اس دنیا میں بھی وہ مرتبہ رکھتا تھا کہ **بادشاہ اس کے قدموں پر گرتے تھے۔** اگر وہ اس وقت میں ہوتا تو بے شک یہ گورنمنٹ اس کی جناب سے خادمانہ اور متواضعانہ طور پر پیش آتی۔ الٰہی گورنمنٹ کے آگے انسانی گورنمنٹوں کو بجز عجز و نیاز کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ

قیصر روم جو آنجناب کے وقت میں عیسائی بادشاہ اور اس گورنمنٹ سے اقبال میں کچھ کم نہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے یہ سعادت حاصل ہوسکتی کہ میں اس عظیم الشان نبی کی صحبت میں رہ سکتا تو **میں آپ کے پاؤں دھویا کرتا**۔ سو جو قیصر روم نے کہا یقیناً یہ سعادت مند گورنمنٹ بھی وہی بات کہتی بلکہ اس سے بڑھ کر کہتی۔ اگر حضرت مسیح کی نسبت اس وقت کے کسی چھوٹے سے جاگیردار نے بھی یہ کلمہ کہا ہو جو قیصر روم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا جو آج تک نہایت صحیح تاریخ اور احادیث صحیحہ میں لکھا ہوا موجود ہے تو ہم آپ کو ابھی **ہزار روپیہ نقد بطور انعام دیں گے**۔ اگر آپ ثابت کر سکیں۔ اور اگر آپ اس کا ثبوت نہ دے سکیں تو اس ذلیل زندگی سے آپ کے لئے مرنا بہتر ہے کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ قیصر روم اس گورنمنٹ عالیہ کا ہم مرتبہ تھا بلکہ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی طاقت کے برابر اور کوئی طاقت دنیا میں موجود نہ تھی۔ ہماری گورنمنٹ تو اس درجہ تک نہیں پہنچی۔ پھر جب کہ **قیصر باوجود اس شہنشاہی کے آہ کھینچ کر یہ بات کہتا ہے کہ اگر میں اس عالی جناب کی خدمت میں پہنچ سکتا تو آنجناب مقدس کے پاؤں دھویا کرتا تو کیا یہ گورنمنٹ اُس سے کم حصہ لیتی**؟ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ضرور یہ گورنمنٹ بھی ایسے شہنشاہ کے پاؤں میں گرنا اپنا فخر سمجھتی کیونکہ یہ گورنمنٹ اس آسمانی بادشاہ سے منکر نہیں جس کی طاقتوں کے آگے انسان ایک مرے ہوئے کیڑے کے برابر نہیں اور ہم نے **ایک معتبر ذریعے سے سنا ہے کہ ہماری قیصرہ ہند ادام اللہ اقبالہا درحقیقت اسلام سے محبت رکھتی ہے** اور اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم ہے۔ چنانچہ ایک ذی علم مسلمان سے وہ اُردو بھی پڑھتی ہے۔ اُن کی ایسی تعریفوں کو سن کر میں نے اسلام کی **طرف ایک خاص دعوت سے حضرت ملکہ معظّمہ کو مخاطب کیا تھا**۔ پس یہ نہایت غلطی ہے کہ آپ لوگ اس مراتب شناس گورنمنٹ کو بھی ایک سفلہ اور کمینہ پادری کی طرح خیال کرتے ہیں۔ جن کو خدا ملک اور دولت دیتا ہے اُن کو زیرکی اور عقل بھی دیتا ہے۔ ہاں اگر یہ سوال پیش ہو کہ اگر کوئی ایسا شخص اس گورنمنٹ کے ملک میں یہ غوغا مچاتا کہ **میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں تو گورنمنٹ اس کا تدارک کیا کرتی**؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ مہربان گورنمنٹ **اُس کو کسی ڈاکٹر کے سپرد کرتی تا اس کے دماغ کی اصلاح ہو یا اس بڑے گھر میں محفوظ رکھتی جس میں بمقام لاہور اس قسم کے بہت لوگ جمع ہیں**۔

جب ہم حضرت مسیح اور جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات میں بھی مقابلہ کرتے ہیں کہ موجودہ گورنمنٹوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور کس قدر اُن کے ربّانی رعب یا الٰہی تائید نے اثر دکھایا تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح میں بمقابلہ جناب مقدس نبوی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے **خدائی تو کیا نبوت کی شان بھی پائی نہیں جاتی**۔ جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جب بادشاہوں کے نام فرمان جاری ہوئے تو قیصر روم نے آہ کھینچ کر کہا کہ میں تو عیسائیوں کے پنجہ میں مبتلا ہوں۔ کاش اگر مجھے اس جگہ سے نکلنے کی گنجائش ہوتی تو میں اپنا فخر سمجھتا کہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور **غلاموں کی طرح جناب مقدس کے پاؤں دھویا کروں**۔ مگر ایک خبیث اور پلید دل بادشاہ کسریٰ ایران کے فرمانروا نے غصہ میں آکر آپؐ کے پکڑنے کیلئے سپاہی بھیج دیئے۔ وہ شام کے قریب پہنچے اور کہا کہ ہمیں گرفتاری کا حکم ہے۔ آپؐ نے اس بیہودہ بات سے اعراض کر کے فرمایا تم اسلام قبول کرو۔ اس وقت آپ صرف دو چار اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے مگر ربّانی رعب سے وہ دونوں بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ ہمارے خداوند کے حکم یعنی گرفتاری کی نسبت **جناب عالی کا کیا جواب ہے تو ہم جواب ہی لے جائیں**۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کل تمہیں جواب ملے گا۔ صبح کو جو وہ حاضر ہوئے تو آنجناب نے **فرمایا کہ وہ جسے تم خداوند، خداوند کہتے ہو وہ خداوند نہیں ہے، خداوند وہ ہے جس پر موت اور فنا طاری نہیں ہوتی مگر تمہارا خداوند آج رات کو مارا گیا**۔ میرے سچے خداوند نے اسی کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلّط کر دیا۔ **سو وہ آج رات اس کے ہاتھ سے قتل ہو گیا اور یہی جواب ہے۔ یہ بڑا معجزہ تھا**۔ اس کو دیکھ کر اس ملک کے ہزار ہا لوگ ایمان لائے۔ کیونکہ اُسی رات درحقیقت خسرو پرویز یعنی **کسریٰ** مارا گیا تھا۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بیان انجیلوں کی بے سروپا اور بے اصل باتوں کی طرح نہیں بلکہ احادیث صحیحہ اور تاریخی ثبوت اور مخالفوں کے اقرار سے ثابت ہے۔ چنانچہ ڈیونپورٹ[۱] صاحب نے بھی اس قصہ کو اپنی کتاب میں لکھا ہے لیکن اس وقت کے بادشاہوں کے سامنے حضرت مسیح کی جو عزت تھی وہ آپ پر پوشیدہ نہیں۔ وہ اوراق شاید اب تک انجیل میں موجود ہوں گے جن میں لکھا ہے کہ ہیرودیس نے حضرت مسیح کو مجرموں کی طرح پلاطوس کی

۱ JOHN DEVENPORT

طرف چالان کیا اور وہ ایک مدت تک شاہی حوالات میں رہے۔ **کچھ بھی خدائی پیش نہیں گئی** اور کسی بادشاہ نے یہ نہ کہا کہ میرا فخر ہوگا اگر میں اس کی خدمت میں رہوں اور اس کے پاؤں دھویا کروں۔ بلکہ پلاطوس نے یہودیوں کے حوالے کر دیا۔ کیا **یہی خدائی تھی؟ عجیب مقابلہ ہے**۔ دو شخصوں کو ایک ہی قسم کے واقعات پیش آئے اور دونوں نتیجہ میں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ثابت ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے گرفتار کرنے کو ایک متکبر جبار کا شیطان کے وسوسہ سے برانگیختہ ہونا اور خود آخر لعنت الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے بیٹے کے ہاتھ سے بڑی ذلّت کے ساتھ قتل کیا جانا اور ایک دوسرا انسان ہے جسے قطع نظر اپنے اصلی دعوؤں کے غلو کرنے والوں نے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ سچ مچ گرفتار ہو جانا، چالان کیا جانا اور **عجیب ہیئت کے ساتھ ظالم پولیس کی حوالت میں** ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جانا...... افسوس یہ عقل کی ترقی کا زمانہ اور ایسے **بیہودہ عقائد**۔ شرم! شرم! شرم!!!

اگر یہ کہو کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ قیصر روم نے یہ تمنا کی کہ اگر میں جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ سکتا تو میں ایک ادنیٰ خادم بن کر پاؤں دھویا کرتا۔ اس کے جواب میں آپ کے لئے **اصح الکتب بعدہ کتاب اللّٰہ صحیح بخاری** کی عبارت لکھتا ہوں۔ ذرا آنکھیں کھول کر پڑھو اور وہ یہ ہے:۔

وَقَدْ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّہٗ خَارِجٌ لَمْ اَکُنْ اَظُنُّ اَنَّہٗ مِنْکُمْ فَلَوْ اَنِّیْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اَخْلُصُ اِلَیْہِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَ ہٗ وَلَوْ کُنْتُ عِنْدَہٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَیْہِ[1]

یعنی یہ تو مجھے معلوم تھا کہ نبی آخر الزمان آنے والا ہے مگر مجھ کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ تم میں سے ہے (اے اہل عرب) پیدا ہوگا۔ پس اگر میں اس کی خدمت میں پہنچ سکتا تو میں بہت ہی کوشش کرتا کہ اس کا دیدار مجھے نصیب ہو اور اگر میں اس کی خدمت میں ہوتا تو میں اس کے پاؤں دھویا کرتا۔ اب اگر کچھ غیرت اور شرم ہے تو مسیح کیلئے۔ یہ تعظیم کسی بادشاہ کی طرف سے جو اس کے زمانہ میں تھا، پیش کرو اور **نقد ہزار روپیہ ہم سے لو** اور کچھ ضرورت نہیں کہ انجیل ہی سے، بلکہ پیش کرو اگرچہ کوئی نجاست میں پڑا ہوا ورق ہی پیش کر دو۔ اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر نہیں تو کوئی چھوٹا سا نواب ہی پیش

[1] بخاری کتاب بدء الوحی

کردو۔ اور یادرکھو کہ ہرگز ہرگز پیش نہ کرسکو گے۔ پس یہ عذاب بھی جہنم کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہ آپ ہی بات کو اُٹھا کر پھر آپ ہی ملزم ہو گئے۔ شاباش! شاباش! شاباش! خوب پادری ہو۔

مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ **ایک کھاؤ پیو، شرابی، نہ زاہد، نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔** مگر اس سے پہلے اور بھی کئی خدائی کا دعویٰ کرنے والے گزر چکے ہیں۔ ایک مصر میں ہی موجود تھا۔ دعوؤں کو الگ کر کے کوئی اخلاقی حالت جو فی الحقیقت ثابت ہو ذرا پیش تو کرو تا حقیقت معلوم ہو۔ کسی کی محض باتیں اس کے اخلاق میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ آپ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ مرتد جو خود خونی اور اپنے کام سے سزا کے لائق ٹھہر چکے تھے بے رحمی سے قتل کئے گئے مگر آپ کو یاد نہ رہا کہ اسرائیلی نبیوں نے تو شیر خوار بچے بھی قتل کئے، ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں تک نوبت پہنچی۔ کیا ان کی نبوت سے منکر ہو یا وہ خدا کا حکم نہیں تھا یا **موسیٰ کے وقت خدا اور تھا اور جناب محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کے **وقت کوئی اور خدا تھا۔**

اے ظالم پادری! کچھ شرم کر آخر مرنا ہے۔ مسیح بے چارہ تمہاری جگہ جواب دہ نہیں ہوسکتا۔ اپنے کاموں سے تمہی پکڑے جاؤ گے، اس سے کوئی پُرسش نہ ہوگی۔ **اے نادان! تُو اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا** دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں تجھے نظر نہیں آتا۔ تیری آنکھیں کیا ہوئیں جو تُو اپنی آنکھوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

زینب کے نکاح کا قصّہ جو آپ نے زنا کے الزام سے ناحق پیش کر دیا۔ بجز اس کے کیا کہیں کہ۔ ع

بد گہر از خطا خطا نہ کند

اے نالائق! متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنا زنا نہیں۔ صرف منہ کی بات سے نہ کوئی بیٹا بن سکتا ہے اور نہ کوئی باپ بن سکتا ہے اور نہ ماں بن سکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی غصہ میں آکر اپنی بیوی کو ماں کہہ دے تو کیا وہ اس پر حرام ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی؟ بلکہ وہ بدستور اسی ماں سے مجامعت کرتا رہے گا پس جس شخص نے یہ کہا کہ طلاق بغیر زنا کے نہیں ہوسکتی (ہے)۔ اس نے خود قبول کر لیا کہ صرف اپنے منہ سے کسی کو ماں یا باپ یا بیٹا کہہ دینا کچھ چیز نہیں ورنہ وہ ضرور کہہ دیتا کہ ماں کہنے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔ مگر شاید کہ مسیح کو وہ عقل نہ تھی جو فتح مسیح کو ہے۔ اب تم پر فرض ہے کہ

اس بات کا ثبوت انجیل میں سے دو کہ اپنی عورت کو ماں کہنے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔ یا یہ کہ اپنے مسیح کی تعلیم کو ناقص مان لو یا یہ ثبوت دو کہ بائیبل کی رو سے متبنّٰی فی الحقیقت بیٹا ہو جاتا اور بیٹے کی طرح وارث ہو جاتا ہے اور اگر کچھ ثبوت نہ دے سکو تو بجز اس کے اور کیا کہیں **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**۔ **مسیح بھی تم پر لعنت کرتا ہے** کیونکہ مسیح نے انجیل میں کسی جگہ نہیں کہا کہ اپنی عورت کو ماں کہنے سے اس پر طلاق پڑ جاتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ تینوں امر ہم شکل ہیں۔ اگر صرف منہ کے کہنے سے ماں نہیں بن سکتی تو پھر بیٹا بھی نہیں بن سکتا اور نہ باپ بن سکتا ہے۔ اب اگر کچھ حیا ہو تو **مسیح کی گواہی قبول کر لو یا اس کا کچھ جواب دو اور یاد رکھو کہ ہرگز نہیں دے سکو گے**۔ اگر چہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاؤ۔[1] کیونکہ تم **کاذب** ہو اور **مسیح تم سے بیزار ہے** اور آپ کا یہ شیطانی وسوسہ کہ خندق کھودنے کے وقت چاروں نمازیں قضا کی گئیں۔ اوّل آپ لوگوں کی علمیت تو یہ ہے کہ قضا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اے نادان! قضا نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ ترک نماز کا نام قضا ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی نماز ترک ہو جاوے تو اس کا نام فوت ہے۔ اسی لئے ہم نے **پانچ ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا** کہ ایسے بیوقوف بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جن کو ابھی قضا کے معنی بھی معلوم نہیں۔ جو شخص لفظوں کو بھی اپنے محل پر استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ نادان کب یہ لیاقت رکھتا ہے کہ امور دقیقہ پر نکتہ چینی کر سکے۔ باقی رہا یہ کہ خندق کھودنے کے وقت چار نمازیں جمع کی گئیں۔ اس احمقانہ وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں حرج نہیں ہے یعنی ایسی سختی نہیں جو انسان کی تباہی کا موجب ہو۔ اس لئے اس نے ضرورتوں کے وقت اور بلاؤں کی حالت میں نمازوں کے جمع کرنے اور قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر اس مقام میں ہماری کسی معتبر حدیث میں چار (**نمازیں**) جمع کرنے کا ذکر نہیں بلکہ **فتح الباری** شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ واقعہ صرف یہ ہوا تھا کہ ایک نماز یعنی صلوٰۃ العصر معمول سے تنگ وقت میں ادا کی گئی۔ اگر آپ اس وقت ہمارے سامنے ہوتے تو ہم ذرا آپ کو بٹھا کر پوچھتے کہ کیا یہ متفق علیہ روایت ہے کہ چار نمازیں فوت ہو گئی تھیں۔ **چار نمازیں تو خود شرع کے رو سے جمع ہو سکتی ہیں** یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء۔ ہاں ایک روایت ضعیف میں ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو اکٹھی کر کے پڑھی گئیں تھیں لیکن دوسری **صحیح حدیثیں** اس کو ردّ کرتی ہیں اور صرف

---

[1] اس کا جواب نہ ہو سکا اور فتح مسیح مر گیا (عرفانی)

یہی ثابت ہوتا ہے کہ **عصر تنگ وقت میں پڑھی گئی تھی**۔ آپ **عربی علم** سے **محض** بے نصیب اور سخت جاہل ہیں۔ **ذرا قادیان کی طرف آؤ اور ہمیں ملو** تو پھر آپ کے آگے کتابیں رکھی جائیں گی تا جھوٹے مفتری کو کچھ سزا تو ہو۔ **ندامت کی سزا ہی سہی اگرچہ ایسے لوگ شرمندہ بھی نہیں ہوا کرتے۔**

مال مسروقہ کو آپ کے مسیح کے روبرو بزرگ حواریوں کا کھانا یعنی بیگانے کھیتوں کی بالیاں توڑنا۔ کیا یہ درست تھا؟ اگر کسی جنگ میں کفّار کے بلوے اور خطرناک حالت کے وقت نماز عصر تنگ وقت پر پڑھی گئی تو اس میں صرف یہ بات تھی کہ دو عبادتوں کے جمع ہونے کے وقت اس عبادت کو مقدم سمجھا گیا۔ جس میں کفّار کے خطرناک حملہ کی روک اور اپنے حقوق نفس اور قوم اور ملک کی جائز اور بجا محافظت تھی اور یہ تمام کارروائی اس شخص کی تھی جو شریعت لایا اور یہ بالکل قرآن کریم کے منشاء کے مطابق تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰى [1] یعنی نبی کی ہر ایک بات خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔ نبی کا زمانہ نزول شریعت کا زمانہ ہوتا ہے اور شریعت وہی ٹھہر جاتی ہے جو نبی عمل کرتا ہے۔ ورنہ جو جو کارروائیاں مسیح نے توریت کے برخلاف کی ہیں۔ یہاں تک کہ سبت کی بھی پرواہ نہ رکھی اور کھانے پر ہاتھ نہ دھوئے۔ وہ سب مسیح کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ ذرا توریت سے ان سب کا ثبوت تو دو۔ مسیح پطرس کو شیطان کہہ چکا تھا۔ پھر اپنی بات کیوں بھول گیا اور شیطان کو حواریوں میں کیوں داخل رکھا؟

اور پھر آپ کا اعتراض ہے کہ بہت سی عورتوں اور لونڈیوں کو رکھنا یہ فسق و فجور رہے۔ **اے نادان!** حضرت داؤد علیہ السلام نبی کی بیبیاں تجھ کو یاد نہیں، جس کی تعریف کتاب مقدس میں ہے۔ کیا وہ اخیر عمر تک حرام کاری کرتا رہا۔ کیا اسی حرامکاری کی یہ پاک ذرّیت ہے جس پر تمہیں بھروسہ ہے۔ **جس خدا نے اوریا کی بیوی کے بارہ میں داؤد پر عتاب کیا کیا؟ وہ داؤد کے اس جرم سے غافل رہا؟** جو مرتے دم تک اس سے سرزد ہوتا رہا بلکہ خدا نے اس کی چھاتی گرم کرنے کو ایک اور لڑکی بھی اُسے دی۔ اور آپ کے خدا کی شہادت موجود ہے کہ داؤد اوریا کے قصہ کے سوا اپنے کاموں میں راستباز رہے۔ کیا

---

[1] النجم: ۴،۵

کوئی عقلمند قبول کر سکتا ہے کہ اگر کثرت ازدواج خدا کی نظر میں بُری تھی تو خدا اسرائیلی نبیوں کو جو کثرتِ ازدواج میں سب سے بڑھ کر نمونہ ہیں، ایک مرتبہ بھی اس فعل پر سرزنش نہ کرتا۔ پس یہ سخت بے ایمانی ہے کہ جو بات خدا کے پہلے نبیوں میں موجود ہے اور خدا نے اُسے قابل اعتراض نہیں ٹھہرایا۔ اب شرارت اور خباثت سے جناب مقدس نبوی کی نسبت قابل اعتراض ٹھہرائی جاوے۔ افسوس یہ لوگ ایسے بے شرم ہیں کہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر ایک سے اوپر بیوی کرنا زنا کاری ہے تو حضرت مسیح جو داؤد کی اولاد کہلاتے ہیں اُن کی پاک ولادت کی نسبت سخت شُبہ پیدا ہوگا اور کون ثابت کر سکے گا کہ اِن کی بڑی نانی حضرت داؤد کی پہلی ہی بیوی تھی۔

پھر آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام لے کر اعتراض کرتے ہیں کہ جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن سے بدن لگانا اور زبان چوسنا خلاف شرع تھا۔ اب اس ناپاک تعصب پر کہاں تک روویں۔ **اے نادان!** جو حلال اور جائز نکاح ہیں ان میں یہ سب باتیں جائز ہوتی ہیں۔ یہ اعتراض کیسا ہے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ **مردی اور رجولیّت انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے۔ ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔** جیسے بہرہ اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں! یہ اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفات کی اعلیٰ ترین صفت سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازواج سے سچی اور کامل حُسنِ معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔ اس لئے یورپ کی عورتیں نہایت قابل شرم آزادی سے فائدہ اُٹھا کر اعتدال کے دائرہ سے **اِدھر اُدھر نکل گئیں اور آخر ناگفتنی فسق و فجور تک نوبت پہنچی۔**

اے نادان! فطرت انسانی اور اس کے سچے پاک جذبات سے اپنی بیویوں سے پیار کرنا اور حُسنِ معاشرت کے ہر قسم جائز اسباب کو برتنا انسان کا طبعی اور اضطراری خاصہ ہے۔ اسلام کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اُسے برتا اور اپنی جماعت کو نمونہ دیا۔ مسیح نے اپنے نقص تعلیم کی وجہ سے اپنے ملفوظات اور اعمال میں یہ کمی رکھ دی۔ مگر چونکہ طبعی تقاضا تھا اس لئے یورپ اور عیسویت نے خود اس کے لئے ضوابط نکالے۔ اب تم خود انصاف سے دیکھ لو کہ گندی سیاہ بدکاری اور ملک کا ملک رنڈیوں کا ناپاک چکلہ بن جانا، **ہائیڈ پارکوں میں ہزاروں ہزار کا روز روشن میں کتّوں اور کتیوں کی طرح اوپر تلے ہونا اور آخر اس ناجائز آزادی سے تنگ آ کر آہ و فغاں کرنا اور برسوں**

دَیُّوثیوں اور سیاہ رویئوں کے مصائب جھیل کر اخیر میں مسودۂ طلاق پاس کرانا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟ کیا اس مقدس مطہر، مزکی، نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کے اس نمونہ کا جس پر خباثت باطنی کی تحریک سے آپ معترض ہیں، یہ نتیجہ ہے اور ممالک اسلامیہ میں یہ تعفّن اور زہریلی ہوا پھیلی ہوئی ہے یا ایک سخت ناقص، نالائق کتاب، پولوسی انجیل کی مخالف فطرت اور ادھوری تعلیم کا یہ اثر ہے؟ اب دوزانو ہوکر بیٹھو اور یوم الجزاء کی تصویر کھینچ کر غور کرو۔

ہاں! **مسیح کی دادیوں اور نانیوں کی نسبت جو اعتراض ہے**، اس کا جواب بھی کبھی آپ نے سوچا ہوگا۔ ہم تو سوچ کر تھک گئے۔ اب تک کوئی عمدہ جواب خیال میں نہیں آیا۔ کیا ہی خوب خدا ہے جس کی دادیاں اور نانیاں اس کمال کی ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ ہم بقول آپ کے **مردمیدان بن کر ہی رسالہ لکھیں گے!** اور آپ کو دکھائیں گے کہ وساوس کی بیخ کنی اسے کہتے ہیں۔ اس جاہل گمراہ کو شکست دینا کونسی بڑی بات ہے جو انسان کو خدا بناتا ہے۔ مگر آپ از راہِ مہربانی ان چند باتوں کا جو میں نے دریافت کی ہیں، ضرور جواب لکھیں اور ان الفاظ سے ناراض نہ ہوں جو لکھے گئے ہیں کیونکہ الفاظ محل پر چسپاں ہیں اور آپ کی شان کے شایان ہیں۔ جس حالت میں آپ نے باوجود بے علمی اور جہالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سیّد المطہّرین ہیں، زنا کی تہمت لگائی جو اس پلید اور جھوٹ افتراء کا یہی جواب تھا جو آپ کو دیا گیا۔ ہم نے بہتیرا چاہا کہ آپ لوگ بھلے مانس بن جاویں اور گالیاں نہ دیا کریں مگر آپ لوگ نہیں مانتے۔ آپ ناحق اہل اسلام کا دل دکھاتے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے جو انسان کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔ اگر آپ لوگ مسیح کے خیر خواہ ہوتے تو ہم سے جناب مقدس نبوی کے ذکر میں بادب پیش آتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ تم اپنے باپ کو گالی مت دو۔ لوگوں نے عرض کی کہ کوئی باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب تُو کسی کے باپ کو بھی گالی دے گا تو وہ ضرور تیرے باپ کو بھی گالی دے گا۔ تب وہ گالی اس نے نہیں دی بلکہ تُو نے دی ہے۔ اسی طرح آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے بودے جھوٹے خدا کی بھی اچھی طرح بھگت سنواری جائے۔ اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں کہ اگر پھر ایسے ناپاک لفظ آپ نے استعمال کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی

وہ خبر لیں گے جس سے اس کی تمام خدائی ذلّت کی نجاست میں گرے گی۔

اے نالائق! کیا تو اپنے خط میں سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو زنا کی تہمت لگاتا ہے اور فاسق فاجر قرار دیتا ہے اور ہمارا دل دکھاتا ہے۔ ہم کسی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرتے اور نہ کریں گے مگر آئندہ کیلئے سمجھاتے ہیں کہ ایسی ناپاک باتوں سے باز آ جاؤ اور خدا سے ڈرو جس کی طرف پھرنا ہے اور حضرت مسیح کو بھی گالیاں مت دو۔ یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت بُرا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ **خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔ فقط**☆

☆ نور القرآن۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۷۴ تا ۳۹۵

۞ مکتوب نمبر۱۰

بقیہ اعتراضات پادری فتح مسیح صاحب جس کو اُنہوں نے دوسرے خط میں ظاہر کیا

ایک یہ اعتراض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے اور اپنے دین کو چھپا لینے کے واسطے قرآن میں صاف حکم دے دیا ہے مگر انجیل نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی اجازت نہیں دی اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ جس قدر راستی کے التزام کیلئے قرآن شریف میں تاکید ہے۔ میں ہرگز باور نہیں کرسکتا کہ انجیل میں اس کا عشر عشیر بھی تاکید ہو۔ بیس برس کے قریب عرصہ ہوگیا کہ میں نے اسی بارہ میں ایک اشتہار دیا تھا اور قرآنی آیات لکھ کر اور عیسائیوں وغیرہ کو ایک رقم کثیر بطور انعام دینا کرکے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جسے ان آیات میں راست گوئی کی تاکید ہے۔ اگر کوئی عیسائی اس زور وشور کی تاکید انجیل میں سے نکال کر دکھلاوے تو اس قدر انعام اس کو دیا جائے گا۔ مگر پادری صاحبان اب تک ایسے چپ رہے کہ گویا ان میں جان نہیں۔ اب مدت کے بعد فتح مسیح صاحب کفن میں سے بولے شاید بوجہ امتداد زمانہ ہمارا وہ اشتہار ان کو یاد نہیں رہا۔ پادری صاحب آپ خس وخاشاک کو سونا بنانا چاہتے ہیں۔ اور سونے کی کان سے منہ مروڑ کر اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں۔ اگر یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن شریف نے دروغ گوئی کو بُت پرستی کے برابر ٹھیرایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[1] یعنی بتوں کی پلیدی اور جھوٹ کی پلیدی سے پرہیز کرو۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ[2] یعنی اے ایمان والو انصاف اور راستی پر قائم ہو جاؤ اور سچی گواہیوں کو للہ ادا کرو اگر چہ تمہاری جانوں پر

---

[1] الحج: ۳۱ [2] النساء: ۱۳۶

ان کا ضرر پہنچے یا تمہارے ماں باپ اور تمہارے اقارب ان گواہیوں سے نقصان اُٹھاویں۔
اب اے ناخدا ترس ذرا انجیل کو کھول اور ہمیں بتلا کہ راست گوئی کے لئے ایسی تاکید انجیل میں کہاں ہے۔ اور اگر ایسی تاکید ہوتی تو پطرس اوّل درجہ کا حواری کیوں جھوٹ بولتا اور کیوں جھوٹی قسم کھا کر اور حضرت مسیح پر لعنت بھیج کر صاف منکر ہو جاتا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم محض راست گوئی کی وجہ سے شہید ہوتے رہے اور الٰہی گواہی کو انہوں نے ہرگز مخفی نہ رکھا گو ان کے خون سے زمین سرخ ہوگئی مگر انجیل سے ثابت ہے کہ خود آپ کے یسوع صاحب ہی اس شہادت☆ کو مخفی رکھتے ہیں۔ جس کا ظاہر کرنا ان پر واجب تھا اور وہ ایمان بھی دکھلا نہ سکے۔ جو مکہ میں مصائب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھلایا تھا۔ امید کہ آپ اس سے منکر نہیں ہوں گے اور اگر خیانت کے طور پر منکر بھی ہو گئے تو وہ تمام مقام ہم دکھلا دیں گے۔ بالفعل صرف نمونہ کے طور پر ثبوت میں لکھا گیا۔
اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ مگر یہ آپ کو اپنی جہالت کی وجہ سے غلطی لگی ہے اور اصل بات یہی ہے کہ کسی حدیث میں جھوٹ بولنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بلکہ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں کہ اِنْ قُتِلْتَ وَاُحْرِقْتَ یعنی سچ کو مت چھوڑ اگرچہ تو قتل کیا جائے اور جلایا جائے۔ پھر جس حالت میں قرآن کہتا ہے کہ تم انصاف اور سچ مت چھوڑو۔ اگرچہ تمہاری جانیں بھی اس سے ضائع ہوں اور حدیث کہتی ہے کہ اگرچہ تم جلائے جاؤ اور قتل کئے جاؤ۔ مگر سچ ہی بولو۔ تو پھر اگر فرض کے طور پر کوئی حدیث قرآن اور احادیث صحیحہ کی مخالف ہو تو وہ قابل سماعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم لوگ اسی حدیث کو قبول کرتے ہیں۔ جو احادیثِ صحیحہ اور قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔ ہاں بعض احادیث میں توریہ کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کو نفرت دلانے کی غرض سے کذب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ایک جاہل اور احمق جب ایسا لفظ کسی حدیث میں بطور تسامح کے لکھا ہوا پاوے تو شاید اس کو حقیقی کذب ہی سمجھ لے۔ کیونکہ وہ اس قطعی فیصلہ سے بے خبر ہے کہ حقیقی کذب اسلام میں پلید اور حرام اور شرک کے برابر ہے۔ مگر توریہ جو درحقیقت کذب نہیں گو کذب کے رنگ میں ہی اضطرار کے وقت عوام کے واسطے اس کا

☆ دیکھو متی ۱۶ باب آیت ۲۰

جواز حدیث سے پایا جاتا ہے مگر پھر بھی لکھا ہے کہ افضل وہی لوگ ہیں۔ جو توریہ سے بھی پرہیز کریں۔

اور توریہ اسلامی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے ایک بات کو چھپانے کیلئے یا کسی اور مصلحت پر ایک راز کی بات مخفی رکھنے کی غرض سے ایسی مثالوں اور پیرایوں میں اس کو بیان کیا جائے کہ عقلمند تو اس بات کو سمجھ جائے اور نادان کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کا خیال دوسری طرف چلا جائے جو متکلم کا مقصود نہیں۔ اور غور کرنے کے بعد معلوم ہو کہ جو کچھ متکلم نے کہا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بلکہ حق محض ہے۔ اور کچھ بھی کذب کی اس میں آمیزش نہ ہو۔ اور نہ دل نے ایک ذرہ بھی کذب کی طرف میل کیا ہو۔ جیسا کہ بعض احادیث میں دو مسلمانوں میں صلح کرانے کیلئے یا اپنی بیوی کو کسی فتنہ اور خانگی ناراضگی اور جھگڑے سے بچانے کیلئے یا جنگ میں اپنے مصالح دشمن سے مخفی رکھنے کی غرض سے اور دشمن کو اور طرف جھکا دینے کی نیت سے توریہ کا جواز پایا جاتا ہے۔ مگر باوصف اس کے بہت سی حدیثیں دوسری بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریہ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کے برخلاف ہے۔ اور بہرحال کھلی کھلی سچائی بہتر ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے قتل کیا جائے اور جلایا جائے۔ مگر افسوس کہ یہ توریہ آپ کے یسوع صاحب کے کلام میں بہت ہی پایا جاتا ہے۔ تمام انجیلیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اس لئے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اگر توریہ کذب ہے تو یسوع سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی کذّاب نہیں گذرا۔ یسوع صاحب کا یہ قول کہ میں خدا کی ہیکل کو ڈھا سکتا ہوں۔ اور میں تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں۔ یہی وہ قول ہے جس کو توریہ کہتے ہیں۔ اور ایسا ہی وہ قول کہ ایک گھر کا مالک تھا۔ جس نے انگورستان لگایا۔ یہ سب توریہ کی قسمیں ہیں اور یسوع صاحب کے کلام میں اس کے بہت سے نمونے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ چبا چبا کر باتیں کرتا تھا۔ اور اس کی باتوں میں دورنگی پائی جاتی تھی۔

اور ہمارے سید و مولیٰ جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک اعلیٰ نمونہ اس جگہ ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جس توریہ کو آپ کا یسوع شیر مادر کی طرح تمام عمر استعمال کرتا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حتی الوسع اس سے مجتنب رہنے کا حکم کیا ہے تا مفہوم کلام کا اپنی ظاہری صورت میں بھی کذب سے مشابہ نہ ہو۔ مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ آپ کے یسوع صاحب اس قدر التزام سچائی کا نہ کر سکے۔ جو شخص خدائی کا دعویٰ کرے وہ تو شیر ببر کی طرح دنیا میں آنا چاہئے تھا نہ کہ ساری عمر توریہ

اختیار کر کے اور تمام باتیں کذب کے ہمرنگ کہہ کر یہ ثابت کر دیوے کہ وہ ان افراد کاملہ میں سے نہیں ہے جو مرنے سے لاپرواہ ہوکر دشمنوں کے مقابل پر اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور کسی مقام میں بزدلی نہیں دکھلاتے۔ مجھے توان باتوں کو یاد کر کے رونا آتا ہے کہ اگر کوئی ایسے ضعیف القلب یسوع کی اُس ضعف حالت اور توریہ پر جو ایک قسم کا کذب ہے اعتراض کرے تو ہم کیا جواب دیں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ جناب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد[1] میں اکیلے ہونے کی حالت میں برہنہ تلواروں کے سامنے کہہ رہے تھے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ میں نبی اللہ ہوں۔ میں **ابن عبد المطلب** ہوں۔ اور پھر دوسری طرف دیکھتا ہوں کہ آپ کا یسوع کانپ کانپ کر اپنے شاگردوں کو یہ خلاف واقعہ **تعلیم** دیتا ہے کہ کسی سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ حالانکہ اس کلمہ سے کوئی اس کو قتل نہیں کرتا۔ تو میں دریائے حسرت میں غرق ہو جاتا ہوں کہ یاالٰہی یہ شخص بھی نبی ہی کہلاتا ہے۔ جس کی شجاعت کا خدا کی راہ میں یہ حال ہے۔

الغرض فتح مسیح نے اپنی جہالت کا خوب پردہ کھولا بلکہ اپنے یسوع صاحب پر بھی وار کیا کہ بعض ان احادیث کو پیش کر دیا جن میں توریہ کے جواز کا ذکر ہے۔ اگر کسی حدیث میں توریہ کو بطور تسامح کذب کے لفظ سے بیان بھی کیا گیا ہو تو یہ سخت جہالت ہے۔ کہ کوئی شخص اس کو حقیقی کذب پر محمول کرے۔ جبکہ قرآن اور احادیث صحیحہ بالاتفاق کذبِ حقیقی کو سخت حرام اور پلید ٹھہراتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی حدیثیں توریہ کے مسئلہ کو کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ تو پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ کسی حدیث میں بجائے توریہ کے کذب کا لفظ آ گیا ہو تو **نعوذ باللّٰہ** اس سے مراد حقیقی کذب کیونکر ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کے قائل کے نہایت باریک تقویٰ کا یہ نشان ہوگا کہ جس نے توریہ کو کذب کی صورت سمجھ کر بطور تسامح کذب کا لفظ استعمال کیا ہو۔ ہمیں قرآن اور احادیث صحیحہ کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی امر اس کے مخالف ہوگا تو ہم اس کے وہ معنے ہرگز قبول نہیں کریں گے جو مخالف ہوں۔ احادیث پر نظر ڈالنے کے وقت یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ ایسی حدیثوں پر بھروسہ نہ کریں جو اُن احادیث سے مناقض اور مخالف ہوں۔ جن کی صحت اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی ہو۔ اور نہ ایسی حدیثوں پر جو قرآن کی نصوص صریحہ بینہ محکمہ سے صریح مخالف اور مغائر اور مبائن واقع ہوں۔ پھر ایک ایسا مسئلہ جو

---

[1] سہو ہے یہ واقعہ غزوہ حنین کا ہے۔ شمس

قرآن اور احادیث صحیحہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے اور کتب دین میں صراحت سے اس کا ذکر ہے۔ اس کے مخالف کسی بے ہودہ قول یا کسی مغشوش اور غیر ثابت حدیث یا مشتبہ اثر سے تمسک کر کے اعتراض کرنا یہ خیانت اور شرارت کا کام ہے۔ درحقیقت عیسائیوں کو ایسی شرارتوں نے ہی ہلاک کیا ہے۔ ان لوگوں کو خود بخود حدیث دیکھنے کا مادہ نہیں۔ غایت کار مشکوٰۃ کا کوئی ترجمہ دیکھ کر جس بات پر اپنے فہم ناقص سے عیب لگا سکتے ہیں وہی بات لے لیتے ہیں۔ حالانکہ کتب احادیث میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے اور عامل بالحدیث کو تنقید کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہ ایک نہایت نازک کام ہے کہ ہر یک قسم کی احادیث میں سے احادیث صحیحہ تلاش کریں اور پھر اس کے صحیح معنی معلوم کریں۔ اور پھر اس کے لئے صحیح محل تلاش کریں۔

قرآن نے جھوٹوں پر **لعنت کی ہے**۔ اور نیز فرمایا ہے کہ جھوٹے شیطان کے مصاحب ہوتے ہیں۔ اور جھوٹے بے ایمان ہوتے ہیں اور جھوٹوں پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ مت بولو۔ بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ تم جھوٹوں کی صحبت بھی چھوڑ دو۔ اور ان کو اپنا یار دوست مت بناؤ۔ اور خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ کہ جب تو کوئی کلام کرے تو تیری کلام محض صدق ہو، ٹھٹھے کے طور پر بھی اس میں جھوٹ نہ ہو۔ اب بتلاؤ یہ تعلیمیں انجیل میں کہاں ہیں۔ اگر ایسی تعلیمیں ہوتیں تو **عیسائیوں میں اپریل فول کی گندی رسمیں** اب تک کیوں جاری رہتیں۔ دیکھو اپریل فول کیسی بُری رسم ہے کہ ناحق جھوٹ بولنا اس میں تہذیب کی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ عیسائی تہذیب اور انجیلی تعلیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیسائی لوگ جھوٹ سے بہت ہی پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ عملی حالت اس پر شاہد ہے۔ مثلاً قرآن تو تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک ہی ہے۔ مگر سنا گیا ہے کہ انجیلیں ساٹھ سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ شاباش اے پادریان! جھوٹ کی مشق بھی اسے کہتے ہیں۔ شاید آپ نے اپنے ایک مقدس بزرگ کا قول سنا ہے۔ کہ جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ ثواب کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے عدل کے بارے میں جو بغیر سچائی پر پورا قدم مارنے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1] یعنی دشمن قوموں کی دشمنی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔ انصاف پر قائم رہو کہ تقویٰ

[1] المائدہ: ۹

اسی میں ہے۔اب آپ کو معلوم ہے کہ جو قومیں ناحق ستاویں اور دکھ دیویں اور خونریزیاں کریں۔ اور تعاقب کریں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ مکہ والے کافروں نے کیا تھا اور پھر لڑائیوں سے باز نہ آویں ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف کے ساتھ برتاؤ کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔مگر قرآنی تعلیم نے ایسے جانی دشمنوں کے حقوق کو بھی ضائع نہیں کیا اور انصاف اور راستی کے لئے وصیت کی۔مگر آپ تو تعصّب کے گڑھے میں گرے ہیں۔ان پاک باتوں کو کیونکر سمجھیں۔انجیل میں اگرچہ لکھا ہے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔مگر یہ نہیں لکھا کہ دشمن قوموں کی دشمنی اور ظلم تمہیں انصاف اور سچائی سے مانع نہ ہو۔میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دشمن سے مدارات سے پیش آنا آسان ہے۔مگر دشمن کے حقوق کی حفاظت کرنا اور مقدمات میں عدل اور انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا یہ بہت مشکل اور فقط جوانمردوں کا کام ہے۔اکثر لوگ اپنے شریک دشمنوں سے محبت تو کرتے ہیں۔اور میٹھی میٹھی باتوں سے پیش آتے ہیں۔مگر ان کے حقوق دبا لیتے ہیں۔ایک بھائی دوسرے بھائی سے محبت کرتا ہے اور محبت کے پردہ میں دھوکا دے کر اس کے حقوق دبا لیتا ہے۔مثلاً اگر زمیندار ہے تو چالاکی سے اس کا نام کاغذات بندوبست ہیں نہیں لکھواتا۔اور یوں اتنی محبت کہ اس پر قربان ہوا جاتا ہے۔پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں محبت کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ معیار محبت کا ذکر کیا۔کیونکہ جو شخص اپنے جانی دشمن سے عدل کرے گا اور سچائی اور انصاف سے درگذر نہیں کرے گا۔ وہی ہے جو سچی محبت بھی کرتا ہے۔مگر آپ کے خدا کو یہ تعلیم یاد نہ رہی۔کہ ظالم دشمنوں کے ساتھ عدل کرنے پر ایسا زور دیتا جو قرآن نے دیا اور دشمن کے ساتھ سچا معاملہ کرنے کے لئے اور سچائی کو لازم پکڑنے کے لئے وہ تاکید کرتا جو قرآن نے تاکید کی۔اور تقویٰ کی باریک راہیں سکھاتا۔مگر افسوس کہ جو بات سکھلائی دھوکے کی سکھلائی اور پرہیز گاری کی سیدھی راہ پر قائم نہ کر سکا۔ یہ آپ کے فرضی یسوع کی نسبت ہم کہتے ہیں۔جس کے چند پریشان ورق آپ کے ہاتھ میں ہیں اور جو خدائی کا دعویٰ کرتا کرتا آخر مصلوب ہو گیا اور ساری رات رو رو کر دعا کی کہ کسی طرح بچ جاؤں مگر بچ نہ سکا۔

ہمارے سیّد و مولیٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ دنیا سے جانے کے لئے دعا کی اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی مگر آپ کے خدا صاحب نے دنیا کی چندروزہ زندگی سے ایسا پیار کیا کہ ساری رات زندہ رہنے کے لئے دعائیں کرتا رہا بلکہ سُولی پر بھی رضا اور تسلیم کا کلمہ منہ سے نہ نکلا۔

اور اگر نکلا تو یہ نکلا کہ اِیلِی اِیلِی لِمَا سَبَقْتَنِی[۱] اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا۔ اور خدا نے کچھ جواب نہ دیا کہ اس نے ترک کر دیا۔ مگر بات تو ظاہر ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا۔ تکبر کیا ترک کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے آخر وقت میں مخیّر کیا کہ اگر چاہو تو دنیا میں رہو اور اگر چاہو تو میری طرف آؤ۔ آپ نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! اب میں یہی چاہتا ہوں کہ تیری طرف آؤں اور آخری کلمہ آپ کا جس پر آپ کی جان مطہّر رخصت ہوگئی۔ یہی تھا کہ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی یعنی اب میں اس جگہ رہنا نہیں چاہتا۔ میں اپنے خدا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اب دونوں کلموں کو وزن کرو۔ آپ کے خدا صاحب نے نہ فقط ساری رات زندہ رہنے کے لئے دعا کی بلکہ صلیب پر بھی چلّا چلّا کر روئے کہ مجھے موت سے بچالے۔ مگر کون سنتا تھا۔ لیکن ہمارے مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے لئے ہرگز دعا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ مختار کیا کہ اگر زندگی کی خواہش ہے تو یہی ہوگا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب میں اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتا۔ کیا یہ خدا ہے جس پر بھروسہ ہے۔ ڈوب جاؤ!!!

اور آپ کا یہ زُعم کہ قرآن اپنے دین کو چھپا لینے کے لئے حکم دیتا ہے۔ محض بہتان اور افتراء ہے۔ جس کی کچھ بھی اصلیت نہیں۔ قرآن تو ان پر لعنت بھیجتا ہے☆ جو دین کی گواہی کو عمداً چھپاتے ہیں۔ اور ان پر لعنت بھیجتا ہے جو جھوٹ بولتے ہیں۔ شاید آپ نے قرآن کی اس آیت سے بوجہ نافہمی کے دھوکا کھایا ہوگا۔ جو سورۃ النحل میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ[۲] یعنی کافر عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ مگر ایسا شخص جس پر زبردستی کی جائے۔ یعنی ایمانی شعار کے ادا کرنے سے کسی فوق الطاقت عذاب کی وجہ سے روکا جائے اور دل اس کا ایمان سے تسکین یافتہ ہے۔ وہ عنداللہ معذور ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو سخت دردناک اور فوق الطاقت زخموں سے مجروح کرے اور وہ اس عذاب شدید میں کوئی ایسے کلمات کہہ دے کہ اس کافر کی نظر میں کفر کے کلمات ہوں مگر وہ خود کفر کے کلمات کی نیت نہ کرے

☆ نوٹ: لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (ال عمران: ۶۲) قرآن شریف میں ہے یا انجیل میں؟ جواب تو دو۔ منہ

۱ متی باب ۲۷ آیت ۴۶ ۲ النحل: ۱۰۷

بلکہ دل اس کا ایمان سے لبالب ہو۔ اور صرف یہ نیت ہو کہ وہ اس نا قابل برداشت سختی کی وجہ سے اپنے دین کو چھپاتا ہے مگر نہ عمداً۔ بلکہ اس وقت جبکہ فوق الطاقت عذاب پہنچنے سے بے حواس اور دیوانہ سا ہو جائے تو خدا اس کی توبہ کے وقت اس کے گناہ کو اس کی شرائط کی پابندی سے جو نیچے کی آیت میں مذکور ہیں معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔ اور وہ شرائط یہ ہیں۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1] یعنی ایسے لوگ جو فوق الطاقت دکھ کی حالت میں اپنے اسلام کا اخفا کریں۔ ان کا اس شرط سے گناہ بخشا جائے گا کہ دکھ اٹھانے کے بعد پھر ہجرت کریں۔ یعنی ایسی عادت سے یا ایسے ملک سے نکل جائیں جہاں دین پر زبردستی ہوتی ہے۔ پھر خدا کی راہ میں بہت ہی کوشش کریں اور تکلیفوں پر صبر کریں۔ ان سب باتوں کے بعد خدا ان کا گناہ بخش دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

اب ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی فوق الطاقت دکھ کے وقت بھی جو دشمنوں سے اس کو پہنچے۔ دین اسلام کی گواہی کو پوشیدہ کرے وہ بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک گناہ گار ہے۔ مگر خدمات شائستہ دکھلانے کے بعد اور ایسی عادت یا ایسا ملک چھوڑ دینے کے بعد جس میں زبردستی کی جاتی ہے اور صبر اور استقامت کے بعد اس کا گناہ معاف کیا جائے گا اور خدا اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ رحمٰن ورحیم ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے اس اخفا کو محل مدح میں نہیں رکھا بلکہ ایک گناہ قرار دیا ہے۔ اور اس گناہ کا کفارہ پچھلی آیت میں بتلا دیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ جا بجا ان مومنوں کی تعریف کی ہے جو دین کی گواہی کو نہیں چھپاتے۔ اگرچہ جان جائے۔ ہاں ایسے شخص کو بھی ردّ کرنا نہیں چاہا جو اپنی ضعف استعداد اور فوق الطاقت عذاب کی وجہ سے معذّب ہونے کی حالت میں دین کی گواہی کو پوشیدہ رکھے۔ بلکہ اس کو اس شرط سے قبول کر لیا ہے کہ آئندہ ایسی عادت سے یا ایسے ملک سے جس میں زبردستی ہوتی ہے۔ علیحدہ ہو جائے۔ اور اپنے صدق اور ثبات اور مجاہدات سے اپنے ربّ کو راضی کرے۔ تب یہ گناہ دین کے اخفا کا معاف کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خدا جس نے عاجز بندوں کو پیدا کیا ہے۔ نہایت کریم ورحیم خدا ہے۔ وہ کسی کو تھوڑے کئے اپنی جناب سے ردّ نہیں کرتا۔ یہ تو تعلیم

[1] النحل: ۱۱۱

قرآنی ہے جو خدا تعالیٰ کی صفات رحمت اور مغفرت کے بالکل مطابق ہے۔لیکن آپ کے اقرار سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تعلیم انجیل کی نہیں ہے۔اورانجیل کی رو سے یہ فتویٰ ہے کہ اگرکوئی عیسائی کسی فوق الطاقت دکھ کے وقت عیسائی دین کی گواہی سے زبان سے انکار کرے تو وہ ہمیشہ کے لئے مردود ہوگیا۔ اوراب انجیل اس کو اپنی جماعت میں جگہ نہیں دے گی۔ اوراس کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ شاباش! شاباش! آج تم نے اپنے ہاتھ سے مہرلگادی کہ یہ انجیل جوتمہارے ہاتھ میں ہے ایک جھوٹی انجیل ہے۔خیراب ہمارے وار سے بھی خالی نہ جاؤ۔اور جو نیچے لکھتا ہوں۔اس کا جواب دو۔ ورنہ اگرکچھ حیا ہےتو عیسائی مذہب سےتوبہ کرو۔

اعتراض یہ ہے کہ جس حالت میں بقول آپ کے وہ تعلیم خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔ کہ جو ایمان کے چھپانے والے کواس کی توبہ اوراعمالِ صالحہ اورصبراورثبات کے بعد معافی کا وعدہ دے اور رحمت الٰہی سے ردّ نہ کرے۔تو پھرانجیل کی تعلیم کس قدر سچائی سے دور ہوگی۔جس نے پطرس کو باوجوداس کی نہایت مکروہ بداعمالی اوردروغ گوئی اورسخت انکاراورجھوٹی قسم اورمسیح پرلعنت بھیجنے اورایمان کو پوشیدہ کرنے کے پھرقبول کرلیا۔☆ آپ کا اعتراض تو صرف اتنا تھا کہ قرآن نے ایسے لوگوں کوبھی اسلام سے ردّنہیں کیا جوکسی خوف سے اسلام کا زبان سے انکار کردیں مگرانجیل نے تواس بارے میں حد کردی کہ ایسے شخص کوبھی پھرقبول کرلیا۔جس نے نہ صرف ایمان کو پوشیدہ کیا بلکہ صاف انکارکیا اوراپنے جھوٹ کو سچ ظاہر کرنے کے لئے قسم کھائی۔ بلکہ یسوع صاحب پرلعنت بھی بھیجی۔اور اگرکہوکہ انجیل کی تعلیم نے اس کوقبول نہیں کیا بلکہ وہ اب تک مردوداورایمان سے خارج ہے تو اس عقیدہ کا اشتہار دے دو۔اب کہوقرآن پراعتراض کرنے سے کچھ سزا پائی یانہیں؟

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔کہ کسی امر کا جواب دینا اور بات ہےمگرمعقول طور پر جواب دینا اور بات ہے۔اب بتاؤ معقولی طور پر یہ جواب ہیں یانہیں اورابھی وقت آیا یانہیں کہ ہم **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین** کہہ دیں؟

آپ نے یہ بھی خط میں لکھا ہے کہ محمدی لوگ جواب تو دیتے ہیں مگروہ عقل کے سامنے جواب

☆ نوٹ: گواہی کا چھپانا اوردل میں رکھنا تو درکنار عیسائی توانجیل کے مرتدوں کوبھی ایمان لانے پر پھر واپس لے لیتے ہیں۔منہ

نہیں سمجھے جاتے۔اب ہمارے یہ تمام جواب آپ کے سامنے ہیں اس کو چند منصفوں کو دکھلاؤ کہ کیا یہ عقل کے سامنے جواب ہیں یا نہیں؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ جو انجیل پر اعتراض ہم نے کئے ہیں۔آپ ان کا کچھ جواب دے سکیں گے؟ ہرگز ممکن نہیں۔وہ دن آپ پر کبھی نہیں آئے گا کہ ان اعتراضات کے جواب سے سبکدوش ہوسکیں۔

پھر آپ کا ایک یہ وسوسہ ہے کہ کامل گناہ کا بیان انجیل میں ہی ہے۔لیکن اگر آپ غور کریں۔تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انجیل تقویٰ کی راہوں کو کامل طور پر بیان نہیں کرسکی۔اور نہ انجیل نے ایسا دعویٰ کیا۔مگر قرآن شریف نے تو اپنے نزول کی علّت غائی ہی یہ قرار دی ہے کہ تقویٰ کی راہوں کو سکھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[1] یعنی یہ کتاب اس غرض سے اتری ہے کہ تا جو لوگ گناہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ان کو باریک سے باریک گناہوں پر بھی اطلاع دی جائے۔تا وہ ان بُرے کاموں سے بھی پرہیز کریں جو ہر یک آنکھ کو نظر نہیں آتے۔بلکہ فقط معرفت کی خوردبین سے نظر آسکتے ہیں۔اور موٹی نگاہیں ان کے دیکھنے سے خطا کر جاتی ہیں۔مثلاً آپ کے یسوع صاحب کا قول متی نے یہ لکھا ہے کہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے۔وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔لیکن قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ نہ تو شہوت سے اور نہ بغیر شہوت کے بیگانہ عورت کے منہ پر ہرگز نظر نہ ڈال۔اور ان کی باتیں مت سُن۔اور ان کی آواز مت سُن۔اور ان کے حسن کے قصے مت سُن۔کہ ان امور سے پرہیز کرنا تجھے ٹھوکر کھانے سے بچائے گا۔جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ[2] یعنی مومنوں کو کہہ دے کہ نامحرم کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں۔اور اپنے کانوں اور ستر گاہوں کی حفاظت کریں۔یعنی کان کو بھی ان کی نرم باتوں اور ان کی خوبصورتی کے قصّوں سے بچاویں کہ یہ سب طریق ٹھوکر کھانے کے ہیں۔اب اگر بے ایمانی کے زہر دل میں نہیں تو ایسی تعلیم سے یسوع کی تعلیم کا مقابلہ کرو۔اور پھر نتائج پر بھی نظر ڈالو۔یسوع کی تعلیم نے عام آزادی کی اجازت دے کر اور تمام ضروری شرائط کو نظرانداز کر کے تمام یورپ کو ہلاک کردیا۔یہاں تک کہ ان سب میں خنزیروں اور کتّوں کی طرح فسق و فجور پھیلا۔

---

[1] البقرة: ۳ [2] النُّور: ۳۱

اور بے حیائی اس حدتک پہنچ گئی کہ شیرینیوں اور ولایت کی مٹھائیوں پر بھی یہ لفظ لکھے جاتے ہیں کہ اے میری پیاری! ذرا مجھے بوسہ دے۔ یہ تمام گناہ کس کی گردن پر ہے۔ بے شک اس یسوع کی گردن پر جس نے ایسی تعلیم دی کہ ایک جوان مرد یا عورت دوسرے پر نظر ڈالے مگر زنا کا قصد نہ کرے۔اے نادان! کیا زنا کا قصد اختیار میں ہے۔ جو شخص آزادی سے نامحرم عورتوں کو دیکھتا رہے گا آخر ایک دن بدنیتی سے بھی دیکھے گا۔ کیونکہ نفس کے جذبات ہر یک طبیعت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور تجربہ بلند آواز سے بلکہ چیخیں مار کر ہمیں بتلا رہا ہے کہ بیگانہ عورتوں کو دیکھنے میں ہرگز انجام بخیر نہیں ہوتا۔ یورپ جو زناکاری سے بھر گیا۔اس کا کیا سبب ہے۔ یہی تو ہے کہ نامحرم عورتوں کو بے تکلف دیکھنا عادت ہو گیا۔ اوّل تو نظر کی بدکاریاں ہوئیں اور پھر معانقہ بھی ایک معمولی امر ہو گیا پھر اس سے ترقی ہو کر بوسہ لینے کی بھی عادت پڑی یہاں تک کہ استاد جوان لڑکیوں کو اپنے گھروں میں لے جا کر یورپ میں بوسہ بازی کرتے ہیں اور کوئی منع نہیں کرتا۔ شیرینیوں پر فسق و فجور کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ تصویروں میں نہایت درجہ کی بدکاری کا نقشہ دکھایا جاتا ہے۔ عورتیں خود چھپواتی ہیں کہ میں ایسی خوبصورت ہوں اور میری ناک ایسی اور آنکھ ایسی ہے۔ اور ان کے عاشقوں کے ناول لکھے جاتے ہیں اور بدکاری کا ایسا دریا بہ رہا ہے کہ نہ تو کانوں کو بچا سکتے ہیں نہ آنکھوں کو نہ ہاتھوں کو۔ نہ منہ کو۔ یہ یسوع صاحب کی تعلیم ہے۔ کاش! ایسا شخص دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ تا یہ بدکاریاں ظہور میں نہ آتیں۔ اس شخص نے پارسائی اور تقویٰ کا خون کر دیا اور الحاد اور اباحت کو تمام ملک میں پھیلا دیا۔ کوئی عبادت نہیں، کوئی مجاہدہ نہیں بجز کھانے پینے اور بدنظریوں کے اور کوئی بھی فکر نہیں۔ پھر زہر پر زہر یہ کہ ایک جھوٹے کفارہ کی امید دے کر گناہوں پر دلیر کر دیا۔ کون عقلمند اس بات کو باور کرے گا کہ زید کو مسہل دیا جائے اور بکر کے زہریلے مواد اس سے نکل جائیں۔ بدی حقیقی طور پر تبھی دور ہوتی ہے کہ جب نیکی اس کی جگہ لے لے۔ یہی قرآنی تعلیم ہے کسی کی خودکشی سے دوسرے کو کیا فائدہ۔ کس قدر یہ نادانی کا خیال اور قانون قدیم کے مخالف ہے۔ جو آپ کے یسوع صاحب سے ظہور میں آیا۔ کیا اس کے روٹی کھانے سے حواریوں کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ پھر کیونکر اس کی خودکشی دوسرے کو مفید ہو سکتی ہے۔ انجیل کی ساری تعلیم ایسی گندی اور ناقص ہے کہ حرف حرف پر سخت اعتراض ہے۔ اور اس کے مؤلّف کو خبر ہی نہیں کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں۔ اور گناہ کے باریک مراتب

کیا ہیں۔ بے چارہ بچوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ افسوس کہ اس وقت ہمیں فرصت نہیں کہ ان تمام یسوع کی باتوں کی قلعی کھولیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے وقت میں دکھائیں گے اور ثابت کریں گے کہ یہ شخص بالکل تقویٰ کے طریق سے ناواقف ہے۔ اور اس کی تعلیم انسانی درخت کے کسی شعبہ کی بھی آب پاشی نہیں کرسکتی۔ جانتا ہی نہیں کہ انسان کن کن قوتوں کے ساتھ اس مسافر خانہ میں بھیجا گیا ہے۔ اور اسے خبر ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ مقصود نہیں کہ ان تمام قوتوں کو زائل کر دیوے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان کو خط اعتدال پر چلاوے۔ پس ایسی ناقص تعلیم کو قرآن شریف کے سامنے پیش کرنا سخت ہٹ دھرمی اور نابینائی اور بے شرمی ہے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ حضرت مقدس نبوی کی تعلیم یہ ہے کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے اور یہی واقعی حقیقت ہے کہ جو محض خدا کو واحد لاشریک جانتا ہے اور ایمان لاتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی قادر یکتا نے بھیجا ہے تو بے شک اگر اس کلمہ پر اس کا خاتمہ ہو تو نجات پا جائے گا۔ آسمانوں کے نیچے کسی کی خودکشی سے نجات نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور اس سے زیادہ کون پاگل ہوگا کہ ایسا خیال بھی کرے۔ مگر خدا کو واحد لاشریک سمجھنا اور ایسا مہربان خیال کرنا کہ اس نے نہایت رحم کر کے دنیا کو ضلالت سے چھڑانے کے لئے اپنا رسول بھیجا جس کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ ایک ایسا اعتقاد ہے کہ اس پر یقین کرنے سے روح کی تاریکی دور ہوتی ہے اور نفسانیت دور ہو کر اس کی جگہ توحید لے لیتی ہے۔ آخر توحید کا زبردست جوش تمام دل پر محیط ہو کر اسی جہان میں بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا تم دیکھتے ہو کہ نور کے آنے سے ظلمت قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسا ہی جب لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نورانی پَرتَو دل پر پڑتا ہے تو نفسانی ظلمت کے جذبات کالمعدوم ہو جاتے ہیں۔ گناہ کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سرکشی کی ملونی سے نفسانی جذبات کا شوروغوغا ہو۔ جس کی متابعت کی حالت میں ایک شخص کا نام گناہ گار رکھا جاتا ہے اور لَااِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی جو لغت عرب کے موارِدِ استعمال سے معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ لَامَطْلُوْبَ لِیْ وَلَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَلَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَلَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ یعنی بجز اللہ کے اور کوئی میرا مطلوب نہیں۔ اور محبوب نہیں اور معبود نہیں اور مطاع نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ معنی گناہ کی حقیقت اور گناہ کے اصل منبع سے بالکل مخالف پڑے ہیں۔ پس جو شخص ان معنی کو خلوصِ دل

کے ساتھ اپنی جان میں جگہ دے گا تو بالضرورت مفہوم مخالف اس کے دل سے نکل جائے گا۔ کیونکہ ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ پس جب نفسانی جذبات نکل گئے تو یہی وہ حالت ہے۔ جس کو سچی پاکیزگی اور حقیقی راست بازی کہتے ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا جو دوسرے جز کلمہ کا مفہوم ہے۔ اس کی ضرورت یہ ہے کہ تا خدا کے کلام پر بھی ایمان حاصل ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص یہ اقرار کرتا ہے میں خدا کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فرمانوں پر ایمان بھی لاوے۔ اور فرمان پر ایمان لانا بجز اُس کے ممکن نہیں کہ اس پر ایمان لاوے جس کے ذریعہ سے دنیا میں فرمان آیا۔ پس یہ حقیقت کلمہ کی ہے۔ اور آپ کے یسوع صاحب نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی مدار نجات ٹھیرایا ہے۔ کہ خدا پر اور اس کے بھیجے ہوئے یسوع پر ایمان لایا جائے۔ مگر چونکہ آپ لوگ اندھے ہیں۔ اس لئے جوشِ تعصّب سے انجیل کی باتیں بھی آپ کو نظر نہیں آتیں۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ وضو کرنے سے گناہ کیونکر دور ہو سکتے ہیں۔ اے نادان! الٰہی نوشتوں پر کیوں غور نہیں کرتا۔ کیا انسان ہونے کے بعد پھر حیوان بن گیا۔ وضو کرنا تو صرف ہاتھ پیر اور منہ دھونا ہے۔ اگر شریعت کا یہی مطلب ہوتا کہ ہاتھ پیر دھونے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ تو یہ پاک شریعت ان تمام پلید قوموں کو جو اسلام سے سرکش ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے وقت گناہ سے پاک جانتی کیونکہ وضو سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ مگر شارع علیہ السلام کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے چھوٹے چھوٹے حکم بھی ضائع نہیں جاتے۔ اور ان کے بجا لانے سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں۔ اگر میں اس وقت الزامی جواب دوں تو کئی جز لکھ کر منکر کا منہ کالا کروں۔ مگر وقت تنگ ہے۔ اور ابھی چند سوال باقی ہیں۔ ذرا میری اس تحریر پر کچھ لکھو۔ پھر تمہاری ہی کتابوں سے تمہیں عمدہ انعام دیا جائے گا۔ تسلّی رکھو۔ آپ جھوٹ سے کیونکر متنفر ہو گئے۔ کیا انجیل کا جھوٹ یاد نہ رہا۔ کیا یہ سچ ہے کہ یسوع صاحب کو سر دھرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی۔ کیا یہ واقعی امر ہے کہ اگر یسوع کے تمام کام لکھے جاتے تو وہ کتابیں دنیا میں سما نہ سکتیں۔ اب کہو کہ دروغ گوئی میں انجیل کو کمال ہے یا کچھ کسر رہ گئی۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں گناہ کو ہلکا نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ بار بار بتلایا گیا ہے کہ کسی کو بجز اس کے نجات نہیں کہ گناہ سے سچی نفرت پیدا کرے مگر انجیل نے سچی نفرت کی تعلیم نہیں

دی۔ انجیل نے ہرگز اس بات پر زور نہیں دیا کہ گناہ ہلاک کرنے والا زہر ہے۔ اس کے عوض اپنے اندر کوئی تریاق پیدا کرو۔ بلکہ اس محرف انجیل نے نیکیوں کا عوض یسوع کی خودکشی کو کافی سمجھ لیا ہے۔ مگر یہ کیسی بے ہودہ اور بھول کی بات ہے کہ حقیقی نیکی کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں بلکہ انجیل کی یہی تعلیم ہے کہ عیسائی بنو اور جو چاہو کرو۔ کفارہ ناقص ذریعہ نہیں ہے تا کسی عمل کی حاجت ہو۔ اب دیکھو اس سے زیادہ بدی پھیلنے کا ذریعہ کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جب تک تم اپنے تئیں پاک نہ کرو۔ اس پاک گھر میں داخل نہ ہو گے۔ اور انجیل کہتی ہے کہ ہر یک بدکاری کر تیرے لئے یسوع کی خودکشی کافی ہے۔ اب کس نے گناہ کو ہلکا سمجھا؟ قرآن نے یا انجیل نے؟ قرآن کا خدا ہرگز کسی کو نیک نہیں ٹھیراتا جب تک بدی کی جگہ نیکی نہ آجائے مگر انجیل نے اندھیر مچا دیا ہے۔ کفّارہ سے تمام نیکی اور راستبازی کے حکموں کو ہلکا اور ہیچ کر دیا۔ اور اب عیسائی کے لئے ان کی ضرورت نہیں۔ حیف صد حیف۔ افسوس صد افسوس۔

دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ بہشت کی تعلیم محض نفسانی ہے جس سے ایک خدا رسیدہ شخص کو کچھ تسلی نہیں ہوسکتی۔ اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ یہ بات نہایت بدیہی اور عندالعقل مسلّم اور قرینِ انصاف ہے کہ جیسا کہ انسان دنیا میں ارتکاب جرائم یا کسب خیرات اور اعمالِ صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے۔ ایسا ہی جزا اور سزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہئے۔ یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اُخروی سے حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن عیسائی صاحبوں پر سخت تعجب ہے کہ سزا کی حالت میں تو اس اصول کو انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے بدکاریاں اور بے ایمانیاں کر کے خدا کو ناراض کیا ان کو جو سزا دی جائے گی وہ صرف روح تک محدود نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور گندھک کی آگ سے جسم جلائے جائیں گے اور وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اور وہ پیاس سے جلیں گے اور ان کو پانی نہیں ملے گا۔ اور جب حضرات عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ جسم کیوں آگ میں جلایا جائے گا۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھائی روح اور جسم دونوں مزدور کی طرح دنیا میں کام کرتے تھے۔ پس جبکہ دونوں نے اپنے آقا کے کام میں مل کر خیانت کی۔ تو وہ دونوں سزا کے لائق ٹھہرے۔ پس اے اندھو اور خدا کے نوشتوں پر غور کرنے میں غافلو! تمہیں تمہاری ہی بات سے

ملزم کرتا ہوں کہ وہ خدا جس کا رحم اس کے غضب پر غالب ہے۔ جب اس نے سزا دینے کے وقت جسم کو خالی نہ چھوڑا تو کیا ضرور نہ تھا کہ وہ جزا کے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھتا۔ کیا لائق ہے کہ ہم اس رحیم خدا پر یہ بدگمانی کریں کہ وہ سزا دینے کے وقت تو ایسا غضب ناک ہوگا کہ ہمارے جسموں کو بھی جلتے ہوئے تنور میں ڈالے گا۔ لیکن جزا دینے کے وقت اس کا رحم اس درجہ پر نہیں ہوگا۔ جس درجہ پر سزا کی حالت میں اس کا غضب ہوگا۔ اگر جسم کو سزا سے الگ رکھتا تو بے شک جزا سے بھی اس کو الگ رکھتا۔ مگر جبکہ اس نے سزا کے وقت جسم کو گناہ کا شریک سمجھ کر جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ تو اے اندھو! اور کوتاہ اندیشو! کیا وہ ایمان اور عمل صالح کی شراکت کے وقت جسم کو جزا سے حصہ نہیں دے گا؟ کیا جب مُردے جی اٹھیں گے تو بہشتیوں کو عبث طور پر ہی جسم ملے گا؟

اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ جب جسم اپنے تمام قویٰ کے ساتھ روح سے پیوند کیا جائے گا تو وہ جسمانی قویٰ یا راحت میں ہوں گے یا رنج میں۔ کیونکہ دونوں حالتوں کا مرتفع ہونا محال ہے۔ پس اس صورت میں ماننا پڑا کہ جیسا جسم سزا کی حالت میں دکھ اٹھائے گا۔ ویسا ہی وہ جزا کی حالت میں ایک قسم کی راحت سے بھی ضرور متمتع ہوگا۔ اور اسی راحت کی قرآن کریم میں تفصیل ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ بہشت کی نعمتیں فوق الفہم ہیں۔ تمہیں ان کا حقیقی علم نہیں دیا گیا اور تم وہ نعمتیں پاؤ گے جو اَب تم سے پوشیدہ ہیں۔ جو نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں اور نہ سنیں اور نہ دلوں میں گذریں۔ وہ تمام مخفی امور اسی وقت سمجھ میں آئیں گے۔ جب وارد ہوں گے۔ جو کچھ قرآن اور حدیث میں وعدے ہیں وہ سب مثال کے طور پر بیان کیا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ امور مخفی ہیں۔ جن کی کسی کو اطلاع نہیں۔ پس اگر وہ لذّات اسی قدر ہوتیں جیسے اس دنیا میں شربت یا شراب پینے کی لذت یا عورت کے جماع کی لذت ہوتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ یہ نہ کہتا کہ وہ ایسے امور ہیں کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے۔ اور نہ کسی کان نے سنے۔ اور نہ وہ کبھی کسی کے دل میں گذرے۔ پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ بہشت جو جسم اور روح کے لئے دارالجزاء ہے۔ وہ ایک ادھورا اور ناقص دارالجزاء نہیں بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزا ملے گی۔ جیسا کہ جہنم میں اپنی اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزا دی جائے گی۔ اور اس کی اصل تفصیلات ہم خدا کے حوالے کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ جزا سزا جسمانی روحانی دونوں طور پر

ہوں گی۔اور یہی وہ عقیدہ ہے جو عقل اور انصاف کے موافق ہے۔اور یہ نہایت شرارت اور خباثت اور حرام زدگی ہے کہ قرآن پر یہ طعن وارد کیا جائے کہ وہ صرف جسمانی بہشت کا وعدہ کرتا ہے۔ قرآن تو صاف کہتا ہے کہ ہر یک جو بہشت میں داخل ہوگا وہ جسمانی روحانی دونوں قسم کی جزا پائے گا۔اور جیسا کہ نعمت جسمانی اس کو ملے گی۔ایسا ہی وہ دیدار الٰہی سے لذت اٹھائے گا۔اور یہی اعلیٰ لذت بہشت میں ہے۔معارف کی لذت بھی ہوگی اور طرح طرح کے انوار کی لذّت بھی ہوگی۔اور عبادت کی لذت بھی ہوگی۔مگر اس کے ساتھ جسم بھی اپنی سعادتِ تامہ کو پہنچے گا۔ہم دعوٰے سے کہتے ہیں کہ جس قدر قرآن نے بہشتیوں کی روحانی جزا کی کیفیت لکھی ہے انجیل میں ہرگز نہیں۔جس شخص کو شک ہو۔ہمارے مقابل پر آئے اور ہم سے سُنے اور انجیل کی تعلیم سناوے۔اگر وہ غالب ہوا اور اس نے ثابت کیا کہ انجیل میں بہشتیوں کی روحانی جزا قرآن سے بڑھ کر لکھی ہے تو ہم حلفاً کہتے ہیں کہ اُسی وقت ہزار روپیہ نقد اس کو دیا جائے گا۔جس جگہ چاہے باضابطہ تحریر دے کر جمع کرالے۔

اے اندھو! قرآن کے مقابل پر انجیل کچھ بھی چیز نہیں۔کیوں تمہاری شامت آئی ہے۔گھروں میں آرام کر کے بیٹھو۔اب تمہاری رُسوائی کا وقت آ گیا ہے۔کیا تم میں کسی کو حوصلہ ہے۔کہ آرام سے آدمی بن کر مجھ سے آ کر بحث کر لے کہ بہشت کے بارے میں روحانی جزا کا بیان انجیل میں زیادہ ہے یا قرآن میں۔اور اگر انجیل میں زیادہ نکلا تو مجھ سے نقد ہزار روپیہ لے لے۔جہاں چاہے جمع کرالے۔مجھے امید نہیں کہ کوئی میرے سامنے آوے۔اللہ اللہ! کیسی یہ قوم ظالم اور دغاباز ہے۔ جنہوں نے دنیا کی زندگی کے لئے آخرت کو بھلا دیا ہے۔مگر ذرہ موت کا پیالہ پی لیں۔پھر دیکھیں گے کہ کہاں ہے یسوع اور اس کا کفارہ۔ہائے افسوس ان لوگوں نے ایک عاجز انسان اور عاجزہ کے بیٹے کو خدا بنا دیا۔اور خدائے قدوس پر تمام نالایق باتیں روا رکھیں۔دنیا میں ایک ہی آیا۔جو سچی اور کامل توحید کو لایا۔اس سے انہوں نے دشمنی کی۔

اور یہ بھی سراسر جھوٹ ہے کہ انجیل میں جسمانی جزا کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔دیکھو متی کیسی تفصیل سے یسوع کا قول جسمانی جزا کے بارے میں بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے:۔ اور جس نے گھر یا بھائی یا بہن یا باپ یا جورو یا بال بچوں یا زمین کو میرے نام پر چھوڑا سوگنا پاوے گا۔(۱۹ باب آیت ۲۹) دیکھو یہ کیسا صریح حکم ہے اس میں تو یہ بھی بشارت ہے کہ اگر عیسائی عورت یسوع کے لئے خاوند

چھوڑے تو قیامت کو اسے سوخاوند ملیں گے۔ اور اگر جسمانی نعمتوں کا وعدہ کرنا خدا تعالیٰ کی شان کے مخالف ہوتا تو توریت خروج ۳ باب ۸ آیت۔ استثناء ۶ باب ۳ آیت، ۷ باب ۱۳ آیت، ۸ باب ۱۷ آیت اور قاضی ۹ باب ۱۲ آیت اور استثناء ۳۲ باب ۱۴۔ آیت استثناء ۱۶ باب ۲۰ آیت اور احبار ۲۶ باب ۱۳ آیت۔ احبار ۲۵ باب ۱۸ تا ۲۳ آیت۔ ایوب ۲۰ باب ۱۵ تا ۱۷ آیت میں ہرگز جسمانی نعمتوں کے وعدے نہ دیئے جاتے۔ کیا یسوع نے یہ نہیں کہا کہ میں بہشت میں شیرۂ انگور پیوں گا۔ عجیب یسوع ہے۔ جو مسلمانوں کی بہشت میں داخل ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ جس میں جسمانی نعمتیں بھی ہیں۔ اور پھر عجیب تر یہ کہ جسمانی نعمتوں پر ہی گرا۔ دیدار الٰہی کا ذکر نہیں کیا۔ لعاذر سے پانی مانگنا بھی ذرہ یاد کرو۔ جس بہشت میں پانی نہیں۔ اس میں پانی کا ذکر مصداق اس مثل کا ہے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ یہ سچ ہے کہ بہشت میں رہنے والے فرشتوں کی طرح ہو جائیں گے مگر یہ کہاں ثابت ہے کہ تبدیل خواص کر کے فی الحقیقت فرشتے ہی ہو جائیں گے☆ اور انسانی خواص چھوڑ دیں گے۔

ہاں یہ درست ہے کہ بہشت میں دنیا کی طرح نکاح نہیں ہوتے۔ مگر بہشتی طور پر جسمانی لذات تو ہوں گے۔ جیسے یسوع کو بھی انکار نہیں تھا۔ شیرۂ انگور پینے کی امید کرتا گذر گیا۔ توریت سے ثابت ہے کہ جسمانی جزا بھی خدا کی عادت ہے۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ غیر متبدل خدا قیامت کو بھی اپنی عادتیں بدل ڈالے۔

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ اسلامی تعلیم میں ہے کہ جب تک کوئی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے۔ تب تک ایسے شخص سے مواخذہ نہ ہوگا اور محض دلی خیالوں پر خدا پرسش نہیں کرے گا۔ مگر انجیل میں اس کے خلاف ہے۔ یعنی دلی خیالات پر بھی عذاب ہوگا۔

اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ اگر انجیل میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تو ایسی انجیل ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور حق بات یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمائی ہے۔ کہ انسان کے دل کے تخیلات جو بے اختیار اٹھتے رہتے ہیں اس کو گناہ گار نہیں کرتے۔ بلکہ عنداللہ مجرم ٹھہر جانے کی تین ہی قسم ہیں (۱) اوّل یہ کہ زبان پر ناپاک کلمے جو دین اور راستی اور انصاف کے برخلاف ہوں، جاری ہوں (۲) دوسرے یہ کہ جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے نافرمانی کی حرکات صادر ہوں

☆ نوٹ: درحقیقت فرشتے بن جانا اور بات ہے مگر پاکیزگی میں ان سے مشابہت پیدا کرنا یہ اور بات ہے۔ منہ

(۳) تیسرے یہ کہ دل نافرمانی پر عزیمت کرے یعنی پختہ ارادہ کرے کہ فلاں فعل بد ضرور کروں گا۔اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ [1] یعنی جن گناہوں کو دل اپنی عزیمت سے حاصل کرے ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔مگر مجرد خطرات پر مواخذہ نہیں ہوگا کہ وہ انسانی فطرت کے قبضہ میں نہیں ہیں۔خدائے رحیم ہمیں ان خیالات پر نہیں پکڑتا۔ جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ ہاں اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ہم ان خیالات کی زبان سے یا ہاتھ سے یا دل کی عزیمت سے پیروی کریں۔ بلکہ بعض وقت ہم ان خیالات سے ثواب حاصل کرتے ہیں۔اور خدا تعالیٰ نے صرف قرآن کریم میں ہاتھ پیر کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ کان اور آنکھ اور دل کے گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے۔جیسا کہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [2] یعنی کان اور آنکھ اور دل جو ہیں ان سب سے بازپُرس کی جائے گی۔اب دیکھو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کان اور آنکھوں کے گناہ کا ذکر کیا ایسا ہی دل کے گناہ کا بھی ذکر کیا۔مگر دل کا گناہ خطرات اور خیالات نہیں ہیں کیونکہ وہ تو دل کے بس میں نہیں ہیں بلکہ دل کا گناہ پختہ ارادہ کر لینا ☆ ہے۔صرف ایسے خیالات جو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں، گناہ میں داخل نہیں۔ ہاں اس وقت داخل ہو جائیں گے۔ جب ان پر عزیمت کرے۔اور ان کے ارتکاب کا ارادہ کر لیوے۔ایسا ہی اللہ جلّ شانہٗ اندرونی گناہوں کے بارے میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [3] یعنی خدا نے ظاہری اور اندرونی گناہ دونوں حرام کر دیئے۔اب میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ عمدہ تعلیم بھی انجیل میں موجود نہیں کہ تمام عضوؤں کے گناہ کا ذکر کیا ہو اور عزیمت اور خطرات میں فرق کیا ہو اور ممکن نہ تھا کہ انجیل میں یہ تعلیم ہو سکتی۔کیونکہ یہ تعلیم نہایت لطیف اور حکیمانہ اصولوں پر مبنی ہے۔اور انجیل تو ایک موٹے خیالات کا مجموعہ ہے جس سے اب ہر یک محقق نفرت کرتا جاتا ہے۔ہاں آپ کے یسوع صاحب نے

---

[1] البقرة: ۲۲۶ [2] بنی اسرآءیل: ۳۷

☆ نوٹ: ثواب اس وقت حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم دلی خیالات کا جو معصیت کی رغبت دیتے ہیں۔ اعمالِ صالح کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں اور ان خیالات کے برعکس عمل میں لاتے ہیں۔منہ

[3] الاعراف: ۳۴

پردہ پوشی کے لئے یہ خوب تدبیر کی۔ کہ لوگوں کو باتوں باتوں میں سمجھا دیا کہ میری تعلیم کچھ اچھی نہیں۔ آیندہ اس پر مضحکہ ہوگا بہتر ہے کہ تم ایک اور آنے والے کا انتظار کرو۔ جس کی تعلیم معارف کے تمام مراتب کو پورا کرے گی۔ مگر شاباش اے پادری صاحبان! آپ نے اس وصیت پر خوب ہی عمل کیا۔ جس تعلیم کو خود آپ کے یسوع صاحب بھی قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ اور ایک آئندہ آنے والے نبی مقدس کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اسی ادھوری تعلیم پر آپ گرے جاتے ہیں۔ بھلا بتلاؤ تو سہی کہ آپ کے یسوع کی تعلیم خود اس کے اقرار سے ناقص ٹھہری یا ابھی کچھ کسر رہ گئی۔ پھر جبکہ یسوع خود معترف ہے کہ میری تعلیم ادھوری اور نکمّی ہے۔ تو پھر اپنے گرو کی پیشگوئی کو ذہن میں رکھ کر اسلامی تعلیم کی خوبیاں ہم سے سنو اور اپنے یسوع کو جھوٹا مت ٹھہراؤ۔ کیونکہ جب تک ایسا نبی دنیا میں ظہور نہ کرے جس کی تعلیم انجیل کی تعلیم سے اکمل اور اعلیٰ ہو۔ تب تک یسوع کی پیشگوئی باطل کے رنگ میں ہے۔ مگر وہ مقدس نبی تو آچکا اور تم نے اس کو شناخت نہیں کیا۔ ہماری تحریروں پر غور کرو۔ تا تمہیں معلوم ہو کہ وہ کامل تعلیم جس کی مسیح کو انتظار تھی۔ قرآن ہے۔ اور اگر یہ پیشگوئی نہ ہوتی۔ تب بھی قرآن کا کامل اور انجیل کا ناقص ہونا خدا کی حجت کو پوری کرتا تھا۔ سو جہنم کی آگ سے ڈرو اور اس آنے والے نبی کو مان لو۔ جس کی نسبت مسیح نے بشارت دی۔ اور اس کی کامل تعلیم کی تعریف کی۔ مگر پھر بھی آپ کے یسوع کا اس میں کچھ احسان نہیں کیونکہ خود زور آور نے کمزور کو گرا دیا۔ اب صرف سمجھ کا گھاٹا ہے۔ ورنہ اب انجیل کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اسلامی تعلیم میں غیر مذہب والوں سے محبت کرنا کسی جگہ حکم نہیں آیا بلکہ حکم ہے کہ بجز مسلمان کے کسی سے محبت نہ کرو۔

اما الجواب: پس واضح ہو کہ یہ تمام ناقص اور ادھوری انجیل کی نحوستیں ہیں کہ عیسائی لوگ حق اور حقیقت سے دور جا پڑے۔ ورنہ اگر ایک گہری نظر سے دیکھا جائے کہ محبت کیا چیز ہے اور کس کس محل پر اس کو استعمال کرنا چاہئے۔ اور بغض کیا چیز ہے اور کن کن مقامات میں برتنا چاہئے۔ تو فرقان کریم کا سچا فلسفہ نہ صرف سمجھ میں ہی آتا ہے۔ بلکہ روح کو اس سے معارفِ حقّہ کی ایک کامل روشنی ملتی ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ محبت کوئی تصنع اور تکلّف کا کام نہیں۔ بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک

قوت ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھنچے جانا۔ اور جیسا کہ ہر یک چیز کے اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہی محبت کا حال ہے۔ کہ اس کے جوہر بھی اُس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ [1] یعنی انہوں نے گوسالہ سے ایسی محبت کی کہ گویا ان کو گوسالہ شربت کی طرح پلا دیا گیا۔ درحقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے۔ تو گویا اسے پی لیتا ہے یا کھا لیتا ہے اور اس کے اخلاق اور اس کے چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اُسی قدر انسان بالطبع اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی کا روپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے۔ وہ ظلّی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اُس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں ہے اور شیطان سے محبت کرنے والے وہ تاریکی حاصل کر لیتے ہیں جو شیطان میں ہے پس جبکہ محبت کی حقیقت یہ ہے۔ تو پھر کیونکر ایک سچی کتاب جو منجانب اللہ ہے۔ اجازت دے سکتی ہے۔ کہ تم شیطان سے وہ محبت کرو جو خدا سے کرنی چاہئے اور شیطان کے جانشینوں سے وہ پیار کرو جو رحمٰن کے جانشینوں سے کرنا چاہئے۔ افسوس کہ پہلے تو انجیل کے باطل ہونے پر ہمارے پاس یہی ایک دلیل تھی کہ وہ ایک عاجز مشتِ خاک کو خدا بناتی ہے۔ اب یہ دوسرے دلائل بھی پیدا ہو گئے کہ اس کی دوسری تعلیمیں بھی گندی ہیں۔ کیا یہ پاک تعلیم ہوسکتی ہے کہ شیطان سے ایسی ہی محبت کرو۔ جیسی کہ خدا سے۔ اور اگر یہ عذر کیا جائے کہ یسوع کے منہ سے سہواً یہ باتیں نکل گئیں کیونکہ وہ الٰہیات کے فلسفہ سے ناواقف تھا تو یہ عذر نکما اور فضول ہوگا کیونکہ اگر وہ ایسا ہی ناواقف تھا تو کیوں اس نے قوم کے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ کیا وہ بچہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ محبت کی حقیقت بالالتزام اس بات کو چاہتی ہے کہ انسان سچے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عبادات پسند کرے اور ان میں فنا ہونے کے لئے بدل و جان ساعی ہوتا اپنے محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو محبوب کو حاصل ہے۔ سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایسی تصویر اس کی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اسے پی جاتا ہے اور کھا جاتا ہے کہ وہ اس

[1] البقرۃ: ۹۴

میں ہوکر اور اس کے رنگ میں رنگین ہوکر اور اس کے ساتھ ہوکر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس کی محبت میں کھویا گیا ہے۔

محبت ایک عربی لفظ ہے اور اصل معنی اس کے پُر ہو جانا ہے۔ چنانچہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ **تَحَبَّبَ الْحِمَارُ** یعنی جب عربوں کو یہ کہنا منظور ہوتا ہے کہ گدھے کا پیٹ پانی سے بھر گیا تو کہتے ہیں کہ **تَحَبَّبَ الْحِمَارُ** اور جب یہ کہنا منظور ہوتا ہے کہ اونٹ نے اتنا پانی پیا کہ وہ پانی سے پُر ہو گیا تو کہتے ہیں **شربت الابل حتی تحببت** اور **حَبّ** جو دانہ کو کہتے ہیں وہ بھی اسی سے نکلا ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ پہلے دانہ کی تمام کیفیت سے بھر گیا اور اسی بناء پر **اِحْبَاب** سونے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ جو دوسرے سے بھر جائے گا وہ اپنے وجود کو کھو دے گا گویا سو جائے گا اور اپنے وجود کی کچھ حسّ اس کو باقی نہیں رہے گی پھر جبکہ محبت کی حقیقت یہ ہے تو ایسی انجیل جس کی یہ تعلیم ہے کہ شیطان سے بھی محبت کرو اور شیطانی گروہ سے بھی پیار کرو۔ دوسرے لفظوں میں اُس کا ماحصل یہی نکلا کہ ان کی بدکاری میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ خوب تعلیم ہے۔ ایسی تعلیم کیونکر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے؟ بلکہ وہ تو انسان کو شیطان بنانا چاہتی ہے خدا انجیل کی اس تعلیم سے ہر ایک کو بچاوے۔

اگر یہ سوال ہو کہ جس حالت میں شیطان اور شیطانی رنگ و روپ والوں سے محبت کرنا حرام ہے۔ تو کس قسم کا خُلق ان سے برتنا چاہئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف یہ ہدایت کرتا ہے کہ اُن پر کمال درجہ کی شفقت چاہیے جیسا کہ ایک رحیم دل آدمی جذامیوں اور اندھوں اور لولوں اور لنگڑوں وغیرہ دکھ والوں پر شفقت کرتا ہے اور شفقت اور محبت میں یہ فرق ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے تمام قول اور فعل کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے اور رغبت رکھتا ہے کہ ایسے حالات اس میں بھی پیدا ہو جائیں۔ مگر مشفق شخص مشفق علیہ کے حالات بنظرِ خوف و عبرت دیکھتا ہے اور اندیشہ کرتا ہے کہ شاید وہ شخص اس تباہ حال میں ہلاک نہ ہو جائے۔ اور حقیقی مشفق کی یہ علامت ہے کہ وہ شخص مشفق علیہ سے ہمیشہ نرمی سے پیش نہیں آتا بلکہ اس کی نسبت محل اور موقعہ کے مناسبِ حال کارروائی کرتا ہے اور کبھی نرمی اور کبھی درشتی سے پیش آتا ہے۔ بعض وقت اس کو شربت پلاتا ہے اور بعض اوقات ایک حاذق ڈاکٹر کی طرح اس کا ہاتھ یا پیر کاٹنے میں اس کی زندگی دیکھتا ہے اور بعض اوقات اس کے کسی عضو کو چیرتا ہے اور بعض اوقات مرہم لگاتا ہے۔ اگر تم ایک دن ایک بڑے

شفاخانہ میں جہاں صدہا بیمار اور ہر یک قسم کے مریض آتے ہوں بیٹھ کر ایک حاذق تجربہ کار ڈاکٹر کی کارروائیوں کو مشاہدہ کرو تو امید ہے کہ مشفق کے معنی تمہاری سمجھ میں آجائیں گے۔ سو تعلیم قرآنی ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ نیکوں اور ابرار اخیار سے محبت کرو اور فاسقوں اور کافروں پر شفقت کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ [1] یعنی اے کافرو! یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو دیکھ نہیں سکتا اور نہایت درجہ خواہشمند ہے کہ تم ان بلاؤں سے نجات پا جاؤ۔ پھر فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [2] یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جائے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری شفقت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تو اُن کے غم میں ہلاک ہونے کے قریب ہے اور پھر ایک مقام میں فرماتا ہے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ [3] یعنی مومن وہی ہیں جو ایک دوسرے کو صبر اور مرحمت کی نصیحت کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ شدائد پر صبر کرو اور خدا کے بندوں پر شفقت کرو۔ اس جگہ بھی مراد مرحمت سے شفقت ہے کیونکہ مرحمت کا لفظ زبان عرب میں شفقت کے معنوں پر مستعمل ہوتا ہے۔ قرآنی تعلیم کا اصل مطلب یہ ہے کہ محبت جس کی حقیقت محبوب کے رنگ سے رنگین ہو جانا ہے بجز خدا تعالیٰ اور صلحا کے اور کسی سے جائز نہیں بلکہ سخت حرام ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [4] اور فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ [5] اور پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ [6] یعنی یہود اور نصاریٰ سے محبت مت کرو اور ہر ایک شخص جو صالح نہیں اس سے محبت مت کرو۔ ان آیتوں کو پڑھ کر نادان عیسائی دھوکا کھاتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ عیسائی وغیرہ بے دین فرقوں سے محبت نہ کریں۔ لیکن نہیں سوچتے کہ ہر یک لفظ اپنے محل پر استعمال ہوتا ہے جس چیز کا نام محبت ہے وہ فاسقوں اور کافروں سے اُسی صورت میں بجالانا متصوّر ہے کہ جب ان کے کفر اور فسق سے کچھ حصہ لے لیوے۔ نہایت سخت جاہل وہ شخص ہوگا جس نے یہ تعلیم دی کہ اپنے دین کے دشمنوں سے پیار کرو۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ پیار اور محبت اسی کا نام ہے کہ اس شخص کے قول اور فعل اور عادت اور خُلق اور مذہب کو رضا کے رنگ میں دیکھیں اور اس پر خوش ہوں اور اس کا اثر اپنے دل پر ڈال لیں اور ایسا ہونا مومن سے کافر کی

---

[1] التوبة: ۱۲۸ [2] الشعراء: ۴ [3] البلد: ۱۸ [4] البقرة: ۱۶۶ [5] المائدة: ۵۲ [6] اٰل عمران: ۱۱۹

نسبت ہرگز ممکن نہیں۔ ہاں مومن کافر پر شفقت کرے گا اور تمام دقائق ہمدردی بجالائے گا اور اس کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا غمگسار رہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ بغیر لحاظ مذہب ملّت کے تم لوگوں سے ہمدردی کرو۔ بھوکوں کو کھلاؤ۔ غلاموں کو آزاد کرو۔ قرض داروں کے قرض دو اور زیر باروں کے بار اٹھاؤ اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کا حق ادا کرو۔

اور فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى [1] یعنی خدا تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل کرو اور عدل سے بڑھ کر یہ کہ احسان کرو۔ جیسے بچہ سے اُس کی والدہ۔ یا کوئی اور شخص محض قرابت کے جوش سے کسی کی ہمدردی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [2] یعنی نصاریٰ وغیرہ سے جو خدا نے محبت کرنے سے ممانعت فرمائی تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ نیکی اور احسان اور ہمدردی کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے۔ نہیں بلکہ جن لوگوں نے تمہارے قتل کرنے کیلئے لڑائیاں نہیں کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نہیں نکالا وہ اگرچہ عیسائی ہوں یا یہودی ہوں۔ بے شک ان پر احسان کرو ان سے ہمدردی کرو۔ انصاف کرو کہ خدا ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [3] یعنی خدا نے جو تمہیں ہمدردی اور دوستی سے منع کیا ہے تو صرف ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے دینی لڑائیاں تم سے کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نکالا اور بس نہ کیا جب تک باہم مل کر تمہیں نکال نہ دیا۔ سو ان کی دوستی حرام ہے کیونکہ یہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تَوَلّی ☆ عربی زبان میں دوستی کو کہتے ہیں۔ جس کا دوسرا نام مودّت ہے اور اصل حقیقت دوستی اور مودّت کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔ سو مومن نصاریٰ اور یہود اور ہنود سے دوستی اور ہمدردی اور خیر خواہی کرسکتا ہے احسان کرسکتا ہے مگر ان سے محبت نہیں

---

[1] النحل: ۹۱ [2] الممتحنہ: ۹ [3] الممتحنہ: ۱۰

☆ تَوَلّی کی تا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تَوَلّی میں ایک تکلّف ہے۔ جو مغائرت پر دلالت کرتا ہے مگر محبت میں ایک ذرّہ مغائرت باقی نہیں رہتی۔ منہ

کرسکتا۔ یہ ایک باریک فرق ہے اس کو خوب یاد رکھو۔

پھر آپ نے یہ **اعتراض** کیا ہے کہ مسلمان لوگ خدا کے ساتھ بھی بلاغرض محبت نہیں کرتے۔ ان کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا اپنی خوبیوں کی وجہ سے محبت کے لائق ہے۔ **اما الجواب**۔ پس واضح ہو کہ یہ اعتراض درحقیقت انجیل پر وارد ہوتا ہے نہ قرآن پر کیونکہ انجیل میں یہ تعلیم ہرگز موجود نہیں کہ خدا سے محبت ذاتی رکھنی چاہئے اور محبت ذاتی سے اس کی عبادت کرنی چاہئے مگر قرآن تو اس تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن نے صاف فرما دیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[1]☆ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[2] یعنی خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ اپنے باپوں کو بلکہ اس سے بہت زیادہ اور مومنوں کی یہی شان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر خدا سے محبت رکھتے ہیں یعنی ایسی محبت نہ وہ اپنے باپ سے کریں اور نہ اپنی ماں سے اور نہ اپنے دوسرے پیاروں سے اور نہ اپنی جان سے۔ اور پھر فرمایا: حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ[3] یعنی خدا نے تمہارا محبوب ایمان کو بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى[4] یہ آیت حق اللہ اور حق العباد پر مشتمل ہے اور اس میں کمال بلاغت یہ ہے کہ دونوں پہلو پر اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے۔ حق العباد کا پہلو تو ہم ذکر کر چکے ہیں اور حق اللہ کے پہلو کی رو سے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ انصاف کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت کر کیونکہ جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری پرورش کی اور ہر وقت کر رہا ہے۔ اس کا حق ہے کہ تو بھی اس کی اطاعت کرے اور اگر اس سے زیادہ تجھے بصیرت ہو تو نہ صرف رعایت حق سے بلکہ احسان کی پابندی سے اس کی اطاعت کر۔ کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسان اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے اور ظاہر ہے کہ عدل کے درجہ سے بڑھ کر وہ درجہ ہے۔ جس میں اطاعت کے وقت احسان بھی ملحوظ رہے اور چونکہ ہر وقت مطالعہ اور ملاحظہ احسان کا محسن کی شکل اور شمائل کو ہمیشہ نظر کے سامنے لے آتا ہے اس لئے احسان کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ ایسے طور سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا

☆ انجیل کی رو سے ہر ایک فاسق فاجر خدا کا بیٹا ہے۔ بلکہ آپ ہی خدا ہے۔ سو انجیل اس وجہ سے کسی کو خدا کا بیٹا قرار نہیں دیتی کہ وہ خدا سے کامل محبت رکھتا ہے بلکہ بائبل کی رو سے زانی لوگ بھی خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ منہ

[1] البقرة: ۲۰۱ [2] البقرة: ۱۶۶ [3] الحجرات: ۸ [4] النحل: ۹۱

ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے درحقیقت تین قسم پر منقسم ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو بباعث محجوبیت اور رؤیت اسباب کے احسان الٰہی کا اچھی طرح ملاحظہ نہیں کرتے اور نہ وہ جوش ان میں پیدا ہوتا ہے جو احسان کی عظمتوں پر نظر ڈال کر پیدا ہوا کرتا ہے اور نہ وہ محبت ان میں حرکت کرتی ہے جو محسن کی عنایاتِ عظیمہ کا تصور کر کے جنبش میں آیا کرتی ہے بلکہ صرف ایک اجمالی نظر سے خدا تعالیٰ کے حقوق خالقیت وغیرہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور احسانِ الٰہی کی ان تفصیلات کو جن پر ایک باریک نظر ڈالنا اس حقیقی محسن کو نظر کے سامنے لے آتا ہے ہرگز مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ اسباب پرستی کا گرد وغبار مسبّب حقیقی کا پورا چہرہ دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے ان کو وہ صاف نظر میسر نہیں آتی۔ جس سے کامل طور پر معطی حقیقی کا جمال مشاہدہ کر سکتے۔ سو ان کی ناقص معرفت رعایت اسباب کی کدورت سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور بوجہ اس کے جو وہ خدا کے احسانات کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے۔ خود بھی اس کی طرف وہ التفات نہیں کرتے جو احسانات کے مشاہدہ کے وقت کرنی پڑتی ہے جس سے محسن کی شکل نظر کے سامنے آ جاتی ہے بلکہ ان کی معرفت ایک دھندلی سی ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ وہ کچھ تو اپنی محنتوں اور اپنے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کچھ تکلّف کے طور پر یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا کا حق خالقیت اور رزّاقیت ہمارے سر پر واجب ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کی وسعتِ فہم سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس لئے ان سے جب تک کہ وہ اس حالت میں ہیں، یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق کا شکر ادا کریں اور آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ میں عدل سے مراد یہی اطاعت برعایت عدل ہے مگر اس سے بڑھ کر ایک اور مرتبہ انسان کی معرفت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ انسان کی نظر رؤیت اسباب سے بالکل پاک اور منزہ ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ہاتھ کو دیکھ لیتی ہے اور اس مرتبہ پر انسان اسباب کے حجابوں سے بالکل باہر آ جاتا ہے اور یہ مقولہ کہ مثلاً میری اپنی ہی آبپاشی سے میری کھیتی ہوئی اور یا میرے اپنے ہی بازو سے یہ کامیابی مجھے ہوئی یا زید کی مہربانی سے فلاں مطلب میرا پورا ہوا اور بکر کی خبر گیری سے میں تباہی سے بچ گیا۔ یہ تمام باتیں ہیچ اور باطل معلوم ہونے لگتی ہیں اور ایک ہی ہستی اور ایک ہی قدرت اور ایک ہی محسن اور ایک ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔ تب انسان ایک صاف نظر سے جس کے ساتھ ایک ذرہ شرک فی الاسباب کی گرد وغبار نہیں۔ خدا تعالیٰ کے احسانوں کو دیکھتا ہے۔ اور یہ رؤیت اس قسم کی صاف

اور یقینی ہوتی ہے کہ وہ ایسے محسن کی عبادت کرنے کے وقت اس کو غائب نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً اس کو حاضر خیال کر کے اس کی عبادت کرتا ہے اور اس عبادت کا نام قرآن شریف میں احسان ہے۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔

اور اس درجہ کے بعد ایک اور درجہ ہے جس کا نام اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ہے☆ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک مدت تک احساناتِ الٰہی کو بلاشرکت اسباب دیکھتا رہے اور اس کو حاضر اور بلاواسطہ محسن سمجھ کر اس کی عبادت کرتا رہے تو اس تصوّر اور تخیل کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ذاتی محبت اس کو جنابِ الٰہی کی نسبت پیدا ہو جائے گی کیونکہ متواتر احسانات کا دائمی ملاحظہ بالضرورت شخص ممنون کے دل میں یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اس شخص کی ذاتی محبت سے بھر جاتا ہے جس کے غیر محدود احسانات اس پر محیط ہو گئے۔ پس اس صورت میں وہ صرف احسانات کے تصوّر سے اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اس کی ذاتی محبت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ جیسا کہ بچہ کو ایک ذاتی محبت اپنی ماں سے ہوتی ہے۔ پس اس مرتبہ پر وہ عبادت کے وقت صرف خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ دیکھ کر سچے عشاق کی طرح لذّت بھی اُٹھاتا ہے اور تمام اغراض نفسانی معدوم ہو کر ذاتی محبت اس کی اندر پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے لفظ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا[1] غرض آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی[2] کی یہ تفسیر ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے تینوں مرتبے انسانی معرفت کے بیان کر دیئے اور تیسرے مرتبہ کو محبت ذاتی کا مرتبہ قرار دیا اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں تمام اغراضِ نفسانی جَل جاتے ہیں اور

☆ مرتبہ ایتائ ذی القربٰی متواتر احسانات کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس مرتبہ میں کامل طور پر عابد کے دل میں محبت ذات باری تعالیٰ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اغراضِ نفسانیہ کا رائحہ اور بقیہ بالکل دور ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبتِ ذاتی کا اصل اور منبع دو ہی چیزیں ہیں (۱) اوّل کثرت سے مطالعہ کسی کے حسن کا اور اس کے نقوش اور خال وخط اور شمائل کو ہر وقت ذہن میں رکھنا اور بار بار اس کا تصوّر کرنا۔ (۲) دوسرے کثرت سے تصور کسی کے متواتر احسانات کا کرنا اس کے انواع واقسام کی مروّتوں اور احسانوں کو ذہن میں لاتے رہنا اور ان احسانوں کی عظمت اپنے دل میں بٹھانا۔ (منہ)

[1] البقرة:۲۰۱ [2] النحل: ۹

دل ایسا محبت سے بھر جاتا ہے جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ [1] یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضاءِ الٰہی کے عوض میں بیچ☆ دیتے ہیں اور خدا ایسوں ہی پر مہربان ہے۔ اور پھر فرمایا بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [2] یعنے وہ لوگ نجات یافتہ ہیں۔ جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اس کی نعمتوں کے تصور سے اس طور سے اس کی عبادت کریں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں۔ سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں۔ اور نہ ان کو کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مدّعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور خدا کے پاس کی نعمتیں ان کا اجر ہوتا ہے اور پھر ایک جگہ فرمایا يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا [3] یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلہ اور شکرگزاری نہیں چاہتے اور نہ ہماری کچھ غرض ہے۔ ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ ان تمام آیات سے کس قدر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادتِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبتِ الٰہی اور رضاءِ الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے۔ مگر اس جگہ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عمدہ تعلیم جو نہایت صفائی سے بیان کی گئی ہے انجیل میں بھی موجود ہے۔ ہم ہر یک کو یقین دلاتے ہیں کہ اس صفائی اور تفصیل سے انجیل نے ہرگز بیان نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے تو اس دین کا نام اسلام اس غرض سے رکھا ہے کہ تا انسان خدا تعالیٰ کی عبادت نفسانی اغراض سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے کرے۔ کیونکہ اسلام تمام اغراض کے چھوڑ دینے کے بعد رضا بقضا کا نام ہے۔ دنیا میں بجز اسلام ایسا کوئی مذہب نہیں۔ جس کے یہ مقاصد ہوں۔

---

[1] البقرة: ۲۰۸ [2] البقرة: ۱۱۳ [3] الدھر: ۹، ۱۰

☆ نفس کے بیچنے میں یہ بات داخل ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اپنے آرام کو جلالِ الٰہی کے ظاہر کرنے اور دین کی خدمت میں وقف کر دیوے۔ منہ

بے شک خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کے جتلانے کے لئے مومنوں کوانواع اقسام کی نعمتوں کے وعدے دیئے ہیں۔مگر مومنوں کو جو اعلیٰ مقام کے خواہش مند ہیں یہی تعلیم دی ہے کہ وہ محبتِ ذاتی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کریں۔لیکن انجیل میں تو صاف شہادتیں موجود ہیں کہ آپ کے یسوع صاحب کے حواری لالچی اور کم عقل تھے۔پس جیسے ان کی عقلیں اور ہمتیں تھیں ایسی ہی ان کو ہدایت بھی ملی۔ اور ایسا ہی یسوع بھی ان کو مل گیا۔جس نے اپنی خودکشی کا دھوکا دے کر سادہ لوحوں کو عبادت کرنے سے روک دیا۔

اگر کہو کہ انجیل نے یہ سکھلا کر کہ خدا کو باپ کہو محبتِ ذاتی کی طرف اشارہ کیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا خیال سراسر غلط ہے کیونکہ انجیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے خدا کے بیٹے کا لفظ دو طور سے استعمال کیا ہے۔(۱) اوّل تو یہ کہ مسیح کے وقت میں یہ قدیم رسم تھی۔کہ جو شخص رحم اور نیکی کے کام کرتا۔اور لوگوں سے مروّت اور احسان سے پیش آتا تو وہ واشگاف کہتا۔کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔اور اس لفظ سے اس کی یہ نیت ہوتی تھی کہ جیسے خدا نیکوں اور بدوں دونوں پر رحم کرتا ہے۔اور اس کے آفتاب اور ماہتاب اور بارش سے تمام بُرے بھلے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ایسا ہی عام طور پر نیکی کرنا میری عادت ہے۔لیکن فرق اس قدر ہے کہ خدا تو ان کاموں میں بڑا ہے۔اور میں چھوٹا ہوں۔سو انجیل نے بھی اس لحاظ سے خدا کو باپ ٹھہرایا کہ وہ بڑا ہے اور دوسروں کو بیٹا ٹھہرایا یہ نیت کر کے کہ وہ چھوٹے ہیں۔مگر اصل امر میں خدا سے مساوی کیا یعنی کمیت میں کمی بیشی کو مان لیا مگر کیفیت میں باپ بیٹا ایک رہے۔اور یہ ایک مخفی شرک تھا۔اس لئے کامل کتاب یعنی قرآن شریف نے اس طرح کی بول چال کو جائز نہیں رکھا۔یہودیوں میں جو ناقص حالت میں تھے جائز تھا اور انہیں کی تقلید سے یسوع نے اپنی باتوں میں بیان کر دیا۔چنانچہ انجیل کے اکثر مقامات میں اسی قسم کے اشارے پائے جاتے ہیں کہ خدا کی طرح رحم کرو۔خدا کی طرح دشمنوں سے بھی ایسی ہی بھلائی کرو جیسا کہ دوستوں سے تب تم خدا کے فرزند کہلاؤ گے کیونکہ اس کے کام سے تمہارا کام مشابہ ہوگا۔ صرف اتنا فرق رہا کہ وہ بڑا بمنزلہ باپ خدا اور تم چھوٹے بمنزلہ بیٹے کے ٹھہرے۔سو یہ تعلیم درحقیقت یہودیوں کی کتابوں سے لی گئی تھی اس لئے یہودیوں کا اب تک یہ اعتراض ہے کہ یہ چوری اور سرقہ ہے۔بائبل سے چرا کر یہ باتیں انجیل میں لکھ دیں۔بہرحال یہ تعلیم ایک تو ناقص ہے اور

دوسرے اس طرح کا بیٹا محبت ذاتی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

(۲) دوسری قسم کے بیٹے کا انجیل میں ایک بے ہودہ بیان ہے جیسا کہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۴ میں ہے۔یعنی اس ورس میں بیٹا تو ایک طرف ہر یک کو خواہ کیسا ہی بدمعاش ہو خدا بنا دیا ہے۔اور دلیل یہ پیش کی ہے۔کہ نوشتوں کا باطل ہونا ممکن نہیں۔غرض انجیل نے شخصی تقلید سے اپنی قوم کا ایک مشہور لفظ لے لیا۔علاوہ اس کے یہ بات خود غلط ہے کہ خدا کو باپ قرار دیا جاوے اور اس سے زیادہ تر نادان اور بے ادب کون ہوگا کہ باپ کا لفظ خدا تعالیٰ پر اطلاق کرے۔چنانچہ ہم اس بحث کو بفضلہٖ تعالیٰ کتاب منن الرحمٰن میں بتفصیل بیان کر چکے ہیں۔اس سے آپ پر ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ پر باپ کا لفظ اطلاق کرنا نہایت گندہ اور ناپاک طریق ہے۔اسی وجہ سے قرآن کریم نے سمجھانے کے لئے یہ تو کہا کہ خدا تعالیٰ کو ایسی محبت سے یاد کرو جیسا کہ باپوں کو یاد کرتے ہو۔مگر یہ کہیں نہیں کہا کہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کو باپ سمجھ لو۔

اور انجیل میں ایک اور نقص یہ ہے کہ اس نے یہ تعلیم کسی جگہ نہیں دی کہ عبادت کرنے کے وقت اعلیٰ طریق عبادت یہی ہے کہ اغراض نفسانیہ کو درمیان سے اٹھا دیا جاوے بلکہ اگر کچھ سکھلایا تو صرف روٹی مانگنے کے لئے دعا سکھلائی قرآن شریف نے تو ہمیں یہ دعا سکھلائی کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [1] یعنی ہمیں اس راہ پر قائم کر جو نبیوں اور صدیقوں کی اور عاشقانِ الٰہی کی راہ ہے۔مگر انجیل یہ سکھلاتی ہے کہ ہماری روزینہ کی روٹی آج ہمیں بخش۔ہم نے تمام انجیل پڑھ کر دیکھی اس میں اعلیٰ تعلیم کا نام ونشان نہیں ہے۔

اعتراض پنجم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کی ایک غیر عورت پر نظر پڑی۔تو آپ نے گھر میں آ کر اپنی بیوی سودہؓ سے خلوت کی۔پس جو شخص غیر عورت کو دیکھ کر اپنے نفس پر غالب نہیں آ سکتا۔جب تک اپنی عورت سے خلوت نہ کرے اور اپنے نفس کی حرص کو پورا نہ کرے تو وہ فرد اکمل کیونکر ہوسکتا ہے؟

اقول میں کہتا ہوں کہ جس حدیث کے معترض نے اُلٹے معنے سمجھ لئے ہیں وہ صحیح مسلم میں ہے۔اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ عَنۡ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اِمۡرَاَةً فَاَتٰى

[1] الفاتحۃ: ۶۔۷

اِمْرَأَتَهُ زَيْنَبَ وَهِيَ تَمْعَسُ مَنِيَّةً لَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهُ ۔ اس حدیث میں سودہؓ کا کہیں ذکر نہیں اور معنے حدیث کے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا۔ پھر اپنی بیوی زینبؓ کے پاس آئے اور وہ چمڑہ کو مالش کر رہی تھی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی۔ اب دیکھو کہ حدیث میں اس بات کا نام ونشان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عورت کا حسن و جمال پسند آیا۔ بلکہ یہ بھی ذکر نہیں کہ وہ عورت جوان تھی یا بڈھی تھی۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سے آکر صحبت کی۔ الفاظ حدیث صرف اس قدر ہیں کہ اس سے اپنی حاجت کو پورا کیا اور لفظ قَضٰی حَاجَتَہٗ لغت عرب میں مباشرت سے خاص نہیں ہے۔ قضاءِ حاجت پاخانہ پھرنے کو بھی کہتے ہیں اور کئی اور معنوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سے صحبت کی تھی۔ ایک عام لفظ کسی خاص معنی میں محدود کرنا صریح شرارت ہے۔ علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بات مروی نہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھ کر اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ مسلم میں جابر سے ایک حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کی نظر میں خوبصورت معلوم ہو۔ تو بہتر ہے کہ فی الفور گھر میں آکر اپنی عورت سے صحبت کر لے تا کہ کوئی خطرہ بھی دل میں گذرنے نہ پائے اور بطور حفظِ ماتقدم علاج ہو جائے۔ پس ممکن ہے کہ کسی صحابی نے اس حدیث کے سننے کے بعد دیکھا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی راہ میں کوئی جوان عورت سامنے آگئی اور پھر اس کو یہ بھی اطلاع ہوگئی ہو کہ اس وقت کے قریب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً اپنی بیوی سے صحبت کی تو اس نے اس اتفاقی امر پر اپنے اجتہاد سے اپنے گمان میں ایسا ہی سمجھ لیا ہو کہ اس حدیث کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل کیا۔

پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ قول صحابی کا صحیح تھا تو اس سے کوئی بدنتیجہ نکالنا کسی بد اور خبیث آدمی کا کام ہے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس بات پر بہت حریص ہوتے ہیں کہ ہر یک نیکی اور تقویٰ کے کام کو عملی نمونہ کے پیرایہ میں لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیں۔ پس بسا اوقات وہ تنزّل کے طور پر کوئی ایسا نیکی اور تقویٰ کا کام بھی کرتے ہیں جس میں محض عملی نمونہ دکھانا منظور ہوتا

ہے اوران کے نفس کواس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم قانون قدرت کے آئینہ میں یہ بات حیوانات میں بھی پاتے ہیں۔ مثلاً ایک مرغی صرف مصنوعی طور پر اپنی منقار دانہ پر اس غرض سے مارتی ہے کہ اپنے بچوں کوسکھا دے کہ اس طرح دانہ زمین پر سے اٹھانا چاہیئے۔ سوعملی نمونہ دکھانا کامل معلّم کے لئے ضروری ہوتا ہے اور ہر یک فعل معلّم کا اس کے دل کی حالت کا معیار نہیں ہوتا ماسوا اس کے ایک خوبصورت کو، اگر اتفاقاً اس پر نظر پڑ جائے، خوبصورت سمجھنا نفس الامر میں کوئی بات عیب کی نہیں۔ ہاں بدخطرات کامل تقدس کے برخلاف ہیں لیکن جو شخص بدخطرات سے پہلے حفظِ ماتقدم کے طور پر تقویٰ کی دقیق راہوں پر قدم مارے تا خطرات سے دور رہے۔ تو کیا ایسا عمل کمال کے منافی ہوگا۔ یہ تعلیم قرآن شریف کی نہایت اعلیٰ ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [1] یعنی جس قدر کوئی تقویٰ کی دقیق راہیں اختیار کرے۔ اسی قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ پس بلاشبہ یہ نہایت اعلیٰ مرتبہ تقویٰ کا ہے کہ قبل از خطرات خطرات سے محفوظ رہنے کی تدبیر بطور حفظِ ماتقدم کی جائے۔

اور اگر یہ دعویٰ ہو کہ کاملین بہرحال خطرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کو تدبیر کی حاجت نہیں تو یہ دعویٰ سراسر حماقت اور قصور معرفت کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کسی معصیت اور نافرمانی پر ایک سیکنڈ کے لئے بھی دلی عزیمت نہیں کرسکتے۔ اور ایسا کرنا ان کے لئے کبائر ذنوب کی طرح ہے لیکن انسانی قویٰ اپنے خواص اس میں بھی دکھلا سکتے ہیں۔ گو وہ بدخطرات پر قائم ہونے سے بکلّی محفوظ رکھے گئے ہیں۔ مثلاً اگر ایک نبی بشدت بھوکا ہو اور راہ میں وہ بعض درخت پھلوں سے لدے ہوئے پائے تو یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بغیر اجازت مالک پھلوں کی طرف ہاتھ لمبا نہیں کرے گا اور نہ دل میں اُن پھلوں کے توڑنے کے لئے عزیمت کرے گا لیکن یہ خیال اس کو آسکتا ہے کہ اگر یہ پھل میری مِلک میں سے ہوتے تو میں ان کو کھا سکتا۔ اور یہ خیال کمال کے منافی نہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے خدا صاحب تھوڑی سی بھوک کے عذاب پر صبر نہ کر کے کیونکر انجیر کے درخت کی طرف دوڑے گئے۔ کیا آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ یہ درخت ان کا یا ان کے والد صاحب کی مِلک میں سے تھا؟ پس جو شخص بیگانہ درخت کو دیکھ کر اپنے نفس پر غالب نہ آسکا اور پیٹ کو بھینٹ

---

[1] الحجرات: ۱۴

چڑھانے کے لئے اس کی طرف دوڑا گیا۔ وہ خدا تو کیا بلکہ بقول آپ کے فرد اکمل بھی نہیں۔

الغرض کسی کے دل میں یہ خیال گذرنا کہ یہ چیز خوبصورت ہے۔ یہ ایک علیحدہ امر ہے جس کو خدا نے آنکھیں دی ہیں جیسے وہ کانٹے اور پھول میں فرق کرسکتا ہے۔ ایسا ہی وہ خوبصورت اور بدصورت میں فرق کرسکتا ہے۔ آپ کے خدا صاحب کو شاید یہ قوت ممیّزہ فطرت سے نہیں ملی ہوگی مگر پیٹ کی شہوت کے لئے تو انجیر کے درخت کی طرف دوڑے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ کس کا انجیر ہے۔

تعجب کہ ایک شرابی اور کھاؤ پیو کو شہوت پرست نہ کہا جائے اور وہ پاک ذات جس کی زندگی اور جس کا ہر یک فعل خدا کے لئے تھا۔ اس کا نام اس زمانہ کے پلید طبع شہوت پرست رکھیں۔ عجب تاریکی کا زمانہ ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم کا ایک نمونہ ہے کہ ہرگز قصداً کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو کہ یہ بدنظری کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر اتفاقاً کسی خوبصورت عورت پر نظر پڑے اور وہ خوبصورت معلوم ہو تو اپنی عورت سے صحبت کر کے اس خیال کو ٹال دو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ تعلیم اور یہ حکم حفظِ ماتقدم کے طور پر ہے جو شخص مثلاً ہیضہ کے دنوں میں ہیضہ سے بچنے کے لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر کوئی دوا استعمال کرتا ہے تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس کو ہیضہ ہو گیا ہے یا ہیضہ کے آثار اس میں ظاہر ہو گئے ہیں۔ بلکہ یہ بات اس کی دانشمندی میں محسوب ہوگی اور سمجھا جائے گا کہ وہ اس بیماری سے طبعاً نفرت رکھتا ہے اور اس سے دُور رہنا چاہتا ہے۔ اس بات میں آپ کے ساتھ کوئی بھی اتفاق نہیں کرے گا کہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرنا کمال کے برخلاف ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام تقویٰ کا نمونہ نہ دکھلاویں تو اور کون دکھلاوے۔ جو خدا ترسی میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے وہی سب سے بڑھ کر تقویٰ بھی اختیار کرتا ہے۔ وہ بدی سے اپنے تئیں دُور رکھتا ہے وہ ان راہوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ جس میں بدی کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر آپ کے یسوع صاحب کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کب تک ان کے حال پر روویں۔ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ ایک زانیہ عورت کو یہ موقعہ دیتا کہ وہ عین جوانی اور حُسن کی حالت میں ننگے سر اس سے مل کر بیٹھتی اور نہایت ناز اور نخرہ سے اس کے پاؤں پر اپنے بال مَلتی اور حرام کاری کے عطر سے اس کے سر پر مالش کرتی۔ اگر یسوع کا دل بدخیالات سے پاک ہوتا تو وہ ایک کسبی عورت کو نزدیک آنے سے ضرور منع کرتا۔ مگر ایسے لوگ جن کو حرام کار عورتوں کے چُھونے سے مزہ آتا ہے۔ وہ ایسے نفسانی موقعہ پر کسی ناصح کی نصیحت بھی نہیں سُنا کرتے۔ دیکھو یسوع

کو ایک غیرت مند بزرگ نے نصیحت کے ارادہ سے روکنا چاہا کہ ایسی حرکت کرنا مناسب نہیں۔ مگر یسوع نے اس کے چہرہ کی ترش روئی سے سمجھ لیا کہ میری اس حرکت سے یہ شخص بیزار ہے تو رندوں کی طرح اعتراض کو باتوں میں ٹال دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ کنجری بڑی اخلاص مند ہے۔ ایسا اخلاص تو تجھ میں بھی نہیں پایا گیا۔ سبحان اللہ! یہ کیا عمدہ جواب ہے۔ یسوع صاحب ایک زنا کار عورت کی تعریف کررہے ہیں کہ بڑی نیک بخت ہے۔ دعویٰ خدائی کا اور کام ایسے۔ بھلا جو شخص ہر وقت شراب سے سرمست رہتا ہے اور کنجریوں سے میل جول رکھتا ہے اور کھانے میں بھی ایسا اوّل نمبر کا جو لوگوں میں یہ اس کا نام ہی پڑ گیا ہے کہ یہ کھاؤ پیو ہے۔ اس سے کس تقویٰ اور نیک بختی کی امید ہوسکتی ہے۔ **ہمارے سیّد و مولیٰ افضل الانبیاء خیر الاصفیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** کا تقویٰ دیکھئے کہ وہ ان عورتوں کے ہاتھ سے بھی ہاتھ نہیں ملاتے تھے جو پاک دامن اور نیک بخت ہوتی تھیں اور بیعت کرنے کے لئے آتی تھیں بلکہ دور بٹھا کر صرف زبانی تلقین توبہ کرتے تھے مگر کون عقلمند اور پرہیز گار ایسے شخص کو پاک باطن سمجھے گا جو جوان عورتوں کے چُھونے سے پرہیز نہیں کرتا۔ ایک کنجری خوبصورت ایسی قریب بیٹھی ہے گویا بغل میں ہے۔ کبھی ہاتھ لمبا کر کے سر پر عطر مل رہی ہے کبھی پیروں کو پکڑتی ہے اور کبھی اپنے خوشنما اور سیاہ بالوں کو پیروں پر رکھ دیتی ہے اور گود میں تماشہ کررہی ہے۔ یسوع صاحب اس حالت میں وجد میں بیٹھے ہیں اور کوئی اعتراض کرنے لگے تو اس کو جھڑک دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ عمر جوان اور شراب پینے کی عادت اور پھر مجرّد اور ایک خوبصورت کسبی عورت سامنے پڑی ہے۔ جسم کے ساتھ جسم لگا رہی ہے۔ کیا یہ نیک آدمیوں کا کام ہے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ اس کسبی کے چُھونے سے یسوع کی شہوت نے جنبش نہیں کی تھی۔ افسوس کہ یسوع کو یہ بھی میسر نہیں تھا کہ اس فاسقہ پر نظر ڈالنے کے بعد اپنی کسی بیوی سے صحبت کر لیتا۔ کم بخت زانیہ کے چُھونے سے اور ناز و ادا کرنے سے کیا کچھ نفسانی جذبات پیدا ہوئے ہوں گے اور شہوت کے جوش نے پورے طور پر کام کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے یسوع کے منہ سے یہ بھی نہ نکلا کہ اے حرام کار عورت! مجھ سے دُور رہ۔ اور یہ بات انجیل سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ عورت طوائف میں سے تھی اور زنا کاری میں سارے شہر میں مشہور تھی۔

اعتراض ہفتم متعہ کا جائز کرنا اور پھرنا جائز کرنا۔

اما الجواب ۔ نادان عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ اسلام نے متعہ کو رواج نہیں دیا۔ بلکہ جہاں تک ممکن تھا اس کو دنیا میں سے گھٹایا۔ اسلام سے پہلے نہ صرف عرب میں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں متعہ کی رسم تھی یعنی یہ کہ ایک وقت خاص تک نکاح کرنا پھر طلاق دے دینا اور اس رسم کے پھیلانے والے اسباب میں سے ایک یہ بھی سبب تھا کہ جو لوگ لشکروں میں منسلک ہو کر دوسرے ملکوں میں جاتے تھے یا بطریق تجارت ایک مدت تک دوسرے ملک میں رہتے تھے۔ ان کو مؤقت نکاح یعنی متعہ کی ضرورت پڑتی تھی اور کبھی یہ بھی باعث ہوتا کہ غیر ملک کی عورتیں پہلے سے بتلا دیتی تھیں کہ وہ ساتھ جانے پر راضی نہیں اس لئے اسی نیت سے نکاح ہوتا تھا کہ فلاں تاریخ طلاق دی جائے گی۔ پس یہ سچ ہے کہ ایک دفعہ یا دو دفعہ اس قدیم رسم پر بعض مسلمانوں نے بھی عمل کیا☆ مگر وحی اور الہام سے نہیں بلکہ جو قوم میں پرانی رسم تھی۔ معمولی طور پر اس پر عمل ہو گیا لیکن متعہ میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ وہ ایک تاریخ مقررہ تک نکاح ہوتا ہے اور وحی الٰہی نے آخر اس کو حرام کر دیا۔ چنانچہ ہم رسالہ آریہ دھرم میں اس کی تفصیل لکھ چکے ہیں۔ مگر تعجب کہ عیسائی لوگ کیوں متعہ کا ذکر کرتے ہیں جو صرف ایک نکاحِ مؤقّت ہے۔ اپنے یسوع کے چال چلن کو کیوں نہیں دیکھتے۔ کہ وہ ایسی جوان عورتوں پر نظر ڈالتا ہے جن پر نظر ڈالنا اس کو درست نہ تھا۔ کیا جائز تھا کہ ایک کسبی کے ساتھ وہ ہم نشین ہوتا۔ کاش اگر متعہ کا ہی پابند ہوتا تو ان حرکات سے بچ جاتا۔ کیا یسوع کی بزرگ دادیوں نانیوں نے متعہ کیا تھا یا صریح صریح زنا کاری تھی۔ ہم عیسائی صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ جس مذہب میں نہ متعہ یعنی نکاحِ مؤقّت درست ہے اور نہ ازدواج ثانی جائز۔ اس مذہب کے لشکری لوگ جو بباعث رعایت حفظ قوت کے راہبانہ زندگی بھی بسر نہیں کر سکتے بلکہ شہوت کی جنبش دینے والی شرابیں پیتے ہیں۔ وہ عمدہ سے عمدہ خوراکیں کھاتے ہیں۔ تا سپاہیانہ کاموں کے بجالانے میں چست و چالاک رہیں جیسے گوروں کی پلٹنیں وہ کیونکر بدکاریوں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہیں اور ان کی حفظِ عفّت کے لئے انجیل میں کیا قانون ہے اور اگر کوئی قانون تھا اور انجیل میں ایسے مجردوں کا کچھ علاج لکھا تھا تو پھر کیوں سرکار انگریزی نے ایکٹ چھاؤنی ہائے نمبر ۱۳، ۱۸۸۹ء جاری کر کے یہ انتظام کیا کہ گورہ سپاہی فاحشہ عورتوں کے ساتھ خراب ہوا کریں یہاں تک کہ سر جارج رائٹ کمانڈر انچیف

☆ یہ عمل سخت اضطرار کے وقت تھا جیسے بھوک سے مرنے والا مُردہ کھالے۔

افواجِ ہند نے ماتحت حکام کو ترغیب دی کہ ایسی خوبصورت اور جوان عورتیں گوروں کی زنا کاری کے لئے بہم پہنچائی جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسی ضرورتوں کے وقت جنہوں نے حکّام کو ان قابل شرم تجویزوں کے لئے مجبور کیا۔ انجیلوں میں کوئی تدبیر ہوتی تو وہ حلال طریق کو چھوڑ کر ناپاک طریقوں کو اپنے بہادر سپاہیوں میں رواج نہ دیتے۔ اسلام میں کثرتِ ازدواج کی برکتوں نے ہر یک زمانہ میں سلاطین کو ان ناپاک تدبیروں سے بچالیا۔ اسلامی سپاہی نکاح سے اپنے تئیں حرام کاری سے بچا لیتے ہیں۔ اگر پادری صاحبان کوئی مخفی تدابیر انجیل کی حرام کاری سے بچانے کی یاد رکھتے ہیں تو اس طریق سے گورنمنٹ کو روک دیں کیونکہ اخبار ٹائمز نے اب پھر زور شور سے اس قانون کو دوبارہ جاری کرنے کے لئے سلسلہ جنبانی کی ہے۔ یہ سب باتیں اس بات پر گواہ ہیں کہ انجیل کی تعلیم ناقص ہے اور اس میں تمدن کے ہر یک پہلو کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ باقی آئندہ۔ انشاء اللہ۔☆

الراقم: میرزا غلام احمد قادیانی

☆ نور القرآن حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۰۲ تا ۴۵۲

مکتوب نمبر ۱۱

مشفقی پادری فتح مسیح صاحب! بعد ماوجب مدت کے بعد آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ اگر آپ نے ہزار روپیہ پانے کی کوئی نظیر پیدا کر لی ہے تو بہت خوب ہے لیکن بہتر ہے کہ آپ ایسے عمدہ اور اعلیٰ کتابوں کے حوالہ سے کوئی اشتہار میرے نام شائع کر دیں۔ اور یہی مضمون جو خط میں آپ نے لکھا ہے اس میں لکھ دیں اور اگر اشتہار نہیں تو نور افشاں میں چھپوا دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کوئی قلمی تحریر آپ کی طرف نہیں بھیجی بلکہ ہزار روپیہ کا اشتہار چھپوا کر بھیجا ہے۔ تو اس صورت میں طریق مقابلہ یہی ہے کہ جیسا کہ میں نے ایک دعویٰ کو چھاپ کر پبلک کے سامنے رکھ دیا ہے اور ہر ایک کو نظر اور غور کرنے کا موقع دیا ہے۔ آپ بھی ویسا ہی کریں اور وہ عمدہ کتابیں جو آپ کی دانست میں اعتماد کے لائق ہیں اور اہل الرائے نے ان پر کوئی جرح نہیں کیا اور نہ ان مفتریات میں سے ٹھہرایا ہے۔ ان کا وہ مقام شائع کر دیں۔ آپ کی اس میں بڑی نیک نامی ہوگی کیونکہ جب کہ میں اس وسوسہ کے استیصال کیلئے جواب الجواب چھپوا دوں گا اور پبلک کی نظر میں وہ نکما ثابت ہوگا تو گویا پبلک آپ کو ہزار روپیہ پانے کی ڈگری دے دے گی۔ اس صورت میں ہر ایک کی نظر میں آپ ہزار روپیہ پانے کے مستحق ٹھہر جاویں گے اور مجھ کو دینا پڑے گا اور نیز اس صورت میں یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کی اس معرکہ کی فتح کے بعد کچھ ترقی بھی ضرور ہوگی کیونکہ جب کہ آپ یسوع صاحب کی عزت ثابت کریں گے تو ضرور لوگ آپ کی عزت کریں گے۔ میری نظر میں تو سوائے حوالات میں رہنے اور چوتڑوں پر کوڑے کھانے کے انجیل سے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اگر اسی کا نام عزت ہے تو بے شک اُس وقت کے مخالف مذہب والیانِ ملک نے مسیح کی بڑی عزت کی۔ خیر اوّل اس خط کو جو میری طرف بھیجا ہے، چھپوا دیں اور جلد چھپوا دیں اور ایک کاپی میرے نام بھیج دیں۔ پھر آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیسی ان اسناد کی وقعت اور یسوع مسیح کی عزت ثابت کرتا ہوں۔ اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نور القرآن میں مجھ کو گالیاں دی ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ گالیاں دینا اور توہین کرنا اور افتراء کرنا وہ سب اس زمانہ کے پادری صاحبوں کے حصہ میں آ گیا ہے۔ کون سی گالی ہے جو آپ

لوگوں نے ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دی۔ کونسی توہین ہے جو اس جناب کی آپ لوگوں نے نہیں کی۔ نہ ایک نہ دو بلکہ ہزاروں کتابیں آپ لوگوں کے ہاتھ سے ایسی نکلی ہیں جو گالیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر وہی الفاظ آپ صاحبوں کے باپ یا ماں یا یسوع کی نسبت استعمال کئے جائیں تو کیا آپ برداشت کر سکتے ہیں؟ ہمارے دلوں کو آپ لوگوں نے ایسا دُکھایا جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ مُردہ پرستی کی شامت ہے کہ آپ لوگوں کے دلوں سے راستبازی کا نور بالکل جاتا رہا۔ ہر ایک سوال شرارت کے ساتھ ملا کر بیان کیا جاتا ہے ہر ایک اعتراض میں افتراء کی ملونی سے رنگ دیا جاتا ہے۔ ہر ایک بات ٹھٹھے اور ہنسی سے مخلوط ہوتی ہے۔ کیا یہ نیک انسانوں کا کام ہے؟ پھر جس حالت میں آپ اُس عالی جناب کی عزت نہیں کرتے جس کو زمین و آسمان کے خالق نے عزت دے رکھی ہے اور جس کے آستانہ پر پچانوے کروڑ آدمی سر جھکاتے ہیں (نئی تحقیقات سے مسلمانوں کی تعداد ۹۵ کروڑ تمام روئے زمین پر ثابت ہوئی ہے) پھر آپ ہم سے کس عزت کو چاہتے ہیں؟ ہم نے بہتیرا چاہا کہ آپ لوگ تہذیب سے پیش آویں تا ہم بھی تہذیب سے پیش آویں مگر آپ لوگ ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جن اعتراضات کو آپ تہذیب اور نرمی سے پیش کر سکتے ہیں ان کو آپ توہین اور تحقیر سے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً زینب کے قصہ میں جو متبنّٰی کی بیوی کو نکاح میں لانا آپ لوگوں کی نظر میں محل اعتراض ہے اور اس اعتراض کو دل دکھانے کیلئے توہین اور تحقیر کے پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں طلبِ حق اور زبان میں تہذیب ہوتو اس طور سے اعتراض پیش کریں کہ ہماری توریت اور انجیل کی رو سے متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے اور توریت انجیل کی رو سے جس مرد کو بیٹا کہا جاوے یا عورت کو بیٹی کہا جائے تو اس مرد کی بیوی حرام ہو جاتی ہے اور ایسی عورت کو نکاح میں لانا حرام ہو جاتا ہے۔ یا اگر نکاح میں ہو تو اس پر طلاق پڑ جاتی ہے اور نیز فلاں فلاں عقلی دلیل سے ثابت ہے کہ متبنّٰی اصل بیٹے کی مانند ہو جاتا ہے مگر اسلام نے متبنّٰی کی بیوی سے بعد طلاق نکاح جائز رکھا ہے۔ تو ایسے اعتراض سے کوئی مسلمان ناراض نہ ہو یا مثلاً کثرتِ ازدواج پر آپ اعتراض کریں اور نرمی سے توریت اور انجیل کی آیات ثبوت میں لکھیں کہ صریح ان کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی کرنا حرام ہے اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے۔ اور معقول طور سے بھی دوسری بیوی کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوئی تو اس اعتراض

پر کون ناراض ہوسکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو یہ اخلاق نصیب کرے تو ہم بچوں کی طرح آپ لوگوں کو شفقت اور رحمت سے تعلیم دے سکتے ہیں اور محبت اور خُلق سے ہر ایک بات میں آپ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ مگر آپ تو درندوں کی طرح ہم پر گرتے ہیں۔ پھر آخر ہم نہ جوش غصہ سے بلکہ تادیب کیلئے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ہاں اگر آپ حقیقی خلق برتنے اور درندگی کے چھوڑنے کیلئے تیار ہیں تو ہم بھی محبت اور خلق اور عزت کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ورنہ آپ کی مرضی۔ یقیناً ایک وہ زمانہ تھا جو بقول آپ کے یسوع مصلوب ہوا اور اب وہ گھڑی بہت نزدیک ہے جو تثلیث مصلوب ہو جاوے گی اور توریت کے مفہوم کے موافق لکڑی پر لٹکائی جاوے گی۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔**

(از قادیان ضلع گورداسپور۔ یکم فروری ۱۸۹۶ء)

نورالقرآن کا جواب جلد شائع کریں۔ ان ہی اعتراض کیلئے رجسٹری شدہ خط بھیجتا ہوں۔☆

(غلام احمد)

☆ الحکم ۲۱ / جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۲

ایک یادداشت

پادری لیفرائے کے لیکچر اور مفتی محمد صادق صاحب کی طرف سے اس کے لیکچر کے بارہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی ایک یادداشت

قادیان بعد از ظہر ۲۴ مئی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مفصل خط ملا۔ امیر علی شاہ کے پاس کی خبر نے مجھے، حضرت کو اور اپنی جماعت کو ازبس خوش کیا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا بھائیوں کے اتفاق اور اس کے لوازم کی خبر نے بہت خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشے۔

ظہر کے بعد مفتی محمد صادق صاحب لاہور سے آئے ہیں اور عصر کی نماز پڑھ کر واپس چلے جائیں گے۔ بشپ صاحب کی تقریر اور اپنی تقریر سب سنائی اور سنایا کہ عام مسلمانوں پر بہت اثر پڑا کہ **مرزائی جیت گئے۔**

اُس نے قرآن کریم سے یہ ثابت کرنا چاہا جیسا کہ عام عیسائی ثابت کیا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ (ذنب) کا اعتراف کرتے ہیں اور استغفار پڑھتے رہتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ گنہگار تھے۔ مفتی صاحب نے ذنب، جرم اور خطا اور عصیان اور اثم کا فلسفہ بیان کیا اور استغفار کی حقیقت بیان کی۔ بشپ تو حیران رہ گیا کیونکہ ان کافروں نے یہ باتیں نہ سنی ہوئی تھیں اور نہ پڑھی ہوئی تھیں۔ غرض ان کا جواب نہ دے سکا۔

اس جمعہ میں انہوں نے زندہ رسول پر لیکچر دینے کا اشتہار دیا ہے **حضرت نے ابھی قلم پکڑ لیا ہے** اور زندہ رسول پر اشتہار دینے کی تیاری کر دی ہے اور حکم دیا ہے کہ رات رات یہ اشتہار چھپ جائے اور **جمعہ کو عصر کے وقت** تقسیم ہو جائے۔ عین اسی وقت جب کہ پادری کا لیکچر ختم ہو شہر میں عام جوش پھیلا ہوا ہے۔ چنیاں والی مسجد میں اس نئے اشتہار بشپ پر جب کہ مفتی صاحب وہاں سے گذر رہے تھے حاضرین مسجد کو بابا چٹو نے کہا اب اگر اور مسلمان بولے تو ہار کھائیں گے اور مرزائی بولے تو فتح پائیں گے اور معزز مسلمانوں نے بھی صلاح کی ہے کہ جو کچھ ہو اب تو **اسلام اور عیسویت کی جنگ**

ہے۔ مرزائی بولیں تو فتح ہوسکتی ہے ورنہ صاف شکست اور ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہتک ہے کہ ان کو مردہ ثابت کریں گے۔ غرض آج بڑا لطف آیا اور نئے سرے حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے وجود کی ضرورت اور صداقت ثابت ہوئی۔

افسوس یہ لوگ اپنے منہ سے صاف اقرار کررہے ہیں کہ بجز اس حربہ کو جو ہمارے سلسلہ نے نکالا ہے عیسویت ہلاک نہیں ہوسکتی اور پھر بھی انکار کئے جارہے ہیں۔

حضرت اقدس آج کچھ علیل تھے مگر غیرت دینی سے **قلم پکڑ لی ہے**۔ ایدہ اللہ بنصرہٖ

(عبدالکریم از قادیان ۲۴ مئی)

☆ الحکم ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۷

مکتوب نمبر۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

بشپ صاحب لاہور سے ایک سچے فیصلہ کی درخواست

میں نے سنا ہے کہ بشپ صاحب لاہور نے مسلمانوں کو اس بات کی دعوت کی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا ثابت کر کے دکھلا دیں۔ میرے نزدیک بشپ صاحب موصوف کا یہ بہت عمدہ ارادہ ہے کہ وہ اس بات کا تصفیہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں بزرگ نبیوں میں سے ایسا نبی کون ہے جس کی زندگی پاک اور مقدس ہو۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکتا کہ اس سے ان کی کیا غرض ہے کہ کسی نبی کا معصوم ہونا ثابت کیا جائے۔ یعنی پبلک کو یہ دکھلایا جائے کہ اس نبی سے اپنی عمر میں کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ میرے نزدیک یہ ایسا طریق بحث ہے جس سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ تمام قوموں کا اس پر اتفاق نہیں ہے کہ فلاں قول اور فعل گناہ میں داخل ہے اور فلاں گفتار اور کردار گناہ میں داخل نہیں ہے۔ مثلاً بعض فرقے شراب پینا سخت گناہ سمجھتے ہیں اور بعض کے عقیدہ کے موافق جب تک روٹی توڑ کر شراب میں نہ ڈالی جائے اور ایک نومرید مع بزرگان دین کے اس روٹی کو نہ کھاوے اور اس شراب کو نہ پیوے تب تک دیندار ہونے کی پوری سند حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی بعض کے نزدیک اجنبی عورت کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے مگر بعض کا یہ مذہب ہے کہ ایک خاوند والی عورت بیگانہ مرد سے بیشک اس صورت میں ہمبستر ہو جائے جب کہ کسی وجہ سے اولاد ہونے سے نومیدی ہو اور یہ کام نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کا موجب ہے اور اختیار ہے کہ دس یا گیارہ بچوں کے پیدا ہونے تک ایسی عورت بیگانہ مرد سے بدکاری میں مشغول رہے۔ ایسا ہی ایک کے نزدیک جوں یا پسو مارنا بھی حرام ہے اور دوسرا تمام جانوروں کو سبز ترکاریوں کی طرح سمجھتا ہے۔ اور ایک کے مذہب میں سُؤر کا چھونا بھی انسان کو ناپاک کر دیتا ہے اور دوسرے کے مذہب میں تمام سفید و سیاہ سُؤر بہت عمدہ غذا ہیں۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ گناہ کے مسئلہ میں دنیا کو کُلّی اتفاق نہیں ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح خدائی کا دعویٰ کر کے پھر بھی اوّل درجہ کے معصوم ہیں مگر مسلمانوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر

کوئی بھی گناہ نہیں کہ انسان اپنے تئیں یا کسی اور کو خدا کے برابر ٹھہرا دے۔ غرض یہ طریق مختلف فرقوں کے لئے ہرگز حق شناسی کا معیار نہیں ہوسکتا جو بشپ صاحب نے اختیار کیا ہے۔ ہاں یہ طریق نہایت عمدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور عملی اور اخلاقی اور تقدسی اور برکاتی اور تاثیراتی اور ایمانی اور عرفانی اور افاضۂ خیر اور طریق معاشرت وغیرہ وجوہ فضائل میں باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے۔ یعنی یہ دکھلایا جاوے کہ ان تمام امور میں کس کی فضیلت اور فوقیت ثابت ہے اور کس کی ثابت نہیں۔ کیونکہ جب ہم کلام کلّی کے طور پر تمام طریق فضیلت کو مدنظر رکھ کر ایک نبی کے وجوہ فضائل بیان کریں گے تو ہم پر یہ طریق بھی کھلا ہوگا کہ اُسی تقریب پر ہم اُس نبی کی پاک باطنی اور تقدس اور طہارت اور معصومیت کی وجوہ بھی جس قدر ہمارے پاس ہوں بیان کر دیں اور چونکہ اس قسم کا بیان صرف ایک جزوی بیان نہیں ہے بلکہ بہت سی باتوں اور شاخوں پر مشتمل ہے اس لئے پبلک کے لئے آسانی ہوگی کہ اس تمام مجموعہ کو زیرنظر رکھ کر اس حقیقت تک پہنچ جاویں کہ ان دونوں نبیوں میں سے درحقیقت افضل اور اعلیٰ شان کس نبی کو حاصل ہے اور گو ہر ایک شخص فضائل کو بھی اپنے مذاق پر ہی قرار دیتا ہے مگر چونکہ یہ انسانی فضائل کا ایک کافی مجموعہ ہوگا اس لئے اس طریق سے افضل اور اعلیٰ کے جانچنے میں وہ مشکلات نہیں پڑیں گے جو صرف معصومیت کی بحث میں پڑتی ہیں۔ بلکہ ہر ایک مذاق کے انسان کے لئے اس مقابلہ اور موازنہ کے وقت ضرور ایک ایسا قدر مشترک حاصل ہو جائے گا جس سے بہت صاف اور سہل طریقہ پر نتیجہ نکل آئے گا کہ ان تمام فضائل میں سے فضائل کثیرہ کا مالک اور جامع کون ہے؟ پس اگر ہماری بحثیں محض خدا کے لئے ہیں تو ہمیں وہی راہ اختیار کرنی چاہئے جس میں کوئی اشتباہ اور کدورت نہ ہو۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ معصومیت کی بحث میں پہلے قدم میں ہی یہ سوال پیش آئے گا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے عقیدہ کی رو سے جو شخص عورت کے پیٹ سے پیدا ہوکر خدا یا خدا کا بیٹا ہونا اپنے تئیں بیان کرتا ہے وہ سخت گنہگار بلکہ کافر ہے، تو پھر اس صورت میں معصومیت کیا باقی رہی؟ اور اگر کہو کہ ہمارے نزدیک ایسا دعویٰ نہ گناہ نہ کفر کی بات ہے تو پھر اُسی الجھن میں آپ پڑ گئے جس سے بچنا چاہئے تھا۔ کیونکہ جیسا آپ کے نزدیک حضرت مسیح کے لئے خدائی کا دعویٰ کرنا گناہ کی بات نہیں ہے، ایسا ہی ایک شاکت مت والے کے نزدیک ماں بہن سے بھی زنا کرنا گناہ کی بات نہیں ہے۔ اور آریہ صاحبوں

کے نزدیک ہر ایک ذرّہ کو اپنے وجود کا آپ ہی خدا جاننا اور اپنی پیاری بیوی کو باوجود اپنی موجودگی کے کسی دوسرے سے ہم بستر کرا دینا کچھ بھی گناہ کی بات نہیں۔ اور سناتن دھرم والوں کے نزدیک راجہ رام چندر اور کرشن کو اوتار جاننا اور پرمشیر ماننا اور پتھروں کے آگے سجدہ کرنا کچھ گناہ کی بات نہیں۔ اور ایک گبر کے نزدیک آگ کی پوجا کرنا کچھ گناہ کی بات نہیں۔ اور ایک فرقہ یہودیوں کے مذہب کے موافق غیر قوموں کے مال کی چوری کر لینا اور ان کو نقصان پہنچا دینا کچھ گناہ کی بات نہیں۔ اور بجز مسلمانوں کے سب کے نزدیک سُود لینا کچھ گناہ کی بات نہیں تو اب ایسا کون فارغ جج ہے کہ ان جھگڑوں کا فیصلہ کرے؟ اس لئے حق کے طالب کیلئے افضل اور اعلیٰ نبی کی شناخت کے لئے یہی طریق کھلا ہے جو میں نے بیان کیا ہے اور اگر ہم فرض بھی کر لیں تو تمام قومیں معصومیت کی وجوہ ایک ہی طور سے بیان کرتی ہیں یعنی اس بیان میں اگر تمام مذہبوں والے متفق بھی ہوں کہ فلاں فلاں امر گناہ میں داخل ہے جس سے باز رہنے کی حالت میں انسان معصوم کہلا سکتا ہے تو گو ایسا فرض کرنا غیر ممکن ہے تاہم محض اس امر کی تحقیق ہونے سے کہ ایک شخص شراب نہیں پیتا، رہزنی نہیں کرتا، ڈاکہ نہیں مارتا، خون نہیں کرتا، جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔ ایسا شخص صرف اس قسم کی معصومیت کی وجہ سے انسان کامل ہونے کا ہرگز مستحق نہیں ہوسکتا اور نہ کسی حقیقی اور اعلیٰ نیکی کا مالک ٹھہر سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو اپنا یہ احسان جتلائے کہ باوجودیکہ میں نے کئی دفعہ یہ موقع پایا کہ تیرے گھر کو آگ لگا دوں اور تیرے شیر خوار بچے کا گلا گھونٹ دوں مگر پھر بھی میں نے آگ نہیں لگائی اور نہ تیرے بچے کا گلا گھونٹا۔ تو ظاہر ہے کہ عقلمندوں کے نزدیک یہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نیکی نہیں سمجھی جائے گی اور نہ ایسے حقوق اور فضائل کو پیش کرنے والا بھلا مانس انسان خیال کیا جائے گا۔ ورنہ ایک حجام اگر یہ احسان جتلا کر ہمیں ممنون بنانا چاہے کہ بالوں کے کاٹنے یا درست کرنے کے وقت مجھے یہ موقع ملا تھا کہ میں تمہارے سر یا گردن یا ناک پر استرہ مار دیتا مگر میں نے یہ نیکی کی کہ نہیں مارا۔ تو کیا اس سے وہ ہمارا اعلیٰ درجہ کا محسن ٹھہر جائے گا اور والدین کے حقوق کی طرح اس کے حقوق بھی تسلیم کئے جائیں گے؟ نہیں، بلکہ وہ ایک طور کے جرم کا مرتکب ہے جو اپنی ایسی صفات ظاہر کرتا ہے اور ایک دانشمند حاکم کے نزدیک ضمانت لینے کے لائق ہے۔ غرض یہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احسان نہیں ہے کہ کسی نے بدی کرنے سے اپنے تئیں بچائے رکھا کیونکہ قانون سزا بھی تو اُسے روکتا تھا۔ مثلاً اگر کوئی شریر نقب

لگانے یا اپنے ہمسایہ کا مال چرانے سے رُک گیا ہے تو کیا اس کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس شرارت سے باز رہ کر اس سے نیکی کرنا چاہتا تھا بلکہ قانون سزا بھی تو اُسے ڈرا رہا تھا کیونکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں نقب زنی کے وقت یا کسی کے گھر میں آگ لگانے کے وقت یا کسی بے گناہ پر پستول چھوڑنے کے وقت یا کسی بچے کا گلا گھوٹنے کے وقت پکڑا گیا تو پھر گورنمنٹ پوری سزا دے کر جہنم تک پہنچائے گی۔ غرض اگر یہی حقیقی نیکی اور انسان کا اعلیٰ جوہر ہے تو پھر تمام جرائم پیشہ ایسے لوگوں کے محسن ٹھہر جائیں گے جن کو انہوں نے کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ لیکن جن بزرگواروں کو ہم انسان کامل کا خطاب دینا چاہتے ہیں کیا ان کی بزرگی کے اثبات کیلئے ہمیں بھی وجوہ پیش کرنے چاہئیں کہ کبھی انہوں نے کسی شخص کے گھر کو آگ نہیں لگائی، چوری نہیں کی، کسی بیگانہ عورت پر حملہ نہیں کیا، ڈاکہ نہیں مارا، کسی بچے کا گلا نہیں گھونٹا۔ حاشا وکلا، یہ کمینہ باتیں ہرگز کمال کی وجوہ نہیں ہوسکتیں بلکہ ایسے ذکر سے تو ایک طور سے ہجو نکلتی ہے۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ میری دانست میں زید جو ایک شہر کا معزز اور نیک نام رئیس ہے، فلاں ڈاکہ میں شریک نہیں ہے یا فلاں عورت کو جو چند آدمی زنا کے لئے بہلا کر لے گئے تھے، اس سازش سے زید کا کچھ تعلق نہ تھا۔ تو ایسے بیان میں مَیں زید کی ایک طریق سے ازالہ حیثیت عرفی کر رہا ہوں کیونکہ پوشیدہ طور پر پبلک کو احتمال کا موقع دیتا ہوں کہ وہ اس مادہ کا آدمی ہے، گو اس وقت شریک نہیں ہے۔ پس خدا کے نبیوں کی تعریف اسی حد تک ختم کر دینا بلاشبہ ان کی ایک سخت مذمت ہے اور اسی بات کو ان کا بڑا کمال سمجھنا کہ جرائم پیشہ لوگوں کی طرح ناجائز تکالیف عامہ سے انہوں نے اپنے تئیں بچایا، ان کے مرتبہ عالیہ کی بڑی ہتک ہے۔ اوّل تو بدی سے باز رہنا جس کو معصومیت کہا جاتا ہے کوئی اعلیٰ صفت نہیں ہے۔ دنیا میں ہزاروں اس قسم کے لوگ موجود ہیں کہ ان کو موقع نہیں ملا کہ وہ نقب لگائیں یا دھاڑا ماریں یا خون کریں یا شیر خوار بچوں کا گلا گھونٹیں یا بیچاری کمزور عورتوں کا زیور کانوں سے توڑ کر لے جائیں۔ پس ہم کہاں تک اس ترکِ شر کی وجہ سے لوگوں کو اپنے محسن ٹھہراتے جائیں اور ان کو محض اسی وجہ سے انسان کامل مان لیں؟ ماسوائے اس کے ترکِ شر کے لئے، جس کو دوسرے لفظوں میں معصومیت کہتے ہیں، بہت سی وجوہ ہیں۔ ہر ایک کو یہ لیاقت کب حاصل ہے کہ رات کو اکیلا اُٹھے اور حربہ نقب ہاتھ میں لے کر اور لنگوٹی باندھ کر کسی کوچے میں گھس جائے اور عین موقع پر نقب لگادے اور مال قابو میں کرے اور پھر جان بچا

کر بھاگ جائے۔اس قسم کی مشقیں نبیوں کو کہاں ہیں اور بغیر لیاقت اور قوت کے جرأت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ ایسا ہی زنا کاری بھی قوت مردمی کی محتاج ہے اور اگر مرد ہو بھی تب بھی محض خالی ہاتھ سے غیر ممکن ہے۔ بازاری عورتوں نے اپنے نفس کو وقف تو نہیں کر رکھا۔ وہ بھی آخر کچھ مانگتی ہیں۔تلوار چلانے کیلئے بھی بازو چاہئے اور کچھ اٹکل بھی اور کچھ بہادری اور دل کی قوت بھی۔بعض ایک چڑیا کو بھی نہیں مار سکتے اور ڈاکہ مارنا بھی ہر ایک بزدل کا کام نہیں۔اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ مثلاً ایک شخص جو ایک پُرثمر باغ کے پاس پاس جا رہا تھا۔اس نے اس باغ کا اس لئے بے اجازت پھل نہیں توڑا کہ وہ ایک بڑا مقدس انسان تھا۔کیا وجہ کہ ہم یہ نہ کہیں کہ اس لئے نہیں توڑا کہ دن کا وقت تھا۔ پچاس محافظ باغ میں موجود تھے۔ اگر توڑتا تو پکڑا جاتا، مار کھاتا، بے عزت ہوتا۔اس قسم کی نبیوں کی تعریف کرنا اور بار بار معصومیت پیش کرنا اور دکھلانا کہ انہوں نے ارتکاب جرائم نہیں کیا، سخت مکروہ اور ترکِ اَدب ہے۔ ہاں ہزاروں صفاتِ فاضلہ کے ضمن میں اگر یہ بھی بیان ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔مگر صرف اتنی ہی بات کہ اس نبی نے کبھی کسی بچے کا دو چار آنہ کے طمع کے لئے گلا نہیں گھونٹا یا کسی اور کمینہ بدی کا مرتکب نہیں ہوا، یہ بلاشبہ ہجو ہے۔ یہ ان لوگوں کے خیال ہیں جنہوں نے انسان کی حقیقی نیکی اور حقیقی کمال میں کبھی غور نہیں کیا۔جس شخص کا نام ہم انسان کامل رکھتے ہیں۔ہمیں نہیں چاہئے کہ محض ترکِ شر کے پہلو سے اس کی بزرگی کا وزن کریں کیونکہ اس وزن سے اگر کچھ ثابت ہو تو صرف یہ ہوگا کہ ایسا انسان بدمعاشوں کے گروہ میں سے نہیں ہے، معمولی بھلے مانسوں میں سے ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے، محض شرارت سے باز رہنا کوئی اعلیٰ خوبیوں کی بات نہیں۔ ایسا تو کبھی سانپ بھی کرتا ہے کہ آگے سے خاموش گزر جاتا ہے اور حملہ نہیں کرتا اور کبھی بھیڑیا بھی سامنے سے سرنگوں گزر جاتا ہے۔ ہزاروں بچے ایسی حالت میں مر جاتے ہیں اور کوئی ضرر بھی کسی انسان کو انہوں نے نہیں پہنچایا تھا۔ بلکہ انسان کامل کی شناخت کے لئے کسبِ خیر کا پہلو دیکھنا چاہئے یعنی یہ کہ کیا کیا حقیقی نیکیاں اس سے ظہور میں آئیں اور کیا کیا حقیقی کمالات اس کے دل اور دماغ اور کانشنس میں موجود ہیں اور کیا کیا صفاتِ فاضلہ اس کے اندر موجود ہیں۔سو یہی وہ امر ہے جس کو پیش نظر رکھ کر حضرت مسیح کے ذاتی کمالات اور انواع خیرات اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور خیرات کو ہر ایک پہلو سے جانچنا چاہئے۔ مثلاً سخاوت، فتوت، مواسات، حقیقی حلم،

جس کے لئے قدرت سخت گوئی شرط ہے۔ حقیقی عفو، جس کے لئے قدرت انتقام شرط ہے۔ حقیقی شجاعت، جس کے لئے خوفناک دشمنوں کا مقابلہ شرط ہے۔ حقیقی عدل، جس کے لئے قدرت ظلم شرط ہے۔ حقیقی رحم، جس کے لئے قدرت سزا شرط ہے اور اعلیٰ درجہ کی زیرکی اور اعلیٰ درجہ کا حافظہ اور اعلیٰ درجہ کی فیض رسانی اور اعلیٰ درجہ کی استقامت اور اعلیٰ درجہ کا احسان جن کے لئے نمونے اور نظیریں شرط ہیں۔ پس اس قسم کی صفات فاضلہ میں مقابلہ اور موازنہ ہونا چاہئے نہ صرف ترکِ شر میں، جس کا بشپ صاحب **معصومیت** نام رکھتے ہیں۔ کیونکہ نبیوں کی نسبت یہ خیال کرنا بھی گناہ ہے کہ انہوں نے چوری ڈاکہ وغیرہ کا موقع پا کر اپنے تئیں بچایا یا یہ جرائم ان پر ثابت نہ ہو سکے بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ''**مجھے نیک مت کہہ**'' یہ ایک ایسی وصیت تھی جس پر پادری صاحبوں کو عمل کرنا چاہئے تھا۔

اگر بشپ صاحب تحقیق حق کے درحقیقت شائق ہیں تو اس مضمون کا اشتہار دے دیں کہ ہم مسلمانوں سے اس طریق سے بحث کرنا چاہتے ہیں کہ **ان دونوں نبیوں میں سے کمالاتِ ایمانی واخلاقی وبرکاتی وتاثیراتی وقولی وفعلی وایمانی وعرفانی وعلمی وتقدسی اور طریق معاشرت کی رو سے کون نبی افضل واعلیٰ ہے۔** اگر وہ ایسا کریں اور کوئی تاریخ مقررہ کر کے ہمیں اطلاع دیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص تاریخ مقررہ پر ضرور جلسہ قرارداد پر حاضر ہو جائے گا، ورنہ یہ طریق محض ایک دھوکہ دینے کی راہ ہے جس کا یہی جواب کافی ہے اور اگر وہ قبول کر لیں تو یہ شرط ضروری ہوگی کہ ہمیں پانچ گھنٹہ سے کم وقت نہ دیا جائے۔☆

راقم خاکسار
مرزا غلام احمد
از قادیان

۲۵؍مئی ۱۹۰۰ء

لے (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۳)

مکتوب نمبر۱۳

یہ خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا تھا اور ایک مجلس کی طرف سے بھیجا گیا تھا آخر میں جو اسماء کی فہرست ہے وہ میں نے چھوڑ دی ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب فضیلت مآب مکرم رائٹ ریورنڈ جارج لیفرائے ڈی ڈی بشپ صاحب لاہور

بعد آداب نیاز مندانہ بکمال ادب خدمت عالی میں یہ گزارش ہے کہ چونکہ یہ مختصر زندگی دنیا کی بہت جلد اپنے دورہ کو پورا کر رہی ہے اور عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ ہمارے وجود کا نام ونشان بھی نہ ہوگا۔ اس لئے ہم لوگوں کے دلوں میں یہ غم دامنگیر ہے کہ کسی طرح راست روی اور سچی خوشحالی کے ساتھ یہ سفر انجام پذیر ہو اور اس مذہب پر خاتمہ ہو جو درحقیقت خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔ اور اگر ہم حق پر نہیں ہیں تو ہمارے دل اس سچائی کے قبول کرنے کے لئے تیار رہیں جو روشن دلیلوں کے ساتھ پیش کی جائے۔ اور اگر کوئی بزرگ مردِ میدان بن کر عیسائی مذہب کی حقانیت ہم پر ثابت کرے، تو اس احسان سے بڑھ کر ہمارے نزدیک کوئی احسان نہیں ہوگا۔ اس تحقیق کے لئے ہمارا دل دردمند ہے اور ہم دلی شوق سے چاہتے ہیں کہ اسلام اور عیسائی مذہب کا ایک مقابلہ ہو کر ہم اس رسول صادق کے آستانہ پر اپنا سر رکھیں جو پاکیزگی اور خوبی اور الٰہی طاقت اور اخلاقی کمالات میں تمام نوعِ انسان سے سبقت لے جانے والا ثابت ہو جائے۔ اور اس دن سے جو آپ نے بمقام لاہور اس مضمون پر تقریر کی کہ **نبیٔ معصوم اور زندہ رسول کون ہے؟** ہمارے دل بول اُٹھے کہ اس ملک میں آپ ہی ایک ہیں جو عیسائی مذہب میں جلیل القدر فاضل ہیں۔ تب سے ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اس کام کے لئے عیسائی صاحبوں میں سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا کیونکہ آپ کی

معلومات بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں اور آپ عربی اور فارسی اور اُردو میں عمدہ دخل رکھتے ہیں۔آپ کے اخلاق بھی بہت پسندیدہ اور بزرگانہ ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اہلِ علم کی طرف سے جو ہم نے نظر کی تو ہماری رائے میں اس کام کے لئے **مرزا غلام احمد صاحب قادیانی** کے برابر اور کوئی نہیں جو مسیح موعود ہونے کا نہ صرف دعویٰ کرتے ہیں بلکہ بہت سے قطعی دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہیں جن کے دنیا میں آنے کا انجیل اور قرآن میں وعدہ ہے، جس کو دنیا کے مختلف حصوں میں تقریباً تیس ہزار لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے۔غرض اس وقت پنجاب اور ہندوستان کے تمام فاضل اور اہل علم عیسائیوں میں سے آپ کا وجود از بس غنیمت ہے اور مسلمانوں میں سے مرزا صاحب موصوف ہیں جو خدا کے انتخاب کردہ اور ممسوح ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسا عمدہ موقع ہمیں پیش آ گیا ہے کہ ایک طرف تو آپ موجود ہیں اور دوسری طرف وہ جو خدا کا مسیح کہلاتا ہے۔

اسی بنا پر ہم لوگوں کی طرف سے جن کے نام نیچے لکھے ہیں، یہ درخواست ہے کہ چند مختلف فیہ مسائل میں آپ اور جناب مسیح موعود موصوف باہم مباحثہ کریں اور حضرت مسیح موعود اس بات کو قبول فرماتے ہیں کہ پانچ مسائل میں باہم تحریری بحث ہو جائے۔اور وہ یہ ہے:۔

(۱) ان دونوں نبیوں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کس نبی کی نسبت اس کی کتاب کی رو سے نیز دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ وہ کامل طور پر معصوم ہے۔

(۲) دونوں بزرگوار نبیوں علیہما السلام میں سے کون سا وہ نبی ہے جس کو اس کی کتاب وغیرہ دلائل کی رو سے **زندہ رسول** کہہ سکتے ہیں جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔

(۳) ان دونوں بزرگوار علیہما السلام سے کونسا وہ نبی ہے جس کو اس کی آسمانی کتاب وغیرہ دلائل کی رو سے **شفیع** کہہ سکتے ہیں۔

(۴) ان دونوں مذہبوں عیسائیت اور اسلام میں سے کونسا وہ مذہب ہے جس کو ہم **زندہ مذہب** کہہ سکتے ہیں۔

(۵) ان دونوں تعلیموں، انجیلی تعلیم اور قرآنی تعلیم میں سے کونسی وہ تعلیم ہے جس کو ہم اعلیٰ اور سچی تعلیم کہہ سکتے ہیں اور تعلیم میں توحید اور تثلیث کی بحث بھی داخل ہے۔

☆ الحکم ۱۷؍جولائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱، ۲

یہ پانچ سوال ہیں جن میں بحث ہوگی۔اس بحث کے لئے شرائط مندرجہ ذیل کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۔ شرط اوّل یہ کہ ہرایک امر کی بحث کے متعلق جو مندرجہ بالا پانچ نمبروں میں لکھے گئے ہیں۔ ایک ایک دن خرچ ہوگا یعنی یہ کہ کل بحث پانچ دن میں ختم ہوگی۔

۲۔ شرط دوم یہ ہے کہ ہرایک فریق کو اپنے اپنے بیان کے لئے پورے تین تین گھنٹے موقع دیا جائے گا اوراس طرح پر ہرایک دن کا جلسہ چھ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک پورا ہوجائے گا۔

۳۔ شرط سوم یہ ہے کہ ہرایک فریق محض اپنے نبی یا کتاب کی نسبت ثبوت دے گا۔دوسرے فریق کے نبی یا کتاب کی نسبت حملہ کرنے کا مجاز نہیں ہوگا کیونکہ ایسا حملہ محض فضول اور بسا اوقات دل شکنی کا موجب ہوتا ہے اور مقابلہ کرنے کے وقت پبلک کو خود معلوم ہو جائے گا کہ کس کا ثبوت قوی اور کس کا ثبوت ضعیف اور کمزور ہے۔ہاں ہرایک فریق کو اختیار ہوگا کہ جس جس موقع پر حملہ کا احتمال ہے ان احتمالی سوالات کا اپنے بیان میں آپ جواب دے دے۔

۴۔ بحث تحریری ہوگی۔مگر تحریر کا یہ طریق ہوگا کہ ہرایک فریق کے ساتھ ایک کاتب ہوگا۔وہ بولتا جائے گا اور کاتب لکھتا جائے گا اور ہرایک کے پاس ایک ایسا شخص بھی ہوگا کہ مضمون ختم ہونے کے بعد حاضرین کو سنا دیا کرے گا اور سنانے کے بعد ایک نقل اس کی بعد دستخط فریقِ مخالف کو دی جائے گی۔

۵۔ یہ بحث بمقام لاہور ہوگی اور آپ کے اختیار میں رہے گا کہ جہاں چاہیں اس بحث کے لئے مجلس منعقد فرمالیں اور جیسا چاہیں مناسب انتظام کرلیں۔

۶۔ جب اس بحث کے دن ختم ہو جائیں گے تو دونوں فریق میں سے ایک فریق یا دونوں اس مضمون کو بصورت رسالہ چھاپ کر شائع کر دیں گے اور کسی کو اختیار نہیں ہوگا کہ اپنی طرف سے بعد میں کچھ ملا وے۔

یہ شرائط ہیں جو ہم نے حضرت مرزا صاحب مسیح موعود سے منظور کرا لئے ہیں اور چونکہ یہ شرائط بہت صاف اور سراسر انصاف پر مبنی ہیں لہٰذا امید ہے کہ جناب بھی ان کو منظور فرما کر مطلع فرمائیں گے کہ ایسی بحث کیلئے کب اور کس مہینے میں آپ تیار ہیں۔ہم درخواست کنندوں کی طرف سے نہایت

التجا اور ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ جناب ضرور اس طریق بحث کو منظور فرمائیں اور ہم حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی عزت کا واسطہ جناب کی خدمت میں ڈال کر یہ عاجزانہ سوال کرتے ہیں کہ جناب اس پیارے مقبول نبی کے نام پر ہماری یہ درخواست منظور فرما کر بذریعہ اشتہار مطبوعہ منظوری سے مطلع فرمائیں۔اس درخواست میں کوئی فوق الطاقت یا بیہودہ امر نہیں اور طریق بحث سراسر مہذبانہ اور سراپا نیک نیتی اور طلب حق پر مبنی ہے اور با ایں ہمہ جب کہ جناب جیسے ایک بزرگ صاحب مرتبہ کو حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی قسم دی گئی ہے تو اس لئے ہم سائلوں کو بکلّی یقین ہے کہ جناب اس عاجزانہ درخواست کو گو کیسی ہی کم فرصتی ہو بہرحال بغیر کسی تنسیخ یا ترمیم کے حضرت مسیح کے نام کی عزت کے لئے ضرور منظور فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ایسی منصفانہ درخواست ہم لوگوں سے حضرت مسیح کی عزت کا واسطہ درمیان لا کر کی جائے تو ہم سخت گناہ اور سُوءِ ادب سمجھیں گے کہ اس درخواست کو منظور نہ کریں تو پھر آپ کو تو حضرت مسیح علیہ السلام کی محبت کا بہت دعویٰ ہے جس کے امتحان کا ہم غریبوں کو یہ پہلا موقع ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دیں۔صرف جواب کے منتظر ہیں اور جواب بنام مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل بمقام قادیان ضلع گورداسپور آنا چاہئے کیونکہ وہی اس مجلس کے سیکرٹری ہیں اور درخواست کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔

لیفرائے کا فرار

اس چیلنج کے جواب میں بشپ صاحب نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

ہاروِنگٹن شملہ ۱۲؍جون ۱۹۰۰ء

جنابِ من! مجھے ایک چھپی ہوئی چٹھی جس پر آپ کے اور کئی اور معزز اشخاص کے دستخط تھے ملی ہے جس میں مجھ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھ اسلام اور عیسویت کے بعض اصولوں پر ایک کھلے مباحثہ کے لئے میں کوئی وقت اور جگہ مقرر کروں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کی اس تجویز کو قبول نہیں کرسکتا اور اس کے بڑے بڑے وجوہات یہ ہیں۔

۱۔ جس قسم کے دوستانہ تعلقات کی آپ کے مجوزہ مباحثہ میں ضرورت ہوگی اس قسم کے تعلقات کے ساتھ میں مرزا غلام احمد صاحب کو ملنے سے انکار کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مسیح کہنے کی جراَت کرنے میں بغیر ایک ذرّہ استحقاق کے ایسا نام اختیار کیا ہے جس سے ہم عیسائی پکارے جاتے ہیں اور جس کو ہم نہایت درجہ کی عزت اور ادب سے دیکھتے ہیں اور اس طرح پر انہوں نے سخت ہتک اور بے عزتی اس کی کی ہے جس کو میں اپنا خداوند اور مالک سمجھ کر پرستش کرتا ہوں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ میں مرزا صاحب کو دوستانہ تعلقات کے ساتھ مل سکوں۔

۲۔ آپ اپنی چٹھی میں اشارہ کرتے ہیں کہ تمام بحثوں میں میری یہ خواہش رہی ہے کہ ان کو نرمی کے ساتھ کیا جائے اور ان لوگوں کے خیالات کو جن کے ساتھ عقائد میں اختلاف کرنے پر میں مجبور ہوں ادب کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس قاعدہ پر عمل کرنا اور کوئی ایسے لفظ نہ کہنا جو جائز طور پر ان لوگوں کے خیالات کو دکھ پہنچانے والے ہوں جو مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہی ہمیشہ سے میری سچی خواہش رہی ہے لیکن جب میں ان تحریروں کو جو مرزا صاحب نے وقتاً فوقتاً عیسائی مذہب پر لکھی ہیں پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کس قدر سختی اور بدزبانی کے ساتھ وہ ان واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت ان چار انجیلوں میں مرقوم ہیں جن کو ہم عیسائی خداوند تعالیٰ کے پاک کلام کا حصہ

سمجھتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں تو میں صرف یہ نتیجہ نکال سکتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنے مخالف کے ساتھ مباحثہ میں اس نرمی اور ادب کے معیار کو مدنظر نہیں رکھتے جو ہمیشہ سے میرا مقصد رہا ہے اس لئے اس دلیل پر بھی میں مرزا صاحب کو برابری کے تعلقات کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

۳۔ جیسا کہ آپ مجھے یقین دلاتے ہیں مرزا صاحب کے بہت سارے پیرو ہوں گے مگر اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ان کے مسیح ہونے کے دعویٰ کو اس صوبہ کے بکثرت مسلمان ردّ کرتے اور اس کی تحقیر کرتے اور اس پر استہزا کرتے ہیں اس لئے جس حالت میں کہ میں خواہ ذاتی طور پر کیسا ہی نا قابل ہوں ایک حد تک عیسائی قوم کا وکیل ہوں اس عہدہ کے سبب سے جو مجھے حاصل ہے مرزا صاحب کسی طرح پر بھی مسلمانوں کے وکیل نہیں ہو سکتے تو پھر کس طرح میں مباحثہ میں ان کو اپنے برابر سمجھ سکتا ہوں۔

۴۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب سے میں اس ضلع کا بشپ ہوا ہوں میرا پہلا اور زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ عیسائی کلیسیا کی حاجتوں کی طرف توجہ کروں اور پوری کوشش کروں کہ اس کو مضبوط کیا جائے اور خدا تعالیٰ پر سچے ایمان اور زندگی کی پاکی میں اس کو اندر سے بنایا جائے اور اس لئے ایک معمولی واعظ کا کام (یعنی ایسے شخص کا جو اپنے وقت وعظ کرنے میں اور ان لوگوں کو جو اَب عیسائی مذہب سے باہر ہیں عیسائی مذہب پر ایمان لانے کے لئے ترغیب دینے میں صرف کرتا ہے) میرے وقت اور خیالات میں صرف ایک چھوٹے درجہ کا کام ہے اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس سے مجھے بہت تعلق ہے اور جس میں میں خوشی کے ساتھ شامل ہوتا ہوں لیکن جب خدا نے ایک اور طرح پر اپنی خدمت کرنے کو مجھے بُلا لیا ہے تو مجھے اس کی آواز کی پیروی کرنی چاہیے اس لئے میں اپنے اصل کام میں سے اس قدر حصہ وقت کا نہیں دے سکتا جس کی آپ کے مجوزہ مباحثہ کے لئے ضرورت ہوگی۔

۵۔ بالآخر میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسے مذہبی مباحثہ سے جو نتائج حاصل ہو سکتے ہیں ان کو میں اور آپ ایک بڑے فرق کی نگاہ سے دیکھتے ہیں آپ تو اپنی چٹھی میں یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ اس تحقیقات کے نتیجہ پر ہم اس مقدس نبی کے آگے سر جھکا دیں جو دل کی پاکیزگی فضیلت قوت قدسی اور اخلاقی راستبازی میں سب دنیا سے بڑھ کر ہے دوسرے الفاظ

میں آپ اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ محض عقلی دلائل کے ذریعہ سے سچے مذہب کا راستہ اور ایک مذہب کی دوسرے مذہب پر فضیلت معلوم ہوسکتی ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ خیال اصولاً غلط ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی تعلیم کے خلاف ہے اور اس ملک کے اکثر لوگوں کے دلوں میں اس خیال کے غلبہ نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے میں اپنے کسی فعل سے اس کو ٹھیک ماننا یا اس کی تائید کرنی نہیں چاہتا ہم یقین رکھتے ہیں کہ مذہب صرف عقل سے ہی مدد نہیں مانگتا بلکہ انسان کے سارے قویٰ سے یعنی اس کی مرضی سے اس کے احساسات سے اس کی اخلاقی خواہشات سے اس کی ایمانی حیثیت سے یا مختصر الفاظ میں اس کے دل اور دماغ سے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی تعلیم میں خدا اور اس کے سچے مذہب کا علم اس قدر عقلی قویٰ کی تیزی سے متعلق نہیں جیسا کہ دل کی پاکیزگی اور زندگی کے افعال میں اس کی سچی فرمانبرداری کے ساتھ ہے جیسا کہ ایک موقع پر مسیح کہتا ہے ''مبارک ہیں وے جو دل کے پاک ہیں کیونکہ وے خدا کو دیکھیں گے'' متی ۵: ۸ اور پھر ایک اور موقع پر جو میرے خیال میں اس امر پر بڑی روشنی ڈالتا ہے وہ کہتا ہے ''اگر کوئی آدمی اس کی مرضی کرنا چاہتا ہے (یعنی خدا کی مرضی) تو وہ تعلیم کو جان لے گا کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے یا میں اپنی طرف سے باتیں کرتا ہوں''۔ یوحنا ۷: ۱۷۔ میرا اپنا پکّا ایمان ہے کہ کسی آدمی کو سچے خدا کا زندہ علم حاصل نہیں ہوسکتا مگر اس کی روح القدس کی مدد سے اور یہ کہ ایسی مدد جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں توبہ کرنے والوں اور دل کے پاکوں اور فروتنوں اور راستبازوں کو دی جاتی ہے نہ ان لوگوں کو جن کے عقلی قویٰ تیز ہوں اور جو مذہبی مباحثہ میں پورے اُتر سکیں یہ بالکل سچ ہے کہ میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ دونوں مذہبوں یعنی عیسائیت اور اسلام کے پیرو ایک دوسرے کو جانیں اور ایک دوسرے کے عقائد کو اس سے بہتر سمجھیں جیسا کہ گذشتہ میں حالت رہی ہے یہی وجہ ہے کہ کیوں میں خوش ہوتا ہوں کہ ایک طرف تو آپ کے مذہب کی ان تحریروں کو مطالعہ کروں جو مجھے اس کے سچے مضامین اور تعلیموں سے اچھی طرح سے آگاہ کرسکیں اور دوسری طرف ایسے لیکچر دوں جیسے کہ ابھی میں نے لاہور میں دیے جن کے ذریعہ سے حاضرین کو ایسے سوال کرنے کا موقع دیا جائے جن سے وہ مذہب کے اصولوں کو بہ نسبت سابق اچھی طرح سے اور زیادہ صفائی کے

ساتھ سمجھ سکیں مگر یہ میں خیال کرتا ہوں آپ دیکھ لیں گے ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ ایک ایسے مباحثہ میں شامل ہونا جس کا مسلم نتیجہ یہ ہو کہ جو لوگ اس مباحثہ میں شریک ہوں وہ اس مذہب کو اختیار کر لیں جس کے خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ اس وقت قطعی طور پر ثابت ہو جائے میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ کسی وقت بھی کسی مباحثہ میں اس شرط پر شامل ہوسکوں اگرچہ یہ چٹھی چھپی ہوئی نہیں مگر آپ کو پورا اختیار ہے کہ اس کو چھاپ لیں یا ایسی طرح پر استعمال کریں جیسا کہ آپ پسندیدہ سمجھیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میرا معاملہ مسلمان شرفا کے ساتھ ہے اور اس لئے اگر یہ چٹھی چھاپی جائے گی تو ساری کی ساری اور بغیر کسی تبدیلی کے چھاپی جائے گی۔

(آپ کا تابعدار دستخط جی۔اے۔لاہور)

اس کے جواب میں مسلمانوں کی کمیٹی نے مفصلہ ذیل چٹھی بشپ کو لکھی کہ وہ اپنے فیصلہ پر زیادہ غور کرے۔ یہ چٹھی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی لکھوائی تھی۔

قادیان مورخہ ۱۰رجولائی ۱۹۰۰ء

جنابِ من! آپ کا جواب جس میں آپ نے مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کے ساتھ ایک پسندیدہ مباحثہ میں شامل ہونے سے انکار کیا کمیٹی کو سنایا گیا جنہوں نے اس پر بہت اظہار افسوس کیا۔ جو انکار کے دلائل آپ پیش کرتے ہیں وہ صرف بعض غلط فہمیوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہیں اور مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ ان کی مفصل تردید ایک رسالہ کی صورت میں لکھوں جو عنقریب شائع کیا جائے گا اگر آپ کی طرف سے اس درخواست کا جواب ایسا ہی مایوسی دینے والا ہوا جیسا کہ پہلی چٹھی کا مگر اس رسالہ کو چھپوانے سے پہلے یہ مناسب خیال کیا گیا ہے کہ آپ کو ایسے مباحثہ کی ضرورت کی طرف مزید توجہ دلائی جائے جس کے کثرت سے مسلمان خواہاں ہیں کیا مسلمان اور کیا عیسائی دونوں قومیں مباحثہ کی تجویز کی منظوری کو دیکھنا چاہتی تھیں اور بہت سے اینگلو انڈین اخبارات نے صرف اس میں دلچسپی ہی ظاہر نہیں کی بلکہ صاف صاف اپنی رائے بھی ظاہر کی کہ یہ مباحثہ کی تجویز خواہ کسی پہلو سے اس پر نظر کی جائے یعنی مجوز مباحثین کی بڑی شہرت علمی فضیلت اور وسیع اثر کے لحاظ سے چیلنج دینے والی کمیٹی کی عمومیت کے لحاظ سے مباحثہ میں جو سوال پیش ہونے والے تھے ان کے لحاظ سے شرائط مباحثہ کے اعلیٰ درجہ کے منصفانہ ہونے کے لحاظ سے اور اس مفید نتیجہ کے لحاظ سے جس کی امید

کی جاتی تھی غرض کہ ہر ایک طرح سے اس قابل تھی کہ آپ بلاتغیر شرائط اس کو منظور کرتے جن مسلمانوں نے آپ کو خطاب کیا تھا وہ ملک کے مختلف حصوں سے تھے اور ذی ثروت اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم رکھنے والے تھے جن کی درخواست پر آپ کو بہت توجہ کرنی چاہیے تھی تجویز کرنے میں خلوص دل اور نیک نیتی سے یہ مقصد مدنظر رکھا گیا تھا کہ عام لوگوں کو اس شک سے باہر نکالا جائے جس میں وہ سچے مذہب کے متعلق پڑے ہوئے ہیں مباحثہ کی شرائط ایسی منصفانہ تھیں جیسے کہ خواہش کی جاسکتی ہے کیونکہ مخالفانہ حملوں کی اس میں اجازت نہ تھی آپ کا ایک عرصۂ دراز کے لئے اس ملک میں بطور مشنری کے کام کرنا مشرقی لوگوں کے طریقوں مذہبوں اور زبانوں کے ساتھ واقفیت رکھنا۔ لاہور میں جو آپ نے لیکچر دئے تھے ان میں اپنے دلائل کی تردید کو جو مسلمانوں کی طرف سے ہوئی تھی حوصلہ کے ساتھ سننا اور ان تمام واقعات کو آپ کے موجودہ بلند مرتبہ سے اور بھی وقعت مل جانا ان تمام باتوں نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ مباحثہ کے میدان میں عیسائیت کی طرف سے آپ بہترین وکیل ہو سکتے ہیں اور پھر آپ کی طرف سے اس ابتدائی کارروائی کا ہونا جس میں آپ نے مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کی عصمت اور زندگی بمقابلہ یسوع مسیح کے ثابت کرنے کو بُلایا جو ایک ایسا مباحثہ تھا جس میں مسلمانوں کی طرف سے نہ تو اچھی طرح سے تیاری ہوسکتی تھی اور نہ ان کو کافی وقت مل سکتا تھا اور نہ اپنا اچھا وکیل پیش کر سکتے تھے یہ اور بھی مسلمانوں کی ترغیب کا باعث ہوا کہ آپ کو ایک ایسے مباحثہ کی طرف بُلایا جائے جس میں دونوں مذہبوں کی اور ان کے بانیوں کی فضیلتوں کا زیادہ مناسب طور پر اور زیادہ انصاف سے امتحان ہو سکے یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام کے جس وکیل کو آپ کے مقابل پر انہوں نے پیش کیا تھا وہ کوئی عام ملّاؤں یا واعظوں میں سے نہ تھا کیونکہ ان کی طرف سے ایسا معمولی حریف پیش کرنا گویا آپ کی قابلیت کی تحقیر کرنا ہوتا بلکہ جیسا آپ کی حیثیت اور قابلیت اعلیٰ درجہ کی تھی ویسا ہی آپ کے بالمقابل جو حریف پیش کیا گیا وہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کی شہرت اور حیثیت والا آدمی تھا جس پر اس وقت اس کے مسیح موعود کے دعویٰ کرنے کے سبب سے تمام ہندوستان کی نظر تھی اور جس کے فرقہ نے باوجود اندرونی اور بیرونی سخت درجہ کی مخالفت کے ایک حیرت انگیز ترقی کر دکھائی تھی جب دنیا کے دو سب سے بڑے مذہبوں کے دو ایسے مشہور وکیل موجود ہوں تو مناسب نہیں کہ عوام کو ان سوالوں کے متعلق تاریکی میں چھوڑا جائے جو ہر ایک

زمانہ میں بڑے بڑے آدمیوں کے مدنظر رہے ہیں اگرچہ آپ عیسائی کلیسیا کی اندر سے مرمت کو اپنا اصل فرض سمجھتے ہیں مگر اس سے آپ انکار نہ کرسکیں گے کہ ہر ایک نیک عیسائی کا اصلی فرض ان لوگوں کو زندگی اور روشنی کی طرف لانے کا ہونا چاہیے جو اس کی رائے میں موت اور تاریکی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں اور جو اس لئے ان لوگوں کی نسبت جو بپتسمہ لے چکے ہیں سخت بڑی خطرناک حالت میں ہیں بپتسمہ والے تو آپ کے نزدیک دوزخ سے بچ گئے مگر بے بپتسمہ کو عیسائی عقیدہ کے رو سے ہمیشہ کے لئے دوزخ اور سزا میں ڈالا جائے گا اب میں آپ کے کانشنس کو اپیل کرتا ہوں کہ ان دونوں کاموں میں سے آپ کے نزدیک کونسا زیادہ ضروری ہے آیا ان لوگوں کی حاجتوں کی طرف توجہ کرنا جو خطروں سے نکل چکے ہیں یا ان لوگوں کا ہاتھ پکڑنا جو موت اور تاریکی کے گڑھے میں گر رہے ہیں کیا آپ مباحثہ کی تجویز کو اس دلیل پر رد کرسکتے ہیں کہ آپ اپنی ساری زندگی میں سے ایسے نیک کام کے لئے پانچ دن بھی علیحدہ نہیں کرسکتے۔ پھر آپ مرزا غلام احمد صاحب کو اس وجہ پر دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا نام اختیار کیا ہے جس کی عیسائی لوگ اپنا خداوند اور مالک سمجھ کر عزت اور عبادت کرتے ہیں اگر امر واقع یہ بھی ہوتا جیسا آپ نے خیال کیا ہے تو دشمنی اور دوستانہ تعلقات کے قطع کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ کی مقدس بائیبل تو یہ سکھاتی ہے کہ دشمنوں سے بھی پیار کرو۔

اپنے مذہبی مخالف کے ساتھ اس قسم کا سلوک کسی مذہب کے پیروؤں کی طرف سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ عیسائی مذہب کے پیروؤں کی طرف سے ہو اور پھر ان میں سے مخصوصاً کلیسیا کے ایک ایسے بڑے بزرگ کی طرف سے جس کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی متی باب ۵ آیت ۴۴ پر عمل کرے بلکہ یہ بھی کہ وہ یہ تعلیم دوسرے عیسائیوں کو سکھائے بلکہ غیر عیسائیوں کو بھی اس کا وعظ کرے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مرزا صاحب یہ نہیں کہتے کہ وہ سچ مچ یسوع مسیح ہیں بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ بروزی طور پر اس نبی کے رنگ میں آئے ہیں اور جس طرح پر اس نے تعلیم دی تھی اس طرح پر تعلیم دیتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی یوحنا الیاس کے رنگ میں بروزی طور پر آچکا ہے علاوہ ازیں مسلمان حضرت عیسیٰ کو ایک سچا اور بزرگ نبی سمجھتے ہیں اور مرزا صاحب جو اپنے زمانہ میں اوّل المسلمین ہیں ان سب سے بڑھ کر ان کو ایسا سمجھتے ہیں حالانکہ کروڑ ہا دوسرے لوگ جن کا مذہب

نہ عیسویت اور نہ اسلام ہے اس کو نبی بھی نہیں سمجھتے اور اس طرح پر اس کے مرتبہ کی بڑی حقارت کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایسے لوگوں سے کثرت سے ملتے بھی ہوں گے مگر میں یہ خیال نہیں کرتا کہ آپ نے ان کی نسبت کبھی ایسا بغض اور عداوت کا خیال ظاہر کیا ہو جیسا کہ آپ نے اپنی چٹھی میں جو میرے نام تھی مرزا صاحب کی نسبت ظاہر کیا ہے لیکن اس جگہ میں آپ کو ایک اور بڑے ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جب اس بات کا ذکر مرزا صاحب کے سامنے ہوا اور ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا جس طرح پر بشپ صاحب آپ سے دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے انکار کرتے ہیں آپ بھی بشپ صاحب کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے ہیں تو انہوں نے مفصلہ ذیل جواب دیا:۔

''میں دنیا میں کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا میں آدمیوں کے ساتھ بغض نہیں رکھتا بلکہ ان جھوٹے عقیدوں کے ساتھ جو وہ رکھتے ہیں انسانوں کے متعلق میرے خیالات پرلے درجہ کی ہمدردی اور نیک نیتی کے ہیں تو پھر کس طرح میں ایسے شخص کو اپنا دشمن سمجھ سکتا ہوں جو اپنے ہم مذہبوں میں معزز مانا گیا ہے اور علاوہ ازیں اپنے عہدہ اور تعلیم کے لحاظ سے قابلِ عزت ہے میں اس سے محبت رکھتا ہوں اگرچہ میں اس کے اصولوں کو پسند نہیں کرتا مگر میری نفرت ان عقائد کے ساتھ صرف اسی قدر ہے جہاں تک کہ خداتعالیٰ کی صفات انسانوں کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور انسانی نقص اور کمزوریاں ربّ العالمین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں میں بشپ صاحب کو دوستانہ تعلقات کے ساتھ ملنے سے نفرت نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی فریق دوسرے سے کوئی فائدہ حاصل کرے کیونکہ ضروری ہے کہ نیک نیتی کا بیج پھل دے مصلح یا واعظ ہونے کی حیثیت میں جو انسان کو فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں ان سب سے بڑھ کر ضروری امر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ عقائد میں اختلاف رکھتے ہوں وہ ان کے ساتھ بڑی خوشی سے ملے۔ حق بات یہ ہے کہ میں نہ صرف اپنی مجددیت کے کام کو ہی چھوڑنے والا ہوں گا بلکہ اخلاقی قوانین کو بھی سخت صدمہ پہنچانے والا تصور کیا جاؤں گا اگر میں ان لوگوں کو اپنا دشمن سمجھ لوں جن کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ بدقسمتی سے غلطیوں میں پڑ گئے ہیں مجھے ہمدردی اور رحم سے کام لینا چاہیے اگر میں اس کے برعکس کروں تو میں ایک بڑے کثیر گروہ کو ان مقدس اور اعلیٰ درجہ کی سچائیوں سے محروم رکھنے والا ٹھہروں گا جو میرا فرض ہے کہ سب کو

بتاؤں کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتا جس کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہو مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھے کہیں ایسا موقع ملے کہ جب میں بشپ صاحب کے ساتھ نیکی بھی اور بدی بھی کرنے کی طاقت رکھتا ہوں تو میں اس کے ساتھ ایسی نیکی کروں گا جو تمام دنیا کو حیرت میں ڈال دے۔ لوگوں کو پاکیزگی کے راستہ کی طرف بُلانے کی طاقت اور ان کی تبدیلی کے لئے سچا جوش سچی محبت سے پیدا ہوتے ہیں دشمنی عقل کو تاریک کر دیتی ہے اور ہمدردی کو نابود کر دیتی ہے۔ قرآن شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتا ہے کہ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ اور پھر ایک دوسری جگہ پر لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے تمہارے پاس ایک نبی بھیجا ہے جس کا دل تمہاری ہمدردی سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ تمہارے غم اور تکلیفیں اس کو ایسا ہی رنج پہنچاتی ہیں گویا کہ وہ اسی کا رنج اور تکلیفیں ہیں اور تمہاری بہتری اور خوشحالی کے لئے وہ بڑی خواہش رکھتا ہے اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا اس غم کے لئے کہ یہ لوگ سچائی کو قبول نہیں کرتے۔ آخری آیت اس سچی قربانی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خدا تعالیٰ کے مرسل لوگوں کی اصلاح کے لئے کرتے ہیں یہ وہ آیتیں ہیں جن پر میں عمل کرتا ہوں اور اس سے ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگوں کی طرف جو اپنے آپ کو میرا دشمن سمجھتے ہیں میرے خیالات کیسے ہونے چاہئیں۔ قبل اس کے کہ میں اس چٹھی کو بند کروں میں آپ کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ مباحثہ کی درخواست پر صرف مرزا صاحب کے ہی چند پیروؤں کے دستخط تھے مگر تمام مسلمان عام طور پر اس کی منظوری کے منتظر ہیں مذہب کے اصل اصولوں کے ساتھ مرزا صاحب کا دوسرے مسلمانوں سے اختلاف نہیں بلکہ اختلاف صرف ایسی باتوں میں ہے جیسا کہ ہر ایک بڑے مذہب کے مختلف فرقوں میں ہوا کرتا ہے اور خود عیسائیت سب سے بڑھ کر ان اختلافوں کو اپنے اندر رکھتی ہے اگر آپ اس امر کو بڑی وقعت دیتے ہیں تو ہزار ہا تعلیم یافتہ مسلمان جو مرزا صاحب کے پیرو نہیں درخواست مباحثہ پر دستخط کرنے پر تیار ہیں ترجمہ کی کاپیوں کے ساتھ جو آپ نے مانگی تھیں میں انیس ماہ گذشتہ کا انڈین ڈیلی ٹیلیگراف بھی آپ کو بھیجتا ہوں جس نے اس چیلنج پر کچھ ریمارک کئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے جواب پر دوبارہ غور کرنے کے بعد آپ کسی بہتر نتیجہ پر پہنچیں گے اور اس قدر منتظر دلوں کو جو اس کی منظوری کے منتظر ہیں مایوس نہ کریں گے۔

دستخط محمد علی سکرٹری

مگر بشپ صاحب منظوری کے لئے رضامند نہ ہوئے اور جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کی چٹھی مورخہ ۱۰ ماہ حال پہنچ چکی ہے مگر جو وجوہات پہلی چٹھی میں میرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے سے انکار پر میں دے چکا ہوں ان کو نہ اب میں بدلاتا ہوں اور نہ ان پر کچھ ایزادی کرتا ہوں۔ آپ نے اپنی پہلی چٹھی کی جو زائد کاپیاں بھیجی ہیں ان کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دستخط جی۔ اے لاہور۔ ☆

نوٹ: بشپ لیفرائے نے اپنے خط میں جو نکات اُٹھائے ہیں ان کا مفصل جواب ریویو آف ریلیجنز جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۹ میں دیا گیا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے قارئین وہاں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(ناظر اشاعت)

☆ ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۰۲ء

جان الیگزنڈر ڈوئی کے نام خطوط

تعارف: قبل اس کے کہ اس خط کا ترجمہ درج کیا جاوے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امریکہ کے اس مفتری الیاس کو بطور چیلنج لکھا تھا۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ناظرین کو مختصر طور پر اس شخص سے تعارف کرا دیا جاوے۔ پس یاد رہے کہ جان الیگزینڈر ڈوئی سکاٹ لینڈ کا اصل باشندہ تھا اور امریکہ میں پہلے پہل ۱۸۸۸ء میں پہنچا۔ سان فرانسسکو میں اُترا۔ اس سے پہلے کچھ مدت وہ تسمانیہ کے جیل خانہ میں بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے وعظ کرنا شروع کیا اور اس نے ایک الگ فرقہ کی بنیاد رکھنی شروع کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مَیں لوگوں کو بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں اور اسی دعویٰ کی وجہ سے کئی زُود اعتقاد اور توہّم پرست لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کے روپے سے وہ ایک امیر آدمی بن گیا اور ۱۹۰۰ء میں موجودہ شہر صیحون (zoin) کی زمین خریدی جس کے ٹکڑے پھر اپنے ہی مریدوں کے ہاتھ ایک بڑے گراں نرخ پر بیچے اور یہ ظاہر کیا کہ عنقریب مسیح موعود اسی شہر میں نازل ہوگا۔ ۲/جون ۱۹۰۱ء کو اس نے یہ دعویٰ اپنا شائع کیا کہ میں الیاس ہوں جو مسیح کی آمد کیلئے لوگوں کو تیار کرنے آیا ہوں۔ اس دعویٰ سے اس کے روپے اور مریدوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ روپے کی کثرت یہاں تک ہوئی کہ سال کے شروع میں وہ دس لاکھ ڈالر یعنی تیس لاکھ روپے سے بھی زیادہ روپیہ اپنے مریدوں سے نئے سال کے تحفے کے طور پر مانگا کرتا تھا اور جب سفر کرتا تو اعلیٰ درجے کے عیش وعشرت کے سامان اس کے ساتھ ہوتے۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے یہ پیشگوئی شائع کی کہ اگر مسلمان صلیبی مذہب کو قبول نہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جائیں گے اور بھی وہ ہر طرح سے اسلام کی ہتک اور توہین نہایت بیباکی سے کرتا۔ جب اس نے اسلام پر ایسے ایسے حملے کئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ مسیح موعود کے دل میں غیرت کا جوش ڈالا اور آپ نے ستمبر ۱۹۰۲ء میں اسے انگریزی میں ایک چٹھی لکھی جو اسی رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ستمبر ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شائع ہو چکی ہے جس میں حضرت مسیح موعود نے اُسے مباہلہ کے لئے دعوت دی۔ خلاصہ اس ساری چٹھی کا یہ تھا کہ دونوں فریق دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے،

خدا تعالیٰ اُسے سچے کی زندگی میں ہلاک کرے۔ یہ ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب تھا جو اس نے تمام اہل اسلام کی ہلاکت کیلئے کی تھی۔ یہ چٹھی بڑی کثرت سے امریکہ کے اخباروں میں شائع ہوئی اور انگلستان کے بعض (اخبارات) نے بھی شائع کیا۔ یہاں تک کثرت سے اس کی اشاعت ہوئی کہ ہمارے پاس بھی ایسی بہت سی اخباریں پہنچ گئیں جن میں اس مباہلہ کا ذکر تھا۔

یہاں چونکہ مفصل واقعات لکھنا مقصود نہیں اس لئے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے یہ شخص پیشگوئی کے موافق مر گیا۔ (ایڈیٹر)

مکتوب نمبر۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب جواُس نے تمام مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے کی ہے

ہر ایک کو جو حق کا طالب ہے معلوم ہو کہ یہ قدیم سے سنت اللہ ہے کہ جب زمین پر بدعقیدگی اور بداعمالی پھیل جاتی ہے اور لوگ اس سچے خدا کو چھوڑ دیتے ہیں جو آدم پر ظاہر ہوا اور پھر شیث پر اور پھر نوح پر اور ایسا ہی ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور یوسف پر اور موسیٰ پر اور آخر میں جناب سیّدالرسل **محمد** مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر، تو ایسے زمانہ میں جب کہ شرک اور ناپاکی اور بدکاری اور دنیا پرستی اور غافلانہ زندگی سے زمین ناپاک ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ کسی بندہ کو مامور کر کے اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک کر دنیا کی اصلاح کیلئے بھیج دیتا ہے اور اس کو اپنی عقل میں سے عقل بخشتا ہے اور اپنی طاقت میں سے طاقت اور اپنے علم میں سے علم عطا کرتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے ہونے کا اس میں یہ نشان ہوتا ہے کہ دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اگر معارف حقائق کی رو سے کوئی شخص اس کے مقابل پر آوے تو وہی حقائق اور معارف میں غالب آتا ہے اور اگر اعجازی نشانوں کا مقابلہ ہو تو غلبہ اُسی کو ہوتا ہے اور اگر کوئی اس طور سے اس کے ساتھ بالمقابل یا بطور خود مباہلہ کرے کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے تو ضرور اس کا دشمن پہلے مرتا ہے۔ اب اس زمانہ میں جب خدا نے دیکھا کہ زمین بگڑ گئی اور کروڑ ہا مخلوقات نے شرک کی راہ اختیار کر لی اور چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ایسے لوگ دنیا میں پیدا ہو گئے کہ ایک عاجز انسان، مریم کے بیٹے کو خدا بنا رہے ہیں اور ساتھ ہی شراب خواری اور بے قیدی اور دنیا پرستی اور غافلانہ زندگی انتہا تک پہنچ گئی تو **خدا تعالیٰ نے مجھے اس کام کیلئے مامور کیا کہ تا میں ان خرابیوں کی اصلاح کروں۔** سو اب تک میرے ہاتھ پر ایک لاکھ کے قریب انسان بدی سے اور بدعقیدگی اور بداعمالی سے توبہ کر چکا ہے اور ڈیڑھ سَو سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکا ہے جس کے اس مُلک میں کئی لاکھ انسان گواہ ہیں۔ اور میں بھیجا گیا ہوں کہ تا زمین پر دوبارہ توحید کو قائم کروں اور انسان پرستی یا سنگ پرستی سے لوگوں کو نجات

دے کر خدائے واحد لاشریک کی طرف ان کو رجوع دلاؤں اور اندرونی پاکیزگی اور راستبازی کی طرف ان کو توجہ دوں۔ چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں میں ایک تحریک پیدا ہوگئی ہے اور ہزارہا لوگ میرے ہاتھ پر توبہ کرتے جاتے ہیں اور آسمان سے ہوا بھی ایسی چل رہی ہے کہ اب توحید کے موافق طبیعتیں ہوتی جاتی ہیں اور صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ انسان پرستی کو دنیا سے معدوم کر دے۔ اس ارادہ کے پورا کرنے کیلئے صدہا اسباب پیدا کئے گئے ہیں۔ افسوس کہ مخلوق پرست لوگ، جن سے مراد میری اس جگہ وہ عیسائی ہیں جو مریم کے صاحبزادہ کو خدا جانتے ہیں، ابھی اپنے مشرکانہ مذہب کی اس ترقی پر خوش نہیں ہوئے جو اَب تک ہوگئی ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمام دنیا حقیقی خدا کو چھوڑ کر اس ضعیف اور عاجز انسان کو خدا کر کے مانے جس کو ذلیل یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر کھینچا تھا۔ اس خواہش کا بجز اس کے اور کوئی سبب نہیں کہ مخلوق پرستی کی عادت نہایت بدعادت ہے جس میں گرفتار ہو کر پھر انسان دیکھتا ہوا اندھا ہو جاتا ہے۔ مگر پادریوں کی اس قدر دلیری بہت ہی قابل تعجب ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ زمین پر ایک بھی ایسا شخص رہے کہ وہ اس اصلی خدا کو ماننے والا ہو جو ابن مریم اور اس کی ماں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے ہی موجود تھا بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ کل دنیا اور کل نوعِ انسان جو آسمان کے نیچے ہے ابن مریم کو ہی خدا سمجھ لے اور اسی کو اپنا معبود اور خالق اور خداوند اور منجی مان لے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ارادوں کے مقابل پر خدائے ذوالجلال نے بہت صبر کیا ہے۔ اس کی عزت ایک عاجز بندہ کو دی گئی۔ اس کے جلال کو خاک میں ملایا گیا مگر اُس نے اَب تک صبر کیا کیونکہ جیسا کہ وہ غیور ہے ویسا ہی وہ صابر بھی ہے۔ ان ظالم مخلوق پرستوں نے تمام خدائی صفات یسوع ابن مریم کو دے دیئے۔ اب ان کی نظر میں جو کچھ ہے یسوع ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اب سچے خدا کی مثال یہ ہے کہ ایک امیر نے اپنے عزیزوں کیلئے ایک نہایت عمدہ گھر بنایا اور اس کے ایک حصہ میں ایک بستان سرائے تیار کیا جس میں طرح طرح کے پھول اور پھل اور سایہ دار درخت تھے اور اس گھر کے ایک حصہ میں اپنے ان عزیزوں کو رکھا اور ایک حصہ میں اپنا مال وحشمت اور قیمتی اسباب مقفّل کیا اور ایک حصہ بطور سرائے کے مسافروں کیلئے چھوڑا لیکن جب مالک چندروز کیلئے سیر کو گیا تو ایک شوخ دیدہ اجنبی نے اس کے اس گھر پر جو بطور سرائے کے تھا، دخل اور تصرف کرلیا اور تمام گھر بجز چند حجروں کے جس میں اس مالک

کے عزیز تھے یا جن میں اس مالک کا قیمتی اسباب مقفّل تھا خود بخود استعمال میں لانے لگا اور اس سرائے کو اپنا گھر بنالیا اور پھر اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اس گھر سے اس مالک کے عزیزوں کو نکال دیا اور مقفل مکانوں کے قفل توڑ دیئے اور تمام اسباب پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اب مالک جو صرف اس گھر کا مالک نہیں بلکہ اس مُلک کا بادشاہ بھی ہے، جب اس شہر میں آئے گا اور اس ظلم اور شوخی کو دیکھے گا تو کیا کرے گا؟ اس کا یہی جواب ہے کہ جو کچھ مقتضا اس کی سلطنت اور غیرت اور جبروت کا ہے سب کچھ عمل میں لائے گا اور اس گھر کو اس ظالم سے خالی کرا کر پھر اپنے مظلوم عزیزوں کو اس میں داخل کرے گا اور وہ تمام مال جو غصب کیا گیا ان کو دے گا اور وہ مسافر خانہ بھی انہیں کو عطا کر دے گا تا آئندہ ان کی مرضی کے برخلاف کوئی اس میں زیادہ ٹھہر نہ سکے۔ اسی طرح اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ (وہ) تمام مذہبی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیوے۔ انسانوں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں، بہت سے جنگ ہوئے لیکن ان کے جنگوں یا جہادوں سے یہ جھگڑا فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر ان کی تلواریں ٹوٹ کر رہ گئیں۔ اس سے انسانوں کو یہ سبق ملا کہ مذہبی جھگڑوں کا تلوار فیصلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ اب آسمانی فیصلہ نزدیک ہے کیونکہ خدائے غیور کی زمین پر نہایت تحقیر ہو رہی ہے۔ ہر ایک عیسائی مشنری یہ جوش اپنے دل میں رکھتا ہے کہ وہ خدا جس کی نسبت توریت میں اب تک صحیح تعلیم موجود ہے، اس کو بالکل معطل کر کے ابن مریم کو اس کا تخت دیا جائے اور دنیا میں ایک بھی اس خدا کا نام لیوا نہ ہو اور ہر ایک قوم کے منہ سے اور ہر ایک ملک سے یہی آواز نکلے کہ یسوع مسیح خدا اور ربُّ العالمین اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ اور یہ صرف آرزو نہیں بلکہ یسوع کو خدا بنانے کیلئے جس قدر روپیہ صرف کیا گیا ہے، جس قدر کتابیں لکھی گئیں ہیں، جس قدر ہر ایک تدبیر کی گئی دنیا کی ابتداء سے آج تک اس کی نظیر موجود نہیں۔ اور افسوس کہ ایک مدت سے مسلمانوں کی یہ عادت ہے کہ معقول اور سیدھے طور پر اس مذہب کا مقابلہ نہیں کرتے بلکہ اگر خاص مجمعوں میں کبھی یہ ذکر آتا ہے تو بڑا ذریعہ اپنی ترقی کا جہاد کو ٹھہراتے ہیں اور ایک ایسے زمانہ کے منتظر ہیں کہ گویا اس وقت ان کا کوئی مہدی اور مسیح تلوار سے تمام قوموں کو نابود کر دے گا۔ گویا وہ اعتراض جو نادانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار پر کیا تھا اس کا جواب بھی آخر کار تلوار ہی ہوگا۔ **میری دانست میں یہی سبب مسلمانوں کے تنزّل کا ہے** کہ انسانی رحم کی قوت ان کے دلوں سے بہت گھٹ گئی ہے۔ میں ہر

ایک مسلمان کو ایسا نہیں سمجھتا لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ کروڑ ہا انسان ابھی ان میں ایسے موجود ہیں کہ بنی نوع کے خون کے پیاسے ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ کیا وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کو کوئی قتل کر دے اور ان کے یتیم بچے اور ان کی بیوہ عورتیں بیکسی کی حالت میں رہ جائیں؟ پھر وہ دوسروں کی نسبت ایسا کرنا کیوں روا رکھتے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ مرض مسلمانوں کے لاحق حال نہ ہوتی تو وہ تمام یورپ کے دلوں کو فتح کر لیتے۔ ہر ایک پاک کانشنس گواہی دے سکتا ہے کہ عیسائی مذہب کچھ بھی چیز نہیں۔ انسان کو خدا بنا دینا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ یسوع مسیح میں اَور انسانوں کی نسبت ایک ذرّہ خصوصیت نہیں بلکہ بعض انسان اس سے بہت بڑھ کر گزرے ہیں۔ اور اب بھی یہ عاجز اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ تا خدائے قادر لوگوں کو دکھلاوے اور اس کا فضل اس عاجز پر اس مسیح سے بڑھ کر ہے اور پھر یہ غلطیاں کہ گویا یسوع مسیح اب تک زندہ ہے اور گویا وہ آسمان پر ہے اور گویا وہ سچ مُچ مُردے زندہ کیا کرتا تھا اور اس کے مرنے پر یروشلم کے تمام مُردے جو آدم کے وقت سے لے کر مسیح کے وقت تک مر چکے تھے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔ یہ سب جھوٹی کہانیاں ہیں جیسا کہ ہندوؤں کے پورانوں میں ہیں۔ اور سچ صرف اس قدر ہے کہ اس نے بھی بعض معجزات دکھلائے جیسا کہ نبی دکھلاتے تھے اور جیسا کہ اب خدا تعالیٰ اس عاجز کے ہاتھ پر دکھلا رہا ہے۔ مگر مسیح کے کام تھوڑے تھے اور جھوٹ ان میں بہت ملایا گیا یہ کس قدر قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گیا۔ مگر اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ صلیب پر مرا نہیں۔ واقعات صاف گواہی دیتے ہیں کہ مرنے کی کوئی بھی صورت نہیں تھی۔ تین گھنٹہ کے اندر صلیب پر سے اُتارا گیا، شدتِ درد سے بیہوش ہو گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دے۔ اس لئے اس وقت بباعث کسوف خسوف سخت اندھیرا ہو گیا۔ یہودی ڈر کر اس کو چھوڑ گئے اور یوسف نام ایک پوشیدہ مرید کے وہ حوالہ کیا گیا اور دو تین روز ایک کوٹھہ میں جو قبر کے نام سے مشہور کیا گیا، رکھ کر آخر افاقہ ہونے پر ملک سے نکل گیا اور نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا ہے کہ پھر وہ سیر کرتا ہوا کشمیر میں آیا۔ باقی حصہ عمر کا کشمیر میں بسر کیا۔ سری نگر محلّہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ افسوس خواہ نخواہ افترا کے طور پر آسمان پر چڑھایا گیا اور آخر قبر کشمیر میں ثابت ہوئی۔ اس بات کے ایک دو گواہ نہیں بلکہ بیس ہزار سے زیادہ گواہ ہیں۔

اس قبر کے بارے میں ہم نے بڑی تحقیق سے ایک کتاب لکھی ہے جو عنقریب شائع کی جائے گی۔

مجھے اس قوم کے مشنریوں پر بڑا ہی افسوس آتا ہے جنھوں نے فلسفہ طبعی ہیئت سب پڑھ کر ڈبو دیا ہے اور خواہ نخواہ ایک عاجز انسان کو پیش کرتے ہیں کہ اس کو خدا مان لو۔ چنانچہ حال میں ملک امریکہ میں یسوع مسیح کا ایک رسول پیدا ہوا ہے جس کا نام **ڈوئی** ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دنیا میں اس کو بھیجا ہے تا سب کو اس بات کی طرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی خدا نہیں۔ مگر یہ کیسا خدا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھ سے اپنے تئیں بچا نہ سکا۔ ایک دغاباز شاگرد نے اس کو پکڑوا دیا، اس کا کچھ بندوبست نہ کر سکا۔ انجیر کے درخت کی طرف دوڑا گیا اور یہ خبر نہ ہوئی کہ اس پر پھل نہیں اور جب قیامت کے بارے میں اس سے پوچھا گیا کہ کب آئے گی تو بے خبری ظاہر کی۔ اور لعنت، جس کے یہ معنے ہیں کہ دل ناپاک ہو جائے اور خدا سے بیزار ہو جائے اور خدا سے اور اس کی رحمت سے دور جا پڑے، وہ اس پر پڑی۔ اور پھر وہ آسمان کی طرف اس لئے چڑھا کہ باپ اس سے بہت دور تھا کروڑ ہا کوس سے بھی زیادہ دور تھا اور یہ دوری کسی طرح دور نہیں ہو سکتی تھی جب تک وہ مع جسم آسمان پر نہ چڑھتا۔ دیکھو کس قدر کلام کا تناقض ہے۔ ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ میں اور باپ ایک ہیں اور ایک طرف کروڑ ہا کوس کا سفر کر کے اس کے ملنے کو جاتا ہے جبکہ باپ اور بیٹا ایک تھے تو اس قدر مشقت سفر کی کیوں اُٹھائی؟ جہاں ہوتا وہیں باپ بھی تھا، دونوں ایک جو ہوئے۔ اور پھر وہ کس کے داہنے ہاتھ بیٹھا؟

اب ہم ڈوئی کو مخاطب کرتے ہیں جو یسوع مسیح کو خدا بناتا اور اپنے تئیں اس کا رسول قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ توریت استثنا ۱۸ باب آیت ۱۵ کی پیشگوئی میرے حق میں ہے اور میں ہی **ایلیا اور میں ہی عہد کا رسول ہوں**۔ نہیں جانتا کہ یہ مصنوعی خدا اس کا موسیٰ کے کبھی خواب خیال میں بھی نہیں تھا۔ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی بار بار کہا کہ خبردار! کسی مجسم چیز، انسان یا حیوان کو خدا قرار نہ دینا۔ نہ آسمان پر سے نہ زمین سے۔ خدا نے تم سے باتیں کیں مگر تم نے اس کی کوئی صورت نہیں دیکھی۔ تمہارا خدا صورت اور تجسم سے پاک ہے۔ مگر اب ڈوئی موسیٰ کے خدا سے برگشتہ ہو کر وہ خدا پیش کرتا ہے جس کے چار بھائی اور ایک ماں ہے۔ اور بار بار اپنے اخبار میں لکھتا ہے کہ اس کے خدا یسوع مسیح نے اس کو خبر دی ہے کہ تمام مسلمان تباہ اور ہلاک ہو جائیں گے اور دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہے گا بجز ان لوگوں کے جو مریم کے بیٹے کو خدا سمجھ لیں اور ڈوئی کو اس مصنوعی خدا کا رسول قرار دیں۔ ہم ڈوئی کو ایک پیغام دیتے ہیں کہ اس کو تمام مسلمانوں کے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟

وہ غریب مریم کے عاجز بیٹے کو خدا کیونکر مان لیں بالخصوص اس زمانہ میں جب کہ ڈوئی کے خدا کی قبر بھی اس مُلک میں موجود ہے اور ان میں وہ مسیح موعود بھی موجود ہے جو چھٹے ہزار کے اخیر اور ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوا جس کے ساتھ بہت سے نشان ظہور میں آئے اور ڈوئی کا یہ الہام کہ تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے اور وہی لوگ باقی رہیں گے جو یسوع مسیح کو خدا مانیں گے اور ساتھ ہی ڈوئی کو بھی اس خدا کا رسول مان لیں گے۔ اس الہام کی رو سے تو باقی عیسائیوں کی بھی خیر نہیں کیونکہ گو وہ مریم کے صاحبزادہ کو خدا مانتے ہیں مگر یہ جھوٹا رسول جو ڈوئی ہے اب تک انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔ اور ڈوئی نے صاف طور پر یہ الہام شائع کر دیا ہے کہ صرف یسوع مسیح کو خدا ماننا کافی نہیں جب تک ڈوئی کو بھی ساتھ ہی نہ مان لیں اور چاہئے کہ صاف اقرار کرے کہ ڈوئی ایلیا اور ڈوئی عہد کا رسول اور ڈوئی کے حق میں ہی وہ پیشگوئی ہے جو توریت استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ میں ہے، تب بچیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ غرض ڈوئی بار بار لکھتا ہے کہ عنقریب یہ سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے بجز اس گروہ کے جو یسوع کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی کی رسالت۔ اس صورت میں یورپ اور امریکہ کے تمام عیسائیوں کو چاہئے کہ بہت جلد ڈوئی کو مان لیں تا ہلاک نہ ہو جائیں اور جب کہ انہوں نے ایک نامعقول امر کو مان لیا ہے یعنی یسوع مسیح کی خدائی کو، تو چلو یہ دوسرا نامعقول امر بھی مان لو کہ اس خدا کا ڈوئی رسول ہے۔

رہے مسلمان۔ سو ہم ڈوئی صاحب کی خدمت میں باَدب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کے مارنے کی کیا حاجت ہے؟ ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ وہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سناویں بلکہ **ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر** یہ دعا کر دیں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر میں اس کو ایک بندۂ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے؟ چاہئے کہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہنچے گی تب میں بھی بجواب اس کے یہی دعا کروں گا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دوں گا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیوں

کیلئے حق کی شناخت کیلئے ایک راہ نکل آئے گی۔ میں نے ایسی دعا کے لئے سبقت نہیں کی بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر غیور خدا نے میرے اندر یہ جوش پیدا کیا۔ اور یاد رہے کہ میں اس مُلک میں معمولی انسان نہیں ہوں۔ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کا ڈوئی انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائے گا اور میں **بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ میں ہی ہوں**۔ صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے۔ ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے۔ ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ میں نے ہزار ہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کر سکا اور وہ مر گئی اور اب تک اس کے فراق میں روتا ہے اور کیونکر اپنے اس مرید کی عورت کو اچھا نہ کر سکا جو بچہ جَن کر مر گئی اور اس کی بیماری پر بلایا گیا مگر وہ گزر گئی۔ یاد رہے کہ اس مُلک کے صدہا عام لوگ اس قسم کے عمل کرتے ہیں۔ اور سلب امراض میں بہتوں کو مشق ہو جاتی ہے اور کوئی ان کی بزرگی کا قائل نہیں ہوتا۔ پھر امریکہ کے سادہ لوحوں پر نہایت تعجب ہے کہ وہ کس خیال میں پھنس گئے۔ کیا ان کے لئے مسیح کو ناحق خدا بنانے کا بوجھ کافی نہ تھا کہ یہ دوسرا بوجھ بھی انہوں نے اپنے گلے ڈال لیا۔ اگر ڈوئی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور درحقیقت یسوع مسیح خدا ہے تو یہ فیصلہ ایک ہی آدمی کے مرنے سے ہو جائے گا۔ کیا حاجت ہے کہ تمام مُلکوں کے مسلمانوں کو ہلاک کیا جائے؟ لیکن اگر اس نے اس نوٹس کا جواب نہ دیا اور یا اپنے لاف وگزاف کے مطابق دعا کر دی اور پھر دنیا سے قبل میری وفات کے اُٹھایا گیا تو یہ تمام امریکہ کے لئے ایک نشان ہوگا۔ مگر یہ شرط ہے کہ کسی کی موت انسانی ہاتھوں سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری سے یا بجلی سے یا سانپ کے کاٹنے سے یا کسی درندہ کے پھاڑنے سے ہو۔ اور ہم اس جواب کیلئے ڈوئی کو تین ماہ تک مہلت دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا سچوں کے ساتھ ہو۔ آمین

یاد رہے کہ صادق اور کاذب میں فیصلہ کرنے کیلئے ایسے امور ہرگز معیار نہیں ٹھہر سکتے جو دنیا کی قوموں میں مشترک ہیں۔ کیونکہ کم وبیش ہر ایک قوم میں وہ پائے جاتے ہیں۔ انہیں امور میں سے طریق سلبِ امراض بھی ہے۔ یہ طریق نامعلوم وقت سے ہر ایک قوم میں رائج ہے۔ ہندو بھی ایسے کرتب کیا کرتے ہیں اور یہودیوں میں بھی یہ طریق چلے آتے ہیں اور مسلمانوں میں بھی بہت سے

لوگ سلب امراض کے مدعی ہیں اور سچ بات یہ ہے کہ اس طریق کو حق اور باطل کے فیصلہ کرنے کیلئے کوئی دخل نہیں کیونکہ اہل حق اور اہل باطل دونوں اس میں دخل پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انجیلوں سے بھی ثابت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اس طریق توجہ سے بعض امراض کو اچھا کرتے تھے تو ان کی زندگی میں ہی ایسے لوگ بھی موجود تھے کہ ان کے مرید اور حواری نہ تھے مگر اسی طرح امراض کو اچھا کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کر لیتے تھے اور اس وقت ایک تالاب بھی ایسا تھا جس میں غوطہ لگا کر اکثر امراض اچھی ہو جاتی تھیں۔ سو یہ مشق توجہ اور سلبِ امراض کی جو عام طور پر قوموں کے اندر پائی جاتی ہے یہ سچے مذہب کیلئے کامل شہادت نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں! اس صورت میں کامل شہادت ٹھہر سکتی ہے کہ دو فریق جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے مدعی ہیں وہ چند بیمار مثلاً بیس بیمار قرعہ اندازی سے باہم تقسیم کر لیں اور پھر ان دونوں میں سے جس کے بیمار فریق مقابل سے بہت زیادہ اچھے ہو جائیں، اس کو حق پر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ گزشتہ دنوں میں ایسا ہی میں نے اس ملک میں اشتہار دیا تھا مگر کسی نے اس کا مقابلہ نہ کیا۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ڈوئی یا اور کوئی ڈوئی کا ہم جنس اس مقابلہ کیلئے میرے مقابل آئے تو میرا خدا اس کو سخت ذلیل کرے گا، کیونکہ وہ جھوٹا ہے اور اس کا خدا بھی محض باطل کا پتلا ہے۔ لیکن افسوس! کہ اس قدر دوری میں یہ مقابلہ میسر نہیں آ سکتا۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ ڈوئی نے خود یہ طریق فیصلہ پیش کیا ہے کہ مسلمان جھوٹے ہیں اور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس طریق فیصلہ میں ہم اس قدر ترمیم کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کو نشانہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح پر تو ڈوئی کے ہاتھ میں مکار لوگوں کی طرح یہ عذر باقی رہ جائے گا کہ مسلمان ہلاک نہ ہوں گے مگر پچاس یا ساٹھ یا سَو برس کے بعد۔ اتنے میں ڈوئی خود مر جائے گا تو کوئی اس کی قبر پر جا کر اس کو ملزم کرے گا کہ تیری پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ پس اگر ڈوئی کی سیدھی نیت ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ سبق درحقیقت مریم کے صاحبزادہ نے ہی اس کو دیا ہے جو اس کے نزدیک خدا ہے تو یہ ٹھگوں والا طریق اس کو اختیار نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ طریق یہ ہے کہ وہ اپنے مصنوعی خدا سے اجازت لے کر میرے ساتھ اس بارے میں مقابلہ کرے۔ میں ایک آدمی ہوں جو پیرانہ سالی تک پہنچ چکا ہوں۔ میری عمر غالباً چھیاسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے اور ذیابیطس اور اسہال کی بیماری بدن کے نیچے کے حصہ میں اور دورانِ سر اور کمی دورانِ خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں ہے۔ اور میں

دیکھتا ہوں کہ میری زندگی میری صحت سے نہیں بلکہ میرے خدا کے حکم سے ہے۔ پس اگر ڈوئی کا مصنوعی خدا کچھ طاقت رکھتا ہے تو ضرور میرے مقابل اس کو اجازت دے گا۔ اگر تمام مسلمانوں کے ہلاک کرنے کے عوض میں صرف میرے ہلاک کرنے سے ہی کام ہو جائے تو ڈوئی کے ہاتھ میں ایک بڑا نشان آ جائے گا۔ پھر لاکھوں انسان مریم کے بیٹے کو خدا مان لیں گے اور نیز ڈوئی کی رسالت کو بھی۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کی نفرت عیسائیوں کے خدا کی نسبت ترازو کے ایک پلہ میں رکھی جائے اور دوسرے پلہ میں میری نفرت رکھی جائے تو میری نفرت اور بیزاری عیسائیوں کے بناوٹی خدا کی نسبت تمام مسلمانوں کی نفرت سے وزن میں زیادہ نکلے گی۔

میں سب پرندوں سے زیادہ کبوتر کا کھانا پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ عیسائیوں کا خدا ہے۔ معلوم نہیں کہ ڈوئی کی اس میں کیا رائے ہے۔ کیا وہ بھی اس کی نرم نرم ہڈیاں دانتوں کے نیچے چباتے ہیں یا خدائی کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کچھ رحم کرتے اور اس کی حرمت کے قائل ہیں؟ اس ملک کے ہندوؤں نے جب سے گائے کو پرمیشر کا اوتار مانا ہے تب سے وہ گائے کو ہرگز نہیں کھاتے۔ پس وہ ان عیسائیوں سے اچھے رہے جنہوں نے اس کبوتر کی کچھ عظمت نہ کی جس کی شبیہ میں ان کا وہ خدا ظاہر ہوا جس نے مسیح کو آسمان سے آواز دی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ پس اس رشتہ کے لحاظ سے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، کبوتر مسیح کا باپ ہوا، گویا خدا کا باپ ٹھہرا۔ مگر تب بھی عیسائیوں نے اس کے کھانے سے پرہیز نہیں کیا حالانکہ وہ اس لائق تھا کہ اس کو خداوند خداوند کہا جائے۔ خدا نے جب کہ توریت میں یہ کہا کہ آدم کو میں نے اپنی صورت میں پیدا کیا تبھی سے انسان کا گوشت انسانوں پر حرام کیا گیا ہے۔ پھر کیا وجہ اور کیا سبب کہ کبوتر جو عیسائیوں کے خدا کا باپ ہے، جس نے مسیح کو بیٹے کا خطاب دیا، وہ کھایا جاتا ہے اور نہ صرف کھایا جاتا بلکہ اس کے گوشت کی تعریف بھی کی جاتی ہے جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۸۵ جلد ۱۹ میں لکھا ہے کہ کبوتر کا گوشت تمام پرندوں سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو کبوتر کی قسم فروٹ پجن کھانے کا اتفاق خوش قسمتی سے ہوا ہے انہوں نے یہ شہادت دی ہے اور یہود کی شریعت کے مطابق جس کو بکرا ذبح کرنے کی توفیق نہ ہو وہ کبوتر ذبح کرے (لوقا ۲:۲۴) اور مریم نے بھی دو کبوتر ذبح کئے تھے کیونکہ وہ غریب تھی۔ (لوقا ۲:۲۴) اب دیکھو ایک طرف تو کبوتر کو خدا بنایا اور ایک طرف کبوتر پر ہمیشہ چھری پھیر دی جاتی ہے۔ مسیح تو صرف ایک دفعہ صلیب پر چڑھ

کر تمام عیسائیوں کا شفیع بن گیا مگر بیچارہ کبوتر کو اس شفاعت سے کچھ حصہ نہ ملا جس کی بوٹی بوٹی ہمیشہ دانتوں کے نیچے پیسی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی کل ایک سفید کبوتر کھایا تھا لہٰذا روح القدس کی تائید سے یہ تحریک پیدا ہوئی۔ اور انسائیکلو پیڈیا میں جو پانچ سَو قسم کبوتر کی لکھی ہے، یہ بھی میری رائے میں ناقص ہے کیونکہ اس میں اس کبوتر کو شامل نہیں کیا گیا جس کی شبیہ میں عیسائیوں کا خدا ظاہر ہوا تھا۔ اس لئے اس بیان کی یوں تصحیح کرنی چاہئے کہ کبوتر کی اقسام ۵۰۱ ہیں اور اس کی تصریح کر دینی چاہئے کہ یہ ایک نئی قسم وہ داخل کی گئی ہے جس میں خدا مسیح پر نازل ہوا تھا۔

میں ایسے شخص کا سخت دشمن ہوں کہ جو کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر پھر خیال کرتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ گو میں مسیح ابن مریم کو اس تہمت سے پاک قرار دیتا ہوں کہ اُس نے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا تاہم میں دعویٰ کرنے والے کو تمام گنہگاروں سے بدتر سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور مجھے دکھایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم اس تہمت سے بَری اور راستباز ہے اور اس نے کئی دفعہ مجھ سے ملاقات کی لیکن ہر ایک دفعہ اپنی عاجزی اور عبودیت ظاہر کی۔ ایک دفعہ میں نے اور اس نے عالم کشف میں جو گویا بیداری کا عالم تھا، ایک جگہ بیٹھ کر ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا[1] اور اس نے اپنی فروتنی اور محبت سے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ میرا بھائی ہے اور میں نے بھی محسوس کیا کہ وہ میرا بھائی ہے۔ تب سے میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں۔ سو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کے موافق میرا یہی عقیدہ ہے کہ وہ میرا بھائی ہے گو مجھے حکمت اور مصلحت الٰہی نے اس کی نسبت زیادہ کام سپرد کیا ہے اور اس کی نسبت زیادہ فضل اور کرم کے وعدے دئے ہیں، مگر پھر بھی میں اور وہ روحانیت کی رو سے ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں، اسی بنا پر میرا آنا اسی کا آنا ہے۔ جو مجھ سے انکار کرتا ہے وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس نے مجھے دیکھا اور خوش ہوا۔ پس وہ جو مجھے دیکھتا اور ناخوش ہوتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ نہ مجھ میں سے اور نہ مسیح ابن مریم میں سے۔ اور مسیح ابن مریم مجھ میں سے ہے اور میں خدا سے ہوں۔ مبارک وہ جو مجھے پہچانتا ہے اور بدقسمت وہ جس کی آنکھوں سے میں پوشیدہ ہوں۔☆

خاکسار

مرزا غلام احمد قادیانی

---

[1] تذکرہ صفحہ ۴۳۹۔ ایڈیشن چہارم ☆ ریویو آف ریلیجنز اُردو ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۳۹ تا ۳۴۸

جان الیگزینڈر ڈوئی کے نام

دوسرا کھلا خط

ڈوئی نے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خط کا جواب نہ دیا تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈوئی کے نام ایک اور خط لکھا جو امریکہ کے اخبارات و رسائل میں کثرت کے ساتھ شائع ہوا۔مگر باوجود اس کثرت اشاعت پیشگوئی کے ڈوئی نے اس چیلنج کا بھی کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اپنے اخبار لیوز آف ہیلنگ میں اس کا کچھ ذکر کیا۔ البتہ اسلام کے متعلق اس نے وہی بدزبانی کا طریق جاری رکھا چنانچہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے اخبار میں یہ فقرے شائع کئے۔ ’’میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلدی آئے جب اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تو میری اس دعا کو قبول کر۔ اے خدا تو اسلام کو ہلاک کر‘‘ پہلے تو صرف گول مول الفاظ میں ایک پیشگوئی تھی مگر اس چٹھی کے بعد کھلے الفاظ میں اسلام کی ہلاکت کے لئے دعا کرنا مباہلہ کا ہی اختیار کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسلمانوں کی طرف سے وکیل سمجھتا تھا۔ (ایڈیٹر) اور پھر ۱۵ر اگست ۱۹۰۳ء کو اسلام کا ذکر کر کے لکھا کہ ’’انسانیت پر اس سخت بدنما دھبہ کو (یعنی اسلام کو) صیہون ہلاک کر کے چھوڑے گا‘‘۔

پس جب وہ نہ تو اسلام کے متعلق دریدہ دہنی سے باز آیا اور نہ ہی کھلے طور پر میدان مقابلہ میں نکلا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اور اشتہار جاری کیا جو صرف زبان انگریزی میں ترجمہ ہو کر بلاد یورپ اور امریکہ میں بکثرت شائع ہوا۔ اس اشتہار کا بھی انگریزی اور امریکن اخبارات میں بہت چرچا ہوا۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا ’’پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیشگوئیاں‘‘ اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اب یہ خالی مباہلہ کی دعوت نہ رہی تھی بلکہ اس میں صراحت کے ساتھ ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی بھی کی گئی تھی۔ ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خط کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۶ نمبر ۴ میں شائع ہو چکا ہے۔

مکتوب نمبر۱۳

ڈوئی کے نام دوسرا کھلا خط

زمین جب گناہ اور شرک سے آلودہ ہو جاتی ہے اور اس حقیقت سے بے خبر ہو جاتی ہے جو انسان کی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ تب خدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے کہ ایک کامل الفطرت انسان کو اپنی ذات سے پاک تعلق بخش کر اور اپنے مکالمہ سے اُس کو مشرف کر کے اور اپنی محبت میں اُس کو انتہا تک پہنچا کر اُس کے ذریعہ سے دوبارہ زمین کو پاک وصاف کرے۔ انسان خدا تو نہیں ہو سکتا مگر بڑے بڑے تعلقات اس سے پیدا کر لیتا ہے۔ جب وہ بالکل خدا کیلئے ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں صاف کرتا کرتا ایک مصفّا آئینہ کی طرح بن جاتا ہے۔ تب اس آئینہ میں عکسی طور پر خدا کا چہرہ نمودار ہوتا ہے اُس صورت میں وہ بشری اور خدائی صفات میں ایک مشترک چیز بن جاتا ہے اور کبھی اس سے صفاتِ الٰہیہ صادر ہوتی ہیں کیونکہ اس کے آئینہ وجود میں خدا کا چہرہ منعکس ہے اور کبھی اُس سے بشری صفات صادر ہوتی ہیں کیونکہ وہ بشر ہے اور ایسے انسانوں کو دیکھنے والے کبھی دھوکا کھا کر اور صرف ایک پہلو کا کرشمہ دیکھ کر ان کو خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ اور دنیا میں مخلوق پرستی اسی وجہ سے آئی ہے اور صدہا انسان اسی دھوکا سے خدا بنائے گئے ہیں۔ مگر ہمارے اس زمانہ میں جس قدر عیسائیوں کا وہ فرقہ جو حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے اس دھوکا میں مبتلا ہے اس قدر کوئی اور قوم مبتلا نہیں۔ مسیح سے صدہا برس پہلے جو لوگ خدا بنائے گئے تھے جیسے راجہ رام چندر، راجہ کرشن، گوتم بدھ۔ ہمارے اس زمانہ میں ان کے پیرو متنبہ ہوتے جاتے ہیں کہ یہ ان کی غلطیاں تھیں۔ مگر افسوس حضرت مسیح کے پیرو اب تک اس زمانہ میں بھی خواہ نخواہ خدائی کا خطاب ان کو دے رہے ہیں۔ اگرچہ اس خیال کا بطلان ایسا بدیہی تھا کہ کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ عیسائی ابھی تک اس زمانہ کی ہوا سے بھی دور بیٹھے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ ایسے لغو خیالات کا زمانہ ہی دن بدن مخالف ہوتا جاتا ہے تو انہوں نے اپنے معمولی طریقوں سے مایوس ہو کر یہ ایک نیا طریق اختیار کیا کہ کوئی ان میں سے **الیاس** بن گیا اور کسی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں اور میں ہی خدا ہوں۔ اس مجمل

فقرہ سے مراد میری یہ ہے کہ لنڈن میں تو مسٹر **پگٹ** نے خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کیا اور امریکہ میں **مسٹر ڈوئی الیاس** بن بیٹھے اور پیشگوئی کر دی کہ مسیح ابن مریم پچیس برس تک دنیا میں آ جائے گا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ڈوئی نے تو بزدلی دکھلائی اور الیاس بننے میں بھی اپنی پردہ دری سے ڈرتا رہا اور مسیح نہ بنا بلکہ مسیح کا خادم بنا اور پگٹ نے بڑی ہمت دکھلائی کہ خود مسیح بن گیا، نہ صرف مسیح بلکہ خدا ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ اب لنڈن والوں کو کسی بیماری، آفت، مصیبت کا کیا اندیشہ ہے، جن کے شہر میں خدا اُترا ہوا ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ لنڈن میں کچھ یہودی بھی رہتے ہیں اس لئے بے شک یہ اندیشہ ہے کہ ان کو طبعًا یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو وہی مسیح ہے جو صلیب سے بوجہ غشی کے غلطی کے ساتھ زندہ اُتارا گیا اور پھر موقع پا کر مشرقی بلاد کی طرف بھاگ گیا۔ آخر اب ایسے طور سے اس کو صلیب دیں کہ کام تمام ہو جائے اور پھر کسی طرف بھاگ نہ سکے۔ اور ساتھ ہی یہ فکر بھی ہے کہ مبادا عیسائیوں کو بھی خیال آ جاوے کہ پہلا کفّارہ پُرانا اور بودہ ہو چکا ہے اور شراب خوری اور فسق و فجور کی کثرت نے ثابت بھی کر دیا ہے کہ اس کفّارہ کی تاثیر جاتی رہی ہے۔ اس لئے اب ایک نئے خون کی ضرورت ہے۔ سو میں ہمدردی سے کہتا ہوں کہ مسٹر پگٹ کو ان ہر دو فرقوں سے چوکس رہنا چاہئے۔ القصہ ان دنوں میں جب کہ زمین میں ایسے ایسے جھوٹے اور ناپاک دعوے کئے گئے ہیں اس لئے خدا نے جو زمین پر بدی اور ناپاکی کا پھیلنا پسند نہیں کرتا **مجھے اپنا مسیح کر کے بھیجا تا وہ زمین کی تاریکی کو اپنی توحید سے روشن کرے اور شرک کی نجاست سے دنیا کو مخلصی بخشے۔ پس میں وہی مسیح موعود ہوں جو ایسے وقت میں آنے والا تھا۔** اور میں صرف اپنے منہ سے نہیں کہتا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا، میری گواہی دیتا ہے۔ اس نے اس گواہی کے پورا کرنے کے لئے صدہا نشان میرے لئے ظاہر کئے اور کر رہا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کا فضل اُس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہے جو مجھ سے پہلے گزر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اُس کے آئینہ میں ہوا تھا۔ اگر میں صرف اپنے منہ سے کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر وہ میرے لئے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ میرے لئے اس کی ہزارہا گواہیاں ہیں جن کو میں شمار نہیں کر سکتا۔ مگر منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونے کا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو

جائے گا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتًا یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا۔ **یہ دونشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لئے خاص کئے گئے ہیں**۔ کاش! وہ ان پر غور کریں اور ان سے فائدہ اُٹھائیں۔

یاد رہے کہ اب تک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا ہے اس لئے میں آج کی تاریخ سے جو ۲۳؍اگست ۱۹۰۳ء ہے۔ اس کو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں۔ اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آ گیا اور جس طور سے مقابلہ کرنے کی میں نے تجویز کی ہے، جس کو میں شائع کر چکا ہوں، اس تجویز کو پورے طور پر منظور کر کے اپنے اخبار میں عام اشتہار دے دیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے، جو میری نسبت گویا ایک بچہ ہے لیکن میں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اس بات پر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اس کا بھی شکست کی صورت سمجھی جائے گی۔ اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہئے کہ یہ تمام دعویٰ اس کا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہے گا لیکن درحقیقت ایسے بھاری مقابلہ سے گریز کرنا بھی ایک موت ہے۔ **پس یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے** کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ضرور ایک صورت اس کو پکڑ لے گی۔ اب میں اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ

’’اے قادر اور کامل خدا! جو ہمیشہ نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور ظاہر ہوتا رہے گا **یہ فیصلہ جلد کر** کہ پگٹ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیرے عاجز بندے اپنے جیسے انسانوں کی پرستش میں گرفتار ہو کر تجھ سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ سوائے ہمارے پیارے خدا! ان کو اس مخلوق پرستی کے اثر سے رہائی بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر جو اس زمانہ کے لئے تیرے

تمام نبیوں نے کئے ہیں۔ان کانٹوں میں سے زخمی لوگوں کو باہر نکال اور حقیقی نجات کے سرچشمہ سے ان کو سیراب کر کیونکہ سب نجات تیری معرفت اور تیری محبت میں ہے، کسی انسان کے خون میں نجات نہیں۔اے رحیم کریم خدا! ان کی مخلوق پرستی پر بہت زمانہ گزر گیا ہے۔اب اُن پر تو رحم کر اور ان کی آنکھیں کھول دے۔اے قادر اور رحیم خدا! سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔اب تو ان بندوں کو اس اسیری سے رہائی بخش اور صلیب اور خون مسیح کے خیالات سے ان کو بچا لے۔اے قادر کریم خدا! ان کے لئے میری دُعا سُن اور آسمان سے ان کے دلوں پر ایک نور نازل کر۔ تا وہ تجھے دیکھ لیں۔کون خیال کرسکتا ہے کہ وہ تجھے دیکھیں گے۔کس کے ضمیر میں ہے کہ وہ مخلوق پرستی کو چھوڑ دیں گے اور تیری آواز سنیں گے۔ پر اے خدا! تو سب کچھ کرسکتا ہے۔تو نوحؑ کے دنوں کی طرح ان کو ہلاک مت کر کہ آخر وہ تیرے بندے ہیں بلکہ اُن پر رحم کر اور ان کے دلوں کو سچائی کے قبول کرنے کے لئے کھول دے۔ ہر ایک قفل کی تیرے ہاتھ میں کنجی ہے۔ جب کہ تو نے مجھے اس کام کے لئے بھیجا ہے۔سو میں تیرے منہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نامرادی سے مروں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو کچھ اپنی وحی سے مجھے تو نے وعدے دیئے ہیں ان وعدوں کو تو ضرور پورا کرے گا کیونکہ تُو ہمارا خدا صادق خدا ہے۔اے میرے رحیم خدا! اس دنیا میں میرا بہشت کیا ہے! بس یہی کہ تیرے بندے مخلوق پرستی سے نجات پا جائیں۔سو میرا بہشت مجھے عطا کر اور ان لوگوں کے مردوں اور ان لوگوں کی عورتوں اور ان کے بچوں پر یہ حقیقت ظاہر کر دے کہ وہ خدا جس کی طرف توریت اور دوسری پاک کتابوں نے بلایا ہے، اس سے وہ بے خبر ہیں۔اے قادر کریم! میری سُن لے کہ تمام طاقتیں تجھ کو ہیں۔ اٰمین ثم اٰمین۔☆

تمّت

نوٹ: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ڈوئی کے انجام اور اس کی ہلاکت کی صریح خبر کو امریکہ کے بہت سے اخبارات اور رسائل نے جلی عنوانوں کے ساتھ شائع کیا اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق ڈوئی انتہائی ذلّت کے ساتھ نہایت کسمپرسی کی حالت میں مارچ ۱۹۰۷ء کو اس جہان فانی سے گزر گیا اور اس کا آباد کردہ شہر صیہون ویران ہوگیا۔ (سید عبدالحی)

☆ ریویو آف ریلیجنز اُردو اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۵

مکتوب نمبر۱۶

حضرت اقدس کا ایک خط ایک انگریز کے نام

میرے پیارے دوست!

آپ کی محبت اور اخلاص سے بھری ہوئی چٹھی پہنچی جس کے مضمون پر مطلع ہونے سے اور آپ کی خیر و عافیت کے پانے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ افسوس کہ میں بباعث نہ ملنے کسی انگریزی خواں کے کسی قدر دیر کے بعد اس چٹھی کو لکھتا ہوں۔ میں تا تحریر خط ہذا۔ ہر طرح سے معہ اہل وعیال خیریت سے ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جانبین کو دنیوی مکروہات اور آزمائشوں سے بچا کر اپنے خاص اور جاودانی رحمتوں سے متمتع فرماوے۔ میرے دل میں دن بدن بوجہ آپ کی استقامت اور استقلال طبیعت اور غیر متبدل خلوص کے آپ کی محبت بڑھتی جاتی ہے اور میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ جیسا ایک یک رنگ دوست پانے سے میں نے ایک خزانہ پالیا ہے یا ایک شہباز میرے قبضہ میں آیا ہے جس سے بڑے بڑے نیک نتیجوں کی امید رکھتا ہوں اور آپ کیلئے دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم روز بروز اپنی محبت اور معرفت اور وفا اور ثبات اور استقلال اور استقامت میں آپ کو ترقی بخشے اور میرے دل سے آپ کے دل کو ایک کر دیوے۔ اسلام سے آپ کا محبت رکھنا صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے دل کو نہایت مستقیم اور سلیم پیدا کیا ہے اور ایک اجنبی قوم کیلئے آپ کو چراغ ہدایت بنانا چاہا ہے کیونکہ وہ دین جو آئینہ عالم پر نظر ڈال کر اس کی پوری صورت ہم دیکھ سکتے ہیں وہ اسلام ہی ہے۔ اسلام کوئی نئی بات نہیں سکھاتا اور نہ کوئی نیا معبود پیش کرتا ہے اور نہ کوئی غیر طبعی اور اجنبی طریق نجات کا اس نے ایجاد کیا ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے صفات کاملہ میں سے جن پر صحیفہ فطرت شہادت دے رہا ہے کچھ کم کرتا ہے اور نہ نالائق صفتیں اس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ تعلیم قرآنی ان نقوش اور اشارات کی تفصیل کنندہ اور شارع اور یاد دلانے اور غلطی سے محفوظ رکھنے والی ہے جو خدا تعالیٰ کے افعال میں متنقش ہیں۔ قرآن شریف کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں

ایک ذرہ تصنع اور بناوٹ کی بدبونہیں پائی جاتی۔ انسان کے تمام قویٰ جو اس کی فطرت میں پائے جاتے ہیں وہ قرآنی تعلیم کے سامنے ایسے ہیں کہ گویا وہ ایک قالب ہے جو بالطبع اس روح کے لینے کے لیے تقاضا کر رہا ہے۔ جو شخص اس دین کی پوری صورت دیکھ لیوے اور طبع سلیم رکھتا ہو تو میں خیال نہیں کرسکتا کہ وہ اس نعمت کے قبول کرنے سے محروم رہ جائے اسی غرض سے وہ رسالہ تالیف کیا گیا ہے جس کا ترجمہ آپ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ افسوس کہ میں بباعث اپنی ان مجبوریوں کے جن کی تفصیل طولِ طلب ہے جلدی اپنے وعدہ کو پورا نہیں کرسکا۔ اگر میں انگریزی خواں ہوتا تو یہ مشکلات مجھے نہ آتیں۔ بہرحال امید رکھتا ہوں کہ اب میری دوسری چٹھی کوئی حصہ رسالہ کا ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی۔ یہ نہیں وعدہ کرسکتا کہ کب۔ تک مگر امید رکھتا ہوں کہ خداوند قادر مطلق کوئی بہت دیر اس میں نہیں ڈالے گا۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ رہے اور وہ دن لاوے کہ جیسے خط و کتابت کے ذریعہ سے ایک روحانی ملاقات حاصل ہو رہی ہے خارجی ملاقات سے بھی مسرور اور خوشحال ہو جائیں۔ آمین والسلام

آپ کا مخلص دوست غلام احمد

قادیان ضلع گورداسپور☆

☆ الحکم جلد ۵ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۳

مکتوب نمبر ۱۷

بانس بریلی کے ایک مسلمان کے خط کا جواب

(تمہیدی نوٹ)

اواخر فروری ۱۹۰۶ء میں بانس بریلی (یو۔پی) کے ایک مسلمان نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ’’ینابیع الاسلام‘‘ نام کی ایک مسیحی کتاب سے متاثر ہو کر دردناک خط لکھا اوراس کے جواب کا خواستگار رہوا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو خدا تعالیٰ نے شوکت اسلام کے اظہار اور کسر صلیب ہی کے لئے مامور فرمایا تھا۔آپ نے اس کا جواب لکھا اور وہ جواب ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع ہوا۔اگرچہ وہ جواب بجائے خود ایک رسالہ ہے لیکن وہ ایک خط ہی کا جواب اور مکتوب ہے۔اس لئے میں اس رسالہ کے موضوع کے لحاظ سے اسے پورا درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اس جواب کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ حضور کو کس قدر غیرتِ اسلام کے لئے ودیعت کی گئی تھی۔اس خط کا نام آپ نے چشمۂ مسیحی تجویز فرمایا تھا۔(عرفانی کبیر)

چشمۂ مسیحی

بجواب ینابیع الاسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَ نبیّہِ العظیمِ

السلام علیکم۔ بعد ہذا واضح ہو کہ میں نے آپ کا خط بڑے افسوس سے پڑھا جس کو آپ نے ایک عیسائی کی کتاب **ینابیع الاسلام** نام کی پڑھنے کے بعد لکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ قوم جن کا خدا مُردہ۔ جن کا مذہب مُردہ۔ جن کی کتاب مُردہ اور جو روحانی آنکھ کے نہ ہونے سے خود مُردے ہیں۔ ان کی دروغ اور پُر افترا باتوں سے اسلام کی نسبت آپ تردّد میں پڑ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

آپ کو یاد رہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف خدا کی کتابوں کی تحریف نہیں کی بلکہ اپنے مذہب کو ترقی دینے کے لئے افترا اور مفتریانہ تحریروں میں ہر ایک قوم سے سبقت لے گئے۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس وہ نور نہیں جو سچائی کی تائید میں آسمان سے اُترتا اور سچے مذہب کو اپنی متواتر شہادتوں سے دنیا میں ایک صریح امتیاز بخشتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ان باتوں کے لئے مجبور ہوئے کہ لوگوں کو ایک زندہ مذہب یعنی **اسلام** سے بیزار کرنے کے لئے طرح طرح کے افتراؤں اور مکروں اور فریبوں اور دھوکہ دہی اور محض جعلی اور بناوٹی باتوں سے کام لیا جاوے۔

اے عزیز! یہ لوگ سیاہ دل لوگ ہیں۔ جن کو خدا کا خوف نہیں اور جن کے منصوبے دن رات اسی کوشش میں ہیں کہ کسی طرح لوگ تاریکی سے پیار کریں اور روشنی کو چھوڑ دیں۔

میں سخت تعجب میں ہوں کہ آپ ایسے شخص کی تحریروں سے کیوں متاثر ہوئے۔ یہ لوگ ان ساحروں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے موسیٰ نبی کے سامنے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھا دیئے تھے۔ مگر چونکہ موسیٰ ؑ خدا کا نبی تھا اس لئے اس کا عصا ان تمام سانپوں کو نگل گیا۔ اسی طرح قرآن شریف خدا تعالیٰ کا عصا ہے۔ وہ دن بدن رسیوں کے سانپوں کو نگلتا جاتا ہے اور وہ دن آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ ان رسیوں کے سانپوں کا نام ونشان نہیں رہے گا۔

صاحب ینابیع الاسلام نے اگر یہ کوشش کی ہے کہ قرآن شریف فلاں فلاں قصوں یا کتابوں سے بنایا گیا ہے۔ یہ کوشش اس کی اس کوشش کے ہزارم حصہ پر بھی نہیں جو ایک فاضل یہودی نے انجیل کی اصلیت دریافت کرنے کیلئے کی ہے۔اس فاضل نے اپنے خیال میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم یہودیوں کی کتاب طالمود اور بعض اور چند بنی اسرائیل کی کتابوں سے لی گئی ہے اور یہ چوری اس قدر صریح طور پر عمل میں آئی ہے کہ عبارتوں کی عبارتیں بعینہٖ نقل کر دی گئی ہیں اور اس فاضل نے دکھلا دیا ہے کہ درحقیقت انجیل مجموعہ مال مسروقہ ہے۔ درحقیقت اس نے حد کر دی اور خاص کر پہاڑی تعلیم کو جس پر عیسائیوں کو بہت کچھ ناز ہے۔ طالمود سے اخذ کرنا لفظ بہ لفظ ثابت کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ یہ طالمود کی عبارتیں اور فقرے ہیں اور ایسا ہی دوسری کتابوں سے وہ مسروقہ عبارتیں نقل کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ خود یورپ کے محقق بھی اس طرف دلچسپی سے متوجہ ہو گئے ہیں۔اور ان دنوں میں میں نے ایک ہندو کا رسالہ دیکھا ہے جس نے یہ کوشش کی ہے کہ انجیل بدھ کی تعلیم کا سرقہ ہے اور بدھ کی اخلاقی تعلیم کو پیش کر کے اس کا ثبوت دینا چاہا ہے اور عجیب تر یہ کہ بُدھ لوگوں میں وہی قصہ شیطان کا مشہور ہے جو اس کو آزمانے کے لئے کئی جگہ لئے پھرا۔ پس ہر ایک کو یہ خیال دل میں لانے کا حق ہے کہ تھوڑے سے تغیر سے وہی قصہ انجیل میں بھی بطور سرقہ داخل کر دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہندوستان میں آئے تھے اور حضرت عیسیٰ کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے جس کو ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے معترضین کو اور بھی حق پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسا خیال کریں کہ اناجیل موجودہ درحقیقت بُدھ مذہب کا ایک خاکہ ہے۔ یہ شہادتیں اس قدر گزر چکی ہیں کہ اب مخفی نہیں ہوسکتیں۔ ایک اور امر تعجب انگیز ہے کہ یوز آسف کی قدیم کتاب (جس کی نسبت اکثر محقق انگریزوں کے بھی یہ خیالات ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے بھی پہلے شائع ہو چکی ہے) جس کے ترجمے تمام ممالک یورپ میں ہو چکے ہیں۔ انجیل کو اس کے اکثر مقامات سے ایسا توارد ہے کہ بہت سی عبارتیں باہم ملتی ہیں۔ اور جو انجیلوں میں بعض مثالیں موجود ہیں۔ وہی مثالیں انہی الفاظ کے ساتھ اس کتاب میں بھی موجود ہیں۔ اگر ایک شخص ایسا جاہل ہو کہ گویا اندھا ہو وہ بھی اس کتاب کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ انجیل اسی میں سے چرائی گئی ہے۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کتاب

گوتم بدھ کی ہے اور اوّل سنسکرت میں تھی اور پھر دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ چنانچہ بعض محقق انگریز بھی اس بات کے قائل ہیں۔ مگر اس بات کے ماننے سے انجیل کا کچھ باقی نہیں رہتا اور نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ اپنی تمام تعلیم میں چور ثابت ہوتے ہیں۔ کتاب موجود ہے جو چاہے دیکھ لے۔ مگر ہماری رائے تو یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کی یہ انجیل ہے۔ جو ہندوستان کے سفر میں لکھی گئی اور ہم نے بہت سے دلائل سے اس بات کو ثابت بھی کر دیا ہے کہ یہ درحقیقت حضرت عیسیٰ کی انجیل ہے اور دوسری انجیلوں سے زیادہ پاک وصاف ہے۔ مگر وہ بعض محقق انگریز جو اس کتاب کو بدھ کی کتاب ٹھہراتے ہیں وہ اپنے پاؤں پر آپ تبر مارتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سارق قرار دیتے ہیں۔

اب یہ بھی یادرہے کہ پادریوں کا مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ایک ایسا ردّی ذخیرہ ہے۔ جو نہایت قابل شرم ہے۔ وہ لوگ صرف اپنی ہی اٹکل سے بعض کتابوں کو آسمانی ٹھہراتے ہیں اور بعض کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ چار انجیلیں اصلی ہیں اور باقی اناجیل جو چھپن[۵۶] کے قریب ہیں، جعلی ہیں۔ مگر محض گمان اور شک کی رُو سے نہ کسی مستحکم دلیل پر اس خیال کی بنا ہے۔ چونکہ مروجہ انجیلوں اور دوسری انجیلوں میں بہت تناقض ہے اس لئے اپنے گھر میں ہی یہ فیصلہ کر لیا ہے اور محققین کی یہی رائے ہے کہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ انجیلیں جعلی ہیں یا وہ جعلی ہیں۔ اسی لئے شاہ ایڈورڈ قیصر کی تخت نشینی کی تقریب پر لندن کے پادریوں نے وہ تمام کتابیں جن کو یہ لوگ جعلی تصور کرتے ہیں ان چار انجیلوں کے ساتھ ایک ہی جلد میں مجلّد کر کے مبارک بادی کے طور پر بطور نذر پیش کی تھیں اور اس مجموعہ کی ایک جلد ہمارے پاس بھی ہے۔ پس غور کا مقام ہے کہ اگر درحقیقت وہ کتابیں گندی اور جعلی اور ناپاک ہوتیں تو پھر پاک اور ناپاک دونوں کو ایک جلد میں مجلّد کرنا کس قدر گناہ کی بات تھی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دلی اطمینان سے نہ کسی کتاب کو جعلی کہہ سکتے ہیں نہ اصلی ٹھہرا سکتے ہیں۔ اپنی اپنی رائیں ہیں اور سخت تعصب کی وجہ سے وہ انجیلیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں ان کو یہ لوگ جعلی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ برنباس کی انجیل جس میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشگوئی ہے۔ وہ اسی وجہ سے جعلی قرار دی گئی ہے کہ اس میں کھلے کھلے طور پر آنحضرتؐ کی پیشگوئی موجود ہے۔ چنانچہ سیل صاحب نے اپنی تفسیر میں اس قصہ کو بھی لکھا ہے کہ ایک عیسائی راہب اسی انجیل کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ غرض یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ یہ لوگ جس کتاب کی

نسبت کہتے ہیں کہ یہ جعلی ہے یا جھوٹا قصہ ہے۔ایسی باتیں صرف دو خیال سے ہوتی ہیں (۱) ایک یہ کہ وہ قصہ یا وہ کتاب اناجیل مروّجہ کے مخالف ہوتی ہے۔ (۲) دوسری یہ کہ وہ قصہ یا وہ کتاب قرآن شریف سے کسی قدر مطابق ہوتی ہے اور بعض شریر اور سیاہ دل انسان ایسی کوشش کرتے ہیں کہ اوّل اصول[1] مسلّمہ کے طور پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ جعلی کتابیں ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں ان کا قصہ درج ہے اور اس طرح پر نادان لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے نوشتوں کا جعلی یا اصلی ثابت کرنا بجز خدا کی وحی کے اور کسی کا کام نہ تھا۔ پس خدا کی وحی کا جس کسی قصہ سے توارد ہوا وہ سچا ہے۔ گو بعض نادان انسان اس کو جھوٹا قصہ قرار دیتے ہیں۔ اور جس واقعہ کی خدا کی وحی نے تکذیب کی وہ جھوٹا ہے اگرچہ بعض انسان اس کو سچا قرار دیتے ہوں۔ اور قرآن شریف کی نسبت یہ گمان کرنا کہ ان مشہور قصوں یا افسانوں یا کتبوں یا اناجیل سے بنایا گیا ہے۔ نہایت قابلِ شرم جہالت ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ خدا کی کتاب کا کسی گزشتہ مضمون سے توارد ہو جائے۔ چنانچہ ہندوؤں کے وید جو اس زمانہ میں مخفی تھے۔ ان کی کئی سچائیاں قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں۔ پس کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وید بھی پڑھا تھا۔ اناجیل وغیرہ کا ذخیرہ جو چھاپہ خانہ کے ذریعہ سے اب ملا ہے۔ عرب میں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور عرب کے لوگ محض اُمّی تھے اور اگر اس ملک میں شاذ و نادر کے طور پر کوئی عیسائی بھی تھا وہ بھی اپنے مذہب کی کوئی وسیع واقفیت نہیں رکھتا[2] تھا۔ تو پھر یہ الزام کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرقہ کے طور پر ان کتابوں سے وہ مضمون لئے تھے ایک لغتی خیال ہے۔ آنحضرت محض اُمی تھے۔ آپ عربی بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ چہ جائیکہ یونانی یا عبرانی۔ یہ بارِ ثبوت ہمارے مخالفوں کے ذمہ ہے کہ اس زمانہ کی کوئی پرانی کتاب پیش کریں جس سے مطالب اخذ کئے گئے۔ اگر فرضِ محال کے طور پر قرآن کریم میں سرقہ کے ذریعہ سے کوئی مضمون ہوتا تو عرب کے عیسائی لوگ جو اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فی الفور شور مچاتے کہ ہم سے سن کر ایسا مضمون لکھا ہے۔

---

[1] عیسائی مذہب میں دین کی حمایت کیلئے ہر قسم کا افترا کرنا اور جھوٹ جائز بلکہ موجب ثواب ہے۔ دیکھو پولوس کا قول۔ منہ

[2] پادری فنڈل صاحب نے اپنی کتاب میزان الحق میں اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ عرب کے عیسائی بھی وحشیوں کی طرح تھے اور بے خبر تھے۔ منہ

یادرہے کہ دنیا میں صرف قرآن[1] شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی طرف سے معجزہ ہونے کا دعویٰ پیش ہوا اور بڑے زور سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس کی خبریں اور اس کے قصے سب غیب گوئی ہے اور آئندہ کی خبریں بھی قیامت تک اس میں درج ہیں اور وہ اپنی فصاحت بلاغت کی رو سے بھی معجزہ ہے۔ پس عیسائیوں کے لئے اس وقت یہ بات نہایت سہل تھی کہ وہ بعض قصے نکال کر پیش کرتے کہ ان کتابوں سے قرآن شریف نے چوری کی ہے۔ اس صورت میں اسلام کا تمام کاروبار سرد ہو جاتا۔ مگر اب تو بعد از مرگ واویلا ہے۔ عقل ہرگز ہرگز قبول نہیں کرسکتی کہ اگر عرب کے عیسائیوں کے پاس درحقیقت ایسی کتابیں موجود تھیں جن کی نسبت گمان ہوسکتا تھا کہ ان کتابوں سے قرآن شریف نے قصے لئے ہیں۔ خواہ وہ کتابیں اصلی تھیں یا فرضی تھیں۔ تو عیسائی اس پردہ دری سے چپ رہتے؟ پس بلاشبہ قرآن شریف کا سارا مضمون وحی الٰہی سے ہے اور وہ وحی ایسا عظیم الشان معجزہ تھا کہ اس کی نظیر کوئی شخص پیش نہ کرسکا اور سوچنے کا مقام ہے کہ جو شخص دوسری کتابوں کا چور ہو اور خود مضمون بناوے اور جانتا ہے کہ فلاں فلاں کتاب سے میں نے یہ مضمون لیا ہے اور غیب کی باتیں نہیں ہیں اس کو کب جرأت اور حوصلہ ہوسکتا ہے کہ تمام جہان کو مقابلہ کے لئے بلاوے اور پھر کوئی بھی مقابلہ نہ کرے اور کوئی اس کی پردہ دری پر قادر نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی قرآن شریف پر بہت ہی ناراض ہیں اور ناراض ہونے کی وجہ یہی ہے کہ قرآن شریف نے تمام پَر و بال عیسائی مذہب کے توڑ دیئے ہیں۔ ایک انسان کا خدا بننا باطل کر کے دکھلا دیا۔ صلیبی عقیدہ کو پاش پاش کر دیا اور انجیل کی وہ تعلیم جس پر عیسائیوں کو ناز تھا۔ نہایت درجہ ناقص اور نکمّا ہونا اس کا بپایۂ ثبوت پہنچا دیا۔ تو پھر عیسائیوں کا جوش ضرور نفسانیت کی وجہ سے ہونا چاہئے تھا۔ پس جو کچھ وہ افترا کریں تھوڑا ہے جو شخص مسلمان ہو کر پھر عیسائی بننا چاہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی

---

[1] قرآن شریف نے تو اپنی نسبت معجزہ اور بے مثل ہونے کا دعویٰ کر کے اپنی بریت اس طرح پر ثابت کر دی کہ بلند آواز سے کہہ دیا کہ اگر کوئی اس کو انسانی کلام سمجھتا ہے تو وہ جواب دے لیکن تمام مخالف خاموش رہے۔ مگر انجیل کو تو اسی زمانہ میں یہودیوں نے مسروقہ قرار دیا تھا اور نہ انجیل نے دعویٰ کیا کہ انسان ایسی انجیل بنانے پر قادر نہیں۔ پس مسروقہ ہونے کے شکوک انجیل پر عائد ہو سکتے ہیں نہ قرآن شریف پر۔ کیونکہ قرآن کا تو دعویٰ ہے کہ انسان ایسا قرآن بنانے پر قادر نہیں اور تمام مخالفین نے چپ رہ کر اس دعویٰ کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔ منہ

ماں کے پیٹ سے پیدا ہوکر اور بالغ ہوکر پھر یہ چاہے کہ ماں کے پیٹ میں داخل ہو جائے اور وہی نطفہ بن جائے جو پہلے تھا مجھے تعجب ہے کہ عیسائیوں کو کس بات پر ناز ہے اگر اُن کا خدا ہے تو وہ وہی ہے جو مدت ہوئی کہ مر گیا اور سری نگر محلّہ خانیار کشمیر میں اس کی قبر ہے اور اگر اس کے معجزات ہیں تو وہ دوسرے نبیوں سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ بلکہ الیاس نبی کے معجزات اس سے بہت زیادہ ہیں اور بموجب بیان یہودیوں کے اس سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ محض فریب اور مکر[1] تھا اور پیشگوئیوں کا یہ حال ہے جو اکثر جھوٹی نکلی ہیں۔ کیا بارا۱۲ حواریوں کو وعدہ کے موافق بارا۱۲ تخت بہشت میں نصیب ہو گئے؟ کوئی پادری صاحب تو جواب دیں۔ کیا دنیا کی بادشاہت حضرت عیسیٰ کو ان کی اپنی پیشگوئی کے موافق مل گئی؟ جس کے لئے ہتھیار بھی خریدے گئے تھے۔ کوئی تو بولے۔ اور کیا اسی زمانہ میں حضرت مسیح اپنے دعویٰ کے موافق آسمان سے اُتر آئے؟ میں کہتا ہوں اُترنا کیا ان کو تو آسمان پر جانا ہی نصیب نہیں ہوا۔ یہی رائے یورپ کے محقق علماء کی بھی ہے۔ بلکہ وہ صلیب پر سے نیم مُردہ ہو کر بچ گئے اور پھر پوشیدہ طور پر بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے کشمیر میں پہنچے اور وہیں فوت ہوئے۔[2]

---

[1] یہودیوں کے اس بیان کی خود حضرت مسیح کے قول میں تائید پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح انجیل میں فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے حرام کار مجھ سے نشان مانگتے ہیں۔ ان کو کوئی نشان نہیں دکھلایا جائے گا۔ پس ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ نے کوئی معجزہ یہودیوں کو دکھلایا ہوتا تو ضرور وہ یہودیوں کی اس درخواست کے وقت ان معجزات کا حوالہ دیتے۔ منہ

[2] جو لوگ مسلمان کہلا کر حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری آسمان پر پہنچاتے ہیں وہ قرآن شریف کے برخلاف ایک لغو بات منہ پر لاتے ہیں۔ قرآن شریف تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] میں حضرت عیسیٰ کی موت ظاہر کرتا ہے اور آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا[2] میں انسان کا مع جسم عنصری آسمان پر جانا ممتنع قرار دیتا ہے۔ پھر یہ کیسی جہالت ہے کہ کلام الٰہی کے مخالف عقیدہ رکھتے ہیں۔ توفّی کے یہ معنی کرنا کہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھائے جانا۔ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہ ہوگی۔ اوّل تو کسی کتاب لغت میں توفّی کے یہ معنی نہیں لکھے کہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھایا جانا۔ پھر ماسوا اس کے جبکہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي قیامت کے متعلق ہے۔ یعنی قیامت کو حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کو یہ جواب دیں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ قیامت تو آجائے گی مگر حضرت عیسیٰ نہیں مریں گے اور مرنے سے پہلے ہی مع جسم عنصری خدا کے سامنے پیش ہو جائیں گے۔ قرآن شریف کی یہ تحریف کرنا یہودیوں سے بڑھ کر قدم ہے۔ منہ

---

[1] المائدۃ:۱۱۸ [2] بنی اسرآئیل:۹۴

پھر تعلیم کا یہ حال ہے کہ قطع نظر اس سے کہ اس پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے۔ انسانی قویٰ کی تمام شاخوں میں سے صرف ایک شاخ حلم اور درگذر پر انجیل کی تعلیم زور دیتی ہے اور باقی شاخوں کا خون کیا ہے حالانکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ انسان کو قدرت قادر نے عطا کیا ہے۔ کوئی چیز اس میں سے بیکار نہیں ہے اور ہر ایک انسانی قوت اپنی اپنی جگہ پر عین مصلحت سے پیدا کی گئی ہے اور جیسے کسی وقت اور کسی محل پر حلم اور درگذر عمدہ اخلاق میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ ایسا ہی کسی وقت غیرت اور انتقام اور مجرم کو سزا دینا اخلاقِ فاضلہ میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ نہ ہمیشہ درگذر اور عفو قرینِ مصلحت ہے اور نہ ہمیشہ سزا اور انتقام مصلحت کے مطابق ہے۔ یہی قرآنی تعلیم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ[1] یعنی بدی کی جزا اسی قدر ہے جس قدر بدی کی گئی۔ مگر جو کوئی عفو کرے اور اس عفو میں کوئی اصلاح مقصود ہو[2] تو اس کا اجر خدا کے پاس ہے۔ یہ تو قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ مگر انجیل میں بغیر کسی شرط کے ہر ایک جگہ عفو اور درگذر کی ترغیب دی گئی ہے اور انسانی دوسرے مصالح کو، جن پر تمام سلسلہ تمدن کا چل رہا ہے، پامال کر دیا ہے اور انسانی قویٰ کے درخت کی تمام شاخوں میں سے صرف ایک شاخ کے بڑھنے پر زور دیا ہے اور باقی شاخوں کی رعایت قطعاً ترک کر دی گئی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بددعا کی۔ اور دوسروں کو دعا کرنا سکھلایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا اور ہر ایک وعظ میں یہودی علماء کو سخت سخت گالیاں دیں اور بُرے بُرے ان کے نام رکھے۔ اخلاقی معلّم کا فرض یہ ہے کہ پہلے آپ اخلاقِ کریمہ دکھلاوے۔ پس کیا ایسی تعلیم ناقص جس پر انہوں نے آپ بھی عمل نہ کیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے؟ پاک اور کامل تعلیم قرآن شریف کی ہے جو انسانی درخت کی ہر ایک شاخ کی پرورش کرتی ہے اور قرآن شریف صرف ایک پہلو پر زور نہیں ڈالتا۔ بلکہ کبھی تو عفو اور درگذر کی تعلیم دیتا

---

[1] الشوریٰ: ۴۱ [2] قرآن شریف نے بے فائدہ عفو اور درگذر کو جائز نہیں رکھا۔ کیونکہ اس سے انسانی اخلاق بگڑتے ہیں اور شیرازہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے بلکہ اس عفو کی اجازت دی ہے جس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ منہ

ہے مگر اس شرط سے کہ عفو کرنا قرین مصلحت ہو اور کبھی مناسب محل اور وقت کے مجرم کو سزا دینے کے لئے فرماتا ہے۔ پس درحقیقت قرآن شریف خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کی تصویر ہے جو ہمیشہ ہماری نظر کے سامنے ہے۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ خدا کا قول اور فعل دونوں مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جس رنگ اور طرز پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے۔ ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب اپنے فعل کے مطابق تعلیم کرے۔ نہ یہ کہ فعل سے کچھ اور ظاہر ہو اور قول سے کچھ اور ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی اور درگذر نہیں بلکہ وہ مجرموں کو طرح طرح کے عذابوں سے سزایاب بھی کرتا ہے۔ ایسے عذابوں کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ ہمارا خدا صرف حلیم خدا نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے اور اس کا قہر بھی عظیم ہے۔ سچی کتاب وہ کتاب ہے جو اس کے قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور سچا قول الٰہی وہ ہے جو اس کے فعل کے مخالف نہیں۔ ہم نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا کہ خدا نے اپنی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ حلم اور درگذر کا معاملہ کیا ہو اور کوئی عذاب نہ آیا ہو۔ اب بھی ناپاک طبع لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ایک عظیم الشان اور ہیبت ناک زلزلہ کی خبر دے رکھی ہے جو اُن کو ہلاک کرے گا اور طاعون بھی ابھی دور نہیں ہوئی۔ پہلے اس سے نوحؑ کی، قوم کا کیا حال ہوا؟ لوطؑ کی قوم کو کیا پیش آیا؟ سو یقیناً سمجھو کہ شریعت کا مَاحَصَل تَخَلُّقُ بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ہے یعنی خدائے عزوجل کے اخلاق اپنے اندر حاصل کرنا یہی کمال نفس ہے۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ خدا سے بھی بڑھ کر کوئی نیک خلق ہم میں پیدا ہو تو یہ بے ایمانی اور پلید رنگ کی گستاخی ہے اور خدا کے اخلاق پر ایک اعتراض ہے۔

اور پھر ایک اور بات پر بھی غور کرو کہ خدا کا قدیم سے قانونِ قدرت ہے کہ وہ توبہ اور استغفار سے گناہ معاف کرتا ہے اور نیک لوگوں کی شفاعت کے طور پر دعا بھی قبول کرتا ہے۔ مگر یہ ہم نے خدا کے قانونِ قدرت میں کبھی نہیں دیکھا کہ زید اپنے سر پر پتھر مارے اور اس سے بکر کی دردِ سر جاتی رہے۔ پھر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح کی خودکشی سے دوسروں کی اندرونی بیماری کا دور ہونا کس قانون پر مبنی ہے اور وہ کون سا فلسفہ ہے جس سے ہم معلوم کرسکیں کہ مسیح کا خون کسی دوسرے کی اندرونی ناپاکی کو دور کرسکتا ہے۔ بلکہ مشاہدہ اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ جب تک مسیح نے خودکشی کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ تب تک عیسائیوں میں نیک چلنی اور خدا پرستی کا مادہ تھا۔ مگر صلیب کے

بعد تو جیسے ایک بند ٹوٹ کر ہر ایک طرف دریا کا پانی پھیل جاتا ہے۔ یہی عیسائیوں کے نفسانی جوشوں کا حال ہوا۔ کچھ شک نہیں کہ اگر یہ خودکشی مسیح سے بالا رادہ ظہور میں آئی تھی تو بہت بے جا کام کیا۔ اگر وہی زندگی وعظ و نصیحت میں صرف کرتا تو مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچتا۔ اس بے جا حرکت سے دوسروں کو کیا فائدہ ہوا۔ ہاں اگر مسیح خودکشی کے بعد زندہ ہو کر یہودیوں کے رُوبرو آسمان پر چڑھ جاتا تو اس سے یہودی ایمان لے آتے۔ مگر اب تو یہودیوں اور تمام عقلمندوں کے نزدیک مسیح کا آسمان پر چڑھنا محض ایک فسانہ اور گپ ہے۔

اور پھر تثلیث کا عقیدہ بھی ایک عجیب عقیدہ ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ مستقل طور پر اور کامل طور پر تین بھی ہوں اور ایک بھی ہو اور ایک بھی کامل خدا اور تین بھی کامل خدا ہو۔ عیسائی مذہب بھی عجیب مذہب ہے کہ ہر ایک بات میں غلطی اور ہر ایک امر میں لغزش ہے اور پھر باوجود ان تمام تاریکیوں کے آئندہ زمانہ کے لئے وحی اور الہام پر مہر لگ گئی ہے اور اب ان تمام اناجیل کی غلطیوں کا فیصلہ حسب اعتقاد عیسائیوں کی وحی جدید کی رُو سے تو غیر ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے موافق اب وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اب تمام مدار صرف اپنی اپنی رائے پر ہے جو جہالت اور تاریکی سے مبرا نہیں اور ان کی انجیلیں اس قدر بیہودگیوں کا مجموعہ ہیں جو ان کا شمار کرنا غیر ممکن ہے۔ مثلاً ایک عاجز انسان کو خدا بنانا اور دوسروں کے گناہوں کی سزا میں اس کے لئے صلیب تجویز کرنا اور تین دن تک اس کو دوزخ میں بھیجنا۔ اور پھر ایک طرف خدا بنانا اور ایک طرف کمزوری اور دروغگوئی کی عادت کو اس کی طرف منسوب کرنا چنانچہ انجیلوں میں بہت سے ایسے کلمات پائے جاتے ہیں جن سے نعوذ باللہ حضرت مسیح کا دروغگو ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ایک چور کو وعدہ دیتے ہیں کہ آج بہشت میں تُو میرے ساتھ روزہ کھولے گا اور ایک طرف وہ خلافِ وعدہ اُسی دن دوزخ میں جاتے ہیں اور تین دن دوزخ میں ہی رہتے ہیں۔ ایسا ہی انجیلوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیطان آزمائش کے لئے مسیح کو کئی جگہ لئے پھرا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسیح خدا بن کر بھی شیطان کی آزمائش سے بچ نہ سکا اور شیطان کو خدا کی آزمائش کی جرأت ہوگئی۔ یہ انجیل کا فلسفہ تمام دنیا سے نرالا ہے۔ اگر درحقیقت شیطان مسیح کے پاس آیا تھا تو مسیح کے لئے بڑا عمدہ موقع تھا کہ یہودیوں کو شیطان دکھلا دیتا۔ کیونکہ یہودی حضرت مسیح کی نبوت کے سخت انکاری تھے۔ وجہ یہ کہ ملاکی نبی کی کتاب میں سچے

مسیح کی یہ علامت لکھی تھی کہ اس سے پہلے الیاس[1] نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ پس چونکہ الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہ آیا۔ اس لئے یہودی اب تک حضرت عیسیٰ کو مفتری اور مکّار کہتے ہیں۔ یہ یہودیوں کی ایسی حجت ہے کہ عیسائیوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور شیطان کا مسیح کے پاس آنا یہ بھی یہودیوں کے نزدیک مجنونانہ خیال ہے۔ اکثر مجانین ایسی ایسی خوابیں دیکھا کرتے ہیں۔ یہ مرض کابوس کی ایک قسم ہے۔ اس جگہ ایک محقق انگریز نے یہ تاویل کی ہے کہ شیطان کے آنے سے مراد یہ ہے کہ مسیح کو تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا تھا مگر مسیح شیطانی الہام سے متاثر نہیں ہوا۔ ایک شیطانی الہاموں میں سے یہ تھا کہ مسیح کے دل میں شیطان کی طرف سے یہ ڈالا گیا کہ وہ خدا کو چھوڑ دے اور محض شیطان کے تابع ہو جائے۔ مگر تعجب کہ شیطان خدا کے بیٹے پر مسلّط ہوا اور دنیا کی طرف اس کو رجوع دیا۔ حالانکہ وہ خدا کا بیٹا کہلاتا ہے۔ اور پھر خدا ہونے کے برخلاف وہ مرتا ہے۔ کیا خدا بھی مرا کرتا ہے اور اگر محض انسان مرا ہے تو پھر کیوں یہ دعویٰ ہے کہ ابن اللہ نے انسانوں کے لئے جان دی اور پھر وہ ابن اللہ کہلا کر قیامت کے وقت سے بھی بے خبر ہے۔ جیسا کہ مسیح کا اقرار انجیل میں موجود ہے کہ وہ باوجود ابن اللہ ہونے کے نہیں جانتا کہ قیامت کب آوے گی۔ باوجود خدا کہلانے کے قیامت کے علم سے بے خبر ہونا کس قدر بیہودہ بات ہے بلکہ قیامت تو دور ہے اس کو تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ جس درخت انجیر کی طرف چلا اس پر کوئی پھل نہیں۔

اب ہم اصل امر کی طرف رجوع کر کے مختصر طور پر بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ایک وحی اگر کسی گزشتہ قصّہ یا کتاب کے مطابق آ جائے یا پوری مطابق نہ ہو یا فرض کرو کہ وہ قصّہ یا وہ کتاب لوگوں کی نظر میں ایک فرضی کتاب یا فرضی قصّہ ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کی وحی پر کوئی حملہ نہیں ہوسکتا۔ جن کتابوں کا نام عیسائی لوگ تاریخی کتابیں رکھتے یا آسمانی وحی کہتے ہیں۔ یہ تمام بے بنیاد باتیں ہیں

[1] اس زمانہ میں یہودی لوگ الیاس نبی کے دنیا میں دوبارہ آنے اور آسمان سے اُترنے کے ایسے ہی منتظر تھے جیسے کہ آجکل ہمارے سادہ طبع مولوی حضرت عیسیٰ کے آسمان سے اترنے کے منتظر ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ کو ملاکی نبی کی اس پیشگوئی کی تاویل کرنی پڑی۔ اسی وجہ سے یہودی اب تک ان کو سچا نبی نہیں جانتے کہ الیاس آسمان سے نہیں اترا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے یہودی تو واصل جہنم ہوئے۔ اب اسی طمع خام میں مسلمان گرفتار ہیں۔ یہ سراسر یہودیوں کا رنگ ہے۔ خیر اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی پوری ہوگئی۔

جن کا کوئی ثبوت نہیں اور کوئی کتاب ان کی شکوک وشبہات کے گند سے خالی نہیں اور جن کتابوں کو وہ جعلی اور فرضی کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ جعلی نہ ہوں اور جن کتابوں کو وہ صحیح مانتے ہیں ممکن ہے کہ وہ جعلی ہوں۔ خدا تعالیٰ کی کتاب ان کی مطابقت یا مخالفت کی محتاج نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا یہ معیار نہیں ہے کہ ایسی کتابوں کی مطابقت یا مخالفت دیکھی جائے۔ عیسائیوں کا کسی کتاب کو جعلی کہنا ایسا امر نہیں ہے کہ جو جوڈیشل تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے اور نہ ان کا کسی کتاب کو صحیح کہنا کسی باضابطہ ثبوت پر مبنی ہے۔ نری اٹکلیں اور خیالات ہیں۔ لہٰذا ان کے یہ بیہودہ خیالات خدا کی کتاب کے معیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ معیار یہ ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کتاب خدا کے قانونِ قدرت[۱] اور قوی معجزات سے اپنا منجانب اللہ ہونا ثابت کرتی ہے یا نہیں؟ ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار سے زیادہ معجزات ہوئے ہیں اور پیشگوئیوں کا تو شمار نہیں۔ مگر ہمیں ضرورت نہیں کہ ان گزشتہ معجزات کو پیش کریں۔ بلکہ ایک عظیم الشان معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ تمام نبیوں کی وحی منقطع ہوگئی اور معجزات نابود ہو گئے اور ان کی اُمت خالی اور تہی دست ہے۔ صرف قصے ان لوگوں کے ہاتھ میں رہ گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی منقطع نہیں ہوئی اور نہ معجزات منقطع ہوئے بلکہ ہمیشہ بذریعہ کاملینِ اُمت، جو شرف اتباع سے مشرف ہیں، ظہور میں آتے ہیں۔ اسی وجہ سے مذہب اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کا خدا زندہ خدا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس شہادت کے پیش کرنے کے لئے یہی بندہ حضرت عزت موجود ہے اور اب تک میرے ہاتھ پر ہزار ہا نشان تصدیق رسول اللہ اور کتاب اللہ کے بارہ میں ظاہر ہو چکے ہیں اور خدا تعالیٰ کے پاک مکالمہ سے قریباً ہر روز میں مشرف ہوتا ہوں۔ اب ہوشیار ہو جاؤ اور سوچ کر دیکھ لو کہ جس حالت میں دنیا میں ہزار ہا مذہب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں تو کیونکر ثابت ہو کہ وہ درحقیقت

[۱] دنیا میں ایک قرآن ہی ہے جس نے خدا کی ذات اور صفات کو خدا کے اس قانونِ قدرت کے مطابق ظاہر فرمایا ہے۔ جو خدا کے فعل سے دنیا میں پایا جاتا ہے اور جو انسانی فطرت اور انسانی ضمیر میں منقوش ہے عیسائی صاحبوں کا خدا صرف انجیل کے ورقوں میں محبوس ہے اور جس تک انجیل نہیں پہنچی وہ اس خدا سے بے خبر ہے لیکن جس خدا کو قرآن پیش کرتا ہے اس سے کوئی شخص ذوالعقول سے بے خبر نہیں اس لئے سچا خدا وہی خدا ہے جس خدا کو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس کی شہادت انسانی فطرت اور قانونِ قدرت دے رہا ہے۔

منجانب اللہ ہیں۔ آخر سچے مذہب کیلئے کوئی تو مابہ الامتیاز چاہئے اور صرف معقولیت کا دعویٰ کسی مذہب کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ معقول باتیں انسان بھی بیان کرسکتا ہے اور جو خدا محض انسانی دلائل سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ خدا نہیں ہے بلکہ خدا وہ ہے جو اپنے تئیں قوی نشانوں کے ساتھ آپ ظاہر کرتا ہے۔ وہ مذہب جو محض خدا کی طرف سے ہے اس کے ثبوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ منجانب اللہ ہونے کے نشان اور خدائی مہر اپنے ساتھ رکھتا ہوتا معلوم ہو کہ وہ خاص خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ہے۔ سو یہ مذہب اسلام ہے۔ وہ خدا جو پوشیدہ اور نہاں در نہاں ہے اسی مذہب کے ذریعہ سے اس کا پتہ لگتا ہے اور اسی مذہب کے حقیقی پیروؤں پر وہ ظاہر ہوتا ہے جو درحقیقت سچا مذہب ہے۔ سچے مذہب پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے کہ میں موجود ہوں۔ جن مذاہب کی محض قصوں پر بنا ہے وہ بت پرستی سے کم نہیں۔ ان مذاہب میں کوئی سچائی کی روح نہیں ہے اگر خدا اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اگر وہ اب بھی بولتا اور سنتا ہے جیسا کہ پہلے تھا تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ وہ اس زمانہ میں ایسا چپ ہو جائے کہ گویا موجود نہیں۔ اگر وہ اس زمانہ میں بولتا نہیں تو یقیناً وہ اب سنتا بھی نہیں گویا اب کچھ بھی نہیں۔ سو سچا وہی مذہب ہے کہ جو اس زمانہ میں بھی خدا کا سننا اور بولنا دونوں ثابت کرتا ہے۔ غرض سچے مذہب میں خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ مخاطبہ سے اپنے وجود کی آپ خبر دیتا ہے۔ خدا شناسی ایک نہایت مشکل کام ہے۔ دنیا کے حکیموں اور فلاسفروں کا کام نہیں ہے جو خدا کا پتہ لگا دیں۔ کیونکہ زمین وآسمان کو دیکھ کر صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس ترکیب محکم اور اَبلغ کا کوئی صانع ہونا چاہئے۔ مگر یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے اور ہونا چاہئے اور ہے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے پس اس وجود کا واقعی طور پر پتہ دینے والا صرف قرآن شریف ہے جو صرف خدا شناسی کی تاکید نہیں کرتا بلکہ آپ دکھلا دیتا ہے اور کوئی کتاب آسمان کے نیچے ایسی نہیں ہے کہ اس پوشیدہ وجود کا پتہ دے۔

مذہب سے غرض کیا ہے! بس یہی کہ خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفاتِ کاملہ پر یقینی طور پر ایمان حاصل ہو کر نفسانی جذبات سے انسان نجات پا جاوے اور خدا تعالیٰ سے ذاتی محبت پیدا ہو۔ کیونکہ درحقیقت وہی بہشت ہے جو عالمِ آخرت میں طرح طرح کے پیرایوں میں ظاہر ہوگا۔ اور حقیقی خدا سے بے خبر رہنا اور اس سے دور رہنا اور سچی محبت اس سے نہ رکھنا درحقیقت یہی جہنم ہے جو عالمِ

آخرت میں انواع واقسام کے رنگوں میں ظاہر ہوگا اور اصل مقصود اس راہ میں یہ ہے کہ اس خدا کی ہستی پر پورا یقین حاصل ہو اور پھر پوری محبت ہو۔ اب دیکھنا چاہئے کہ کونسا مذہب اور کونسی کتاب ہے جس کے ذریعہ سے یہ غرض حاصل ہوسکتی ہے۔ انجیل تو صاف جواب دیتی ہے کہ مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ بند ہے اور یقین کرنے کی راہیں مسدود ہیں اور جو کچھ ہوا وہ پہلے ہو چکا اور آگے کچھ نہیں۔ مگر تعجب کہ وہ خدا جواب تک اس زمانہ میں بھی سنتا ہے۔ وہ اس زمانہ میں بولنے سے کیوں عاجز ہو گیا ہے؟ کیا ہم اس اعتقاد پر تسلی پکڑ سکتے ہیں کہ پہلے کسی زمانہ میں وہ بولتا بھی تھا اور سنتا بھی مگر اب وہ صرف سنتا ہے مگر بولتا نہیں۔ ایسا خدا کس کام کا جو ایک انسان کی طرح جو بڈھا ہو کر بعض قویٰ اس کے بیکار ہو جاتے ہیں۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بعض قویٰ اس کے بھی بیکار ہو گئے اور نیز ایسا خدا کس کام کا کہ جب تک ٹکٹکی سے باندھ کر اس کو کوڑے نہ لگیں اور اس کے منہ پر نہ تھوکا جائے اور چند روز اس کو حوالات میں نہ رکھا جائے اور آخر اس کو صلیب پر نہ کھینچا جائے۔ تب تک وہ اپنے بندوں کے گناہ نہیں بخش سکتا۔ ہم تو ایسے خدا سے سخت بیزار ہیں جس پر ایک ذلیل قوم یہودیوں کی جو اپنی حکومت بھی کھو بیٹھی تھی غالب آ گئی۔ ہم اس خدا کو سچا خدا جانتے ہیں جس نے ایک مکہ کے غریب بے کس کو اپنا نبی بنا کر اپنی قدرت اور غلبہ کا جلوہ اسی زمانہ میں تمام جہان کو دکھا دیا۔ یہاں تک کہ جب شاہِ ایران نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے اپنے سپاہی بھیجے تو اس قادر خدا نے اپنے رسول کو فرمایا کہ سپاہیوں کو کہہ دے کہ آج رات میرے خدا نے تمہارے خداوند کو قتل کر دیا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ایک طرف ایک شخص خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور اخیر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گورنمنٹ رومی کا ایک سپاہی اس کو گرفتار کر کے ایک دو گھنٹہ میں جیل خانہ میں ڈال دیتا ہے اور تمام رات کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اور دوسری طرف وہ مرد ہے کہ صرف رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور خدا اس کے مقابلہ پر بادشاہوں کو ہلاک کرتا ہے۔ یہ مقولہ طالب حق کے لئے نہایت نافع ہے کہ **یار غالب شو کہ تا غالب شوی**۔ ہم ایسے مذہب کو کیا کریں جو مُردہ مذہب ہے۔ ہم ایسی کتاب سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو مُردہ کتاب ہے۔ اور ہمیں ایسا خدا کیا فیض پہنچا سکتا ہے جو مُردہ خدا ہے۔ **مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے خدائے پاک کے یقینی اور قطعی مکالمہ سے مشرف ہوں اور قریباً ہر روز مشرف ہوتا ہوں اور وہ خدا جس کو یسوع مسیح کہتا ہے کہ تو نے**

مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نے مجھے نہیں چھوڑا اور مسیح کی طرح میرے پر بھی بہت حملے ہوئے مگر ہر ایک حملہ میں دشمن ناکام رہے اور مجھے پھانسی دینے کے لئے منصوبہ کیا گیا مگر میں مسیح کی طرح صلیب پر نہیں چڑھا بلکہ ہر ایک بلا کے وقت میرے خدا نے مجھے بچایا اور میرے لئے اس نے بڑے بڑے معجزات دکھلائے اور بڑے بڑے قوی ہاتھ دکھلائے اور ہزارہا نشانوں سے اس نے مجھ پر ثابت کر دیا کہ خدا وہی خدا ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور میں عیسیٰ مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا۔ یعنی جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا ایسا ہی مجھ پر بھی ہوا اور جیسے اس کی نسبت معجزات منسوب کئے جاتے ہیں میں یقینی طور پر ان معجزات کا مصداق اپنے نفس کو دیکھتا ہوں بلکہ ان سے زیادہ۔ **اور یہ تمام شرف مجھے صرف ایک نبی کی پیروی سے ملا ہے جس کے مدارج اور مراتب سے دنیا بے خبر ہے یعنی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔** یہ عجیب ظلم ہے کہ جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے حالانکہ زندہ ہونے کی علامات آنحضرت ﷺ کے وجود میں پاتا ہوں۔ وہ خدا جس کو دنیا نہیں جانتی ہم نے اس خدا کو اس کے نبی کے ذریعہ سے دیکھ لیا اور وہ وحی الٰہی کا دروازہ جو دوسری قوموں پر بند ہے۔ ہمارے پر محض اسی نبی کی برکت سے کھولا گیا اور وہ معجزات جو غیر قومیں صرف قصوں اور کہانیوں کے طور پر بیان کرتی ہیں۔ ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے وہ معجزات بھی دیکھ لئے اور ہم نے اس نبی کا وہ مرتبہ پایا جس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر تعجب کہ دنیا اس سے بے خبر ہے۔ مجھے کہتے ہیں کہ مسیح موعود ہونے کا کیوں دعویٰ کیا۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسیٰ سے بڑھ کر بھی ہوسکتا ہے۔ اندھے کہتے ہیں یہ کفر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم خود ایمان سے بے نصیب ہو۔ پھر کیا جانتے ہو کہ کفر کیا چیز ہے۔ کفر خود تمہارے اندر ہے اگر تم جانتے کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [1] تو ایسا کفر منہ پر نہ لاتے۔ خدا تو تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو اور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔

غرض آپ پر لازم ہے کہ اس راہ کی طرف توجہ کرو کہ کیوں کر ایک سچا مذہب جو خدا تعالیٰ کی

[1] الفاتحة:٦، ٧

طرف سے ہے شناخت ہوسکتا ہے۔ پس یاد رہے کہ وہی سچا مذہب ہے جس کے ذریعہ سے خدا کا پتہ لگتا ہے۔ دوسرے مذاہب میں صرف انسانی کوششیں پیش کی جاتی ہیں گویا انسان کا خدا پر احسان ہے جواس نے اس کا پتہ دیا۔ مگر اسلام میں خود خدا تعالیٰ ہر ایک زمانہ میں اپنی اَنَاالْمَوْجُوْدُ کی آواز سے اپنی ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بھی وہ مجھ پر ظاہر ہوا۔ پس اس رسول پر ہزاروں سلام اور برکات جس کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو شناخت کیا۔

بالآخر میں دوبارہ افسوس سے لکھتا ہوں کہ آپ کا یہ قول کہ حضرت مریم کا اُخت ہارون ہونا آپ پر بداثر ڈالتا ہے۔ میری نگاہ میں آپ کی بہت ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔ اس بیہودہ اعتراض پر پہلے علماء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اگر استعارہ کے رنگ میں یا اور بنا پر خدا تعالیٰ نے مریم کو ہارون کی ہمشیرہ ٹھہرایا تو آپ کو اس سے کیوں تعجب ہوا۔ جب کہ قرآن شریف بجائے خود بار بار بیان کر چکا ہے کہ ہارون نبی حضرت موسیٰ کے وقت میں تھا اور یہ مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ تھی جو چودہ سَو برس بعد ہارون کے پیدا ہوئی تو کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان واقعات سے بے خبر ہے اور نعوذ باللہ اس نے مریم کو ہارون کی ہمشیرہ ٹھہرانے میں غلطی کی ہے۔ کس درجہ کے خبیث طبع یہ لوگ ہیں کہ بیہودہ اعتراض کر کے خوش ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ مریم کا کوئی بھائی ہو جس کا نام ہارون ہو۔ عدمِ علم سے عدمِ شئے تو لازم نہیں آتا۔ مگر یہ لوگ اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کس قدر اعتراضات کا نشانہ ہے۔ دیکھو یہ کس قدر اعتراض ہے کہ مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا تھا تا وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو اور تمام عمر خاوند نہ کرے۔ لیکن جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہوگیا۔ تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجّار سے نکاح کر دیا اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔ اب اعتراض یہ ہے کہ اگر درحقیقت معجزہ کے طور پر یہ حمل تھا تو کیوں وضع حمل تک صبر نہیں کیا گیا؟ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عہد تو یہ تھا کہ مریم مدت العمر ہیکل کی خدمت میں رہے گی پھر کیوں عہد شکنی کر کے اور اس کو خدمت بیت المقدس سے الگ کر کے یوسف نجّار کی بیوی بنایا گیا؟ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ توریت کی رو سے بالکل حرام اور ناجائز تھا کہ حمل کی حالت میں کسی عورت کا نکاح کیا جائے۔ پھر کیوں خلافِ حکم توریت مریم کا نکاح عین حمل کی حالت میں یوسف

سے کیا گیا۔ حالانکہ یوسف اس نکاح سے ناراض تھا اور اس کی پہلی بیوی موجود تھی۔ وہ لوگ جو تعددِ ازدواج سے منکر ہیں شائد ان کو یوسف کے اس نکاح کی اطلاع نہیں۔ غرض اس جگہ ایک معترض کا حق ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ اس نکاح کی یہی وجہ تھی کہ قوم کے بزرگوں کو مریم کی نسبت ناجائز حمل کا شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کی رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا تا خدا تعالیٰ یہودیوں کو قیامت کا نشان دے۔ اور جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰؑ کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ القصہ حضرت مریم کا نکاح محض شبہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ ورنہ جو عورت بیت المقدس کی خدمت کرنے کے لئے نذر ہو چکی تھی اس کے نکاح کی کیا ضرورت تھی۔ افسوس اس نکاح سے بڑے فتنے پیدا ہوئے اور یہود نابکار نے ناجائز تعلق کے شبہات شائع کئے۔ پس اگر کوئی اعتراض قابلِ حل ہے تو یہ اعتراض ہے نہ کہ مریم کا ہارون بھائی قرار دینا کچھ اعتراض ہے۔ قرآن شریف میں تو یہ بھی لفظ نہیں کہ ہارون نبی کی مریم ہمشیرہ تھی۔ صرف ہارون کا نام ہے۔ نبی کا لفظ وہاں موجود نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ نبیوں کے نام تبرکاً رکھے جاتے تھے۔ سو قرین قیاس ہے کہ مریم کا کوئی بھائی ہو گا جس کا نام ہارون ہو گا اور اس بیان کو محلِ اعتراض سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

اور قصہ اصحابِ کہف وغیرہ اگر یہودیوں اور عیسائیوں کی پہلی کتابوں میں بھی ہو۔ اور اگر فرض کر لیں کہ وہ لوگ ان قصوں کو ایک فرضی قصے سمجھتے ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ آپ کو یاد رہے کہ ان لوگوں کی مذہبی اور تاریخی کتابیں اور خود ان کی آسمانی کتابیں تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ یورپ میں ان کتابوں کے بارے میں آج کل کس قدر ماتم ہو رہا ہے اور سلیم طبیعتیں خود بخود اسلام کی طرف آتی جاتی ہیں اور بڑی بڑی کتابیں اسلام کی حمایت میں تالیف ہو رہی ہیں۔ چنانچہ کئی انگریز امریکہ وغیرہ ممالک کے ہمارے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ آخر جھوٹ کب تک چھپا رہے۔ پھر سوچنے کا مقام ہے کہ وحی الٰہی کو ایسی کتابوں کے اقتباس کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ خوب یاد رکھو کہ یہ لوگ اندھے ہیں اور ان کی تمام کتابیں اندھی ہیں۔ تعجب کہ جس

حالت میں قرآن شریف ایسے جزیرہ میں نازل ہوا جس کے لوگ عموماً عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں سے بے خبر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُمّی تھے تو پھر یہ تہمتیں آنجنابؐ پر لگانا ان لوگوں کا کام ہے جو خدا سے بالکل بے خوف ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض ہو سکتے ہیں تو پھر حضرت عیسیٰؑ پر کس قدر اعتراض ہوں گے جنہوں نے ایک اسرائیلی فاضل سے توریت کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا اور یہودیوں کی تمام کتابوں طالمود وغیرہ کا مطالعہ کیا تھا اور جن کی انجیل درحقیقت بائبل اور طالمود کی عبارتوں سے ایسی پُر ہے کہ ہم لوگ محض قرآن شریف کے ارشاد کی وجہ سے ان پر ایمان لاتے ہیں۔ ورنہ اناجیل کی نسبت بڑے شبہات پیدا ہوتے ہیں اور افسوس کہ انجیلوں میں ایک بات بھی ایسی نہیں کہ جو بلفظہٖ پہلی کتابوں میں موجود نہیں اور پھر اگر قرآن نے بائبل کی متفرق سچائیوں اور صداقتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تو اس میں کونسا استبعاد عقلی ہوا اور کیا غضب آ گیا۔ کیا آپ کے نزدیک یہ محال ہے کہ یہ تمام قصے قرآن شریف کے بذریعہ وحی کے لئے گئے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب وحی ہونا دلائل قاطعہ سے ثابت ہے اور آپ کی نبوت حقّہ کے انوار و برکات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں تو کیوں شیطانی وساوس دل میں داخل کئے جاویں کہ نعوذ باللہ قرآن شریف کا کوئی قصہ کسی پہلی کتاب یا کتبہ سے نقل کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو خدا تعالیٰ کے وجود میں کچھ شک ہے یا آپ اس کو علم غیب پر قادر نہیں جانتے۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا کسی کتاب کو اصلی قرار دینا اور کسی کو فرضی سمجھنا یہ سب بے بنیاد خیالات ہیں۔ نہ کسی نے اصلی کی اصلیت کا ملاحظہ کیا اور نہ کسی نے کسی جعل ساز کو پکڑا۔ اس کی نسبت خود یورپ کے محققین کی شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ایک اندھی قوم ہے جن میں ایمانی روشنی باقی نہیں رہی۔ اور عیسائیوں پر تو نہایت ہی افسوس ہے جنہوں نے طبعی اور فلسفہ پڑھ کر ڈبو دیا۔ ایک طرف تو آسمانوں کے منکر ہیں اور ایک طرف حضرت عیسیٰ کو آسمان پر بٹھاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہود کی پہلی کتابیں سچی ہیں تو ان کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ کی نبوت ہی ثابت نہیں ہوتی۔ مثلاً سچے مسیح موعود کے لئے جس کا حضرت عیسیٰ کو دعویٰ ہے۔ ملاکی نبی کی کتاب کی رُو سے یہ ضروری تھا کہ اس سے پہلے الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آتا۔ مگر الیاسؑ تو اب تک نہ آیا۔ درحقیقت یہودیوں کی طرف سے یہ بڑی حجت ہے جس کا جواب حضرت عیسیٰؑ صفائی سے نہیں دے سکے۔ یہ قرآن شریف کا

حضرت عیسیٰؑ پر احسان ہے جو اُن کی نبوت کا اعلان فرمایا اور کفارہ کا مسئلہ تو حضرت عیسیٰؑ نے آپ ردّ کر دیا ہے۔ جب کہ کہا کہ میری یونسؑ نبی کی مثال ہے جو تین دن زندہ مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ درحقیقت صلیب پر مر گئے تھے تو ان کو یونسؑ سے کیا مشابہت اور یونسؑ کو ان سے کیا نسبت؟ اس تمثیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مرے نہیں صرف یونسؑ کی طرح بیہوش ہو گئے تھے اور نسخہ مرہم عیسیٰ جو قریباً تمام طبی کتابوں میں پایا جاتا ہے اس کے عنوان میں لکھا ہے کہ یہ نسخہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یعنی ان کی چوٹوں کے لئے جو صلیب پر آئی تھیں۔ اگر در خانہ کس است ہمیں قدر بس است۔ ☆

☆......☆......☆

☆ چشمہ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۳۸ تا ۳۵۸

غیر احمدی علماء
کے نام خطوط
(۱)

سابقہ جلد چہارم

مرتبہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

صفحہ ۲۹۳ تا ۳۷۶

فہرست مکتوبات
مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۱	۳۰۳	۸ ستمبر ۱۸۸۷ء
۲	۳۰۶	۱۶ ستمبر ۱۸۸۷ء
۳	۳۰۷	۲۸ ستمبر ۱۸۸۷ء
۴	۳۱۰	۵ اکتوبر ۱۸۸۷ء
۵	۳۱۱	۵ فروری ۱۸۹۱ء
۶	۳۱۱	بلا تاریخ
۷	۳۱۳	فروری ۱۸۹۱ء
۸	۳۱۵	۲۳ فروری ۱۸۹۱ء
۹	۳۱۷	۸ مارچ ۱۸۹۱ء
۱۰	۳۱۹	بلا تاریخ
۱۱	۳۲۱	۱۴ مارچ ۱۸۹۱ء
۱۲	۳۲۳	۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء
۱۳	۳۲۶	۲۰ اپریل ۱۸۹۱ء
۱۴	۳۳۰	بلا تاریخ

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۱۵	۳۳۱	۹ مئی ۱۸۹۱ء
۱۶	۳۳۲	۹ مئی ۱۸۹۱ء
۱۷	۳۳۳	۲۷ مئی ۱۸۹۱ء
۱۸	۳۳۵	۶ جون ۱۸۹۱ء
۱۹	۳۳۷	۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء
۲۰	۳۳۹	۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء
۲۱	۳۵۴	جنوری ۱۸۹۱ء
۲۲	۳۵۹	۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء
۲۳	۳۶۳	۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء
۲۴	۳۶۷	فروری ۱۸۹۸ء
۲۵	۳۷۱	۷ مارچ ۱۸۹۸ء

☆......☆......☆

مکتوباتِ احمد

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ نے جب مکتوبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا تو مالی دشواریوں کی بنا پر ہر دفعہ موقعہ ملنے پر چھوٹی چھوٹی جلدیں شائع فرمائیں۔

موجودہ مکتوبات جو عرفانی صاحب نے چوتھی جلد کے طور پر ۱۵/نومبر ۱۹۱۹ء کو شائع کی اس کے بارہ میں آپ کا ارادہ تو یہ تھا کہ اس جلد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ مکتوبات شائع کئے جائیں جو حضور نے مخالف الرائے علماء اور صوفیاء کو لکھے تھے۔ مگر عملاً آپ نے اس جلد میں صرف وہ مکتوبات شامل کئے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقتاً فوقتاً مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھے تھے۔

نظارت نے مولوی محمد حسین کے علاوہ دوسرے علماء وصوفیاء کو لکھے گئے مکتوبات بھی شامل کر دیے ہیں تا کہ ایک نوعیت کے مکتوبات یکجا مل سکیں۔

ہم نے ان مکاتیب میں تاریخ کو مدِّ نظر رکھا ہے اور مولوی محمد حسین کے ان خطوط جنہیں عرفانی صاحب نے حاشیہ میں درج کیا ہے اوپر متن میں ہی رکھا ہے تا کہ قارئین کے لئے آسانی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرض حال

الحمد للّٰہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد الامین وخاتم النبیین واٰلہ واصحابہ الطیّبین و علی خلفائہ الراشدین المھدیین۔ امابعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نہایت خوشی اور مسرتِ قلبی سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کو اس چشمۂ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائی اور اپنے فضل ہی سے اس کے ہاتھ میں قلم اور دل و دماغ میں قوت بخشی اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قلمی خدمت کیلئے اسے ایک جوش عطا فرمایا۔تب ہی سے اسے یہ آرزو ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات۔مکتوبات اور ہر ایسی تحریروں کو جمع کروں جو حضور کے قلم سے کبھی نکلی ہوں اور وہ کسی منتشر حالت میں ہوں یا یہ اندیشہ ہو کہ وہ نایاب نہ ہو جائیں۔محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسے یہ موقع دیا کہ وہ **اَلۡحَکَمۡ** کے ذریعہ آپ کے ملفوظات اور الہامات اور مکتوبات وغیرہ کو ایک حد تک جمع کر سکا۔ **اَلۡحَکَمۡ** کے ذریعہ اس سلسلہ میں فضل ربی سے بہت بڑا کام ہوا۔پُرانی تحریروں کو جمع کرنے میں بھی ایک حد تک کامیابی ہوئی ہے۔پُرانی تحریروں کے سلسلہ ہی میں مکتوبات کا سلسلہ شامل کر دیا گیا تھا۔خدا کا شکر ہے کہ مکتوبات کے سلسلہ میں پانچویں جلد کا پہلا حصہ تک شائع کرنے کی توفیق پائی۔پہلی جلد مکتوبات کی جب شائع کی گئی تھی اُس وقت میرا خیال تھا کہ دوسری جلد میں حضرت مولنٰا مولوی نورالدین صاحب کے نام کے مکتوبات درج کروں لیکن بعد میں میرا خیال ہوا کہ مخالفینِ اسلام کے نام کے مکتوبات کی جلدوں کو پہلے چھاپ دوں اور مخلص خدام کے مکتوبات کا سلسلہ بعد میں رکھوں۔چنانچہ آریوں، ہندوؤں، برہموں کے نام کے مکتوبات دوسری جلد میں اور

عیسائی مذہب کے لیڈروں کے نام کے مکتوبات تیسری جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔اس چوتھی جلد میں سلسلہ عالیہ کے تلخ ترین دشمن مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام کے مکتوبات ہیں۔ پانچویں جلد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلصین کی جلد ہے۔اس کے متعدد حصہ ہونگے۔ چنانچہ جس کا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے اور حصہ دوم میں حضرت چوہدری رستم علی صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے مکتوبات ہیں۔

میں یہ بھی کوشش کر رہا ہوں کہ آئندہ جو مکتوبات طبع ہوں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے ہی خط کے عکس میں شائع ہوں مگر یہ بہت محنت اور کوشش اور صرف کا کام ہے۔احباب نے میری حوصلہ افزائی کی اور اس کام میں میری مالی مدد کی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعید نہیں کہ اس میں کامیاب ہو جاؤں۔ کیونکہ اصل مکتوبات میرے پاس موجود (ہیں)۔اللہ تعالیٰ ہی کی اوّل و آخر حمد ہے۔

سلسلہ عالیہ کا ادنیٰ خدمت گزار
خاکسار یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم

تراب منزل قادیان دارالامان
الحکم آفس ۱۵رنومبر ۱۹۱۹ء

☆......☆......☆

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کے نام

(تعارفی نوٹ)

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کا نام سلسلہ کی تاریخ اعدا میں نمایاں ہے۔ یہ صاحب بٹالہ ضلع گورداسپور کے باشندے تھے دراصل وہ ہندو خاندان پوری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اجداد میں ایک شخص مسلمان ہوگیا مولوی محمد حسین اپنے علم وفضل کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں ممتاز تھے اور شیخ الکل مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے مایہ ناز شاگردوں میں فرد تھے۔ پنجاب میں فرقہ اہلحدیث کے اپنے زمانہ اوّل میں سردار تھے اور رسالہ اشاعۃ السنہ کے مؤسّس وایڈیٹر تھے ان کے والد شیخ رحیم بخش صاحب کو حضرت اقدس کے خاندان سے تعلقات نیاز مندی حاصل تھے اور اس خاندان کی ریاست ووجاہت سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے براہین احمدیہ پر نہایت شاندار ریویو لکھا اور حضرت اقدس سے ان کو اس قدر ارادت تھی کہ اپنے ہاتھ سے وضو کراتا اور آپ کی جوتیاں سامنے رکھنا فخر سمجھتے تھے۔ مگر آپ کے دعویٰ مسیح موعود پر مولوی صاحب نے عَلَمِ مخالفت بلند کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ہی اسے اونچا کیا اور میں ہی گراؤں گا۔ اُدھر خدا کی وحی نے بشارت دی کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ[1]۔ آخر مولوی محمد حسین صاحب کا جو انجام ہوا۔ وہ تاریخ سلسلہ کا ایک خاص باب ہے۔ حضرت اقدس کی مخالفت میں کیا کیا پاپڑ بیلے مگر ہر مرحلہ پر شکست کھائی۔ کفر کا فتویٰ تیار کروایا، جھوٹے مقدمات میں گواہیاں دیں۔ خود ایک مقدمہ چلایا لیکن ہوا وہی جو خدا تعالیٰ نے پہلے سے بتادیا تھا۔ عرفانی کبیر ۱۸۹۱ء سے اس کے حالات سے بے تکلّف واقف ہے اور اس نے اس کے عروج اور زوال کے زمانوں میں بچشمِ خود دیکھا ہے۔ میں نے مولوی صاحب کے نام کے کچھ خطوط مکتوب کی جلد چہارم میں شائع کئے تھے یہ خط میں اس وقت شائع نہ کرسکا۔ اس مکتوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب شروع میں ہی مبتلائے مرض ہوچکے تھے اور ان کو شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے امر واقعہ یہ ہے

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۵۸

کہ وہ ایک قسم کی ڈکٹیڑی چاہتے تھے فی الحقیقت وہ شکوک وشبہات میں مبتلا نہ تھا۔ وہ براہین احمدیہ کی طبع واشاعت کے متعلق اپنے اختیارات حاکمانہ رکھنا چاہتے تھے اور براہین کی تالیف واشاعت کُلّیۃً حضرت ربّ کریم کے منشاء کے تحت تھی۔ حضرت اقدس کی اپنی ذات کو تدبیر اورانتظام میں کوئی دخل نہ تھا گوعملاً اورظاہراً آپ کررہے تھے مولوی محمد حسین صاحب نے نخوت وتکبر کے نشہ سے بے خود ہوکراعتراض شروع کیا کہ کتاب کی اشاعت میں توقف کیوں ہے جورقم آئی ہے اس کا حساب کیا ہے حضرت اقدس نے کمال رفق وملائمت سے سمجھانا چاہا۔ مگرخوے بدرابہانہ بسیار آخروہ بیج عداوت اور مخالفت کا جو بویا گیا تھا۔ اس کا خاردار درخت مسیح موعود کے دعویٰ کے بعد اس نے کہا اوراسی میں جوشخص خودالجھ کرختم ہوگیا اور آج ......اور جس کی مخالفت میں اس نے بڑے بڑے دعوے کئے تھے اوراس کے سلسلہ کا نام ونشان مٹادینے کا متمنّی تھا۔ وہ سلسلہ آج اکنافِ عالَم میں پھیل چکا ہے اوراس کلمہ طیّبہ کے درخت کی شاخیں آسمان تک جاچکی ہیں اوراس کے تازہ بتازہ ثمرات سے دنیا حیاتِ نَو پارہی ہے۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔(عرفانی کبیر)

اعلیٰ حضرت امام الملّۃ مسیح موعود کے مکتوبات

مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی کے نام

محترم ناظرین! یہ خطوط جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں جہاں تک ہمارا علم ہے کبھی شائع نہیں ہوئے۔ مولوی محمد حسین صاحب جب اوّل اوّل آمادۂ مخالفت ہوئے ہیں اُس وقت کے یہ مکتوبات ہیں۔ اور ۱۸۸۷ء کا یہ معاملہ ہے۔ ان خطوط کو پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وجہ مخالفت کیا ہوئی ہے؟ اور اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ کو اپنے مولیٰ کریم کی وحی پر کس قدر انشراحِ صدر سے بالبصیرۃ یقین کامل ہے۔ کسی کی مخالفت اور اعتراض کی کچھ پروانہیں۔ دنیا کی خیالی ذلّت اور عزت سے سروکار نہیں۔ اصل غرض اعلاءِ کلمۃ الاسلام ہے اس میں خواہ کوئی ناراض ہو یا خوش۔ یہ مکتوبات امید ہے کہ ہماری قوم کی ایمانی ترقی کا باعث ہوں گے۔

(ایڈیٹر)

مکتوب نمبرا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

از عائذ باللہ الصمد غلام احمد بخدمت اخویم مکرم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا اشتہارات تلاش کر کے اور بعض مہمانوں سے لے کر ارسالِ خدمت ہیں میں بباعث بیماری وجع الاذن حاضر نہیں ہوسکا کیونکہ مجھ کو دردِ گوش سے بشدتِ تکلیف ہے اور اندیشہ تپ بھی ہے اعتراض احباب دربارہ کتب مؤلّفہ ایں احقر معلوم نہیں کس صورت سے ہے اگر توقف طبع کتاب پر ہے تو یہ امر قضاء وقدر حضرت حکیم مطلق سے واقع ہوگیا ہے شاید اس میں یہ مصلحت ہوگی کہ جو کچھ درمیانی کارروائیاں آج تک ہوئی ہیں ان کا وقوع میں آجانا قبل از طبع کتاب ضروری تھا میں اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا اور نہ اب ہوں کہ کام طبع کتاب میں توقف ہو لیکن یہ تمام توقفات قادر مطلق کی انواع اقسام کی روکوں سے واقع ہوتی گئی ہیں۔ الوہیت کے زور

اور قدرتیں بشریت کے ارادوں کو مضمحل اور کالعدم کر دیتی ہیں اور پھر جب خوب غور سے سوچیں تو اصل خیر بھی اُنہیں میں ہوتی ہے۔ انسان اپنی فطرت سے مستعجل اور زود پسند ہے اور یہی چاہتا ہے کہ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے لیکن عادۃ اللہ تانی اور توقف ہے جیسا کہ مدۃ نزول قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ غرض میرے ساتھ معاملہ حضرت عزہ جل شانہ کچھ ایسا ہے کہ میں مُردہ بدست زندہ ہوں اور اُس کی مصلحت میری مصلحت پر مقدم آجاتی ہے وہ لوگوں کے لعن طعن کی کچھ بھی پروا نہیں کرتا کیونکہ قادر ہے کہ انجام کار لوگوں کو خوش کر دے اور جس بات کے لئے میرا سینہ کھول دیا ہے اُس کے لئے اُن کا سینہ بھی کھول دے وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔

اور اگر اس عاجز کی کتابوں پر اس صورت سے اعتراض ہو کہ اُن میں بعض جگہ سخت لفظ استعمال کئے گئے ہیں تو میں منطقیوں کی طرح اُن سے جھگڑنا نہیں چاہتا بلکہ میں سادہ طور پر بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ حکیم مطلق نے میرے اجتہاد کو اسی طرف رجوع دیا اور میرے دل میں یہ نقش کر دیا کہ گو بظاہر ایسی تقریریں موجب اشتعال ہونگی مگر ایک عجیب اثر ان میں یہ ہوگا کہ مخالفین کو خوابِ خرگوش سے بیداری حاصل ہوگی اور گو وہ کیسے ہی بدتہذیبی سے پیش آئیں مگر اُن کو ان تالیفات کی طرف، خواہ ردّ ہی کی نیت سے کیوں نہ ہو، رجوع ہو جائے گا اور اس رجوع کا انجام نہایت مفید ہوگا سو جس بات پر میری رائے قائم کی گئی سو اگرچہ ابھی اُس کے اخیر نتیجہ کا وقت نہیں آیا مگر میں دیکھتا ہوں کہ صدہا ہندو ردّ کی نیت سے میری کتاب کو پڑھتے ہیں اور صدہا ہندوؤں کے خیالات پر اثر ہو گیا ہے اور بایں ہمہ اس عاجز کی تقریر میں وہ سختی نہیں جس سختی کو ہندوؤں نے ابتدا سے استعمال کیا ہے۔ اب قصۂ کوتاہ یہ کہ یہ طرزِ تحریر جس کے اختیار کرنے کے لئے حال تک میرا سینہ کھول دیا گیا تھا اگرچہ وہ کسی معترض کی نظر میں صحیح ہو یا غیر صحیح مگر یہ وہ شے ہے جس پر میرا اجتہاد قائم کیا گیا اور اب میں نے جس قدر درشت الفاظ کو استعمال کیا اُسی قدر کو کافی سمجھا ہے اور آیندہ میں نے بھی قصد کیا ہے کہ ہر ایک بات حلم اور رفق سے بیان کی جائے اور اسی پر خدا تعالیٰ نے میرے دل کو قائم کر دیا ہے۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس میں بھی ایک حکمت تھی اور اس میں ایک حکمت ہے۔

اور جو آں مخدوم نے پہلے خط میں ذکر فرمایا تھا کہ پیشگوئی فرزند کو رسالہ میں درج کرنا مناسب نہیں۔ میں نے اب تک آپ کی خدمت میں اس وجہ سے اُس کا جواب نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ

نے اس معاملہ میں میری رائے کو آپ کی رائے سے متفق نہیں کیا۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ۔ مجھ کو منجانب اللہ اس بارے میں اعلان و اشاعت کا حکم ہے اور جیسا کہ میرے آقا محسن نے مجھے ارشاد فرمایا ہے میں وہی کام کرنے کیلئے مجبور ہوں۔ مجھے اس سے کچھ کام نہیں کہ دنیوی مصلحت کا کیا تقاضا ہے اور نہ مجھے دنیا کی عزت و ذلّت سے کچھ سروکار ہے اور نہ اس کی کچھ پروا اور نہ اُس کا کچھ اندیشہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جن باتوں کے شائع کرنے کے لئے میں مامور ہوں ہر چند یہ بدظنی سے بھرا ہوا زمانہ اُن کو کیسی ہی تحقیر کی نگاہ سے دیکھے لیکن آنے والا زمانہ اُس سے بہت سا فائدہ اُٹھائے گا۔

بعض احباب مجھ پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اسراف کا خرچ ہے جو دو دوسَو تین تین سَو روپے ماہواری کا ہو جاتا ہے اور اسی خرچ نے طبع کتاب میں دقتیں ڈالیں اور انبار کا انبار قرضہ کا سر پر ہو گیا۔ اس کے جواب میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ اعتراض سچ ہے مگر یہ مہمانداری محض لِلّٰہِ ہے اور اس میں بھی بارہا تواضع اور اکرامِ ضیف کے لئے حکم ہوا ہے نہ تخفیف مصارف کے لئے۔ تین سال کے عرصہ میں شاید چالیس ہزار سے کچھ زیادہ مہمان آئے ہوں گے اور جہاں تک طاقت تھی حسبِ توفیق خداداد اُن کی خدمت کی گئی۔ سو بظاہر یہ نہایت درجہ کا اسراف معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ جلّ شانہٗ کو اپنے افعال میں مصالح ہیں اور میں اُسی کے حکم اور امر کا پیرو ہوں اور کسی دوسری کمیٹی یا جماعت کی پیروی نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس کاروبار میں کچھ دخل دے سکتے ہیں۔ جس قدر میرے پر قرضہ اور حقوقِ عباد کے بار ڈالے گئے ہیں میں جانتا ہوں کہ میں اپنی قوت سے اُن گراں باروں سے سبکدوش نہیں ہو سکتا بلکہ الٰہی قوت مجھے سبکدوش کرے گی اس فوق الطاقۃ کام میں کسی دوست کی کچھ پیش نہیں جا سکتی مگر وہ ایک ہے حقیقی دوست ہے جو ان غموں کے دُور کرنے پر قادر ہے۔☆

والسلام

۸؍ستمبر ۱۸۸۷ء

☆ الحکم ۱۷؍فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۶، ۷

مکتوب نمبر۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
عنایت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میری نسبت سوءِظن مسلمان بھائیوں کا کسی معقول وجہ پر مبنی نہیں ہے۔ میں ایسے مسلمانوں کی فسخ بیع پر راضی ہوں ان کا ظن کسی طور سے درست ہونے میں نہیں آتا۔ یہ تو سچ بات ہے کہ مہمان نوازی کی نیت سے اور خود اپنی ذاتی ضروریات کی وجہ سے بہت کچھ روپیہ خرچ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے لیکن یہ خیال کہ اکثر حصہ اس روپیہ کا وہی رقوم ہیں جو قیمت کتاب میں وصول ہوئیں یہ ایک ضعیف خیال ہے جو حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ واقعی حقیقت یہی ہے کہ جیسے مصارف زیادہ ہوتے گئے اللہ جلّشانہٗ محض اپنے فضل وکرم سے ان کو انجام دیتا گیا۔ غایت مافی الباب یہ کہ عندالضرورت قیمت کتابوں میں سے بھی کچھ قدر قلیل خرچ ہوتا رہا ہے اور کچھ انہیں درمیانی کارروائیوں میں خرچ ہوا جو کتاب کے متعلق تھیں خیر سائلین اور معترضین کچھ سمجھیں اور کچھ خیال کر لیں لیکن مجھے خوب یقین حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے ایسی حالت میں موت نہیں دے گا کہ ان بدظنیوں کا میرے پر کوئی اعتراض اس قسم کا باقی رہ جائے کہ جو کچھ اصلیت رکھتا ہو اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ[1]

طفل نوزاد کی نسبت میں نے کسی اخبار میں یہ مضمون نہیں چھپوایا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کی تعریف ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہارات میں مندرج ہے ہاں کتنی دفعہ گمان ہوتا ہے کہ وہ ہی ہے کیونکہ یہی لڑکا **تین کو چار کرنے والا ہوا**۔ حضرت مسیح کے روز پیدائش میں پیدا ہوا۔

(۳) سنا گیا ہے کہ اسی ماہ میں ستارہ مسیح بھی یورپ میں دکھائی دیا جیسا کہ نورافشاں میں درج ہے۔

(۴) اس کے روز پیدائش میں یعنی بعد تولّد یہ الہامات ہوئے۔

اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰـہُ شَاھِدًا وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیۡرًا کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡہِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ

---

[1] البقرۃ: ۱۰۷

کُلُّ شَیْئٍ تَحْتَ قَدَمَیْهِ [1]

سو میرے نزدیک اب تک یہ الہامات ذوالوجوہ ہیں و دیگر علامات بھی۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

☆ والسلام

۱۶؍ستمبر ۱۸۸۷ء

مکتوب نمبر۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی محمد حسین صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۲۸؍ستمبر ۱۸۸۷ء کو آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ واضح رہے کہ اس عاجز کے قلم سے کوئی کلمہ رنج یا خفگی کا آپ کی نسبت نہیں نکلا۔ بلکہ میں ممنون ہوں کہ آپ بغیر اس کے کہ اصل حال سے واقف ہوتے میرے خیر خواہوں اور خیر اندیشوں اور نیک خیالوں میں رہے۔ سو میرے لئے آپ کا شکر کرنے کیلئے یہی کافی ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ آپ میں سچی محبت رہی ہے اور میرا دل شہادت دیتا ہے کہ فقط ایک سچی محبت کے جوش سے آپ قلم وزبان سے میری کارروائیوں کی نصرت میں لگے رہے ہیں۔ سو رنج اور خفگی کا کوئی محل نہیں۔ تا میں نے آپ پر ایک واقعی حال اظہار کیا اور پھر وہ سب واقعی عذرات آپ کی نظر میں مکتفی نہ ہوئے تو بقول شخصے کہ طاقت بمہماں نداشت خانہ مہماں گذاشت۔ چند الفاظ مؤدّبانہ ترکِ نزاع کیلئے میں نے استعمال کئے۔ شائد انہیں الفاظ کو آپ نے کلمہ رنج و خفگی سمجھا ہوگا۔ مگر حاشا وکلا میرا وہ منشاء نہیں ہے جو آپ نے سمجھا میں پھر بادب آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آئندہ اخراجات کی کمی اور تخفیف کی فکر میں میں آپ ہی ہوں مگر گذشتہ تدارک میرے حدِّ امکان سے باہر ہے۔ اس قصور کا خود معترف ہوں کہ جو کچھ کتاب کی قیمت میں آیا وہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ مگر یہ بات کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے وہ مصارف کس رنگ میں ہیں اور نکتہ چینوں کی نظر میں کسی رنگ میں۔ اس میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ گذری ہوئی بات کو طول دینا کچھ فائدہ نہیں اور میری رائے ناقص میں آپ کا اس فکر میں پڑنا مالا یلزم ہے۔

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۹۹ ☆ الحکم ۱۷؍فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

آں مخدوم سے شرعی یا عرفی طور پر کچھ مواخذہ یا مطالبہ نہیں وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [1] میں نے سُرمہ چشم آریہ کے پہلے صفحہ پر ہی اشتہار دے دیا ہے کہ جو شخص خرید کتاب پر ناراض ہو وہ فسخ بیع کر سکتا ہے۔ ایسے خطوط جب پہنچیں گے تو میں کوشش کروں گا کہ جلد تر کتابیں واپس لی جائیں اور ان کا روپیہ مسترد کیا جائے۔ سو وہ اشتہار اطلاعِ عام کے لئے کافی ہے۔ میں آپ پر مکرر ظاہر کرتا ہوں کہ میں آپ پر ہر گز ناراض نہیں لیکن اگر آپ خواہ نخواہ بات کو طول دیں تو میری طرف سے ناراض ہونا بے محل بھی نہیں۔ میں بشر ہوں اور بشریت کی صفات اور لوازم سے نبی بھی الگ نہیں رہ سکتے جو شخص ان کے دل کو خوش کرے اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص ان کے دل کو خواہ مخواہ آزار پہنچاوے اس سے وہ خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بشر ہیں۔ آپ کے سامنے قرآن وحدیث سے اس کے نظائر پیش کرنا حاجت نہیں۔

اور پھر آپ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ گویا مجھے یہ الہام ہوا تھا کہ وہ لڑکا بہت قریب ہونے والا ہے آپ میرے اشتہار ۸/اپریل ۸۶ء کو دیکھ لیں اس میں ’’وہ‘‘ کا لفظ نہیں بلکہ **ایک** کا لفظ ہے اور یہ آپ کا قول کہ ایسی پیشگوئیوں سے بجائے نفع اسلام کو کمال نقصان پہنچے گا۔ میری دانست میں یہ کہنا اُس کا حق ہے کہ ان پیشگوئیوں کا مقابلہ کر کے دکھلاوے۔ میرے رسالہ سراجِ منیر اور اُس کی تمام پیشگوئیوں کی بناء اسی پر ہے کہ اگر کوئی مخالف کسی پیشگوئی کا انکار کرے تو ایسی پیشگوئی پیش کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ’’سراجِ منیر میں اسی طور کی پیشگوئیاں ہیں تو میری رائے ہے کہ سراجِ منیر کا طبع کرانا موقوف رکھا جائے کیونکہ ایسی کتاب سے مسلمانوں کا کمال ہتک ہوگا‘‘۔ اس کی جواب میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک سراجِ منیر میں اسی طرح کی پیشگوئیاں ہیں بلکہ سب سے بڑھ کر یہی پیشگوئی ہے مگر دوسرا فقرہ آپ کا کہ ایسی پیشگوئیوں سے مسلمانوں کا کمال ہتک ہوگا۔ فراست صحیحہ پر مبنی نہیں ہے اور آپ کا یہ قول کہ ’’مجھے صرف یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا زیادہ ہتک نہ ہو اور ان کا مال ناحق برباد نہ ہو‘‘۔ آپ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا پیدا ہونے سے مسلمانوں کا کسی قدر ہتک ہو گیا ہے اور آیندہ سراجِ منیر کے چھپنے سے اس سے زیادہ ہوگا۔ سو میں کہتا ہوں کہ اگر پیشگوئیوں کا سچائی سے ظہور میں آجانا مسلمانوں کے لئے موجب ہتک ہے تو جس قدر یہ ہتک ہو

[1] الانعام: ۱۶۵

اتنا ہی تھوڑا ہے۔ ۲۷؍ جولائی ۸۶ء کو آریوں نے ایک اشتہار دیا تھا کہ ہمیں اپنے پرمیشر کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ ہرگز بیٹا پیدا نہیں ہوگا۔ ابد تک نہیں ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو منجم نے اُن کی اطمینان کی ہوگی اور یہ اشتہار عام طور پر پنجاب اور ہندوستان میں شائع کئے گئے تھے۔ اب آپ سوچ کر دیکھیں کہ برطبق اشتہار ۸؍ اپریل ۸۶ء بیٹا پیدا ہو جانا جو مصدّق پیشگوئی ہے۔ یہ موجب ہتک اور ندامت آریوں اور دیگر مخالفین کا ہوا یا مسلمانوں کا اس سے ہتک ہو گیا۔ انجیل میں حضرت مسیح کی پیشگوئیاں آپ نے نہیں دیکھیں کہ بھونچال آویں گے، کال پڑیں گے، وبا پھیلے گی، لڑائیاں ہوویں گی۔ نہ کسی وقت کا پتہ نہ کسی مکان کا نشان۔ مگر اُس وقت کے سچے عیسائیوں کا اس سے کچھ ہتک نہ ہوا۔ آپ کو یاد رہے کہ مخالفین خود ملزم ہیں کیونکہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہر ایک چیز کا قدر و قیمت مقابلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ والسلام

خاکسار

غلام احمد

۲۸؍ ستمبر ۱۸۸۷ء

مکتوب نمبر۴

وَلَهٗ اَیۡضاً

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کے کسی حرف سے اتفاق نہیں کرسکتا جیسا کہ بظاہر سمجھا جاتا ہے آپ بھی میری رائے سے اتفاق نہیں کرسکتے تو پھر میری دانست میں خط وکتابت کی بات تو خاتمہ کو پہنچی۔ اب میری طرف سے تو یہ تحریر وداعی اور آخری خط ہی سمجھیں۔ اور آپ کو اختیار ہے کہ جس رائے پر آپ قائم ہیں اس کو اپنی طاقت قلمی سے بخوبی ظاہر کریں۔ میں بجز اُس زمانہ اور وقت کے کہ حضرت مقلب القلوب اور ہادی مطلق آپ کو آپ کے قول سے رجوع دلا کر میری رائے سے متفق کرے۔ آیندہ کوئی خط آپ کی طرف لکھنا نہیں چاہتا اور نہ اپنے اختیار اور مرضی سے بغیر کسی امر جدید پیش آنے کے جس کا اب مجھے علم نہیں، لکھوں گا۔ ہاں، آپ کے اس خط کی نسبت جس کو میں نے عزت کے ساتھ اپنے صندوق میں رکھ لیا ہے اگر مناسب سمجھا سراجِ منیر یا کسی دوسرے رسالہ میں بغرض ازالۂ وساوس کچھ لکھوں گا اور وہ بھی اس حالت میں کہ آپ کا یہ خط یا ایسا ہی کوئی اور مضمون آپ کے رسالہ یا کسی اور پرچہ میں شائع ہوجائے یا زبانی طور پر مختلف فرقوں میں شیوع پاجائے سو مناسب ہے کہ اب آپ بھی میری طرف خطوط بھیجنے سے مستریح رہیں اور بذریعہ تحریرات مطبوعہ اپنے بخارات نکالیں۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی

خاکسار غلام احمد عفی عنہ

۵/اکتوبر ۱۸۸۷ء ☆

☆ الحکم ۱۷/فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

مکتوب نمبر۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔عنایت نامہ پہنچا۔ عاجز کی طبیعت علیل ہے۔ اخویم منشی عبدالحق صاحب کو تاکید فرماویں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو معمولی گولیاں ارسال فرمائیں۔ توجہ سے کہہ دیں۔ افسوس کہ میری علالت طبع کے وقت آپ عیادت کیلئے بھی نہیں آئے۔ اور آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ’’ہاں‘‘ کافی سمجھتا ہوں۔ والسلام

خاکسار

۵رفروری ۱۸۹۱ء غلام احمد

مکتوب نمبر۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ اگرچہ خداوند کریم خوب جانتا ہے کہ **یہ عاجز اُس کی طرف سے مامور ہے** اور ایسے امور میں جہاں عوام کے فتنے کا اندیشہ ہے، جب تک کامل اور قطعی اور یقینی طور پر اس عاجز پر ظاہر نہیں کیا جاتا، ہرگز زبان پر نہیں لاتا۔ لیکن اس میں کچھ حکمت خداوند کریم کی ہوگی کہ اس نزولِ مسیح کے مسئلے میں جس کو اصل اور لُبِّ اسلام سے کچھ تعلق نہیں اور ایک مسلمان پر اُس کی اصل حقیقت کھولی گئی ہے۔ جس پر بوجہ اخوت حسن ظن بھی کرنا چاہئے۔ آں مکرم کو مخالفانہ تحریر کے لئے جوش دیا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ **آپ کی اِس میں نیت بخیر ہوگی**۔ اور اگرچہ مجھے آپ کے استعجال کی نسبت شکایت ہو اور اس کو روبرو یا غائبانہ بیان بھی کروں۔ **مگر آپ کی نیت کی نسبت مجھے حسن ظن ہے** اور آپ کو زمانہ حال کے اکثر علماء، بلکہ اگر آپ ناراض نہ ہوں، تو بعض للّٰہی جدّ وجہد

کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی بہتر سمجھتا ہوں اور اگر چہ میں آپ سے ان باتوں کی شکایت کروں تاہم مجھے بوجہ آپ کی صفائی باطن کے آپ سے محبت ہے۔ اگر میں شناخت نہ کیا جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ میرے لئے یہی مقدر تھا۔ **مجھے فتح اور شکست سے بھی کچھ تعلق نہیں بلکہ عبودیت واطاعت حکم سے غرض ہے۔** میں جانتا ہوں کہ اس خلاف میں آپ کی نیت بخیر ہوگی۔ لیکن میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ اوّل مجھ سے بات چیت کر کے اور میری کتابوں کو یعنی رسالہ ثلاثہ کو دیکھ کر کچھ تحریر کریں۔ **مجھے اِس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں۔** کیونکہ یہ مخالفت رائے بھی حق کیلئے ہوگی۔ **کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے اور اُس کے ساتھ مجھے الہام ہوا۔** اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ [1] سو میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کردے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے۔ حضرت موسیٰ کی جو آپ نے مثل لکھی ہے۔ اشارۃُ النَّص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ موسیٰ نے کیا۔ اس قصے کو قرآن شریف میں بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارفِ روحانیہ اور عجائباتِ مخفیہ کے کھلنے کے شائق رہیں، حضرت موسیٰ کی طرح جلدی نہ کریں۔ حدیث صحیح بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اب مجھے آپ کی ملاقات کے لئے صحت حاصل ہے۔ اگر آپ بٹالے میں آجائیں تو اگر چہ میں بیمار ہوں اور دورانِ سر اس قدر ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی تاہم افتاں وخیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ بقول رنگین ؏

وہ نہ آوے تو تُو ہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

ازالۃ الاوہام ابھی چھپ کر نہیں آیا۔ فتح اسلام اور توضیح المرام ارسال خدمت ہیں۔

الراقم

غلام احمد از قادیان

---

[1] الشعرآء: ۶۳ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۷

مکتوب نمبر ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ پہنچا۔ چونکہ آں مکرم عزم پختہ کر چکے ہیں تو پھر میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔اس عاجز کی طبیعت بیمار رہے۔ دورانِ سر اور ضعف بہت ہے۔ایسی طاقت نہیں کہ کثرت سے بات کروں۔جس حالت میں آں مکرم کسی طور سے اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتے اور ایسا ہی یہ عاجز اس **بصیرت اور علم سے اپنے تئیں نابینا نہیں کرسکتا** جو حضرت احدیت جلّ شانہٗ نے بخشا ہے۔اس صورت میں **گفتگو عبث** ہے۔ رسالہ ابھی کسی قدر باقی ہے، ناقص کو میں بھیج نہیں سکتا۔اس جگہ آنے کیلئے آں مکرم کو یہ عاجز تکلیف دینا نہیں چاہتا۔مگر ۲۶رفروری ۱۸۹۱ء کو یہ عاجز انشاء اللہ القدیر لودیانہ کے ارادہ سے بٹالہ میں پہنچے گا۔ وہاں صرف آپ کی ملاقات کرنے کا شوق ہے، **گفتگو کی ضرورت نہیں۔اور یہ عاجز للہ آپ کے ان الفاظ کے استعمال سے جو مخالفانہ تحریر کی حالت میں کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں یا اپنے بھائی کی تذلیل اور بدگمانی تک نوبت پہنچاتے ہیں معاف کرتا ہے**۔وَاللّٰہُ عَلٰی مَاقُلْتُ شَھِیْدٌ

چند روز کا ذکر ہے کہ پرانے کاغذات کو دیکھتے دیکھتے ایک پرچہ نکل آیا جو میں نے اپنے ہاتھ سے بطور یادداشت کے لکھا تھا اُس میں تحریر تھا کہ یہ پرچہ ۵رجنوری ۱۸۸۸ء کو لکھا گیا ہے۔مضمون یہ تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی امر میں مخالفت کر کے کوئی تحریر چھپوائی ہے اور اُس کی سرخی میری نسبت ''کمینہ'' رکھی ہے۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنے ہیں۔اور وہ تحریر پڑھ کر کہا ہے کہ **آپ کو میں نے منع کیا تھا پھر آپ نے کیوں ایسا مضمون چھپوایا**۔ھٰذَا مَارَأَیْتُ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِتَاْوِیْلِہٖ[1]

چونکہ حتی الوسع خواب کی تصدیق کیلئے کوشش مسنون ہے اس لئے میں آں مکرم کو منع بھی کرتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے دست کش رہیں۔ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں اور اگر صادق نہیں تو پھر اِنْ یَّكُ كَاذِبًا[2] کی تہدید پیش آنے والی ہے۔

---

[1] تذکرہ صفحہ ۱۲۰۔ایڈیشن چہارم [2] المؤمن: ۲۹

لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ[1] ولا تدخل نفسک فیما لا تعلم حقیقتہٗ یا اخی ۔ وافوض امری الی اللّٰہ یُؤۡتِکَ اجر صبرک یا اخی وانا انظر الی السماء وارجو تائید اللّٰہ واعلم من اللّٰہ مالاتعلمون۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی

حضرت اخویم حبی فی سبیل اللہ مولوی حکیم نورالدین اور آں مکرم کی تحریرات میں یہ عاجز دخل دینا نہیں چاہتا۔

خاکسار

غلام احمد

☆......☆......☆

---

[1] بنی اسرآءیل:۳۷

مکتوب نمبر۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وایّدہ۔ بخدمت محبی اخویم مکرم ابوسعید محمد حسین صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ چونکہ یہ عاجز اپنی دانست میں ناتمام مضمون ازالۃ الاوہام کا آں مکرم کو دکھلانا مناسب نہیں سمجھتا اس لئے اجازت نہیں دے سکتا۔ مگر اس عاجز کی رائے میں صرف بیس پچیس روز تک رسالہ ازالۃ الاوہام چھپ جائے گا، کچھ بہت دیر نہیں ہے۔ پھر انشاء اللہ القدیر سب سے پہلے یہ عاجز آں مکرم کی خدمت میں بھیج دے گا۔ آں مکرم کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ بلاکم و بیش یہ وہی دعویٰ ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ جس کی آں مکرم اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آں مکرم کو دیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آں مکرم اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلد۷ میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جبکہ اوّل سے آخر تک وہی دعویٰ، وہی مضمون، وہی بات ہے تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو۔ کس قدر تعجب ہے!

یہ عاجز رسالہ ازالۃ الاوہام میں آں مکرم کے ریویو کی بعض عبارتیں درج بھی کر چکا ہے۔ اس عاجز نے جو ۵؍جنوری ۱۸۸۸ء کو خواب دیکھی تھی اُس کی سرخی ’’کمینہ‘‘ تھا۔ جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں۔ واللّٰہ اعلم بالصَّواب۔

پھر بھی میں آں مکرم کو للہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس سماوی امر میں آپ کا دخل دینا مناسب نہیں۔ مثیل مسیح کا دعویٰ کوئی امر عندالشرع مستبعد نہیں۔

اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اس عاجز کی دانست میں اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کے مقابل آپ کی تحریر میں کسی قدر سختی تھی۔ خدا تعالیٰ انکسار اور تذلل کو ہمیشہ پسند کرتا ہے اور علماء کے اَخلاق اپنے بھائیوں کے ساتھ سب سے اعلیٰ درجے کے چاہئیں۔ جس دین کی حمایت اور ہمدردی

کے لئے دن رات کوششیں ہورہی ہیں، وہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اللہ اور رسول کی منشاء کے موافق ہمارے جمیع احوال وافعال وحرکات وسکنات ہوجائیں۔

میرے خیال میں اخلاق کے تمام حصوں میں سے جس قدر خدا تعالیٰ تواضع اور فروتنی اور انکسار اور ہر ایک ایسے تذلّل کو جو منافی نخوت ہے پسند کرتا ہے ایسا کوئی شعبہ خلق کا اس کو پسند نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک سخت بے دین ہندو سے اس عاجز کی گفتگو ہوئی اور اس نے حد سے زیادہ تحقیر دین متین کیلئے الفاظ استعمال کئے۔ غیرت دینی کی وجہ سے کسی قدر اس عاجز نے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ [1] پر عمل کیا مگر چونکہ وہ ایک شخص کو نشانہ بنا کر درشتی کی گئی تھی اس لئے **الہام ہوا کہ تیرے بیان میں سختی بہت ہے۔ رفق چاہیے رفق** [2] اور اگر ہم انصاف سے دیکھیں تو ہم کیا چیز اور ہمارا علم کیا چیز۔ اگر سمندر میں ایک چڑیا منقار مارے تو اس سے کیا کم کرے گی۔ ہمارے لئے بھی بہتر ہے کہ جیسے ہم درحقیقت خاکسار ہیں۔ خاک ہی بنے رہیں۔ جب کہ ہمارا مولیٰ ہم سے تکبر اور نخوت پسند نہیں کرتا تو کیوں کریں۔ ہمارے لئے ایسی عزت سے بے عزتی اچھی ہے جس سے ہم مَوردِ عتاب ہوجائیں۔

آپ کی تحریر اگر اس طرح پر ہوتی کہ جس قدر خداوند تعالیٰ نے میرے پر کھولا ہے۔ اگر آپ مہربانی فرما کر ملیں یا میں ملوں۔ تو بیان کرونگا تو کیا اچھا ہوتا۔

یہ قاعدہ ہے کہ جس حالت اندرونی سے انسان کے منہ سے الفاظ نکلتے ہیں وہی رنگ الفاظ میں بھی آجاتا ہے۔

میں نے اس فیصلہ میں مولوی نورالدین صاحب کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور محض للہ آں مکرم کی خدمت میں عرض کی گئی ہے۔ اس عاجز کو پختہ طور پر معلوم نہیں کہ کس تاریخ اس جگہ سے یہ عاجز روانہ ہو۔ بعض موانع پیش آ گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہوجاؤں۔ اس صورت میں بالفعل ملاقات مشکل معلوم ہوتی ہے لہٰذا اطلاعاً آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اس عاجز کیلئے بٹالہ میں تشریف نہ لاویں کیونکہ کوئی پختہ معلوم نہیں۔ جس وقت خدا تعالیٰ چاہے گا ملاقات ہوجائے گی۔ والسلام

خاکسار

۲۳رفروری ۱۸۹۱ء غلام احمد از قادیان

---

[1] التّوبة: ۷۳ [2] تذکرہ صفحہ ۱۳۸۔ ایڈیشن چہارم

مکتوب نمبر۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی اخویم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج لدھیانہ میں آپ کا محبت نامہ مجھ کو ملا۔ بظاہر مجھے گفتگو میں کچھ فائدہ معلوم نہیں دیتا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے ایک علم بخشا ہے جس کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ ایسا ہی آپ بھی اپنی رائے کو چھوڑنے والے نہیں۔ مجھے ایک ایسا سبیل بخشا گیا ہے جو معرض بحث میں نہیں آ سکتا۔ ولیس الخبر کالمعاینۃ[1]

ہاں اس نیت سے میں مجلس علما میں حاضر ہو سکتا ہوں کہ شاید خدا تعالیٰ حاضرین میں سے کسی کے دل کو اس سچائی کی طرف کھینچے جو اس نے اس عاجز پر ظاہر کی ہے۔ سو اگر شرائط مندرجہ ذیل آپ قبول فرماویں تو میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

(۱) اس مجمع میں حاضر ہونے والے صرف چند ایسے مولوی صاحب نہ ہوں جو مدعی کا حکم رکھتے ہیں کیونکہ وہ مجھ سے بجز اُس صورت کے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے کہ میں ان کے خیالات واجتہادات کا اتباع کروں اور میری طرف سے بار بار ان کو یہی جواب ہے کہ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الۡھُدٰی[2] اگر یہ مجمع کسی قدر عام مجمع ہوگا اور ہر ایک مذاق اور طبیعت کے آدمی اس میں ہوں گے تو شاید کوئی دل حق کی طرف توجہ کرے اور مجھے اس کا ثواب ملے۔ سو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجلس صرف چند مولوی صاحبوں میں محدود نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بحث جو محض اظہاراً لِلۡحَقِّ ہوگی، تحریری ہو۔ کیونکہ بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ صرف زبانی باتیں کرنا آخر منجر بفتنہ ہوتی ہیں اور بجز حاضرین کے دوسروں کو ان کی نسبت رائے لگانے کا موقعہ نہیں دیا جاتا اور کیسی ہی عمدہ اور محققانہ باتیں ہوں جلدی بھول جاتی ہیں اور جن لوگوں کو غلو یا دروغ بیانی کی عادت ہے خواہ وہ کسی گروہ کے ہیں ان کو جھوٹ بولنے کیلئے بہت سی گنجائش نکل آتی ہے۔ کوئی شخص محنت اُٹھا کر اور ہر ایک قسم کے اخراجات سفر کا متحمل ہو کر اور بہت

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد۱ صفحہ۳۱۵ [2] البقرۃ: ۱۲۱ و الانعام:۷۲

سی مغز خواری کرنے کے بعد کب روا رکھ سکتا ہے کہ غیر منتظم طریق کی وجہ سے تمام محنت اس کی ضائع جائے اور طالب حق کو اس کی تقریر سے فائدہ نہ پہنچ سکے۔ سو تحریری بحث کا ہونا ایک شرط ہے۔

(۳) اس مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل چاہئے۔ جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہوسکتا، اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رو سے کافر اور ملحد ٹھہرانے والے تو میاں مولوی عبدالرحمٰن لکھو کے والے ہیں۔ اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں۔ جن کے الہامات کے مصدق و پیرو میاں مولوی عبدالجبار ہیں۔ سو ان تینوں کا جلسہ بحث میں حاضر ہونا ضروری ہے تا کہ مباہلہ کا بھی ساتھ ہی قضیہ طے ہو جائے۔ اور اگر مولوی صاحب باہم مسلمانوں کے مباہلہ کو صورت پیش آمدہ میں ناجائز قرار نہ دیں تو مباہلہ بھی اسی مجلس میں ہو جائے کیونکہ یہ عاجز اکثر بیمار رہتا ہے۔ بار بار سفر کی طاقت نہیں۔

(۴) یہ کہ تحریری بحث کیلئے تمام مخالف الرائے مولوی صاحبوں کی طرف سے آپ منتخب ہوں۔ کیونکہ یہ عاجز نہیں چاہتا کہ خواہ نخواہ لعن طعن ہو اور تُو تُو میں میں متفرق لوگوں کا سُنے۔ ایک مہذب اور شائستہ آدمی تحریری طور پر سوالات پیش کرے۔ کہ اس عاجز کے اس دعویٰ میں جس کی الہام الٰہی پر بنا ہے، کیا خرابیاں ہیں اور کیا وجہ ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جاوے۔ سو اس عاجز کی دانست میں اس کام کیلئے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں۔

(۵) یہ آپ کا اختیار ہے کہ جس تاریخ میں آپ گنجائش سمجھیں مجھے اور اخویم مولوی نورالدین صاحب کو اطلاع دیں۔ چونکہ یہ عاجز بیمار ہے اور مرض سدر و دَوّار سے لاچار اور ضعیف بہت ہے۔ اس لئے اخویم مولوی نورالدین صاحب کا شامل آنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس عاجز کی طبیعت زیادہ علیل ہو جائے جیسا کہ اکثر دورہ مرض کا ہوتا رہتا ہے اور زیادہ بات کرنے سے سخت دورہ مرض کا ہوتا ہے۔ اس صورت میں مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب وقت کارروائی کر سکتے ہیں۔

(۶) اگر آپ ہندوستان کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں تو لدھیانہ راہ میں ہے۔ کیا بہتر نہیں کہ لدھیانہ میں ہی یہ مجلس قرار پائے؟ یہ عاجز بیمار ہے، حاضری سے عذر کچھ نہیں مگر ایسی صورت میں مجھے بیماری کی حالت میں شدائد سفر اُٹھانے سے امن رہے گا ورنہ جس جگہ غزنوی صاحبان اور

مولوی عبدالرحمٰن (اس عاجز کوملحد اور کافر قرار دینے والے) یہ جلسہ منعقد ہونا مناسب سمجھیں تو اسی جگہ یہ عاجز حاضر ہوسکتا ہے۔ والسلام

مکرر یہ کہ ۲۳؍ مارچ ۹۱ء تاریخ جلسہ مقرر ہوگئی ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ بمقام امرتسر یہ جلسہ ہو۔ اشتہارات عام طور پر اپنے واقف کاروں میں یہ عاجز شائع کردے گا ایسا ہی آپ کو بھی اختیار ہے۔ آپ بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرماویں کہ جواب کا انتظار ہے۔

خاکسار

غلام احمد

۸؍ مارچ ۱۸۹۱ء

از لدھیانہ محلّہ اقبال گنج

مکان شہزادہ غلام حیدر

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۱۰

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلّمہٗ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے لئے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے اور کچھ کچھ علالت تو دن رات شامل حال ہے۔ اگر زیادہ گفتگو کروں تو دورہ مرض شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل حال ہے۔ چونکہ آپ کا آخری خط آیا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبدالجبار صاحب لکھا گیا ہے اس لئے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبہ مرض سے بالکل نکمّا ہورہا ہے۔ یہ طاقت کہاں ہے کہ مباحث تقریری یا تحریری شروع کروں۔ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تینوں رسالے لکھے گئے اور وہ بھی اس طرح سے کہ اکثر دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر کو لکھتا گیا اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو، اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ عبارت کو عمدگی سے درست کردیا جاوے۔ آپ کی معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک اُمّی اور جاہل آدمی ہے، نہ عبادت ہے، نہ ریاضت،

نہ علم، نہ لیاقت، غرض کچھ بھی چیز نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک امر تھا اور قطعی اور یقینی تھا، اس عاجز نے پہنچا دیا۔ ماننا نہ ماننا اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے۔ درحقیقت میرے لئے یہ کافی تھا کہ میں صرف الہامِ الٰہی کو ظاہر کرتا لیکن میں نے اپنے رسالوں میں **قال اللّٰہ اور قال الرسول** کا بیان اس لئے کچھ مختصر سا کر دیا ہے کہ شاید لوگ اس سے نفع اُٹھاویں۔ مجھے اس سے کچھ بھی انکار نہیں کہ خدا تعالیٰ آئندہ کسی کو اس کی روحانی حالت کے لحاظ سے درحقیقت مسیح بنا کر دمشق کی مشرقی طرف اسی طور سے اُتار دے جیسے مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا اُترتے ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس زمانے میں دجّال بھی ہو۔ حضرت مہدی بھی ہوں اور پھر اسلام میں سیفی طاقت پیدا ہو جائے اور تمام لوگ مسلمان ہو جاویں مگر جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھولا ہے صرف اتنا ہے کہ یہ عاجز روحانی طور پر مثیل مسیح ہے اور روحانی طور پر موعود بھی ہے اور نیز یہ کہ کوئی مسیح آسمان سے خاکی وجود کے ساتھ اُترنے والا نہیں۔ ظلّی اور مثالی طور پر مسیح کے آنے سے مجھے انکار نہیں بلکہ ایک کیا ایک ہزار مسیح بھی کہا جائے تو میرے نزدیک ممکن ہے۔ میرے نزدیک احادیثِ صحیحہ بھی حقیقی طور پر مسیح کے اُترنے کے بارے میں وہ زور نہیں دیتیں جو آج کل کے علماء خیال کر رہے ہیں۔ مسیح کا اُترنا سچ مگر ظلّی اور مثالی طور پر۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب اپنے الہامات کے حوالہ سے اس عاجز کو ضال و مضل قرار دے چکے ہیں اور ایسا کافر کہ جس کو کبھی ہدایت نہیں ہوگی۔ اور میاں عبدالحق غزنوی بھی اپنے الہام کے حوالہ سے اس عاجز کو جہنمی قرار دے چکے ہیں اور مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ جو کچھ میاں عبدالحق صاحب کے الہام ہیں، میں اُن پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ صحیح اور درست ہیں۔ اب آپ کے کہنے سے وہ کیا سمجھیں گے اور آپ انہیں کیا سمجھائیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے جس طرح چاہے گا اس کی راہ پیدا کر دے گا۔ اگر آپ کی ملاقات ہو تو میں خوشی سے چاہتا ہوں مگر آپ کے آنے کا کرایہ میرے ذمے رہے، میں آپ کو مالی تکلیف دینی نہیں چاہتا۔ یہ بہتر ہے کہ آپ اس جگہ آ جائیں۔ بہرحال ملاقات کی خوشی تو اس بیماری کی حالت میں ہوگی۔ ازالۃ الاوہام عنقریب طیار ہوتا ہے بھیج دوں گا ابھی کچھ باقی ہے۔

والسلام

غلام احمد

مکتوب نمبر۱۱

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

مخدومی مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط آج کی ڈاک میں مجھ کو ملا اوراس کے پڑھنے سے مجھ کو بہت ہی افسوس ہوا کہ آپ مکالماتِ الٰہیہ کے امر کولہو ولعب میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس عاجز نے براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۸ و ۴۹۹ میں اس ظاہری عقیدے کی پابندی سے جومسلمانوں میں مشہور ہے، یہ عبارت لکھی ہے کہ یہ آیت کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق میں پھیل جائے گا۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے **مشابہت تامّہ ہے** اس لئے خداوندکریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک رکھا ہے۔ فقط ان عبارتوں کواس امر کے لئے دستاویز ٹھہرانا کہ براہین میں اوّل یہ اقرار ہے اور پھر اس کے مخالف یہ دعویٰ اور ایسا خیال سراسر غلط اور دور از حقیقت ہے۔

اے میرے عزیز دوست! اس عاجز کے اس دعویٰ کی، جو فتح اسلام میں شائع کیا گیا ہے، اپنے علم اور عقل پر بنا نہیں تا ان دونو بیانات میں بوجہ اتحادِ بنا صورت تناقض پیدا ہو بلکہ براہین کی مذکورہ بالا عبارتیں تو صرف اس ظاہری عقیدے کی رُو سے ہیں جو سرسری طور پر عام طور پر اس زمانہ کے مسلمان مانتے ہیں اور اس دعویٰ کی بِنا الہام الٰہی اور وحی ربّانی پر ہے۔ پھر تناقض کے کیا معنے ہیں۔ میں خود یہ مانتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی امر پر بذریعہ اپنے خاص الہام کے مجھے آگاہ نہ کرے میں خود بخود آگاہ نہیں ہوسکتا اور یہ امر میرے لئے کچھ خاص نہیں۔ اس کی نظیریں انبیاء کی سوانح میں بہت ہیں۔ ملہم لوگ بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ **لَاعِلْمَ لِیْ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ** بلکہ خدا تعالیٰ کا سمجھانا بھی جب تک صاف طور پر نہ ہو، انسان ضعیف البیان اس میں بھی دھوکا کھا سکتا ہے۔

فَذَھَبَ وَھْلِیْ[۱] کی حدیث آپ کو یاد ہی ہوگی۔

اب خدا تعالیٰ نے فتح اسلام کی تالیف کے وقت مجھے سمجھا یا تب میں سمجھا۔ اِس سے پہلے کوئی اس بارے میں الہام نہیں ہوا کہ درحقیقت وہی مسیح آسمان سے اُتر آئے گا۔ اگر ہے تو آپ کو پیش کرنا

---

[۱] بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام حدیث نمبر ۳۴۲۵

چاہئے ۔ ہاں یہ عاجز روحانی طور پر مثیل موعود ہونے کا براہین میں دعویٰ کر چکا ہے جیسا کہ اسی صفحہ ۴۹۸ میں موعود ہونے کی نسبت یہ اشارہ ہے۔صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ ۔ چونکہ آپ نے اپنے ریویو میں اس دعویٰ کا ردّ نہیں کیا اس لئے اپنے اس معرض بیان میں سکوت اختیار کر کے، اگرچہ ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر مان لیا۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر براہین احمدیہ میں ابن مریم کے موعود یا غیر موعود ہونے کے بارہ (میں) کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔صرف ایک مشہور عقیدہ کے طور سے ذکر کر دیا تھا آپ کو اس جگہ اسے پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی بعض اعمال میں، جب وحی نازل نہیں ہوتی تھی، انبیاء بنی اسرائیل کی سنن مشہورہ کا اقتدا کیا کرتے تھے اور وحی کے بعد جب کچھ ممانعت پاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے۔اس کو تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔آپ جیسے فاضل کیوں نہیں سمجھیں گے۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ آپ یہی طریق انصاف پسندی کا قرار دیتے ہیں۔کیا اس عاجز نے کسی جگہ دعویٰ کیا ہے کہ میرا ہر ایک نطق وحی اور الہام میں داخل ہے۔اگر آپ طریق فیصلہ اسی کو ٹھہراتے ہیں تو بسم اللہ! میرے رسالہ کا جواب لکھنا شروع کیجئے۔آخر حق کو فتح ہوگی۔ میں نے آپ کو ایک صلاح دی تھی کہ عام جلسہ علماء کا بمقام امرتسر منعقد ہو اور ہم دونوں حسبۃً للّٰہ و اظہاراً لِلْحَقِّ اس جلسہ میں تحریری طور پر اپنی اپنی وجوہات بیان کریں اور پھر وہی وجوہات حاضرین کو پڑھ کر سنا دیں اور وہی آپ کے رسالہ میں چھپ جائیں۔ دُور و نزدیک کے لوگ خود دیکھ لیں گے جس حالت میں آپ اس کام کے لئے ایسے سرگرم ہیں کہ کسی طرح رُکنے میں نہیں آتے اور جب تک اشاعۃ السنۃ میں عام طور پر اپنے مخالفانہ خیال کو شائع نہ کر دیں صبر نہیں کر سکتے تو کیا اِس تحریری مباحثہ میں کسی فریق کی کسر شان ہے؟

میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس جلسہ میں خاک کی طرح متواضع ہو کر حاضر ہو جاؤں گا اور اگر کوئی ایسی سخت دُشنامی بھی کرے جو انتہا تک پہنچ گئی ہو تو میں اس پر بھی صبر کروں گا اور سراسر تہذیب اور نرمی سے تحریر کروں گا۔خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔

اگر آپ مجھے اب بھی اجازت دیں تو میں اشتہارات سے اس جلسہ کیلئے عام طور پر خبر کر دوں۔

اب میری دانست میں خفیہ طور پر آپ کا مجھ سے ذکر کرنا مناسب نہیں ۔ جب آپ بہرحال اشاعت پر مستعد ہیں تو محض للہ اس طریق کو منظور کریں ۔ وماا قول الا باللّٰہ. والسلام علی من اتبع الھدٰی

خاکسار

غلام احمد

۱۴؍مارچ ۱۸۹۱ء

ازلودھیانہ محلّہ اقبال گنج

مکتوب نمبر ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

از عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللّٰہ و ایّد

بخدمت اخویم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تار جس میں یہ لکھا تھا کہ تمہارے وکیل بھاگ گئے ان کو لوٹاؤ یا آپ آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے، پہنچا۔ اے عزیز! شکست اور فتح خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہتا ہے فتح مند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ واقعی طور پر فتح مند کون ہونے والا ہے اور شکست کھانے والا کون ہے؟ جو آسمان پر قرار پا گیا ہے وہی زمین پر ہوگا گو دیر سے سہی لیکن اس عاجز کو تعجب ہے کہ آپ نے کیونکر یہ گمان کر لیا کہ حبی فی اللہ مولوی حکیم نورالدین صاحب آپ سے بھاگ کر چلے آئے۔ آپ نے ان کو کب بلایا تھا کہ تا وہ آپ سے اجازت مانگ کر آتے۔ اصل بات تو اس قدر تھی کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ مولوی عبدالرحمٰن اس جگہ آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کو دو تین روز کے لئے ٹھہرا لیا ہے تا ان کے روبُرو ہم بعض شبہات اپنے آپ سے دور کرالیں اور یہ بھی لکھا کہ ہم اس مجلس میں مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلالیں گے۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف حافظ صاحب کے اصرار کی وجہ سے لاہور میں پہنچے اور منشی امیرالدین صاحب کے مکان پر اُترے اور اس تقریب پر حافظ صاحب نے اپنی طرف سے آپ کو بھی بلالیا۔ تب مولوی عبدالرحمٰن صاحب تو عین تذکرہ میں اُٹھ کر چلے گئے اور

جن صاحبوں نے آپ کو بلایا تھا انہوں نے مولوی صاحب کے آگے بیان کیا کہ ہمیں مولوی محمد حسین صاحب کا طریق بحث پسند نہیں آیا۔ یہ سلسلہ تو دو برس تک بھی ختم نہیں ہوگا۔ آپ خود ہمارے سوالات کا جواب دیجئے۔ ہم مولوی محمد حسین صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ تب جو کچھ ان لوگوں نے پوچھا مولوی صاحب موصوف نے بخوبی ان کی تسلی کر دی۔ یہاں تک کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حافظ محمد یوسف صاحب نے بانشراحِ صدر آواز بلند سے کہا کہ اے حاضرین! میری تو مِن کل الوجوہ تسلی ہوگئی اور میرے دل میں نہ کوئی شبہ اور نہ کوئی اعتراض باقی ہے۔ پھر بعد اس کے یہی تقریر منشی عبدالحق صاحب و منشی الٰہی بخش صاحب و منشی امیر دین صاحب اور مرزا امان اللہ صاحب نے کی اور بہت خوش ہو کر اُن سب نے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور تہ دل سے قائل ہوگئے کہ اب کوئی شک باقی نہیں اور مولوی صاحب کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ہم نے محض اپنی تسلی کرانے کیلئے آپ کو تکلیف دی تھی، سو ہماری بکلّی تسلی ہوگئی آپ بلا جرح تشریف لے جایئے۔ سو انہوں نے ہی بلایا اور انہوں نے ہی رخصت کیا۔ آپ کا تو درمیان قدم ہی نہ تھا پھر آپ کا یہ جوش جو تار کے فقرات سے ظاہر ہوتا ہے کس قدر بے محل ہے۔ آپ خود انصاف فرماویں جب کہ ان سب لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اب ہم مولوی محمد حسین صاحب کو بلانا نہیں چاہتے، ہماری تسلی ہوگئی اور وہی تو تھے جنہوں نے مولوی صاحب کو لدھیانہ سے بُلایا تھا تو پھر مولوی صاحب آپ سے کیوں اجازت مانگتے، کیا آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اور اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہئے جیسا کہ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں تو یہ عاجز بسر وچشم حاضر ہے مگر تقریری بحثوں میں صدہا طرح کا فتنہ ہوتا ہے، صرف تحریری بحث چاہئے اور وہ یوں ہو کہ مساوی طور پر چار ورق کاغذ پر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو بآواز بلند سنا دیں اور ایک نقل اس کی اپنے دستخط سے مجھے دے دیں۔ پھر بعد اس کے میں بھی چار ورق پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سُنا دوں۔ ان دونوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے اور فریقین میں سے کوئی ایک کلمہ تک تقریری طور پر اس بحث کے بارہ میں نہ کرے، جو کچھ ہو تحریر میں ہو اور پرچے صرف دو ہوں۔ اوّل آپ کی طرف سے ایک چوورقہ پرچہ جس میں آپ میرے مشہور کردہ دعویٰ کا قرآن کریم اور حدیث کی رو سے ردّ لکھیں اور پھر دوسرا پرچہ چوورقہ اسی تقطیع کا میری طرف سے ہو جس میں میں یہ اللہ جل شانہٗ کے فضل وتوفیق سے ردّالردّ

لکھوں اور انہیں دونوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے۔ اگر آپ کو ایسا منظور ہو تو میں لاہور میں آ سکتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ امن قائم رکھنے کیلئے انتظام کرا دوں گا۔ یہی آپ کے رسالہ کا بھی جواب ہے۔ اب اگر آپ نہ مانیں تو پھر آپ کی طرف سے گریز متصور ہوگی۔

راقم خاکسار

۱۶/اپریل ۱۸۹۱ء غلام احمد

از لدھیانہ محلّہ اقبال گنج

مکرر یہ کہ جس قدر ورق لکھنے کیلئے آپ پسند کر لیں اُسی قدر اوراق پر لکھنے کی مجھے اجازت دی جائے لیکن یہ پہلے سے جلسہ میں تصفیہ پا جانا چاہئے کہ آپ اس قدر اوراق لکھنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور آں مکرم اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ پرچے صرف دو ہوں گے۔ اوّل آپ کی طرف سے میرے ان دونوں بیانات کا ردّ ہوگا جو میں نے لکھا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں اور نیز یہ کہ حضرت مسیح ابن مریم درحقیقت وفات پا گئے ہیں۔ پھر اس ردّ کے ردّ الردّ کے لئے میری طرف سے تحریر ہوگی۔ غرض پہلے آپ کا یہ حق ہوگا کہ جو کچھ ان دعاوی کے بطلان کے لئے آپ کے پاس ذخیرۂ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ موجود ہے وہ آپ پیش کریں پھر جس طرح خدا تعالیٰ چاہے گا یہ عاجز اس کا جواب دے گا۔ اور بغیر اس طریق کے جس کی انصاف پر بنا اور نیز امن رہنے کیلئے احسن انتظام ہے اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر ہماری طرف سے یہ آخری تحریر تصوّر فرماویں اور خود بھی خط لکھنے کی تکلیف روا نہ رکھیں اور بحالت انکار ہرگز کوئی تحریر یا کوئی خط میری طرف نہ لکھیں۔ اگر پورے اور کامل طور پر بلاکم وبیش میری رائے ہی منظور ہو تو صرف اس حالت میں جواب تحریر فرماویں، ورنہ نہیں۔

آج بھوپال سے ایک کارڈ مرقومہ ۹/اپریل ۱۸۹۱ء اخویم مولوی محمد احسن صاحب مہتمم مصارف ریاست پڑھ کر آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور مہذبانہ تحریر کا نمونہ معلوم ہو گیا۔ آپ اپنے کارڈ میں فرماتے ہیں کہ میں نے مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ جدید کی اپنے ریویو میں تصدیق نہیں کی بلکہ اس کی تکذیب خود براہین میں موجود ہے۔ آپ بلا رؤیت مرزا پر ایمان لے آئے۔ آپ ذرا ایک دفعہ آ کر اس کو دیکھ تو لیں۔ تَسْمَعُ بِالْمُعِیْدِیْ خَیْرٌ مِنْ أَنْ تَرَاہُ ۔ اشاعت السنۃ میں اب

ثابت ہوتا رہے گا کہ یہ شخص ملہم نہیں ہے فقط۔ حضرت مولوی صاحب۔ من آنم کہ من دانم، آپ جہاں تک ممکن ہے ایسے الفاظ استعمال کیجئے۔ میں کہتا ہوں اور میری شان کیا، بے شک آپ جو چاہیں لکھیں اور اس وعدہ تہذیب کی پرواہ نہ رکھیں جس کو آپ چھاپ چکے ہیں۔ ربی یسمع ویریٰ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ خاکسار غلام احمد

آج ۱۶/اپریل ۱۸۹۱ء کو آپ کی خدمت میں خط بھیجا گیا ہے اور ۲۰/اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کے جواب کے انتظار (میں) رہیں گے۔ اگر ۲۰/اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کا جواب نہ پہنچا تو یہی خط آپ کے رسالہ کے جواب میں کسی اخبار وغیرہ میں شائع کر دیا جاوے گا۔ فقط۔ مرزا غلام احمد۔ بقلم خود

۱۶/اپریل ۱۸۹۱ء

مکتوب نمبر ۱۳

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ وَ نصلّی علی رسولہ الکریم

الحمدللّٰہِ والسَّلام عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

از عاجز عائذ باللہ الصمد مرزا غلام احمد عافاہ اللہ وایدہ۔

بخدمت اخویم مکرم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ باعث تعجب ہوا۔ آپ نہ تو اظہارِ حق کی غرض سے بحث کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس جوشِ بے اصل سے باز رہ سکتے ہیں۔ عزیز من رحمکم اللہ! یہ عاجز آپ کو کوئی الزام دینا نہیں چاہتا مگر آپ ہی کا قول وفعل آپ کو الزام دے رہا ہے۔ آپ کا آدھی رات کو تار پہنچا کہ ابھی آ ؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ کس قدر آپ کی اس تار پود سے مخالف ہے جو آپ اب پھیلا رہے ہیں۔ افسوس کہ آپ نے بحث کرنے کے لئے بذریعہ تار بلایا پھر آپ گریز کر گئے اور اب آپ کا خط ''مشت بعد از جنگ'' کا نمونہ ہے۔ فضول باتوں کو پیش کر کے اور بھی تعجب میں ڈالتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں آپ کے اقوال کا جواب دیتا ہوں۔

قولہ: دو باتیں جن سے آپ کو ڈھیل دیتا ہوں لکھتا ہوں۔

اقول: حضرت! یہ تو آپ حیلہ حوالہ سے اپنے تئیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ مجھے ڈھیل دیں۔ آپ کی آدھی رات کو تار آئی۔ میں تیار ہو گیا۔ آپ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کیلئے خرچ دے کر بلاتوقف اپنا آدمی روانہ کیا۔ بحث منظور کر لی، سب انتظام مجلس اپنے ذمہ لے لیا مگر آپ ہماری تیاری کا نام سنتے ہی کنارہ کش ہو گئے۔ اب سوچیں کہ کیا میں نے بحث کو ڈھیل میں ڈال دیا یا آپ نے؟ اگر میں آپ ہی لاہور میں پہنچتا تو کس قدر تکلیف ہوتی۔ آپ کی اس حرکت نے نہ صرف آپ کو شرمندہ کیا بلکہ آپ کی تمام عقلمند پارٹی کو خجالت کا حصہ دیا۔ اس کنارہ کشی کا آپ پر بڑا بار ہے کہ جو بودے عذروں سے دُور نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ناگوار طریقہ سے مقابل پر آنے کی دھمکی تو دی مگر آخر آپ ہی نہ ٹھہر سکے۔ کیا اس دعویٰ کے ساتھ جو آپ کو ہے، یہ گریز آپ کی علمی وجاہت پر دھبہ نہیں لگاتے؟

قولہ: اگر آپ عین مباحثہ کے جلسہ میں اصول کی تمہید وتسلیم سے ڈریں تو میں اُن اصول کو آپ کے پاس وہاں بھیج دیتا ہوں تا آپ کو آپ کے سمجھنے کیلئے کافی مہلت مل جائے۔ ناگہانی ابتلا سے بچ جائیں اور وہ حال نہ ہو جو آپ کے حواری کا ہوا۔

اقول: حضرت آپ کو خود مناسب ہے کہ آپ ان اصولوں سے ڈریں۔ کوئی عقلمند ان بیہودہ باتوں سے ڈر نہیں سکتا اور میں تو آپ کے ان اصولوں کو محض لغو سمجھتا ہوں اور ایسے لغویات کی طرف سے مجھے یہ آیت روکتی ہے جو اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ**[1] اور نیز یہ حدیثِ نبوی کہ **مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ**[2]

یہ بات ظاہر ہے کہ جو بات ضرورت سے خارج ہے وہ لغو ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس بحث کے لئے شرعی طور پر آپ کو کس بات کی ضرورت ہے۔ سو ادنیٰ تأمل سے ظاہر ہوگا کہ آپ صرف اس بات کے مستحق ہیں کہ مجھ سے تشخیص دعویٰ کرا دیں۔ سو میں نے بذریعہ **فتح اسلام** و **توضیح مرام** اور نیز بذریعہ اس حصہ **ازالہ اوہام** کے جو قول فصیح میں شائع ہو چکا ہے، اچھی طرح اپنا دعویٰ بیان کیا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ اور کوئی میرا دعویٰ نہیں جو آپ پر مخفی ہو اور وہ دعویٰ یہی ہے کہ **میں الہام کی بنا پر مثیل مسیح ہونے کا مدعی ہوں** اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت مسیح ابن مریم

[1] المؤمنون: ۴ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ حدیث نمبر ۳۹۷۶

درحقیقت فوت ہو گئے ہیں۔سو اس عاجز کا مثیل مسیح ہونا تو آپ اشاعۃ السنۃ میں امکانی طور پر مان چکے ہیں اور میں اس سے زیادہ آپ سے تسلیم بھی نہیں کراتا۔ **اگر میں حق پر ہوں تو خود اللہ جلّ شانہٗ میری مدد کرے گا اور اپنے زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کر دے گا۔**

رہا ابن مریم کا فوت ہونا، سو فوت ہونے کے دلائل لکھنا میرے پر کچھ فرض نہیں کیونکہ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مخالف ہو بلکہ مسلسل طور پر ابتدائے حضرت آدم سے یہی طریق جاری ہے۔ جو پیدا ہوا وہ آخر ایک دن جوانی کی حالت میں یا بڈھا ہو کر مرے گا۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتے ہیں۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــًٔا[1] پس جب کہ میرے پر یہ فرض ہی نہیں کہ میں مسیح کے فوت ہونے کے دلائل لکھوں، اور ان کا فوت ہونا تو میں بیان ہی کر چکا تو اب اگر میں آپ سے پہلے لکھوں تو فرمایئے کیا لکھوں؟ یہ تو آپ کا حق ہے کہ میرے بیان کے ابطال کیلئے پہلے آپ قلم اُٹھائیں اور آیات اور احادیث سے ثابت کر دکھائیں کہ سارا جہان تو اس دنیا سے رخصت ہوتا گیا اور ہمارے نبی کریمؐ بھی وفات پا گئے مگر مسیح وفات پانے سے اب تک باقی رہا ہوا ہے۔ کسی مناظر کو پوچھ کر دیکھ لیں کہ دَابِ مناظرہ کیا ہے؟

اب یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی دوسری سب بحثیں مسیح کے زندہ مع الجسد اُٹھائے جانے کی فرع ہیں۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں گے کہ مسیح زندہ بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اُٹھایا گیا تو پھر آپ نے سب کچھ ثابت کر دیا۔ غرض پہلے تحریر کرنا آپ کا حق ہے۔ اگر اب بھی آپ مانتے نہیں تو چند غیر قوموں کے آدمیوں کو منصف مقرر کر کے دیکھ لو۔

اور اخویم حکیم مولوی نورالدین صاحب کب آپ کے بلائے لاہور میں گئے تھے۔ جنہوں نے بلایا انہوں نے مولوی صاحب موصوف سے اپنی پوری تسلی کرالی اور آپ کے ان لغو اصولوں سے بیزاری ظاہر کی تو پھر اگر مولوی صاحب آپ سے اعراض نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ اعراض کا نام آپ نے فرار رکھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے دست بدست آپ کو دکھا دیا کہ فرار کس سے ظہور میں آیا۔ یہ مولوی صاحب کی راستبازی کی کرامت ہے جس نے آپ پر یہ مصرعہ سچا کر دیا۔

---

[1] الحج: ٦

ع مرا خواندی و خود بدام آمدی

قولہ: اگر آپ میری اس شرط کو قبول نہ کریں اور مباحثہ سے پہلے ازالہ اوہام بھیج نہ سکیں تو میں اس شرط کی تسلیم سے آپ کو بری کرتا ہوں بشرطیکہ پہلی تحریرات آپ کی ہوں اور بعد میں میری۔

اقول: حضرت آپ ازالہ اوہام کے اکثر اوراق دیکھ چکے۔اب مجھے کس شرط سے بری کرتے ہو۔اور میں ابھی ثابت کر چکا ہوں کہ پہلے تحریر کرنا آپ کا ذمہ ہے۔اب دیکھئے یہ آپ کا آخری ہتھیار بھی خطا گیا۔عنقریب یہ آپ کا خط بھی بذریعہ اخبارات پبلک کے سامنے پیش کیا جاوے گا تا لوگ دیکھ لیں کہ آپ کی تحریرات میں کہاں تک راستی اور حق پسندی اور حق طلبی ہے۔

بالآخر ایک مثال بھی سنیئے ۔زید ایک مفقود الخبر ہے۔جس کے گم ہونے پر مثلاً دوسَو برس گذر گیا۔خالد اور ولید کا اس کی حیات اور موت کی نسبت تنازع ہے اور خالد کو ایک خبر دینے والے نے خبر دی کہ درحقیقت زید فوت ہو گیا لیکن ولید اُس خبر کا منکر ہے۔اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بارِثبوت کس کے ذمہ ہے؟ کیا خالد کو موافق اپنے دعویٰ کے زید کا مرجانا ثابت کرنا چاہئے یا ولید زید کا اس مدت تک زندہ رہنا ثابت کرے؟ کیا فتویٰ ہے؟

راقم خاکسار

۲۰/اپریل ۱۸۹۱ء غلام احمد

ازلودھیانہ اقبال گنج

نوٹ: اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جس پر بارِثبوت ہے اس کی طرف سے ثبوت دینے کیلئے پہلے تحریر چاہئے۔

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مجبی اخویم مولوی صاحب سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کو کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ جس کا جواب لکھا جائے۔ اس عاجز کے دعویٰ کی بناء الہام پر تھی مگر آپ ثابت کرتے کہ قرآن اور حدیث اس دعویٰ کے مخالف ہے اور پھر یہ عاجز آپ کے ان دلائل کو اپنی تحریر سے توڑ نہ سکتا تو آپ تمام حاضرین کے نزدیک سچے ہو جاتے اور بقول آپ کے میں اس الہام سے توبہ کرتا۔ لیکن خدا جانے آپ کو کیا فکر تھی جو آپ نے اس راہ راست کو منظور نہ کیا۔ خیر اب ازالہ اوہام کا ردّ لکھنا شروع کیجئے۔ لوگ خود دیکھ لیں گے۔

والسلام
خاکسار
غلام احمد عفی عنہ

نوٹ از مرتب: اس کارڈ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلہ میں خط وکتابت کو گونہ بند کر دیا تھا۔ اس لئے کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل مطلب کی طرف آتے نہ تھے۔ آپ نے اتمامِ حجت کیلئے اشتہار ۳رمئی ۱۸۹۱ء میں علماء لودہانہ کو خطاب کیا اور اس میں مولوی محمد حسن صاحب کو بھی مخاطب فرمایا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے مولوی محمد حسن صاحب کو آڑ بنا کر پھر خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تہہ میں مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ اور قلم تھا۔ اس لئے جو خطوط اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھے انہیں بھی درج سلسلہ کر دیتا ہوں۔ (مرتب)

☆☆☆

مکتوب نمبر۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی ومکرمی مولوی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ عاجز بسر وچشم تحریری گفتگو کے لئے موجود ہے۔ **اصول پیش کرنے کو بھی میں مانتا ہوں۔** چند سوال آپ کی طرف سے، چند سوال میری طرف سے ہوں اور امر مبحوث عنہ وفات یا حیات مسیح ہوگا۔ کیونکہ اس عاجز کا دعویٰ اسی بناء پر ہے۔ جب بناء ٹوٹ جاوے گی تو یہ دعویٰ خود ٹوٹ جاوے گا۔ اصل امر وہی ہے۔

اس وقت بارہ بجے [1] تک مجھے بباعث بعض نج کے کاموں کے بالکل فرصت نہیں۔ بہتر ہے کہ آں مکرم عید کے بعد یعنی شنبہ کے دن کو بحث کے لئے مقرر کریں تا فرصت اور فراغت سے ہریک شخص حاضر ہو سکے۔

خاکسار

۹؍مئی ۱۸۹۱ء غلام احمد

☆......☆......☆

[1] غالباً سہو کاتب ہے۔ صحیح ۱۲؍مئی تک معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (سید عبد الحی)

مکتوب نمبر۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصلی امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ الہام یہ ہے کہ **"مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے"**[1] سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اب ظاہر ہے اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کا زندہ ہونا ثابت کر دیں گے تو جیسا کہ پہلا فقرہ الہام کا اس سے باطل ہوگا ایسا ہی دوسرا فقرہ بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ خداتعالیٰ نے میرے دعویٰ کی شرطِ صحت مسیح کا فوت ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور بحکم **اِذَا فَاتَ الشَّرۡطُ فَاتَ الۡمَشۡرُوۡطُ** مسیح کی زندگی کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ میرا خود ہی ٹوٹ جائے گا۔ ماسوا اس کے میرے دعویٰ مثیل مسیح میں کسی پر جبر واکراہ تو نہیں کہ خواہ مخواہ اس کو قبول کرو۔ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ جس پر مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو جائے پھر وہ خداتعالیٰ سے ڈر کر میری صحبت میں رہ کر میرے دعویٰ کی آزمائش کرے۔ اب ظاہر ہے کہ پھر وفات وحیات پر قرعہ پڑا۔ بہرحال یہی امر حقیقی اور طبعی طور پر مبحوث عنہ اور متنازعہ فیہ ٹھہرتا ہے۔ ماسوا اس کے آپ کی غرض دوسری بحث سے، جو آپ کے دل میں ہے وہ اس بحث میں بھی بخوبی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں **کہ اگر آپ مسیح کا زندہ ہونا کلامِ الٰہی سے ثابت کر دیں گے تو میں اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جاؤں گا اور الہام کو شیطانی القا سمجھ لوں گا اور توبہ کروں گا۔** اب حضرت! اس سے زیادہ کیا کہوں۔ خداتعالیٰ آپ کے دل کو آپ سمجھاوے۔ مکرر یہ کہ اوّل قرآن کریم کی رو سے دیکھا جائے گا کہ کس کس آیت کو آپ حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور اگر بغیر کسی جرح قدح کے وہ ثبوت آپ

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۴۸

کا مسلّم ٹھہرے گا تو بھلا پھر کس کی مجال ہے کہ اس سے انکار کر جائے۔لیکن اگر قرآن شریف سے آپ ثابت نہ کریں گےتو پھر آپ کو اختیار رہوگا کہ بعد تحریری اقرار اس بات کے کہ قرآنی ثبوت پیش کرنے سے ہم عاجز ہیں اور احادیثِ صحیحہ غیر متعارضہ کو اس ثبوت کیلئے آپ پیش کریں اور جب آپ ایسا ثبوت دے چکیں گےتو منصفین ترازوے انصاف لے کر خود جانچ لیں گے کہ کس طرف پلہ ثبوت بھاری ہے۔

والسلام علٰی من اتبع الھدٰی

۹؍مئی ۱۸۹۱ء راقم میرزا غلام احمد

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی مکرمی اخویم حضرت مولوی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عاجز کی گذارش یہ ہے کہ اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص ملحد اور دین سے خارج اور کذّاب اور دجّال ہے۔ میں نے اوّل نرمی سے یہ عرض کیا تھا کہ میرا مسیح ہونے کا دعویٰ مبنی بر الہام ہے اور جو امور محض الہام پر مبنی ہوں وہ زیر بحث نہیں آسکتے بلکہ خدا تعالیٰ رفتہ رفتہ ان کی سچائی آپ ظاہر کرتا ہے۔ ہاں! مسیح کی وفات یا حیات کا مسئلہ گو میرے الہام کا اصل الاصول ہے مگر بباعث ایک شرعی امر ہونے کے زیرِ بحث آسکتا ہے اور اگر مسیح کی زندگی ثابت ہو جائے۔تو میرا دعویٰ مؤخر الذکر خود ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ عرض میری منظور نہیں کی گئی اور اصل حقیقت کو محرف کر کے منشی سعد اللہ صاحب نے جو چاہا چھپوا دیا اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کی اور میرے پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ لیلۃ القدر سے منکر ہیں اور اس کے خلافِ اجماع معنی کرتے ہیں۔اور یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ ملائکہ کے وجود سے منکر ہیں اور ملائکہ کو صرف قوتیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سارے الزام محض بہتان ہیں۔ یہ عاجز اسی

طرح ان سب باتوں پر ایمان رکھتا ہے **جو قال اللہ و قال الرسول سے ثابت ہیں اور سلف صالحین کا گروہ ان کو مانتا ہے۔** سو اس وقت مجھے خیال ہے کہ میرا ہر حال میں خدا ناصر ہے۔ مجھے ہر طرح سے اتمامِ حجت کرنا چاہیئے۔ لہٰذا مکلّف ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب کی یہ درخواست بھی منظور کی کہ مَسیح موعود میں بحث کی جائے مگر بحث تحریری ہوگی اور تحریر میں کسی دوسرے کا ہرگز دخل نہیں ہوگا کیونکہ اب میں ایک مہجور کی طرح آدمی ہوں۔ میرے ہاتھوں کی طرح کسی دوسرے کے ہاتھ یہ کام نہیں کریں گے۔ مولوی محمد حسین صاحب بھی اپنے ہاتھ سے لکھیں اور میں اپنے ہاتھ سے لکھوں گا۔ درمیانی شرائط کا تصفیہ بحث سے ایک دن پہلے ہو جائے لیکن دس روز پہلے مجھے خبر ملنی چاہیئے تا لوگ جو شکوک وشبہات میں غرق ہو گئے ہیں ان کو بذریعہ خطوط و اشتہارات میں بلا لوں اور تا اس بحث سے ایک عام نفع مترتب ہو اور ہر روز کا جھگڑا طے ہو جائے۔ آپ پر یہ فرض ہے کہ آپ براہِ مہربانی آج محمد حسین صاحب کو اطلاع دے دیں اور بحث سے دس دن پہلے مجھے بھی مطلع فرماویں۔ والسلام

۲۷؍مئی ۱۸۹۱ء خاکسار

غلام احمد

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مخدومی مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔شرائط مندرجہ ذیل ہونی چاہئیں۔

(۱) جلسہ بحث آپ کے مکان پر ہو اور امن قائم رکھنے کیلئے تمام انتظامات آپ کے ذمہ ہوگا۔ یہ بات قریب یقین کے ہے کہ چھ سات ہزار آدمی تک اس جلسہ میں جمع ہو جاویں گے۔ ایسا مکان تجویز کرنا آپ کے ہی ذمہ ہوگا۔ میرے نزدیک یہ بات نہایت ضروری ہوگی کہ کوئی یورپین افسر اس جلسے میں ضرور تشریف رکھتے ہوں کیونکہ اس طرف چند آدمی اور دوسری طرف صدہا آدمی ہونگے اور اکثر بدزبان اور مکفر ہونگے۔ بغیر حاضری کسی یورپین کے ہرگز انتظام نہیں ہوسکتا لیکن اگر آپ کے نزدیک یورپین افسر کی ضرورت نہیں تو اوّل مجھے اپنی دستخطی تحریر سے مطلع فرما دیجئے کہ میں کامل انتظام گروہ مفسد خیال لوگوں کا کرلونگا اور ان کا منہ بند رہے گا اور کسی یورپین افسر کی کچھ ضرورت نہیں ہوگی۔ اس صورت میں میں یہ شرط بھی چھوڑ دونگا پھر اس تحریر کے بعد ہر ایک نتیجہ کے آپ ہی ذمہ وار ہوں گے۔

(۲) بحث تحریری ہر ایک فریق اپنے ہاتھ سے لکھے اور جو لکھنے سے عاجز ہو وہ اوّل یہ عذر ظاہر کر کے کہ میں لکھنے سے عاجز ہوں، دوسرے سے لکھا دیوے۔ کیونکہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا اوّل درجے پر سند کے لائق ہوتا اور دوسروں کی تحریریں اگرچہ تصدیق کی جائیں مگر پھر بھی اس درجے پر نہیں پہنچتیں کیونکہ ان میں تحریف کاتب کا عذر ہوسکتا ہے۔

(۳) پرچے پانچ ہونے چاہئیں جو صاحب اوّل لکھے ایک پرچہ زائد ان کا حق ہے اور مولوی محمد حسین صاحب کو اختیار رہوگا۔ چاہیں وہ پہلا پرچہ لکھنا منظور کرلیں یا اس عاجز کا لکھنا منظور رکھیں۔ جس طرح پسند کریں مجھے منظور ہے۔

(۴) ہر ایک پرچہ فریقین کی، ایک ایک نقل بعد دستخط صاحب راقم فریق ثانی کو اسی وقت بلاتوقف

دی جاوے اور پھر جلسہ عام میں وہ پرچہ بآواز بلند سنا دیا جاوے۔

(۵) ۞ اس بحث میں تقریراً یا تحریراً کسی تیسرے آدمی کا ہرگز دخل نہ ہو۔ نہ تصریحاً نہ اشارتاً نہ کنایۃً اور جلسہ بحث میں کسی کتاب سے مدد نہ لی جائے بلکہ جو کچھ فریقین کو زبانی یاد ہے وہی لکھا جاوے تا تکلف اور تصنع کو اس میں دخل نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی فریق یہ ظاہر کرے کہ میں بغیر کتابوں کے کچھ لکھ نہیں سکتا تو پہلے یہ تحریری اقرار اپنی عجز بیانی کا دے کر پھر اسے کتاب سے مدد لینے کا اختیار ہوگا۔

(۶) اگر کوئی فریق بعض امور تمہیدی قبل از اصل بحث پیش کرنا چاہے تو فریق ثانی کو بھی اختیار ہوگا کہ ایسے ہی اُمور تمہیدی وہ بھی پیش کرے مگر دونوں کی طرف سے یہ تمہیدی اُمور ایک ایک پرچہ تحریری طور پر پیش ہونگے۔ ایسے پرچہ کی نسبت فریقین کو اختیار ہوگا۔ کہ جو پہلے لکھ رکھا وہی پیش کر دے لیکن دوسری تمام تحریر رُوبرو جلسہ کے ہوگی۔ کوئی تحریر اپنے گھر سے لکھی ہوئی پیش نہیں کی جائے گی۔

(۷) بحث صبح کے چھ بجے سے دن کے گیارہ بجے تک ہوگی اور اگر ایک جلسہ کافی نہ ہوگا تو پھر دوسرے جلسے میں اور اگر دوسرا بھی کافی نہ ہو تو تیسرے دن تک ہو سکتی ہے۔

(۸) پرچوں کی تحریر کا وقت مساوی ہونا چاہیے۔

(۹) بحث کے دن سے پہلے دس روز ہمیں اطلاع ہونی چاہیے کیونکہ اس بحث کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آنے والے ہیں۔

(۱۰) بحث جلسہ عام میں ہوگی اور یہ عاجز اپنے دوستوں کو اطلاع دینے کے لئے ایک اشتہار چھاپ کر شائع کرے گا اور فریق ثانی کا اختیار ہوگا چاہے وہ بھی اشتہار شائع کرے یا نہ کرے۔

(۱۱) حاضرین کی منصفی کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ دونوں فریق کی تحریریں اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ سے پبلک کے سامنے رکھی جائیں گی۔ تب لوگ عام طور پر خود انصاف کرلیں گے۔ راقم ☆

مرزا غلام احمد عفی عنہ
ازلودھیانہ محلّہ اقبال گنج

۶ / جون ۱۸۹۱ء

☆ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۳ صفحہ ۹۶

مکتوب نمبر ۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

بخدمت شیخ محمد حسین صاحب ابو سعید بٹالوی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی [1]۔ اما بعد۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کے فتویٰ تکفیر کی وجہ سے جس کا یقینی نتیجہ احد الفریقین کا کافر ہونا ہے، اس خط میں سلام مسنون یعنی السلام علیکم سے ابتدا نہیں کر سکا لیکن چونکہ آپ کی نسبت ایک مُنذِر الہام مجھ کو ہوا اور چند مسلمان بھائیوں نے بھی مجھ کو آپ کی نسبت ایسی خوابیں سنائیں جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے بہت ڈر گیا۔ تب بوجہ آپ کے ان حقوق کے جو بنی نوع کو اپنے نوع انسان سے ہوتے ہیں اور نیز بوجہ آپ کی ہم وطنی اور قرب و جوار کے میرا رحم آپ کی اس حالت پر بہت جنبش میں آیا اور میں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی حالت پر نہایت رحم ہے اور ڈرتا ہوں کہ آپ کو وہ امور پیش نہ آ جائیں جو ہمیشہ صادقوں کے مکذّبوں کو پیش آتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے میں آج رات کو سوچتا سوچتا ایک گردابِ تفکر میں پڑ گیا کہ آپ کی ہمدردی کے لئے کیا کروں۔ آخر مجھے دل کے فتویٰ نے یہی صلاح دی کہ پھر دعوت الی الحق کے لئے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھوں۔ کیا تعجب کہ اسی تقریب سے خدا تعالیٰ آپ پر فضل کر دیوے اور اس خطرناک حالت سے نجات بخشے۔ سو عزیز من! آپ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نومید نہ ہوں، وہ بڑا قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرہ میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی لیکن اللہ جل شانہٗ کی توفیق سے میں سچ کیلئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا۔ اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کیلئے میں نے بڑے بڑے نقصان اُٹھائے۔ اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے

---

[1] النّمل: ٦٠

والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گذر گئی ہے۔ مگر کون ثابت کرسکتا ہے کہ کبھی میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتدا سے متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔

اور اگر آپ کو یہ خیال گذرے کہ یہ دعویٰ کتاب اللہ اور سنت کے برخلاف ہے تو اس کے جواب میں بادب عرض کرتا ہوں کہ یہ خیال محض کم فہمی کی وجہ سے آپ کے دل میں ہے۔ اگر آپ مولویانہ جنگ و جدال کو ترک کر کے چند روز طالبِ حق بن کر میرے پاس رہیں تو امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کی غلطیاں نکال دے گا اور مطمئن کر دے گا۔ اور اگر آپ کو اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخری علاج فیصلہ آسمانی ہے۔ مجھے اجمالی طور پر آپ کی نسبت کچھ معلوم ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں چند روز توجہ کر کے اور تفصیل پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع پا کر چند اخباروں میں شائع کردوں۔

اس کے شائع کرنے کیلئے آپ کی خاص تحریر سے مجھ کو اجازت ہونی چاہئے۔ میں اس خط کو محض آپ پر رحم کر کے لکھتا ہوں اور بہ ثبت شہادت ☆ چندکس آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور آخر دعا پر ختم کرتا ہوں۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ[1] آمین

الراقم۔ خاکسار۔ غلام احمد۔ از قادیان۔ ضلع گورداسپورہ ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۲ء

---

[1] الاعراف: ۹۰

☆ گواہان حاشیہ: (۱) خدا بخش اتالیق نواب صاحب (۲) عبدالکریم سیالکوٹی (۳) قاضی ضیاء الدین ساکن کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ (۴) مولوی نورالدین (۵) محمد احسن امروہی (۶) شادی خان ملازم سرراجہ امر سنگھ صاحب بہادر (۷) ظفر احمد کپورتھلی (۸) عبداللہ سنوری (۹) عبدالعزیز دہلوی (۱۰) علی گوہر جالندھری (۱۱) فضل الدین حکیم بھیروی (۱۲) حافظ محمد صاحب پشاوری (۱۳) حکیم محمد اشرف علی ہاشمی خطیب بٹالہ (۱۴) عبدالرحمٰن برادر زادہ مولوی نور الدین (۱۵) محمد اکبر ساکن بٹالہ (۱۶) قطب الدین ساکن بدوملی۔

مکتوب نمبر۲۰

اس عاجز کے خط مندرجہ بالا کے جواب میں جو شیخ بٹالوی صاحب کا خط آیا وہ ذیل میں مع جواب الجواب درج کیا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ جواب الجواب اس طرف سے بٹالوی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے۔ اس میں ان کے تمام ہذیانات و بہتانات کا جواب نہیں ہے جو ان کے خط میں درج ہیں اور ممکن ہے کہ ان کا خط پڑھنے والے ان افتراؤں سے بے خبر ہوں جو اس خط میں دھوکہ دینے کی غرض سے درج ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس خط کی تحریر سے پہلے شیخ صاحب کے بعض افتراؤں اور لافوں اور بہتانوں کا جواب دیں۔ سو بطور قولہ واقول، ذیل میں جواب درج کیا جاتا ہے۔

قولہ: میں قرآن اور پہلی کتابوں اور دین اسلام اور پہلے دینوں کو اور نبی آخر الزمان اور پہلے نبیوں کو سچا جانتا ہوں اور مانتا ہوں اور اس کا لازمہ اور شرط ہے کہ آپ کو جھوٹا جانوں۔

اقول: شیخ صاحب! اگر آپ قرآن کو سچا جانتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی صادق مانتے تو مجھ کو کافر نہ ٹھہراتے۔ کیا قرآن کریم اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ماننے کے یہی معنی ہیں کہ جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے اور کلمہ طیّبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے اور اسلام میں نجات محدود سمجھتا اور بدل و جان اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں فدا ہے۔ اس کو آپ کافر بلکہ اَکفرَ ٹھہراتے ہیں اور دائمی جہنم اس کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ اُس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس کو دجّال کہتے ہیں اور اس کو قتل کرنا اور اسکے مال کو بطور سرقہ لینا سب جائز قرار دیتے ہیں۔ رہے وہ کلمات اس عاجز کے جن کو آپ کلماتِ کفر ٹھہراتے ہیں اُن کا جواب اس رسالہ میں موجود ہے ہر ایک منصف خود پڑھ لے گا اور آپ کی دیانت اور آپ کا فہمِ قرآن اور فہمِ حدیث اُس سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہے۔ علیٰحدہ لکھنے کی حاجت نہیں۔

قولہ: عقائد باطلہ مخالفہ دین اسلام و ادیان سابقہ کے علاوہ جھوٹ بولنا اور دھوکا دینا آپ کا ایسا وصف لازم بن گیا ہے کہ گویا وہ آپ کی سرشت کا ایک جزو ہے۔

اقول: شیخ صاحب! جو شخص متقی اور حلال زادہ ہو، اوّل تو وہ جرأت کر کے اپنے بھائی پر

بے تحقیق کامل کسی فسق اور کفر کا الزام نہیں لگاتا اور اگر لگاوے تو پھر ایسا کامل ثبوت پیش کرتا ہے کہ گویا دیکھنے والوں کے لئے دن چڑھا دیتا ہے۔ پس اگر آپ ان دونوں صفتوں مذکورہ بالا سے متصف ہیں تو آپ کو **اُس خداوند قادر ذوالجلال کی قسم ہے** جس کی قسم دینے پر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی توجہ کے ساتھ جواب دیتے تھے کہ آپ حسبِ خیال اپنے یہ دونوں قسم کا خبث اس عاجز میں ثابت کر کے دکھلاویں۔ یعنی اوّل یہ کہ میں مخالف دین اسلام اور کافر ہوں اور دوسرے یہ کہ میرا شیوہ جھوٹ بولنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی رؤیا میں صادق تر وہی ہوتا ہے جو اپنی باتوں میں صادق تر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صادق کی یہ نشانی ٹھہرائی ہے کہ اس کی خوابوں پر سچ کا غلبہ ہوتا ہے اور ابھی آپ دعویٰ کر چکے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ پس اگر آپ نے یہ بات نفاق سے نہیں کہی اور آپ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول میں سچے ہیں تو آؤ ہم اور تم اس طریق سے ایک دوسرے کو آزمالیں کہ بموجب اس محک کے کون صادق ثابت ہوتا ہے اور کس کی سرشت میں جھوٹ ہے اور ایسا ہی اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ[1] یعنی یہ مومنوں کا ایک خاصہ ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے اُن کی خوابیں سچی نکلتی ہیں اور آپ ابھی دعویٰ کر چکے ہیں کہ میں قرآن پر بھی ایمان لاتا ہوں۔ بہت خوب! آؤ قرآن کریم کی رو سے بھی آزمالیں کہ مومن ہونے کی نشانی کس میں ہے؟ یہ دونوں آزمائشیں یوں ہوسکتی ہیں کہ بٹالہ یا لاہور یا امرتسر میں ایک مجلس مقرر کر کے فریقین کے شواہد رؤیا ان میں حاضر ہو جائیں اور پھر جو شخص ہم دونوں میں سے یقینی اور قطعی ثبوتوں کے ذریعہ سے اپنی خوابوں میں اَصدَق ثابت ہو، اس کے مخالف کا نام کذاب اور دجال اور کافر اور اَکفر اور ملعون یا جو نام تجویز ہوں اُسی وقت اس کو یہ تمغہ پہنایا جائے اور اگر آپ گزشتہ کے ثبوت سے عاجز ہوں تو میں قبول کرتا ہوں بلکہ چھ ماہ تک آپ کو رخصت دیتا ہوں کہ آپ چند اخباروں میں اپنی ایسی خوابیں درج کرادیں جو امور غیبیہ پر مشتمل ہوں اور میں نہ صرف اسی پر کفایت کروں گا کہ گذشتہ کا آپ کو ثبوت دوں بلکہ آپ کے مقابل پر بھی انشاء اللہ القدیر اپنی خوابیں

---

[1] یونس: ۶۵

درج کراؤں گا۔ اور جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ یہی **میرا دعویٰ ہے کہ میں بدل و جان اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس پیاری کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہوں**۔ اب اس نشانی سے آزمایا جائے گا کہ اپنے دعویٰ میں سچا کون ہے۔ اور جھوٹا کون ہے۔ اگر میں اُس علامت کی رو سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم نے قرار دی ہے، مغلوب رہا تو پھر آپ سچے رہیں گے اور میں بقول آپ کے کافر، دجال، بے ایمان، شیطان اور کذاب اور مفتری ٹھہروں گا اور اس صورت میں آپ کے وہ تمام ظنونِ فاسدہ درست اور برحق ہوں گے کہ گویا میں نے ''براہین احمدیہ'' میں فریب کیا اور لوگوں کا روپیہ کھایا اور دُعا کی قبولیت کے وعدہ پر لوگوں کا مال خورد برد کیا اور حرام خوری میں زندگی بسر کی۔ اگر خدا تعالیٰ کی اس عنایت نے، جو مومنوں اور صادقوں اور راستبازوں کے شامل حال ہوتی ہے، مجھ کو سچا کر دیا تو پھر آپ فرماویں کہ یہ نام اس وقت آپ کی مولویانہ شان کے سزاوار ٹھہریں گے یا اس وقت بھی کوئی کنارہ کشی کا راہ آپ کے لئے باقی رہے گا؟ **آپ نے مجھ کو بہت دکھ دیا اور ستایا۔ میں صبر کرتا گیا مگر آپ نے ذرہ اس ذات قدیر کا خوف نہ کیا جو آپ کی تہہ سے واقف ہے**۔ اس نے مجھے بطور پیشگوئی آپ کے حق میں اور پھر آپ کے ہم خیال لوگوں کے حق میں خبر دی کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ[1] یعنی میں اس کو خوار کروں گا جو تیرے خوار کرنے کی فکر میں ہے۔

سو یقیناً سمجھو کہ اب وہ وقت نزدیک ہے جو خدا تعالیٰ ان تمام بہتانات میں آپ کا دروغگو ہونا ثابت کر دے گا اور جو بہتان تراش اور مفتری لوگوں کو ذلتیں اور ندامتیں پیش آتی ہیں اُن تمام ذلتوں کی مار آپ پر ڈالے گا۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ پس اگر آپ اس قول میں سچے ہیں تو آزمائش کے لئے **میدان** میں آویں تا خدا تعالیٰ ہمارا اور تمہارا خود فیصلہ کرے اور جو کاذب اور دجال ہے رُوسیاہ ہو جائے۔ اور میرے دل سے اس وقت **حق** کی تائید کے لئے ایک بات نکلتی ہے اور میں اس کو روک نہیں سکتا کیونکہ وہ میرے نفس سے نہیں بلکہ القاءِ رَبّی ہے جو بڑے زور سے جوش مار رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کہ آپ نے مجھے کافر ٹھہرایا اور جھوٹ بولنا میری سرشت کا خاصہ قرار دیا تو اب **آپ کو** اللہ جلّ شانہٗ کی قسم ہے کہ حسبِ طریق

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۲۷

مذکورہ بالا میرے **مقابلہ** پر فی الفور آ جاؤ، تا دیکھا جائے کہ قرآن کریم اور فرمودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے کون کاذب اور دجال اور کافر ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر اس تبلیغ کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی شخص مُتخلّف رہا اور باوجود اشدّ غُلو اور تکفیر اور تکذیب اور تفسیق کے میدان میں نہ آیا اور **شغال** کی طرح دُم دبا کر بھاگ گیا تو وہ مندرجہ ذیل انعام کا مستحق ہوگا۔

(۱)	لعنت	(۶)	لعنت
(۲)	لعنت	(۷)	لعنت
(۳)	لعنت	(۸)	لعنت
(۴)	لعنت	(۹)	لعنت
(۵)	لعنت	(۱۰)	لعنت

تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ

یہ وہ فیصلہ ہے جو خدا تعالیٰ آپ کر دے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ مومن بہر حال غالب رہے گا چنانچہ وہ خود فرماتا ہے۔ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا [۱] یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کافر مومن پر راہ پاوے اور نیز فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا [۲] یعنی اے مومنو! اگر تم متقی بن جاؤ تو تم میں اور تمہارے غیر میں خدا تعالیٰ ایک فرق رکھ دے گا۔ وہ فرق کیا ہے کہ تمہیں ایک نور عطا کیا جائے گا جو تمہارے غیر میں ہرگز نہیں پایا جائے گا۔ یعنی نورِ الہام اور نورِ اجابتِ دُعا اور نورِ کراماتِ اصطفا۔

اب ظاہر ہے کہ جس نے جھوٹ کو بھی ترک نہیں کیا وہ کیونکر خدا تعالیٰ کے آگے متقی ٹھہر سکتا ہے اور کیونکر اس (سے) کرامات صادر ہو سکتی ہیں۔ غرض اس طریق سے ہم دونوں کی حقیقت مخفی کھل جائے گی اور لوگ دیکھ لیں گے کہ کون میدان میں آتا ہے اور کون بموجب آیت کریمہ لَهُمُ الْبُشْرٰى [۳] اور حدیثِ نبوی اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا [۴] کے صادق ثابت ہوتا ہے۔ مع ہذا ایک اور بات بھی ذریعہ آزمائش صادق ہو جاتی ہے جس کو خدا تعالیٰ آپ ہی پیدا کرتا ہے اور وہ یہ

---

[۱] النساء: ۱۴۲ [۲] الانفال: ۳۰ [۳] یونس: ۶۵

[۴] مسلم کتاب الرؤیا باب فی کون الرؤیا من اللّٰہ وانھا جزء من النبوۃ حدیث نمبر ۵۹۰۵

ہے کہ کبھی انسان کسی ایسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے کہ اُس وقت بجز کذب کے اور کوئی حیلہ رہائی اور کامیابی کا اس کو نظر نہیں (آتا) تب اُس وقت وہ آزمایا جاتا ہے کہ آیا اس کی سرشت میں صدق ہے یا کذب اور آیا اس نازک وقت میں اس کی زبان پر صدق جاری ہوتا ہے یا اپنی جان اور آبرو اور مال کا اندیشہ کر کے جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ اس قسم کے نمونے بھی عاجز کو کئی دفعہ پیش آئے ہیں جن کا مفصل بیان کرنا موجبِ تطویل ہے تاہم تین نمونے اِس غرض سے پیش کرتا ہوں کہ اگر اُن کے برابر بھی کبھی آپ کو آزمائش صدق کے موقع پیش آئے ہیں تو آپ کو اللہ جلّ شانہٗ کی قسم ہے کہ آپ اُن کو معہ ثبوت اُن کے ضرور شائع کریں تا معلوم ہو کہ آپ کا صرف دعویٰ نہیں بلکہ امتحان اور بلا کے شکنجہ میں بھی آ کر آپ نے صدق نہیں توڑا۔ ازاں جملہ ایک یہ واقعہ ہے کہ میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ صاحب لاہوری نے شرکا ملکیت قادیان سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا غلام قادر پر مقدمہ دخل ملکیت کا عدالت ضلع میں دائر کرا دیا اور میں بظاہر جانتا تھا کہ اُن شرکاء کو ملکیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی جو سکھوں کے وقت میں نابود ہو چکی تھی اور میرے والد صاحب نے تنِ تنہا مقدمات کر کے اس ملکیت اور دوسرے دیہات کی بازیافت کیلئے آٹھ ہزار کے قریب خرچ وخسارہ اُٹھایا تھا جس میں وہ شرکاء ایک پیسہ کے بھی شریک نہیں تھے۔ سو اُن مقدمات کے اثناء میں جب میں نے فتح کے لئے دعا کی تو یہ الہام ہوا کہ **اُجِیْبُ کُلَّ دُعَآئِکَ اِلَّافِیْ شُرَکَآئِکَ**[1] یعنی میں تیری ہر یک دعا قبول کروں گا مگر شرکاء کے بارے میں نہیں۔ سو میں نے اس الہام کو پا کر اپنے بھائی اور تمام زن ومرد اور عزیزوں کو جمع کیا جو اُن میں سے بعض اب تک زندہ ہیں اور کھول کر کہہ دیا کہ شرکاء کے ساتھ مقدمہ مت کرو۔ یہ خلاف مرضی حق ہے۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور آخر ناکام ہوئے لیکن میری طرف سے ہزار ہا روپیہ کا نقصان اُٹھانے کیلئے استقامت ظاہر ہوئی۔ اس کے وہ سب، جواب دشمن ہیں، گواہ ہیں۔ چونکہ تمام کاروبار زمینداری میرے بھائی کے ہاتھ میں تھا اس لئے میں نے بار بار ان کو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور آخر نقصان اُٹھایا۔

ازاں جملہ ایک یہ واقعہ ہے کہ تخمیناً پندرہ یا سولہ سال کا عرصہ گذرا ہوگا یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام

[1] آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۹۷

رلیا رام تھا اور وہ وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا۔ ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دونوں طرفیں کھلی تھیں بھیجا اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کیلئے تاکید بھی تھی اس لئے وہ عیسائی مخالفت مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا اور اتفاقاً اس کو دُشمنانہ حملہ کے لئے یہ موقع ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا۔ جس کی اس عاجز کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی اور ایسے جرم کی سزا میں قوانین ڈاک کی رُو سے پانسو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اُس نے مخبر بن کر افسران ڈاک سے اس عاجز پر مقدمہ دائر کرا دیا اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی کچھ اطلاع ہو۔ رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کیلئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آ سکتی ہے۔ غرض میں اِس جرم میں صدر گورداسپورہ میں طلب کیا گیا۔ اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجز دروغگوئی کے اور کوئی راہ نہیں اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔ رلیا رام نے خود ڈال دیا ہوگا اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائے گی۔ ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر میں نے ان سب کو جواب دیا کہ میں کسی حالت میں راستی کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جو ہوگا سو ہوگا۔

تب اسی دن یا دوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ جات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے؟ تب میں نے بلاتوقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا

اور نہ اس میں کوئی نج کی بات تھی۔ اس بات کو سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ جات نے بہت شور مچایا اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو میں نہیں سمجھتا تھا مگر اس قدر سمجھتا تھا کہ ہر یک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو نو کر کے اس کی سب باتوں کو ردّ کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنی تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کے لئے رخصت۔ یہ سن کر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجالایا جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب بھی دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اُتارنے کیلئے ہاتھ مارا۔ میں نے کہا۔ کیا کرنے لگا ہے؟ تب اس نے ٹوپی کو میرے سر پر ہی رہنے دیا اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے۔[1]

ازانجملہ ایک نمونہ یہ ہے کہ میرے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو پر بدیں بنیاد نالش کی کہ اس نے ہماری زمین پر مکان بنا لیا ہے اور مسماری مکان کا دعویٰ تھا اور ترتیب مقدمہ میں ایک امر خلاف واقعہ تھا۔ جس کے ثبوت سے وہ مقدمہ ڈسمس ہونے کے لائق ٹھہرتا تھا اور مقدمہ کے ڈسمس ہونے کی حالت میں نہ صرف سلطان احمد کو بلکہ مجھ کو بھی نقصان تلف ملکیت اُٹھانا پڑتا تھا۔ تب فریقِ مخالف نے موقعہ پا کر میری گواہی لکھا دی اور میں بٹالہ میں گیا اور بابو فتح الدین سب پوسٹ ماسٹر کے مکان پر جو تحصیل بٹالہ کے پاس ہے، جا ٹھہرا اور مقدمہ ایک ہندو منصف کے پاس تھا۔ جس کا نام یاد نہیں رہا مگر ایک پاؤں سے وہ لنگڑا بھی تھا۔ اس وقت سلطان احمد کا وکیل میرے پاس آیا کہ اب وقت پیشی مقدمہ ہے۔ آپ کیا اظہار دیں گے میں نے کہا کہ وہ اظہار دوں گا جو واقعی امر اور سچ ہے۔ تب اس نے کہا کہ پھر آپ کے کچہری جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں جاتا ہوں تا مقدمہ سے دست بردار ہو جاؤں۔ سو وہ مقدمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے محض رعایت صدق کی وجہ سے آپ خراب کیا اور راست گوئی کو ابتغاءً لمرضاتِ اللّٰہِ مقدم رکھ کر مالی نقصان کو ہیچ سمجھا۔ یہ آخری دو نمونے بھی بے ثبوت نہیں۔ پچھلے واقعہ کا گواہ شیخ علی احمد وکیل گورداسپور اور سردار محمد حیات خان صاحب

---

[1] آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹

سی ایس آئی ہیں اور نیز مثل مقدمہ دفتر گورداسپورہ میں موجود ہوگی اور دوسرے واقعہ کا گواہ بابو فتح الدین اور خود وکیل جس کا اِس وقت مجھ کو نام یاد نہیں اور نیز وہ منصف جس کا ذکر کر چکا ہوں جو اَب شاید لدھیانہ میں بدل گیا ہے۔ غالباً اس مقدمہ کو سات برس کے قریب گزرا ہوگا۔ ہاں یاد آیا اس مقدمہ کا ایک گواہ نبی بخش پٹواری بٹالہ بھی ہے۔

اب اے حضرت شیخ صاحب! اگر آپ کے پاس بھی اس درجہ ابتلا کی کوئی نظیر ہو جس میں آپ کی جان اور آبرو اور مال راست گوئی کی حالت میں برباد ہوتا آپ کو دکھائی دیا ہو اور آپ نے سچ کو نہ چھوڑا ہو اور مال اور جان کی کچھ پرواہ نہ کی ہو تو لِلّٰــــہ وہ واقعہ اپنا معہ اس کے کامل ثبوت کے پیش کیجئے۔ ورنہ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اس زمانہ کے اکثر مُلّا اور مولویوں کی باتیں ہی باتیں ہیں، ورنہ ایک پیسہ پر ایمان بیچنے کو تیار ہیں کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے مولویوں کو بدترین خلائق بیان فرمایا ہے اور آپ کے مجدد صاحب نواب صدیق حسن خان مرحوم حجج الکرامہ میں تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ آخری زمانہ یہی زمانہ ہے۔ سو ایسے مولویوں کا زہد وتقویٰ بغیر ثبوت قبول کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ سو آپ نظیر پیش کریں اور اگر پیش نہ کر سکیں تو ثابت ہوگا کہ آپ کے پاس صرف راست گوئی کا دعویٰ ہے مگر کوئی دعویٰ بے امتحان قبول کے لائق نہیں۔ اندرونی حال آپ کا خدا تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ آپ کبھی کذب اور افترا کی نجاست سے ملوث ہوئے یا نہیں یا ان کو معلوم ہوگا جو آپ کے حالات سے واقف ہوں گے۔ جو شخص ابتلا کے وقت صادق نکلتا ہے اور سچ کو نہیں چھوڑتا اس کے صدق پر مہر لگ جاتی ہے۔ اگر یہ مہر آپ کے پاس ہے تو پیش کریں ورنہ خدا تعالیٰ سے ڈریں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کی پردہ دری کرے۔

آپ کی ان بیہودہ اور حاسدانہ باتوں سے مجھ کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے کہ آپ لکھتے ہیں کہ تم مختاری اور مقدمہ بازی کا کام کرتے رہے ہو۔ آپ ان افتراؤں سے باز آجائیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ عاجز ان پیشوں میں کبھی نہیں پڑا کہ دوسروں کے مقدمات عدالتوں میں کرتا پھرے۔ ہاں والد صاحب کے زمانہ میں اکثر وکلاء کی معرفت اپنی زمینداری کے مقدمات ہوتے تھے اور کبھی ضرورتاً مجھے آپ بھی جانا پڑتا تھا۔ مگر آپ کا یہ خیال کہ وہ جھوٹے مقدمات ہوں گے، ایک شیطنت کی بَدبُو سے بھرا ہوا ہے۔ کیا ہر ایک نالش کرنے والا ضرور جھوٹا مقدمہ کرتا ہے یا ضرور

جھوٹ ہی کہتا ہے؟

اے کج طبع شیخ! خدا جانے تیری کس حالت میں موت ہوگی۔ کیا جو شخص اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے یا اپنے حقوق کی طلب کے لئے عدالت میں مقدمہ کرتا ہے اس کو ضرور جھوٹ بولنا پڑتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ جس کو خدا تعالیٰ نے قوت صدق عطا کی ہو اور سچ سے محبت رکھتا ہو وہ بالطبع دروغ سے نفرت رکھتا ہے اور جب کوئی دنیوی فائدہ جھوٹ بولنے پر ہی موقوف ہو تو اس فائدہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ نجاست خور انسان ہر یک انسان کو نجاست خور ہی سمجھتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ بغیر جھوٹ بولنے کے عدالتوں میں مقدمہ نہیں کر سکتے۔ سو یہ قول ان کا اس حالت میں سچا ہے کہ جب ایک مقدمہ باز کسی حالت میں اپنے نقصان کا روادار نہ ہو اور خواہ مخواہ ہر یک مقدمہ میں کامیاب ہونا چاہئے مگر جو شخص صدق کو بہر حال مقدم رکھے وہ کیوں ایسا کرے گا۔ جب کسی نے اپنا نقصان گوارا کر لیا تو پھر وہ کیوں کذب کا محتاج ہوگا۔

اب یہ بھی واضح رہے کہ یہ سچ ہے کہ والد مرحوم کے وقت میں مجھے بعض اپنے زمینداری معاملات کی حق رسی کے لئے عدالتوں میں جانا پڑتا تھا مگر والد صاحب کے مقدمات صرف اس قسم کے تھے کہ بعض اسامیاں جو اپنے ذمہ کچھ باقی رکھ لیتی تھیں یا کبھی بلا اجازت کوئی درخت کاٹ لیتی تھیں یا بعض دیہات کے نمبرداروں سے تعلق داری کے حقوق بذریعہ عدالت وصول کرنے پڑتے تھے اور وہ سب مقدمات بوجہ اس احسن انتظام کے کہ محاسب دیہات یعنی پٹواری کی شہادت اکثر ان میں کافی ہوتی تھی، پیچیدہ نہیں ہوتے تھے اور دروغگوئی کو ان سے کچھ تعلق نہیں تھا کیونکہ تحریراتِ سرکاری پر فیصلہ ہوتا تھا۔ اور چونکہ اس زمانہ میں زمین کی بے قدری تھی اس لئے ہمیشہ زمینداری میں خسارہ اُٹھانا پڑتا اور بسا اوقات کم مقدمات کا کاشتکاروں کے مقابل پر خود نقصان اُٹھا کر رعایت کرنی پڑتی تھی اور عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ ایک دیانتدار زمیندار اپنے کاشتکاروں سے ایسا برتاؤ رکھ سکتا ہے جو بحیثیت پورے متقی اور کامل پرہیزگار کے ہو۔ اور زمینداری اور نیکوکاری میں کوئی حقیقی مخالفت اور ضد نہیں۔ بایں ہمہ کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ والد صاحب کے انتقال کے بعد کبھی میں نے، بجز اس خط کے مقدمہ کے جس کا ذکر کر چکا ہوں، کوئی مقدمہ کیا ہو۔ اگر میں مقدمہ کرنے سے بالطبع متنفر نہ ہوتا (تو) میں والد صاحب کے انتقال کے بعد جو پندرہ سال کا عرصہ گذر گیا، آزادی

سے مقدمات کیا کرتا۔ اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان مقدمات کا مہاجنوں کے مقدمات پر قیاس کرنا کور باطن آدمیوں کا کام ہے۔ میں اس بات کو چھپا نہیں سکتا کہ کئی پشت سے میرے خاندان میں زمینداری چلی آتی ہے اور اب بھی ہے اور زمیندار کو ضرورتاً کبھی مقدمہ کی حاجت پڑ جاتی ہے۔ مگر یہ امر ایک منصف مزاج کی نظر میں جرح کا محل نہیں ٹھہر سکتا۔ حدیثوں کو پڑھو کہ وہ آخری زمانہ میں آنے والا اور اس زمانہ میں آنے والا، کہ جب قریش سے بادشاہی جاتی رہے گی اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک تفرقہ اور پریشانی میں پڑی ہوئی ہوگی، زمیندار ہی ہوگا اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ **میں ہوں**۔ احادیث نبویہ میں صاف لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مؤیّدِ دین وملّت پیدا ہوگا اور اس کی یہ علامت ہوگی کہ وہ **حارث**[۱] ہوگا یعنی زمیندار ہوگا۔

اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہریک مسلمان کو چاہئے کہ اس کو قبول کر لیوے اور اس کی مدد کرے۔ اب سوچو کہ زمیندار ہونا تو میرے صدق کی ایک علامت ہے نہ جائے جرح۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول کرنے کے لئے حکم ہے نہ ردّ کیلئے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نمائد ہنرش در نظر

ہاں مقدمہ بازی آپ کے والد صاحب کی جائے جرح ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ انگریزی عملداری میں اکثر سُود خوروں کی مختار کاری میں ان کی عمر بسر ہوئی اور جس طرح بن پڑا انہوں نے بعض لوگوں کے مقدمے مختنانہ پر لئے۔ گو وہ قانونی طور پر نہ مختار نہ وکیل بلکہ فیل شدہ بھی نہیں تھے۔ مگر پیٹ بھرنے کیلئے سب کچھ کیا۔ لیکن یہ عاجز تو بجز اپنی زمینداری کے مقدمات کے جن میں اکثر آپ کے والد صاحب جیسے بلکہ عزت اور لیاقت میں ان سے بڑھ کر مختار بھی کئے ہوئے تھے، دوسروں کے مقدمات سے کبھی کچھ غرض نہیں رکھتا تھا اور مجھ کو یاد ہے بلکہ آپ کو بھی یاد ہوگا کہ ایک دفعہ آپ کے والد صاحب نے بھی مقام بٹالہ میں حضرت مرزا صاحب مرحوم کی خدمت میں اپنی تمنّا ظاہر کی تھی کہ مجھ کو بعض مقدمات کیلئے نوکر رکھا جاوے تا بطور مختار عدالتوں میں جاؤں مگر چونکہ زمینداری مقدمات کی پیروی کی ان میں لیاقت نہیں تھی اس لئے عذر کر دیا گیا تھا۔[۲]

---

۱ ابوداؤد کتاب الفتن

۲ آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۴

قولہ: آپ نے الہامی بیٹا تولّد ہونے کی پیشگوئی کی یعنی جھوٹ بولا۔

اقول: آپ اپنے سفلہ پنے سے باز نہیں آتے۔ خدا جانے آپ کس خمیر کے ہیں۔ اس پیشگوئی میں کونسی دروغ کی بات نکلی۔ اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ پیشگوئی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا اور مر گیا تو کیا آپ یہ ثبوت دے سکتے ہیں کہ کسی الہام میں یہ مضمون درج تھا کہ وہ موعود لڑکا وہی ہے۔ اگر دے سکتے ہیں تو وہ الہام پیش کریں۔ یاد رہے کہ ایسا کوئی الہام نہیں۔ ہاں اگر میں نے اجتہادی طور پر کہا ہو کہ شاید یہ لڑکا وہی موعود لڑکا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ الہام غلط نکلا؟ آپ کو معلوم نہیں کہ کبھی ملہَم اپنے الہام میں اجتہاد بھی کرتا ہے اور کبھی وہ اجتہاد خطا بھی جاتا ہے۔ مگر اس سے الہام کی وقعت اور عظمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ صدہا مرتبہ ہر یک کو اتفاق پیش آتا ہے کہ ایک خواب تو سچی ہوتی ہے مگر تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔ یہ ہدایت اور یہ معرفت کا دقیقہ تو خاص قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے لیکن ان کیلئے جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ آج تو آپ نے مجھ پر اعتراض کیا، کبھی ایسا نہ ہو کہ کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کر دیں اور کہیں کہ آنجناب نے جس وحی کی تصدیق کیلئے یعنی طواف کی غرض سے دوسَو کوس کا سفر اختیار کیا تھا وہ طواف اس سال نہ ہوسکا اور اجتہادی غلطی ثابت ہوئی۔ افسوس! کہ فرطِ تعصب سے فَذَهَبَ وَهْلِی[1] کی حدیث بھی آپ کو بھول گئی مجھے تو آپ کے انجام کا فکر لگا ہوا ہے۔ دیکھیں کہ کہاں تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور لڑکے کی پیشگوئی تو حق ہے، ضرور پوری ہوگی اور آپ جیسے منکروں کو خدا تعالیٰ رُسوا کرے گا۔ اے دشمنِ حق! جب کہ تمام پیشگوئیوں کے مجموعی الفاظ یہ ہیں کہ بعض لڑکے فوت بھی ہونگے اور ایک لڑکا خدا تعالیٰ سے ہدایت میں کمال پائے گا تو پھر آپ کا اعتراض اس بات پر کھلی کھلی دلیل ہے کہ اَب آپ کا باطن مسخ شدہ ہے۔ یہ تو یہودیوں کے علماء کا آپ نے نقشہ اُتار دیا۔ اب آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

قولہ: اس سے ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ بولنے میں دلیر ہو وہ خدا پر جھوٹ بولنے سے کیونکر رُک سکتا ہے۔

اقول: ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی فطرت ان الزامات سے خالی نہیں جن کو آپ

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام حدیث نمبر ۳۴۲۵ و بخاری کتاب التعبیر باب اذا رای بقراً تنحر حدیث نمبر ۶۶۲۹

کے والد صاحب، جنؔ کے بعض خطوط آپ کی فطرت اور آپ کے اوصافِ حمیدہ کے متعلق پاس بھی غالباً کسی بستہ میں پڑے ہوئے ہونگے، بزبانِ خود مشہور کر گئے ہیں۔☆ اے نیک بخت! اوّل ثابت تو کیا ہوتا کہ فلاں فلاں شخص کے رُوبرو اس عاجز نے کبھی جھوٹ بولا تھا۔ اپنے التزام صدق کی جو میں نے نظیریں پیش کی ہیں ان کے مقابل پر بھلا کوئی نظیر پیش کرو تا آپ کا منہ اس لائق ٹھہرے کہ آپ اس شخص کی نکتہ چینی کرسکو جو سخت امتحان کے وقت صادق نکلا اور صدق کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ میں حیران ہوں کہ کونسا جن آپ کے سر پر سوار ہے جو آپ کی پردہ دری کرا رہا ہے۔

آخر میں یہ بھی آپ کو یاد رہے کہ یہ آپ کا سراسر افتراء ہے کہ الہام کَلْبٌ یَّمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ[1] کو اپنے اوپر وارد کر رہے ہیں۔ میں نے ہرگز کسی کے پاس یہ نہیں کہا کہ اس کا مصداق آپ ہیں اور جو بعض درشت کلمات کی آپ شکایت کرتے ہیں، یہ بھی بے جا ہے۔ آپ کی سخت بدزبانیوں کے جواب میں آپ کے کافر ٹھہرانے کے بعد، آپ کے دجّال اور شیطان اور کذاب کہنے کے بعد اگر ہم نے آپ کی موجودہ حالت کے مناسب آپ کو کچھ حق حق کہہ دیا تو کیا بُرا کیا آخر وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ[2] کا بھی تو ایک وقت ہے۔

آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ عاجز براہین احمدیہ کی فروخت میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خورد برد کر گیا ہے یہ اس شیطان نے آپ کو سبق دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں براہین کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہو گئی تو کیا اس دن شرم کا تقاضا نہیں ہوگا کہ آپ غرق ہو جائیں؟ ہر یک دیر بدظنی پر مبنی نہیں ہوسکتی اور میں نے تو اشتہار بھی دے دیا تھا کہ ہر یک مستعجل اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے اور بہت سا روپیہ

☆ نوٹ: آپ کو اس عاجز کے وہ احسانات بھول گئے جبکہ میں آپ کے والد صاحب کو آپ کی پردہ دری سے روکتا رہا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں نے اُس سچے الزام کو کبھی پسند نہیں کیا جو آپ کے والد صاحب آپ کی نسبت اخباروں میں شائع کرانا چاہتے تھے اور میں آپ کی پردہ پوشی اور صفوتِ فطرت کا ہمیشہ حامی رہا اور انہیں روکتا رہا۔ لیکن میرے احسان کا آپ نے یہ بدلہ دیا کہ میں نے تو سچے الزاموں سے آپ کو بچایا مگر آپ نے بحسب تقاضائے فطرت مبارکہ دروغ گوئی کا الزام میرے پر لگایا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ آپ کے والد صاحب بے شک سچے تھے۔ منہ

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۴۵ [2] التَّوبۃ: ۷۳

واپس بھی کر دیا۔قرآن کریم جس کی خلق اللہ کو بہت ضرورت تھی اور جو لوحِ محفوظ میں قدیم سے جمع تھا۔تئیس سال میں نازل ہوا اور آپ جیسے بدظنیوں کے مارے ہوئے اعتراض کرتے رہے۔کہ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً[1]

قولہ: جب سے آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر کیا ہے اس دن سے آپ کی کوئی تحریر، کوئی تقریر، کوئی خط، کوئی تصنیف جھوٹ سے خالی نہیں۔

اقول: اے شیخ نامہ سیاہ! اس دروغ بے فروغ کے جواب میں کیا کہوں اور کیا لکھوں۔خدا تعالیٰ تجھ کو آپ ہی جواب دیوے کہ اب تُو حد سے بڑھ گیا۔**اے بدقسمت انسان!** تُو ان بہتانوں کے ساتھ کب تک جئے گا۔کب تک تُو اس لڑائی میں جو خدا تعالیٰ سے لڑ رہا ہے، موت سے بچتا رہے گا۔اگر مجھ کو تُو نے یا کسی نے اپنی نابینائی سے دروغ گو سمجھا تو یہ کچھ نئی بات نہیں۔آپ کے ہم خصلت ابوجہل اور ابولہب بھی خدا تعالیٰ کے نبی صادق کو کذّاب جانتے تھے۔انسان جب فرطِ تعصب سے اندھا ہو جاتا ہے تو صادق کی ہر ایک بات اس کو کذب ہی معلوم ہوتی ہے لیکن خدائے تعالیٰ صادق کا انجام بخیر کرتا ہے اور کاذب کے نقشِ ہستی کو مٹا دیتا ہے۔اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ[2]

قولہ: (آپ نے) بحث سے گریز کر کے انواع اتہام اور اکاذیب کا اشتہار دیا۔

اقول: یہ سب آپ کے دروغ بے فروغ ہیں جو باعث تقاضائے فطرت بے اختیار آپ کے منہ سے نکل رہے ہیں ورنہ جو لوگ میری اور آپ کی تحریروں کو غور سے دیکھتے ہیں وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا اِتہام اور کذب اور گریز اس عاجز کا خاصہ ہے یا خود آپ ہی کا۔چالاکی کی باتیں اگر آپ نہ کریں تو اور کون کرے۔ایک تو قانون گو شیخ ہوئے دوسرے، چار حرف پڑھنے کا دماغ میں کیڑا۔ مگر خوب یاد رکھو وہ دن آتا ہے کہ خود خداوند تعالیٰ ظاہر کر دے گا کہ ہم دونوں میں سے کون کاذب اور مفتری اور خدا تعالیٰ کی نظر میں ذلیل اور رُسوا ہے اور کس کی خداوند کریم آسمانی تائیدات سے عزت ظاہر کرتا ہے۔ذرہ صبر کرو اور انجام کو دیکھو۔

قولہ: آپ میں رحمت اور ہمدردی کا شمہ اثر بھی ہوتا تو جس وقت میں نے آپ کے دعویٰ مسیحائی سے اپنا خلاف ظاہر کیا تھا آپ فوراً مجھے اپنی جگہ بلاتے یا غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماتے۔

---

[1] الفرقان: ۳۳ [2] النحل: ۱۲۹

اقول: اے حضرت! آپ کو آنے سے کس نے منع کیا تھا؟ یا میری ڈیوڑھی پر دربان تھے جنہوں نے اندر آنے سے روک دیا؟ کیا پہلے اس سے آپ پوچھ پوچھ کر آیا کرتے تھے؟ آپ کے تو والد صاحب بھی بیماری اور تپ کی حالت میں بھی بٹالہ سے افتاں خیزاں میرے پاس آجاتے تھے پھر آپ کو نئی روک کونسی پیش آگئی تھی؟ اور جب کہ آپ اپنے ذاتی بخل اور ذاتی حسد اور شیخ نجدی کے خصائل اور کبر اور نخوت کو کسی حالت میں چھوڑنے والے نہیں تھے تو میں آپ کو اپنے مکان پر بلا کر کیا ہمدردی اور رحمت کرتا؟ ہاں! میں نے آپ کے مکان پر بھی جانا خلافِ مصلحت سمجھا کیونکہ میں نے آپ کے مزاج میں کبر اور نخوت کا مادہ معلوم کر لیا تھا اور میرے نزدیک یہ قرینِ مصلحت تھا کہ آپ کو ایک مسہل دیا جائے اور جہاں تک ہو سکے وہ مادہ آپ کے اندر سے باستیفا نکال دیا جائے۔ سو اب تک تو کچھ تخفیف معلوم نہیں ہوتی۔ خدا جانے کس غضب کا مادہ آپ کے پیٹ میں بھرا ہوا ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ جانتا ہے کہ میں نے آپ کی بدزبانی پر بہت صبر کیا۔ بہت ستایا گیا اور آپ کو روکے گیا اور اب بھی آپ کی بدگوئی اور تکفیر اور تفسیق پر بہرحال صبر کر سکتا ہوں لیکن بعض اوقات محض اس نیت سے پیرایہ درشتی آپ کی بدگوئی کے مقابلہ میں اختیار کرتا ہوں کہ تا وہ مادہ خبث کہ جو مولویت کے باطل تصور سے آپ کے دل میں جما ہوا ہے اور جنّ کی طرح آپ کو چمٹا ہوا ہے۔ وہ بکلّی نکل جائے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں اور خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ میں علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں کہ آپ صرف استخوان فروش ہیں اور علم اور درایت اور تفقّہ سے سخت بے بہرہ اور ایک غبی اور بلید آدمی ہیں جن کو حقائق اور معارف کے کوچہ کی طرف ذرہ بھی گزر نہیں اور ساتھ اس کے یہ بلا لگی ہوئی ہے کہ ناحق کے تکبر اور نخوت نے آپ کو ہلاک ہی کر دیا ہے۔ جب تک آپ کو اپنی اس جہالت پر اطلاع نہ ہو اور دماغ سے غرور کا کیڑا نہ نکلے تب تک آپ نہ کوئی دنیا کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں نہ دین کی۔ آپ کا بڑا دوست وہ ہوگا جو اس کوشش میں لگا رہے جو آپ کی جہالتیں اور نخوتیں آپ پر ثابت کرے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کو کس بات پر ناز ہے۔

شرمناک فطرت کے ساتھ اور اس موٹی سمجھ اور سطحی خیال پر یہ تکبر اور یہ ناز **نعوذ باللّٰہ من هذه الجهالة و الحمق و ترک الحياء و السخافة و الضلالة۔**

اور آپ کا یہ خیال کہ میں نے اب فساد کیلئے خط بھیجا ہے تا کہ بٹالہ کے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے۔ عزیز من! یہ آپ کے فطرتی توہمات ہیں۔ میں نے پھوٹ کیلئے نہیں بلکہ آپ کی حالتِ زار پر

رحم کر کے خط بھیجا تھا تا آپ تحت الثریٰ میں نہ گر جائیں اور قبل ازموت حق کو سمجھ لیں۔ مسلمانوں میں تفرقہ اور فتنہ ڈالنا تو آپ ہی کا شیوہ ہے یہی تو آپ کا مذہب اور طریق ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے ایک مسلمان کو کافر اور بے ایمان اور دجال قرار دیا اور علماء کو دھوکے دے کر تکفیر کے فتوے لکھوائے اور اپنے استاد **نذیر حسین** پر موت کے دنوں کے قریب یہ احسان کیا کہ اس کے مونہہ سے کلمہ تکفیر کہلوایا اور اس کی پیرانہ سالی کے تقویٰ پر خاک ڈالی۔ آفرین باد بریں ہمت مردانۂ تُو! نذیر حسین تو اَرذلِ عمر میں مبتلا اور بچوں کی طرح ہوش وحواس سے فارغ تھا۔ یہ آپ ہی نے شاگردی کا حق ادا کیا کہ اس کے اخیر وقت اور لب بام ہونے کی حالت میں ایسی مکروہ سیاہی اس کے مونہہ پر مل دی کہ اب غالباً وہ گور میں ہی اُس سیاہی کو لے جائے گا۔ خدا تعالیٰ کی درگاہ خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ جو شخص مسلمان کو کافر کہتا ہے اس کو وہی نتائج بھگتنے پڑیں گے جن کا ناحق کے مکفّرین کیلئے اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ دے رکھا ہے۔ جو ایسا عدل دوست تھا جس نے ایک چور کی سفارش کے وقت سخت ناراض ہو کر فرمایا تھا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر **فاطمہ بنت محمدؐ** چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔

قولہ: (اس صورت میں قادیان پہنچ سکتا ہوں) کہ مسلمانوں پر آپ کا جھوٹ اور فریب کھولوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میری جان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

اقول: اب آپ کسی حیلہ و بہانہ سے گریز نہیں کر سکتے۔ اب تو دس لعنتیں آپ کی خدمت میں نذر کر دی ہیں اور اللہ جلّشانہٗ کی قسم بھی دی ہے کہ آپ آسمانی طریق سے میرے ساتھ صدق اور کذب کا فیصلہ کر لیں۔ اگر آپ مجھ کو جھوٹا سمجھنے میں سچے ہیں تو میری اس بات کو سنتے ہی مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جائیں گے ورنہ ان تمام لعنتوں کو ہضم کر جائیں گے اور کچے اور بیہودہ عذرات سے ٹال دیں گے۔ اور میں آپ کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ ایک ہی ہے جو آپ کو درحالت نہ باز آنے کے ہلاک کرے گا اور اپنے دین کو آپ کے اس فتنہ سے نجات دے گا اور آپ کے قادیان آنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر آپ اللہ اور رسول کے نشان کے موافق آزمائش کیلئے مستعد ہوں تو میں خود بٹالہ اور امرتسر اور لاہور میں آ سکتا ہوں۔ تا سیاہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد۔[1]

[1] آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۳۰۴ تا ۳۱۰

مکتوب نمبر ۲۱

جواب الجواب شیخ بٹالوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی[1] اما بعد۔ آپ کا رجسٹری شدہ خط مؤرخہ ۴؍جنوری ۱۸۹۳ء کو مجھ کو ملا۔ اگرچہ آپ کا یہ خط جو کذب اور تہمت اور بے جا افتراؤں کا ایک مجموعہ ہے اس لائق نہیں تھا کہ میں اس کا کچھ جواب آپ کو لکھتا، فقط اعراض کافی تھا لیکن چونکہ آپ نے اپنے خط کے صفحہ دو اور تین میں اس عاجز کی تین پیشگوئیوں کا ذکر کر کے بالآخر اس تیسری پیشگوئی پر حصر کر دیا ہے جو نور افشاں دہم مئی ۱۸۸۸ء اور نیز میرے اشتہار مشتہرہ ۱۰؍جولائی ۱۸۸۸ء میں درج ہے اور آپ نے اقرار کیا ہے کہ اگر اس الہام کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو میں آپ کو ملہم مان لوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے عقائد و تعلیمات کو مخالف حق اور آپ کو بداخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی۔ اس لئے اس عاجز نے پھر آپ کی حالت پر رحم کر کے آپ کو اس الہامی پیشگوئی کے ثبوت کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھا۔ وہ پیشگوئی جیسا کہ آپ خود اپنے خط میں بیان کر چکے ہیں۔ یہی تھی کہ اگر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری اپنی بیٹی اس عاجز کو نہ دیوے اور کسی سے نکاح کر دیوے تو روز نکاح سے تین برس کے اندر فوت ہو جائے گا۔ اس پیشگوئی کی یہ بنیاد نہیں تھی کہ خواہ نخواہ مرزا احمد بیگ کی بیٹی کی درخواست کی گئی تھی بلکہ یہ بنیاد تھی کہ یہ فریق مخالف جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا۔ اس عاجز کے قریبی رشتہ دار مگر دین کے سخت مخالف تھے اور ایک ان میں سے عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جلّشانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیتا تھا اور اپنا مذہب دہریہ رکھتا تھا اور نشان کے طلب کے لئے ایک اشتہار بھی جاری کر چکا تھا اور یہ سب مجھ کو مکّار خیال کرتے تھے اور نشان مانگتے تھے اور صوم و صلوٰۃ اور عقائد اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر اپنی حجت پوری کرے۔ سو اس نے نشان دکھلانے میں وہ پہلو اختیار کیا

[1] النّمل: ٦٠

جس کا ان تمام بے دین قرابتیوں پر اثر پڑتا تھا۔ خدا ترس آدمی سمجھ سکتا ہے کہ موت اور حیات انسان کے اختیار میں نہیں اور ایسی پیشگوئی جس میں ایک شخص کی موت کو اس کی بیٹی کے نکاح کے ساتھ، جو غیر سے ہو، وابستہ کر دیا گیا اور موت کی حد مقرر کر دی گئی۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ چونکہ یہ الہامی پیشگوئی صاف بیان کر رہی تھی کہ مرزا احمد بیگ کی موت اور حیات اس کی لڑکی کے نکاح سے وابستہ ہے اس لئے پانچ برس تک یعنی جب تک اس لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح نہ کیا گیا، مرزا احمد بیگ زندہ رہا اور پھر ۷/اپریل ۱۸۹۲ء میں احمد بیگ نے اس لڑکی کا ایک جگہ نکاح کر دیا اور بموجب پیشگوئی کے تین برس کے اندر یعنی نکاح کے چھٹے مہینہ میں جو ۳۰/ستمبر ۱۸۹۲ء تھی، فوت ہو گیا۔ اور اسی اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگرچہ روزِ نکاح سے موت کی تاریخ تین برس تک بتلائی گئی ہے مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ کچھ بہت عرصہ نہیں گذرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نکاح اور موت میں صرف چھ مہینہ بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔ یعنی جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۷/اپریل ۱۸۹۲ء میں نکاح ہوا اور ۳۰/ستمبر ۱۸۹۲ء کو مرزا احمد بیگ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ اب ذرا خدا تعالیٰ سے ڈر کر کہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی یا نہیں؟ اور اگر آپ کے دل کو یہ دھوکہ ہو کہ کیونکر یقین ہو کہ یہ الہامی پیشگوئی ہے؟ کیوں جائز نہیں کہ دوسرے وسائل نجوم و رمل و جفر وغیرہ سے ہو؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ منجموں کی اس طور کی پیشگوئی نہیں ہوا کرتی جس میں اپنے ذاتی فائدہ کے لحاظ سے اس طور کی شرطیں ہوں کہ اگر فلاں شخص ہمیں بیٹی دے تو زندہ رہے گا ورنہ نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ بہت جلد مر جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی منجم یا رمّال کی اس قسم کی پیشگوئی ظہور میں آئی ہے تو وہ اس کے ثبوت کے ساتھ پیش کریں۔ علاوہ اس کے اس پیشگوئی کے ساتھ اشتہار میں ایک دعویٰ پیش کیا گیا ہے یعنی یہ کہ **میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اور مامور من اللہ ہوں اور میری صداقت کا نشان یہ پیشگوئی ہے۔** اب آپ اگر کچھ بھی اللہ جلّ شانہٗ کا خوف رکھتے ہیں تو سمجھ سکتے کہ ایسی پیشگوئی جو منجانب اللہ ہونے کیلئے بطور ثبوت کے پیش کی گئی ہے، اسی حالت میں سچی ہو سکتی تھی کہ جب درحقیقت یہ عاجز منجانب اللہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک مفتری کی پیشگوئی کو جو ایک جھوٹے دعویٰ کے لئے بطور شاہد صدق بیان کی گئی۔ ہرگز سچی نہیں کر سکتا، وجہ یہ کہ اس میں خلق اللہ کو دھوکا لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ خود مدعی صادق کیلئے یہ علامت قرار

دے کر فرماتا ہے وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ [1] اور فرماتا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [2]۔ رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں۔ پس اس پیشگوئی کے الہامی ہونے کے لئے ایک مسلمان کے لئے یہ دلیل کافی ہے جو منجانب اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ یہ پیشگوئی بیان کی گئی اور خدا تعالیٰ نے اس کو سچی کر کے دکھلا دیا۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دراصل مفتری ہو اور سراسر دروغ گوئی سے کہے کہ میں خلیفۃ اللہ اور مامور من اللہ اور مجدّدِ وقت اور مسیح موعود ہوں اور میرے صدق کا نشان یہ ہے کہ اگر فلاں شخص مجھے اپنی بیٹی نہیں دے گا اور کسی دوسرے سے نکاح کر دے گا تو نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ اس سے بہت قریب فوت ہو جائے گا اور پھر ایسا ہی واقعہ ہو جائے تو برائے خدا اس کی نظیر پیش کرو، ورنہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد اس انکار اور تکذیب اور تکفیر سے پوچھے جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ [3] سوچ کر دیکھو کہ اس کے یہی معنی ہیں جو شخص اپنے دعویٰ میں کاذب ہو، اس کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ شیخ صاحب! اب وقت ہے سمجھ جاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شیخی پیش نہیں جائے گی اور اگر کوئی نجومی یا رمّال یا جفری اس عاجز کی طرح دعویٰ کر کے کوئی پیشگوئی دکھلا سکتا ہے تو اس کی نظیر پیش کرو اور چند اخباروں میں درج کرا دو۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہیں کر سکو گے اور ایسا نجومی ہلاک ہوگا۔ خدا تعالیٰ تو اپنے نبی کو فرماتا ہے کہ اگر وہ ایک قول بھی اپنی طرف سے بناتا تو اس کی رگِ جان قطع کی جاتی۔ پھر یہ کیونکر ہو کہ بجائے رگِ جان قطع کی جانے کے اللہ جلّ شانہٗ اس عاجز کو جو آپ کی نظر میں کافر، مفتری، دجال، کذاب ہے، دشمنوں کے مقابل پر یہ عزت دے کہ تائید دعویٰ میں پیشگوئی پوری کرے۔ کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالیٰ نے ایسی مدد کی ہو؟ کہ وہ گیارہ برس سے خدا تعالیٰ پر یہ افترا کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کی رگِ جان نہ کاٹے بلکہ اس کی پیشگوئیوں کو پورا کر کے آپ جیسے دشمنوں کو منفعل اور نادم اور لاجواب کرے اور آپ کی کوشش کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ کی تکفیر سے پہلے تو کل پچہتر آدمی سالانہ جلسہ میں شریک ہوں اور بعد آپ کی تکفیر اور جانکاہی اور لوگوں کے

---

[1] المؤمن: ۲۹ [2] الجنّ: ۲۷، ۲۸ [3] المؤمن: ۲۹

روکنے کے تین سَو ستائیس احباب اور مخلص جلسہ اشاعت حق پر دوڑے آویں۔اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ میں اس خط کو انشاء اللہ چھاپ کر شائع کر دوں گا اور مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیشگوئی کی آزمائش کے لئے بٹالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں۔ مناسب ہے کہ آپ بھی اپنے **اشاعۃ السنہ** میں میرے اس خط کو شائع کر دیں اور یہ بات بھی ساتھ لکھ دیں کہ اب آپ کو قبول کرنے میں کیا عذر ہے؟ خود منصف لوگ دیکھ لیں گے کہ وہ عذر صحیح یا غلط ہے۔

مکرر یہ کہ اللہ جلشانہٗ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں، نہ مفتری ہوں نہ دجال نہ کذاب۔ اس زمانہ میں کذاب اور دجال اور مفتری پہلے اس سے کچھ تھوڑے نہیں تھے تا خدا تعالیٰ صدی کے سر پر بھی بجائے ایک مجدد کے جو اس کی طرف سے مبعوث ہو، ایک دجال کو قائم کر کے اور بھی فتنہ اور فساد ڈال دیتا۔ مگر جو لوگ سچائی کو نہ سمجھیں اور حقیقت کو دریافت نہ کریں اور تکفیر کی طرف دوڑیں، میں ان کا کیا علاج کروں۔ میں اس بیمار دار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے، اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گیں ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا! اے ہادی اور رہنما! ان لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان کے دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں خطا نہیں جائیں گی کیونکہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کی طرف بلاتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ اگر میں اس کی طرف سے نہیں ہوں اور ایک مفتری ہوں تو وہ بڑے عذاب سے مجھ کو ہلاک کرے گا کیونکہ وہ مفتری کو کبھی وہ عزت نہیں دیتا کہ جو صادق کو دی جاتی ہے۔ میں نے جو ایک پیشگوئی، جس پر آپ نے میرے صادق اور کاذب ہونے کا حصر کر دیا، آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔ یہی میرے صدق اور کذّب کی شناخت کے لئے ایک کافی شہادت ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کذاب اور مفتری کی مدد کرے۔ لیکن ساتھ اس کے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس پیشگوئی کے متعلق دو پیشگوئی اور ہیں۔ جن کو میں اشتہار ۱۰؍ جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کر چکا ہوں، جن کا مضمون یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف ردّ کرے گا۔ اب انصاف سے دیکھیں کہ نہ کوئی انسان اپنی حیات پر اعتماد کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی نسبت دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ فلاں وقت تک زندہ رہے گا یا فلاں وقت تک مر جائے گا مگر میری اس پیشگوئی میں نہ ایک بلکہ چھ دعویٰ ہیں۔ اوّل نکاح کے وقت تک

میرا زندہ رہنا۔ **دوم** نکاح کے وقت تک اس لڑکی کے باپ کا یقیناً زندہ رہنا۔ **سوم** پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا۔ **چہارم** اس کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مرجانا۔ **پنجم** اس وقت تک کہ میں اس سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا۔ **ششم** پھر آخر یہ کہ بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔ اب آپ ایماناً کہیں کہ کیا یہ باتیں انسان کے اختیار میں ہیں؟ اور ذرہ اپنے دل کو تھام کر سوچ لیں کہ کیا ایسی پیشگوئی سچے ہوجانے کی حالت میں انسان کا فعل ہوسکتی ہے۔ پھر اگر اس پیشگوئی پر جو لڑکی کے باپ کے متعلق ہے جو ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو پوری ہوگئی آپ کا دل نہیں ٹھہرتا؟ تو آپ **اشاعۃ السنہ** میں ایک اشتہار حسب اپنے اقرار کے دے دیں کہ اگر یہ دوسری پیشگوئیاں بھی پوری ہوگئیں تو اپنے ظنونِ باطلہ سے توبہ کروں گا اور دعویٰ میں سچا سمجھ لوں گا اور ساتھ اس کے خدا تعالیٰ سے ڈر کر یہ بھی اقرار کردیں کہ ایک تو ان میں سے پوری ہوگئی اور اگر اس پیشگوئی کے پورا ہوجانے کا آپ کے دل میں زیادہ اثر نہ ہو تو اس قدر تو ضرور چاہیے کہ جب تک اخیر ظاہر نہ ہو، کفِّ لسان اختیار کریں۔ جب ایک پیشگوئی پوری ہوگئی تو اس کی کچھ تو ہیبت آپ کے دل پر چاہیے۔ آپ تو میری ہلاکت کے منتظر اور میری رُسوائی کے دنوں کے انتظار میں ہیں اور خدا تعالیٰ میرے دعویٰ کی سچائی پر نشان ظاہر کرتا ہے۔ اگر آپ اب بھی نہ مانیں تو میرا آپ پر زور ہی کیا ہے لیکن یاد رکھیں کہ انسان اپنے اوائل ایام انکار میں بباعث کسی اشتباہ کے معذور ٹھہر سکتا ہے لیکن نشان دیکھنے پر ہرگز معذور نہیں ٹھہر سکتا۔ کیا یہ پیشگوئی جو پوری ہوگئی کوئی ایسا اتفاقی امر ہے جس کی خدا تعالیٰ کو کچھ بھی خبر نہیں۔ کیا بغیر اس کے علم اور ارادہ کے ایک دجال کی تائید میں خود بخود یہ پیشگوئی وقوع میں آگئی؟ کیا یہ سچ نہیں کہ مدعی کاذب کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی توریت کی۔ اگر آپ میں انصاف کا کچھ حصہ ہے اور تقویٰ کا کچھ ذرّہ ہے تو اب زبان کو بند کرلیں۔ خدا تعالیٰ کا غضب آپ کے غضب سے بہت بڑا ہے۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ [1]

والسلام علی من اتبع الھدی وما استکبر و ما ابیٰ

عاجز۔ غلام احمد عفی اللہ عنہ

---

[1] النِّسآء: ۱۴۸، آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۶

مکتوب نمبر۲۲

ایک روحانی نشان جس سے ثابت ہوگا کہ یہ عاجز صادق اور خدا تعالیٰ سے مؤیّد ہے یا نہیں اور شیخ محمد حسین بٹالوی اس عاجز کو کاذب اور دجال قرار دینے میں صادق ہے یا خود کاذب اور دجال ہے

عاقل سمجھ سکتے ہیں کہ منجملہ نشانوں کے، حقائق اور معارف اور لطائف حکمیہ کے بھی نشان ہوئے ہیں جو خاص ان کو دیئے جاتے ہیں جو پاک نفس ہوں اور جن پر فضل عظیم ہو جیسا کہ آیت لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ[1] اور آیت وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا[2] بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے۔ سو یہی نشان میاں محمد حسین کے مقابل پر میرے صدق اور کذب کے جانچنے کے لئے کھلی کھلی نشانی ہوگی اور اس فیصلہ کے لئے اَحسن انتظام اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک مختصر جلسہ ہو کر منصفان تجویز کردہ اس جلسہ کے چند سورتیں قرآن کریم کی جن کی عبارت اسّی۸۰ آیت سے کم نہ ہو۔ تفسیر کے لئے منتخب کر کے پیش کریں اور پھر بطور قرعہ اندازی کے ایک سورۃ اُن میں سے نکال کر اسی کی تفسیر معیار امتحان ٹھہرائی جائے اور اس تفسیر کے لئے یہ امر لازمی ٹھہرایا جاوے کہ بلیغ فصیح زبان عربی اور مقفّٰی عبارت میں قلمبند ہو اور دس جزو سے کم نہ ہو، اور جس قدر اس میں حقائق اور معارف لکھے جائیں وہ نقل عبارت کی طرح نہ ہو بلکہ معارف جدیدہ اور لطائف غریبہ ہوں۔ جو کسی دوسری کتاب میں نہ پائے جائیں اور بایں ہمہ اصل تعلیم قرآنی سے مخالف نہ ہوں بلکہ

---

[1] الواقعۃ: ۸۰　[2] البقرۃ: ۲۷۰

ان کی قوت اور شوکت ظاہر کرنے والے ہوں☆ اور کتاب کے آخر میں سو شعر لطیف بلیغ اور فصیح عربی میں نعت اور مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور قصیدہ درج ہوں اور جس بحر میں وہ شعر ہونے چاہئیں وہ بحر بھی بطور قرعہ اندازی کے اسی جلسہ میں تجویز کیا جائے اور فریقین کو اس کام کے لئے چالیس دن کی مہلت دی جائے اور چالیس دن کے بعد جلسہ عام میں فریقین اپنی اپنی تفسیر اور اپنے اپنے اشعار جو عربی میں ہوں گے سنا دیں۔ پھر اگر یہ عاجز شیخ محمد حسین بٹالوی سے حقائق اور معارف کے بیان کرنے اور عبارت عربی فصیح و بلیغ اور اشعار آبدار مدحیہ کے لکھنے میں قاصر اور کم درجہ پر رہا یا یہ کہ شیخ محمد حسین اس عاجز سے برابر رہا تو اسی وقت یہ عاجز اپنی خطا کا اقرار کرے گا اور اپنی کتابیں جلا دے گا اور شیخ محمد حسین کا حق ہوگا کہ اس وقت اس عاجز کے گلے میں رسّہ ڈال کر یہ کہے کہ اے کذّاب! اے دجال! اے مفتری! آج تیری رُسوائی ظاہر ہوئی۔ اب کہاں ہے وہ جس کو تُو کہتا تھا کہ میرا مددگار ہے۔ اب تیرا الہام کہاں ہے اور تیرے خوارق کدھر چھپ گئے۔ لیکن اگر یہ عاجز غالب ہوا تو پھر چاہیے کہ میاں محمد حسین اسی مجلس میں کھڑے ہو کر ان الفاظ سے توبہ کرے کہ اے حاضرین! آج میری روسیاہی ایسی کھل گئی کہ جیسا آفتاب کے نکلنے سے دن کھل جاتا ہے اور اب ثابت ہوا کہ یہ شخص حق پر ہے اور میں ہی دجال تھا اور میں ہی کذاب تھا اور میں ہی کافر تھا اور میں ہی بے دین تھا اور اب میں توبہ کرتا ہوں۔ سب گواہ رہیں۔ بعد اس کے اسی مجلس میں اپنی کتابیں جلا دے اور ادنیٰ خادموں کی طرح پیچھے ہو لے۔[1]

صاحبو! یہ طریق فیصلہ ہے جو اس وقت میں نے ظاہر کیا ہے۔ میاں محمد حسین کو اس پر سخت اصرار ہے کہ یہ عاجز عربی علوم سے بالکل بے بہرہ اور کودن اور نادان اور جاہل ہے[2]۔ اور علم قرآن سے

☆ اگر کسی کے دل میں یہ خدشہ گذرے کہ ایسے جدید حقائق و معارف جو پہلی تفاسیر میں نہ ہوں وہ کیونکر تسلیم کئے جا سکتے ہیں اور وہ انہیں پہلی ہی تفاسیر میں محدود کرے تو اُسے مناسب ہے کہ عبارت ذیل کو ملاحظہ کرے۔ ’’ثم رایتُ کلَّ اٰیةٍ و کلّ حدیثٍ بحرا مواجا فیه من اسرارٍ مالو کتبت شرحُ سرٍّ وَاحدٍ منها فی مجلدات لما احاطتهٗ و رئیت الاسرارَ الخفیةَ مبتذلةً فی اشارات القران والسنّة فقضیتُ العجبَ کلَّ العجب‘‘
(فیوض الحرمین۔ صفحہ ۴۲ (تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

[1] شیخ بٹالوی کو اختیار ہوگا کہ میاں شیخ الکل اور دوسرے تمام متکبر ملّاؤں کو ساتھ ملا لے۔ منہ
[2] دیکھو ان کا فتویٰ نمبر ۴ جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۵

بالکل بے خبر ہے اور خدائے تعالیٰ سے مدد پانے کے تو لائق ہی نہیں۔ کیونکہ کذّاب اور دجال ہے اور ساتھ اس کے ان کو اپنے کمال علم اور فضل کا بھی دعویٰ ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت مخدوم مولوی حکیم نورالدین صاحب جو اس عاجز کی نظر میں علامہ عصر اور جامع علوم ہیں۔ صرف ایک حکیم اور اخویم مکرم مولوی سید محمد احسن صاحب جو گویا علم حدیث کے ایک پتلے ہیں صرف ایک منشی ہیں۔ پھر باوجود ان کے اس دعوے کے اور میرے اس ناقص حال کے جس کو وہ بار بار شائع کر چکے ہیں، اس طریق فیصلہ میں کون سا اشتباہ باقی ہے اور اگر وہ اس مقابلہ کے لائق نہیں اور اپنی نسبت بھی جھوٹ بولا ہے اور میری نسبت بھی۔ اور میرے معظم اور مکرم دوستوں کی نسبت بھی تو پھر ایسا شخص کسی قدر سزا کے لائق ہے کہ کذّاب اور دجال تو آپ ہو اور دوسروں کو خواہ نخواہ دروغ گو کر کے مشتہر کرے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ عاجز درحقیقت نہایت ضعیف اور ہیچ ہے گویا کچھ بھی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ متکبر کا سر توڑے اور اس کو دکھاوے کہ آسمانی مدد اس کا نام ہے۔ چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے جس کی تاریخ مجھے یاد نہیں کہ ایک مضمون میں نے میاں محمد حسین کا دیکھا جس میں میری نسبت لکھا ہوا تھا کہ یہ شخص کذّاب اور دجال اور بے ایمان اور بایں ہمہ سخت نادان اور جاہل اور علوم دینیہ سے بے خبر ہے۔ تب میں جنابِ الٰہی میں رویا کہ میری مدد کر تو اس دُعا کے بعد الہام ہوا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ [1] یعنی دُعا کرو کہ میں قبول کروں گا۔ مگر میں بالطبع نافر تھا کہ کسی کے عذاب کے لئے دُعا کروں۔ آج جو ۲۹؍شعبان ۱۳۱۰ھ ہے۔ اس مضمون کے لکھنے کے وقت خدا تعالیٰ نے دعا کے لئے دل کھول دیا۔ سو میں نے اس وقت اسی طرح سے رقّتِ دل سے اس مقابلہ میں فتح پانے کے لئے دعا کی اور میرا دل کھل گیا اور میں جانتا ہوں کہ قبول ہوگئی اور میں جانتا ہوں کہ وہ الہام جو مجھ کو میاں بٹالوی کی نسبت ہوا تھا کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ [2] وہ اسی موقعہ کے لئے ہوا تھا۔ میں نے اس مقابلہ کے لئے چالیس دن کا عرصہ ٹھہرا کر دعا کی ہے اور وہی عرصہ میری زبان پر جاری ہوا۔ اب صاحبو! اگر میں اس نشان میں جھوٹا نکلا یا میدان سے بھاگ گیا یا کچے بہانوں سے ٹال دیا تو تم سارے گواہ رہو کہ بیشک میں کذّاب اور دجال ہوں۔ تب میں ہر یک سزا کے لائق ٹھہروں گا۔ کیونکہ اس موقعہ پر ہر یک پہلو سے میرا کذب ثابت ہو جائے گا اور دُعا کا

---

[1] المؤمن: ۶۱

[2] تذکرہ صفحہ ۱۵۷۔ ایڈیشن چہارم

نامنظور ہونا کھل کر میرے الہام کا باطل ہونا بھی ہر یک پر ہویدا ہو جائے گا۔لیکن اگر میاں بٹالوی مغلوب ہو گئے تو اُن کی ذلت اور رُوسیاہی اور جہالت اور نادانی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔اب اگر وہ اس کھلے کھلے فیصلہ کو منظور نہ کریں اور بھاگ جائیں اور خطا کا اقرار بھی نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ ان کے لئے خدا تعالیٰ کی عدالت سے مندرجہ ذیل انعام ہے۔

(۱) لــعـــنـــت
(۲) لــعـــنـــت
(۳) لــعـــنـــت
(۴) لــعـــنـــت
(۵) لــعـــنـــت
(۶) لــعـــنـــت
(۷) لــعـــنـــت
(۸) لــعـــنـــت
(۹) لــعـــنـــت
(۱۰) لــعـــنـــت

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

المشتہر
مرزا غلام احمد قادیانی ☆
۳۰ / مارچ ۱۸۹۳ء

نوٹ:۔اگر میاں بٹالوی اس نشان کو منظور نہ کریں اور کسی اور قسم کا نشان چاہیں تو پھر اسی کے بارے میں دعا کی جائے گی مگر پہلے اشتہارات کے ذریعہ سے شائع کر دیں کہ میں اس مقابلہ سے عاجز اور قاصر ہوں۔

تنبیہہ: اس کا جواب یکم اپریل سے دو ہفتہ کے اندر نہ آیا تو آپ کی گریز سمجھی جائے گی۔

☆ آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۰۲ تا ۶۰۴

۞ مکتوب نمبر۲۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار ۳۰؍مارچ ۱۸۹۳ء کے جواب میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا خط

شیخ محمد حسین بٹالوی

۱۹؍اپریل ۱۸۹۳ء

تمہارے چند اوراق کتاب وساوس کے ہمدست عزیزم مرزا خدابخش اور دو رجسٹرڈ خط وصول ہوئے (۱) میں تمہاری اس کتاب کا جواب لکھنے میں مصروف تھا۔ اس لئے تمہارے خطوط کے جواب میں توقف ہوا۔ اب اس سے فارغ ہوا ہوں تو جواب لکھتا ہوں (۲) میں تمہاری ہر ایک بات کی اجابت کیلئے مستعد ہوں۔

(۱) مباہلہ کیلئے طیار ہوں۔

(۲) بالمقابلہ عربی عبارت میں تفسیر قرآن لکھنے کو بھی حاضر ہوں۔ میری نسبت جو تم کو منذر الہام ہوا ہے اس کی اشاعت کی اجازت دینے کو بھی مستعد ہوں۔ مگر ہر ایک بات کا جواب واجابت رسالہ میں چھاپ کر مشتہر کرنا چاہتا ہوں۔ جو انہیں باقی ماندہ ایام اپریل میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(۳) تمہارا سابق تحریرات میں یہ قید لگانا کہ دو ہفتہ میں جواب آوے اور آخری خط میں یہ لکھنا کہ ۲۰؍اپریل تک جواب ملے ورنہ گریز مشتہر کیا جائے گا۔ کمال درجہ کی خفت ووقاحت ہے۔ اگر بعد اشتہار انکار ادھر سے اجابت کا اشتہار ہوا تو پھر کون شرمندہ ہوگا؟ (۴) ہماری طرف سے جو جواب خط نمبری ۲۱۔ مؤرخہ ۹؍جنوری ۱۸۹۳ء کیلئے ایک ماہ کی میعاد مقرر ہوئی تھی۔ اس کا لحاظ تم نے یہ کیا کہ تیسرے مہینے کے اخیر میں جواب دیا۔ پھر اپنی طرف سے یہ حکومت کہ جواب دو ہفتہ یا ۲۰؍اپریل تک آوے۔ کیوں موجب شرم نہ ہوئی۔ تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہے؟ اور اس حکومت کی کیا وجہ ہے۔ جن پر تم حکومت کرتے ہو۔ وہ تم کو دجال، کذّاب، کافرو

زندیق سمجھتے ہیں پھر وہ ایسی حکومتوں کو کیونکر تسلیم کریں۔ کیا تم نے سب کو اپنا مرید ہی سمجھ رکھا ہے؟ ذرا عقل سے کام لو۔ کچھ تو شرم کرو۔ دین سے تعلق نہیں رہا تو کیا دنیا سے بھی بے تعلق ہو؟ اس خط کی رسید ڈاکخانہ سے لی گئی ہے۔ وصولی سے انکار کرو گے تو وہ رسید تمہاری مکذّب ہوگی۔

ابوسعید محمد حسین عفا اللہ عنہ

ایڈیٹر اشاعۃ السنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

آپ کا خط دوسری شوال ۱۳۱۰ھ کو مجھ کو ملا۔ الحمد للہ والمنّۃ کہ آپ نے میرے اشتہار مؤرخہ ۳۰/ مارچ ۱۸۹۳ء کے جواب میں بذریعہ اپنے خط ۱۸/ اپریل ۱۸۹۳ء کے مجھ کو مطلع کیا کہ میں بالمقابلہ عربی عبارت میں تفسیر قرآن لکھنے کو حاضر ہوں۔ خاص کر مجھے اس سے بہت ہی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے خط کی دفعہ ۲ میں صاف لکھ دیا کہ میں تمہاری ہر ایک بات کی اجابت کے لئے مستعد ہوں۔ سو اس اشتہار کے متعلق باتیں جن کو آپ نے قبول کرلیا۔ صرف تین ہی ہیں زیادہ نہیں۔

اوّل یہ کہ ایک مجلس قرار پا کر قرعہ اندازی کے ذریعہ سے قرآن کریم کی ایک سورۃ جس کی آیتیں اسّی سے کم نہ ہوں، تفسیر کرنے کے لئے قرار پاوے۔ اور ایسا ہی قرعہ اندازی کی رُو سے قصیدہ کا بحر تجویز کیا جائے۔

دوسری یہ کہ وہ تفسیر قرآن کریم کے ایسے حقائق و معارف پر مشتمل ہو جو جدید ہوں اور منقولات کی مد میں داخل نہ ہوسکیں۔ اور بایں ہمہ عقیدہ متفق علیہا اہل سنت والجماعت سے مخالف بھی نہ ہو۔ اور یہ تفسیر عربی بلیغ فصیح اور مقفّٰی عبارت میں ہو۔ اور ساتھ اس کے ۱۰۰ شعر عربی بطور قصیدہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہو۔

تیسری یہ کہ فریقین کے لئے چالیس دن کی مہلت ہو۔ اس مہلت میں جو کچھ لکھ سکتے ہیں لکھیں اور پھر ایک مجلس میں سناویں۔

پس جبکہ آپ نے یہ کہہ دیا کہ میں آپ کی ہر ایک بات کی اجابت کیلئے مستعد ہوں تو صاف طور پر کھل گیا کہ آپ نے یہ تینوں باتیں مان لیں۔ اَب انشاء اللہ القدیر اسی پر سب فیصلہ ہو جائے گا۔ آج

اگر چہ روزِ عید سے دوسرا دن ہے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ کے مان لینے اور قبول کرنے سے مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ میں آج کے دن کو بھی عید کا ہی دن سمجھتا ہوں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ اب ایک کھلے کھلے فیصلہ کے لئے بات قائم ہوگئی۔ اب لوگ اس بات کو بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ خدا تعالیٰ اس عاجز کو بقول آپ کے کافر اور کذّاب ثابت کرتا ہے یا وہ امر ظاہر کرتا ہے جو صادقین کی تائید کے لئے اس کی عادت ہے۔ اگر چہ دل میں اس وقت یہ خیال بھی آتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آپ اس صاف اقرار کے بعد رسالہ میں کچھ اور کا اور لکھ ماریں، لیکن پھر اس بات سے تسلی ہوتی ہے کہ ایسے صاف اور کھلے کھلے اقرار کے بعد کہ میں نے آپ کی ہر ایک بات مان لی ہے۔ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ گریز کی طرف رُخ کریں اور اب آپ کے لئے یہ امر ممکن بھی نہیں کیونکہ آپ ان شرائط پیش کردہ کو بغیر اس عذر کے کہ ان کی انجام دہی کی مجھ میں لیاقت نہیں اور کسی صورت سے چھوڑ نہیں سکتے اور خود جیسا کہ آپ اپنے اس خط میں قبول کر چکے ہیں کہ میں نے ہر ایک بات مان لی تو پھر ماننے کے بعد انکار کرنا خلاف وعدہ ہے۔

مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ میری تحریر کے موافق آپ مباہلہ کے لئے بھی تیار ہیں اور اپنی ذات کی نسبت کوئی نشان بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ سبحان اللہ! اب تو آپ کچھ رخ پر آ گئے۔ اگر رسالہ میں کچھ نئے پتھر نہ ڈال دیں مگر کیوں کر ڈال سکتے ہیں۔ آپ کا یہ فقرہ کہ میں آپ کی ہر ایک بات کی اجابت کے لئے مستعد ہوں۔ طیار ہوں۔ حاضر ہوں۔ صاف خوشخبری دے رہا ہے کہ آپ نے میری ہر ایک بات اور ہر ایک شرط کو سچے دل سے مان لیا ہے۔ اب میں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس خوشخبری کو چھپایا نہ جائے بلکہ چھپوایا جائے۔ اس لئے معہ آپ کے خط کے اس خط کو چھاپ کر آپ کی خدمت میں نذر کرتا ہوں اور ایفاء وعدہ کا منتظر ہوں۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدٰی**۔☆

الراقم

۱۹؍اپریل ۱۸۹۳ء خاکسار

غلام احمد

از قادیان ضلع گورداسپور

☆ مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۳۲۱ تا ۳۲۳

امام الوقت کی خط و کتابت

ذیل میں ہم امام الزمان حضرت سیّدنا مرزا صاحب ایدہ اللہ کا وہ ہدایت نامہ بڑے فخر سے درج کرتے ہیں جو حضور نے میاں محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کو اُن کی یہ بات سن کر ''کہ میں نماز میں اُن پر لعنت کرتا ہوں۔'' معاذ اللہ''

اپنی سچی ہمدردی اور حقیقی جوشِ محبت سے (جو اس مقدس قوم کو بنی نوع انسان سے عموماً اور اپنے مخالفوں سے خصوصاً ہوتی ہے) لکھا اور یہ قول سچ کر دکھایا۔

گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں اُن لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اس خط کو پڑھ کر ہمارے ناظرین معلوم کریں گے کہ باوجودیکہ یہ کریم النفس انسان ایک نادان مولوی کے سبّ وشتم سے سخت ستایا گیا اور رنج دیا گیا اور نہ اپنے لئے بلکہ اس لئے کہ اُس نے اُس کو خدا کی اور آسمان کی باتیں سنائیں۔ ایسی حالت میں اس مقدس انسان نے جب کب اس نادان مخالف الرائے کے حق میں دعائے خیر ہی کی ہے اور ہمیشہ یہی آرزو ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو وہ آنکھ اور بصیرت دے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت نمائیوں کے دیکھنے پر قادر ہو سکے۔ اس وقت بھی اُس کے لعن طعن سن کر اس راست باز نے یہی چاہا کہ گو عرصہ سے خط و کتابت بند ہو۔ تو ہو۔ خود ہی ابتداء کر کے پھر اس کو تبلیغ کی اور ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہونے سے پیشتر اُس کو سچی ہمدردی اور جوش دل سے لکھا تا وہ اُس وقت جب وہ نشان ظاہر ہو۔ اس ہدایت نامہ سے مدد لے کر اپنی اصلاح کر لے۔ مگر اس شتاب کار مُلاں کی تیزی طبع ملاحظہ ہو کہ بجائے اس کے اُس خط سے استفادہ کرتا اور صبر و استقلال سے اُس نشان کا انتظار کرتا اور کرشمہ قدرت کو دیکھنے کے لئے اپنے آپ کو طیار کرتا۔ اُس معاملہ کرسی کے جھگڑے کو لے بیٹھا کہ ثابت کرو کہ مجھے مقدمہ ہنری کلارک میں کرسی نہیں ملی اور جھڑکیاں ملیں۔ ناظرین خود حضرت مسیح الزمان اور اُس کے خط کو پڑھ کر اندازہ کر لیں گے کہ کونسا خط اپنے اندر ہدایت کی روشنی اور کونسا بدحواسی کی تاریکی رکھتا ہے۔ الغرض ہم اُن

ہر دو خطوں کو ذیل میں چھاپ دیتے ہیں۔ حضرت مسیح الزمان نے اُسی روز میاں محمد حسین بٹالوی کے خط کے جواب میں ایک اشتہار چھاپ دیا ہے۔ جس کو اسی سلسلہ خط و کتابت میں ہم درج کرتے ہیں۔ ایڈیٹر

مکتوب نمبر۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

شیخ بٹالوی محمد حسین صاحب! ھداکم اللّٰہ

مجھے زبانی حبی فی اللہ مولوی قطب الدین صاحب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف کسی مصلحت سے آپ کے مکان پر گئے اور ہمدردی انسانی سے چاہا کہ آپ کو حق کی طرف دعوت کریں مگر آپ نے علاوہ کئی الفاظ سبّ وشتم کے جو میری نسبت استعمال کئے۔ یہ بھی کہا کہ میں نماز میں اُن پر لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں کے سننے سے اگرچہ آپ کی صلاحیت سے نومیدی ہوتی ہے مگر جیسا کہ میں نے بعض بشارات میں دیکھا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آپ پر عنقریب وہ زمانہ بھی آوے کہ آپ کی آنکھ کھلے اور آپ ان گستاخیوں اور شوخیوں اور بداندیشیوں سے توبہ کریں۔ اس لئے میں نے ایک ضروری امر پر آپ کو مطلع کرنے کے لئے یہ چند سطریں لکھیں ہیں۔ تا شاید کسی وقت یہ امر آپ کو کام آوے۔ اور آپ کی زیادہ بصیرت کا موجب ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ چند متواتر الہامات اور رؤیا سے مجھے معلوم ہوا کہ عنقریب ایک نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والا ہے۔ جو بہت سے لوگوں کو میری طرف کھینچے گا۔ اور اُس دن بہت سے نیک دل انسان سچائی کو پہچان لیں گے۔ میری اس تحریر کو آپ محفوظ رکھیں۔ میں چند کس معزز گواہوں کی شہادت اس پر ثبت کر کے آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور اس کام پر محض ہمدردی نے مجھ کو آمادہ کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ[1] سو کسی شخص سے

[1] الجنّ: ۲۷، ۲۸

ایسی پیشگوئی کا ظاہر ہونا جوغیب پر مشتمل ہو۔ اُس کے سچا ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ پر بہت افسوس ہے کہ اب تک آپ نے نہ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ سے فائدہ اُٹھایا اور نہ عقل خداداد سے کام لیا اور نہ آسمانی نشانوں سے، جو میرے ہاتھ پر یا میرے لئے ظاہر ہوئے، ہدایت پائی۔ احمد بیگ کی وفات سے لے کر لیکھرام کی موت تک ایک لمبا سلسلہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کا تھا، لیکن کسی نشان نے آپ کو فائدہ نہ دیا۔ آفتاب ماہتاب بھی رمضان میں منکسف ہوئے مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ نے انسانیت اور ٹھنڈے مزاج سے اپنے شبہات کو دور نہ کرایا۔ صدی میں بھی چودہ برس گذر گئے۔ مگر آپ نے کسی مجدد کا پتہ نہ دیا جو فتن موجودہ کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوا ہو۔ میں نے مباہلہ کے ساتھ بھی آپ سے فیصلہ کرنا چاہا مگر آپ وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ خدا تعالیٰ آپ کے حال پر رحم کرے۔ اب تو انتہا تک آپ کی نوبت پہنچ گئی۔ آپ کہتے تھے کہ میں نے ہی تم کو اونچا کیا اور میں ہی گراؤں گا۔ آپ کو سوچنا چاہیے کہ اس فضول گوئی میں کیسے آپ جھوٹے نکلے۔ کیا میں نے الہام کا دعویٰ آپ کے صلاح مشورہ سے کیا تھا۔ کیا میں نے کبھی آپ پر بھروسہ رکھا یا آپ کو کچھ چیز سمجھا؟ اور اب مختلف شہروں اور قریب اور دُور کے ملکوں کے صدہا آدمی اس جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ سو دیکھو۔ خدا تعالیٰ نے کیسے آپ کے غرور کو توڑا کہ میں ہی گرادوں گا۔ سچ ہے کہ آپ نے تو کسی چال بازی میں کسر نہ کی۔ مگر ہر ایک حملہ کے وقت آپ ہی کو ذلّت دیکھنی پڑی۔ پادریوں کے مقدمہ میں آپ نہایت ناز سے دامن کشاں کچہری میں پہنچے کہ تا میری ذلّت دیکھیں مگر خدا تعالیٰ نے میرے روبرو اور میری جماعت کے روبرو آپ کو ذلیل کیا۔ آپ کا کرسی طلب کرنا اور پھر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا تین جھڑکیاں دے کر کرسی سے محروم رکھنا۔ یہ کیسی ذلّت تھی کہ جو میرے رُوبرو میری جماعت کے رُوبرو، منشی غلام حیدر خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع کے رُوبرو، مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر کے رُوبرو، لالہ رام بھج دت وکیل کے روبرو اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے اردلیوں کے روبرو آپ کو نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے بھی آپ کی اس حالت پر رحم آیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ذلّت تھی یا کچھ اور تھا۔ آپ مجھے مفتری کہتے ہیں مگر بتلا نہیں سکتے کہ کیا ابتدا دنیا سے آج تک کوئی ایسا مفتری آپ نے دیکھا جس کو خدا تعالیٰ نے روزِ دعویٰ الہام سے میری طرح پچیس۲۵ برس تک مہلت دی ہو۔ جو خدا پر افترا کرے وہ تو کتّے کی عمر بھی نہیں پاتا اور جلد پکڑا جاتا ہے اور ہلاک

کیا جاتا ہے۔ اور میں تو پچیس۲۵ برس سے برابر خدا تعالیٰ کا الہام پیش کر رہا ہوں۔ براہین کا زمانہ ہی دیکھو جواب اٹھارہ برس کے قریب پہنچ گیا۔ اللہ جلّ شانہٗ سے شرم کرنی چاہیے۔ گواہوں کے دستخط دوسرے صفحہ پر اس ورق کے ثبت کئے گئے ہیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی، خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی، میر ناصر نواب صاحب، سیٹھ عبدالرحمٰن، حاجی اللہ رکھا جنرل مرچنٹ مدراس، مولوی محمد افضل صاحب سکنہ تھانہ لالہ موسیٰ، سیٹھ اسماعیل آدم تاجر بمبئی، مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی، مولوی قطب الدین صاحب سکنہ بدوملہی، میاں معراج الدین صاحب ٹھیکہ دار لاہور۔ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم۔ حافظ احمد اللہ خاں صاحب ناگپوری۔ سردار عبدالعزیز خاں صاحب قزلباش۔ عبدالرحمٰن خاں صاحب غزنوی۔ مولوی نورالدین صاحب بھیروی۔

محمد حسین کا خط

مقام بٹالہ۔ مورخہ ۲۸ رفروری ۱۸۹۸ء نمبر ۱۱۴

میاں غلام احمد صاحب خدا آپ کو راہ راست پر لاوے اور ضلالت والحاد سے نجات بخشے۔

السلام علی من اتبع الھدی۔ آپ کا خط ۲۸ رفروری ۹۸ء کو پہنچا۔ جس کو میں نے تعجب اور افسوس کے ساتھ پڑھا۔ افسوس آپ کے مرید میاں قطب الدین صاحب پر آیا کہ وہ کیا پیام وسوال لے گئے تھے اور کیا جواب لائے اور نہ سمجھے کہ وہ کیا پیام وسوال لے گئے تھے۔ اور کیا جواب لائے۔ اور نہ سمجھے کہ وہ میرے پیام وسوال کا جواب نہیں ہے۔ آپ نے ان پر چھوہ کر دیا۔ اُن کی چشم بصیرت کو نابینا کر دیا اس لئے وہ نہ سمجھ سکے کہ وہ جواب مطابق سوال نہیں ہے۔ اور یہ امر ان کو بطور پیشگوئی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ ان پر چھوہ کر دیں گے جو ظہور میں آیا۔

تعجب آپ کی جرأت پر آیا کہ آپ نے اس خط میں اپنے ان ہی پرانے ڈھکوسلوں کا اعادہ کر دیا اور شرم سے کام نہ لے کر یہ خیال نہ کیا کہ جن باتوں کا میں اعادہ کرتا ہوں ان کو تمہارا مخاطب بارہا بدلائل رد کر چکا ہے۔ پھر میں اُن کا اعادہ کیوں کرتا ہوں۔

اس افسوس اور تعجب کے بطلان پر دوبارہ اعادہ بطلب سوال اعادہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میاں

قطب الدین صاحب دوبارہ میرے پاس آئے ہیں اور آپ کی اس چال کو میرے سمجھانے سے سمجھ گئے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس خط کے ذریعہ میرا پیام دوبارہ پہنچانے کا وعدہ کر گئے ہیں۔

آپ نے کتاب البریہ کے صفحہ ۱۱و۱۴و۱۵ میں تین دعوے کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ محمد حسین نے صاحب ڈپٹی کمشنر سے کرسی طلب کی۔ اور کہا کہ اس کو عدالت میں کرسی ملتی ہے اور اُس کے باپ کو عدالت میں کرسی ملتی تھی۔ جس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے اُس کو **تین جھڑکیاں دیں** اور کہا کہ **تُو جھوٹا ہے۔ بک بک مت کر**۔ دوسرا یہ دعویٰ کہ پھر وہ باہر کے کمرہ میں ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ تو کپتان صاحب پولیس کی نظر اس پر جا پڑی اور اُس وقت کنسٹبل کی معرفت جھڑکی کے ساتھ اس کرسی سے اُٹھایا گیا۔ تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ پھر وہ ایک شخص کی چادر لے کر اس پر بیٹھ گیا تو اُس شخص نے چادر نیچے سے کھینچ لی۔ اور کہا کہ ایک مذہبی مقدمہ میں جو بناوٹی ہے پادریوں کی گواہی دیتا ہے۔ اور میری چادر پر بیٹھتا ہے۔ میں اپنی چادر پلید کرانی نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک یہ تینوں دعوے محض دروغ ہیں جس میں راستی کا شمہ دخل اور شائبہ بھی نہیں ہے۔ آپ ان دعووں میں سچے ہیں تو ایک جلسہ عام میں (جو بمقام لاہور یا گورداسپور یا بٹالہ ہو) ان ہی لوگوں میں سے جن کے نام اپنے خط میں درج کئے ہیں صرف دو یا تین اشخاص کو جن کو میں منتخب کروں پیش کریں۔ اور اُن سے شہادت دلوائیں۔ پس اگر وہ آپ کے بیان الفاظ کی تصدیق کریں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو آپ کے مقابلہ میں شکست یافتہ سمجھ کر آئندہ آپ کے ردّ و جواب سے قلم و زبان کو بند کرلوں گا۔ اور اگر ان گواہوں نے آپ کے بیان و الفاظ کی تصدیق نہ کی تو اس صورت میں آپ اپنے ملحدانہ دعاوی، مسیحائی، مجدّدیت، مہدویت، نبوت وغیرہ سے تائب ہو کر خالص اسلام کے پابند ہو جائیں گے۔ پیام یہ تھا جس کے جواب میں آپ نے صرف دعویٰ ہی (مطابق اصل) کر دیا اور نہ سوچا کہ دعویٰ تو آپ نے پہلے میں بھی کیا تھا۔ اُس دعوٰی کا ثبوت بذریعہ شہادت مطلوب تھا۔ نہ اعادہ دعوٰی۔ اب بھی آپ توجہ کریں اور جواب بمطابق سوال دیں ورنہ آپ کا خط اور یہ جواب عنقریب رسالہ میں مشتہر ہوگا۔

راقم آپ کا خیر خواہ قدیم

ابوسعید محمد حسین ☆

(نقل مطابق اصل) یہ مولوی صاحب کی انشا پردازی ہے۔ ایڈیٹر۔ ☆ الحکم ۶؍مارچ ۱۸۹۸ء صفحہ ۴، ۵

مکتوب نمبر ۲۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کیا محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کو عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور میں کرسی ملی؟

(راستی موجب رضائے خدااست)

نہایت افسوس ہے کہ اس زمانہ کے بعض نام کے مولوی محض اپنی عزت بنانے کے لئے یا کسی اورغرض نفسانی کی وجہ سے عمداً جھوٹ بولتے ہیں اوراس بدنمونہ سے عوام کوطرح طرح کے معاصی کی جرأت دیتے ہیں کیونکہ جھوٹ اُم الخبائث ہے اور جب کہ ایک شخص مولوی کہلا کر کھلی کھلی بے شرمی سے جھوٹ بولنا اختیار کرے تو بتلاؤ کہ عوام پراس کا کیا اثر ہوگا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ بے چارہ میاں شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعۃ السنہ کو بمقام بٹالہ کرسی مانگنے سے کپتان ایم ڈبلیوڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے تین مرتبہ تین جھڑکیاں دیں اور کرسی دینے سے انکار کیا اور کہا کہ ’’بک بک مت کر‘‘ اور ’’پیچھے ہٹ‘‘ اور ’’سیدھا کھڑا ہوجا‘‘۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ’’ہمارے پاس تمہارے کرسی ملنے کے بارے میں کوئی ھدایت نہیں‘‘ لیکن نہایت افسوس ہے کہ شیخ مذکور نے جابجا کرسی کے بارے میں جھوٹ بولا۔ کہیں تو یہ مشہور کیا کہ مجھے کرسی ملی تھی اور کسی جگہ یہ کہا کہ کرسی دیتے تھے مگر میں نے عمداً انہیں لی اور کسی جگہ یہ افترا کیا کہ عدالت میں کرسی کا ذکر ہی نہیں آیا۔ چنانچہ آج میری طرف بھی اس مضمون کا خط بھیجا ہے کہ گویا اس کا کرسی مانگنا اور کرسی نہ ملنا اور بجائے اس کے چند جھڑکیوں سے پیچھے ہٹائے جانا یہ باتیں غلط ہیں۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ ہم ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ بات فی الواقع سچ ہے کہ شیخ مذکور نے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے کرسی مانگی تھی اوراس کا اصل سبب یہی تھا کہ مجھے اُس نے صاحب

ڈپٹی کمشنر بہادر کے رُوبروے کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر بے اختیاری کے عالَم میں اپنی طمع خام کو ظاہر کیا اور نہ چاہا کہ میرا دشمن کرسی پر ہو اور میں زمین پر بیٹھوں۔ اس لئے بڑے جوش سے کچہری کے اندر داخل ہوتے ہی کرسی کی درخواست کی اور چونکہ عدالت میں نہ اس کو اور نہ اُس کے باپ کو کرسی ملتی تھی اس لئے وہ درخواست زجر اور توبیخ کے ساتھ رد کی گئی اور درحقیقت یہ سوال نہایت قابل شرم تھا کیونکہ سچ یہی ہے کہ نہ یہ شخص اور نہ اُس کا باپ رحیم بخش کبھی رئیسان کرسی نشین میں شمار کئے گئے اور اگر یہ یا اس کا باپ کرسی نشین تھے تو گویا سرلیپل گریفن نے بہت بڑی غلطی کی کہ جو اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان دونوں کا نام نہیں لکھا۔ غضب کی بات ہے کہ کہلانا مولوی اور اس قدر فاش دروغگوئی اور پھر آپ اپنے خط میں کرسی نہ ملنے کا مجھ سے ثبوت مانگتے ہیں۔ گویا اپنی ذلّت کو کامل طور پر تمام لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور اپنے خط میں وعدہ کرتے ہیں کہ اگر وہ کاذب نکلیں تو اپنے تئیں شکست یافتہ تصور کریں گے اور پھر کبھی ردّ وقدح نہیں کریں گے۔ افسوس! کہ اس شخص کو جھوٹ بولتے ذرّہ شرم نہیں آئی۔ جھوٹ کہ **اکبر الکبائر** اور تمام گناہوں کی ماں ہے کس طرح دلیری سے اس شخص نے اس پر زور دیا ہے۔ یہی دیانت اور امانت ان لوگوں کی ہے جس سے مجھے اور میری جماعت کو کافر ٹھہرایا اور دنیا میں شور مچایا۔

واضح رہے کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا کا **گواہ** کوئی ایک دو آدمی نہیں بلکہ اس وقت کہ کچہری کے اردگرد صدہا آدمی موجود تھے جو کرسی کے معاملہ کی اطلاع رکھتے ہیں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر **ایم ڈبلیو ڈگلس** صاحب بہادر خود اس بات کے گواہ ہیں جنہوں نے بار بار کہا کہ تجھے کرسی نہیں ملے گی۔ بک بک مت کر اور پھر **کپتان لیمارچنڈ صاحب** ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ اس بات کے گواہ ہیں کہ کرسی مانگنے پر محمد حسین کو کیا جواب ملا تھا اور کیسی عزت کی گئی تھی۔ پھر **منشی غلام حیدر خاں صاحب** سپرنٹنڈنٹ ضلع جواب تحصیلدار ہیں اور **مولوی فضل دین صاحب** پلیڈر اور **لالہ رام بھج دت صاحب** وکیل اور **ڈاکٹر کلارک صاحب** جن کی طرف سے یہ حضرت گواہ ہو کر گئے تھے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے **تمام اَردلی**۔ یہ سب میرے بیان مذکورہ بالا کے گواہ ہیں اور اگر کوئی شخص اُن میں سے محمد حسین کی حالت پر رحم کر کے اس کی پردہ پوشی بھی چاہے مگر میں خوب جانتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات پر قسم نہیں کھا سکے گا کہ یہ واقعہ کرسی نہ ملنے اور جھڑکیاں دینے کا جھوٹ ہے۔ مجھے حیرت پر حیرت

آتی ہے کہ اس شخص کو کیا ہو گیا اور اس قدر گندے جھوٹ پر کیوں کمر بستہ کی۔ ذرہ شرم نہیں کی کہ اس واقعہ کے تو صدہا آدمی گواہ ہیں وہ کیا کہیں گے۔ اس طرح تو آئندہ مولویوں کا اعتبار اُٹھ جائے گا۔ اگر درحقیقت اس شیخ بٹالوی کو کرسی ملی تھی اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے بڑے اکرام اور اعزاز سے اپنے پاس اُن کو کرسی پر بٹھا لیا تھا تو پتہ دینا چاہیے کہ وہ کرسی کہاں بچھائی گئی تھی۔ شیخ مذکور کو معلوم ہوگا کہ میری کرسی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بائیں طرف تھی اور دائیں طرف صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کی کرسی تھی اور اسی طرف ایک کرسی پر ڈاکٹر کلارک تھا۔ اب دکھلانا چاہیے کہ کونسی جگہ تھی جس میں شیخ محمد حسین بٹالوی کے لئے کرسی بچھائی گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جھوٹ بولنے سے مرنا بہتر ہے۔ اس شخص نے میری ذلت چاہی تھی اور اسی جوش میں پادریوں کا ساتھ کیا۔ خدا نے اُس کو عین عدالت میں ذلیل کیا۔ یہ حق کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ راستباز کی عداوت کا ثمرہ ہے۔

اگر اس بیان میں نعوذ باللہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو طریق تصفیہ دو ہیں۔ **اوّل** یہ کہ شیخ مذکور ہر ایک صاحب سے جو ذکر کئے گئے ہیں حلفی رقعہ طلب کرے جس میں قسم کھا کر میرے بیان کا انکار کیا ہو اور جب ایسے حلفی رقعے جمع ہو جائیں تو ایک جلسہ بمقام بٹالہ کر کے مجھ کو طلب کرے۔ میں شوق سے ایسے جلسہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میں ایسے شخص کے رقعہ کو دیکھنا چاہتا ہوں جس نے حلفاً اپنے رقعہ میں یہ بیان کیا ہو کہ محمد حسین نے کرسی نہیں مانگی اور نہ اس کو کوئی جھڑکی ملی بلکہ عزت کے ساتھ کرسی پر بٹھایا گیا۔ شیخ مذکور کو خوب یاد رہے کہ کوئی شخص اس کے لئے اپنا ایمان ضائع نہیں کریگا اور ہرگز ہرگز ممکن نہ ہوگا کہ کوئی شخص اشخاص مذکورین میں سے اس کے دعویٰ باطل کی تائید میں قسم کھاوے۔ واقعاتِ صحیحہ کو چھپانا بے ایمانوں کا کام ہے۔ پھر کیونکر کوئی معزز شیخ بٹالوی کے لئے مرتکب اس گناہ کا ہوگا اور اگر شیخ بٹالوی کو یہ جلسہ منظور نہیں تو دوسرا طریق تصفیہ یہ ہے کہ بلاتوقف ازالہ حیثیت عرفی میں میرے پر نالش کرے کیونکہ اس سے زیادہ اور کیا ازالہ حیثیت عرفی ہوگا کہ عدالت نے اس کو کرسی دی اور میں نے بجائے کرسی، جھڑکیاں بیان کیں اور عدالت نے قبول کیا کہ وہ اور اس کا باپ کرسی نشین رئیس ہیں اور میں نے اس کا انکار کیا۔ اور استغاثہ میں وہ یہ لکھا سکتا ہے کہ مجھے عدالت ڈگلس صاحب بہادر میں کرسی ملی تھی اور کوئی جھڑکی نہیں ملی اور اس شخص نے عام اشاعت کر دی ہے کہ مانگنے پر بھی کرسی نہیں ملی بلکہ جھڑکیاں ملیں اور ایسا ہی استغاثہ میں یہ بھی لکھا سکتا

ہے کہ مجھے قدیم سے عدالت میں کرسی ملتی تھی اور ضلع کے کرسی نشینوں میں میرا نام درج ہے اور میرے باپ کا نام بھی درج تھا لیکن اس شخص نے ان سب باتوں سے انکار کر کے خلافِ واقعہ بیان کیا ہے۔ پھر عدالت خود تحقیقات کر لے گی کہ آپ کو کرسی کی طلب کے وقت کرسی ملی تھی یا جھڑکیاں ملی تھیں اور دفتر سے معلوم کرلیا جائے گا کہ آپ اور آپ کے والد صاحب کب سے کرسی نشین رئیس شمار کئے گئے ہیں کیونکہ سرکاری دفتروں میں ہمیشہ ایسے کاغذات موجود ہوتے ہیں جن میں کرسی نشین رئیسوں کا نام درج ہوتا ہے۔ اگر شیخ مذکور نے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریق اختیار نہ کیا تو پھر ناچار ہمارا یہی قول ہے کہ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ زیادہ کیا لکھیں۔

اور یاد رہے کہ ہمیں بالطبع نفرت تھی کہ ایسے ایک شخصی معاملہ میں قلم اُٹھائیں اور ذاتیات کے جھگڑوں میں اپنے تئیں ڈالیں اور اگر شیخ محمد حسین بٹالوی صرف اسی قدر جھوٹ پر کفایت کرتا کہ مجالس میں ہمارا ذکر درمیان نہ لاتا اور صرف اپنی پردہ پوشی کے لئے کرسی مانگنے کے معاملہ سے انکار کرتا رہتا تو ہمیں کچھ ضرورت نہ تھی کہ اصل حقیقت کو پبلک پر کھولتے۔ لیکن اس نے نہایت خیرگی اختیار کر کے ہر ایک مجلس میں ہماری تکذیب شروع کی اور سراسر افتراء سے میری نسبت ہر ایک جگہ یہ دعویٰ کیا کہ یہ شخص کاذب ہے اور اس نے میرے پر کرسی کے معاملہ میں جھوٹ باندھا ہے اور اس طرح پر عوام کے دلوں پر بُرا اثر ڈالنا چاہا۔ تب ہم نے اُس کے اس دروغ کو اکثر نادانوں کے دلوں پر مؤثر دیکھ کر محض حق کی حمایت میں یہ اشتہار لکھا تا بعض ناواقف ایک راست گو کو جھوٹا سمجھ کر ہلاک نہ ہو جائیں اور تا اس کی یہ دجالی تقریریں حقانی سلسلہ کی رہزن نہ ہوں۔ غرض اسی ضرورت کی وجہ سے ہمیں اس کے اس مکروہ جھوٹ کو کھولنا پڑا۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ وہ خط شیخ محمد حسین بٹالوی کا میرے پاس موجود ہے جو آج یکم مارچ ۱۸۹۸ء کو بٹالہ سے اُس نے بھیجا ہے جس میں میرے بیان کرسی نہ ملنے اور جھڑکی کھانے سے صاف انکار کیا ہے اور ایسا ہی اُن لوگوں کے خط بھی محفوظ ہیں جن کے روبروے طرح طرح کی دروغگوئی سے اس واقعہ کو پوشیدہ کرنا چاہا ہے جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں اور میں مناسب دیکھتا ہوں کہ اُن معزز گواہوں کے نام بھی اس جگہ درج کر دوں جنہوں نے واقعہ مذکورہ بالا بچشم خود دیکھا اور یا عین موقعہ پر سُنا اور جو کچہری میں حاضر تھے اور وہ یہ ہیں۔

حکیم فضل الدین صاحب بھیروی، مرزا ایوب بیگ صاحب سینیئر اینگلو ورنیکولر کلاس لاہور (یہ دونوں صاحب بھی کمرہ عدالت کے اندر تھےاور باقی اکثر صاحبان دروازہ کے باہر سے دیکھتے تھے۔) مولوی حکیم نورالدین بھیروی، صاحبزادہ منظور محمد صاحب لدھیانوی، مولوی خان ملک صاحب، حافظ احمداللہ خاں صاحب قادیان، قاضی غلام حسین صاحب بھیروی سٹوڈنٹ لاہور، شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم قادیان، شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم قادیان، شیخ عبدالعزیز صاحب نومسلم قادیان، صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب لدھیانہ، شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند امرتسر، سردار عبدالعزیز خان صاحب حال وارد قادیان، میاں کرم داد صاحب حال وارد قادیان، میاں عبدالحق صاحب جہلمی، میاں رمضان صاحب آتشباز قادیان، چوہدری نبی بخش صاحب بٹالہ، منشی تاج الدین صاحب دفتر اگزیمنر ریلوے لاہور، منشی عبدالرحمٰن صاحب کلرک لوکو آفس ریلوے لاہور، میاں معراج الدین صاحب ٹھیکیدار وارث میاں محمد سلطان، حافظ فضل احمد صاحب کلرک دفتر اگزیمنر ریلوے لاہور، مرزا رحمت علی صاحب ٹیچر اسلامیہ کالج لاہور، حکیم فضل الٰہی صاحب لاہور، خلیفہ رجب دین صاحب تاجر لاہور، منشی خواجہ عزیز الدین صاحب تاجر لاہور، میاں غلام حسین صاحب لاہور، میاں عبدالحق صاحب طالب علم لاہور، میاں شیر علی صاحب طالبعلم بی اے کلاس لاہور، مرزا یعقوب صاحب اسٹنٹ سرجن لاہور، مولوی محمد علی صاحب ایم اے لاہور، میاں محمد شریف صاحب طالبعلم میڈیکل کالج لاہور، میاں عبیداللہ صاحب طالبعلم میڈیکل کالج لاہور، خواجہ کمال الدین صاحب بی اے لاہور، مفتی محمد صادق صاحب کلرک لاہور، میاں شیر محمد صاحب طالبعلم بی اے کلاس علیگڑھ۔ حافظ عبدالعلی صاحب طالبعلم بی اے کلاس علیگڑھ، میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسر، میاں عبدالخالق صاحب عطار امرتسر، شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر امرتسر حال قادیان، میاں قطب الدین صاحب مس گر امرتسر، شیخ عطاء اللہ صاحب مس گر امرتسر، میاں جیون بٹ رفوگر قلعہ بھنگیاں، مولوی محمد اسماعیل صاحب سوداگر امرتسر، میاں اللہ بخش صاحب امرتسر، میاں چراغ الدین صاحب امرتسر، میاں مولا بخش صاحب پٹوہلی امرتسر، مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹ، سید حامد شاہ صاحب مثل خواں سیالکوٹ، منشی عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر صدر سیالکوٹ، مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹ، منشی محمد دین صاحب اپیل نویس سیالکوٹ، ماسٹر غلام محمد صاحب بی۔ اے سیالکوٹ، مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹ، ڈاکٹر فیض قادر صاحب

بٹالہ، محمد اکبر صاحب ٹھیکہ دار بٹالہ، حکیم محمد اشرف صاحب بٹالہ، قاضی نعمت علی صاحب عرضی نویس بٹالہ، میاں برکت علی صاحب نیچہ بند بٹالہ، میاں اللہ رکھا صاحب شالباف بٹالہ، مولوی غلام مصطفیٰ صاحب مہتمم مطبع شعلہ نور بٹالہ، محمد افضل خانصاحب یتیم مدرسہ حمایت اسلام لاہور، مولوی برہان الدین صاحب جہلم، عبداللہ خان صاحب برادر نواب خان صاحب تحصیلدار جہلم، میاں حسن محمد صاحب ٹھیکیدار جہلم، منشی روڑا صاحب نقشہ نویس عدالت مجسٹریٹی کپورتھلہ، منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس کپورتھلہ، میاں محمد خان صاحب منشی بگھی خانہ کپورتھلہ، منشی عبدالرحمٰن صاحب اہلمد محکمہ جرنیلی کپورتھلہ، منشی فیاض علی صاحب منشی پلٹن کپورتھلہ، میاں اللہ دیا صاحب جلد ساز لدھیانہ، میاں امیر الدین صاحب جیانوالہ، مرزا خدا بخش صاحب اتالیق مالیر کوٹلہ، منشی محمد جان صاحب وزیر آباد تاجر، خلیفہ نورالدین صاحب تاجر جموں، مرزا نیاز بیگ صاحب رئیس پنشنر کلانور، مولوی خدا بخش صاحب جالندھر، شیخ عطا محمد صاحب اسٹامپ فروش چنیوٹ، میاں نجم الدین صاحب بھیرہ، مفتی فضل الرحمٰن صاحب بھیرہ، منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ضلع گورداسپور، شیخ محمد صدیق صاحب تاجر سیکھواں ضلع گورداسپور، میاں جمال الدین صاحب تاجر سیکھواں گورداسپور، میاں امام الدین صاحب تاجر سیکھواں گورداسپور، میاں خیر الدین صاحب تاجر سیکھواں گورداسپور، مہر سون صاحب گورداسپور، حافظ نور محمد صاحب زمیندار فیض اللہ چک گورداسپور، شیخ فضل الٰہی صاحب نمبردار فیض اللہ چک گورداسپور، شیخ غلام علی صاحب فیض اللہ چک گورداسپور، شیخ چراغ علی صاحب تھہ غلام نبی گورداسپور، شیخ شہاب الدین صاحب ککے زئی تھہ غلام نبی گورداسپور، شیخ امیر صاحب تھہ غلام نبی گورداسپور، شیخ شیر علی صاحب تھہ غلام نبی گورداسپور، شیخ احمد علی صاحب نمبردار وزیر چک گورداسپور، میاں چراغ الدین صاحب منڈی کنال گورداسپور، سید باقر علی صاحب بھیل ضلع گجرات، میاں عبدالغنی صاحب اوجلہ ضلع گورداسپور، محمد شفیع صاحب اوجلہ ضلع گورداسپور، نواب الدین صاحب ہیڈ ماسٹر دینا نگر، میاں اللہ دیا صاحب دینا نگر، مرزا سندھی بیگ صاحب دینا نگر، حافظ محی الدین صاحب بھیرہ، حافظ محمد حسین صاحب واعظ قصبہ ڈنگے ضلع گجرات۔

المشتہر

مرزا غلام احمد قادیان

ضلع گورداسپور

۲؍مارچ ۱۸۹۸ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان

☆ ۶؍مارچ ۱۸۹۸ء صفحہ ۶۵

غیر احمدی علماء
کے نام خطوط
(۲)

سابقہ جلد ششم

مرتبہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

صفحہ ۳۷۷ تا ۴۹۸

فہرست مکتوبات

غیر احمدی علماء کے نام

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱	۳۸۴	یکم مارچ ۱۸۸۴ء	مولوی نور محمد صاحب
۲	۳۹۲	دسمبر ۱۸۸۴ء	حاجی محمد ولی اللہ صاحب ۞
۳	۳۹۴	۲۳ دسمبر ۱۸۸۴ء	حاجی محمد ولی اللہ صاحب
۴	۳۹۶	۳۰ دسمبر ۱۸۸۴ء	حاجی محمد ولی اللہ صاحب
۵	۳۹۹	۴ فروری ۱۸۸۵ء	حاجی محمد ولی اللہ صاحب ۞
۶	۴۰۷	۲۱ مئی ۱۸۸۶ء	حاجی محمد ولی اللہ صاحب
۷	۴۱۰	۲۸ اپریل ۱۸۸۸ء	مولوی امام الدین صاحب
۸	۴۱۳	۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء	مولوی امام الدین صاحب
۹	۴۲۴	۱۱ فروری ۱۸۹۱ء	مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی
۱۰	۴۳۰	۲۳ اگست ۱۸۹۱ء	اقرار نامہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
۱۱	۴۳۲	۲۴ اگست ۱۸۹۱ء	اہل اسلام لدھیانہ
۱۲	۴۳۷	۲۴ اگست ۱۸۹۱ء	اہل اسلام لاہور
۱۳	۴۴۲	۲۴ اپریل ۱۸۸۹ء	مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی ۞
۱۴	۴۴۳	۱۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء	مولوی محمد احمد صاحب

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب	مکتوب بنام
۱۵	۴۴۳	بلاتاریخ	مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی
۱۶	۴۴۴	۲۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء	مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی
۱۷	۴۴۴	۲۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء	مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی
۱۸	۴۴۵	۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء	مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی
۱۹	۴۴۷	۲۴ مئی ۱۸۹۳ء	مولوی عبدالحق صاحب غزنوی
۲۰	۴۵۷	۱۸۹۶ء	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی
۲۱	۴۶۱	۶ جنوری ۱۸۹۷ء	غلام دستگیری صاحب قصوری ۞
۲۲	۴۶۲	بلاتاریخ	غلام دستگیری صاحب قصوری
۲۳	۴۶۸	۲۷ اپریل ۱۸۹۹ء	حافظ محمد یوسف صاحب
۲۴	۴۷۰	۱۵ مئی ۱۸۹۹ء	حافظ محمد یوسف صاحب
۲۵	۴۷۷	۱۶ جون ۱۸۹۹	بابو الٰہی بخش صاحب
۲۶	۴۸۳	۱۰ دسمبر ۱۸۹۹ء	مولوی سلطان محمود صاحب
۲۷	۴۸۶	۱۷ جون ۱۹۰۲ء	ایک مشہور درسگاہ کا صاحبزادہ
۲۸	۴۸۹	۲۰ جون ۱۹۰۵ء	منشی عبدالقادر صاحب بیدل ۞
۲۹	۴۹۷	۱۹۰۶ء	قاضی نذر حسین صاحب قلقل ۞

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

(تمہیدی نوٹ)

اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد ہے کہ اس نے اس خاکسار کو توفیق بخشی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات کی چھٹی جلد کو ترتیب دے۔ اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اس جلد میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان مکاتیب کو جمع کرنے کی سعی کی ہے جو آپ نے مخالف الرائے علماء ومشائخین اور غیر احمدی مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً لکھے۔ یہ مکاتیب کبھی تو بعض کے استفسارات کے جواب میں لکھے گئے اور کبھی اتمامِ حجت اور تبلیغِ حق کیلئے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ مکتوب الیہم کے متعلق ایک مختصر سا نوٹ دے دوں تا کہ تاریخ سلسلہ میں ان کی حیثیت ظاہر رہے۔

مکتوباتِ احمدیہ کے سلسلہ میں اس وقت تک پانچ جلدیں نو نمبروں میں شائع ہو چکی ہیں اور اس لحاظ سے یہ دسویں جلد ہے۔ ایک جلد متفرقات کی ہوگی اور اس طرح مکتوبات کے سلسلہ کی تکمیل ہو جائے گی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوۡفِیۡقُ۔

مکتوبات کی جمع وترتیب بھی دراصل سیرۃ وسوانح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اہم حصہ ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس کام کو میں متواتر اور مسلسل جاری نہیں رکھ سکا۔ میں اپنی کمزوریوں سے ناواقف نہیں مگر میں ایک یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس غفلت اور کوتاہی کے لئے جماعت بھی منفرداً ومجتمعاً ذمہ دار ہے اِلَّامَاشَآءَ اللّٰہُ اس لئے کہ اس نے اس کام کی اہمیت کو ابھی تک نہیں سمجھا۔ بہرحال میں اپنے ذوق اور استعداد کے موافق اس سے غافل نہیں رہا اور یہ اسی جذبہ کی ایک حقیر کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے آمین۔

خاکسار عرفانی کبیر

ازسکندر آباد دکن

۲۸ رفروری ۱۹۵۰ء

مولوی نور محمد صاحب کے نام

(تعارفی نوٹ)

لکھو کے ضلع فیروز پور میں مولوی محمد صاحب لکھو کے والے ایک مشہور عالم خاندان کے رکن تھے۔ انہوں نے پنجابی زبان میں بعض کتابیں ’’احوال الآخرت‘‘ وغیرہ تصنیف کی تھیں اور کچھ قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ اس خاندان کے بعض افراد کو خواب بینی یا الہام کا بھی دعویٰ تھا۔ اسی خاندان کے ایک فرد مولوی نور محمد صاحب بھی تھے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ یہ مکتوب جو میں نیچے درج کر رہا ہوں، انہیں کے نام ہے۔ میں نے جب ان کو دیکھا تو وہ سلسلہ کے خلاف ضلع گورداسپور میں دورہ کر رہے تھے اور وہ قادیان بھی آئے اور انہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت اقدس کے ابنائے عم آپ کے مخالف ہیں۔ اس لئے انہیں بڑی امیدیں تھیں۔ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بحمد اللہ عینی شاہد ہوں۔ وہ ایک گھوڑی پر سوار تھے، مسجد مبارک کے سامنے ایک چبوترہ پر مرزا نظام الدین صاحب بیٹھے ہوئے تھے، ان سے ہی اس نے دریافت کیا کہ نمبر دار مرزا نظام الدین صاحب سے ملنا ہے۔ مرزا صاحب نے دریافت کیا۔ کیا کام ہے؟ میں ہی ہوں۔ اس نے کہا کہ یہاں مرزا نے دعویٰ کیا ہے میں اس کی مخالفت کرنے آیا ہوں۔ مرزا نظام الدین صاحب نے ہنس کر کہا کہ یہ سمجھا ہوگا کہ ہم ان کے مخالف ہیں۔ یہاں کوئی تقریر نہیں ہوسکتی۔ روٹی کھانی ہے تو منگوا دیتا ہوں۔ ورنہ سیدھے چلے جاؤ۔ تمہارا کچھ کام نہیں۔ اس پر وہ سیدھا بازار کے راستہ چلا گیا۔ بازار میں بھی کسی نے پوچھا نہیں۔ میں نے مرزا نظام الدین صاحب کے جواب کو نہایت نرم الفاظ میں لکھا ہے ورنہ اُنہوں نے تو نہایت خشونت سے اپنے محاورہ میں ان سے کلام کیا تھا۔ پس یہ وہ نور محمد صاحب ہیں۔

(عرفانی کبیر)

مکتوب نمبر ا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ازطرف احقر عباد عائذ باللہ الصمد

بہ مخدومی مکرمی مولوی نور محمد صاحب۔ سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی۔

اما بعد۔ نامہ گرامی آں مخدوم پہنچا۔ یہ عاجز بباعث کم فرصتی و مشغولی ملاقات بعض احباب و نیز بوجہ ضعف طبیعت اب تک جواب لکھنے سے مقصر رہا اور اب بھی اس قدر طاقت و فرصت نہیں کہ مفصل لکھوں۔ صرف مجمل طور پر عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ عاجز اپنی ذاتی حالت کی رو سے فی الواقع نہایت آلودہ دامن اور ناچیز اور ہیچ ہے اور جس قدر بدظنی کی جائے وہ تھوڑی ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ لیکن اگر رنج ہے تو صرف اس قدر ہے کہ جس بنا پر آپ اور آپ کے ان بزرگوں نے جن کے رویا اور کشوف آپ کے زعم خام میں قطعی اور یقینی ہیں۔ جن میں وحی انبیاء کی طرح ایک ذرہ خطا اور غلطی کی گنجائش نہیں ہے، اس احقر عباد پر کذب اور افترا کا الزام لگایا ہے اور اپنے گمان میں بہت کچھ فساد اور شرک اور کفر کی حالت کو بہ نسبت ایں احقر یقین کرلیا ہے۔ ایسا یقین مسلمانوں کی حالت سے بعید ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَصۡلِحۡ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اور آپ کے بزرگوار کو بڑی وحشت میں اس خواب نے ڈالا ہے کہ جو نقول آپ کے اس بزرگوار نے دیکھی ہے جس میں ان کے متخیّلہ پر ایسا ظاہر ہوا کہ گویا یہ عاجز ایک ’’جھوٹہ‘‘ پر سوار ہے اور گلے میں زنّار ہے۔ جھوٹے کے دُم کی طرف منہ ہے اور پھر اس بزرگ نے یہ دیکھا کہ یہ عاجز ایک ریچھ کی کھال پر بیٹھا ہوا ہے اور اس پر قرآن شریف رکھا ہوا ہے۔ اور پھر ایک دوسرے بزرگ نے بقول آپ کے اس عاجز کی بینائی میں فرق دیکھا۔ ان دونوں خوابوں کی صورت پر نظر کر کے سیرت حسن ظن اسلامی کو آپ نے چھوڑ دیا اور جو کچھ تمہارے ربّ کریم نے تاکید فرمائی ہے کہ ظن المومنین والمومنات کا اپنے بھائیوں سے بخیر ہونا چاہئے۔ اس تاکید کو یک لخت بھول گئے اور بڑے دعوے سے زبان کھولی کہ ضرور دال میں

کچھ کالا ہے۔ برادرم! آپ ناراض نہ ہو جائیں کہ یہ کلمہ کفر سے کچھ کم نہیں۔ کاش اگر آپ کو کچھ سمجھ ہوتی کسی مومن کی نسبت ایسے ایسے وجوہات سے کفر یا شرک یا فسق اور افترا کا یقین کرنا اور یہ کہنا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے، پرہیزگار اور نیک شعار اور نیک طبیعت مسلمانوں کا ہرگز طریق نہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ[1] نہ معلوم کہ آپ اور آپ کے بزرگوار کہاں سے اور کس سے سُن آئے کہ جو صورت مثالی خواب یا کشف میں مشہود ہو وہی صورت حقیقت مقصودہ ہوتی ہے۔ کیونکہ آج تک تمام معبرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ہر ایک نوع رؤیا اور کشوف میں اکثری اصول یہی ہے کہ جو امور صور حسیّہ اور مثالیہ میں ظاہر ہوتے ہیں وہ اپنی ظاہری شکل پر حمل نہیں کئے جاتے۔ کیونکہ وہ تمام معانی ہیں جن کو ان صورتوں سے بوجہ من الوجوہ مناسبت ہے اور یہ مناسبت ہے کہ جو صرف بوجہ اعتقاد رائی قوت متخلیہ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے دشمن کو سانپ کی صورت میں دیکھتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ سانپ کی صفات ذمیمہ فی الحقیقت اس دشمن میں موجود ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ دشمن اپنی ذاتی حالت کی رو سے پارسا اور نیک آدمی ہو اور صرف رائی کے خبث اعتقاد نے سانپ کی صورت پر اس کو کر دیا ہو۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو معانی صور مثالیہ میں مشتمل ہو کر قوت متخیلہ پر ظاہر ہوتے ہیں وہ شخص رائی کی خود اپنی ہی حالت ہوتی ہے اور جو خبث اور فساد کی کسی دوسرے کی نسبت وہ رائی دیکھتا ہے۔ حقیقت میں وہ تمام خبث اور فساد اس کے اپنے ہی نفس میں بھرا ہوا ہے اور شخص مرئی جو کامل اور آئینہ صفت ہوتا ہے، وہ آئینہ کی طرح وہ خبث اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہ جو نہایت بدشکل ہے جب وہ اپنی صورت آئینہ میں دیکھے گا تو ضرور اس کی شکل کا عکس آئینہ میں پڑے گا۔ اب یہ بات نہیں کہ آئینہ بدشکل ہے بلکہ بباعث نہایت صفائی کے اس میں انعکاس بدشکلی کا ہو گیا ہے۔ اسی جہت سے محققین علم تعبیر لکھتے ہیں کہ جو لوگ فانی ہیں وہ بباعث آئینہ صفت ہونے کے محل انعکاسی صفات ہو جایا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے قدیم سے یہ تحریر ہوتا چلا آیا ہے کہ اکثر کَفَرہ فَجَرہ نے یا ایسوں نے جن کا خاتمہ بد تھا انبیاء اور اولیاء کو خراب اور فاسد حالتوں میں دیکھا ہے اور آخر انجام ایسے لوگوں کا

[1] البقرۃ: ۹

بد ہوا ہے اور کفر پر مرے ہیں۔تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک بزرگ مولوی فضل احمد نام نے کہ جو موضع فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے ہیں، ایام خوردسال میں اس احقر کے استاد بھی تھے اور اب تک بقیدِ حیات ہیں۔اس عاجز کے پاس ذکر کیا کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا ﷺ کو حالت خراب میں دیکھا اور لباس و وضع و مکان و حالت وغیرہ امور میں نالائق باتیں مشاہدہ کیں اور مولوی صاحب فرمانے لگے کہ اس خواب کے سننے سے مجھے بہت انقباض ہے اور ہر چند اس وسوسہ کو دور کرتا ہوں مگر بے اختیاری ہے۔تب میں نے امام زین العابدین وغیرہ کے اقوال ان کو پڑھ کر سنائے اور معتبر رسائل تعبیر کے کھول کر ان پر ظاہر کیا کہ اس پلید باطن نے اپنے ہی نفس کو دیکھا ہے، نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو۔اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس کا خاتمہ بد ہوگا۔تب مولوی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کا تمام انقباض دور ہوگیا اور فرمانے لگے کہ وہ شخص کچھ تھوڑی مدت اس خواب کے بعد عیسائی بھی ہوگیا ہے۔سو خاتمہ بد پر ہی قوی علامت ہے اور نیز مولوی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اس عمدہ تعبیر کی ہرگز خبر نہ تھی۔ اب مجھ کو بہت بصیرت حاصل ہوئی۔سچ ہے کہ بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے۔غرض یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص فانیوں کو حالت خراب میں دیکھتا ہے وہ درحقیقت اپنے ہی نفس کی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے اور سِرّ اس میں یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے فانی ہے وہ بباعث اپنی نہایت شفقت کے کہ جو اس کو عباد اللہ سے ہے۔دوسروں کی حالت پر کہ جن میں شخص خواب بین بھی داخل ہے ایسا ہی دردمند ہے کہ جیسا کہ خود صاحب درد کو ہونا چاہئے۔پس اسی جہت سے شخص رائی کی حالت ناقصہ اس صاحب کمال میں کہ جو بوجہ غایت شفقت محو فی الخلق بھی بطور انعکاس دکھائی دیتی ہے اور سادہ لوح کو یہ دھوکہ لگتا ہے کہ واقعی طور پر یہ حالت اس میں موجود ہے۔اور کبھی اس کا باعث یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی شخص کا حال اور مقام دریافت کرنے کے لئے باطنی طور پر توجہ کرتا ہے اور وہ شخص جس کا حال دریافت کرنا منظور ہے۔وہ شخصِ متوجّہ کے منبع نظر سے بہت دور ہوتا ہے۔ناچار نظر باطنی کے تھکنے کی وجہ سے کچھ اپنے ہی حالات ظاہر ہوجاتے ہیں۔جیسے ایک شخص کہ جو آسمان کی طرف نظر کرتا ہے تو آسمان بوجہ دور ہونے کے اس کو نظر نہیں آتا۔لیکن اپنی ہی آنکھوں کے کبودی سایے فضاءِ آسمان میں

دکھائی دیتی ہے اور دھوکے سے نادان آدمی یہ خیال کر لیتا ہے کہ آسمان برنگ کبود ہے۔ حالانکہ وہ ایک نورانی اور پاک جوہر ہے۔ سو اسی طرح نقصان توجہ سے بھی دھوکے لگتے رہے ہیں جس میں سلب ایمان کا خطرہ رہتا ہے۔

اب قصے کو مختصر کر کے گزارش کرتا ہوں کہ جو آپ کے بزرگوار نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کی رو سے نہایت عمدہ خواب ہے۔ کاش! آپ کے بزرگوار اور نیز آپ کو کچھ حصہ علم تعبیر سے ہوتا۔ تا دونوں تہلکہ بدظنی سے بچ جاتے۔ سو جاننا چاہئے کہ امام ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ زنّار کا باندھنا مستور الحال کے لئے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صاحب عزم ہے اور نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا جب تک اپنے دشمنوں سے انصاف نہ لے اور گاؤمیش سے قومِ لایعقل اور نفس پرست لوگ مراد ہیں اور اس پر سوار ہونا اشارہ بہ غلبہ وظفر و فتح ہے۔ جس سے بالآخر سب نااہل ونفس پرست ذلیل ہو جائیں گے اور حق ظاہر ہو جائے گا اور یہ جو اس بزرگ نے دیکھا کہ سواری کی حالت میں دُم کی طرف منہ ہے۔ یہ اِعْرَاض عَنِ الْجَاهِلِين کی طرف اشارہ ہے یعنی جاہلوں سے منہ پھیرا ہوا ہے اور ان کے جاہلانہ شور وغوغا کی طرف التفات نہیں۔ سو دُم کی طرف منہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ جاہلوں سے اعراض کیا ہوا ہے اور آیت اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ[1] پر عمل ہے اور دوسری خواب پہلی خواب کی تائید میں ہے۔ ریچھ سے مراد احمق اور سفلہ آدمی ہیں کہ جو ریچھ کی طرح ناحق اُلجھتے ہیں اور ریچھ کی کھال پر بیٹھنا تسلط تام سے مراد ہے۔ اور ریچھ کی کھال اس کے اخلاق ذمیمہ کا پردہ ہے جس پردہ کو خداوند کریم بذریعہ اس عاجز کے فاش کرے گا۔ اور یہ جو دیکھا کہ قرآن شریف اس کھال پر رکھا ہوا ہے۔ اس کی یہ تعبیر ہے کہ حجت قرآنی ایسے ریچھوں پر قائم ہو جائے گی۔ گویا قرآن اس کھال پر رکھا گیا اور فرق بینائی سے اندوہ وحزن مراد ہے کہ جو شفقةً علیٰ خلق اللہ طاری حال ہے۔ چنانچہ ابن سیرینؒ وغیرہ معبروں نے شخص مامور الحال کیلئے یہی تعبیر لکھی ہے اور حوالہ اس آیت کا دیا ہے۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ[2]

یہ تعبیر اوّل کشف صریح کے ذریعہ سے اور پھر ابن سیرینؒ وغیرہ کے معتبر اقوال سے

[1] الاعراف: ۲۰۰ [2] یوسف: ۸۵

بپایہ صداقت پہنچ گئی ہے۔ فَالْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

افسوس! کہ آپ کو ان قطعی اور یقینی الہامات سے کہ جو مخالفوں کی شہادت سے بپایہ ثبوت پہنچ گئے، کچھ ہدایت نہ ہوئی۔ کیا صدہا انوار یقینیہ قطعیہ کے سامنے کسی کی پیش جا سکتی ہے؟

خدا تعالیٰ اس اُمت پر رحم کرے اور مرض خفاش سیرتی کو، کہ جو ظلمت سے پیار اور نور سے بغض رکھنے کا موجب ہوا ہے، آپ دور فرما وے۔ آمین۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَرْبَابِ الصِّدْقِ وَالدِّیْنِ۔

یکم مارچ ۸۴ء مطابق ۲ر جمادی الاوّل ۱۳۰۱ھ ☆

نوٹ:۔ اس خط میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم تعبیر الرؤیا کے بعض عجیب نکات بیان فرمائے ہیں اور آپ کے دشمن نے آپ کی نسبت جو خواب دیکھا ظاہر کیا۔ جس نے مولوی نور محمد صاحب کو ٹھوکر دی، علم تعبیر الرویا کے ذریعہ اس کی صحیح تعبیر پیش کی اور بتایا کہ دشمن کا یہ خواب بھی آپ کی صداقت اور ماموریت کی دلیل ہے اور جہاں خود حضرت پر نازل شدہ الہامات و بشارات میں آپ کی کامیابی کی قبل از وقت پیشگوئیاں ہیں۔ دشمن کا یہ خواب بھی ان کا مؤید ہے۔☆

☆......☆......☆

☆ الحکم ۱۶ جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۲، ۳

حاجی محمد ولی اللہ صاحب

(تعارفی نوٹ)

حاجی محمد ولی اللہ صاحب ریاست کپورتھلہ کے ایک معزز عہدہ دار تھے۔ اپنی سمجھ اور فکر کے موافق اس عہد کے دیندار مسلمانوں میں آپ کا شمار تھا۔ وہ ابتداً سرکارانگریزی میں ملازم تھے۔ مگر جب بندوبست کا آغاز پنجاب میں ہوا تو ریاست کپورتھلہ کے مہاراجہ نے آپ کی خدمات کو مستعار لے لیا اور پھر مستقل طور پر اپنی ریاست میں رکھا۔ وہ صاف گو اور دلیر عہدہ دار تھے۔ ریاستی پالیٹکس کے قابل نہ تھے۔ اس لئے وہ ریاست کے **وزیراعظم** تو نہ ہو سکے مگر یہ واقعہ ہے کہ وزیراعظم تک ان سے دبتے تھے۔ **حاجی صاحب کا خاندان ضلع میرٹھ کا ایک معزز خاندان تھا** اور ایک مدبّر اور علم دوست خاندان سمجھا جاتا تھا۔

حاجی صاحب اگرچہ خود احمدی نہ ہو سکے مگر یہ واقعہ ہے کہ کپورتھلہ کی جماعت کا باعث وہی ہوئے اور ان کے خاندان میں حضرت منشی حبیب الرحمٰن رضی اللہ عنہ اور ان سے تعلق رکھنے والے حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ، حاجی صاحب کے ہی ذریعہ سے سلسلہ میں آئے۔

حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب تو آپ کے بھتیجے اور وارث ہی تھے۔ حاجی صاحب براہین احمدیہ کے خریدار تھے اور اس کے **حصص** آپ کے پاس جارہے تھے۔ وہ خود بھی پڑھا کرتے تھے اور حضرت **منشی ظفر احمد** صاحب کو بھی سنانے کے لئے فرمایا کرتے اور حضرت ظفر نے عین عنفوان شباب میں ہی براہین احمدیہ حاجی صاحب کو سناتے اس نعمت کو پالیا۔ میری تحقیقات میں **منشی ظفر احمد** صاحب کپورتھلہ کے آدم ہیں۔

غرض حاجی صاحب براہین احمدیہ کے خریدار تھے اور شوق ذوق سے اسے

پڑھتے اور سنتے تھے مگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبول کرنے کی توفیق نہ ملی البتہ ان کے ذریعہ سے حضرت اقدس کی دعوت کپورتھلہ پہنچی اور ان کے خاندان میں ایک **مخلص شاخ حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب** رضی اللہ عنہ کے خاندان کی بارآور ہوئی۔ حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب، حاجی صاحب کی وفات کے بعد جائز وارث اور ان کے جانشین تجویز ہوئے اور اس کا اعلان اس زمانہ کے عام رواج دستار بندی سے کیا گیا۔ حاجی صاحب کو میں مخالفین کے زُمرہ میں نہیں سمجھتا۔ ہاں عملاً وہ سلسلہ بیعت میں بھی شریک نہ ہوسکے۔ براہین ہی کے زمانہ میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ سوالات کئے۔ جن کے جواب میں حضرت نے آپ کو خط لکھا۔ حاجی صاحب کے ذریعہ جماعت کپورتھلہ (اس لئے کہ براہین، کپورتھلہ میں ان کے ذریعہ پہنچی) کا قیام عمل میں آیا اور یہ جماعت اپنے اخلاص و وفا میں ایک ایسی جماعت گزری ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھ جنت میں رہنے کی بشارت دی۔ (رضی اللہ عنہم)

حاجی صاحب کی تعمیر کردہ مسجد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان ہے۔ غیر احمدی اس مسجد کو لینا چاہتے تھے اور اس کا مقدمہ عرصہ تک چلتا رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کو بشارت دی کہ اگر میں سچا ہوں تو یہ مسجد تم کو ملے گی۔ آخر وہی ہوا۔ یہاں تک کہ ایک حاکم عدالت جو احمدیوں کے خلاف اپنے دل میں فیصلہ کر چکا تھا قبل اس کے فیصلہ سنائے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر فوت ہوگیا۔ حاجی صاحب کے یہ کام اپنی جگہ ایک وزن رکھتے ہیں مگر حضرت اقدس کے ابتدائی زمانہ کے بعض معاونین کو سنت اللہ کے موافق ابتلا آیا اور یہ اس لئے بھی ہوا تا خدا تعالیٰ کی قدرت نمایاں ہو۔ حاجی صاحب نے براہین کے التوا کے متعلق اعتراضات کئے اور ادب کے مقام سے ہٹ کر وہی غلطی ان کے سامنے آگئی اور وہ اس نعمت کی قدر نہ کر سکے۔ اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ مکفرّین اور سبّ وشتم کرنے والوں میں نہ تھے۔ ان کو ایک وقت حجاب ہوا ورنہ

براہین کے ابتدائی دور میں خود حضرت کو مجدّد تسلیم کرتے تھے۔ اس خصوص میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی شہادت میں نے حیاتِ احمد جلد دوم نمبر دوم کے صفحہ (۸۲) پر درج کی ہے۔

اس خط وکتابت کے پڑھنے سے (جو حاجی صاحب اور حضرت اقدس کے مابین ہوئی) معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً حاجی صاحب کو بعض حالات اور اثرات کے ماتحت کچھ قبض ہوا اور اس کا اظہار انہوں نے اپنے کسی خط میں کیا جس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۳ر دسمبر ۱۸۸۴ء کو دیا۔ اور پھر اس خط کے بعد حاجی صاحب نے کچھ سوالات کئے جن کا جواب حضرت نے ۳۰ر دسمبر ۱۸۸۴ء کے مکتوب میں تحریر فرمایا۔

اس کے بعد ۲۴ر جنوری ۱۸۸۵ء کو حاجی صاحب نے ایک تفصیلی خط حضرت کی خدمت میں لکھا جس سے پایا جاتا ہے کہ وہ حضرت اقدس کو احیاءِ اسلام کا ذریعہ سمجھتے تھے اور ہندوستان ہی میں آپ کی بعثت کو ضروری سمجھتے تھے۔ میں حاجی صاحب کے اس خط کو حضرت اقدس کے دوسرے مکتوب کے بعد درج کر دینا اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ تاریخ سلسلہ میں حاجی صاحب کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ میں نے حیاتِ احمد جلد دوم کے نمبر دوم میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے اور اس سے مقصد صرف اسی قدر امر واقعہ کا اظہار ہے جو اس مکتوب سے متعلق ہے جو انہوں نے براہین کے سلسلہ میں حضرت کو لکھا اور جس کا جواب ۲۳ر دسمبر ۱۸۸۴ء کے خط میں موجود ہے اب میں کسی مزید تفصیل کے بغیر مکتوبات کو درج کرتا ہوں۔

(عرفانی کبیر)

مکتوب نمبر۲

الحمد للّٰہ وسَلٰمٌ علی عبادہ الذین اصْطَفٰی ۔امابعد

بخدمت مخدومی مکرمی اخویم محمد ولی اللہ صاحب! بعد سلام مسنون گذارش آنکہ آپ کا عنایت نامہ مرقوم ۱۱؍ذیقعدہ جس کے لفافہ پر اس عاجز کا نام لکھا ہوا تھا پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان احمد اس عاجز کے بیٹے نے آپ کی خدمت میں کوئی خط بھیجا تھا جس کی اس عاجز کو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ مگر افسوس سے لکھتا ہوں کہ اگر اس نے آپ کی طرف کسی چندہ کے بارہ میں لکھا ہے تو آپ کو ناحق تکلیف دی۔ وہ اس وقت یہاں قادیان میں موجود نہیں ہے گورداسپور گیا ہوا ہے۔

مقصود مکتوب الدّین النصیحة

بہرحال اب باعث تحریر ان چند سطور کا صرف برادرانہ نصیحت ہے کہ الدّین النصیحة اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسا آپ کا خط پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایسے امور میں وساوس پکڑ رہے ہیں کہ جن پر سوءِ ظن مضر ایمان ہے اور نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رفتہ رفتہ سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ ایک ادنیٰ امر دینی کے انکار سے ایمان ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ پھر اس صورت میں ایمان کا کیا حال ہو کہ ایک بڑے اصول دینی کا انکار کیا جائے اور وہ اصول یہ ہے کہ پہلی اُمتوں میں دین کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ قاعدہ تھا کہ ایک نبی کے بعد بروقت ضرورت دوسرا نبی آتا تھا۔ پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظہور فرما ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اس نبی کریم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تو بوجہ ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ ہمّ وغم رہتا تھا کہ مجھ سے پہلے دین کے قائم رکھنے کے لئے ہزار ہا نبیوں کی ضرورت ہوئی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں جس سے روحانی طور پر تسلّی حاصل ہو۔ اس حالت میں فسادات کا اندیشہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بہت دعائیں کیں تب خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر دین کی تجدید کے لئے مجدّد پیدا ہوتا رہے گا جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ دین کی تجدید کرے گا اور فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1] یعنی ہم آپ قرآن شریف

---

[1] الحجر: ۱۰

کی حفاظت کریں گے اور اپنی طرف سے ایسے لوگوں کو بھیجتے رہیں گے کہ جو کمالاتِ نبوت پا کر اورحق جَلَّ و عُلیٰ اوراس کے بندوں میں واسطہ بن کرراہِ راست کی لوگوں کو ہدایت کریں گے اور حدیث صحیح میں آ چکا ہے کہ جو شخص اپنے وقت کے امام کو شناخت نہیں کرتا اس کی موت جاہلوں کی سی موت ہوگی اور حقانی معرفت اور حقیقی ایمان سے بے نصیب رہے گا۔ اب آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ کے دونوں خطوں سے سخت بدگمانی کی بُو آتی ہے جس حالت میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہر ایک صدی کے سر پر مجدد کے آنے کی خبر دی ہے تو آپ قطعاً اس خبر کا انکار کر کے کس طرح بھاگ سکتے ہیں یا کیونکر آپ اس بات کو چھپا سکتے ہیں کہ بِلا شُبہ صدی کے سر پر ایک مجدد کا آنا ضروری ہے۔ جب تک آپ کو اس بات کی اطلاع نہ دی جاتی کہ خبر کا فلاں کس مصداق ہے تب تک آپ کا یہ قول ہونا چاہیے تھا کہ ہم بِلا شُبہ ایمان لاتے ہیں کہ برطبق پیشگوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مجدد صدی کے سر پر پیدا ہوگیا ہے جس کی ہم کو آج تک خبر نہیں اور جب آپ کو ایک شخص نے اطلاع دے دی کہ **وہ مجدد میں ہوں**۔ اور بہت سے انوار و برکات ظاہر کرنے سے خدا تعالیٰ نے اس کی مجددیت ثابت کی۔ تو پھر آپ کو اگر کچھ شک تھا تو آپ جیفۂ دنیا سے چندروز فراغت کر کے اس کی خدمت میں دوڑتے اور اس سے تسلّی اور تشفی کر لیتے۔ اے عزیزو! دنیا روزے چند آخر کار با خداوند، تعالیٰ کی جناب میں کسی کا تکبر پیش نہیں جاتا۔ جیسے رسول کے انکار سے کفر لازم آتا ہے ایسا ہی امامِ وقت کے انکار سے اس قدر ضعیف ایمان ہو جاتا ہے کہ آخر سلبِ ایمان تک نوبت پہنچتی ہے۔

نکمی بحثیں اس جگہ پیش نہیں جاتیں۔ ایمان حقیقی اور یقین کامل وہ نعمت ہے کہ بجز التزام کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ اور لاف وگزاف اِس جناب میں پیش نہیں جاتی اور اگر اس عاجز نے کسی مدد کے لئے کہا تو برعایت ظاہر اسباب کہا۔ ورنہ یہ عاجز مخلوق کو ہیچ اور لاشئے سمجھتا ہے۔ وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ[2] خدا کرے کہ آپ ان خیالات سے توبہ کریں کہ مرگ نزدیک ہے اور اگر دل میں وساوس ہوں تو بکثرت ملاقات کریں۔ تا اگر خدا چاہے تو ایمان سلامت لے جائیں۔ فَتُوْبُوْا ثُمَّ تُوْبُوْا۔ ثُمَّ تُوْبُوْا۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔** دو اشتہار بھیجے جاتے ہیں ان کو غور سے پڑھیں☆

غلام احمد عفی عنہ

دسمبر ۱۸۸۴ء

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] المنافقون: ۸ ☆الحکم ۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۹

مکتوب نمبر ۳

مخدومی مکرمی اخویم حاجی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون۔

آج مدت کے بعد عنایت نامہ پہنچا۔ آپ نے جس قدر اپنے عنایت نامے میں اس حقیر عباد اللہ کی نسبت اپنے بزرگانہ ارشادات سے بدنیتی، ناراستی اور خراب باطنی اور وعدہ شکنی اور انحراف از کعبہ حقیقت وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں ان سے ناراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اوّل تو ع ''ہر چہ از دوست مے رسد نیکوست''۔

ماسوا اس کے اگر خداوند کریم ورحیم ایسا ہی بُرا انجام کرے جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے تو میں اس سے بدتر ہوں اور درشت تر الفاظ کا مستحق ہوں۔ رہی یہ بات کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ خلافی کی ہے یا میں کسی عہد شکنی کا مرتکب ہوا ہوں تو اس وہم کا جواب زیادہ تر توجہ سے خود آپ ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ جس روز چھپے ہوئے پردے کھلیں گے اور جس روز وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ[1] کا عملدرآمد ہوگا اور بہت سے بدظن اپنی جانوں کو رویا کریں گے۔ اس روز کا اندیشہ ہر ایک جلد باز کو لازم ہے۔ یہ سچ ہے کہ براہین احمدیہ کی طبع میں میری امید اور اندازے سے زیادہ توقف ہو گیا مگر اس توقف کا نام عہد شکنی نہیں۔ میں فی الحقیقت مامور ہوں اور درمیانی کارروائیاں جو الٰہی مصلحت نے پیش کر دیں دراصل وہی توقف کا موجب ہو گئیں۔ جن لوگوں کو دین کی غمخواری نہیں وہ کیا جانتے ہیں کہ اس عرصہ میں کیا کیا عمدہ کام اس براہین کی تکمیل کے لئے ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اِتمام حجت کے لئے کیا کیا سامان میسر کئے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ قرآن شریف کئی برسوں میں نازل ہوا تھا۔ کیا وہ ایک دن نازل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کو اگر معلوم نہ ہو تو کسی باخبر سے دریافت کر سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں یہ عاجز بیکار رہا یا بڑا بھاری سامان اتمامِ حجت کا جمع کرتا رہا۔ تیس ۳۰ ہزار سے زیادہ اشتہارات اُردو انگریزی میں تقسیم ہوئے۔ بیس ۲۰ ہزار سے زیادہ خطوط میں نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مختلف مقامات میں روانہ کئے۔ ایک عقلمند اندازہ کر سکتا ہے کہ علاوہ جدّ وجُہد اور محنت اور عرق ریزی کے کیا کچھ مصارف ان

---

[1] العٰدیٰت: ۱۱

کارروائیوں پر ہوئے ہوں گے۔ ہر ایک کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ بدباطن اور نیک باطن کو خوب جانتا ہے۔ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ [1] اور اگر بقول آپ کے میں خراب اندروں ہوں اور کعبہ کو چھوڑ کر بُت خانہ کو جارہا ہوں تو وہ عالم الغیب ہے آپ سے بہتر مجھے جانتا ہوگا۔ لیکن اگر حال ایسا نہیں ہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ روزِ مطالبہ اس بدظنی کا کیا جواب دیں گے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [2] وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

(۲۳؍دسمبر ۱۸۸۴ء)

نوٹ:۔ اس مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی صاحب کے خط کا اسلوبِ بیان کیا ہوگا مگر حضرت اقدس نے جس حوصلہ اور ہضمِ نفس سے اس کو پڑھا اور جواب دیا ہے وہ آپ کے اخلاقِ فاضلہ کی رفعت وعظمت کا مظہر ہے اور آپ کو اپنی ماموریت پر کامل بصیرت کے ساتھ یقین ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و کردار کے متعدد پہلو اس مکتوب کے آئینہ میں نظر آتے ہیں۔ یہ یقین اور بصیرت کسی شخص کو میسر نہیں آسکتی جب تک وہ خدا تعالیٰ کی متواتر وحی سے تسلی نہ پاتا ہو۔ (عرفانی کبیر)

☆......☆......☆

---

[1] المؤمن: ۲۹ [2] بنی اسرآءیل: ۳۷

مکتوب نمبر۴

مخدومی مکرمی اخویم سلّمہٗ اللہ۔ بعد سلام مسنون۔ آں مخدوم کا دوبارہ عنایت نامہ پہنچا۔اس عاجز کو اگرچہ بباعث علالت طبع طاقت تحریر جواب نہیں دے سکا۔لیکن آں مخدوم کی تاکید دوبارہ کی وجہ سے بطور اجمال عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ عاجز شریعت اور طریقت دونوں میں مجدّد ہے۔

(۲) تجدید کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کم یا زیادہ کیا جائے۔اس کا نام تو نسخ ہے بلکہ تجدید کے یہ معنی ہیں کہ جو عقائدِ حقّہ میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد ان کے ساتھ لگ گئے ہیں یا جو اعمالِ صالحہ کے ادا کرنے میں سُستی وقوع میں آ گئی ہے یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے طریق اور قواعد محفوظ نہیں رہے ان کو مجدداً تاکیداً بالاصل بیان کیا جائے۔ وقال اللہ تعالیٰ۔ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا[۱] یعنی عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب دل مرجاتے ہیں اور محبت الٰہیہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور ذوق اور شوق اور حضور اور خضوع نمازوں میں نہیں رہتا اور اکثر لوگ رُو بدنیا ہو جاتے ہیں اور علماء میں نفسانیت اور فقراء میں عُجب اور پست ہمتی اور انواع واقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوتِ قدسیہ کو پیدا کرتا ہے اور وہ حجت اللہ ہوتا ہے اور بہتوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے اور بہتوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے۔ یہ وسوسہ بالکل نکمّا ہے کہ قرآن شریف واحادیث موجود ہیں پھر مجدد کی کیا ضرورت ہے؟ یہ انہی لوگوں کے خیالات ہیں جنہوں نے کبھی غمخواری سے اپنے ایمان کی طرف نظر نہیں کی۔ اپنی حالت اسلامیہ کو نہیں جانچا، اپنے یقین کا اندازہ معلوم نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے اور پھر رسم اور عادت کے طور پر لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہے۔ حقیقی یقین اور ایمان بجز صحبت صادقین میسر نہیں آتا۔ قرآن شریف تو اس وقت بھی ہوگا جب قیامت آئے گی مگر وہ صدیق لوگ نہیں ہوں گے کہ جو قرآن شریف کو سمجھتے تھے اور اپنی قوتِ قدسی سے مستعدین پر اس کا اثر ڈالتے تھے لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ[۲]

---

[۱] الحدید: ۱۸ [۲] الواقعۃ: ۸۰

پس قیامت کے وجود کا مانع صرف صدیقوں کا وجود ہے۔قرآن شریف خدا کی روحانی کتاب ہے اور صدیقوں کا وجود خدا کی ایک مجسم کتاب ہے۔ جب تک یہ دونوں نہ ملیں انوارِ ایمانی ظاہر نہیں ہوتے تب تک انسان خدا تک نہیں پہنچتا۔فَتَدَبَّرُوْا وَتَفَکَّرُوْا۔

(۳) اس کا جواب جواب دوم میں آ گیا ہے۔

(۴) اوّل قرآن شریف مجدّد کی ضرورت بتلاتا ہے جیسے میں نے ابھی بیان کیا ہے۔قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا[1] وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] اور ایسا ہی حدیث نبوی بھی مجدّد کی ضرورت بتلاتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا[3] اور اجماع سنت و جماعت بھی اس پر ہے۔کیونکہ کوئی ایسا مومن نہیں کہ جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوگرداں ہوسکتا ہے اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ جس حالت میں خدا تعالیٰ شریعت موسوی کی تجدید ہزارہا نبیوں کے ذریعہ سے کرتا رہا ہے اور گووہ صاحب کتاب نہ تھے مگر مجدّد شریعت موسوی تھے اور یہ اُمت خیرالامم ہے۔قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[4] پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس اُمت کو خدا تعالیٰ بالکل گوشہ خاطر عاطر سے فراموش کردے اور باوجود صدہا خرابیوں کے کہ جو مسلمانوں کی حالت پر غالب ہوگئی ہیں اور اسلام پر بیرونی طور پر حملے ہورہے ہیں، نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ جو کچھ آج کل اسلام کی حالت ضعیف ہورہی ہے کسی عاقل پر مخفی نہیں۔یعنی تعلیم یافتہ عقائدِ حقّہ سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں۔پُرانے مسلمانوں میں صرف یہودیوں کی طرح ظاہر پرستی یا قبر پرستی رہ گئی ہے۔ٹھیک ٹھیک رُو بخدا کتنے ہیں؟ کہاں ہیں اور کدھر ہیں؟

(۵) پانچواں سوال میں آپ کا سمجھا نہیں۔مجھ سے اچھی طرح پڑھا نہیں گیا۔

(۶) ہر ایک صدی میں کوئی نامی مجدّد پیدا ہونا ضروری نہیں۔نامی گرامی مجدد صرف اسی

[1] الحدید: ۱۸ [2] الحجر:۱۰ [3] ابوداؤد کتاب الملاحم باب مایذکر فی قدر قرن المائۃ
[4] اٰلِ عمران: ۱۱۱

صدی کے لئے پیدا ہوتا ہے کہ جس میں سخت ضلالت پھیلتی ہے جیسے آج کل ہے۔

(۷) حضرت مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات میں آپ ہی فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے بعد آنے والے ہیں جن پر حضرت احدیت کی خاص خاص عنایات ہیں میں ان سے افضل نہیں ہوں اور نہ وہ میرے پیرو ہیں۔ سو یہ عاجز بیان کرتا ہے نہ فخر کے طریق پر بلکہ واقعی طور پر شُکرًا لِّنِعْمَةِ اللّٰهِ **کہ اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے ان بہتوں پر افضلیت بخشی ہے کہ جو حضرت مجدد صاحب سے بھی بہتر ہیں اور مراتب اولیاء سے بڑھ کر نبیوں سے مشابہت دی ہے۔** سو یہ عاجز مجدد صاحب کا پیرو نہیں ہے بلکہ براہِ راست اپنے نبی کریم کا پیرو ہے اور جیسا سمجھا گیا ہے۔ بدل یقین سمجھتا ہے کہ **ان سے اور ایسا ہی ان بہتوں سے کہ جو گزر چکے ہیں افضل ہے۔** ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[۱]

(۸) خدا تعالیٰ کے کلام میں مجھ سے یہ محاورہ نہیں ہے۔ مجھ کو حضرت خداوند کریم محض اپنے فضل سے صدیق کے لفظ سے یاد کرتا ہے اور **نیز دوسرے ایسے لفظوں سے جن کے سننے کی آپ کو برداشت نہیں ہوگی** اور حضرت خداوند کریم نے مجھ کو اس خطاب سے معزز فرما کر

اِنِّيْ فَضَّلْتُكَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ

قُلْ اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اَجْمَعِيْنَ

یہ بات بخوبی کھول دی ہے کہ اس ناکارہ کو تمام **عالمین یعنی** تمام روئے زمین کے باشندوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔ پس سوال ہشتم کے جواب میں اسی قدر کافی ہے۔

(۹) اس ناکارہ کے والد مرحوم کا نام مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔ وہی ہیں جو حکیم حاذق تھے اور دنیوی وضع پر اس ملک کے گردونواح میں مشہور بھی تھے۔ **وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى** ☆

(۳۰؍ دسمبر ۱۸۸۴)

نوٹ:۔ اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ ۲۳؍ دسمبر ۱۸۸۴ء کو جو مکتوب حضرت نے لکھا تھا اور جس میں اپنی ماموریت کا اعلان فرمایا تھا اس پر حاجی صاحب نے آٹھ سوال کئے اور آپ نے ان کے جوابات دیئے اور مامورانہ قوت اور دلیری سے اپنے مقام رفیع کا اظہار فرمایا۔ حضرت اقدس نے اس امر کی طرف بھی اشارہ

[۱] الجمعة: ۵ ☆ الحکم ۲۱، ۲۸ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۹، ۱۰

فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں مجھے ایسے لفظوں سے بھی یاد فرمایا ہے کہ جن کی ہر شخص کو سننے اور سمجھنے کی برداشت نہیں ہوتی۔ یہ وہی مقام ہے جس کو مقامِ نبوت کہتے ہیں۔ بہرحال اس مبسوط مکتوب کے بعد حاجی صاحب نے آپ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کو ذیل میں درج کر دیتا ہوں جس میں انہوں نے اپنے اعتراضات کو واپس لے کر اظہار معذرت کیا۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ **اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ**۔[1] (عرفانی کبیر)

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۵

مخدومی مکرمی اخویم حاجی محمد ولی اللہ صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ کا جواب بھیجا گیا تھا مگر آج تک انتظار رہا کہ آپ کی طرف سے کوئی جواب آوے تا پورا منشاء خط سابق میں کا ظاہر کیا جاوے۔ آخر جواب سے ناامید ہوکر خود اپنی طرف سے تحریک کی جاتی ہے کہ آں مخدوم کے خط سابق میں اس قدر حرارت اور تلخی بھری ہوئی تھی اور ایسے الفاظ درشت اور ناملائم تھے جن سے بداہت یہ بُو آ رہی تھی کہ آں مکرم کی بدظنی غایت درجہ کے فساد اور خرابی تک پہنچ گئی ہے۔ اگر کتاب کی خرید وفروخت کا تعلق نہ ہوتا تو ہرگز امید نہ تھی کہ آپ کے قلم سے ایسے الفاظ نکلتے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ایسے منحوس تعلق نے آپ جیسے بزرگ کی طبیعت کو آشفتہ کیا اور ابھی معلوم نہیں کہ آشفتگی اور پریشان باطنی کہاں تک منجر ہو۔ اور اس عاجز کا حال یہ ہے کہ یہ تمام کاروبار بجز ذات باری عزّ اسمہ کسی کے بھروسہ پر نہیں۔ پس اس صورت میں قرین مصلحت ہے کہ فسخ بیع اور استرداد قیمت مرسلہ سے آپ کی طبیعت کو ٹھنڈ اور آرام پہنچایا جاوے۔ کیونکہ اس تمام اشتعال کا بجز اس کے اور کوئی موجب نظر نہیں آتا کہ چند درہم کی جدائی نے جو بہرصورت جُدا ہونے والے ہیں آپ کی طبیعت کو تردّد و تاسّف و پریشانی وحیرت میں ڈال دیا ہے۔ تو اسی

[1] ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبة

نظر سے یہ خط بھیجا جاتا ہے کہ اگر ان سخت اور نالائق الفاظ کا موجب یہی ہے جو میں نے سمجھا ہے تو آپ مجھ کو قیمت کے لئے اطلاع دیں تا کہ آپ کی قیمت مرسلہ واپس کر کے وہ علاج کر دیا جائے جس سے کف لسانی کی سعادت جو شعار مومنین ہے، آپ کو حاصل ہو۔ اگر آپ رسالہ سرمہ چشم آریہ دیکھتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اس عاجز نے پہلے ہی اشتہار دے دیا ہے کہ اگر کوئی توقف طبع براہین پر ناراض ہو اور اپنی قیمت واپس لینا چاہے تو وہ اطلاع دے تو ویسے سب خریداروں کی قیمت واپس ہوگی۔

آپ پر واضح رہے کہ جو لوگ بدظنی کرتے ہیں اور منہ سے گندی باتیں نکالتے ہیں وہ ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ وہ آپ ہی بدظن ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ کاروبار سب جناب الٰہی کی طرف سے ہے اور وہی اس کو بخیر وخوبی پورا کرے گا۔ اگر تمام بنی آدم ایسا ہی خیال دل میں پیدا کریں جیسا کہ آج کل آپ کا ہے تو تب بھی ایک ذرہ ہم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ہمارا وہ مربی کریم ہے جس نے تاریکی کے زمانہ میں مامور کیا، وہ ہمارے ساتھ ہے اور وہی کافی ہے۔ **وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی** ۔☆

(۱۸؍ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ ۔۴؍فروری ۱۸۸۵ء)

نوٹ:۔ یہ مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس یقین اور بصیرت کا مظہر ہے جو آپ کو اپنی ماموریت اور خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر تھی اور آپ ایک کامل یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ آپ کی مخالفت کرنے والے خائب وقاسر ہوں گے اور فتح وظفر کی کلید آپ ہی کے حوالہ کی گئی ہے۔

یہ مکتوب آج سے ۶۵ برس پہلے کا ہے۔ براہین احمدیہ کے معرضِ التوا میں آنے کی وجہ سے بدظنی پھیل رہی تھی۔ لیکن آپ آنے والی کامیابیوں اور ربّانی تائیدات کو دیکھ رہے تھے اس مکتوب سے آپ کے توکل علی اللہ کا بھی پتہ ملتا ہے اور اسی لئے خدا تعالیٰ کی وحی نے آپ کا نام ''متوکّل'' بھی رکھا۔ غرض حضرت اقدس کی سیرت مطہرہ کا یہ مکتوب آئینہ ہے۔

☆ الحکم ۷ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۸

اس مکتوب میں آپ نے براہین احمدیہ کی قیمت کی واپسی کے متعلق اشتہار مندرجہ سرمہ چشم آریہ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شائد تاریخوں میں کچھ غلطی ہوئی ہو۔ مگر اس سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس وقت یہ خط لکھ رہے تھے اس وقت آپ نے کوئی خاص دعویٰ بجز بہ حیثیت مجدد ماموریت کے نہ کیا تھا۔ بلکہ آپ بیعت بھی نہ لیتے تھے اور لوگ التجا کرتے تھے تو آپ **لَسْتُ بِمَا مُوْرٍ** یعنی میں مامور نہیں ہوں، فرما دیا کرتے تھے۔

بہرحال حاجی صاحب سے یہ خط وکتابت ہوئی اور حاجی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں ۲۲ ؍جنوری ۱۸۸۵ء کو ایک مکتوب لکھا۔ جس میں انہوں نے اظہار ندامت کیا۔ ان خطوط کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی صاحب نے اولاً حضرت اقدس کو ایک خط ایسے طور پر لکھا جس میں آپ کے بعض مضامین کو غلط فہمی سے نیچریت کا نتیجہ سمجھا۔ جب حضرت اقدس نے اپنے مقام اور دعویٰ کی صراحت فرمائی تو حاجی صاحب پر انکشافِ حقیقت ہوا۔ مگر بعد میں انہیں پھر براہین کے توقف پر اعتراض ہوا تو حضرت اقدس نے یہ جواب دیا۔ حاجی صاحب کے مکتوب مورخہ ۲۴ ؍جنوری ۱۸۸۵ء کو بھی میں یہاں درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(عرفانی کبیر)

☆......☆......☆

مکتوب منجانب حاجی محمد ولی اللہ صاحب

اللہ اکبر

بخدمت بابرکت مرزا صاحب مجمع فضائل وکمالات دینی و دنیوی دام مجدکم۔

پس از ابراز لوازم مکرمت واحترام گزارش آنکہ یہ عاجز گنہگار معافی چاہتا ہے۔ جو سابقاً نیاز نامہ جات ارسال کئے تھے اور اس میں آپ کو مقلد سید احمد نیچری کا تحریر کیا تھا یا کوئی اور لفظ خلافِ ادب تحریر ہو گیا ہو یا آپ کے غائبانہ کوئی لفظ برخلاف ذات شریف اور منشاء شریف کے زبان پر گزر گیا ہو۔ کیونکہ وہ وقت نادانی اور ناواقفی اصل حال کا تھا۔ اس زمانہ میں جو ظلمات کا وعدہ ہے اور ہر طرف سے دیکھا جاتا ہے۔ جَو فروش گندم نما۔ اوّل اپنی خوبیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی دنیا طلبی دکھلاتے ہیں۔ یہ بڑی احتیاط کا زمانہ ہے۔ اگر احتیاط نہ کرے تو سلامتی ایمان کی ناممکن ہے۔

اشتہارات اور آوازہ تصنیفات سید احمد کے دیکھ سن کر میں نے ایک دوست کو مشورہ دیا تھا کہ تصنیفات اوس کی منگا لینی چاہئیں تا کہ دیکھ کر اصل بات سے واقفیت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس نے اپنا روپیہ صرف کیا۔ جب ان کو دیکھا معلوم ہوا کہ یہ جانب دین سے بالکل پردہ ڈالتے ہیں اور ظلمت کو زیادہ کرتے ہیں اور جیفۂ دنیا کی طرف زور سے پکڑ کر زنجیر سنگین ڈال کر کھینچے لئے جاتے ہیں۔ اس واسطے بندہ کو افسوس اس مشورہ سے ہوا جس دوست کو مشورہ دیا تھا۔ اس کی تعلیم اور طبیعت مستعد ہو گئی تھی۔ اس نے اس کی طرف توجہ مبذول کر لی اور اس کے مسائل پر قائم ہو گیا۔ چونکہ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نیش نہیں کھاتا اور چھاچھ کو بھی دودھ کی طرح گرم سمجھ کر پھونک کر نوش کرتا ہے اس واسطے آپ کے اشتہار کو بھی دیکھ کر احتیاطاً اسی قسم کا سمجھا تھا۔ اب اتفاقیہ مجھ کو دو جلدیں سوم و چہارم کتاب آپ کی دستیاب ہو گئیں اور اوّل سے آخر تک مطالعہ میں آ گئی ہیں اور اس عاجز کو وہ ایسی برخلاف تصنیفات سیّد احمد سے معلوم ہوئی ہیں۔ گویا زمین آسمان کا فرق ہے۔ یعنی وہ دنیا کی طرف لے جانے کا زور دیتے ہیں اور آپ کی کتاب

دین کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ خیالات جو دین اور **اہل دین سابقین** اوّلین اور متاخرین اور محققین کی جانب سے بہ جبر منہ پھیرے دیتے ہیں اور شکوک اور توہمات دین اور قرآن شریف اور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر شیاطین اور دجّالان سے کسی کے دل میں کسی وقت پیدا ہوتے ہیں ان کی بڑے زورشور سے بیخ کنی کرتی ہے اور انوار اور برکات کے نزول کا سبب ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں جو مذاہب باطلہ اور اعتقادات ناقصہ نے بسبب میسر ہو جانے اور پڑھائے جانے علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کے مخالف دین متین کے عموماً رواج اور شہرت پا کر مسلمانوں کے دلوں پر اثر کر کے حقیقت دین اسلام اور قرآن شریف پر پردہ ڈال رہے ہیں اور نیچری اور عیسائی اور آریہ سماج اور دھرم سماج مقابلہ پر کھڑے ہو گئے ہیں اور مسلمانوں میں نادانی اور بےعلمی اور مفقود ہونے وجود علماء راستین کے سبب سے مخالفین کی لغویات نے زور ڈال دیا ہے۔ضرور تھا اور لازمی تھا کہ خدا تعالیٰ کسی ایسے شخص کو واسطہ محافظت اپنے دین حق کی کرتا۔ جو مخالفین کا من کل الوجوہ مقابلہ کرتا اور عام خاص کو تزلزل سے بچاتا۔سوشکر ہے خداوند کریم رحمٰن ورحیم کا کہ ہندوستان میں آپ کی ذات کو یہ شرف دیا اور اپنے نبی مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ایسے نازک وقت میں، کہ جب ان کی دنیا میں کہیں نہ حکومت باقی ہے نہ ثروت نہ قدر ومنزلت۔ ملک پر ہر جگہ ذلیل نظر آتے ہیں، تقویت بخشی۔ دعا ہے اسی سے جو سب کا خالق اور حاکم ربّ العالمین ہے کہ آپ کے الہامات کے منشاء اور اثر کو جیسے اس کی مرضی ہے پورا کرے۔ ہندوستان میں اس وقت اور ملکوں سے زیادہ اس کی ضرورت تھی۔سوشکر ہے ایسے ہندوستان میں آپ کو شرف دیا۔ جو آپ نے اپنی کتاب کے متن اور حاشیوں میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقرآن شریف کے باب میں درج فرمایا ہے۔اس میں کوئی مسلمان جاہل اور عالم سوائے اٰمنّا اور صدقنا کے زبان پرنہیں لاسکتا۔ ہاں وہ زبان کھولے جس کو دین اسلام سے ظاہر و باطن میں مس نہ ہو اور شرم وحیاء بھی نہ ہو۔البتہ جن اشخاص کو حسد وتکبر غالب ہوگا۔ وہ آپ کے الہامات اور پیشگوئیوں پر اعتراض کریں گے مگر اس عاجز کے خیال میں نہیں آتا وہ ایسا کیوں خیال کرتے ہیں یا کریں گے۔ جب گزشتہ اولیاء اللہ اور عالمانِ دین سے ایسے الہامات اور کشف اور کرامت سنتے دیکھتے رہے ہیں اور ہر مست مدہوش دیوانہ کے

در پے واسطہ حاصل کرنے پیشگوئیوں کے پھرتے رہتے ہیں اور اس وقت کچھ لحاظ اتباعِ سنّت ہونے یا نہ ہونے اس شخص کا نہیں کرتے بلکہ خلاف مذہب کے ایسے لوگوں پر خیال نہیں کرتے۔

جب ہم ایام گزشتہ میں جس کو سو برس نہیں گزرے جن کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں۔ خاندان شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کی اولاد سیّد احمد صاحب مرحوم بریلوی کو دیکھ سن چکے ہیں اور ان کی کتابوں کو معائنہ کر چکے ہیں اور اس میں اس قسم کے الہامات ان کے پڑھ چکے ہیں پھر ہم اب کسی شخص پر انکار نہ کریں جن پر اس قسم کے حالات وارد ہوں اور معلوم ہوں کیونکر انکار کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ جب عموماً اس خاندان کی افضلیت اور با کمال ہونے کے قائل ہیں۔ یہ قائل ہونا خاص کسی پر منحصر نہیں۔ اہل اسلام ہندوستان کیا، اہلِ ہنود بھی تعریف اور توصیف سے یاد کرتے ہیں اور اعتقاد اپنا جتلاتے ہیں۔ اس عاجز نے جب سے ہوش پائی ہے اسی خاندان کو اپنا پیشوا گردانا ہے۔ اگرچہ بزرگان عاجز کے بھی ایسا خیال کرتے رہے اور محبت پوری بجالاتے رہے۔ ان کی تصنیفات اور تالیفات جہاں تک ممکن ہوئی مطالعہ کرتا رہا ہے اور جو ان کے خاندان کا آدمی مل سکا ان سے صحبت کا فیض حاصل کرتا رہا ہے اور اقوال پسندیدہ اور افعال حمیدہ کو ذہن نشین کر کے اس زمانہ کے اشخاص واعظ اور علماء کے اقوال افعال کے قبول کرنے کے لئے انہیں کو معیار مقرر کیا ہے چونکہ آپ کی کتاب جو مطالعہ کی گئی ہے اسے ان کے طریقہ اور خیالات دینی سے متفق پایا اس واسطے اس کو ملنا اور تحسین آفرین کی صدا دل سے بلند ہوئی ہے اور آپ کے اقوال کو معتبر تصور کرتا ہوں۔ جو زبانی مولوی عبدالقادر خلف عبداللہ لودیانوی نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ کو مولوی سید احمد صاحب نے جو دیوبند کے قریب رہتے ہیں، جواں صالح فرمایا، ان کی درخواست پر توجہ نہیں فرمائی۔ اس سے بھی مجھ کو آپ کی تصدیق کی تقویت ملی ہے کہ وہ لوگ بھی صاحب ظاہر و باطن ہیں اور ان کا خاندان بھی ہندوستان میں لاثانی ہے۔ ان پر انوار الٰہی کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ظاہر کرنا کچھ نقص نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے حال پر اور اہل دین کے خیالات پر جو بندہ کو معلوم ہوئے ہیں کہ جو عموماً حالات مخالفان زمانہ دیکھ سن کر فکر کرتے ہیں تو اس وقت ایسے سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کے جوابات بھی اس وقت پیدا ہو جاتے ہیں جس کو آپ نے بشرح اور مفصل

طور پر اپنی کتاب میں درج فرما کر مشتہر فرمایا ہے۔ اس سے یہ مراد حاصل ہوتی ہے کہ ملائے اعلیٰ میں توجہ اس طرف ہے اور جس کا انعکاس اس عالم فانی میں ہوتا ہے مگر جس قدر جس کی استعداد ہے اس پر اثر کرتا ہے۔ آپ کی جیسے استعداد مخلوق فرمائی گئی آپ پر اسی قدر اثر ظاہر ہوا۔ آپ کو خلعت اس فخر کا پہنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت رحمانی سے روز افزوں شرف یاب فرماوے۔ جو اشارات اور بشارات آپ پر نازل ہوئے ہیں اس کو اعلان فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

یہ کتاب ایسی اس زمانہ میں ہے جس کی ہر جگہ رائج ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ کی تجویز پر سوائے اَحْسَنْتَ کے اور کچھ زائد کرنا مناسب نہیں ہے مگر دست بستہ نیک نیتی سے عرض کرتا ہوں امید ہے کہ باوجود اس قدر بلند منزلت کے ناگوار نہ ہوگا۔ اس وقت تعداد قیمت آدھی بھی حالات مسلمانوں پر گراں ہے اور تابع رواج اور اشتہار کے ہو رہی ہے۔ اکثر غریب مسکین آدمیوں کو شوق دین کا ہوتا ہے۔ متمول آدمیوں کو تو اپنے اشغال سے فرصت ہی نہیں ہوتی کہ توجہ دنیا سے دین کی طرف کریں۔ اس واسطے کم استطاعت آدمی قیمت سن کر خاموش رہ جاتے ہیں کہ اپنی قدر و منزلت سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ جب آپ نے کل اوقات اور جائیداد اس کارِ خیر میں مستغرق کر دی ہے اور آپ کا درجہ اعلیٰ ملائے اعلیٰ میں ہے اس وقت اس فیضان عام کو کیوں محدود کیا گیا ہے؟ استمداد منعم حقیقی پر ہی کیوں تعلق چھوڑا نہیں گیا؟

اب یہ عاجز اپنا حال عرض کرتا ہے کہ ابتداء سے عاجز کو مطالعہ کتاب کا خصوص دینی اور تواریخ کا اس قدر خیال ہے۔ جب کتاب دستیاب ہو کسی وقت صبر نہیں آتا جب تک اوّل سے آخر تک مطالعہ نہ کر لیا جاوے۔ اور در باب خرید کتب ہائے کے شوق نہیں معلوم ہوتا بلکہ روک ہو جاتی ہے۔ کبھی اپنے ذہن میں مالیخولیا اس کو قرار دیتا ہوں اور کبھی بخل۔ مگر یہ عادت بدلتی نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایام شباب میں جب ایک دفعہ کسی کتاب کو مطالعہ کر لیا یا کوئی واقعہ سن لیا یا سامنے گزر گیا۔ جس وقت بروقت خیال کیا جاتا تھا سہو نہیں ہوتا تھا اور دوسری دفعہ کسی کتاب کو مطالعہ کرنے سے طبیعت نفرت کر جاتی تھی۔ اب ذرا زیادہ غور سے یاد آتا ہے۔

جناب سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر یہ باعث بخل کے ہو تو دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ نجات بخشے۔

حسبِ حال اپنی درخواست کرتا ہوں کہ یہ کتاب بندۂ عاجز کو آپ محض خدا کے واسطے عطا فرماویں اگر خدا کی مرضی ہے۔ کیونکہ بندہ کا کچھ اختیار نہیں عاجز حسبۃً لِلّٰہِ نہ بلحاظ قیمت محض بنظر حصول خوشنودی وہ خداوند تعالیٰ کے لئے جلد ارسال خدمت کرے گا۔ اگر اب کتاب عطا فرمائی ہو جس قدر اب تک طبع ہو چکی ہے۔ تو ۲۷؍جنوری سے پہلے عطا فرمائی جاوے کیونکہ بندہ اس درمیان میں غیر حاضر اپنے مقام سے رہے گا۔ اپنے وطن قصبہ سراوہ چوکی کھرکھو وہ ضلع پرگھہ میں جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر بعد تاریخ مندرجہ بالا عنایت کرنی ہوتو ۸؍فروری تک مقام مندرجہ بالا میں ارسال کرنی چاہئے اور پھر کپورتھلہ میں بھیج دینی مناسب ہے۔ اگر وطن میں پہنچ جاوے گی، امید ہے وہاں دیکھ کر اور بہت خواہش مند ہوں اور خیالات جو اس عاجز گنہگار کے دل میں واسطے دین کے مستحکم ہوتے تھے ان میں سے اکثر تو مطالعہ کتاب سے ظاہر ہو گیا کہ اس کتاب نے پوری کر دی اور امید ہے کہ اتفاق بھی جیسے ضرورت ہے اس سے پیدا ہوا اور نفاق کی بیخ کنی ہو۔ مگر یہ خیال کہ عام خاص مسلمان پانچوں شرائط اسلام بجالایا کریں یا جس میں نقص ہے اس کو پورا کریں تب ترقی ہوگی۔ اور منجملہ اس کے ایک زکوٰۃ ہے جواب فرض ہونا اس کا عام لوگوں کے خیالات سے مفقود ہو گیا ہے اس کو زور دیکر رواج دیا جاوے۔ اپنا خیال اکثر واعظوں پر ظاہر کیا گیا اور کئی مرتبہ موقع بہ موقع جتلایا گیا کہ مجلس اور کمیٹی مقرر کر کے کیوں اس کو جاری نہیں کرتے جس سے ایسے اخراجات دینی کے اور چندہ وغیرہ بآسانی دئے جاسکیں۔ صاحبان امرتسر نے چرم قربانی کا تو مدرسہ اسلامیہ کے لئے جمع کرنا قرار دیا مگر اس طرف توجہ نہیں کی۔ جناب توجہ باطنی اگر اس پر فرما کر اور دعا اور التجا بجنابِ باری کر کے خلق کو توجہ دلاویں تو عام خاص اہلِ اسلام کو فائدہ مند ہوگا۔

اب یہ عاجز گنہگار السلام علیکم پر اس عریضہ کو ختم کر کے التجا کرتا ہے کہ اوقاتِ عزیز میں یاد رکھ کر دعائے خیر بابت درستی دنیا و آخرت کے مشرف فرمائے۔

معروضہ ۲۲؍جنوری ۱۸۸۵ء روز چہارشنبہ۔ (پنجشنبہ)

عریضہ نیاز گنہگار
محمد ولی اللہ
از کپورتھلہ

مکتوب نمبر ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم جناب حاجی ولی اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ جو کچھ آں مخدوم نے لکھا ہے وہ بہت مناسب ہے۔ اس عاجز نے پہلے ہی سے یہ تجویز قرار دے رکھی ہے کہ کتاب براہین احمدیہ بجز متن عبارت و دلائل معقولی اور کچھ درج نہ ہو۔ اسی وجہ سے الہامات کے بارے میں یعنی پیشگوئیوں میں (جو) ہنوز وقوع میں نہیں آئیں۔ ایک مستقل رسالہ لکھا گیا ہے جس کا نام **سراج منیر** ہے۔ جن لوگوں کی ایسی باتوں سے طبیعت کچھ مناسبت نہیں[۱] رکھتی ہوگی وہ اس رسالہ کو پڑھیں گے اور جن لوگوں کی طبیعت میں مناسبت نہیں ہوگی ان کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوگا۔ سو وہ ملامت طبع اور تکدّر خاطر سے محفوظ رہیں گے۔ اب حصہ پنجم کتاب کے چھپنے میں صرف یہ توقف ہے کہ رسالہ سراج منیر تیار ہے۔ رسالہ سرمہ چشم آریہ کہ وہ بھی تیار اور مرتب ہے۔ اکونٹنٹ ڈیرہ غازیخان سے پانسو روپیہ قرض لے کر کاغذ خرید ا گیا ہے۔ اب تین چار روز تک یہ چھپنے شروع ہو جائیں گے۔ شاید ان کی ایک ایک روپیہ قیمت ہوگی اور قیمت وصول ہو کر حصہ پنجم کتاب کے لئے کام آئے گی۔ رسالہ سرمہ چشم آریہ، آریوں اور نیچریوں کے ردّ میں لکھا گیا ہے۔ بنیاد اس رسالہ کی وہ بحث ہے جو ہوشیار پور کے مقام پر آریوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ رسالہ سراج منیر شاید مقبول طبع مبارک نہ ہوگا اس لئے اس کی نسبت لکھنا فضول ہے۔ لیکن رسالہ سرمہ چشم آریہ میں الہامات کا ذکر نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ سو اگر آں مخدوم خالصاً للہ ثواب کی نیت سے اور محض خوشنودیٔ باری جلّ شانہٗ کی غرض سے کی[۲] فروخت کرانے میں جدو جہد کریں یہ تو اس سلسلہ کی سعادتوں میں جس کی عظمت کا علم عالم الغیب کو معلوم ہے آپ بھی داخل ہو جائیں اور آپ بفضلہٖ تعالیٰ اولوالعزم ہیں۔ اگر متوجہ ہوں تو اس صورت میں کتاب کے لئے بآسانی

---

۱ نقل مطابق اصل۔ غالباً سہو کتابت سے ’’نہیں‘‘ زائد لکھا گیا ہے۔

۲ نقل مطابق اصل۔ غالباً سہو کتابت سے ’’کی‘‘ لکھا گیا ہے۔ ’’کتاب‘‘ ہونا چاہیے۔

مدد کرا سکتے ہیں۔ ہندو لوگ بھی اس رسالہ سے ناراض نہیں ہیں کیونکہ آریہ سماج والوں سے ہندوؤں کی عداوت ہے۔ چنانچہ ہوشیار پور کی بحث میں ہندو لوگ باوجود اختلاف مذہب اس عاجز کے بیان پر خوش ہوتے تھے اور آریوں کے بیان پر ناراض۔ ایک نسخہ رسالہ سرمہ چشم آریہ بعد چھپنے کے آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ آپ اس کو پڑھ کر اگر مناسب طبع اپنے کے پاویں تو اس میں کوشش کریں۔ لیکن رسالہ سراج منیر نہیں بھیجوں گا کیونکہ الہامات کی نسبت کسی قدر طبع مبارک میں گرانی ہے۔

والسلام

خاکسار غلام احمد عفی عنہ

ان رسالوں کے چھپنے کے لئے جلدی اس غرض سے کی گئی ہے کہ تا حصہ پنجم کے لئے سرمایہ کافی جمع ہو جائے۔ (۲۱؍مئی ۱۸۸۶ء) ☆

☆......☆......☆

☆ اخبار الحکم ۲۱ تا ۲۸؍جولائی ۱۹۳۶ء

امام الدین فاتح کتاب المبین کے نام

امام الدین نام پنجاب میں ایک منصف تھے۔انہوں نے اپنے نام کے ساتھ فاتح کتاب المبین کا اضافہ کیا۔ یہ شخص اس امر کا مدعی تھا کہ نعوذ باللہ قرآن مجید نامکمل ہے جب تک اس کے ساتھ ایک ہی جلد میں بائبل کو نہ شریک کیا جائے۔

قرآن مجید کے متعلق مختلف اوقات میں فتنے اندر اور باہر سے پیدا ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1] کے وعدہ کے موافق قرآن مجید کی صداقت اور کمال کو ظاہر فرمایا۔عباسیوں کے زمانہ میں خلق قرآن کا بڑا خطرناک فتنہ پیدا ہوا۔جس نے مسلمانوں کی دینی اور عملی قوت کو ضرب لگائی پھر کبھی بعض لوگوں نے دوسرے رنگ میں عدم تکمیل کا فتنہ برپا کیااور مجھے تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ [2] پر اعتقاد رکھنے کے پھر ایسے عقیدہ تراشتے رہے۔لیکن یہ بھی قرآن کریم کا ایک اعجاز ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے معترضین کے جواب کیلئے خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ قرآن کریم زندہ کتاب اور محفوظ صحیفہ مطہرہ ثابت ہوا۔اس زمانہ میں بھی قرآن کریم کی شان پر اندرونی اور بیرونی حملے ہوئے اور خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کو توڑنے کیلئے **حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مبعوث فرمایا**۔آریوں اور عیسائیوں سے قطع نظر خود مسلمان کہلانے والے بعض لوگوں نے بھی نادانستہ قرآن مجید پر حملے کئے۔ مثلاً وہ جو قرآن کریم پر احادیث کو قاضی اور حَکَم ٹھہراتے ہیں۔ایسا ہی بعض وہ لوگ جو قرآن سے تمسک کے مدعی ہو کر احادیث کے مقام کو گراتے ہیں اور یہ تیسرا مدعی جو بائبل کو ساتھ رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ یہ شخص فوت ہو چکا ہے۔اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خط وکتابت کی تھی اور خط وکتابت کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ میری لائبریری میں وہ موجود تھا۔اب میں مرکز سے دور ہوں۔ حیاتِ احمد میں اس کا تذکرہ توفیق راہ ہوئی تو لکھوں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ یہ شخص لاہور کے جلسہ میں بھی شریک ہوا تھا اور اب فوت ہو چکا ہے۔دراز قد گندم گوں تھا۔ (عرفانی کبیر)

[1] الحجر: ۱۰ [2] المائدہ :۴

مکتوب نمبر ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

مکرمی۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔میری نسبت جو آں مکرم خودستائی و استکبار یا کسی بے جا ادّعا کا ظن رکھتے ہیں۔اس ظن کی بنا صرف بے خبری و ناواقفیت پر ہے۔بہتوں نے نبیوں کی نسبت بھی ایسے ہی ظن کئے۔پھر جب کسی وقت صحبت میسر ہوئی تو جس کو حق کے ساتھ مناسبت تھی۔خدا تعالیٰ نے اس کے وساوس دور کر دیئے۔سو اگر آپ صحبت سے ہی دور رہیں اور ملاقات سے گارِہ تو پھر اس بیماری کا کیوں کر علاج ہو۔دعا بھی ان ہی لوگوں کے حق میں قبول ہوتی ہے کہ جو اپنے تعصب اور سوءِ ظن کو کچھ کم کرتے ہیں۔جن لوگوں کو انکار میں غایت درجہ غلو تھا ان کو اولوالعزم رسولوں کی توجہ اور دعا بھی کچھ سُود مند نہ ہوئی۔اور جو آپ اپنے وساوس کے دور کرنے کے لئے مجھے اپنے پاس بُلاتے ہیں،میرے گمان میں اس آرزو کی بنیاد اخلاص پر نہیں۔کیونکہ جس حالت میں آپ میری ملاقات سے بھی گارِہ ہیں تو آپ کو میری ملاقات کچھ فائدہ نہیں دے گی۔میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ آپ ایک رسالہ مستقلہ اپنی رائے اور خیال کی تائید میں چھپوا کر میرے پاس بھیج دیں۔مگر رسالہ ایسا ہونا چاہیے جس میں وہ سب دلائل مندرج ہوں۔جن پر بہ تائید اپنے دعوٰی کے آپ زور دیتے ہیں۔اس طور کی بحث سے پبلک کو بہت فائدہ متصوّر ہے اور ہر ایک منصف کو بآسانی رائے نکالنے کا موقع مل سکتا ہے۔

آپ کی رائے میں قرآن شریف پہلی کتابوں کا اس طور سے مُتَمِّم و مُکَمِّل ہے کہ جو کچھ پہلی تحریرات سے کچھ زیادہ بیان کرنا قرینِ مصلحت تھا۔صرف وہ امر زائد یا کسی قدر مفصل قرآن شریف نے بیان کر دیا ہے۔مگر دوسری ہزارہا صداقتیں کہ جو اچھی طرح پہلی کتابوں میں بیان ہو چکی تھیں۔وہ قرآن شریف میں پائی نہیں جاتیں۔کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہی ارادہ کیا ہے کہ ان کا اعادہ قرآن شریف میں ضروری نہیں۔ان کے لئے پہلی کتابوں کی تلاوت لازم پکڑنی چاہئے۔ورنہ ایمان اور علم اور عمل ناقص رہے گا۔اب ایک دانشمند سوچ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ

کا یہی ارادہ تھا اور قرآن شریف درحقیقت ایک ناقص کتاب ہے اور اس کی تکمیل اس تمام مجموعہ کتب پر موقوف تھی کہ جو حضرت آدم سے لے کر تمام متفرق قوموں کے نبیوں پر نازل ہوتی رہیں تو چاہیئے تھا کہ خدا تعالیٰ وہ تمام کتابیں روئے زمین کے مسلمانوں کے لئے میسر کر دیتا۔ یا قرآن شریف میں ان کے نام بتلا دیتا۔ مگر اس نے تو بجز حضرت موسیٰ کی کتاب توریت اور حضرت داؤد کی کتاب زبور اور صحف ابراہیم اور انجیل کے اور کسی کتاب کا نام بھی نہیں بتلایا اور جن کتابوں کا نام بتلایا اس کے ساتھ یہ دل توڑنے والی خبر بھی دے دی کہ وہ تمام کتابیں محرف اور مبدّل ہیں۔

غرض (اگر) آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو اوّل وہ دنیا کی تمام کتابیں آپ جمع کر کے دکھلاویں جن کے شمول والحاق پر قرآن شریف کی تکمیل موقوف ہے اور اگر وہ نہ ہوں تو قرآن شریف ناقص رہ جاتا ہے۔ میری دانست میں آپ نے ایک ایسا فضول اور بے بنیاد دعویٰ اپنے ذمہ لیا ہے جس کا ثبوت آپ کیلئے محال اور ممتنع ہے۔ بینات قرآنی سے آپ کیوں بھاگتے ہیں۔ کیا کبھی قرآن شریف کی تلاوت کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[1] سو جس حالت میں اللہ جل شانہٗ آپ فرماتا ہے کہ تمام پاک صداقتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں اس کتاب میں درج ہیں تو آپ ایسی جامع کتاب کو کیوں نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں؟ آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اس عاجز کے سامنے پیش کریں۔ پھر اگر یہ عاجز قرآن شریف (میں) وہ صداقتیں دکھانے میں قاصر رہا تو آپ کا دعویٰ خود ثابت ہو جائے گا کہ ایسی ضروری اور پاک صداقتیں قرآن شریف میں نہ پائی گئیں ورنہ آپ کو اس غایت درجہ کی بے ادبی سے توبہ کرنی چاہیئے کہ جس کتاب کا نام اللہ جل شانہٗ نے **جامع الکتب** اور **نورِ مبین** رکھا ہے۔ آپ اس کتاب کو ناقص ٹھہراتے ہیں۔ آپ کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ خود یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ اقوام کے اقرار سے ثابت ہے کہ پہلی کتابیں جو دنیا کے لوگوں پر نازل ہوئی تھیں کچھ تو ان میں سے بتمام ہا نابود ہوگئیں اور کچھ تحریف کی گئیں اور کچھ ناقص رہ

---

[1] البیّنۃ: ۳،۴

گئیں اور اب بصحت و کاملیت و جامعیت دستیاب ہونا ان کتابوں کا محال ہے۔ پس آپ قرآن شریف کی کاملیت کو محال پر موقوف رکھ کر ایک زہرناک فتنہ میں لوگوں کو ڈالنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ آپ کے لئے ممکن نہ ہوگا اور عنقریب آپ کو ندامت کے ساتھ اس مفسد اعتقاد سے رجوع کرنا پڑے گا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ وَالسَّــلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

خاکسار

مرزا غلام احمد قادیان

(۲۸؍اپریل ۸۸ء)☆

نوٹ:۔ اس مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے لئے آپ کو کس قدر غیرت اور قرآن مجید کی تعلیم پر اس قدر بصیرت اور معرفت حاصل ہے کہ ہر مخالف کو قرآن مجید ہی سے اس کے کمالات دکھانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس مقابلہ میں کوئی شخص آپ کے سامنے نہیں آتا۔ (عرفانی کبیر)

☆......☆......☆

☆ الحکم ۲۱؍جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۴

مکتوب نمبر ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

دوست میرے دوست جناب مولوی امام الدین صاحب سلّمہٗ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنائت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ بباعث بعض موسمی بیماریوں کے آپ کے خط کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور بوجہ ضعفِ بشریت ایک غلطی جو آپ کے خیال پر غالب آرہی ہے، اس کو رفع دفع فرمادے کہ ہر ایک ہدایت اسی کی طرف سے ہے۔ اور انشاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ براہین احمدیہ کے کسی محل پر آپ کا جواب الجواب لکھوں۔ نہ بحث کی غرض سے بلکہ اس غرض سے کہ ہادیٔ مطلق اس کے ذریعہ سے آپ کو رہنمائی کرے۔ مگر میرے نزدیک اس سے پہلے مناسب ہے کہ آپ بائیبل کے ان مقامات کی صاف طور پر تشریح کر دیں جن سے نہ صرف یہ بات قطعاً معلوم ہوتی ہے (کہ) وہ قصص واحکام خدا تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی عقلمند ومتقی ودیندار کا بھی وہ کلام نہیں ہوسکتا۔ بائیبل میں بعض بیانات عقل وطبعی کے برخلاف ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کے تقدس اور اس کی پاک تعلیم کے برخلاف اور بعض اس کے انبیاء کی شان کے برخلاف اور بعض ایسے امور ہیں جو حال کی تحقیقاتوں سے جھوٹے ثابت ہوگئے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف اجمالی طور پر تمام امور ضروریہ علمی وعملی کا جامع اور تمام معارف وحقائق پر بطور ایجاز واجمال مشتمل ہے اور خدا تعالیٰ نے تفصیل کا حوالہ اپنے رسول کی طرف کر دیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ رسول دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ اور اگر فرض کے طور پر یہ خیال کیا جاوے کہ بغیر بائبل کے تکمیل قرآن شریف نہیں ہوسکتی اور اگر بائیبل کو قرآن شریف کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر کوئی حکم اور دینی صداقت باہر نہیں رہے گی تو یہ بھی خیال خام اور گمان باطل ہے اور اگر آپ کو سیر احادیث نبویہ ہو تو کس قدر صدہا جزئیات متعلق حقوق عباد ومعاملات وحقوق باری عزاسمہ وغیرہ اس میں مندرج ہیں اور پھر کس قدر فقہا نے ان جزئیات کی تشریح کرنے کے وقت اجتہاد سے کام لیا ہے اور کس قدر مسائل پیدا ہوگئے ہیں

تو آپ کو اقرار کرنا پڑے (کہ) ہاں بڑے زور سے اقرار کرتا ہوں کہ ان ضروری امور سے تمام بائیبل خالی ہے تو پھر ہم بائیبل کی تہیدستی کا شکوہ کہاں لے جائیں اور کس کے پاس جا کر روئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انجیل اور توریت کی حالت کی نسبت یہ آیت نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے۔ وَ اِثۡمُهُمَآ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا[1]۔ انہوں نے اپنی قوم کو جن کے ہاتھ میں صدہا سال سے یہ کتابیں ہیں، کیا فائدہ پہنچایا ہے جو آپ کو بھی پہنچائیں گی۔ جن کے گندہ اور غیر مہذب بیانات کی بڑے فاضل انگریز جان پورٹ ولائل جیسے قائل ہو گئے ہیں۔ اب آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا کہ آپ قائل نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ رحم کرے۔ رَبِّ اغۡفِرۡ رَبِّ ارۡحَمۡ وَلَا تَهۡدِی نَفۡسٌ اِلَّا بِفَضۡلِکَ وَرَحۡمَتِکَ وَ تَوۡفِیۡقِکَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی۔ ☆

خاکسار

مورخہ ۳۰ر ستمبر ۱۸۸۹ء غلام احمد

☆......☆......☆

[1] البقرۃ: ۲۲۰ ☆ الفضل ۸ر جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کے نام

(تعارفی نوٹ)

اس مکتوب کے ساتھ سلسلہ کی اور خاکسار عرفانی کبیر کی تاریخ کا دلچسپ تعلق ہے اس لئے میں اس مکتوب کو درج کرنے سے پہلے اس تعارفی نوٹ کو کسی قدر تفصیل سے لکھوں گا اور میرا یہ بھی مقصد ہے کہ تاریخ سلسلہ کے آنے والے مؤرّخ کے لئے آسانی ہو۔

مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی حضرت مولوی عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے۔ مولوی سید عبداللہ صاحب اہل اللہ میں سے تھے اور متبع کتاب وسنت تھے۔ ان کے اہلِ وطن نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا اور اپنے ملک سے جلاوطن کیا۔ وہ امرتسر کے قریب موضع خیردی میں رہتے تھے اور لوگوں میں ان کے تقویٰ اور توکل علی اللہ کا شہرہ تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب کو بھی ان سے ارادت تھی۔ حضرت مسیح موعود بھی ابتدائی زمانہ میں ان کے پاس گئے تھے اور مولوی عبداللہ صاحب کو آپ کے مقامِ رفیع کی اطلاع بھی ملی تھی۔ ابتداءً حضرت کے ساتھ جن لوگوں نے تعلق ارادت پیدا کیا۔ ان میں ایک حصہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب کے مریدوں میں سے آیا تھا۔

ان کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قادیان میں ایک نور چمکے گا اور میری اولاد اس سے محروم رہے گی۔ مولوی محمد حسین صاحب کی علمی پردہ دری کی بھی انہوں نے باعلام الٰہی خبر دی تھی۔

غرض مولوی عبدالجبار صاحب ان کے ہی خلف اکبر تھے اور ان کے صاحبزادہ مولوی داؤد غزنوی اب تک کانگریس کے داعی تھے اور مسلم لیگ کے مخالف مگر جولائی ۱۹۲۶ء میں انہوں نے یکایک پینترا بدلا اور جس لیگ کی مخالفت کرتے تھے اس میں شریک ہو گئے۔ شائد کہ ہمیں بیضہ برآرد پرو بال۔

مولوی عبدالجبار صاحب ایک عالم تھے اور اپنی جماعت کے سردار۔ داروغہ محمد عمر صاحب حسین پوری نے امرتسر میں ان لوگوں کے لئے ایک مسجد تعمیر کر دی تھی اور انکا خاندان جو

سارے کا سارا محکمہ نہر میں ملازم تھا۔ اس خاندان سے ارادت رکھتا اور ان کی ناز برداری کرتا تھا۔ اس خاندان میں سے حافظ محمد یوسف ضلعدار اور ان کے بھائی محمد یعقوب صاحب اپنے مرشد مولوی عبداللہ صاحب کی ہدایتوں کے ماتحت حضرت اقدس سے ارادت رکھتے تھے۔ اس لئے آپ کے دعویٰ کے بعد غزنوی جرگہ سے ان کے اختلافات بڑھتے گئے۔ اسی غزنوی جرگہ میں ایک شخص عبدالحق غزنوی بھی تھا۔ بعض اسے اسی خاندان کا ایک فرد سمجھتے تھے اور بعض شاگرد۔ بہرحال وہ اسی جرگہ میں ملا جلا تھا اور صوفی اور صاحب الہام مشہور تھا۔ سارے غزنوی طائفہ کے خلاف اس نے سلسلہ احمدیہ کی مخالفت میں اقدام کیا اور کچھ الہامات شائع کئے اور مباہلہ کا اعلان کر دیا۔ یہ حضرت کے دعویٰ کے ابتدائی ایام کی بات تھی۔ حضرت اقدس اس اختلاف کو ایک اختلافی مسئلہ تو قرار دیتے مگر مباہلہ کے لئے سند چاہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ خط مولوی عبدالجبار صاحب کو لکھا گیا۔

میرا تعلق اس اشتہار سے

حضرت اقدس کا یہ (اشتہار) ریاض ہند امرتسر اور پنجاب گزٹ سیالکوٹ میں شائع ہوا۔ میں اس وقت لاہور کے ماڈل سکول میں فورتھ ہائی کا طالب علم تھا۔ حضرت صاحب کی بیعت تو میں ۱۸۸۹ء میں کر چکا تھا مگر وہ ایک رسمی اور تقلیدی بیعت تھی گو حسن عقیدت سے ہی تھی مگر اس کے بعد لاہور آ جانے کی وجہ سے میرا چنداں تعلق نہ رہا۔ ہاں بدستور حسن ظن اور اعتقاد حضرت کی نسبت قائم تھا اور میں پیسہ اخبار لاہور کیلئے (جس کا میں ۱۸۸۷ء سے خریدار تھا) خبروں اور بعض کہانیوں کا ترجمہ فارغ وقت میں کیا کرتا تھا اور پیسہ اخبار کے دفتر میں ایک مولوی سید احمد لکھنوی اور منشی اللہ دتہ صاحب سیالکوٹی بھی کام کرتے تھے۔ مارچ ۱۸۹۱ء کے پہلے یا دوسرے ہفتہ کا واقعہ ہے کہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ میں یہ خط اس عنوان سے شائع ہوا۔ **’’آنے والا مسیح آ گیا ہے جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہوں دیکھے اور جس کے کان سننے کے ہوں سنے‘‘** منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار جانتے تھے کہ میں مذہبی آدمی ہوں اور بارہا انہوں نے مجھے انارکلی میں عیسائیوں اور آریوں کے خلاف لیکچر دیتے اور مباحثے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ انہوں نے مجھے اور مولوی سید احمد اور منشی الہ دتا کو بلایا اور کہا کہ ایک نئی خبر سناتا ہوں۔ اس پر انہوں نے یہ مضمون سنایا۔

میرا علم ومعرفت نہایت ہی کمزور تھی۔ میں نے مضمون سن کر اظہار افسوس کیا اور جو ناداں صوفیوں سے سنا ہوا تھا کہ سلوک کے راستہ میں بعض وقت کوئی ٹھوکر لگ جاتی ہے اور ایسے بزرگ کچھ دعویٰ کر دیتے ہیں، میں نے بھی یہی کہا کہ حضرت کو نعوذ باللہ ٹھوکر لگی ہے۔ اس سے زیادہ میں نے کچھ نہ کہا اور نہ حضرت کے متعلق کوئی شبہ پیدا ہوا۔ بات آئی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے رسالہ فتح اسلام مل گیا۔ میں نے اسے تین چار مرتبہ پڑھا اور مجھے شرح صدر ہو گیا۔ میں نے رسالہ جیب میں رکھا اور دفتر جا کر ان ہر سہ کی موجودگی میں ان کو گواہ کر کے کہا کہ میرا خیال غلط تھا۔ حضرت مرزا صاحب واقعی مسیح موعود ہیں اور حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو گئے اور رسالہ فتح اسلام سے بعض پیریگراف سنائے۔ اس پر منشی محبوب عالم صاحب نے کہا تم بڑے متلوّن مزاج ہو۔ چندروز پیشتر وہ خیال ظاہر کیا اور آج ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہو۔ میں نے کہا آپ نے تلوّن کی حقیقت ہی نہیں سمجھی۔ اپنی غلطی سے رجوع کر کے صداقت کو قبول کرنا تو اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے۔ اس پر وہ بحث ختم ہوگئی اور میں نے حضرت کو اپنا یہ سارا قصہ لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے منشی الہ دتا صاحب کو تو سلسلہ میں داخل کر دیا۔ سید احمد ناول نویس تھے ان کو کچھ توجہ ہی نہ ہوئی اور منشی محبوب عالم صاحب مخالفت بھی کرتے رہے اور اس کے بعد خاکسار عرفانی کبیر کو تو علی الاعلان اس پیغام کو لاہور کے بازاروں میں پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت اقدس کے سفر لاہور کے ایام میں مخالفین سے ماریں بھی کھائیں۔ **والحمد للّٰہ علٰی ذٰلک۔**

یہ واقعہ میں نے اس اشتہار کے سلسلہ میں لکھ دینا ضروری سمجھا۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کا تعلق

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی زندگی کو بھی عبدالحق کے اشتہار مباہلہ سے ایک تعلق ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں حضرت کو ایک خط لکھا جس میں مزید انکشاف بذریعہ سوالات کیا گیا تھا۔ حضرت اقدس نے حضرت نواب کو جو مکتوب گرامی لکھا وہ آپ کے مکتوبات میں چوتھے[1] نمبر پر درج ہے۔ جس میں حضرت اقدس نے نواب صاحب

[1] حضرت نواب صاحب کے نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مکتوب اس خط کے آخر میں دیا جاتا ہے۔

کے طریق استفسار کو سعادت کی نشانی قرار دیا اور لکھا کہ ’’ **میری نظر میں طلب ثبوت اور انکشاف حق کا طریقہ کوئی جائز اور ناگوار طریقہ نہیں بلکہ سعیدوں کی یہی نشانی ہے کہ وہ ورطۂ مذبذبات سے نجات پانے کے لئے حل مشکلات چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ عاجز آپ کے اس طلب ثبوت سے ناخوش نہیں ہوا بلکہ نہایت خوش ہے کہ آپ میں سعادت کی وہ علامتیں دیکھتا ہوں جس سے آپ کی نسبت عرفانی ترقیات کی امید بڑھتی ہے۔**‘‘ اس وقت یہ پیشگوئی تھی اور حقیقت ثابتہ ہوگئی۔ اس طرح یہ خط میری زندگی کے نشیب وفراز میں ایک موڑ کا مقام ہے اور مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ اس خط کی ایک نقل حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے اپنے ایک مکتوب کے ساتھ بھیجی تھی۔ وہ مکتوب حضرت خلیفہ اوّلؓ کے نام کے مکتوب میں کسی وجہ سے شائع نہ ہوسکا۔ ۹؍فروری ۱۸۹۱ء کو حضرت اقدس نے جو مکتوب لکھا تھا اس میں عبدالحق غزنوی کے اشتہار کا ذکر ہے اور آپ نے یہ خیال بھی ظاہر فرمایا کہ درحقیقت یہ اشتہار مولوی عبدالجبار صاحب کی طرف سے معلوم ہوتے ہیں اور اس مکتوب میں بھی حضرت نے اشارہ کیا ہے۔ مولوی عبدالجبار صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چونکہ حضرت حکیم الامت کے نام کا مکتوب رہ گیا ہے اس لئے اسے بھی یہاں درج کردیتا ہوں۔ اس خط پر جو نوٹ لکھا گیا ہے وہ حضرت مولوی عبدالکریم صافی رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اب ہم ایک خط چھاپتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے مولانا مولوی نورالدین صاحب کے نام لکھا ہے۔ اس خط کو پڑھتے وقت ہمیں قرآن حمید کی وہ آیت یاد آئی اور جناب ہادی کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے اثبات میں ایک بڑی زبردست خطابی دلیل پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ [1] ان کو کہہ دو کہ میں تمہیں اللہ کی طرف جو بلاتا ہوں تو میں اپنے مشن کی صداقت کی نسبت مذبذب ومتردّد نہیں ہوں۔ بخلاف اس کے مجھ کو کامل وثوق ہے، پوری بصیرت ہے کہ میں راست باز ہوں اور اس لئے بالیقین کامیاب ہونے والا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سکینہ صادق ہیں اور مذبذب دلی مضطرب متعمد کاذب کے لہجے اور

[1] یوسف: ۱۰۹

کلام کی تلوّنیات میں فرق عظیم ہوتا ہے۔حضرت مرزا صاحب کا یہ خط بڑی بھاری دِلی طمانیت اپنے مولائے کرام پر قوی اعتماد و وثوق کی خبر دیتا ہے۔فقرہ فقرہ سے اس کے با مذاق عارفین سمجھ سکتے ہیں کہ پس پردہ کوئی حمایت ونصرت کی بشارت وتسلّی دینے والا ضرور ہے اوراس وادیٔ ایمن کے منتخب اولوالعزم کی طرح جو ابتدا میں ضعف بشریت کی تحریک سے اَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ کا عذرپیش کرتا تھا مگر بالآخر اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی [1] کی بشارت آمیز آواز پر سرکش ناخدا ترس قوم کی طرف بے خوف چل دیا۔ جہاں بھی عادت اللہ اس مجدّد کو تقویت دے رہی ہے۔عجب ہیں وہ دل جو اس پر رقیق ہونے میں نہ آئیں۔انہیں ہر وقت یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے۔مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔[2] خداوندفرماتا ہے میرے دوست سے جو بیر کرے میں اسے اپنے ساتھ لڑنے کا نوٹس دیتا ہوں۔وہ خوف کریں کہ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا سے لڑنے والے ٹھہریں۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کے نام کے مکتوبات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔مگر میں اس خط کو یہاں اس لئے درج کر دیتا ہوں کہ زمانہ آئندہ کے مؤرّخ کو آسانی ہو۔

(الف) (عرفانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

میرے پیارے دوست نواب محمد علی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ کا محبت نامہ عین انتظار میں مجھ کو ملا۔ جس کو میں نے تعظیم سے دیکھا اور ہمدردی اور اخلاص کے جوش سے حرف حرف پڑھا۔میری نظر میں طلب ثبوت اور انکشافِ حق کا طریقہ کوئی ناجائز اور ناگوار طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ سعیدوں کی ہی نشانی ہے کہ وہ ورطۂ مُذبذبات سے نجات پانے کے لئے حل مشکلات چاہتے ہیں۔لہٰذا یہ عاجز آپ کے اس طلب ثبوت سے ناخوش نہیں ہوا۔ بلکہ نہایت خوش ہے اور آپ میں سعادت کی وہ علامتیں دیکھتا ہوں جس سے آپ کی نسبت عرفانی ترقیات کی امیدیں بڑھتی ہیں۔

---

[1] طٰہٰ: ۴۷ [2] بخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث ۶۵۰۲

اب آپ پر یہ واضح کرتا ہوں کہ میں نے مباہلہ سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا۔ اگر امر متنازعہ فیہ میں قرآن اور حدیث کی رو سے مباہلہ ہو تو میں سب سے پہلے مباہلہ کے لئے کھڑا ہوں لیکن ایسی صورت میں ہرگز مباہلہ جائز نہیں جب کہ فریقین کا یہ خیال ہو کہ فلاں مسئلہ میں کسی فریق کے اجتہاد یا فہم یا سمجھ کی غلطی ہے۔ کسی کی طرف سے عمداً افترا یا دروغ بیانی نہیں۔ کیونکہ مجرد ایسے اختلافات میں جو قطع نظر مصیب یا مخطی ہونے کے صحت نیت اور اَخلاق اور صدق پر مبنی ہیں، مباہلہ جائز ہوتا اور خدائے تعالیٰ ہر ایک جزئی اختلاف کی وجہ سے مخطی پر عندالمباہلہ عذاب نازل کرتا تو آج تک تمام اسلام کا روئے زمین سے خاتمہ ہو جاتا کیونکہ کچھ شک نہیں کہ مباہلہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ’’جو فریق حق پر نہیں اس پر بلا نازل ہو۔‘‘

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اجتہادی امور میں مثلاً کسی جزئی میں حنفی حق پر نہیں اور کسی میں شافعی حق پر اور کسی میں اہل حدیث۔ اب جب کہ فرض کیا جائے کہ سب فرقے اسلام کے جزئی اختلاف کی وجہ سے باہم مباہلہ کریں اور خدائے تعالیٰ، اس پر جو حق پر نہیں، عذاب نازل کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی اپنی خطا کی وجہ سے تمام فرقہ اسلام کے روئے زمیں سے نابود کئے جائیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس امر کے تجویز کرنے سے اسلام کا استیصال تجویز کرنا پڑتا، وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جو حامی اسلام اور مسلمین ہے، کیونکر جائز ہوگا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے نزدیک جزئی اختلافات کی وجہ سے مباہلہ جائز ہوتا تو وہ ہمیں یہ تعلیم نہ دیتا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا[1] یعنی اے خدا ہماری خطا معاف کر اور ہمارے بھائیوں کی خطا بھی عفو فرما بلکہ مصیب اور مخطی کا تصفیہ مباہلہ پر چھوڑتا اور ہمیں ہر ایک جزئی اختلاف کی وجہ سے مباہلہ کی رغبت دیتا لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ اگر اس اُمت کے باہمی اختلافات کا مباہلہ سے فیصلہ ہونا ضروری ہے پھر تمام مسلمانوں کے ہلاک کرنے کیلئے دشمنوں کی نظر میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں ہوگی کہ ان تمام جزئیات مختلف میں مباہلہ کرایا جائے تا کہ ایک ہی مرتبہ سب مسلمانوں پر قیامت آجائے۔ کیونکہ کوئی فرقہ کسی خطا کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا اور کوئی کسی خطا کے سبب سے موردِ عذاب و ہلاکت ہوگا۔ وجہ یہ کہ جزئی خطا سے تو کوئی فرقہ بھی خالی نہیں۔

[1] الحشر:۱۱

اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کس صورت میں مباہلہ جائز ہے۔ سو واضح ہو کہ دو[۲] صورت میں مباہلہ جائز ہے۔

(۱) اوّل اس کافر کے ساتھ جو یہ دعوےٰ رکھتا ہے کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اسلام حق پر نہیں اور جو کچھ غیر اللہ کی نسبت خدائی کی صفتیں میں مانتا ہوں۔ وہ یقینی امر ہے۔

(۲) دوم اس ظالم کے ساتھ جو ایک بے جا تہمت کسی پر لگا کر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے مثلاً ایک مستورہ کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ عورت زانیہ ہے۔ کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے یا مثلاً یہ ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شراب خوار ہے اور میں نے بچشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مباہلہ جائز ہے۔ کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور رویت پر بنا رکھ کر ایک مومن بھائی کو ذلت پہنچانا چاہتا ہے۔ جیسے مولوی اسماعیل صاحب نے کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے ایک دوست کی چشم دید بات ہے کہ مرزا غلام احمد یعنی یہ عاجز پوشیدہ طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے اور انہیں کے ذریعہ سے کچھ کچھ آئندہ کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو کہہ دیتا ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ اس عاجز کی اہانت اور صدق پر ایک تہمت لگائی تھی۔ جس کی اپنے ایک دوست کی رویت پر بنا رکھی تھی۔ لیکن اگر بنا صرف اجتہاد پر ہو اور اجتہادی طور پر کوئی شخص کسی مومن کو کافر کہے یا ملحد نام رکھے تو یہ کوئی تعجب نہیں۔ بلکہ جہاں تک اس کی سمجھ اور اس کا علم تھا۔ اس کے موافق اس نے فتویٰ دیا ہے۔ غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی قطعی اور یقین پر بنا رکھ کر دوسرے کو مفتری اور زانی وغیرہ قرار دیتے ہیں۔

پس مَانَحْنُ فِیْہِ میں مباہلہ اس وقت جائز ہوگا جب فریق مخالف یہ اشتہار دیں کہ ہم اس مدّعی کو اپنی نظر میں اس قسم کا مخطی نہیں سمجھتے کہ جیسے اسلام کے فرقوں میں مُصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطی بھی اور بعض فرقے بعض سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم یقین کلّی سے اس شخص کو مفتری جانتے ہیں اور ہم اس بات کے محتاج نہیں کہ یہ کہیں کہ امر متنازعہ فیہ کی اصل حقیقت

خدائے تعالیٰ جانتا ہے بلکہ یقیناً اس پیشگوئی کی اصل حقیقت ہمیں معلوم ہو چکی ہے۔ اگر یہ لوگ اس قدر اقرار کریں تو پھر کچھ ضرورت نہیں کہ علماء کا مشورہ اس میں لیا جائے۔ وہ مشورہ نقصان علم کی وجہ سے طلب نہیں کیا گیا صرف اتمام حجت کی غرض سے طلب کیا گیا ہے۔ سو اگر یہ مدعیان ایسا اقرار کریں کہ جو اوپر بیان ہو چکا ہے تو پھر کچھ حاجت نہیں کہ علماء سے فتویٰ پوچھا جاوے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص آپ ہی یقین نہیں کرتا وہ مباہلہ کس بنا پر کرنا چاہتا ہے؟ مباہل کا منصب یہ ہے کہ اپنے دعویٰ میں یقین ظاہر کرے۔ صرف ظن اور شبہ پر بنا نہ ہو۔ مباہل کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ اس امر کے بارے میں خدائے تعالیٰ کو معلوم ہے۔ وہی مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہے۔ تب مباہلہ کی بنا پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ مباہلہ سے پہلے شخص مبلغ کا بھی سن لینا ضروری امر ہے۔ یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ سے مامور ہو کر آیا ہے اسے لازم ہے کہ اوّل دلائل بیّنہ سے اشخاص منکرین کو اپنے دعوے کی صداقت سمجھاوے اور اپنے صدق کی علامتیں ان پر ظاہر کرے۔ پھر اگر اس کے بیانات کو سن کر اشخاص منکرین باز نہ آویں اور کہیں کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تُو مفتری ہے تو آخر الحیل مباہلہ ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی نہ کچھ سمجھا نہ بوجھا نہ کچھ سنا پہلے مباہلہ ہی لے بیٹھے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی درخواست اس وقت کی تھی کہ جب کئی برس قرآن شریف نازل ہو کر کامل طور پر تبلیغ ہو چکی تھی۔ یہ عاجز کسی طرح نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہے کہ ایک مجلس علماء کی جمع ہو اور ان میں وہ لوگ بھی جمع ہوں جو مباہلہ کی درخواست کرتے ہیں۔ پہلے یہ عاجز انبیاء کے طریق پر شرط نصیحت بجالائے اور صاف صاف بیان سے اپنا حق ہونا ظاہر کر لے جب اس وعظ سے فراغت ہو جائے تو درخواست کنندہ مباہلہ اُٹھ کر یہ کہے کہ وعظ میں نے سن لیا۔ مگر میں اب بھی یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص کاذب اور مفتری ہے اور اس یقین میں شک وشبہ کو راہ نہیں بلکہ رؤیت کی طرح قطعی ہے۔ ایسا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ ایسا شک وشبہ سے منزہ ہے کہ جیسے رؤیت، تب اس کے بعد مباہلہ شروع ہو۔ مباہلہ سے پہلے کسی قدر مناظرہ ضروری ہوتا ہے تا حجت پوری ہو جائے۔ کبھی سنا نہیں گیا کہ کسی نبی نے ابھی تبلیغ نہیں کی اور مباہلہ ...... ہی شروع ہو گیا۔ **غرض اس عاجز کو مباہلہ سے ہرگز انکار نہیں** مگر اسی طریق سے جو

اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند کیا ہے۔ مباہلہ کی بنا یقین پر ہوتی ہے نہ اجتہادی خطاوصواب پر۔ جب مباہلہ سے غرض تائیدِ دین ہے تو کیونکر پہلا قدم ہی دین کے مخالف رکھا جائے۔

یہ عاجز انشاء اللہ ایک ہفتہ تک ازالۃ الاوہام کے اوراق مطبوعہ آپ کے لئے طلب کرے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ابھی آپ کسی پر ان کو ظاہر نہ کریں۔ اس کا مضمون آپ تک امانت رہے۔ اگرچہ بعض مقاصد عالیہ ابھی تک طبع نہیں ہوئے اور یکجائی طور پر دیکھنا بہتر ہوتا ہے۔ تاخدانخواستہ قبل از وقت طبیعت سیر نہ ہو جائے۔ مگر آپ کے اصرار سے آپ کیلئے طلب کروں گا۔ چونکہ میرا نوکر جس کے اہتمام اور حفاظت میں یہ کاغذات ہیں۔ اس جگہ سے تین چار روز تک امرتسر جائے گا۔ اس لئے ہفتہ یا عشرہ تک یہ کاغذات آپ کی خدمت میں پہنچیں گے۔ آپ کیلئے ملاقات کرنا ضروری ہے۔ ورنہ تحریر کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً استکشاف کرنا چاہئے۔

والسلام

خاکسار

غلام احمد

نوٹ:۔ اس خط پر تاریخ نہیں ہے۔ لیکن ازالہ اوہام کی طبع کا چونکہ ذکر ہے۔ اس لئے پایا جاتا ہے کہ ۱۸۹۱ء کا یہ مکتوب ہے۔ نواب صاحب قبلہ نے آپ کو مباہلہ کی درخواست منظور کرنے کے تعلق تحریک کی تھی۔ جو عبدالحق غزنوی وغیرہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ مکتوب لکھا۔ اس مکتوب سے آپ کی سیرت پر بھی ایک خاص روشنی پڑتی ہے اور آپ کے دعاوی پر بھی۔ جب مباہلہ کے لئے آپ کھڑے ہونے کی آمادگی ظاہر کرتے ہیں تو صاف فرماتے ہیں۔ پہلے یہ عاجز انبیاء کے طریق پر شرط نصیحت بجا لاوے۔ اپنے سلسلہ کو ہمیشہ منہاجِ نبوت پر پیش کیا ہے۔ دوسرے آپ استکشافِ حق کے لئے کسی سوال اور جرح کو نہیں مٹاتے بلکہ سائل کو شوق دلاتے ہیں کہ وہ دریافت کرے۔ اس لئے کہ اسے آپ سعیدوں کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ (عرفانی کبیر)

مکتوب نمبر۹

بنام مولوی عبدالجبار غزنوی

مشفقی واخی مولوی عبدالجبار صاحب! السلام علیکم۔ ایک اشتہار جو عبدالحق کے نام سے جاری کیا گیا ہے۔ جس میں مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ کل کی ڈاک میں مجھے ملا۔ چونکہ میں نہیں جانتا کہ عبدالحق کون ہے۔ آیا کسی گروہ کا مقتدی یا مقتدا ہے۔ اس وجہ سے آپ ہی کی طرف خط ہذا لکھتا ہوں۔ اس خیال سے کہ میری رائے میں وہ آپ ہی کی جماعت میں سے ہے اور اشتہار بھی دراصل آپ ہی کی تحریک سے لکھا گیا ہوگا۔ پس واضح ہو کہ مباہلہ پر مجھے کسی طرح سے اعتراض نہیں۔ جس حالت میں مَیں نے اس مدعا کی غرض سے قریب بارہ ہزار کے خطوط و اشتہارات مختلف ملکوں میں بڑے بڑے مخالفوں کے نام روانہ کئے ہیں تو پھر آپ سے مباہلہ کرنے میں کون سی تأمّل کی جگہ ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے **اور یہ بھی میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارہ میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے۔ سو میں اسی الہام کی بنا پر اپنے تئیں وہ موعود مثیل سمجھتا ہوں** جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی کی وجہ سے مسیح موعود کہتے ہیں۔ مجھے اس بات سے انکار بھی نہیں کہ میرے سوا کوئی اور مثیلِ مسیح بھی آنے والا ہو۔ **بلکہ ایک آنے والا تو خود میرے پر بھی ظاہر کیا گیا ہے جو میری ہی ذرّیت میں سے ہوگا۔** لیکن اس جگہ میرا دعویٰ جو بذریعہ الہام مجھے یقینی طور پر سمجھایا گیا ہے۔ صرف اتنا ہے کہ قرآن شریف اور حدیث میں میرے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ میں اس سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا اور نہ کروں گا کہ شائد مسیح موعود کوئی اور بھی ہو اور شائد یہ پیشگوئیاں جو میرے حق میں روحانی طور پر ہیں ظاہری طور پر اس پر جمتی ہوں اور شائد سچ مچ دمشق میں کوئی مثیلِ مسیح نازل ہو۔ لیکن میرے پر یہ کھول دیا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی تھی فوت ہو چکا ہے اور یحییٰ کی روح کے ساتھ اس کی روح دوسرے آسمان میں اور اپنے سماوی مرتبہ کے موافق بہشت بریں کی سیر

کررہی ہے۔اب وہ روح بہشت سے بموجب وعدہ الٰہی کے جو بہشتیوں کے لئے قرآن شریف میں موجود ہے، نکل نہیں سکتی اور نہ دوموتیں ان پر وارد ہوسکتی ہیں۔ایک موت جواُن پر وارد ہوئی وہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے اور ہمارے اکثر مفسر بھی اس کے قائل ہیں اور ابن عباس کی حدیث سے بھی اس کا ثبوت ظاہر ہےاورانجیل میں بھی لکھا ہےاور نیز توریت میں بھی۔اب دوسری موت ان کے لئے تجویز کرنا خلافِ نص وحدیث ہے۔وجہ یہ کہ کسی جگہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دومرتبہ مریں گے۔ یہ تو میرے الہامات اور مکاشفات کا خلاصہ ہے جو میرے رگ وریشہ میں رچا ہوا ہےاور ایسا ہی اس پر ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ کتاب اللہ پر۔ اوراسی اقراراورانہی لفظوں کے ساتھ میں مباہلہ بھی کروں گا اور جولوگ اپنے شیطانی اوہام کو ربانی الہام قرار دے کر مجھے جہنمی اور ضال قرار دیتے ہیں۔ایسا ہی ان سے بھی ان کے الہامات کے بارہ میں اللہ جلّ شانہٗ کی حلف لوں گا کہ کہاں تک انہیں اپنے الہامات کی یقینی معرفت حاصل ہے۔مگر بہرحال مباہلہ کے لئے میں مستعد کھڑا ہوں، لیکن امور مفصلہ ذیل کا تصفیہ ہونا پہلے مقدم ہے۔

اوّل یہ کہ چند مولوی صاحبان نامی جیسے مولوی نذیرحسین صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری بالاتفاق یہ فتویٰ لکھ دیں کہ ایسی جزئیات خفیفہ میں اگر الہامی یا اجتہادی طور پر اختلاف واقع ہوتو اس کا فیصلہ بذریعہ لعن طعن کرنے اورایک دوسرے کو بددعا دینے کے جس کا دوسرے لفظوں میں مباہلہ نام ہے، کرنا جائز ہے۔کیونکہ میرے خیال میں جزئی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کو لعنتوں کا نشانہ بنانا ہرگز جائزنہیں۔کیونکہ ایسے اختلافات اصحابوں میں ہی شروع ہوگئے تھے۔مثلاً حضرت ابن عباس محدّث کی وحی کو نبی کی وحی کی طرح قطعی سمجھتے تھے اور دوسرے ان کے مخالف بھی تھے۔ایسے ہی صاحب صحیح بخاری کا یہ عقیدہ تھا کہ کتب سابقہ یعنی توریت وانجیل وغیرہ محرف نہیں ہیں اوران میں کچھ لفظی تحریف نہیں ہوئی۔حالانکہ یہ عقیدہ اجماع مسلمین کے مخالف ہےاور بایں ہمہ سخت مضر بھی ہےاور نیز بہ بداہت باطل۔ایسا ہی محی الدین ابن عربی رئیس المتصوّفین کا یہ عقیدہ ہے کہ فرعون دوزخی نہیں ہےاور نبوت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا اور کفار کے لئے عذاب جاودانی

نہیں اور مذہب وحدت الوجود کے بھی گویا وہی موجد ہیں۔ پہلے ان سے کسی نے ایسی واشگاف کلام نہیں کی۔ سو یہ چاروں عقیدے ان کے ایسا ہی اور بعض عقائد بھی اجماع کے برخلاف ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ کا یہ عقیدہ ہے کہ اسماعیل ذبیح نہیں ہیں بلکہ اسحاق ذبیح ہے۔ حالانکہ تمام مسلمانوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ ذبیح اسماعیل ہے اور عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں اکثر مُلّا صاحبان رو رو کر انہی کا حال سنایا کرتے ہیں۔ اسی طرح صدہا اختلافات گزشتہ علماء وفضلاء کے اقوال میں پائے جاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں بعض علماء مہدی موعود کے بارہ میں دوسرے علماء سے اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ سب حدیثیں ضعیف ہیں۔ غرض جزئیات کے جھگڑے ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔ مثلاً یزید پلید کی بیعت پر اکثر لوگوں کا اجماع ہوگیا تھا۔ مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے اوران کی جماعت نے اس اجماع کو قبول نہیں کیا اوراس سے باہر رہے اور بقول میاں عبدالحق اکیلے رہے حالانکہ حدیث صحیح میں ہے گوخلیفہ وقت فاسق ہی ہو بیعت کر لینی چاہئے اور تخلّف معصیت ہے۔ پھر انہی حدیثوں پر نظر ڈال کر دیکھو جو مسیح کی پیشگوئی کے بارہ میں ہیں کہ کس قدر اختلافات سے بھری ہوئی ہیں۔ مثلاً صاحب بخاری نے دمشق کی حدیث کو نہیں لیا اور اپنے سکوت سے ظاہر کر دیا کہ اس کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اور ابن ماجہ نے بجائے دمشق کے بیت المقدس لکھا ہے اور اب حاصل کلام یہ ہے کہ ان بزرگوں نے باوجود ان اختلافات کثیرہ کے ایک دوسرے سے مباہلہ کی درخواست ہرگز نہیں کی اور ہرگز روا نہیں رکھا کہ ایک دوسرے پر لعنت کریں بلکہ بجائے لعنت کے یہ حدیث سناتے رہے کہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ [1] اب یہ نئی بات نکلی ہے کہ ایسے اختلافات کے وقت میں ایک دوسرے پر لعنت کریں اور بددعا اور گالی اور دُشنام کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔ ہاں اگر کسی ایک شخص پر سراسر تہمت کی راہ سے کسی فسق اور معصیت کا الزام لگایا جاوے۔ جیسا کہ مولوی اسماعیل صاحب ساکن علی گڑھ نے اس عاجز پر لگایا تھا کہ نجوم سے کام لیتے ہیں اور اس کا نام الہام رکھتے ہیں تو مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ مباہلہ کی درخواست کرے۔ مگر جزئی اختلافات میں

---

[1] کنزالعمال نمبر۲۸۶۸۶ جلد۱۰ الطبعۃالاولیٰ ۱۹۷۱ء مکتبہ التراث الاسلامی حلب

جو ہمیشہ سے علماء وفقراء میں واقع ہوتے رہتے ہیں۔ مباہلہ کی درخواست کرنا یہ غزنوی بزرگوں کا ہی ایجاد ہے، لیکن اگر علماء ایسے مباہلہ کا فتویٰ دیں تو ہمیں عذر بھی کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم اس ملاعنہ کے طریق سے جس کا نام مباہلہ ہے اجتناب کریں۔ تو یہی اجتناب ہمارے گریز کی وجہ سمجھی جائے اور حضرات غزنوی خوش ہو کر کوئی دوسرا اشتہار عبدالحق کے نام سے چھپوا دیں اور لکھ دیں کہ مباہلہ قبول نہیں کیا اور بھاگ گئے۔ لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی خوف ہے کہ اگر ہم مسلمانوں پر خلاف حکم شرع اور طریق فقر کے، لعنت کرنے کے لئے امرتسر پہنچیں تو مولوی صاحبان ہم پر یہ اعتراض کر دیں کہ مسلمانوں پر کیوں لعنتیں کیں اور ان حدیثوں سے کیوں تجاوز کیا جو مومن **لعّان** نہیں ہوتا اور اس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہتے ہیں۔ سو پہلے یہ ضروری ہے کہ فتویٰ لکھا جاوے اور اس فتویٰ پر ان تینوں مولوی صاحبان کے دستخط ہوں جن کا ذکر میں لکھ چکا ہوں۔ جس وقت وہ استفتاء مصدقہ بمواہیر علماء میرے پاس پہنچے تو پھر حضرات غزنوی مجھے امرتسر پہنچا سمجھ لیں۔ ماسوا اس کے یہ بھی دریافت طلب ہے کہ مباہلہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں منجانب اللہ تجویز کیا گیا تھا۔ وہ کفار ونصاریٰ کی ایک جماعت کے ساتھ تھا جو نجران کے معزز اور مشہور نصرانی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباہلہ جو ایک مسنون امر ہے کہ اس میں ایک فریق کا کافر یا ظالم کس کو خیال کیا گیا ہے اور نیز یہ بھی دریافت طلب ہے کہ جیسا کہ نجران کے نصاریٰ کی ایک جماعت تھی۔ آپ کی کوئی جماعت ہے یا صرف اکیلے میاں عبدالحق صاحب قلم چلا رہے ہیں؟ تیسرا یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ اس اشتہار کے لکھنے والے درحقیقت کوئی صاحب آپ کی جماعت میں سے ہیں جن کا نام عبدالحق ہے یا یہ فرضی نام ہے۔ اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ آپ بھی مباہلین کے گروہ میں داخل ہیں یا کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اگر داخل نہیں تو کیا وجہ؟ اور پھر وہ کونسی جماعت ہے جن کے ساتھ نساء وابناء واخوان بھی ہوں گے جیسا کہ منشاء آیت کا ہے۔ ان تمام امور کا جواب بواپسی ڈاک ارسال فرماویں اور نیز یہ سارا خط میاں عبدالحق کو بھی حرف بحرف سُنا دیں اور میاں عبدالحق نے اپنے الہام میں جو مجھے جہنمی اور ناری لکھا ہے اس کے جواب میں مجھے کچھ ضرورت لکھنے کی نہیں ہے کیونکہ مباہلہ کے بعد خود ثابت ہو جائے گا کہ اس خطاب کا مصداق

کون ہے۔لیکن جہاں تک ہو سکے آپ مباہلہ کے لئے کاغذ استفتاء تیار کر کے مولوی صاحبین موصوفین کی مواہیر ثبت ہونے کے بعد وہ کاغذ میرے پاس بھیج دیں۔اگر اس میں کچھ توقف کریں گے یا میاں عبدالحق چپ کر کے بیٹھ جائیں گے تو گریز پر حمل کیا جائے گا اور واضح رہے اس خط کی چار نقلیں چار اخبار میں اور نیز رسالہ ازالہ اوہام میں چھاپ دی جائیں گی۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی۔☆

الراقم خاکسار

یکم رجب ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۱رفروری ۱۸۹۱ء غلام احمد از قادیان

ضلع گورداسپور

حضرت مرزا صاحب بنام مولٰنا مولوی نورالدین صاحبؓ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِيۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل آپ کی خدمت میں مولوی عبدالجبار صاحب اور میاں عبدالحق صاحب کے خط روانہ کر چکا ہوں اور مجھے اس بات سے بہت خوشی ہے جس کا میں شکرادا نہیں کر سکتا کہ مولیٰ کریم اور میرا آقا ومحسن عزاسمہ جل شانہٗ مجھے فتح ونصرت کی بشارت دیتا ہے اور ان لوگوں کے فیصلہ کیلئے مجھے ایک راہ بتاتا ہے جنہوں نے الہامات کا ادّعا کر کے اس عاجز کو ضال،ملحد اور جہنمی قرار دیا ہے اور جرأت کر کے اس مضمون کو شائع بھی کر دیا۔اور جوان باتوں سے اپنے بھائی مسلمان کو آزار پہنچاتا ہے اور اس کی تذلیل ہوتی ہے اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی اور طریق تقویٰ کی رعایت نہیں رکھی۔اس لئے یہ امر خدا تعالیٰ کی جناب میں کچھ سہل وآسان نہیں بلکہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا تھا۔سو مجھے خدا تعالیٰ کی نصرت کی خوشبو آرہی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ مجھے ایک ایسی راہ کی رہبری کرتا ہے جس سے جھوٹوں کا جھوٹ کھل جائے۔اگر یہ الزام صرف میری ذات تک محدود ہوتا تو دوسرا امر تھا لیکن اس کا بداثر ہزاروں

☆ الفضل ۹رجولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ تا ۵

لوگوں پر ہوتا ہے۔جہنمی اور ضال کے لفظ میں سب قسم کے عیب بھرے ہوئے ہیں۔سو میں انشاءاللہ القدیر ان امور کے پورے طور پر کھلنے کے بعد جن کی مجھے بشارت دی گئی ہے اور پھر ان کے چھپوانے کے بعد ان لوگوں سے رجسٹر شدہ خطوط کے ذریعہ سے درخواست کروں گا اور انشاء اللہ القدیر وہ ایسا امر ہوگا جو کاذب کی پردہ دری کردے گا۔ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ۔ والسلام

خاکسار ☆

۱۶؍فروری ۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد

☆......☆......☆

☆ الفضل ۹ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۵

مکتوب نمبر۱۰

نقل عبارت اقرارنامہ میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

یہ خط جو جماعت مسلمانانِ لودہیانہ وغیرہ نے لکھا ہے۔ میں نے اوّل سے آخر تک پڑھا۔ مجھے ہر طرح منظور ومقبول ہے کہ الٰہ بخش صاحب تونسوی سنگہڑی یا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی یا نظام الدین صاحب بریلوی یا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی یا غلام فرید صاحب چاچڑاں والا ظاہری و باطنی طور پر بحث کرنے کے لئے تشریف لاویں۔ مجھے تحریری وزبانی طور پر بحث منظور ہے، کچھ عذر نہیں۔ اور باطنی طور پر مقابلہ کرنا خود میرا منشاء ہے۔ کیونکہ میں یقینی جانتا ہوں کہ خداوند قدیر میرے ساتھ ہے۔ وہ ہر یک راہ میں میری مدد کرے گا۔ غرض میں بلا عذر ہر طرح حاضر ہوں اور مباحثہ لاہور میں ہو کہ وہ مقام صدر ہے اور رئیس لاہور امن وغیرہ کے ذمہ دار ہوگئے ہیں۔☆

الراقم

میرزا غلام احمد قادیانی بقلم خود

محلّہ اقبال گنج لودہیانہ

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

۲۳/اگست ۱۸۹۱ء مطابق ۱۷/محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

☆ (منقول از ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر ۲۴/اگست ۱۸۹۱ء صفحہ ۴)

اہل اسلام لودہانہ کا خط علمائے مخالفین کے نام

مندرجہ ذیل خط میں صرف اس لئے درج کررہا ہوں کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے تعارفی نوٹ میں اس کا ذکر آیا ہے مولوی رشید احمد صاحب اور دوسرے علماء پر عام اور ممتاز اہل اسلام کی طرف سے زور دیا جاتا ہے کہ امت مسلمہ کو اختلافات سے بچانے کے لئے ایک مباحثہ کر کے فیصلہ کریں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ چونکہ یہ مکتوب معزز وممتاز علمائے لودہانہ ولاہور کی طرف سے ہے اور تاریخ سلسلہ کا ایک اہم جزو ہے اس لئے درج کررہاہوں اوراس کا جواب جو حضرت اقدس نے دیا تھا۔(عرفانی کبیر)

مکتوب نمبر۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

خط ازطرف اہل اسلام لودہانہ

خط بنام

۱۔مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

۲۔مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی

۳۔خواجہ نظام الدین صاحب بریلوی

۴۔خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑانوالہ

۵۔خواجہ الٰہ بخش صاحب تونسوی سنگھڑی

ازطرف جماعت مسلمانان لودہانہ وغیرہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔

ہم سب لوگ جن کے نام اس خط کے نیچے درج ہیں۔آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب مصنف کتاب براہین احمدیہ آج کل لودہانہ میں آئے ہوئے ہیں اور بڑے زورشور سے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علٰے نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام درحقیقت فوت ہوگئے ہیں اور دوسرے مُردوں کی طرح جنودِ اَرواح گزشتہ میں داخل ہیں۔پھراس عالَم میں کسی طرح سے نہ آئیں گے اوراس زمانہ کے لئے جس مسیح کی روحانی طور پر آنے کی خبر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں دی گئی ہے۔وہ مسیح موعود میں ہوں۔مرزا صاحب اوران کی جماعت قرآن شریف کی آیتیں بکثرت پیش کرتے ہیں اور اقوال صحابہ اپنی تائید دعویٰ میں لاتے ہیں اور اس دعویٰ کے ثبوت میں تین کتابیں ایک **فتح اسلام** دوسری **توضیح مرام** تیسری **ازالہ اوہام** بڑی

شد و مد سے شرح وبسط سے تصنیف کی ہیں اور روز بروز ان کے سلسلہ کو ترقی ہے اور معتبر طور سے معلوم ہے کہ چودہ[۱۴] عالم فاضل متبحر آج تک ان کی جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ عجیب انقلاب دیکھ کر حق کے طالب نہایت حیرت میں ہیں کہ ایک طرف تو ان کی جماعت ترقی پر ہے اور دوسری طرف مشاہیر علماء اور اکابر صوفیاء کنارہ کش ہیں۔ اگر کوئی مولویوں میں سے بحث کرنے کے لئے آتا بھی ہے تو مغلوب ہو کر ایک طور سے اور بھی زیادہ ان کے سلسلہ کو تائید پہنچاتا ہے جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو پنجاب میں مشہور عالم ہیں۔ بحث کرنے کے لئے آئے جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کمزوری اور گریز کو دیکھ کر اور بھی کئی شخص ان کی جماعت میں داخل ہو گئے اور ایک بڑی خجالت کی یہ بات ہوئی کہ مرزا صاحب نے روحانی طور پر بھی ایک تصفیہ کی درخواست کی کہ تم بھی دعا کرو اور ہم بھی دعا کریں تا مقبول اور اہلِ حق کی تائید میں آسمانی نشان ظاہر ہو۔ لیکن مولوی محمد حسین صاحب نے اس طرف رخ بھی نہ کیا۔

اب التماس یہ ہے کہ آپ اکابر جلیل القدر صوفیاء اور صاحب عرفان اور صاحب سلسلہ اور فاضل اور مشاہیر علماء سے ہیں۔ آپ سے بڑھ کر اور کس کا حق ہے کہ دونوں طریق سے یعنی ظاہری اور باطنی طور پر آپ مرزا غلام احمد صاحب سے مقابلہ اور موازنہ کریں اور دونوں طور سے بحث کرنے کے لئے تشریف لاویں۔ ہم نے مرزا صاحب سے منظور کرا لیا ہے کہ ہم (جن کے نام خط ہے) بلواتے ہیں۔ وہ آپ سے دونوں طور ظاہری و باطنی سے مقابلہ کریں گے اور وہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے زندہ بجسم عنصری آسمان پر اُٹھائے جانے اور اب تک زندہ ہونے اور آخری زمانہ میں نزول از آسمان کرنے پر دلائل قاطعہ اور نصوصِ صریحہ اور احادیث صحیحہ پیش کریں گے اور نیز باطنی طور پر اپنی کچھ کرامات بھی دکھائیں گے۔ پھر اگر آپ نے (جن کے نام خط ہے) اُن سے دونوں طور ظاہری اور باطنی میں مقابلہ نہ کیا اور بھاگ گئے تو ہم سخت مخالف بن کر آپ کی اس ہزیمت کو شہرت دیں گے بلکہ ہم نے مرزا صاحب سے لکھوا لیا ہے جس کی نقل آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہے اور ہم نے حلف کے طور پر وعدہ کر لیا ہے۔ ضرور وہ صاحب (جن کے نام خط ہے) ان دونوں طور کی بحثوں کے لئے لودہانہ میں تشریف لے آئیں گے۔ کیونکہ نازک وقت پہنچ گیا تھا اور لوگ جوق در جوق ان کی پیروی اختیار کرتے

جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں، جس میں ہزار ہا مسلمان کا ایمان تلف ہو، اگر بزرگانِ دین اور علماء اہل یقین، کام نہ آئے تو کب آئیں گے؟ ہاں ہم نے مرزا غلام احمد صاحب سے قسم کھا کر یہ بھی وعدہ کرلیا ہے کہ اگر (جن کے نام خط ہے) اس بحث کے لئے تشریف نہ لائے۔ تو پھر یہ بات پنجاب اور ہندوستان کے اخباروں میں چھپوا دیں گے کہ وہ گریز کر گئے اور وہ حق پر نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم سب لوگ ادب سے اور عاجزی سے آپ کی خدمت میں خواستگار ہیں کہ آپ حسبۃً للہ اس کام کے لئے ضرور تشریف لاویں اور مسلمانوں کو فتنہ سے بچاویں۔ ورنہ اگر آپ تشریف نہ لائے تو ناچار ایفائے عہد کے لئے آپ کا گریز کرنا حتی الوسع تمام اخباروں میں شائع کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مرزا غلام احمد صاحب نے گریز کی تو اس سے دس حصہ زیادہ اخباروں کے ذریعہ سے ان کی قلعی کھولی جائے گی۔ اور ہمیں یقینی طور پر امید ہے کہ آپ دونوں طور کی بحث کے لئے ضرور تشریف لے آئیں گے اور قیامت کی باز پرس سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔ لہٰذا ہم نے ایک ایک نقل اسی درخواست کی چند اخباروں میں بھی بھیج دی ہے اور آخری نتیجہ کا مضمون جو کچھ بعد اس کے ہوگا، چھپنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ آپ جلد تشریف لاویں۔ سب مخلصین منتظر ہیں۔ ہم آپ کے جواب کی۔ آج کی تاریخ سے کہ ۱۸؍محرم الحرام ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۴؍اگست ۱۸۹۱ء ہے۔ ایک ماہ تک انتظار کریں گے۔ اگر اس عرصہ تک خدانخواستہ آپ تشریف نہ لائیں تو ناچار عہد کے موافق کلماتِ حقّہ آپ کی نسبت شائع کر دیئے جائیں گے اور واضح رہے کہ ہم تین فریق کے آدمی ہیں۔ بعض ہم میں سے مرزا صاحب کے مرید ہیں اور بعض حسن ظن رکھنے والے اور بعض نہ حسن ظن رکھنے والے اور نہ مرید ہیں۔ لیکن ہم سب حق کے طالب ہیں۔ اَلْحَقُّ حَقٌّ۔ والسلام

ابو اللمعان سراج الحق جمالی نعمانی سرساوی سرج اللہ وجہ۔ شیخ نور محمد ہانسوی۔ شیخ عبدالحق لودیانوی۔ قاضی خواجہ علی ٹھیکیدار شکرم۔ محمد خاں ساکن کپورتھلہ۔ حافظ حامد علی لودہیانوی۔ سید عباس علی صوفی۔ مولوی محمود حسن مدرس۔ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس ساکن کپورتھلہ۔ منشی فیاض علی۔ منشی ظفر احمد اپیل نویس ساکن کپورتھلہ۔ منشی عبدالرحمٰن اہلمد جرنیلی کپورتھلہ۔ منشی حبیب الرحمٰن برادرزادہ حاجی ولی محمد صاحب جج مرحوم ساکن کپورتھلہ۔ مستری جان محمد۔ سردار خاں

کوٹ دفعدار ساکن کپورتھلہ۔ شیخ سدوری ضلع ہوشیار پور۔ منشی رستم علی ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے۔ خیرالدین خاں سوار رجمنٹ نمبر ۱۷۔ حکیم عطاء الرحمٰن دہلوی۔ مولوی افتخار احمد ابن سجادہ نشین حضرت منشی احمد جان صاحب نقشبندی لودہیانوی۔ حافظ نور احمد تاجر پشمینہ لودہیانوی۔ سائیں بہادر شاہ لودہیانوی۔ سائیں عبدالرحیم شاہ۔ جیوا تاجر پشمینہ لودہیانوی۔ حافظ محمد بخش تاجر لودہیانہ۔ مولوی محمد حسین ساکن کپورتھلہ۔ قاضی شیخ احمد اللہ ملازم کپورتھلہ۔ منشی الہ بخش محرر دفتر لودہیانہ۔ مولوی چراغ الدین مدرس مشن اسکول لودہیانہ۔ قاضی عبدالمجید خاں شاہزادہ لودہیانہ۔ مولوی عبدالقادر مدرس جمال پور۔ ماسٹر محمد بخش لودہیانہ۔ مولوی تاج محمد ساکن بھوکڑی علاقہ لودہیانہ۔ مولوی نور محمد ساکن مالگوٹ علاقہ لودہیانہ۔ مولوی عبداللہ مجتہد لودہیانہ۔ مولوی نظام الدین لدھیانہ۔ مولوی الہ دیا واعظ ردِّ نصاریٰ لدھیانوی۔ عبداللہ سنوری پٹواری علاقہ پٹیالہ۔ ماسٹر قادر بخش لدھیانوی۔ مولوی محمد یوسف سنوری علاقہ پٹیالہ۔ منشی ہاشم علی پٹواری علاقہ پٹیالہ۔ مولوی حشمت علی مدرس پٹیالہ۔ عبدالرحمٰن سنوری علاقہ پٹیالہ۔ روشن دین ٹھیکیدار کپورتھلہ۔ شیر محمد خاں لدھیانوی۔ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی۔ مولوی غلام قادر فصیح ایڈیٹر و پروپرائٹر پنجاب گزٹ سیالکوٹ۔ سید حامد شاہ سیالکوٹی۔ سید رخصت علی ڈپٹی انسپکٹر ضلع سیالکوٹ۔ مولوی غلام احمد انجینئر ریاست کشمیر۔ مولوی عبدالغنی عرف غلام نبی خوشابی۔ حکیم فضل الدین بھیروی۔ مولوی مبارک علی سیالکوٹی۔ مفتی محمد صادق مدرس جموں کاشمیر۔ میر عنایت علی لدھیانوی۔ شیخ چراغ علی ساکن گورداسپور۔ شیخ شہاب الدین ساکن تھہ غلام نبی۔ شیخ حافظ حامد علی ساکن تھہ غلام نبی۔ مولوی غلام حسین پشاوری۔ خواجہ عبدالقادر شاہ لدھیانوی چشتی۔ سید فضل شاہ لاہوری۔ نواب محمد اشرف علی خاں لدھیانوی۔ محمد عبدالحکیم خاں طالب علم میڈیکل کالج لاہور۔ منشی کرم الٰہی لاہوری۔ مولوی خدابخش اتالیق۔ الٰہ بندہ ہانسوی۔ شیخ فتح محمد ساکن جموں نائب شرف محکمہ جنرل ڈیپارٹمنٹ سری نگر کشمیر۔ مولوی محمد حسن خاں لودہیانوی۔ مولوی خدابخش بستی شیخ۔ سید عبدالہادی سب اوورسیر بلیلی ملک بلوچستان۔ مرزا یوسف بیگ ساکن سامانہ۔ عبدالکریم خاں ناظر ریاست پٹیالہ۔ نواب عشرت علی خاں لودہیانوی ناظر عدالت سمرالہ۔ نواب محمد حسین خاں خلف نواب محفوظ علی خاں جھجری حال

لدھیانہ۔ گلاب خاں دفعدار لدھیانوی۔ عبدالکریم خاں کلرک نہر لدھیانوی۔ مولا بخش ماسٹر لودہیانہ۔ عمر بخش چھنانوالہ۔ شہاب الدین لدھیانوی۔ امیر خاں سمرالہ۔ مولوی غلام محمد نقل نویس تحصیل سمرالہ۔ شیخ نور احمد مالک و مہتمم ریاض ہند امرتسر۔ الٰہ بخش پارسل کلرک پھلور۔ حاجی عبدالرحمٰن لدھیانوی۔ منشی خادم حسین خلف رشید داروغہ محمد قاسم خوشنویس لدھیانوی۔ محمد اسمعیل ۔عبدالکریم سیالکوٹی۔ غلام محمد سیالکوٹی۔ مولوی محمد الدین سیالکوٹی۔ مولوی نورالدین ساکن بھوکری ضلع لودہیانہ۔ سید امیر علی شاہ سیالکوٹی سارجنٹ پولیس۔ منشی رحمت اللہ ممبر میونسپل کمیٹی گجرات و تاجر پارچات۔ رحمت سکنہ غوث گڑھ علاقہ پٹیالہ۔ مولوی حکیم سید محی الدین ساکن تنکور علاقہ ریاست میسور۔ الٰہی بخش ساکن غوث گڑھ علاقہ ریاست پٹیالہ۔ علی بخش ساکن چک علاقہ پٹیالہ۔ میر محمود شاہ سیالکوٹی۔ محبوب عالم درویش ساکن کپورتھلہ۔ مہر علی ساکن تھہ غلام نبی۔ نور محمد نمبردار غوث گڑھ ریاست پٹیالہ۔ عطا الٰہی ساکن غوث گڑھ۔ عمر الدین لدہیانوی۔ امام بخش از خاندان میاں دسوندی شاہ صاحب مرحوم۔ منصب علی محرر۔ غلام ربی لودہیانوی۔

اس کے ساتھ ایک دوسرا خط مسلمانان لاہور نے علماء کے نام مباحثہ کے لئے شائع کیا تھا۔ جو اسی ضمیمہ ریاض ہند کے صفحہ اوّل پر ہے۔ اس کو بھی ناظرین کی واقفیت کے لئے اسی جگہ نقل کر دیا جاتا ہے۔ (المرتب) ☆

☆......☆......☆

☆ مجموعہ اشتہارات جلد۱ صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱

مکتوب نمبر۱۲

دوسرا خط از طرف اہلِ اسلام لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خط بنام مولوی محمد صاحب لکھو کے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے۔ مولوی عبداللہ صاحب تبّتی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لودیانوی۔ مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری۔ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی حال وارد بھوپال۔ مولوی نور الدین صاحب حکیم۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی۔

از طرف اہل اسلام لاہور بالخصوص حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار و خواجہ امیر الدین صاحب و منشی عبدالحق صاحب و منشی شمس الدین صاحب سکرٹری حمایت اسلام و مرزا صاحب ہمسایہ خواجہ امیر الدین صاحب و منشی کرم الٰہی صاحب وغیرہ وغیرہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو دعاوی حضرت مسیح علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت اور خود مسیح موعود ہونے کی نسبت کئے ہیں آپ سے مخفی نہیں۔ ان کے دعاوی کی اشاعت اور ہمارے ائمہ دین کی خاموشی نے مسلمانوں کو جس تردّد اور اضطراب میں ڈال دیا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں۔ اگرچہ جمہور علماء موجودہ کی بے سُود مخالفت اور خود مسلمانوں کے پُرانے عقیدہ نے مرزا صاحب کے دعاوی کا اثر عام طور پر نہیں پھیلنے دیا مگر تاہم اس امر کے بیان کرنے کی بلاخوف تردید جرأت کی جاتی ہے کہ اہلِ اسلام کے قدیمی اعتقاد نسبت حیات ونزول عیسٰی ابن مریم میں بڑا تزلزل واقع ہوگیا ہے۔ اگر ہمارے پیشوایانِ دین کا سکوت یا ان کی خارج از مبحث تقریر اور تحریر نے کچھ اور طول پکڑا تو احتمال کیا بلکہ یقین کامل ہے کہ اہلِ اسلام عَلَی العموم اپنے

پُرانے اور مشہور عقیدہ کو خیر باد کہہ دیں گے تو پھر اس صورت اور حالت میں حامیانِ دین متین کو سخت تر مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم لوگوں نے جن کی طرف سے یہ درخواست ہے اپنی تسلی کیلئے خصوصاً اور عامہ اہلِ اسلام کے فائدہ کے لئے عموماً کمال نیک نیتی سے بڑی جدوجہد کے بعد ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مولوی حکیم نورالدین صاحب کے ساتھ (جو مرزا صاحب کے مخلص معتقدین میں سے ہیں) مرزا صاحب کے دعاوی پر گفتگو کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ مگر نہایت ہی حیرت ہے یہ کہ ہماری بدقسمتی سے ہمارے منشاء اور مدّعا کے خلاف مولوی ابوسعید صاحب نے مرزا صاحب کے دعوؤں سے جو اصل مضمون بحث تھا، قطع نظر کر کے غیر مفید امور میں بحث شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متردّ دین کے شبہات کو اور تقویت ہوگئی اور زیادہ تر حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے بعد لودہیانہ میں مولوی ابوسعید صاحب کو خود مرزا صاحب سے بحث کرنے کا اتفاق ہوا۔ تیراں روز گفتگو ہوتی رہی۔ اس کا نتیجہ بھی ہمارے خیال میں وہی ہوا جو لاہور کی بحث سے ہوا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تر مضر۔ کیونکہ مولوی صاحب اس دفعہ بھی مرزا صاحب کے اصل دعاوی کی طرف ہرگز نہ گئے۔ اگرچہ جیسا کہ سنا گیا ہے اور پایہ اثبات کو بھی پہنچ گیا ہے۔ مرزا صاحب نے اثنائے بحث میں بارہا اپنے دعوؤں کی طرف مولوی صاحب کو متوجہ کرنے کی سعی کی۔ چونکہ علماء وقت کے سکوت اور بعض بے سُود تقریر وتحریر نے مسلمانوں کو علی العموم بڑی حیرت اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے اور اس کے سوا ان کو اور کوئی چارہ نہیں کہ اپنے امامانِ دین کی طرف رجوع کریں۔ لہٰذا ہم سب لوگ آپ کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ اور محض بنظر خیر خواہی برادرانِ اسلام درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فتنہ وفساد کے وقت میدان میں نکلیں اور اپنے خداداد نعمت علم اور فضل سے کام لیں اور خدا کے واسطے مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعاوی پر بحث کر کے مسلمانوں کو ورطہءِ تذبذب سے نکالنے کی سعی فرما کر عندالناس مشکور وعنداللہ ماجور ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جن کی ذات پر مسلمانوں کو بھروسہ ہے، خاص لاہور میں مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعوٰے میں بالمشافہ تحریری بحث کریں۔ مرزا صاحب سے ان کے دعوٰے کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا جاوے یا ان کو اس قسم کے دلائلِ بیّنہ سے توڑا

جاوے۔ ہماری رائے میں مسلمانوں کی تسلی اور رفع تردّد کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں۔اگر آپ اس طریق بحث کو منظور فرماویں (اور امید واثق ہے کہ آپ اپنا ایک اہم منصبی اور مذہبی فرض یقین کر کے محض اِبْتِغَاءً لِوَجْہِ اللّٰہِ وَھدائے خلق اللّٰہ ضرور قبول فرماویں گے) تو اطلاع بخشیں تا کہ مرزا صاحب سے بھی اس بارہ میں تصفیہ کر کے تاریخ مقرر ہو جاوے اور آپ کو لاہور تشریف لانے کی تکلیف دی جاوے۔تمام انتظام متعلقہ قیام امن وغیرہ ہمارے ذمہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے گی۔ جواب سے جلدی سرفراز فرماویں۔والسلام☆ *

☆......☆......☆

☆ (از ضمیمہ ریاض ہند امرتسر مورخہ ۲۴؍اگست ۱۸۹۱ء صفحہ ۱)

* مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۳

مولوی محمد بشیر سہوانی ثُمَّ بھوپالی کے نام

(تعارفی نوٹ)

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی دراصل سہوان کے باشندے تھے اور بہ سلسلہ ملازمت بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کے علماء کے زُمرہ میں ملازم تھے۔ چونکہ نواب صاحب خود اہلِ حدیث تھے۔ اس لئے انہوں نے مشہور علماء اہل حدیث کو اپنے سلسلہ تالیفات کے لئے جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی بھی اسی ذیل میں تھے اور مولوی بشیر صاحب سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔

مولوی بشیر صاحب ایک پستہ قد گندم گوں تھے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں علوم عربیہ درسیہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلان فرمایا تو مولوی بشیر صاحب اور مولانا سید محمد احسن صاحب میں خلوت میں تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ مولوی سید محمد احسن صاحب اثباتِ دعویٰ کا پہلو لیتے تھے اور مولوی بشیر صاحب اس پر اعتراض کرتے تھے۔ مگر یہ مناظرہ مخالفت کے لئے نہ تھا بلکہ احقاقِ حق کے لئے۔ آخر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ حضرت اپنے دعویٰ میں صادق ہیں۔ مولانا سیّد محمد احسن صاحب نے تو اَخلاقی جرأت سے کام لے کر بیعت کر لی مگر مولوی بشیر صاحب متأمّل رہے۔

جب بھوپال کا سلسلہ ملازمت ختم ہو گیا تو مولوی صاحب بھوپال سے دہلی آکر جماعت اہلحدیث کے امام ہو گئے اور یہ چیز ان کی راہ میں بڑی روک ہو گئی۔ ۱۸۹۱ء کی آخری سہ ماہی میں حضرت اقدس لودہانہ سے دہلی تشریف لے گئے۔ جب مولوی سید نذیر حسین صاحب جو شیخ الکل کہلاتے تھے مقابلہ اور مباحثہ کے لئے نہ آئے۔ حیلہ سے اس پیالہ کو ٹلا دیا تو لوگوں نے مولوی بشیر صاحب کو بحث پر آمادہ کیا۔ جہاں تک حقیقت ہے وہ کرہاً آمادہ ہوئے۔ ان کے مباحثہ کے حالات رسالہ الحق دہلی (سیالکوٹ) میں شائع ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب آنے کو تو میدان میں آئے مگر نون ثقیلہ کی بحث میں اُلجھ کر رہ گئے۔ جہاں تک میرا ذاتی علم ہے

مولوی بشیر صاحب ایسے مخالف نہ تھے جیسے محمد حسین بٹالوی وغیرہ بلکہ وہ کسی قدر ادب حضرت کا ملحوظ رکھتے تھے۔ ان پر صداقت کھل چکی تھی۔ مگر بعض دوسرے معاشی اسباب ان کی راہ میں روک تھے۔ چنانچہ جب مباحثہ کے لئے حضرت اقدس کی قیام گاہ پر آئے، اپنے آنے کی اطلاع کی تو حضرت اقدس بالا خانہ سے نیچے آئے اور مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر مؤدّبانہ سلام علیکم کہا اور بے اختیار آپ سے معانقہ کے لئے لپٹ گئے۔ حضرت تو اسکے عادی نہ تھے۔ صاحبزادہ سراج الحق صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت کھڑے رہے اور مولوی صاحب لپٹے رہے اور مولوی صاحب بھی آخر بیٹھ گئے اور حضرت اقدس بھی تشریف فرما ہوئے۔ میں نے اس واقعہ کو اس لئے نقل کیا ہے کہ مجھ پر ان کے متعلق یہی اثر تھا کہ وہ اندر سے مخالفت کا جذبہ نہیں رکھتے۔ وہ اب مر چکے واللہ حسیبہٗ۔

پھر جب ۱۹۰۵ء میں حضرت اقدسؑ دہلی تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا۔ مولانا سیّد محمد احسن صاحب امروہی نے مولوی بشیر صاحب کو ملاقات کے لئے ایک خط لکھا اور میں خود وہ خط لے کر گیا۔

مولوی صاحب نے خلوت ہی میں مجھے کہا کہ اس وقت ملاقات مصلحت کے خلاف ہے۔ میری طرف سے بہت بہت سلام دیا جائے اور میری معذوری پر معافی طلب کی جائے۔ میں نے ان میں شوخی اور گستاخی نہ پائی تھی۔ انہیں ایام میں کچھ خطوط اور رقعہ جات ان کو لکھے گئے تھے۔ میں عزیز مکرم مہاشے فضل حسین صاحب کے لئے بہت دعا کرتا ہوں کہ انہوں نے ان رقعہ جات کو مخالفین کے لٹریچر میں سے لے کر محفوظ کر دیا۔ جَزَاءُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ

(عرفانی الکبیر)

یہ خطوط حضور علیہ السلام نے ۱۸۹۱ء میں رقم فرمائے تھے جب کہ حضور دہلی میں قیام فرما تھے اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی کے ساتھ مناظرہ کی تجویز ہو رہی تھی۔ یہ خطوط مخالفین نے حضور علیہ السلام اور مولوی محمد بشیر صاحب کے مابین تحریری مناظرہ کی تمہید میں شائع کئے ہیں جس کا نام الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح ہے (خاکسار ملک) فضل حسین کا رکن صیغہ تالیف وتصنیف۔

۞ مکتوب نمبر ۱۳

حضرت حجۃ اللہ کا خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد بخدمت اخویم مکرم مولوی محمد بشیر صاحب

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ جس کا لفظ لفظ اخلاص وتقویٰ سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لودہیانہ میں مجھ کو ملا مگر چونکہ میں اتفاقاً ضلع علیگڑھ کی طرف چلا گیا تھا اور پھر واپس آ کر ۱۹؍اپریل ۸۹ء کو قادیان کی طرف چلا آیا اِس لئے جواب لکھنے سے مجبور رہا۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے بالکل سچ لکھا ہے جس سے خلوص اور طلب حق کی بُو آتی ہے۔ اللہ جلّشانہٗ نے قرآن مجید میں اولیاء اللہ کی پانچ علامتیں لکھی ہیں۔ جب تک وہ پانچوں علامتیں کسی میں نہ پائی جائیں تب تک وہ ولی اللہ نہیں ہوسکتا اور قبل اس کے جو کسی کی ولایت کو شناخت کیا جائے اُس سے بیعت کرنا جائز نہیں لیکن اولیاء اللہ کو شناخت کرنا ہر ایک آنکھ کا کام نہیں۔ اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَھُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ [1] کچھ شک نہیں کہ اولیاء اللہ میں خوارق وآیات بینات پائی جاتی ہیں۔ لیکن جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے وہ موجب ہدایت نہیں ہوسکتے۔ ہاں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی ولی کے خوارق وآیات پر اطلاع پاوے اُس پر لازم ہے کہ دو طریقوں میں سے ایک طریق اختیار کرے۔

(۱) یا یہ کہ نہایت درجہ کا دوست بن جاوے۔ (۲) یا یہ کہ نہایت درجہ کا دشمن بن جاوے۔ کیونکہ جب تک دوستی یا دشمنی انتہا تک نہ پہنچے تب تک اس قوم کے خواص معلوم نہیں ہو سکتے۔ آپ جو طالب صادق ہیں امید ہے کہ دوستی میں ترقی کریں گے خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اپنی طرف سے قوت وبصیرت بخشے۔ آمین ثم آمین ☆ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

۲۴؍اپریل ۸۹ء خاکسار غلام احمد عفی عنہ

---

[1] الاعراف: ۱۹۹ ☆ الحکم ۳۰؍جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۴

مکتوب نمبر۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی اخویم مولوی محمد احمد صاحب سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب استفسار آپ کے عرض کیا جاتا ہے کہ مجھے حضرت مولوی محمد بشیر صاحب سے مسئلہ حیات ووفات مسیح ابن مریم علیہ السلام میں بحث کرنا بدل وجان منظور ہے۔ پہلے بہرحال یہی ہوگی بعد اس کے حضرت مولوی صاحب ان کے نزول کے بارے میں بھی بحث کر لیں۔ بحث تحریری ہوگی۔ ہر ایک فریق سوال یا جواب لکھ کر حاضرین کو سنا دے گا۔ والسلام

خاکسار

۱۵/۱کتوبر۱۸۹۱ء غلام احمد عفی عنہ

مکتوب نمبر۱۵

مجھے یہ منظور ہے کہ اوّل حضرت مسیح ابن مریم کی وفات حیات کے بارے میں بحث ہو۔ اس بحث کے تصفیہ کے بعد پھر ان کے نزول اور اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں مباحثہ کیا جائے اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز سمجھا جائے گا۔
(الحق الصریح صفحہ ۲۵)

نوٹ: مولوی محمد بشیر صاحب کے ایک اعلان کے جواب میں رقم فرمایا تھا جو ان کے شائع کردہ مباحثہ دہلی بنام **الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح** صفحہ۲۵ پر درج ہے۔ مگر اس کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستخط یا نام نہیں لکھا گیا۔

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حضرت مولوی محمد بشیر صاحب سلّمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے آپ کی تشریف آوری سے بہت خوشی ہوئی اور خط آمدہ اخویم مولوی سید محمد احسن صاحب سے آپ کے اخلاق اور متانت اور تہذیب کا حال معلوم ہوکر دل پہلے سے ہی مشتاق ہورہا تھا کہ اس مسئلہ میں آپ سے اِظھاراً لِلحَقّ بحث ہو۔ سوالحمدللہ آپ تشریف لے آئے۔ آج مجھے بوجہ ضروریات فرصت نہیں۔ کل انشاء اللہ القدیر کوئی تاریخ مقرر کر کے اطلاع دوں گا۔ لیکن بحث تحریری ہوگی۔ تا ہر ایک فریق کا بیان محفوظ رہے اور دور دست لوگوں کو بھی رائے نکالنے کا موقعہ مل سکے۔ سب سے اوّل مسئلہ حیات و وفات مسیح میں بحث ہوگی۔ حیات مسیح علیہ السلام کا آپ کو ثبوت دینا ہوگا۔ اس ثبوت کے بعد آپ دوسری بحث کر سکتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک اشتہار بھی بھیجا جاتا ہے جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حیات و وفات مسیح میں کن شرائط کی پابندی سے آپ کو بحث کرنا ہوگا۔ والسلام۔ خاکسار

۲۱؍اکتوبر ۱۸۹۱ء عبداللہ الصمد غلام احمد عفی عنہ

مکتوب نمبر ۱۷

نمبر ۵۔ مکرمی اخویم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل دس بجے کے بعد بحث ہو یا اگر ایک ضروری کام سے فرصت ہوئی تو پہلے ہی اطلاع دے دوں گا۔ ورنہ انشاء اللہ القدیر دس بجے کے بعد تو ضرور بحث شروع ہوگی۔ صرف اس بات کا التزام ضروری ہوگا کہ بحث اس عاجز کے مکان پر ہو۔ اس کی ضرورت خاص وجہ سے ہے جو زبانی بیان کرسکتا ہوں۔ جلسہ عام نہیں ہوگا۔ صرف دس آدمی تک جو معزز خاص ہوں آپ ساتھ لاسکتے ہیں۔ مگر شیخ بٹالوی اور مولوی عبدالمجید ساتھ نہ ہوں اور نہ آپ کو ان بزرگوں کی کچھ ضرورت ہے۔ والسلام

۲۲؍اکتوبر ۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد عفی عنہ

مکتوب نمبر۱۸

نمبر۶۔ جناب مولوی صاحب مکرم۔ السلام علیکم

میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان تمام شرطوں کو جو میں اپنے کل کے پرچہ میں لکھ چکا ہوں۔ قبول کرنے سے کسی قسم کا انحراف یا میلان انحراف ظاہر نہ کریں گے۔ یعنی جن لوگوں کو آنے سے روکا ہے تجربتہً اور مصلحتہً روکا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ خیر وبرکت اسی میں ہے۔ بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعداز فراغ نماز جمعہ بحث شروع ہو اور شام تک یا جس وقت تک ممکن ہو سکے سلسلہ بحث جاری ہو اور دس آدمیوں سے زیادہ ہرگز ہرگز کسی حال میں آپ کے ساتھ نہ ہوں اور اس لحاظ سے کہ بحث کو بے فائدہ طول نہ ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو اور پہلا پرچہ آپ کا ہو۔☆

۲۳؍اکتوبر۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد بقلم خود

☆......☆......☆

☆ الفضل ۵؍جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ (مکتوب نمبر۲ تا ۶)

مولوی عبدالحق غزنوی کے نام

مولوی عبدالحق غزنوی کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباہلہ کی دعوت دی تھی ۔

تعارفی نوٹ :۔اس سلسلہ میں حضور نے مولوی عبدالجبار صاحب خلف اکبر مولوی سید عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کو ایک مکتوب لکھا جو اس کتاب کے صفحہ ۱۱ پر درج ہے عبدالحق غزنوی نے بالآخر مباہلہ کیا تھا۔اگر چہ حضرت اقدس محض اس وجہ سے اعراض کرتے رہے کہ محض اختلافی مسائل میں آپ مباہلہ جائز نہ سمجھتے تھے۔ یہ تمام تفصیلات پہلے آ چکی ہیں۔ عبدالحق نے بالآخر مباہلہ کیا۔ میں الحمدللہ اس مباہلہ میں شریک تھا اور یہ امرتسر کی عیدگاہ میں جو ریلوے لائن کے قریب رام باغ کے راستے میں واقع ہے، ہوا تھا۔حضرت اقدس نے ان کے لئے کوئی بددعا نہیں کی تھی بلکہ اپنے دعویٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پیش کر کے فیصلہ چاہا۔اس مباہلہ کے بعد جو برکات آپ پر نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی تائیدات کا مختلف رنگوں میں ظہور ہوا آپ کی تصانیف میں ان کی تفصیل موجود ہے۔عبدالحق نے اپنے گھر میں بیٹا ہونے کی پیشگوئی کی مگر مرا ہوا چوہا بھی نہ پیدا ہوا اور آخر صائب وفا کود کر مر گیا اور اسے کوئی نہیں جانتا۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام تمام دنیا میں پھیل گیا اور لاکھوں انسان دنیا کے ہر حصہ میں آپ پر صلوٰۃ والسلام بھیجتے ہیں اور آپ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو ہر وقت آمادہ ہیں اور دنیا کے کناروں تک آپ کی تبلیغ پہنچ چکی اور آپ کی تائید میں زمین سے اور آسمان سے اور نشانات ظاہر ہوئے۔(عرفانی الکبیر)

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۱۹

بنام عبدالحق غزنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

ازطرف عاجز عبداللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وایدہ

میاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں آپ نے قطعی طور پر مجھ کو کافر اور دجّال لکھا ہے مباہلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اور میرے امرتسر میں آنے کیلئے دو ہی غرضیں تھیں۔ ایک عیسائیوں سے مباحثہ اور دوسرے آپ سے مباہلہ۔ میں بعد استخارہ مسنونہ انہیں دو غرضوں کیلئے معہ اپنے قبائل کے آیا ہوں اور جماعت کثیر دوستوں کی جو میرے ساتھ کافر ٹھہرائی گئی ہے، ساتھ لایا ہوں اور اشتہارات شائع کر چکا ہوں اور متخلّف پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ اب جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے۔ میں تو حسب وعدہ میدانِ مباہلہ یعنی عیدگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا تعالیٰ کاذب اور کافر کو ہلاک کرے۔ وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا[۱] یہ بھی واضح رہے کہ میں ۱۵؍جون ۹۳ء کے مباحثہ میں نہیں جاؤں گا۔ بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کیلئے جائیں گے۔ ہاں یہ مجھے منظور ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں۔ صرف یہ دعا ہوگی کہ **’’میں مسلمان، اللہ رسول کا متبع ہوں** اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ میرے پر لعنت کرے‘‘ اور آپ کی طرف سے یہ دعا ہوگی کہ ’’یہ شخص درحقیقت کافر اور کذّاب اور دجّال اور مفتری ہے۔ اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے‘‘ اور اگر یہ الفاظ میری دعا کے آپ کی نظر میں ناکافی ہوں (تو) جو آپ تقویٰ کی راہ سے لکھیں کہ دعا کے وقت یہ کہا جائے۔ وہی لکھ دوں گا مگر اب ہرگز ہرگز تاریخ مباہلہ تبدیل نہیں ہوگی۔ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی مَنۡ تَخَلَّفَ مِنَّا وَمَا حَضَرَ فِیۡ ذَالِکَ التَّارِیۡخِ وَالۡیَوۡمِ وَالۡوَقۡتِ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔ خاکسار☆

غلام احمد از امرتسر

ہفتم ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ (۲۴؍مئی ۱۸۹۳ء)

---

[۱] بنی اسرائیل: ۳۷ ☆ الفضل ۱۶؍جولائی ۱۹۴۳ء

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے نام

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے اور گنگوہ کو ایک وقت تک اپنی علمی حالت کی وجہ سے شہرت حاصل تھی۔ مولوی رشید احمد صاحب جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم کے ہم سبق تھے جبکہ دہلی کے اس مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حکومت کی جانب سے علوم عربیہ دینیہ کی تعلیم کے لئے جاری کیا تھا۔

مولوی رشید احمد صاحب اپنے ہمعصر علماء میں ذہین سمجھے جاتے تھے۔ فارغ التعلیم ہوکر انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کرلیا اوران کے مریدین ان کو مجدّد مائۃ حاضرہ بھی کہتے رہے۔ مجھے مولوی رشید احمد صاحب کا تعارف اس حد تک کرانا ہے جس حد تک ان کا تعلق سلسلہ عالیہ احمدیہ سے ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر اپنا دعویٰ پیش کیا تو مولوی رشید احمد صاحب بھی جماعت مخالفین میں شریک ہوئے۔اس کے اسباب کچھ ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ایک قاعدہ کلیہ علماءِ ظاہر کی مخالفت کا پیش کیا ہے۔

گر علم خشک و کوری باطن نہ رہ زدے
ہر عالم و فقیہ شدے ہم چو چاکرم!

جب سلسلہ عالیہ احمدیہ میں حضرت پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی جو حضرت چارقطب ہانسوی کی اولاد سے ہیں، داخل ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت نمایاں ہوگئی۔ اس لئے کہ حضرت پیر سراج الحق صاحب یہی نہیں کہ وہ ایک ممتاز مشائخ خاندان کے فرد تھے بلکہ اس لئے بھی پیر صاحب کے تعلقات اپنے صہری رشتہ میں مولوی رشید احمد صاحب کے ساتھ بھی تھے۔مولوی رشید احمد صاحب کو حضرت اقدس کے مقابلہ میں نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، پر نہ ہوئی لیکن وہ اپنے مریدوں اور عوام میں مخالفت کرتے رہتے تھے۔صاحبزادہ صاحب نے جب مولوی رشید احمد صاحب

سے مباحثہ کا تقاضہ کیا تو انہوں نے من وجہ آمادگی ظاہر کی مگر بالآخر مختلف حیلے پیش کئے اور آخر مقابلہ میں نہ آنا تھا نہ آئے۔

جب حضرت اقدس نے مباہلہ کا اشتہار دیا تو اس میں بھی مولوی رشید احمد صاحب کو مخاطب کیا اور یہ بھی آپ نے اعلان کیا مگر مولوی رشید احمد صاحب نے نہ تو مباحثہ کیا اور نہ مباہلہ۔ اس کے متعلق میں حضرت صاحبزادہ سراج الحق صاحب کا بیان یہاں درج کر دیتا ہوں تا کہ تاریخ سلسلہ میں یہ واقعات محفوظ ہو جاویں اور آنے والے مؤرخ کو آسانی ہو۔ مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو میں عاقبت المکذبین میں تفصیل سے لکھوں گا۔ وباللہ التوفیق۔ اولاً میں صاحبزادہ صاحب کا بیان متعلق مباحثہ ومباہلہ درج کرتا ہوں اور آخر میں وہ مکتوب جو حضرت اقدس نے مولوی رشید احمد صاحب کے نام لکھا تھا۔ (عرفانی کبیر)

مولوی رشید احمد گنگوہی سے مباحثہ کی تحریک اور آخر اس کا انکار

میں نے ایک بار حضرت اقدس علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ مولوی رہ گئے اور سب کی نظر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف لگ رہی ہے۔ اگر حکم ہو تو مولوی رشید احمد صاحب کو لکھوں کہ وہ مباحث کے لئے آمادہ ہوں۔ فرمایا اگر تمہارے لکھنے سے مولوی صاحب مباحثہ کیلئے آمادہ ہوں تو ضرور لکھ دو اور یہ لکھ دو کہ مرزا غلام احمد قادیانی آج کل لودھیانہ میں ہیں۔ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ وہ اب نہیں آویں گے اور جس عیسٰی کے اس اُمت میں آنے کی خبر تھی۔ وہ میں ہوں۔

اور مولوی تو مباحثہ نہیں کرتے ہیں، چونکہ آپ بہت سے مولویوں اور گروہ اہلِ سنت والجماعۃ کے پیشوا اور مقتدا مانے گئے ہیں اور کثیر جماعت کی آپ پر نظر ہے۔ آپ مرزا صاحب سے اس بارہ میں مباحثہ کرلیں۔ چونکہ آپ کو محدّث اور صوفی ہونے کا بھی دعوٰی ہے اور ماسوا اس کے آپ مدعی الہام بھی ہیں۔ مدعی الہام اس واسطہ کرکے کہ مولوی شاہ دین اور مولوی مشتاق احمد صاحب اور مولوی عبدالقادر صاحب نے گنگوہ مولوی رشید احمد صاحب

متوفی کے پاس جا کر حضرت اقدس علیہ السلام کے الہامات جو براہین احمدیہ میں درج ہیں، سناتے تھے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے چند الہام سن کر جواب دیا تھا کہ الہام کا ہونا کیا بڑی بات ہے۔ ایسے ایسے الہام تو ہمارے مریدوں کو بھی ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آپ کے مریدوں کو اگر ایسے الہام ہوتے ہیں تو وہ الہام ہمارے سامنے پیش کرنے چاہئیں تا کہ ان الہاموں کا یا آپ کے الہاموں کا، کیونکہ مریدوں کو جب الہام ہوں تو مرشد کو تو ان سے اعلیٰ الہام ہوتے ہوں گے، موازنہ اور مقابلہ کریں اور وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ[1] کی وعید سے ڈریں۔ مولوی صاحب نے کہنے کو کہہ دیا مگر کوئی الہام اپنا یا کسی اپنے مرید کا پیش نہیں کیا کہ یہ الہام ہمارے ہیں اور یہ ہمارے مریدوں کے ہیں۔ غرض کہ اب آپ کا حق ہے کہ اس بحث میں پڑیں اور مباحثہ کریں اور کسی طرح سے پہلو تہی نہ کریں۔ کس لئے کہ ادھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا زور وشور سے بیان کرنا، اور وفات کا دلیلوں یعنی نصوصِ صریحہ قرآنیہ اور حدیثیہ سے ثابت کرنا اور علماء اور ائمہ سلف کی شہادت پیش کرنا اور پھر مدعی مسیحیت کا کھڑا ہونا اور لوگوں کا رجوع کرنا اور آپ جیسے اور آپ سے بڑھ کر علماء[2] کے مرید ہونے سے دنیا میں ہل چل مچ رہی ہے اور بحث اصل مسئلہ میں ہونی چاہئے ان کی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و وفات میں۔ بس میں نے یہ خط لکھا اور حضرت اقدس علیہ السلام کو ملاحظہ کرا کے روانہ کر دیا۔

---

[1] الحاقة: ۴۵

[2] حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب تم جانتے ہو کہ علماء کا رجوع کرنا اور ہمارے ساتھ ہونا غلط نہیں ہے۔ ایک تو حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب ہیں جو ان سے کم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ کر ہی ہیں۔

اور ایسا ہی مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب ہیں جنہوں نے رسالہ اعلام الناس چھپوا کر ہمارے دعوٰے کی تصدیق میں بھیجا ہے حالانکہ ان کی اور ہماری ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی ہے اور یہ کیسا عجیب رسالہ کہ اس میں ہمارا مافی الضمیر دیا ہے اور اس میں ہمارا اور مولوی صاحب کا توارد ہو گیا اور دو ایک اور مولویوں کے نام بھی لئے تھے جو مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ سند

اور آپ نے اس پر دستخط کردیئے اور راقم سراج الحق نعمانی و جمالی سرساوی لکھا گیا۔ مجھے یہ خط مولوی رشید احمد صاحب کو لکھنا اس واسطے ضروری ہوا تھا کہ میں اور مولوی صاحب ہمزلف ہیں اور باوجود اس رشتہ ہمزلف ہونے کے تعارف اور ملاقات بھی تھی اور قصبہ سرساوہ اور قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہیں اور ان دونوں قصبوں میں پندرہ کوس کا فاصلہ ہے اور ویسے برادرانہ تعلق بھی ہیں اور میری خوشدامن اور سسرال کے لوگ ان سے بعض مرید بھی ہیں۔ بس یہ میرا خط مولوی صاحب کے پاس گنگوہ جانا تھا اور مولوی صاحب اور ان کے معتقدین اور شاگردوں میں ایک شور برپا ہونا تھا اور لوگوں کو ٹال دینا تو آسان تھا۔ لیکن اس خاکسار کو کیسے ٹالتے اور کیا بات بتاتے بجز اس کے کہ مباحثہ کو قبول کرتے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ مخدوم مکرم پیر سراج الحق صاحب! پہلے میں اس بات کا افسوس کرتا ہوں کہ تم مرزا کے پاس کہاں پھنس گئے۔ تمہارے خاندان گھرانے میں کس چیز کی کمی تھی اور میں بحث کو مرزا سے منظور کرتا ہوں لیکن تقریری اور صرف زبانی۔ تحریری مجھ کو ہرگز منظور نہیں اور عام جلسہ میں بحث ہوگی اور وفات و حیات مسیح میں کہ یہ فرع ہے، بحث نہیں ہوگی بلکہ بحث نزول مسیح میں ہوگی جو اصل ہے۔ کتبہ رشید احمد گنگوہی۔

یہ خط مولوی صاحب کا حضرت اقدس علیہ السلام کو دکھلایا۔ فرمایا خیر شکر ہے کہ اتنا تو تمہارے لکھنے سے اقرار کیا کہ مباحثہ کے لئے تیار ہوں، گو تقریری سہی ورنہ اتنا بھی کہیں کرتے تھے؟ اب اس جواب میں یہ لکھ دو کہ مباحثہ میں خلط مبحث کرنا درست نہیں، بحث تحریری ہونی چاہئے تا کہ غائبین کو بھی سوائے حاضرین کے پورا پورا حال معلوم ہو جائے اور تحریر میں خلط مبحث نہیں ہوتا اور زبانی تقریر میں ہو جاتا ہے۔ تقریر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور نہ اس کا اثر کسی پر پڑتا ہے اور نہ پورے طور سے یاد رہ سکتی ہے اور تقریر میں ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک بات کہہ کر اور زبان سے نکال کر پھر جانے اور مکر جانے کا موقع مل سکتا ہے اور بعد بحث کے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا اور ہر ایک کے معتقد کچھ کا کچھ بنا لیتے ہیں کہ جس سے حق و باطل میں التباس ہو جاتا ہے اور تحریر میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں کسی کو کمی بیشی کرنے یا غلط بات مشہور کرنے کی گنجائش نہیں رہتی ہے اور آپ جو فرماتے ہیں کہ مباحثہ اصل میں نزول مسیح پر ہونا چاہئے۔ سو اس

میں یہ التماس ہے کہ نزولِ مسیح اصل کیوں کر ہے؟ اور وفات وحیات مسیح فرع کس طرح سے ہوئی؟ اصل مسئلہ تو وفات مسیح ہے۔ اگر حیات مسیح کی ثابت ہوگئی تو نزول بھی ثابت ہوگیا اور جو وفات ظاہر ہوگئی تو نزول خود بخود باطل ہوگیا۔ جب ایک عہدہ خالی ہوتو اس عہدہ پر مامور ہو۔ ہمارے دعوٰے کی بناہی وفات مسیح پر ہے۔ اگر مسیح کی زندگی ثابت ہو جاوے تو ہمارے دعوٰے میں کلام کرنا فضول ہے۔ مہربانی فرما کر آپ سوچیں اور مباحثہ کیلئے تیار ہو جاویں کہ بہت لوگوں اور نیز مولویوں کی آپ کی طرف نظر لگ رہی ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس پر دستخط کر دیئے اور میں نے اپنے نام سے یہ خط مولوی صاحب کے پاس گنگوہ بھیج دیا۔

مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں یہ لکھا کہ افسوس ہے مرزا صاحب اصل کو فرع اور فرع کو اصل قرار دیتے ہیں اور مباحثہ بجائے تقریری کے تحریری مباحثہ میں نہیں کرتا۔ اور ہمیں کیا غرض ہے کہ ہم اس مباحثہ میں پڑیں۔ یہ خط بھی میں نے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنا دیا۔ آپ نے یہ فرمایا کہ ہمیں افسوس کرنا چاہیے نہ مولوی صاحب کو۔ کیونکہ ہم نے تو ان کے گھر یعنی عقائد میں ہاتھ مارا ہے اور ان کی جائیداد دبالی ہے یہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن پر ان کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں اور ان کے آسمان سے اُترنے کی آرزو رکھتے تھے، مار ڈالا ہے۔ جس کو وہ آسمان میں بٹھائے ہوئے تھے اس کو ہم نے زمین میں دفن کر دیا ہے اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے اور بقول ان مولویوں کے اسلام میں رخنہ ڈال دیا ہے اور لوگوں کو گھیر گھار کر اپنی طرف کر لیا ہے۔ جس کا نقصان ہوتا ہے وہی روتا ہے اور چلاتا ہے۔ یہ مولوی حامیانِ دین اور محافظِ اسلام کہلا کر اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر کوئی ان کی جائیداد دبالے اور مکان اور اسباب پر قبضہ کر لے تو یہ لوگ عدالت میں جا کھڑے ہوں اور لڑنے مرنے سے بھی نہ ہٹیں اور نہ ٹلیں جب تک کہ عدالت نہ فیصلہ کرے۔ اور آپ یہ بہانے بتاتے ہیں کہ ہمیں کیا غرض ہے۔ گویا یوں سمجھو کہ ان کو دین اسلام اور ایمان سے کچھ غرض نہ رہی اور اب یہ حیلہ اور بہانہ کرتے ہیں کہ ہمیں کیا غرض ہے؟ اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ان کے ہاتھ پلے کچھ نہیں ہے اور درحقیقت کچھ نہیں ہے۔ ان کے باطل اعتقاد کا خرمن جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ اگر اس بحث میں پڑیں تو ان کی مولویت کو بٹہ لگتا ہے اور ان کے علم وفضل کو سیاہ دھبہ لگتا

ہے۔ان کی پیری پر آفت آتی ہے۔ان کولکھو کہ مولوی صاحب آپ تو علم لدنی اور باطنی کے بھی مدعی ہیں۔اگر ظاہری علم آپ کا آپ کو مدد نہ دے، باطنی اور لدنی علم سے ہی کام لیں۔ یہ کس دن کے واسطے رکھا ہوا ہے۔

پس میں نے یہ تقریر حضرت اقدس علیہ السلام کی کچھ اور تیز الفاظ نمک مرچ لگا کے قلم بند کر کے مولوی صاحب کے پاس بھیج دی۔

اس کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے یہ لکھا۔ میں تقریری بحث کرنے کو تیار ہوں اور اگر مرزا صاحب تحریری بحث کرنا چاہیں تو ان کا اختیار ہے۔ میں تحریری بحث نہیں کرتا۔ لاہور سے بھی بہت لوگوں کی طرف سے ایک خط مباحثہ کے لئے آیا ہے۔مرزا صاحب چاہے تقریری بحث کرے۔ جب کسی طرح مولوی صاحب کو مفر کی جگہ نہ رہی اور سراج الحق سے مخلصی نہ ہوئی اور لاہور کی ایک بڑی جماعت کا خط پہنچا اور ادھر حضرت اقدس کی خدمت میں بھی اس لاہور کی جماعت کی طرف سے مولوی رشید احمد کے مباحثہ کے لئے درخواست آ گئی اور اس جماعت نے یہ بھی لکھا کہ مکان مباحثہ کے لئے اور خورد ونوش کا سامان ہمارے ذمہ ہے اور میں نے بھی مولوی صاحب کو یہ لکھا کہ اگر آپ مباحثہ نہ کریں گے اور ٹال مٹال بتائیں گے اور کچے سچے عذروں سے جان چھڑاویں گے تو تمام اخبارات میں آپ کے اور ہمارے خط چھپ کر شائع ہو جاویں گے۔ پڑھنے والے نکال کر کے مطلب ومقصد اصلی حاصل کر لیں گے۔

پھر دوسرے موقعہ پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو ضرور لکھو اور حجت پوری کرو اور یہ لکھو کہ اچھا ہم بطریق تنزّل تقریری مباحثہ ہی منظور کرتے ہیں۔ مگر اس شرط سے کہ آپ تقریر کرتے جاویں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر کو لکھتا جاوے اور جب ہم تقریر کریں تو ہماری جوابی تقریر کو بھی دوسرا شخص لکھتا جاوے اور جب تک ایک کی تقریر ختم نہ ہو لے تو دوسرا فریق بالمقابل یا اور کوئی دورانِ تقریر میں نہ بولے۔ پھر وہ دونوں تقریریں چھپ کر شائع ہو جاویں۔لیکن بحث مقام لاہور ہونی چاہیے۔ کیونکہ لاہور دار العلوم ہے اور ہر علم کا آدمی وہاں موجود ہے۔

میں نے یہی تقریر حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام کی مولوی صاحب کے پاس بھیج

دی۔مولوی صاحب نے لکھا کہ تقریر صرف زبانی ہوگی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی اور جو جس کے جی میں آئے گا حاضرین میں سے رفع اعتراض و شک کیلئے بولے گا۔ میں لاہور نہیں جاتا۔ مرزا ہی سہارنپور آ جاوے اور میں بھی سہارنپور آ جاؤں گا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بودا پن ہے اور کیسی پست ہمتی ہے کہ اپنی تحریر نہ دی جاوے۔تحریر میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ حاضرین و غائبین اور نزدیک دور کے آدمی بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور فیصلہ کر سکتے ہیں۔ زبانی تقریر محدود ہوتی ہے جو حاضرین اور سامعین تک رہ جاتی ہے۔ حاضرین و سامعین بھی زبانی تقریر سے پورا فائدہ اور کامل فیصلہ نہیں کر سکتے۔مولوی صاحب کیوں تحریر دینے سے ڈرتے ہیں۔ہم بھی تو اپنی تحریر دیتے ہیں گویا ان کا منشاء یہ ہے کہ بات بیچ بیچ میں خلط بحث ہو کر رہ جاوے اور گڑبڑ پڑ جائے اور سہارنپور میں مباحثہ ہونا مناسب نہیں ہے۔سہارنپور والوں میں فیصلہ کرنے یا حق و باطل کی سمجھ نہیں ہے۔ لاہور آج دارالعلوم اور مخزن علم ہے اور ہر ایک ملک اور شہر کے لوگ اور ہر مذہب وملّت کے اشخاص وہاں موجود ہیں۔ آپ لاہور چلیں اور میں بھی لاہور چلا چلتا ہوں اور آپ کا خرچ آمد ورفت اور قیام لاہور ایام بحث تک اور مکان کا کرایہ اور خرچ میرے ذمہ ہوگا اور سہارنپور اہلِ علم کی بستی نہیں ہے۔سہارنپور میں سوائے شوروشر فساد کے کچھ نہیں ہے۔ یہ مضمون میں نے لکھ کر اور حضرت اقدس علیہ السلام کے دستخط کرا کر گنگوہ بھیج دیا۔مولوی رشید احمد صاحب نے اس کے جواب میں پھر یہی لکھا کہ میں لاہور نہیں جاتا صرف سہارنپور تک آ سکتا ہوں اور بحث تحریری مجھے منظور نہیں۔ نہ میں خود لکھوں اور نہ کسی دوسرے شخص کو لکھنے کی اجازت بھی دے سکتا ہوں۔حضرت اقدس نے اس خط کو پڑھ کر فرمایا کہ ان لوگوں میں کیوں قوتِ فیصلہ اور حق و باطل کی تمیز نہیں رہی اور ان کی سمجھ بوجھ جاتی رہی۔ یہ حدیث پڑھاتے ہیں اور محدّث کہلاتے ہیں۔ مگر فہم وفراست سے ان کو کچھ حصہ نہیں ملا۔صاحبزادہ صاحب ان کو یہ لکھ دو کہ ہم مباحثہ کیلئے سہارنپور ہی آ جاویں گے۔آپ سرکاری انتظام جس میں کوئی یورپین افسر ہو۔اور ہندوستانیوں پر پورا اطمینان نہیں ہے۔ بعد انتظام سرکاری ہمیں لکھ بھیجیں اور کاغذ سرکاری بھیج دیں۔ میں تاریخ مقرر پر آ جاؤں گا اور ایک اشتہار اس مباحثہ کی اطلاع کے لئے شائع کر دیا جاوے گا تا کہ لاہور وغیرہ مقامات سے

صاحب علم اور مباحثہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سہارنپور آ جاویں گے۔
ورنہ ہم لاہور میں سرکاری انتظام کر سکتے ہیں اور پورے طور سے کر سکتے ہیں۔ رہا تقریری اور تحریری مباحثہ وہ اس وقت پر رکھیں تو بہتر ہے جیسے حاضرین جلسہ کی رائے ہوگی۔ کثرتِ رائے پر ہم تو کاربند ہوں خواہ تحریری خواہ تقریری جو مناسب سمجھا جاوے گا وہ ہو جاوے گا۔ آپ مباحثہ ضرور کریں کہ لوگوں کی نظریں آپ کی طرف لگ رہی ہیں۔
یہ تقریر میں نے مولوی صاحب کو لکھ بھیجی۔ مولوی صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر لکھا کہ انتظام کا میں ذمہ دار نہیں ہو سکتا ہوں۔ پھر میں نے دو تین خط بھیجے جواب ندارد۔

مولوی رشید احمد کا مباہلہ سے گریز

۱۸۹۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منکرین اور مکذّبین علماء کو مباہلہ کی دعوت دی اور ایک مفصل اشتہار انجام آتھم کے ساتھ شائع کیا اور جن علماء اور مشائخ کو آپ نے خطاب کیا تھا ان کو رجسٹری کرا کر بھیجا مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ میں آتا۔ اس اشتہار میں آپ نے یہ بھی صراحت کی تھی کہ میرے مقابلہ میں جو لوگ اُٹھیں گے وہ مختلف قسم کے عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ ان میں ایک عذاب سانپ کے ڈسنے کا بھی ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب کا نام بھی ان لوگوں میں درج ہے جن کو دعوتِ مباہلہ دی گئی۔ اس کے متعلق صاحبزادہ سراج الحق صاحب کا بیان درج کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ خط درج کرتا ہوں جو مولوی رشید احمد صاحب کے نام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا تھا۔ (عرفانی الکبیر)

رشید احمد گنگوہی کا حال

منجملہ ان مدعیانِ مجددیت کے ایک مولوی رشید احمد گنگوہی تھے۔ ان کو ان کے مرید مجددِ وقت لکھا کرتے تھے اور خاص کر مولوی محمد حسین فقیر...... دہلوی کا تو یہی عقیدہ تھا۔ مولوی صاحب نے کبھی نہیں کہا کہ مجھ کو مجدد مت لکھو۔ میں مجدد نہیں ہوں۔ گویا ان کی مرضی تھی کہ میں بھی مجدد ہوں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی کفر میں حد کر دی۔ اشتہار دیا کہ علانیہ سبّ وشتم

کرو۔ مرزا مسیلمہ ہے، اسود عنسی ہے، کذّاب ہے، مفتری ہے۔ دجّال۔ نعوذ باللہ منہا۔ مولوی صاحب پر ایک تو یہ وبال پڑا اور دوسرا وبال یہ پڑا کہ مجدد کہلایا۔ اس وبال و نِکال کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیوی مری۔ بیٹا مرا۔ دو بیٹوں کی بیویاں مریں۔ صرف اکیلا رہ گیا۔ پھر نابینا ہو گیا اور حدیث جو پڑھایا کرتا تھا وہ پڑھانا جاتا رہا۔ کئی ایک مرید جو اس کے تھے اور بڑے تھے مر گئے اور سارا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ اور مولوی عبدالقادر صاحب جو ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ حضرت اقدس علیہ السلام کے مرید ہو گئے۔ اس پر مولوی گنگوہی کو سخت ہم وغم ہوا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے مباہلہ کے لئے بھی بہت مولوی رشید احمد متوفی سے تحریری اور زبانی کہا لیکن مباہلہ نہ کیا اور ایک وبال مولوی صاحب پر یہ پڑا کہ بار باران کی زبان سے نکلا کہ جیسے الہام مرزا غلام احمد قادیانی کو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہمارے مریدوں کو بھی ہوا کرتے ہیں۔ گویا مفتری علی اللہ بھی بنا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اشتہار دیا تھا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی اور احمد اللہ امرتسری اور رسل بابا وغیرھم مجھ سے مباہلہ کر لیں۔ گیارہ عذابوں میں سے ایک عذاب ضرور ان پر، اگر یہ مقابلہ مباہلہ نہ کریں گے، پڑے گا۔ منجملہ ان عذابوں کے ایک یہ عذاب تھا کہ سانپ کاٹے اور پھر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی متوفی کو سانپ نے کاٹا۔ حالانکہ مولوی صاحب کو سانپ کے کاٹے کا علاج دعویٰ سے تھا اور سینکڑوں کوس تک ان کا پڑھا پانی جاتا تھا۔ لیکن یہ عذابِ الٰہی تھا اور سانپ نہیں تھا۔ بلکہ غلاظ شداد فرشتوں سے ایک فرشتہ تھا اور سانپ کے ڈسنے کے بعد تین چار روز تک زندہ بھی رہا۔ لیکن اسی زہر سے مر گیا۔ خدا تعالیٰ نے دکھا دیا کہ اب یہ مامور و مرسل کی مخالفت کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔ ان کے مرنے سے تین ماہ یا دو ماہ پیشتر مجھے ایک کشفی نظارہ میں دکھائی دیا کہ راستہ میں ایک مکان کو چھوڑ کر بُرے کپڑے پہنے ہوئے مولوی رشید احمد زمین پر لیٹ گئے ہیں۔ میں نے یہ کشف حضرت اقدس علیہ السلام سے بیان کیا اور اس وقت حضرت فاضل امروہی بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کی موت آ گئی۔ سو ایسا ہی واقعہ ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۲۰

خط بنام مولوی رشید احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا عرض خدمت ہے کہ صاحبزادہ سراج الحق نے آپ کا خط بجنسہٖ میرے پاس بھیج دیا۔ حرف بحرف ملاحظہ کیا گیا۔ آپ جو اس عاجز کو واسطے بحث کے سہارنپور بلاتے ہیں، مجھ کو کچھ عذر نہیں مگر اتنی بات خدمت میں عرض کرنی ہے کہ امن قائم کرنے کے واسطے آپ نے کیا بندوبست کیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی تحریری اجازت ہونی ضروری بات ہے اور مجالس بحث میں سپرنٹنڈنٹ یا اور کسی حاکم بااختیار کا ہونا بھی امر ضروری ہے۔ بنا برایں اس قسم کی تسلی بخش تحریر ہمارے پاس بھیج دیں تو بندہ واسطے بحث کے حاضر خدمت ہو جائے گا۔ اگر لاہور آپ تشریف لے چلیں تو تسلی بخش تحریر امن قائم کرنے کی آپ کے پاس ہم بھیج دیں۔ پس اس تحریر کے جواب میں جیسا آپ مناسب سمجھیں اطلاع دیں۔

راقم

غلام احمد

بقلم عباس علی

☆......☆......☆

مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے نام

(تعارفی نوٹ)

مولوی غلام دستگیر صاحب قصور کی مسجد کلاں کے امام تھے اور قصور میں ان کا بڑا اثر اور دخل تھا۔ خاکسار عرفانی الکبیر کو مولوی غلام دستگیر صاحب کے خطرناک مخالفت کے سلسلہ میں ہی حافظ محمد یوسف ضلعدار، خان بہادر سید فتح علی شاہ ڈپٹی کلکٹر انہار کی تحریک پر اپنے ساتھ لے گئے۔ میں اگرچہ اُمّی محض تھا مگر حق کی قوت اور فطرت میرے ساتھ تھی۔ میں نے قصور میں عام لیکچر دیئے اور مولوی غلام دستگیر صاحب کے حلقہ کے بعض علماء سے بذریعہ مراسلات گفتگو کی اور خود مولوی غلام دستگیر صاحب سے بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا کرشمہ ہے کہ مجھے ان لوگوں سے گفتگو کرنے میں کبھی جھجک نہ ہوتی تھی اور نہ میں ان کی دستار فضیلت سے مرعوب ہوتا تھا۔ غرض یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے بعد جب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسائل اربعہ شائع کئے جن میں علماء مکفّرین کو دعوتِ مباہلہ دی تو مولوی غلام دستگیر صاحب کو بھی مباہلہ کے لئے بلایا تھا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب نے اس مباہلہ کے اشتہار کا جواب دیا اور مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کیا اور ایک خط لکھا۔ حضرت اقدس نے اس خط کے جواب میں حکیم حضرت فضل الدین صاحب رضی اللہ عنہ کو ایک اشتہار کا مسودہ دے کر لاہور بھیجا اور یہ اشتہار چھپوا کر، شعبان کی ابتدائی تاریخوں غالباً ۳ یا ۴ تاریخ تھی، مولوی غلام دستگیر صاحب کو جا کر دیا گیا۔ حکیم صاحب کے ساتھ جانے والوں میں جہاں تک میری یاد میری مدد کرتی ہے حضرت حکیم محمد حسین قریشی بھی تھے اور میں خود بھی تھا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب نے تو صرف ایک بہانہ تلاش کیا تھا۔ مگر حضرت اقدس نے اس کا فوری جواب دے کر اشتہار دیا اور لاہور میں اسے تقسیم کیا گیا۔ میرے مخطوطات میں وہ محفوظ تھا۔ لیکن اس مسودے رقمہ کی تفصیلی روئداد بھی

مولوی غلام دستگیر صاحب نے جواب بذریعہ اشتہار طلب کیا تھا۔اس نے زبانی کہا کہ میں تو مباہلہ کے لئے آ گیا۔اس پرحکیم صاحب نے کہا کہ آپ اس خط کا جواب اشتہار سے شائع کرو۔حضرت اقدس دس شعبان تک آ جاویں گے۔مگر وہ اس پر رضامند نہ ہوا، چلا گیا۔مگراس نے ایک کتاب میں مباہلہ کرلیا اور مباہلہ کے موافق حضرت اقدس کی زندگی میں فوت ہوگیا۔چنانچہ حضرت صاحب کی تصانیف میں اس نشان کو درج کیا گیا ہے۔

نزول المسیح میں آپ نے لکھا ہے کہ پھر پنجاب میں مولوی غلام دستگیر اٹھا اور اپنے تئیں کچھ سمجھا اوراس نے اپنی کتاب میں میرے مقابلہ میں یہ لکھا کہ **ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے گا** اور کئی سال ہو گئے غلام دستگیر مر گیا اور وہ کتاب چھپی ہوئی موجود ہے۔

(نزول المسیح صفحہ ۳۱)

غرض اس طرح اس کا انجام ہوا۔اب میں مولوی غلام دستگیر صاحب کا خط اوراس کے جواب کے اشتہار درج کر دیتا ہوں۔(عرفانی الکبیر)

مولوی غلام دستگیر قصوری کا خط

باسمہ سبحانہ

از فقیر غلام دستگیر ہاشمی قصوری کان اللہ لہ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بعد السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

واضح ہو کہ رسائل اربعہ مرسلہ آپ کے فقیر کو پہنچے۔ آپ نے جو اُن میں درخواست مباہلہ کر کے فقیر کو بھی مباہلہ کے لئے بلایا ہے۔ سو فقیر بعد از استخارہ مسنونہ آپ کو اطلاع دیتا ہے کہ فقیر آپ کے ساتھ مباہلہ کے واسطے از تہ دل مستعد ہے۔ آپ اب اس میں طوالت نہ کریں۔ شعبان کے ابتدا میں لاہور آجائیں۔ فقیر بھی امروز فردا لاہور پہنچ جاتا ہے۔ اپنے دونوں فرزندوں کو لے کر اپنے عزیزوں سے مل کر فقیر سے مباہلہ کر لیں۔ یہ قید کہ کم سے کم دس آدمی حاضر ہوں جو صفحہ ۶۷ کی سطر ۱۶، ۱۷ میں درج ہے۔ شرعاً بے اصل ہے۔ لاہور کے مدعو مولویوں سے اگر کوئی صاحب فقیر سے شامل ہوئے تو فبہا۔ ورنہ ایک ہی فقیر حاضر ہے۔ آپ نے اگر پندرہ شعبان تک مباہلہ نہ کیا تو آپ کاذب متصور ہوں گے اور فقیر اس امر کو مشتہر کر دے گا۔ فقط ☆

المرقوم

۲۹؍رجب روز دوشنبہ ۱۳۱۴ء (۴؍جنوری ۱۸۹۷ء)

از قصور مسجد کلاں

یہ رقعہ چند معتبر شاہدوں کی شہادت سے آج رجسٹری کرا کر بھیجتا ہوں۔ فقط

گواہ نمبر ۱: عبد القادر وکیل مقیم قصور بقلم خود

گواہ نمبر ۲: حافظ سید محمد قصوری بقلم خود

گواہ نمبر ۳: شیخ محمد بخش ساکن قصور بقلم خود

گواہ نمبر ۴: مرزا عظیم الدین بقلم خود

(اس کے بعد اور بھی کئی نام مرقوم ہیں۔ جو پڑھے نہیں گئے ان کے آخر میں لکھا ہے۔ مرتب)

☆ الفضل (قادیان) ۲۴ ستمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۲، ۳

۞ مکتوب نمبر ۲۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مشفقی مولوی غلام دستگیر صاحب۔

بعد ما وجب آپ کا خط پہنچا۔ میں بہت خوش ہوا کہ آپ نے مباہلہ میں آنا منظور کرلیا ہے مگر آپ کے خط میں بعض ایسے امور ہیں جو تصفیہ طلب ہیں اور نیز آپ نے قطعی طور پر لاہور آنے کی تاریخ نہیں لکھی۔ اس لئے میں اس وقت مجی اخویم حکیم فضل دین صاحب کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ امید کہ آپ ہر طرح سے تصفیہ کر کے حکیم صاحب موصوف کے ساتھ لاہور میں مباہلہ کے لئے چلے آویں گے اور پھر حکیم صاحب میرے نام تار دے دیں گے تو میں انشاء اللہ بلاتوقف لاہور میں پہنچ جاؤں گا۔ مگر یہ ضروری ہوگا کہ آپ اُن مراتب کا تصفیہ کر دیں جن کو حکیم صاحب زبانی آکر کریں گے۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی

الراقم مرزا غلام احمد

یکم شعبان ۱۳۱۴ھ (۶؍جنوری ۱۸۹۷ء)

☆......☆......☆

☆ الفضل (قادیان) ۲۴ستمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

مکتوب نمبر۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ[1]

اشتہار صداقت آثار

میں مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضٰی ساکن قادیان ضلع گورداسپور اس وقت بذریعہ اس اشتہار کے خاص و عام کو مطلع کرتا ہوں کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا گئے جیسا کہ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے۔فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡھِمۡ[2] حدیثِ نبوی اور قول ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس لفظ اور نیز لفظ اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ[3] کے معنی وفات دینا ہے نہ اور کچھ۔کیونکہ اس مقام میں اس لفظ کی شرح میں کوئی روایت مخالف مروی نہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کسی صحابی سے۔ پس یہ امر متعین ہوگیا کہ نزولِ مسیح سے مراد نزول بطور بروز ہے یعنی اسی اُمت میں سے کسی کا مسیح کے رنگ میں ظاہر ہونا ہے۔جیسا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے نزول کی شرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ جو یہود اور نصاریٰ کے اتفاق سے وہ یہی شرح ہے کہ انہوں نے حضرت یحییٰ کو ایلیا یعنی الیاس آسمان سے اُترنے والا قرار دیا تھا۔سو خدا تعالیٰ کے الہام سے میرا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مسیح جو بروز کے طور پر غلبہ صلیب کے وقت میں کسر صلیب کے لئے اُترنے والا تھا، وہ میں ہی ہوں۔ اس بنا پر میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری سے مباہلہ کرتا ہوں۔ اگر مباہلہ کی میعاد کے اندر جو روز مباہلہ سے ایک برس ہوگی، میں کسی سخت اور نا قابلِ علاج بیماری میں جیسے جذام یا نابینائی یا فالج یا مرگی یا کوئی اسی قسم کی اور بھاری بیماری یا مصیبت میں مبتلا ہوگیا اور یا یہ کہ اس میعاد میں مولوی غلام دستگیر نہ فوت ہوئے نہ مجذوم ہوئے اور نہ نابینا اور نہ اور کوئی سخت مصیبت انہیں آئی تو میں تمام لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ بغیر عذر و حیلہ ان کے ہاتھ پر توبہ

[1] النحل: ۱۲۹ [2] المائدۃ: ۱۱۸ [3] اٰلِ عمران: ۵۶

کروں گا اور سمجھوں گا کہ میں جھوٹا تھا۔ تبھی خدا نے مجھے ذلیل کیا اور اگر میں مباہلہ کے اثر سے ایک برس کے اندر مر گیا تو میں اپنی تمام جماعت کو وصیت کرتا ہوں کہ اس صورت میں نہ صرف مجھے جھوٹا سمجھیں بلکہ اگر میں مروں یا ان عذابوں میں سے کسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤں تو وہ دنیا کے سب جھوٹوں اور کذابوں میں سے زیادہ کذاب مجھے یقین کریں اور ان ناپاک اور گندے مفتریوں میں سے مجھے شمار کریں جنہوں نے جھوٹ بول کر اپنی عاقبت کو خراب کیا۔ اور اگر میں دس تاریخ شعبان تک بمقام لاہور مباہلہ کے لئے حاضر نہ ہوا تب بھی مجھے کاذب قرار دیں۔ لیکن ضرور ہے کہ اوّل مولوی غلام دستگیر صاحب عزم بالجزم کر کے اسی نمونہ کا اپنی طرف سے بقید تاریخ اشتہار دے دیں اور اگر وہ اشتہار نہ دیں تو پھر میں لاہور نہیں جا سکتا۔ **والسلام علٰی من اتبع الھدٰی۔**☆

المشتہر

خاکسار

مرزا غلام احمد

مکرراً[1] یہ بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر اور صاحب بھی علماء پنجاب یا ہندوستان سے مباہلہ کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ بھی اسی تاریخ پر بمقام لاہور مباہلہ کے لئے حاضر ہو کر مولوی غلام دستگیر کے ساتھ شریک ہو جائیں اور اگر اب حاضر نہیں ہوں گے تو پھر آئندہ ان کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

☆......☆......☆

☆ روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۴۳ء

[1] حضور علیہ السلام کے اسم مبارک کے بعد کی سطور اصل مسودہ میں حضور علیہ السلام نے پنسل سے لکھی ہوئی ہیں۔

حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار کے نام

تعارف

حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار حسین پور ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ایک نومسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان پنجاب کے محکمہ نہر میں ملازم تھا اور اس لئے نہر والے کہلاتے تھے۔ امرتسر میں اس خاندان کے ایک رکن محمد عمر صاحب نے ایک مسجد تعمیر کی تھی جو حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے خاندان میں اس وقت تک چلی آتی ہے۔ حافظ محمد یوسف اہلحدیث کے فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اہلحدیث گروہ کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے اور مولوی عبداللہ صاحب کے ساتھ ارادت رکھتے تھے۔ محکمہ نہر کے چند آدمی سید فتح علی شاہ، حافظ صاحب منشی الٰہی بخش، منشی امیر الدین، منشی عبدالحق صاحب وغیرہم ابتداً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ارادت اور عقیدت کے ساتھ ملے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقویٰ وطہارت اور زہد وورع سے ذاتی طور پر واقف تھے اور نیز مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے کشوف حضرت اقدس کی نسبت سن چکے تھے اور حضرت اقدس کی اسلامی خدمات کو برأی العین مشاہدہ کرتے تھے۔ خاکسار عرفانی کبیر کو ذاتی طور پر ان لوگوں سے ملاقات کی ابتدا ۱۸۹۲ء میں ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ عرفانی کبیر کو حافظ محمد یوسف صاحب تبلیغ سلسلہ کیلئے اپنے ساتھ لے گئے اور اسے موقع ملا کہ وہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور ان کے شاگردوں کے ساتھ اپنی بصیرت کے موافق مباحثات کرتا رہا اور قصور میں جماعت کا قیام اسی وقت ہوا اور ان اوّلون سابقون میں حضرت مرزا افضل بیگ رضی اللہ عنہ اور حضرت چودھری نظام الدین صاحب رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے۔ خاکسار عرفانی کبیر، حافظ محمد یوسف صاحب کو ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کی تیاری خود قانون کی کتابوں کو یاد کر کے کراتا تھا اور ان کے ساتھ ضلعداری کا کام بھی کرتا تھا۔ اسی سلسلہ میں وہ نائب ضلعدار مقرر ہوا مگر خدا تعالیٰ کی خاص مشیت کے ماتحت استعفیٰ دے دیا۔ یہ

ذکر ضمناً آ گیا۔ حافظ محمد یوسف اس وقت احمدیت کے ایک سرگرم مبلغ تھے اور اس غرض کے لئے وہ اپنا روپیہ بھی خرچ کرتے تھے۔ مجھے ان لوگوں سے انصاف کرنا چاہئے کہ یہ پارٹی بڑے جوش سے کام کر رہی تھی۔ ان سب کی روح رواں حافظ صاحب ہی تھے۔ وہ صاحب الہام ہونے کے بھی مدعی تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انہیں اپنے الہامات اور کشوف ہی کی وجہ سے اس طرف زیادہ تر توجہ تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی، جب اس نے حضرت اقدس کی مخالفت کا اظہار کیا، حافظ صاحب مباحثہ کی طرف بلاتے رہے اور ایک مرتبہ منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر حضرت حکیم الامۃ مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرا دیا اور اگست ۱۸۹۱ء میں چوٹی کے علماء مخالف الرائے کے نام ایک جماعت کو شامل کر کے مباحثہ کی دعوت دی۔ اس وقت ایک عام شور برپا تھا۔ لودہانہ سے ایک جماعت اہلِ اسلام نے علماء کے نام ایک خط شائع کیا اور لاہور سے حافظ صاحب نے چند سر برآوردہ اور ممتاز مسلمانوں کو ساتھ ملا کر مولوی محمد صاحب لکھوکے وغیرہ متعدد علماء کے نام ایک خط لکھا تا کہ وہ حضرت اقدس کے دعاوی کے متعلق ایک فیصلہ کن مباحثہ کر لیں۔ یہ خطوط اور حضرت اقدس کا جواب انہیں ایام میں اخبار ریاض ہند امرتسر کے ضمیمہ میں شائع ہو گیا تھا۔ میں ان کو یہاں بھی بطور ضمیمہ حافظ صاحب کے نام کے خطوط کے بعد درج کر دوں گا۔ (انشاء اللہ العزیز) اس سے ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کس قدر اس سلسلہ میں سرگرم تھے۔ یہاں تک ہی نہیں، حافظ محمد یوسف صاحب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کیا اور اس مباہلہ کا اثر اسی وقت ہی ظاہر ہو گیا۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے مباہلہ کے بعد کہا کہ اگر اس مباہلہ کا کچھ بھی اثر مجھ پر ہوا تو میں اپنے عقیدہ سے رجوع کر لوں گا لیکن جب مولوی عبدالحق سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر میں اپنی اس بددعا سے سؤر، بندر اور ریچھ بھی ہو جاؤں تب بھی اپنا عقیدہ تکفیر ہرگز نہ چھوڑوں گا اور کافر کہنے سے باز نہ آؤں گا۔ یہ بجائے خود عبدالحق پر مباہلہ کا اثر تھا کہ اس کی فطرت مسخ ہو گئی۔ حافظ صاحب کی یہ سرگرمیاں جاری رہیں اور حافظ صاحب نے اپنا ایک کشف خصوصیت سے

حضرت اقدس کے متعلق بیان کیا تھا جس کا میں بھی گواہ تھا اور وہ معراج یوسفی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ ساری جماعت جن میں حافظ صاحب۔ منشی الٰہی بخش۔ منشی عبدالحق وغیرہ شامل تھے اخلاص کے ساتھ کام کر رہی تھی مگر کوئی مخفی معصیت تھی جو اندر ہی اندر غیر معلوم طور پر ان کے حبطِ اعمال کا سامان کر رہی تھی۔ ایک روز منشی الٰہی بخش اور عبدالحق صاحب لاہور سے آئے۔ ان ایام میں منشی الٰہی بخش کو اپنے الہامات کا بڑا دعویٰ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ موسیٰ ہیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر تشریف فرما تھے۔ یہ بزرگ بھی موجود تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے متعلق ایسے موقعہ پر کوئی سوال کیا کرتے تا کہ حقایق و معارف کے دریا بہہ نکلیں۔ انہوں نے (یہ سب میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ عرفانی کبیر) حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا راز ہے کہ بلعم جو بڑا خدارسیدہ اور عبادت گزار، صاحب الہام تھا وہ اس قدر گرا کہ قرآن کریم میں اس کی مثال کتّے سے دی گئی ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے بڑی لطیف تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے مامورین کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرتی کہ کوئی ان کے مقابلہ میں کھڑا ہو اور جو بھی اس مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے وہ عالم ہو تو اس کا علم اور صاحب کشف والہام ہو تو اس کے کشوف والہام سلب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مامور مِنَ اللہ خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کی ہستی کو منوانے کے لئے اس کا مظہر ہو کر کھڑا ہوتا ہے۔ بلعم، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کھڑا ہوا۔ وہ موسیٰ کا نہیں خدا کا مقابلہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مخذول کر دیا۔ یہ خلاصہ اس تقریر کا میرے اپنے الفاظ میں ہے۔

بدقسمتی سے منشی الٰہی بخش نے یہ سمجھا کہ مجھے بلعم بنایا گیا ہے اور میری اس طرح تحقیر کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ فی الحقیقت مخذول بلعم ثابت ہوا۔ حافظ صاحب اور منشی عبدالحق۔ الٰہی بخش کے رفقاء میں سے تھے اور دوست نوازی نے ان کو بھی اپنے مقام سے گرا دیا اور مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ان کا انجام اس دنیا میں اس کا مصداق ہوا۔

معلوم کر کے سب کچھ محروم ہو گئے ہیں

حافظ محمد یوسف نے مختلف رنگوں میں مقابلہ کرنا چاہا اور ہر پہلو سے وہ ناکام رہے۔ آخر اسی ناکامی میں فوت ہو گئے۔ یہ مختصر تذکرہ میں نے لکھ دیا ہے۔ تفصیل کی توفیق ملی تو عاقبۃ المکذّبین میں کرسکوں گا۔ و باللہ التوفیق۔ (عرفانی کبیر)

مکتوب نمبر۲۲

پہلا خط بنام حافظ محمد یوسف صاحب

میرے پاس شیخ حامد علی صاحب ساکن تھہ غلام نبی نے یہ بیان کیا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ لاہور کو مرزا غلام احمد کی نسبت کئی الہامات ایسے ہوئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ منشی صاحب موصوف کو یہ خبر دیتا ہے کہ غلام احمد مُسرِف کذّاب ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر الہام ہوئے ہیں۔ لیکن منشی صاحب اس مصلحت سے ان الہامات کو کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع نہیں کرتے کہ مبادا مرزا غلام احمد ہم پر انگریزی عدالت میں نالش کردے۔ ہاں! اگر مرزا غلام احمد یہ تحریری وعدہ لکھ دے کہ میں نالش نہیں کروں گا۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہفتہ عشرہ میں کسی اشتہار یا اخبار کے ذریعہ سے ان الہامات کو منشی الٰہی[1] صاحب کے ہاتھ سے شائع کرا دیں گے۔ پس چونکہ یہ طریق نہایت عمدہ ہے اور ممکن ہے کہ اس سے کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اس لئے میں حضرت عزت کی قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ میں ایسے الہامات کے شائع کرنے سے کسی عدالت میں نالش نہیں کروں گا۔ ہاں یہ شرط ہے بلکہ نہایت ضروری شرط ہے کہ منشی الٰہی بخش صاحب خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر الہامات شائع کریں یعنی تحریر الہامات کے پہلے یہ قسم کھائیں کہ مجھے اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے کہ جو الہامات ذیل میں لکھتا ہوں۔ وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اگر اس تحریر میں میری طرف سے کوئی گستاخی یا جھوٹ یا افتراء ہے تو خدا تعالیٰ اس افترا کا مجھے پاداش دے۔ یہ لکھ کر یہ الہامات لکھ دیں۔ سو میں یہ رقعہ بخدمت حافظ محمدؐ یوسف صاحب اس غرض سے لکھتا ہوں۔

الراقم
مرزا غلام احمد بقلم خود

مکرر یہ کہ یہ بھی شرط ہے کہ منشی الٰہی بخش صاحب اپنے تکذیب تفسیق کے الہامات کو اپنے

---

[1] لفظ ’’بخش‘‘ چھوٹ گیا معلوم ہوتا ہے۔ (ناقل)

نام اور پورے پتہ وسکونت وغیرہ سے شائع کریں اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر تین ہفتہ تک انتظار کر کے یہ رقعہ کسی اشتہار یا اخبار کے ذریعہ سے شائع کر دیا جائے گا۔اس کی ایک نقل اسی غرض سے رکھی گئی ہے۔**فقط ۲۷/اپریل ۹۹ء**

۱۔گواہ شد۔دستخط عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا ۲۔گواہ شد۔دستخط مرزا خدا بخش۔
۳۔گواہ شد۔دستخط نورالدین عفا اللہ عنہ ۴۔گواہ شد۔دستخط معراج الدین عفی عنہ بقلم خود۔
۵۔گواہ شد۔دستخط عبدالکریم سیالکوٹی۔☆

☆......☆......☆

☆ الفضل یکم جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲

مکتوب نمبر۲۴

دوسرا خط بنام حافظ محمد یوسف صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بخدمت شریف مکرمی حافظ محمد یوسف صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ اگرچہ وہ شرائط جو میں نے لکھے تھے وہ سب قوم کے فائدہ کے لئے لکھے تھے اور ان کے لکھنے سے نہ یہ غرض تھی کہ حضرت منشی الٰہی بخش صاحب پر مجھے اعتبار نہیں اور نہ یہ غرض تھی کہ میں نعوذ باللہ ان کے لئے کوئی بدمنصوبہ سوچتا ہوں۔ محض نیک نیتی سے لکھا گیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھے آسمانی فیصلہ مطلوب ہے۔ یعنی یہ مدعا ہے کہ تا لوگ ایسے شخص کو شناخت کر کے جس کا وجود حقیقت میں ان کے لئے مفید ہے، راہ راست پر مستقیم ہو جائیں اور تا لوگ اس شخص کو شناخت کر لیں جو درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے امام ہے اور ابھی تک یہ کس کو معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟ صرف خدا کو معلوم ہے یا ان کو جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بصیرت دی گئی ہے۔ اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ پس اگر جناب منشی الٰہی[1] صاحب کے الہامات درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو وہ الہام جو میری نسبت ان کو ہوئے ہیں۔ اپنی سچائی کا کوئی کرشمہ ظاہر کریں گے اور اس طرح یہ خلقت جو واجب الرحم ہے۔ مُسرِف کذّاب سے نجات پا جائے گی اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں کوئی ایسا امر ہے جو اس بدظنی کے برخلاف ہے تو وہ امر روشن ہو جائے گا۔ لہٰذا میں اس بات سے تو باز آیا کہ منشی صاحب کے منہ سے قسم کا اقرار لوں۔ گو خدا تعالیٰ نے بھی قسمیں کھائی ہیں اور ہمارے سیّد اور مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے بعض اوقات قسمیں کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ لیکن میں عام لوگوں کو زیادہ توجہ دلانے کے لئے خود منشی الٰہی بخش صاحب کو قسم دیتا ہوں اور میری طرف

---

[1] لفظ ''بخش'' چھوٹ گیا معلوم ہوتا ہے۔ (ناقل)

سے منشی صاحب موصوف کو یہ قسم ہے کہ اے منشی الٰہی بخش صاحب! آپ کو اس خدائے قادر ذوالجلال غیور کی قسم ہے کہ میری نسبت جس قدر آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہامات ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب معہ ترجمہ لکھ کر کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع کر دیجئے۔

میں آپ کو اے منشی الٰہی بخش صاحب! پھر اس قادر قدوس کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ان الہامات میں سے جو آپ نے حافظ محمد یوسف صاحب کو یا حضرت منشی عبدالحق صاحب کو یا کسی اور کو سنائے ہیں یا ابھی سنائے نہیں، کوئی الہام مخفی نہ رکھئے۔ میں پھر تیسری مرتبہ اے منشی الٰہی بخش صاحب! آپ کو اس حیّ و قیوم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مصداق کی قسم دیتا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل کیا ہے اور قسم کا منشاء یہی ہے کہ آپ اسی کے منہ کے لئے، اسی کی عزت کے لئے، اسی کے نام کے ادب کے لئے وہ کل الہامات جو میری نسبت آپ کو ہوئے ہیں۔ اس خط کے پہنچنے سے ایک ہفتہ تک کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع کرا دیجئے اور دس اشتہار میری طرف بھی بھیج دیجئے اور کوئی الہام جو میری نسبت ہو چکا ہے۔ مخفی نہ رکھئے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ نعوذ باللہ میری طرف سے نہ کوئی آپ پر نالش ہوگی اور نہ کسی قسم کا بے جا حملہ آپ کی وجاہت و شان پر ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے سب کام بد ذاتی ہیں۔ میں صرف خدا تعالیٰ سے عقدہ کشائی چاہوں گا تا وہ لوگ جو مجھے مسرف اور کذّاب کا نام دیتے ہیں جو قرآن میں فرعون اور کسی اشدّ کافر کا نام ہے اور وہ لوگ (جو) میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ آپ فیصلہ کرے۔ میں نے تین قسموں کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کی ہے اور یہ سنت رسول اللہ ﷺ اور تمام پیغمبروں کی ہے کہ جب قسم دے کر ان کو پوچھا جاتا تھا تو وہ اس جواب کو بغیر کم یا زیادہ کرنے کے اور بغیر کسی قسم کی خیانت و تحریف کے ٹھیک ٹھیک مطابق واقعہ بیان کر دیتے۔ سو اب اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا آپ اپنے منہ سے قسم کھانے سے الگ رہیے مگر میرا مدّعا بھی اس طور سے حاصل ہو جائے گا۔ ضرور نہیں کہ اظہار قسم کرو۔ ☆

۱۵ر مئی ۱۸۹۹ء دستخط۔ مرزا غلام احمد

☆ الفضل یکم جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲

بابو الٰہی بخش کے نام

تعارف

بابو الٰہی بخش صاحب کا ضمنی ذکر میں نے حافظ محمد یوسف صاحب کے متعلق تمہیدی نوٹ میں کیا ہے۔ یہ صاحب ضلع ملتان کے باشندے تھے اور محکمہ نہر میں ترقی کرتے کرتے اکاونٹنٹ کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ محکمہ نہر کے یہ چند مسلمان افسر مولوی عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت اور ارادت رکھتے تھے اور انہوں نے مولوی صاحب موصوف کی زبانی یہ سنا تھا کہ ’’ایک نور پیدا ہوگا جس سے دنیا کے چاروں طرف روشنی ہو جائے گی اور وہ نور مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو قادیان میں رہتا ہے‘‘ اور مولوی صاحب موصوف کا جب کبھی ذکر ہوتو حضرت مرزا صاحب کے متعلق نیک خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اس لئے اس گروہ کو حضرت اقدس سے تعلق اور محبت پیدا ہوئی۔ اپنے فہم اور عقل کے موافق یہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے اسلامی خدمات سے دلچسپی رکھتے تھے۔ منشی الٰہی بخش کو یہ بھی دعویٰ تھا کہ ان کو الہام اور کشف ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسلامی خدمات اور مخالفینِ اسلام کے جواب میں سینہ سپر ہوتے دیکھ کر اور آپ کے تقویٰ وطہارت سے آگاہ ہوکر یہ گروہ آپ کی خدمت میں آیا اور تعلقات کو بڑھایا۔ حضرت اقدس بھی منشی الٰہی بخش صاحب کی نسبت حسنِ ظن رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جب منشی صاحب کی رہنمائی کے لئے خصوصاً اور عوام کے فائدہ کے لئے عموماً **ضرورت الامام** لکھی تو آپ نے اس میں تحریر فرمایا۔

’’ان دنوں میں نے ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء میں جو مطابق جمادی الاوّل ۱۳۱۶ھ ہے ایک میرے دوست جن کو میں ایک بے شر انسان اور نیک بخت اور متقی اور پرہیزگار جانتا ہوں اور ان کی نسبت ابتداء سے میرا بہت نیک گمان ہے **واللّٰہ حسیبہ** مگر بعض خیالات میں غلطی میں پڑا ہوا سمجھتا ہوں اور اس غلطی کے ضرر سے ان کی نسبت اندیشہ بھی رکھتا ہوں‘‘۔

حضرت اقدس کو ان کی نسبت حسن ظن تھا اور ان کے انجام کے متعلق خطرہ اور اندیشہ بھی تھا کہ وہ غلطی ان کو ہلاک نہ کر دے اور آخر ایسا ہی ہوا جس کا بہت ہی افسوس ہے۔ یہاں ایک جملہ معترضہ کے طور پر میں یہ بھی لکھ دینا چاہتا ہوں کہ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائے عہد میں جو لوگ بظاہر بڑے اخلاص سے شریک ہوئے اور انھوں نے آپ کے کاموں میں امداد کیلئے ہاتھ بٹایا۔ نخوت اور تکبر نے ان کی حالت کو بدل دیا اور وہ ع ''معلوم کر کے سب کچھ محروم ہو گئے''۔ ان میں بعض الہام و کشف کا دعویٰ کرتے تھے اور بعض رسول نما بنتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کے مقابلہ میں جو بھی کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے علم کو اس مخالفت کے نتیجہ میں سلب کر لیتا ہے۔

خدا خود قصہ شیطاں بیاں کرد است تا دانند
کہ ایں نخوت کند ابلیس ہر اہل عبادت را

منشی الٰہی بخش صاحب کو ابتداءً حضرت اقدس کی تائید اور تصدیق میں الہامات اور کشوف ہوتے تھے اور یہ الہامات وہ ایک رجسٹر میں لکھتے تھے۔ میں ان لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا اور ان کی مجالس میں بے تکلّف آتا جاتا تھا وہ اپنے الہامات اور رؤیا سناتے۔ یہ بھی وہ سنایا کرتے بلکہ اس رجسٹر میں لکھ رکھا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ مرزا صاحب کو تو خدا نے بڑے بڑے درجات دئے ہیں مگر میرے واسطے کچھ نہیں تو الہام ہوا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یعنی یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ باوجود اس محبت کے جو وہ حضرت اقدس سے ظاہر کرتے تھے ان کے دل میں ایک مخفی حسد بھی تھا جس کو وہ محسوس نہ کرتے تھے اور اپنی ظاہری عبادت پر نازاں تھے جو بجائے اس کے کہ ان کے اندر خشیت الٰہی کو پیدا کرتی۔ اس نے ایک قسم کی نخوت پیدا کر دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر سمجھنے لگے کہ مجھے امام الزماں کی بیعت کی ضرورت نہیں۔ یہ تحریک اس حد تک پہنچی کہ انھیں ایک خواب آ گیا اور وہ خود انہوں نے حضرت اقدس کو سنایا کہ ''میں نے آپ کی نسبت کہا ہے کہ میں ان کی بیعت کیوں کروں بلکہ انھیں میری بیعت کرنی چاہیے''۔ کشوف اور الہامات میں حدیث النفس کو سمجھنے والے لوگ

بآسانی اس خواب کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک زمانہ تک اس شخص کا یہ دعویٰ رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں ایسے الہامات اور کشوف ہوتے ہیں اور وہ آپ کی اسلامی خدمات کو خود دیکھتا تھا اور حضرت کے متعلق اس کے اپنے الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ خاص اللہ کا فضل ہے۔ باوجود ان باتوں کے اس خواب نے اس کو غلطی میں ڈال دیا اور وہ اپنے آپ کو اس مقام پر سمجھنے لگا کہ وہ شخص جس کے مقام اور شان کی خدا تعالیٰ نے بقول اس کے اس کو خبر دی تھی اس کی بیعت کرے۔ یہ خواب اس کے لئے ٹھوکر کا پتھر ہوا۔ بابو صاحب ستمبر ۱۸۹۸ء میں قادیان اس خواب کو دیکھ کر آئے۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس کو اپنے الہامات اور یہ خواب سنایا۔ حضرت اقدس نے نہایت محبت اور درد دل کے ساتھ ان کو بتایا کہ مامور من اللہ اور عوام کے الہامات میں ایک فرق بیّن ہوتا ہے۔ عوام کے الہامات میں ان کی ذاتی خواہشات اور تمنا بھی شامل ہو جاتی ہے اور اس طرح بعض اوقات وہ شیطان کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں۔ حضرت اقدس سے ان کا یہ تخلیہ قریباً دو گھنٹہ تک رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر میں نے حافظ محمد یوسف صاحب کے ذکر میں کیا ہے۔ حضرت اقدس کی نصائح سے وہ پہلے ہی افروختہ تھے۔ بابو صاحب زود رنج تھے اور اس کی علامات ہر شخص ان کے چہرہ پر دیکھ سکتا تھا کہ وہ عموماً عبوس الوجہ رہتے تھے۔ جب بلعم والے معاملہ کو حضرت نے بیان کیا تو اس بدقسمت نے یہ سمجھا کہ مجھے ایسا کہا گیا ہے۔ میں جو اس مجلس میں موجود تھا، قسم کھا کر بیان کرسکتا ہوں کہ حضرت نے اشارتاً کنایتاً بھی ان کی نسبت کچھ نہ کہا۔ حضرت مولوی عبدالکریمؓ کا سوال بھی اس نیت سے نہ تھا اور وہ خالی الذہن تھے۔ حضرت اقدس نے اس گفتگو کا جو اندر تخلیہ میں منشی الٰہی بخش سے ہوئی اب تک ذکر نہ کیا تھا۔ یہ حالات تو ضرورۃ الامام کی تصنیف اور منشی الٰہی بخش کے جانے کے بعد کہے۔

غرض منشی صاحب کیلئے یہ سفر نہایت نامبارک ہوا وہ اخلاص اور محبت جو انہوں نے سالہا سال سے پیدا کی تھی وہ اپنے نفس کے مکاید میں مبتلا ہو کر ضائع کر دی اور ان کا انجام ابتداء سے بدتر ہو گیا۔ وہ اپنے دل میں یہ جذبہ لے کر گئے کہ حضرت مرزا صاحب نے انکو بھری مجلس میں ذلیل کیا اور میرے الہامات کو حقیر سمجھا۔ کیونکہ حضرت اقدس نے اپنی ملاقات میں انہیں یہ

بھی بتایا تھا کہ آپ ان الہامی فقرات سے دھوکا نہ کھائیں جو آپ کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ میری جماعت میں اس قسم کے ملہم مِن اللہ ہیں کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بنتی ہے اور ان کے الہامات میں آپ کی نسبت غلطی کم ہوتی ہے۔ ایسے الہامات سے کوئی شخص بھی امام الزماں کی بیعت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ غرض ان تمام حالات نے انکی ایمانی حالت میں ایک تغیر پیدا کر دیا اور وہ محبت کی بجائے کینہ اور مخالفت کے جذبات لے کر واپس گئے اور اپنی مجلسوں میں انہوں نے ذکر کیا کہ میری تحقیر اور تذلیل کی گئی۔ حضرت اقدس نے ہمدردی کے جوش میں ضرورۃ الامام نام کی کتاب ڈیڑھ دن میں تیار کر کے شائع کر دی۔ اس میں کہا کہ میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ میں ان کیلئے امامت حقّہ کے بیان میں یہ رسالہ لکھوں اور بیعت کی حقیقت تحریر کروں‘‘۔

حضرت اقدس کے اس رسالہ کے بعد ان کی مخالفت میں شدت اور محبت بغض کی صورت میں تبدیل ہوگئی اور وہ پھر اسی غزنوی ٹولہ کے افراد سے ربط ضبط کرنے لگے جن کی نسبت انھیں کبھی الہام ہوا تھا۔

چہ دَاند بوزنہ لذّات ادرک

چونکہ وہ علوم دینی سے واقف نہ تھے اور ایک عامی انگریزی خواں تھے اس لئے مخالفانہ تحریروں کے لئے ان لوگوں کے دامن میں ہی پناہ لینی پڑی جن کو نفرت اور حقارت سے اپنے الہامات میں ہندو کے لفظ سے یاد کرتے تھے اور مخالفت میں شدت ہوتی گئی۔ جون ۱۸۹۹ء کو حضرت اقدس نے بابو صاحب کو ایک خط لکھا کہ آپ کو بھی الہام ہوتے ہیں اور مجھے بھی الہام ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مسلمان حیران ہیں کہ کس کو مانیں اور کس کو نہ مانیں۔ پس آپ کو خدا کی قسم ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر رحم کر کے ۳۰؍جون ۱۸۹۹ء تک اپنے الہامات جو میرے خلاف ہیں چھاپ کر مجھے بھیج دیں تا پھر میں بھی اپنے الہامات جن پر میرے دعاوی کی بنا ہے چھاپ دوں اور پھر ہم دونوں خدا سے آسمانی فیصلہ کی درخواست کریں تا مسلمانوں کو اس تذبذب سے نجات ہو۔ منشی الٰہی بخش صاحب اس میدانِ مقابلہ میں نہ نکلے اور یوں اپنی مجلسوں میں مخالفت کرتے رہے۔ اس پر حضرت اقدس نے ۲۵؍مئی ۱۹۰۰ء کو اتمامِ حجت کے لئے ایک اعلان بعنوان **معیار الاخیار** شائع کیا اور پھر ۱۶؍جون ۱۸۹۹ء والے خط کے مطالبہ کو دہرایا مگر لاہوری ملہم کو اس مقابلہ میں علی الاعلان آنے کی ہمت نہ پڑی اور ایک

کتاب **عصائے موسیٰ** کے نام سے عام مکذبین کے طریق پر شائع کی اور اس میں حضرت اقدس کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ کذّاب ہیں اور میری زندگی میں طاعون سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس طرح گویا منشی الٰہی بخش صاحب اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتحان کے لئے خدائی فیصلہ کا نفاذ بھی باقی تھا۔ **جو حق و باطل میں ہونیوالا تھا۔** منشی الٰہی بخش نے اپنے الہامات کی بنا پر علی الاعلان یہ کہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام طاعون سے اس کی زندگی میں فوت ہو جائیں گے اور خود موسیٰ ہونے کا بھی دعویٰ کیا اور حضرت کو لکھا کہ میں موسیٰ ہوں اور میرے ہاتھ سے آپ کا سلسلہ ہلاک کر دیا جاوے گا۔ (مفہوم)

اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بذریعہ الہام بشارت دی کہ ’’ایک موسیٰ ہے میں اس کو ظاہر کروں گا اور لوگوں کے سامنے اس کو عزت دوں گا اور جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اس کو گھسیٹوں گا اور اس کو دوزخ دکھلاؤں گا۔ میرے نشان روشن ہو جائیں گے۔ میرا دشمن ہلاک ہو گیا (یعنی ہلاک ہو جائے گا) **ہن اس دالیکھا خدا نال جا پیا اے**‘‘ [1]

یہ الہامات قبل از وقت اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہو گئے۔ یہ مارچ ۱۹۰۷ء کی بات ہے ان الہامات کی اشاعت کے سترھویں دن بعد ۷/اپریل ۱۹۰۷ء کو بابو الٰہی بخش صاحب (جو حضرت مسیح موعود کا اپنی زندگی میں طاعون سے ہلاک ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ خود طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فیصلہ سے حق اور باطل میں امتیاز کر دیا اور بتا دیا کہ الٰہی بخش اپنے دعاوی میں کاذب اور حضرت مرزا صاحب صادق ہیں **وللّٰہ الحمد**۔ تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ العزیز انجام المکذبین میں ہوگا۔ **وباللّٰہ التوفیق ھو نعم المولٰی ونعم الرفیق**۔ (عرفانی)

[1] تذکرہ صفحہ ۵۹۶، ۵۹۹ ایڈیشن چہارم

مکتوب نمبر ۲۵

بنام منشی الٰہی بخش صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

از جانب متوکل علی اللہ الاحد غلام احمد عافاہ اللہ وایّد۔

بخدمت اخویم مکرم بابو الٰہی بخش صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعد ہذا اس عاجز کو اس وقت تک آنمکرم کے الہامات کی انتظار رہی۔ مگر کچھ معلوم نہیں کہ توقف کا کیا باعث ہے۔ میں نے سراسر نیک نیتی سے جس کو خداوند کریم جانتا ہے یہ درخواست کی تھی تا اگر خدا تعالیٰ چاہے تُو ان متناقض الہامات میں کچھ فیصلہ ہو جائے۔ کیونکہ الہامات کا باہمی تناقض اور اختلافات اسلام کو سخت ضرر پہنچاتا ہے اور اسلام کے مخالفوں کو ہنسی اور اعتراض کا موقعہ ملتا ہے اور اس طرح پر دین کا استخفاف ہوتا ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکے کہ ایک شخص کو خدا تعالیٰ یہ الہام کرے کہ تو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور اس زمانہ کے تمام مومنوں سے بہتر اور افضل اور مثیل الانبیاء اور مسیح موعود اور مجدد چودھویں صدی اور خدا کا پیارا اور اپنے مرتبہ میں نبیوں کی مانند اور خدا کا مرسل ہے اور اس کی درگاہ میں وجیہہ اور مقرب اور مسیح ابن مریم کی مانند ہے اور ادھر دوسرے کو یہ الہام کرے کہ یہ شخص فرعون اور کذاب اور مسرف اور فاسق اور کافر اور ایسا اور ایسا ہے۔ ایسا ہی اس شخص کو تو یہ الہام کرے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا۔ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے اور پھر دوسرے کو یہ الہام کرے کہ جو اس کی پیروی کرتے ہیں وہ شقاوت کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ پس آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر اسلام پر یہ مصیبت ہے کہ ایسے مختلف الہام ہوں اور مختلف فرقے پیدا ہوں جو ایک دوسرے کے سخت مخالف ہوں۔ اس لئے ہمدردئ اسلام اسی میں ہے کہ ان الہامات کا فیصلہ ہو جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی فیصلہ کی راہ پیدا کر دے گا اور اس مصیبت سے مسلمانوں کو چھڑائے گا۔ لیکن یہ فیصلہ تب ہو سکتا ہے کہ ملہمین جن کو الہام ہوتا ہے وہ زنانہ سیرت اختیار نہ کریں اور مردِ میدان بن کر جس طرح

کے الہام ہوں۔ وہ سب دیانت کے ساتھ چھاپ دیں اور کوئی الہام جو تصدیق یا تکذیب کے متعلق ہو، پوشیدہ نہ رکھیں۔ تب کسی آسمانی فیصلہ کی امید ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں آپ کو پہلے خط میں دی تھیں تا آپ جلد تر اپنے الہام میری طرف بھیج دیں مگر آپ نے کچھ پروانہیں کی اور میرے نزدیک یہ عذر آپ کا قبول کے لائق نہیں کہ آپ کو مخالفانہ الہام اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ ایک مدت ان کی تشریح کے لئے چاہئے۔ میرے خیال میں یہ کام چند منٹ سے زیادہ کا کام نہیں ہے اور غایت درجہ دو گھنٹہ تک معہ تشریح و تفسیر آپ لکھ سکتے ہیں اور اگر کسی اور کتاب کا ارادہ ہے تو اس کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ مناسب ہے کہ آپ اس اُمت پر رحم کر کے اور نیز خدا تعالیٰ کی قسموں کی تعظیم کر کے بالفعل دو تین سوالہام ہی جو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا کام ہے، چھپوا کر روانہ فرما دیں۔ یہ تو میں تسلیم نہیں کرسکتا کہ الہامات کی بڑی بڑی عبارات ہیں۔ بلکہ ایسی ہوں گی جیسا کہ آپ کا الہام ''مُسْرِفٌ کَذّابٌ''[۱] تو اس صورت میں آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے الہام کاغذ کے ایک صفحہ میں کس قدر آسکتے ہیں۔ میں پھر آپ کو اللہ جلّشانہٗ کی قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت پر رحم کر کے بمجرد پہنچنے اس خط کے اپنے الہامات چھپوا کر روانہ فرماویں۔ مجھے اس بات پر بھی سخت افسوس ہوا ہے کہ آپ نے بے وجہ میری یہ شکایت کی کہ گویا میں نے مولوی عبداللہ صاحب کی کوئی بے ادبی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری گفتگو صرف اس قدر تھی کہ آپ مولوی محمد حسین کو کیوں بُرا کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے مرشد مولوی عبداللہ صاحب نے اس کے حق میں یہ الہام شائع کیا تھا کہ وہ تمام عالموں کے لئے رحمت ہے اور سب اُمت سے بہتر ہے۔ یہ قرآنی الہام تھے جن کا میں نے ترجمہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں اگر شک تھا تو آپ مولوی محمد حسین سے دریافت کر لیتے۔ سچی بات پر غصہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر ماسوا اس کے جس دعویٰ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس کے مقابل پر عبداللہ صاحب کی کیا حقیقت اور سرمایہ ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو وہ میرے تابعداروں اور خادموں میں داخل ہو جاتے۔ ظاہر ہے کہ مسیح موعود کے آگے گردن خم کرنا اور غربت اور چاکری کی راہ سے اطاعت اختیار کر لینا ہر ایک دیندار اور سچے مسلمان کا کام ہے۔ پھر وہ کیوں کر میری اطاعت سے باہر رہ سکتے تھے۔ اس صورت میں آپ کا کچھ بھی حق نہیں تھا۔ اگر میں حَکَم ہونے کی حیثیت سے ان میں کچھ کلام کرتا۔ آپ

[۱] تذکرہ صفحہ ۱۵۵ ایڈیشن چہارم

جانتے ہیں کہ خدا اور رسول نے مولوی عبداللہ کا کوئی درجہ مقرر نہیں کیا اور نہ ان کے بارے میں کوئی خبر دی۔ یہ فقط آپ کا نیک ظن ہے جو آپ نے ان کو نیک سمجھ لیا ورنہ کسی حدیث یا آیت سے تو ثابت نہیں کہ درحقیقت پاک دل تھے۔ ہاں جہاں تک ہمیں خبر ہے وہ پابند نماز تھے۔ رمضان کے روزے رکھتے تھے اور بظاہر دیندار مسلمان تھے۔ اندرونی حال خدا کو معلوم۔

حافظ محمد یوسف صاحب نے کئی دفعہ قسم کو یاد کرنے سے یقین کامل سے کئی مجلسوں میں میرے روبرو بیان کیا کہ ایک دفعہ عبداللہ صاحب نے اپنے کسی خواب یا الہام کی بنا پر فرمایا تھا **''کہ آسمان سے ایک نور قادیان میں گرا۔ جس کے فیضان سے ان کی اولاد بے نصیب رہ گئی۔''** حافظ صاحب زندہ ہیں۔ ان سے پوچھ لیں۔ پھر آپ کی شکایت کس قدر افسوس کے لائق ہے۔ اور اللہ جلّشانہٗ خوب جانتا ہے کہ ہمیشہ مولوی عبداللہ غزنوی کی نسبت میرا نیک ظن رہا ہے۔ اگرچہ بعض حرکات ان کی میں نے ایسی بھی دیکھیں کہ اس حسن ظن میں فرق ڈالنے والی تھیں۔ تاہم میں نے ان کی طرف کچھ خیال نہ کیا اور ہمیشہ سمجھتا رہا کہ وہ ایک مسلمان اپنی فہم اور طاقت کے موافق پابند سنت تھا لیکن میں اس سے مجبور رہا کہ میں ان کو ایسے درجہ کا انسان خیال کرتا کہ جیسے خدا کے کامل بندے مامورین ہوتے ہیں اور مجھے خدا نے اپنی جماعت کے نیک بندوں کی نسبت وہ وعدے دیئے ہیں کہ جو لوگ ان وعدوں کے موافق میری جماعت میں سے روحانی نشوونما پائیں گے اور پاک دل ہوکر خدا سے پاک تعلق جوڑ لیں گے۔ میں اپنے ایمان سے کہتا ہوں کہ میں ان کو صدہا درجہ مولوی عبداللہ غزنوی سے بہتر سمجھوں گا اور سمجھتا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ ان کو وہ نشان دکھلاتا ہے کہ جو مولوی عبداللہ صاحب نے نہیں دیکھے اور اُن کو وہ معارف سمجھاتا ہے جن کی مولوی عبداللہ صاحب کو کچھ بھی خبر نہیں تھی اور انہوں نے خوش قسمتی سے مسیح موعود کو پایا اور اسے قبول کیا مگر مولوی عبداللہ صاحب اس نعمت سے محروم گزر گئے۔ آپ میری نسبت کیسا ہی بدگمان کریں اس کا فیصلہ تو خدا کے پاس ہے لیکن میں بار بار کہتا ہوں کہ میں وہی ہوں اور اس نور میں میرا پودا لگایا گیا ہے جس نور کا وارث مہدی آخرزمان چاہیے تھا۔ میں وہی مہدی ہوں۔ جس کی نسبت ابن سیرینؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے درجہ پر ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے۔ یہ

خدا تعالیٰ کی عطا کی تقسیم ہے۔ اگر کوئی بخل سے مر بھی جائے تو اس کو کیا پروا ہے اور جو شخص مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے ذکر سے مجھ پر ناراض ہوتا ہے۔ اس کو ذرا خدا سے شرم کر کے اپنے نفس سے ہی سوال کرنا چاہئے کہ کیا یہ عبداللہ صاحب غزنوی اس مہدی و مسیح موعود کے درجہ پر ہوسکتا ہے جس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کہا اور فرمایا کہ خوش قسمت ہے وہ اُمت جو دو[۲] پناہوں کے اندر ہے۔ ایک میں جو خاتم الانبیاء ہوں اور ایک مسیح موعود جو ولایت کے تمام کمالات کو ختم کرتا ہے اور فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو نجات پائیں گے۔

اب فرمایئے کہ جو شخص مسیح موعود سے کنارہ کر کے عبداللہ غزنوی کی وجہ سے اس سے ناراض ہوتا ہے اس کا کیا حال ہے؟ کیا سچ نہیں ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے صلحا اور اولیاء اور ابدال اور قطبوں اور غوثوں میں سے کوئی بھی مسیح موعود کی شان اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ پھر اگر یہ سچ ہے تو آپ کا مسیح موعود کے مقابل پر مولوی عبداللہ غزنوی کا ذکر کرنا اور بار بار یہ شکایت کرنا کہ عبداللہ کے حق میں یہ کہا ہے کس قدر خدائے تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول کریم کی وصیتوں سے لاپرواہی ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ عبداللہ غزنی سے نکالا جائے گا اور پنجاب میں آئے گا۔ اس کو تم مان لینا اور میرا اسلام اس کو پہنچانا یا یہ نصیحت فرمائی تھی کہ غلبہ صلیب کے وقت مسیح موعود ظاہر ہوگا اور وہ نبیوں کی شان لے کر آئے گا اور خدا اسکے ہاتھ پر صلیبی مذہب کو شکست دے گا۔ اس کی نافرمانی نہ کرنا اور اس کو میری طرف سے سلام پہنچانا اور اگر یہ کہو کہ وہ تو آ کر نصاریٰ سے لڑے گا اور ان کی صلیبوں کو توڑے گا اور ان کے خنزیروں کو قتل کرے گا تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ علمائے اسلام کی غلطیاں ہیں بلکہ ضرور تھا کہ مسیح موعود نرمی اور صلح کاری کے ساتھ آتا اور صحیح بخاری میں بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا اور نہ تلوار اُٹھائے گا بلکہ اس کا حربہ آسمانی حربہ ہوگا اور اس کی تلوار دلائل قاطعہ ہوگی۔ سو وہ اپنے وقت پر آ چکا۔ اب کسی فرضی مہدی اور فرضی مسیح موعود کی انتظار کرنا اور خونریزی کے زمانہ کا منتظر رہنا سراسر کوتہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ اور خدا نے میرے ہاتھ پر بہت سے نشان دکھلائے اور وہ ایسے یقینی طور پر ظاہر ہوئے کہ تیرہ سو برس کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اسلامی اولیاء کی کرامات ان کی زندگی سے بہت پیچھے لکھی گئی ہیں اور ان کی

شہرت صرف ان کے چند مریدوں تک محدود تھی لیکن یہ نشان کروڑ ہا انسانوں میں شہرت پا گئے۔ مثلاً دیکھو کہ لیکھرام کی پیشگوئی کو کیوں کر فریقین نے اپنے اشتہارات میں شائع کیا اور قبل اس کے جو وہ پیشگوئی ظہور میں آوے، لاکھوں انسانوں میں اس پیشگوئی کا مضمون شہرت پا گیا اور تین قومیں ہندو، مسلمان، عیسائی اس پر گواہ ہوگئیں پھر اسی کروفر سے وہ پیشگوئی ظہور میں بھی آئی اور اسی طرح لیکھرام قتل کے ذریعہ سے فوت ہوا جیسا کہ پیش از وقت ظاہر کیا گیا تھا۔ کیا ایسی ہیبت ناک پیشگوئی کو پورا کرنا انسان کے اختیار میں ہے؟ کیا اس ملک کی تین قوموں میں اس قدر شہرت پا کر اور ایک کشتی کی طرح لاکھوں انسانوں کے نظارہ کے نیچے آکر اس کا پورا ہو جانا ایسی پیشگوئی کی جو اس شان وشوکت کے ساتھ پوری ہوئی ہو۔ تیرہ سو برس کے زمانہ میں کوئی نظیر بھی ہے؟ اور بعض کا یہ کہنا کہ بعض پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ اس کا جواب بجز اس کے ہم کیا دیں کہ لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكَاذِبِيۡنَ۔ اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایک ذرہ نور انصاف ہوتا تو وہ شبہ کے وقت میرے پاس آتے تو میں ان کو بتلاتا کہ کس خوبی سے تمام پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ ہاں ایک پیشگوئی ہے جس کا ایک حصہ پورا ہوگیا اور ایک حصہ شرط کی وجہ سے باقی ہے جو اپنے وقت پر پورا ہوگا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کی وہ سنتیں اور قانون بھی معلوم نہیں جو پیشگوئیوں کے متعلق ہیں۔ ان کے قول کے مطابق تو یونس نبی بھی جھوٹا تھا جس نے اپنی پیشگوئی کے قطعی طور پر چالیس دن مقرر کئے تھے مگر وہ لوگ تو چالیس برس سے بھی زیادہ زندہ رہے اور چالیس دن میں نینوہ کا ایک تنکا بھی نہ ٹوٹا بلکہ یونس نبی تو کیا تمام نبیوں کی پیشگوئیوں میں یہ نظیریں ملتی ہیں۔

پھر اخیر پر خدا تعالیٰ کی قسم آپ کو دیتا ہوں کہ آپ وہ تمام مخالفانہ پیشگوئیاں جو میری نسبت آپ کے دل میں ہوں لکھ کر چھاپ دیں۔ اب دس دن سے زیادہ میں آپ کو مہلت نہیں دیتا۔ جون مہینے کی ۳۰ تاریخ تک آپ کا اشتہار مخالفانہ پیشگوئیوں کا میرے پاس آجانا چاہئے ورنہ یہی کاغذ چھاپ دیا جائے گا اور پھر آئندہ آپ کو کبھی مخاطب کرنا بھی بے فائدہ ہوگا۔ والسلام ☆

خاکسار

مرزا غلام احمد عفی عنہٗ

۱۶ر جون ۱۸۹۹ء

☆ تشحیذ الاذہان جلد ۹ نمبر ۳ صفحہ ۴۱ تا ۴۶

مولوی سلطان محمود صاحب کے نام

(تعارفی نوٹ)

مولوی سلطان محمود صاحب ایک مشہور سجادہ نشین تھے۔ اس مکتوب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ تجدید کی حقیقت اور اپنے نام مسیح موعود اور مہدی معہود کے راز کو بیان فرمایا ہے۔ اس مکتوب کے آخر میں اپنی مہر بھی لگائی ہے اور مہر کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ایک وحی ہے۔ آپ نے بعض اور مواہیر بھی تیار کی تھیں اور ان میں بھی الہامات ہی درج تھے۔ اپنے نام غلام احمد کی مہر میں نے نہیں دیکھی۔ یہ انگوٹھیاں مختلف اوقات میں تیار ہوئیں۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[1] کی انگوٹھی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم آپ کے والد کی وفات کے بعد تیار ہوئی تھی کیونکہ یہ الہام وفات کے معاً بعد ہوا تھا جو ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ جس کا ظہور آپ کی بعد کی زندگی میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام ضروریات کا خارقِ عادت طور پر تکفّل فرمایا۔ غرض یہ مکتوب پنجاب کے ایک مشہور سجادہ نشین کی طرف ہے اور چونکہ حضرت حکیم الامۃ مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ اس خاندان سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے آپ نے بھی اس پر چند سطریں تحریر کر دیں۔ (عرفانی کبیر)

---

[1] الزُّمر: ۳۷ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۴۸

مکتوب نمبر۲۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وایّد۔

بخدمت اخویم مولوی سلطان محمود صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا میں مامور ہوں کہ ہر ایک رشید اور سعید کو اپنی بات سے اطلاع دوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس صدی چہاردہم کے سر پر اس قسم کی تجدید کے لئے بھیجا ہے کہ تا وہ فتنہ عیسائیت کا جس کے بیرونی حملوں سے اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے اور نیز وہ فتنہ اندرونی جو خود مسلمانوں کی اعتقادی اور عملی اور ایمانی حالت تنزّل میں ہے۔ یہ دونوں فتنے میرے ذریعہ سے فرو کئے جائیں۔ چنانچہ اس حکیم مطلق نے بیرونی اصلاح کے لحاظ سے جو متعلق کسر صلیب ہے، میرا نام مسیح موعود رکھا ہے اور اندرونی فتنہ کے فرو کرنے اور مسلمانوں کو حقیقی ہدایت پر قائم کرنے کے لحاظ سے میرا نام مہدی معہود رکھا ہے۔ کیونکہ صلیبی فتنہ جس کے ہاتھ سے فرو ہو اور بگڑی ہوئی عیسائیت کا زوال ہو۔ وہ وہی مجدّد ہے جس کا نام آسمان پر مسیح ہے۔ اور وہ شخص جو ایسے وقت میں آوے کہ جب اکثر مسلمان مغز اور حقیقت کو کھو بیٹھے ہوں اور وہ اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ تا دوبارہ حقیقی ہدایت اور ایمان کی روح ان کے اندر پھونکے، وہ وہی مجدد ہے جس کا نام مہدی ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث ہے لَا الۡمَھۡدِیُ اِلَّا عیسٰی[1]۔ اور خدا نے چودھویں صدی کو اس لئے خاص کیا۔ کیونکہ کمال نور کا نظارہ صرف چودھویں رات میں ہوتا ہے اور چودھویں رات کے دونوں طرف انحطاط ہے اور جو شخص زمانہ کی حالت موجودہ پر ایک نظر ڈالے گا اور بیرونی حملوں اور اندرونی فسادوں کو دیکھے گا۔ اگر وہ فراست رکھتا ہو تو اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ نہ کسی تکلّف اور بناوٹ سے بلکہ خود زمانہ کی حالت موجودہ نے چاہا ہے کہ اسی صدی کا مجدد مسیح موعود اور مہدی مسعود کے نام سے پکارا جاوے۔ کیونکہ آسمان پر خدمتوں اور کاموں کے لحاظ سے نام رکھا جاتا ہے پھر جس کی خدمت کسر صلیب ہے اس کا نام بجز مسیح موعود کے اور کیا ہو سکتا ہے اور

---

[1] ابن ماجه كتاب الفتن باب شدة الزمان

جو قوم کے مُردہ قالب میں دوبارہ ہدایت اور ایمان اور تقویٰ کی روح ڈالنا چاہتا ہے وہ بجز مہدی کے کس نام سے موسوم ہوسکتا ہے؟ کیا سچ نہیں کہ آسمان پکار رہا ہے اور زمین فریاد کررہی ہے کہ اس صدی کے مجدد کا نام بلحاظ حالت موجودہ اور مفاسد مشہودہ اندرونی اور بیرونی کے مسیح اور مہدی ہونا چاہئے۔ اگر یہ حالت موجودہ خود مجھ کو طبعاً یہ دونوں خطاب عطا نہیں کرتی تو میں جھوٹا ہوں اور اگر کرتی ہے تو ہر ایک متقی، خداترس کے لئے واجب اور لازم ہے کہ میرے انصار میں سے ہو جاوے۔ اسی بنا پر میں آپ پر نیک ظن کر کے یہ خط آپ کی طرف لکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ اس روز سے ڈر کر، جبکہ ایک ذرہ انحراف اور خدا کی راہ میں سستی کرنا انحطاط اعمال کا موجب ہوگا، میری نصرت میں لگ جاویں۔ ہر ایک روح خود پسندی سے خالی ہو کر میری نسبت خدا تعالیٰ سے گواہی طلب کرے گی تو خدا تعالیٰ میری مسیحائی کی اس کو خبر دے گا۔ سوا ے عزیزو! خدا سے خوف کر کے اور اس دن سے ڈر کر جبکہ ہر ایک شخص کو اپنی لاپرواہی کی باز پرس ہوگی۔ میرے معاملہ میں خدا سے روشنی مانگو۔ تا اس جماعت میں شمار نہ کئے جاؤ جنہوں نے خدا کے مسیح کو پا کر سر اُٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ یہ میری طرف سے ایک تبلیغ ہے اور ان تمام لوگوں کا بوجھ آپ کے سر پر ہے جو آپ کے ایک ذرّہ اشارہ سے حق کو قبول کر سکتے ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الراقم المامور من الربّ الغفور

میرزا غلام احمد عفی عنہ ۷؍شعبان ۱۳۱۷ھ (۱۰؍دسمبر ۱۸۹۹ء)

از قادیان

مکرر یہ کہ حضرت احدیت کا محبّ صادق جو اپنے تئیں محجوبانہ حالت میں رکھنا نہیں چاہتا اور نہ کسی حصہ تاریکی کے ساتھ اس دار ناپائیدار سے سفر کرنا چاہتا ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ اپنی معرفت کی منزلوں کو اپنی استعداد کے موافق پورا کرے۔ کیونکہ نشان ظاہر ہوتے ہیں اور حقائق و معارف بیان کئے جاتے ہیں۔ پس مبارک وہ جو اس وقت ٹھوکر نہ کھاوے۔ اس سعادت سے عمداً محروم نہ رہے جس کے آسمان سے دروازے کھولے گئے ہیں۔ فقط۔

اس خط پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الہام الٰہی پر مشتمل مہر اُذْکُرْ نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکَ[۱] غَرَسْتُ لَکَ بِیَدِیْ رَحْمَتِیْ وَ قُدْرَتِیْ۔[۲] لگائی تھی۔

ذیل میں عبارت حضرت مولوی نور الدین صاحب کی ہے جو حضرت صاحب کے حکم سے مراسلہ موصوف کے نیچے لکھی گئی۔ کیونکہ معلوم ہوا تھا کہ صاحب مکتوب الیہ کی مولوی صاحب سے سابقہ معرفت ہے۔ اس لئے حضرت صاحب نے مناسب خیال فرما کر مولوی صاحب کی طرف سے تھوڑا سا مضمون لکھوا دیا اور وہ یہ ہے۔

خاکسار نور الدین بگرامی خدمت قاضی صاحب۔ پس السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

گزارش پرداز سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ[۳] پس بامتثال امر خاتم النبین رسول ربّ العٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام الٰی یوم الدین کے دردِ دل سے عرض ہے کہ جناب امام زمان علیہ الرضوان کے ارشاد کو دنیا کی بے ثباتی پر نظر کر کے غور سے پڑھیں اور بجائے اس کے کہ آپ گزشتہ بزرگان کی قبور پر توجہ کریں، زندہ امام کے انصار اللہ میں اپنے آپ کو منسلک کر دیں۔ سارے کمالات اور الٰہی رضامندی اطاعت میں ہیں۔ اور بس (نور الدین) ☆

☆......☆......☆

۱؎ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۷۵ ۲؎ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۷۲

۳؎ بخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

☆ الحکم ۲۸/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۶، ۷

مکتوب نمبر ۲۷

ایک مشہور درس گاہ کے صاحبزادے کے نام

(معزز ناظرین بدر۔ ایّدکم اللہ تعالیٰ۔ کوئی ساڑھے تین سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ پنجاب کی ایک مشہور درسگاہ کے صاحبزادے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور عریضہ لکھا جس کا مضمون اُس کے جواب سے ظاہر ہے۔ حضرت نے کمال توجہ سے دو۲ ورق اپنے دست مبارک سے نوازش نامہ لکھ کر ارسال فرمایا جو تا حال پبلک پر ظاہر نہ ہوا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کی نقل بہم پہنچائی۔ امید ہے، کئی سعید روحیں اس سے مستفید ہوں گی۔)

آپ کا نیازمند محمد ظہور الدین اکمل آف گولیکے
ضلع گجرات پنجاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجی اخویم حافظ صاحب سلمہ رَبَّہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط پہنچا۔ واضح ہو کہ اکثر لوگ دعا کے اصول سے بے خبر ہیں اس لئے اپنے مقاصد سے محروم رہتے ہیں۔ دعا میں یہ شرط ہے کہ اس شخص سے جس سے دعا کروانا چاہتا ہے اور جو درحقیقت میں مقبول درگاہِ الٰہی ہے، پورا پورا تعلق ارادت اور محبت کا پیدا کرے اور اس پر ثابت کرے کہ وہ ایسا ہی ہے تا دعا کرنے والے کی توجہ کامل طور پر اس کی طرف ہو جائے کیونکہ جو لوگ خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں وہ زبانی باتوں سے متوجہ نہیں ہو سکتے جب تک سچی ارادت مشہود نہ کریں اور کسی کو وفادار نہ پائیں۔ پھر دوسری دعا کے لئے شرط یہ ہے کہ ایسے شخص سے جو بطور شفیع درمیان ہو کر دعا کرتا ہے ہرگز ہرگز اس سے جلدی نہ کی جاوے گو سات سال ہی گذر جائیں جو دنیا کی عمر کا ایک عدد ہے۔ ایسے لوگ، بہت امید سے کہا جاتا ہے کہ آخر اپنے مطلب کو پاتے ہیں مگر جلدی کرنے والے اپنے مطلب کو نہیں پاتے۔

دوسرے یہ کہ چونکہ آسمان سے ایک انقلاب کا ارادہ ہو رہا ہے کہ تا غلط کار اور بدعتی مسلمانوں کو کم کرے اور سچے مسلمان جو کتاب اللہ کے موافق چلتے ہیں ان کو زیادہ کرے تو پھر آپ دنیا کے اسباب سے ڈر کر کیوں اس سلسلہ سے دور رہتے ہیں؟ کیا بجز خدا تعالیٰ کے کوئی اور بھی قادر ہے جس سے ڈرنا چاہئے؟ یقین ہے کہ اگر آپ سچے دل سے، پورے جوش سے، پورے صدق سے، پوری وفا سے اس سلسلہ میں داخل ہوں تو کچھ مدت کے بعد خدا تعالیٰ آپ کیلئے کچھ بندوبست کر دے گا کیونکہ زمین و آسمان دونوں اس کے اختیار میں ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھلے کھلے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا اور اپنے مال و دولت اور اقارب کی کچھ بھی پرواہ نہ کی آخر تیس برس کے بعد خدا نے ان کو بادشاہ کر دیا۔ جو شخص مرد بن کر خدا کی طرف آتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے گو کچھ دیر کے بعد ہی ہو۔ اور جو شخص مخلوق سے ڈرتا ہے اس کی عزت جنابِ الٰہی میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ شرک پر ہے مخلوق کو خدا کا شریک سمجھتا ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ ناقص الدین رہتا ہے۔ مداہنہ سے زندگی بسر کرتا ہے۔ صحبت میں نہیں رہ سکتا۔ ڈرتا ہے کہ کسی کو اطلاع نہ ہو۔ دیکھو طاعون کے دن ہیں۔ غضب الٰہی مشتعل ہے۔ اوّل حق کو خوب تحقیق کر لو اور پھر اپنی سب عزت اس پر قربان کر دو اور اس کے لئے دکھ اٹھاؤ، گالیاں سنو تا آسمان پر تمہاری عزت ہو اور عقدہ سربستہ کھل جائے۔☆

والسلام

۱۷؍جون ۱۹۰۲ء غلام احمد

☆......☆......☆

☆ اخبار بدر ۱۹؍اپریل ۱۹۰۶ء

منشی عبدالقادر بیدؔل کے نام

شکار پور (سندھ) سے ایک شخص مسمی عبدالقادر بیدؔل نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک خط مشتمل بر چند سوالات لکھا تھا۔ یہ اوائل جون ۱۹۰۵ء کی بات ہے حضور نے اس کا جواب لکھنا شروع فرمایا اور ایک حصہ اس کا بغرض اشاعت عطا فرمایا جو بدر ۲۲؍جون ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ لیکن مضمون چونکہ وسعت چاہتا تھا اس لئے حضور کا خیال تھا کہ مفصل کتاب میں لکھ دیا جائے۔ اگرچہ ان کے سوالات کا جواب تو آ گیا تھا مگر حضور مزید وضاحت کرنا چاہتے تھے اور من بعد مختلف کتابوں میں اس کی صراحت ہوئی اس لئے جس قدر حصہ منشی عبدالقادر صاحب بیدؔل کو بھیج دیا گیا تھا اور شائع بھی ہو گیا تھا اسے یہاں درج کر دیا جاتا ہے۔ (عرفانی کبیر)

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۲۸

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مجھ کو ملا سوالات کے جواب حسب ذیل ہیں۔

(نمبر۱) جو شخص سچی ارادت سے مریدوں میں داخل ہوگا اور سچا مسلمان بن جائے گا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس سے بہتری کرے گا۔

(نمبر۲) اگر کوئی معجزہ دیکھنے پر بیعت کے لئے تیار ہے تو اس وقت تک دس ہزار کے قریب اللہ تعالیٰ معجزات دکھا چکا ہے جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں اور اپنی مرضی سے ہمیشہ دکھاتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ گزشتہ معجزات میرے لئے کافی نہیں اور میں اپنے اقتراح سے معجزہ چاہتا ہوں تو ایسا آدمی شریر اور بدنصیب ہے۔ خدا تعالیٰ کو نہ اس کی پرواہ ہے نہ اس کی بیعت کی۔

(نمبر۳) کرشن ہونے کا دعویٰ خدا تعالیٰ کی وحی سے ہے ہر ایک ملک میں نبی ہوتے رہے ہیں پس یہ شرارت ہے کہ بغیر علم یقینی کے کرشن کو بُرا کہا جاوے۔ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ [۱]

(نمبر۴) میں نے ثناء اللہ کو ہرگز نہیں کہا کہ میرے مکان پر نہ آؤ۔ لَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ۔ بلکہ خود اُن آریہ سماج والوں کے مکان پر اترا جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدہا گالیاں نکالتے تھے۔ جن کے گندے رسالے اب تک موجود ہیں۔ ایک غیرت مند مومن کا کام نہیں کہ ایسے پلید گروہ دشمن اسلام کے گھر میں اُترے۔ نہ میرے پاس وہ آیا نہ آنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اس کو کب کہا تھا کہ تم چوروں کی طرح میرے پاس آؤ۔ وہ ہرگز میرے پاس نہیں آیا۔ ہاں قادیان میں آریہ سماج والوں کے پاس آیا اور اس کی اس حرکت سے قادیان کے مسلمان بھی حیران تھے کہ مولوی کہلا کر دشمنانِ اسلام کے پاس اُترا جن کا طریق توہینِ اسلام ہے۔ کوئی غیرت مند مسلمان ہرگز قبول نہیں کرسکتا کہ ایسے مکان پر کسی کے

[۱] فاطر: ۲۵

ملنے کے لئے جائے جہاں حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور دن رات توہین اسلام ان کا کام ہے۔ وہ میرے دروازہ پر نہیں آیا تا میں اس کی خاطر داری کرتا بلکہ دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ نبی کریمؐ کے دروازہ پر گیا اور اگر وہ اب اس واقعہ سے انکاری ہے تو میں بجز اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ **لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ**۔

قولہ: آپ نے پیشگوئی کی تھی کہ طاعون کا قادیان پر اثر نہ ہوگا اور میرے مریدوں سے کوئی اس مرض مہلک میں گرفتار نہ ہوگا اور اس کے برعکس ہوا۔

الجواب: میں نے کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کی کہ قادیان میں طاعون سے کوئی نہیں مرے گا۔ بلکہ قادیان کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ **لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْمُقَامُ**[1] یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں تیری عزت کا پاس نہ کرتا تو قادیان کے تمام لوگوں کو ہلاک کر دیتا کیونکہ اس گاؤں میں اکثر شریر اور خبیث ناپاک طبع ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ **اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ**[2] یعنی میں قادیان میں طاعون بھیجوں گا اور میں ان سب لوگوں کو بچالوں گا جو تمہارے گھر کی چار دیوار کے اندر ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قادیان کی نسبت عام طور پر بچانے کا وعدہ تھا تو پھر اس وحی الٰہی کے کیا معنی ہوئے کہ میں اس گھر کے رہنے والوں کو بچالوں گا۔ اب میں یہ بھی بتلاتا ہوں کہ شریر اور مفسد طبع لوگوں نے کہاں سے ایک جھوٹی بات بنالی۔ پس اس کی جڑ یہ ہے کہ ایک یہ وحی الٰہی تھی **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ**[3] یعنی خدا تعالیٰ اس بیماری کو اس ملک کے رہنے والوں سے دور نہیں کرے گا جب تک وہ ان خیالات کو دور نہ کریں جو اُن کے دل میں ہیں اور وہ اس گاؤں کو یعنی قادیان کو بالکل تباہ ہونے سے بچالے گا یعنی قادیان کی ایسی حالت نہ ہوگی کہ بالکل نابود ہو جائے جیسا کہ اس نواح میں کتنے دیہات نابود ہو گئے اور ان کا نام ونشان نہ رہا۔ یاد رہے کہ اٰوٰی کا لفظ جو اس وحی الٰہی میں ہے یعنی یہ فقرہ کہ **اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ**۔ اس لفظ کے عربی میں یہ معنی ہیں کہ ایک حد تک مصیبت دکھلا کر پھر اپنی پناہ میں لے لینا اور بکلّی برباد نہ کرنا یہ محاورہ

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۴۴　[2] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۴۸

[3] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۲۶۱

قرآن شریف اور تمام عرب کی زبان میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی [۱] یعنی کیا خدا نے تجھ کو یتیم پا کر پھر پناہ نہ دی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوّل آپ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم کیا اور یتیمی کے تمام مصائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد کئے اور پھر بعد مصائب کے پناہ دی۔ پس اٰوٰی کے لفظ میں شرط ہے کہ جس کو پناہ دی جائے، وہ اوّل کچھ مصیبتیں اُٹھا چکا ہو۔ یہی فقرہ وحی الٰہی کا ہے جس کے معنی مفسد طبع لوگوں نے اپنی قدیم عادت کے موافق یہ بنائے کہ گویا خدا نے یہ فرمایا تھا کہ قادیان میں طاعون سے کوئی نہیں مرے گا۔ اب اس جگہ بھی بجز اس کے ہم کیا کہیں کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ اور یاد رہے کہ پیسہ اخبار والے کو تو حق سے قدیم بغض ہے اور خلافِ واقعہ لکھنا اور اپنی طرف سے بات بنانا اس کی عادت ہے☆ اور میں اس بارے میں مدت ہوئی چند کتابیں شائع کر چکا ہوں اور عام طور پر بتلا چکا ہوں کہ ایسی کوئی مجھے وحی نہیں ہوئی جس کے یہ معنی ہوں کہ قادیان میں طاعون ہرگز نہیں پڑے گی۔ اب اگر آپ کا دعویٰ ہو کہ ضرور میں نے ایسی کوئی پیشگوئی شائع کی تھی تو اس کو پیش کرنا چاہیے۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ایسی کوئی وحی شائع نہیں کی جس کے یہ معنی ہوں کہ قادیان میں طاعون نہیں پڑے گی۔ اب اگر کوئی کہے کہ شائع کی تھی تو بجز اس کے کیا جواب دوں کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ پھر یہ دوسرا اعتراض کہ مریدوں کے لئے یہ وحی شائع کی تھی کہ ان میں سے کوئی نہیں مرے گا۔ یہ بھی سراسر

---

[۱] الضُّحٰی: ۷

☆ پیسہ اخبار کا خلافِ واقعہ لکھنے کا یہ نمونہ کافی ہے کہ قادیان میں بعض اموات جو اَور اور بیماریوں سے ہوئی تھیں۔ اس نے طاعون میں داخل کر دیں۔ اور ایک شخص دیوانہ کتّے کے کاٹنے سے مرا تھا وہ بھی طاعونی موت قرار دی اور اس طرح پر طاعون کی وارداتیں زیادہ دکھلائیں۔ ورنہ اِردگرد کے دیہات کی نسبت اس قدر قادیان میں طاعون کم رہی ہے کہ گویا نہیں ہوئی اور قادیان میں قدیم سے آبادی تین ہزار سے زیادہ نہیں بلکہ کم ہے۔ یہ کس دروغ گو کے منہ سے نکلا کہ اب صرف تین سَو باقی ہیں۔ پیسہ اخبار کی بار بار کی خلاف بیانی اور عوام کو دھوکہ دینے کی نسبت بجز اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین۔ اس نے یہ بھی خلافِ واقعہ لکھا کہ فلاں فلاں آدمی طاعون سے مر گئے ہیں حالانکہ نہ ان کو طاعون ہوئی اور نہ وہ مرے۔ بلکہ اب تک زندہ موجود ہیں۔ منہ

جھوٹ اور افترا ہے۔صرف یہ وحی الٰہی شائع کی تھی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ[1] یعنی جو لوگ ایمان لائے اور کسی قسم کا ظلم اور قصور ان کے ایمان میں نہ تھا وہ امن میں رہیں گے۔ پس میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ایک بھی ایسے مریدوں میں سے طاعون سے نہیں مرا۔ باقی وہ لوگ جو کچھ کچھ دنیا داری کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان کا میرے ساتھ وہ پاک تعلق نہیں جو ظلم اور قصور سے ان کو مبرا کرے۔ یہ پیشگوئی اُن کی ذمہ دار نہیں۔ ابھی بہت تھوڑے ہیں جو اس پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو شخص مجھ سے سچی محبت رکھتا ہے اور میں بھی اس سے محبت رکھتا ہوں اور نفسانی اغراض سے پاک ہے اور وفا اور صدق کامل طور پر رکھتا ہے اور ٹھوکر کھانے والا مادہ اپنے اندر نہیں رکھتا اور متقی ہے اور کسی ابتلا کے وقت مرتد ہونے کے لئے تیار نہیں اور میری عظمت اور مرتبہ کو سمجھتا ہے اور کوئی شک و شُبہ اپنے اندر نہیں رکھتا اور نہ کسی ابتلا کے وقت شُبہ پیدا ہونے کا خانہ اس کے دل میں موجود ہے۔ وہ ضرور طاعون سے بچایا جائے گا کیونکہ ایک قسم کا مجھ سے اتحاد رکھتا ہے۔ مگر بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہم مرید ہیں مگر وہ مرید نہیں۔ وہ پورے زور سے تقویٰ کی راہوں پر قدم نہیں مارتے اور دنیا کے گند اُن کے اندر ہیں اور پورے صدق سے مجھ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ایک ادنیٰ ابتلا کے وقت میں دیکھتا ہوں کہ وہ گرے، وہ گرے۔ پس درحقیقت ان کو مجھ سے تعلق نہیں اور نہ مجھے اُن سے تعلق۔ اور اگر وہ قیامت کو بھی میرے پاس آویں تو مجھے کہنا پڑے گا کہ مجھ سے دور رہو کہ میں تمہیں شناخت نہیں کرتا۔ ہاں ایسے بھی ہیں کہ گو طاعون سے بوجہ عدم کمال تام کے فوت ہو جائیں یعنی ان میں شرائط متذکرہ بالا پورے طور متحقق نہ ہوں مگر شہیدوں میں لکھے جائیں گے اور طاعون اُن کے بہشت کا ذریعہ ہو جائے گا کیونکہ ایک حصہ صدق کا ان میں ہے جو کامل نہیں۔

اعتراض پنجم ۵: مسماۃ محمدی کو دوسرا شخص نکاح کر کے لے گیا اور وہ دوسری جگہ بیاہی گئی۔

الجواب: وحی الٰہی میں یہ نہیں تھا کہ وہ دوسری جگہ نہیں بیاہی جائے گی بلکہ یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اوّل دوسری جگہ بیاہی جائے۔ سو یہ ایک پیش گوئی کا حصہ تھا کہ دوسری جگہ بیاہی جانے

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۴

سے پورا ہوا۔ الہام الٰہی کے یہ لفظ ہیں۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ[1] یعنی خدا تیرے ان مخالفوں کا مقابلہ کرے گا اور وہ جو دوسری جگہ بیاہی جائے گی۔ خدا پھر اس کو تیری طرف لائے گا۔ جاننا چاہئے کہ ردّ کے معنی عربی زبان میں یہ ہیں کہ ایک چیز ایک جگہ ہے اور وہاں سے چلی جاوے اور پھر واپس لائی جاوے۔ پس چونکہ محمدی ہمارے اقارب میں سے بلکہ قریب خاندان میں سے تھی یعنی میری چچا زاد ہمشیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری طرف قریب رشتہ میں ماموں زاد بھائی کی لڑکی تھی یعنی احمد بیگ کی۔ پس اس صورت میں ردّ کے معنی اُس پر مطابق آئے کہ پہلے وہ ہمارے پاس تھی اور پھر وہ چلی گئی اور قصبہ پٹی میں بیاہی گئی اور وعدہ یہ ہے کہ پھر وہ نکاح کے تعلق سے واپس آئے گی۔ سو ایسا ہی ہوگا مگر چونکہ آتھم کی پیشگوئی کی طرح یہ بھی شرطی پیشگوئی ہے۔ اس لئے کسی میعاد سے اس کو تعلق نہیں اور اس کے ظہور کا منتظر رہنا چاہیے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ردّ کے یہ معنی نہیں تو بجز اس کے کیا کہیں کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ بے شک یہ سچ ہے کہ میعاد اس شرطی پیشگوئی کی گذر گئی۔ مگر شرطی پیشگوئی میعاد کے گذرنے سے باطل نہیں ہوتی۔ بلکہ وعید کی پیشگوئیاں جو کسی کے عذاب کے متعلق ہوں باوجود نہ ہونے کسی شرط کے اصل میعاد سے متاخر ہوسکتی ہیں جیسا کہ یونس نبی کی پیشگوئی متاخر ہوگئی۔ اس میں راز یہ ہے کہ خدائے کریم کا تمام نبیوں کی زبانی وعدہ ہے کہ جس بلا کا اس نے ارادہ کسی کی نسبت کیا ہے خواہ پیشگوئی کے پیرایہ میں خواہ کسی اور طرح۔ وہ اس بلا کو توبہ اور صدقہ اور خیرات کی وجہ سے ٹال سکتا ہے یا اس میں تاخیر ڈال سکتا ہے۔ اس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے اور منکر اس کا کافر ہے۔ پس یہ اعتراض اعتراض نہیں ہے بلکہ جہالت ہے خصوصاً جس حالت میں پیشگوئی کی ایک شاخ پوری ہوچکی ہے۔ یعنی محمدی کا باپ جس کی موت اس پیشگوئی میں داخل تھی۔ میعاد کے اندر مر چکا۔ پس یہ تو محل تصدیق ہے نہ جائے اعتراض۔ اور دوسرے شخص کی موت میں تاخیر اسی وجہ سے ہوئی کہ اسی پیشگوئی سے ایک بڑی موت فریق ثانی کے بزرگ کی یعنی احمد بیگ کی میعاد مقررہ کے اندر وقوع میں آ گئی۔ اور اُس نے ان کے دلوں میں سخت خوف ڈال دیا کیونکہ جب کہ دو شخص پیشگوئی کی زد میں تھے اور ایک اُن میں سے میعاد کے اندر

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۲۶

مر گیا۔تو یہ بات ایک طبعی امر تھا کہ دوسرے شخص اور اس کے اقارب کو خوف دامن گیر ہو جاتا۔ پس وہی خوف قرآن شریف کے وعدہ کے مطابق تاخیر بلا کا موجب ہوا۔ اور جیسا کہ وعید کی پیشگوئیوں میں ہے کسی حد تک تاخیر ہوگئی کیونکہ خوف کے وقت خدا تعالیٰ بلا کو، جس کا ارادہ کیا گیا ہے، ٹال دیتا ہے یا تاخیر میں ڈال دیتا ہے۔

نمبر۶: آپ نے فرمایا تھا کہ وہ ملعون مردار ہو کر مر جائے گا یا وہ جگہ آپ کے ہاتھ آئے گی مگر اب تک کوئی بات ظہور میں نہ آئی۔

الجواب: میں اس اعتراض کو سمجھا نہیں۔ آپ اس ملعون کا نام لیں مجھے بالکل معلوم نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ جگہ کونسی ہے اور وہ ہندو کون اور الہام کون ہے۔ اس کی تشریح آپ کے ذمہ ہے۔ مکرراً اس قدر لکھنے کی ضرورت ہوئی کہ میں نے پیسہ اخبار والے کو ناحق طور پر سرزنش نہیں کی۔ بلکہ اس نے قادیان کی نسبت ایک لمبی فہرست دی تھی کہ اتنے آدمی طاعون سے فوت ہو گئے ہیں حالانکہ اس فہرست میں بہت سی خلافِ واقعہ اموات درج تھیں۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ کسی دوسرے وقت میں کچھ وارداتیں طاعون کی قادیان میں بھی ہوئیں تھیں مگر نہ اس قدر جس پر پیسہ اخبار نے شور مچایا تھا اور ضرور تھا کہ کسی قدر قادیان میں طاعون کی وارداتیں ہوتیں تا پیشگوئی پوری ہوتی۔ یہ آپ نے کس کے منہ سے سن لیا کہ کوئی الہام میں نے ایسا شائع کیا تھا کہ قادیان میں کوئی واردات طاعون نہیں ہوگی۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ قادیان کی نسبت شکار پور دارالامان ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر ہنسی اور گستاخی ہے۔ معلوم نہیں کہ آئندہ شکار پور کی نسبت کیا قہر الٰہی مخفی ہے کہ یہ گستاخی کے کلمات آپ کے منہ سے نکل گئے۔ اور یہ آپ کا کہنا کہ اب قادیان میں صرف تین سَو آدمی کی آبادی باقی ہے۔ یہ آپ کو کس نے سنایا۔ **لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ** ۔قادیان کی آبادی قدیم سے تین ہزار سے کچھ تھوڑی ہے۔ اور اب بھی اسی قدر ہے کوئی اس قصبہ کے اندر داخل ہو کر نہیں خیال کر سکتا کہ ایک بھی مرا ہے۔☆

الراقم

مورخہ ۲۰؍جون ۱۹۰۵ء

خاکسار میرزا غلام احمد

☆ اخبار البدر ۲۲؍جون ۱۹۰۵ء

قاضی نذر حسین صاحب ایڈیٹر قلقل کے نام

(تعارفی نوٹ)

قاضی نذر حسین صاحب نے بجنور سے ایک اخبار قلقل نام شائع کیا تھا۔ یہ ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے اس زمانہ میں علی العموم اخبار نویس، الا ماشاء اللہ اپنے کاروبار کی گرم بازاری کے لئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف مضامین لکھنا بھی ضروری سمجھتے تھے اور بعض تو اسی مقصد کیلئے مخصوص اور وقف تھے۔ یو۔ پی میں بجنور سے کئی اخبارات وقتاً فوقتاً نکلتے رہے لیکن آخر وہ اپنے اَجَلِ مُسَمّٰی پر ختم ہو گئے۔ قاضی صاحب نے بھی اپنے اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں سلسلہ کی سچائی پر حملہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نے اپنا پرچہ خاص طور پر روانہ کیا۔ اس لئے حضرت اقدس نے خود اس کا جواب لکھا اور شائع بھی کر دیا۔ اس مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور نے اپنی صداقت کا ایک معیار دنیا کے سامنے پیش کیا کہ **''میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلا دوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علّتِ غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔** پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے۔ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی؟ آج دنیا دیکھتی ہے اور جانتی ہے کہ آپ نے جو دعویٰ کیا تھا وہ کس قوت اور وضاحت سے پورا ہوا ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان سے نکل کر پنجاب اور پنجاب سے نکل کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلا اور اب ہندوستان سے نکل کر روئے زمین میں پھیل گیا اور دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند ہو رہا ہے اور عیسائیت کی شکست کو خود عیسائی قوم نے اپنے عمل اور اپنے قلم سے تسلیم کر لیا ہے۔ جس مقصد کیلئے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پوری قوت اور شان سے پورا ہوا اور ہر

نیا دن اس کی ترقی کی شعاعیں لے کر آتا ہے۔ وہ جو مخالفت کیلئے کھڑے ہوئے تھے وہ اوران کے اسباب ختم ہو گئے اور کوئی ان کا نام لیوا موجود نہیں اور اگر کوئی باقی ہے وہ اپنے انجام سے اس صداقت پر مہر کریں گے۔

قاضی صاحب اور ان کے اخبار قلقل کو کوئی نہیں جانتا۔ لیکن حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی اور جسمانی نسل تا دیر مبارک ہے اور دنیا کے ہر حصہ میں، دن رات کے ہر لحظہ میں آپ پر سلام بھیجا جارہا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

☆……☆……☆

۞ مکتوب نمبر ۲۹

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک تازہ خط بنام قاضی نذر حسین صاحب ایڈیٹر اخبار قلقل (بجنور۔روھیل کھنڈ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

محبی ایڈیٹر صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے پرچہ اخبار قلقل میں میرے دعوے کی نسبت جو مضمون شائع ہوا ہے، میں افسوس کرتا ہوں کہ اس کے جواب میں مجھے مفصل تحریر کی فرصت نہیں ہے۔ میں چند ماہ سے بیمار رہوں اور ابھی بہت کمزور ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میرا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا ہے۔ میں اپنی کتابوں میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُنیس سَو برس سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں اور کسی زمانہ میں واپس آ کر دنیا کی عدالت کریں گے بلکہ قرآن شریف تصریح سے فرماتا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ سے ظاہر ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا قول ہے اور اس کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا رویت موجود ہے کیونکہ آں جناب نے حضرت عیسیٰ کو معراج کی رات میں ان انبیاء میں دیکھا ہے جو اُن سے پہلے وفات پا چکے تھے اور پھر قرآن شریف میں سورہ نور میں فرماتا ہے کہ کل خلیفے اس اُمت کے اسی اُمت میں پیدا ہونگے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتے اور وہ زندہ نہیں ہیں بلکہ مَر گئے ہیں اور ان کی آمد ثانی کا خیال سراسر باطل اور طمع خام ہے اور میری طرف سے یہ صرف دعویٰ نہیں بلکہ صدہا نشانوں سے جو خدا کی طرف سے ظہور میں آ چکے ہیں میری سچائی ثابت ہے۔ اگر میں خدا کی گواہی کے بغیر دعویٰ کرتا ہوں تو جھوٹا ہوں اور اگر خدا کے کلام سے حضرت عیسیٰ کا زندہ ہونا ثابت ہے تو میں جھوٹا ہوں اور اگر میں ضرورت کے وقت نہیں آیا تو میں جھوٹا ہوں۔ لیکن یہ سب میری سچائی کی علامتیں ثابت ہو چکی ہیں۔ اسلام ایک نہایت تنزّل کی حالت میں ہے۔ کیا باعتبار ظاہر اور کیا باعتبار باطن۔ اور

خدا نہیں چاہتا کہ اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے۔ اس لئے اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوبارہ اسلام میں زندگی کی روح پھونکے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اُن کی سچائی پر صدہا علامتیں ہوتی ہیں۔ ان کی تعلیم ایک کامل بصیرت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ اپنی طاقت عملی کی وجہ سے لوگوں کے لئے ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان میں ایک خارق عادت کشش پائی جاتی ہے اس لئے ان کی قوت جاذبہ ہزارہا سعیدوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور ان کے لئے خدا تعالیٰ آسمانی نشانوں کو ظاہر کرتا ہے تا ان کی سچائی پر گواہ ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے مبعوث ہونے کی علّت غائی کو پا لیتے ہیں اور نہیں مرتے جب تک ان کی بعثت کی غرض ظہور میں نہ آ جائے۔ پس اگرچہ پہلی چار علامتیں میرے دعوے کے متعلق ثابت ہو چکی ہیں۔ لہٰذا میری تعلیم علی وجہ البصیرت ہے اور اسلام کا پاک اور خوبصورت چہرہ ظاہر کرتی ہے اور میری طاقت عملی میری استقامت سے ظاہر ہے کہ میں پچیس برس سے لعن طعن مخالفوں کا نشانہ ہو رہا ہوں۔ میرے پر خون کے مقدمات بنائے گئے اور گورنمنٹ کو اُکسایا گیا اور کفر کا فتویٰ دیا گیا اور مجھے سخت ڈرایا گیا۔ پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے میری استقامت کو بحال رکھا۔ کیا وہ خدا کے ساتھ پاک تعلق نہ تھا؟ اور جو مجھ میں قوتِ کشش وغیرہ بھیجی ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب میں نے خدا کی طرف دعوت شروع کی تو میں اکیلا تھا اور اب تین لاکھ سے زیادہ میرے ساتھ جماعت ہے اور جو میرے لئے نشان ظاہر ہوئے وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اور کوئی مہینہ بغیر نشانوں کے نہیں گزرتا مگر باوجود ان تمام علامتوں کے طالبِ حق کے لئے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہ ہی ہے کہ **میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علّتِ غائی ظہور میں نہ آوے تو میں جھوٹا ہوں** پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے۔ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی۔ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود و مہدی معہود کو کرنا چاہیے تھا تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مَر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔☆

والسلام
فقط غلام احمد

☆ الحکم ۲۴؍ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۹

میر عباس علی صاحب لدھیانوی

کے

نام خطوط

سابقہ جلد اوّل

مرتبہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

صفحہ ۴۹۹ تا ۶۴۳

فہرست مکتوبات

میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۱	۵۰۷	۲۸ اکتوبر ۱۸۸۲ء
۲	۵۰۸	۸ نومبر ۱۸۸۲ء
۳	۵۱۰	بلاتاریخ
۴	۵۱۰	۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء
۵	۵۱۲	۹ فروری ۱۸۸۳ء
۶	۵۱۴	۱۷ فروری ۱۸۸۳ء
۷	۵۱۵	۳ مارچ ۱۸۸۳ء
۸	۵۱۷	۱۸ مارچ ۱۸۸۳ء
۹	۵۱۹	۲۵ مارچ ۱۸۸۳ء
۱۰	۵۲۲	۱۵ اپریل ۱۸۸۳ء
۱۱	۵۲۴	بلاتاریخ
۱۲	۵۲۵	بلاتاریخ
۱۳	۵۲۶	۲۶ اپریل ۱۸۸۳ء
۱۴	۵۲۷	بلاتاریخ
۱۵	۵۲۷	بلاتاریخ

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۱۶	۵۲۹	۲۱ مئی ۱۸۸۳ء
۱۷	۵۳۱	۲ جون ۱۸۸۳ء
۱۸	۵۳۳	۱۲ جون ۱۸۸۳ء
۱۹	۵۳۶	۱۵ جون ۱۸۸۳ء
۲۰	۵۳۷	۲۱ جون ۱۸۸۳ء
۲۱	۵۳۹	۱۱ جولائی ۱۸۸۳ء
۲۲	۵۴۶	۲۵ جولائی ۱۸۸۳ء
۲۳	۵۴۸	یکم اگست ۱۸۸۳ء
۲۴	۵۵۰	۱۹ اگست ۱۸۸۳ء
۲۵	۵۵۵	۳۰ اگست ۱۸۸۳ء
۲۶	۵۵۹	۶ ستمبر ۱۸۸۳ء
۲۷	۵۶۲	۱۳ ستمبر ۱۸۸۳ء
۲۸	۵۶۷	بلاتاریخ
۲۹	۵۷۱	۲۲ ستمبر ۱۸۸۳ء
۳۰	۵۷۴	۴ اکتوبر ۱۸۸۳ء
۳۱	۵۷۶	۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء
۳۲	۵۷۷	۲۴ اکتوبر ۱۸۸۳ء
۳۳	۵۷۹	۲۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء
۳۴	۵۸۱	۹ نومبر ۱۸۸۳ء

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۳۵	۵۸۲	۲۰ نومبر ۱۸۸۳ء
۳۶	۵۸۳	۱۲ دسمبر ۱۸۸۳ء
۳۷	۵۸۴	۱۹ دسمبر ۱۸۸۳ء
۳۸	۵۸۵	یکم جنوری ۱۸۸۴ء
۳۹	۵۸۶	۷ جنوری ۱۸۸۴ء
۴۰	۵۸۸	۱۸ جنوری ۱۸۸۴ء
۴۱	۵۹۰	۱۳ فروری ۱۸۸۴ء
۴۲	۵۹۷	۱۵ فروری ۱۸۸۴ء
۴۳	۵۹۸	۱۶ فروری ۱۸۸۴ء
۴۴	۵۹۹	۲۱ فروری ۱۸۸۴ء
۴۵	۶۰۰	۲۸ فروری ۱۸۸۴ء
۴۶	۶۰۲	۱۱ مارچ ۱۸۸۴ء
۴۷	۶۰۳	۲۶ مئی ۱۸۸۴ء
۴۸	۶۰۵	۸ اکتوبر ۱۸۸۴ء
۴۹	۶۰۵	۲ مارچ ۱۸۸۵ء
۵۰	۶۰۶	بلاتاریخ
۵۱	۶۰۷	۶ اپریل ۱۸۸۵ء
۵۲	۶۰۸	۱۹ اپریل ۱۸۸۵ء
۵۳	۶۰۸	۳۰ مئی ۱۸۸۵ء
۵۴	۶۱۱	۴ جون ۱۸۸۵ء

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۵۵	۶۱۲	۹ جون ۱۸۸۵ء
۵۶	۶۱۳	۲۲ جون ۱۸۸۵ء
۵۷	۶۲۷	۲۴ جون ۱۸۸۵ء
۵۸	۶۲۸	۵ اپریل ۱۸۸۶ء
۵۹	۶۲۹	۳ مئی ۱۸۸۶ء
۶۰	۶۳۱	۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء
۶۱	۶۳۹	۷ مئی ۱۸۹۲ء
۶۲	۶۴۱	۹ مئی ۱۸۹۲ء

☆......☆......☆

عرض حال

جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے محض فضل سے اس چشمہ ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور میرے ہاتھ میں قلم اور سلسلہ کی قلمی خدمت کیلئے ایک جوش دیا ہے اسی وقت سے مجھے یہ دھن اور آرزو رہی ہے کہ میں اپنے سید و مولیٰ امام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تحریروں اور نوشتوں کو جمع کر کے شائع کروں جو ایسے وقت اور حال کی ہیں، جب دنیا میں ایک گمنام انسان کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور میری غرض ایسی تحریروں کے جمع کرنے سے یہ تھی اور ہے کہ اس طرح پر آپ کی سوانح کے لئے ایک مواد جمع ہو جاوے۔ چنانچہ اس جوش اور شوق کا نتیجہ تھا کہ میں نے ۱۸۹۹ء میں ''پرانی تحریریں'' کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں ۱۸۷۸ء کے وہ مضامین تھے جو آپ نے برادر ہند، آفتاب پنجاب وغیرہ اخبارات میں شائع فرمائے تھے۔ اس کے بعد میں اس سلسلہ میں ایک مبسوط مجموعہ آپ کے مکتوبات کا شائع کرتا ہوں اور یہ پہلی جلد ہے مکتوبات کی ترتیب میں مجھے بہت عرصہ تک غور کرنا پڑا کبھی بلحاظ سنین کے ترتیب کرتا اور کبھی بلحاظ مضامین۔ آخر بڑے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسم وار ہو جاوے تو اچھا ہے اور جہاں مکتوبات ایک شخص کے نام بہت ہی کم ہونگے وہاں ایک جلد متفرق مکتوبات کی مرتب کی جاوے۔ بہر حال اس سلسلہ میں سب سے پہلی جلد میر عباس علی شاہ کے نام شائع کرتا ہوں۔ ان مکتوبات میں حضرت حجۃ اللہ کے عجیب و غریب مسائل تصوف کی فلاسفی اور اسرار ناظرین پائیں گے اور معرفت حقیقی کا ایک مصفّا چشمہ انہیں ملے گا اور بہت سی پیشگوئیاں انہیں نظر آئیں گی۔ میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے توفیق دی کہ اپنے محبوب سید و آقا کے مکتوبات اس کے محبوب دوستوں تک پہنچانے کا فخر حاصل کروں اس کے بعد دوسری جگہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کے نام کے مکتوبات کی ہوگی۔ خدا ہی کے فضل سے امید ہے کہ وہ توفیق دے گا اور اسی کی توفیق پر سب انحصار ہے۔ مکتوبات حضرت حکیم الامۃ کے نام کے میرے پاس موجود ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین اسی مجموعہ کو ذکرِ حبیب سمجھ کر اس کی قدر کریں گے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

احقر الناس یعقوب علی تراب احمدی

ایڈیٹر الحکم قادیان

دفتر الحکم قادیان دارالامان

۲۴؍دسمبر ۱۹۰۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ

مکتوب نمبرا

مکرمی مخدومی میر عباس علی صاحب زَادَ عِنَایَتُہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچ کر باعث خوشی ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْراً ۔ آپ اللہ اور رسول کی محبت میں جس قدر کوشش کریں وہ جوش خود آپ کی ذات میں پایا جاتا ہے۔ حاجت تاکید نہیں۔ چونکہ یہ کام خالصاً خدا کیلئے اور خود حضرت احدیت کے ارادہ خاص سے ہے اس لئے آپ اس کے خریداروں کی فراہمی میں یہ ملحوظ خاطر شریف رکھیں کہ کوئی ایسا خریدار شامل نہ ہو جس کی محض خرید فروخت پر نظر ہو۔ بلکہ جو لوگ دینی محبت سے مدد کرنا چاہتے ہیں اُنہیں کی خریداری مبارک اور بہتر ہے کیونکہ درحقیقت یہ کوئی خرید فروخت کا کام نہیں بلکہ سرمایہ جمع کرنے کیلئے یہ ایک تجویز ہے۔ مگر جن کا اصول محض خریداری ہے۔ اُن سے تکلیف پہنچتی ہے اور اپنے روپیہ کو یاد دلا کر تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ سو ایسے صاحب اگر خریداری کے سلسلہ میں داخل نہ ہوں اور نہ وہ روپیہ بھیجیں اور نہ کچھ مدد کریں تو یہ اُن کے لئے اس حالت سے بہتر ہے کہ کسی وقت بدگمانی اور شتابکاری سے پیش آویں۔ اس کام میں جیسے جیسے عرصہ میں خداوند کریم سرمایۂ کافی کسی حصہ کے چھپنے کیلئے حسب حکمت کاملہ خود میسر کرتا ہے اُسی عرصہ میں یہ کتاب چھپتی ہے۔ پس کسی وقت کچھ دیر ہوتی ہے تو بعض صاحب جن کی خریداری پر نظر ہے۔ طرح طرح کی باتیں لکھتے ہیں جن سے رنج پہنچتا ہے۔ غرض آن مخدوم اسی سعی اور کوشش میں خداوند کریم پر توکّل کر کے صادق الارادت لوگوں سے مدد لیں۔ اور اگر ایسے نہ ملیں تو آپ کی طرف سے دعا ہی مدد ہے۔ ہم عاجز اور ذلیل بندے کیا حیثیت اور کیا قدر رکھتے ہیں۔ وہ جو قادر مطلق ہے۔ وہ جب چاہے گا تو اسباب کاملہ خود بخود میسر کر دے گا۔ کونسی بات ہے جو اُس کے آگے آسان نہ ہوئی ہو۔

(۲۸؍اکتوبر ۸۲ء؍مطابق ۱۵؍ذی الحجہ ۱۲۹۹ ہجری)

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ

مکتوب نمبر۲

مشفقی مکرمی حضرت میر عباس علی شاہ صاحب زَادَ عِنَایَتُہٗ ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ بعد ہذا دوقطعہ ہنڈوی بتیس۳۲ پہنچ گئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْراً۔امور خمسہ کی بابت جو آپ نے حسب الارشاد منشی احمد جان صاحب تاکید لکھی ہے۔ مناسب ہے کہ آپ بعد سلام مسنون منشی صاحب مخدوم کی خدمت میں اس عاجز کی طرف سے عرض کر دیں کہ حتی الوسع آپ کے فرمودہ پر تعمیل ہوگی۔ اور آپ کو خدا جزاءِ خیر بخشے۔ یہ بھی گزارش کی جاتی ہے کہ حصہ سوم کتاب براہین احمدیہ میں جو دس وسوسوں کا بیان ہے وہ آریہ سماج والوں کے متعلق نہیں۔ آریہ سماج ایک اور فرقہ ہے جو وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور دوسری کتابوں کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ انسانوں کا اختراع سمجھتے ہیں۔ اس فرقہ کے ردّ کے لئے کتاب براہین احمدیہ میں دوسرا مقام ہے۔ لیکن دس وساوس جو حصہ سوم میں لکھے گئے ہیں۔ وہ برہموسماج والوں کا ردّ ہے۔ یہ ایک اور فرقہ ہے جو کلکتہ اور ہندوستان کے اکثر مقامات میں پھیلا ہوا ہے اور لاہور میں بھی موجود ہے۔ یہ لوگ کتب الہامیہ کا انکار کرتے ہیں اگرچہ ہندو ہیں مگر وید کو نہیں مانتے۔ نہ اُس کی تعلیم کو عمدہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ آریہ سماج والوں کی نسبت بہت ذی علم اور دانا ہوتے ہیں۔ اور کئی اصول اُن کے اسلام سے ملتے ہیں۔ مثلاً یہ تناسخ کے قائل نہیں۔ بُت پرستی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ خدا کو صاحب اولاد اور متولّد ہونے سے پاک سمجھتے ہیں۔ مگر کتب الہامیہ کے مُنکر ہیں اور الہام صرف ایسی باتوں کا نام رکھتے ہیں جن کو انسان خود اپنی عقل یا فکر کے ذریعہ سے پیدا کرے۔ یا معمولی طور پر اُس کے دل میں گزر جائیں اور انبیاء کی متابعت کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف عقل کو کافی قرار دیتے ہیں۔ الہامِ ربّانی سے انکار کرنا اُن کا ایک مشہور اصول ہے جیسا رسالہ برادر ہند میں جو پنڈت شیونارائن کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔ چھپتا رہا ہے چونکہ ہندوستان میں اُن کی جماعت بہت پھیل گئی ہے اور اُن کے وساوس کا ضرر نو تعلیم یافتہ لوگوں کو بہت پہنچتا ہے اور پہنچ رہا

ہے۔اس لئے ضرور تھا کہ ان کا ردّ لکھا جاوے۔اور اُن کا کتب الہامیہ سے انکار کرنا ایسا جزو مذہب ہے جیسا کہ ہمارے یہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار اصل مذہب ہے۔غرض آریہ سماج ایک الگ فرقہ ہے۔ جو بہت ذلیل اور ناکارہ خیال رکھتا ہے اور وہ عقل کے پابند نہیں ۔ بلکہ صرف وید پر چلتے ہیں اور بہت سے واہیات اور مزخرفات کے قائل ہیں ۔مگر برہمو سماج کا فرقہ دلائل عقلیہ پر چلتا ہے اور اپنی عقلِ ناتمام کی وجہ سے کتب الہامیہ سے منکر ہے۔ چونکہ انسان کا خاصہ ہے کہ معقولات سے زیادہ اور جلدتر متاثر ہوتا ہے۔اس لئے اطفال مدارس اور بہت سے نوتعلیم یافتہ ان کی سوفسطائی تقریروں سے متاثر ہوگئے اور **سید احمد خان** بھی اُنہیں کی ایک شاخ ہے اور اُنہیں کی صحبتوں سے متاثر ہے۔ پس اُن کے زہرناک وساوس کی بیخ کنی کرنا ازحد ضرور تھا۔ لاہور کے برہموسماج نے پرچہ ’’رفاہ‘‘ میں بہ نیت ردّ حصہ سیوم کچھ لکھنا بھی شروع کیا ہے۔مگر حقِ محض کے آگے اُن کی کوششیں ضائع ہیں۔عنقریب خدا اُن کو ذلیل اور رُسوا کرے گا اور اپنے دین کی عظمت اور صداقت ظاہر کردے گا۔

منشی احمد جان صاحب نے جو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تعریف میں مبالغہ نہ ہو۔اس کا مطلب اس عاجز کو معلوم نہیں ہوا۔اس کتاب میں تعریف قرآن شریف اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ سو وہ دونوں دریائے بےانتہا ہیں اگر تمام دنیا کے عاقل اور فاضل اُن کی تعریف کریں۔تب بھی حق تعریف کا ادا نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ مبالغہ تک نوبت پہنچے۔ ہاں الہامی عبارت میں کہ جو اس عاجز پر خداوند کریم کی طرف سے القا ہوئے کچھ کچھ تعریفیں ایسی لکھی ہیں کہ بظاہر اس عاجز کی طرف منسوب ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ سب تعریفیں حضرت خاتم الانبیاء کی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی وقت تک کوئی دوسرا اُن کی طرف منسوب ہوسکتا ہے کہ جب تک اس نبی کریم کی متابعت کرے اور جب متابعت سے ایک ذرّہ منہ پھیرے تو پھر تحت الثّرٰی میں گر جاتا ہے۔اُن الہامی عبارتوں میں خداوند کریم کا یہی منشاء ہے کہ تا اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کی عظمت ظاہر کرے۔☆

(۸؍نومبر ۱۸۸۲ء مطابق ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۹۹ ہجری)

☆ اخبار الحکم نمبر ۴۸ جلد ۳۔ ۱۰؍اگست ۱۸۹۹ء

مکتوب نمبر۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ

مشفقی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔
آپ کا عنایت نامہ معہ ایک ہنڈوی مبلغ بیس روپیہ بابت خریداری دوجلد کتاب پہنچا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیۡرًا وَھُوَیَسۡمَعُ وَیَرٰی۔ میں آپ کی مساعی پر نظر کر کے آپ کی قبولیت کا بہت امیدوار ہوں۔ خصوص ایک عجیب کشف سے جو مجھ کو ۳۰؍دسمبر ۱۸۸۲ء بروز شنبہ کو یکدفعہ ہوا۔ آپ کے شہر کی طرف نظر لگی ہوئی تھی اور ایک شخص نامعلوم الاسم کی ارادت صادقہ خدا نے میرے پر ظاہر کی۔ جو باشندہ لودہیانہ ہے۔ اس عالمِ کشف میں اُس کا تمام پتہ ونشان، سکونت بتلا دیا جواب مجھ کو یاد نہیں رہا۔ صرف اتنا یاد رہا کہ سکونت خاص لودہیانہ اور اُس کے بعد اُس کی صفت میں یہ لکھا ہوا پیش کیا گیا۔ سچا ارادت مند اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ[1] یعنی اُس کی ارادت ایسی قوی اور کامل ہے کہ جس میں نہ کچھ تزلزل ہے نہ نقصان ہے۔ کئی پادریوں اور ہندوؤں اور برہمولوگوں کو کتابیں دی گئی ہیں اور وہ کچھ جان کنی کر رہے ہیں۔

مکتوب نمبر۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشفقی ومکرمی میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دس روپیہ کا منی آرڈر پہنچ گیا۔ خداوند کریم آپ کی سعی کا اجر بخشے جو کچھ فساد زمانہ کا حال لکھا ہے سب واقعی امر ہے۔ اس عاجز کی دانست میں اُمت محمدیہ پر ایسا فاسد زمانہ کوئی نہیں آیا۔ تمام زمانوں سے زیادہ تر ظلماتی وہ زمانہ تھا جس کی تنویر کے لئے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت پڑی۔ وہ ایسا ظلماتی زمانہ تھا جس کی نظیر دنیا میں کوئی نہیں گزری اور اس زمانہ کی

---

[1] ابراھیم: ۲۵

حالت موجودہ ایک بڑے نبی کے مبعوث ہونے کو چاہتی تھی جس کا ثانی کوئی نہیں گزرا۔ اور جس پر تمام کمالات نبوت ختم ہوگئے اور جس کی بعثت کے زمانہ نے اُن تمام تاریکیوں کو دور کر دیا اور وحدانیت کو زمین پر پھیلا دیا اور جو کچھ کفر اور شرک میں سے باقی رہا وہ ذلّت اور مغلوبیت کی حالت کے ساتھ باقی رہا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ ہیں، نبوت کے زمانہ سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اس لئے دوطور کی خرابی یعنی اندرونی اور بیرونی اس پر محیط ہو رہی ہے۔ اندرونی یہ کہ بہت سے لوگوں نے مختلف فرقہ بنائے ہیں جو حقیقت میں خدا اور رسول کے دشمن ہیں۔ بہتوں پر اباحت اور الحاد کا غلبہ ہے کہ خدا کے وجود کو اور اُس مدبّرِ عالَم کی ہستی کو کوئی مستقل شَے نہیں سمجھتے بلکہ اپنے ہی وجود کو خدا سمجھے بیٹھے ہیں اور اسی خیال کے غلبہ سے احکام الٰہی کی تعمیل سے بکلّی فارغ ہیں اور شریعتِ حقّانی کو بتر[1] استخفاف دیکھتے ہیں اور صوم اور صلوٰۃ پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔ ایک دوسرا فرقہ ہے جو بہشت، دوزخ، ملائک، شیطان وغیرہ سب سے منکر ہیں اور وحی الٰہیہ سے انکاری ہیں با ایں ہمہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ غرض اندرونی فساد بھی نہایت درجہ تک پہنچ گئے ہیں اور بیرونی فسادوں کا یہ حال ہے کہ چاروں طرف سے دشمن اپنے اپنے تیر چھوڑ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بالکل اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ حقیقت میں یہ ایسا پُر آشوب زمانہ ہے کہ اسلامی زمانوں میں کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے لوگ صرف غفلت اور کم توجہی سے اسلام کے مخالف تھے۔ مگر اب دو فرقہ اسلام سے مخالف ہیں۔ ایک تو وہی غافل اور کم توجہ لوگ۔ دوسرے وہ لوگ پیدا ہوگئے کہ جو شرارت اور خبث سے، عقل کی بد استعمالی سے اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علوم کے لئے روشنی کا دعویٰ کرتے ہیں اور متبعین شریعت اسلام کو کہتے ہیں کہ یہ پُرانے خیالات کے آدمی ہیں اور یہ سادہ لوح اور رہم دانا ہیں۔ پس ایسے دنوں میں خداوند کریم کا یہ نہایت فضل ہے کہ اپنے عاجز بندہ کو اس طرف توجہ دی ہے اور دن رات اُس کی مدد کر رہا ہے تا باطل پرستوں کو ذلیل اور رُسوا کرے۔ چونکہ ہر حملہ کی مدافعت کے لئے اس سے زبردست حملہ چاہئے اور قوی تاریکی کے اُٹھانے کیلئے قوی روشنی چاہئے۔ اس لئے یہ امید کی جاتی ہے اور آسمانی بشارات بھی ملتے ہیں کہ خداوند کریم اپنے زبردست ہاتھ سے اپنے عاجز بندہ کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو روشن کر دے گا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ حصہ چہارم کچھ تھوڑے

[1] مطابق اصل۔ یہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ صحیح ’’بنظر استخفاف ہے‘‘۔

توقف کے بعد شروع کیا جاوے گا۔ چونکہ یہ تمام کام قوت الٰہی کر رہی ہے اور اُسی کی مصلحت سے اس میں توقف ہے۔ اس لئے مومنین مخلصین نہایت مطمئن رہیں کہ جیسے خداوند کریم کے کامل اور قوی کام ہیں اسی طرح وہ وقتاً فوقتاً کتاب کی حصص کو نکالے گا۔ وَھُوَ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

والسلام علیکم وعلی اخوانکم من المومنین۔

۲۲؍جنوری ۱۸۸۳ء۔۱۲؍ربیع الاوّل ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مشفقی مکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعد ہذا خداوند کریم آپ کو بہت جزاء خیر دیوے۔ آپ سرگرمی سے تائید دین کیلئے مصروف ہیں۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ قاضی باجی خان صاحب نے محض بطور امداد دس روپیہ بھیجے ہیں۔ خداوند اُن کو اجر بخشے۔ اس پُر آشوب وقت میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں کہ اللہ اور رسول کی تائید کیلئے اور غیرت دینی کے جوش سے اپنے مالوں میں سے کچھ خرچ کریں اور ایک وہ بھی وقت تھا کہ جان کا خرچ کرنا بھی بھاری نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ ہر ایک چیز پُرانی ہو کر اُس پر گرد وغبار بیٹھ جاتا ہے۔ اب اسی طرح اکثر دلوں پر حبِّ دنیا کا گرد بیٹھا ہوا ہے۔ خدا اس گرد کو اُٹھاوے۔ خدا اس ظلمت کو دور کرے۔ دنیا بہت ہی بے وفا اور انسان بہت ہی بے بنیاد ہے۔ مگر غفلت کی سخت تاریکیوں نے اکثر لوگوں کو اصلیت کے سمجھنے سے محروم رکھا ہے اور چونکہ ہر یک عُسر کے بعد یُسر اور ہر یک جذر کے بعد مَدّ اور ہر یک رات کے بعد دن بھی ہے۔ اس لئے تفضّلات الٰہیہ آخر فرو ماندہ بندوں کی خبر لے لیتے ہیں۔ سو خداوند کریم سے یہی تمنا ہے کہ اپنے عاجز بندوں کی کامل طور پر دستگیری کرے اور جیسے اُنہوں نے اپنے گزشتہ زمانہ میں طرح طرح کے زخم اُٹھائے ہیں۔ ویسا ہی اُن کو مرہم عطا فرماوے اور اُن کو ذلیل اور رسوا کرے جنہوں نے نور کو تاریکی اور تاریکی کو نور سمجھ لیا ہے اور جن کی شوخی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور نیز اُن لوگوں کو بھی نادم اور منفعل کرے جنہوں نے حضرت احدیّت کی توجہ کو جو عین اپنے وقت پر ہوئی، غنیمت نہیں سمجھا اور اُس کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ

جاہلوں کی طرح شک میں پڑے۔سو اگر اس عاجز کی فریادیں ربُّ العرش تک پہنچ گئی ہیں تو وہ زمانہ کچھ دور نہیں جو نور محمدی اس زمانہ کے اندھوں پر ظاہر ہو اور الٰہی طاقتیں اپنے عجائبات دکھلاویں۔ اس عاجز کے صادق دوستوں کی تعداد ابھی تین چار سے زیادہ نہیں جن میں سے ایک آپ ہیں اور باقی لوگ لاپروا اور غافل ہیں بلکہ اکثروں کے حالات ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اپنی تیرہ باطنی کے باعث سے اس کارخانہ کو کسی مکر اور فریب پر مبنی سمجھتے ہیں اور اس کا مقصود اصلی دنیا ہی قرار دیتے ہیں کیونکہ خود جِیفہ دُنیا میں گرفتار ہیں۔اس لئے اپنے حال پر قیاس کر لیتے ہیں۔سو اُن کی روگردانی بھی خداوند کریم کی حکمت سے باہر نہیں۔اس میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں جو پیچھے سے ظاہر ہوں گی۔اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔مگر اپنے دوستوں کی نسبت اس عاجز کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے صدق کا اجر بخشے اور اُن کو اپنی استقامت میں بہت مضبوط کرے چونکہ ہر طرف ایک زہرناک ہوا چل رہی ہے اس لئے صادقوں کو کسی قدر غم اُٹھانا پڑے گا اور اُس غم میں اُن کے لئے بہت اجر ہیں۔

(۹/فروری ۱۸۸۳ء مطابق ۳۰/ربیع الاوّل ۱۳۰۰ھ)

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ و نظر اللّٰہ سِرّ حِمَایتِہٖ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کی سعی وکوششوں سے اس عاجز کو بہت مدد ملی ہے۔ یہ خداوند کریم کی عنایات میں سے ہے کہ اُس نے اپنے مخلص بندوں کو اس طرف ایمانی جوش بخشا ہے۔سو چونکہ عمل وہی معتبر ہے جس کا خاتمہ بالخیر ہو اور صدق اور وفاداری سے انجام پذیر ہو اور اس پُر فتنہ زمانہ میں اخیر تک صدق اور وفا کو پہنچانا اور بد باطن لوگوں کے وساوس سے متاثر نہ ہونا سخت مشکل ہے۔ اس لئے خداوند کریم سے التجا ہے کہ وہ اس عاجز کے دوستوں کو جو ابھی تین چار سے زیادہ نہیں۔آپ سکینت اور تسلّی بخشے۔ زمانہ نہایت پُر آشوب ہے اور فریبوں اور مکاریوں کی افراط نے بدظنیوں اور بدگمانیوں کو افراط تک پہنچا دیا ہے۔ایسے زمانہ میں صداقت کی روشنی ایک نئی بات ہے اور اُس پر وہ ہی قائم رہ سکتے ہیں جن کے دلوں کو خداوند کریم آپ مضبوط کرے۔ اور چونکہ خداوند کریم کی بشارتوں میں تبدیلی نہیں اس لئے امید ہے کہ وہ اس ظلمت میں سے بہت سے نورانی دل پیدا کر کے دکھلا دے گا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔آں مخدوم کی تحریرات کے پڑھنے سے بہت کچھ حال صداقت ونجابت آں مخدوم ظاہر ہوتا ہے اور ایک مرتبہ بنظر کشفی بھی کچھ ظاہر ہوا تھا۔ شاید کسی زمانہ میں خداوند کریم اس سے زیادہ اور کچھ ظاہر کرے۔وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ وَرَحِمَہُ اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ وَھُوَ مَوْلٰنَا نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

۱۷؍فروری ۱۸۸۳ء مطابق ۸؍ربیع الثانی ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بعد ہذا آپ کا خط جو آپ نے لودہیانہ سے لکھا تھا، پہنچ گیا۔ جس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ جس روز آپ کا خط آیا اُسی روز بعض عبارتیں آپ کے خط کی کسی قدر کمی بیشی سے بصورت کشفی ظاہر کی گئیں اور وہ فقرات زیادہ آپ کے دل میں ہوں گے۔ یہ خداوند کریم کی طرف سے ایک رابطہ بخشی ہے۔ خداوند کریم اس رابطہ کو زیادہ کرے۔ آپ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک برہمو صاحب ملے جن کا یہ بیان تھا کہ گویا اس عاجز نے اُن کی اصلیت کو سمجھا نہیں۔ یہ بیان سراسر بناوٹ ہے۔ برہموسماج والوں کے عقائد کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ الہام اور وحی سے مُنکر ہیں اور خدا کے پیغمبروں کو نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مفتری اور کذّاب سمجھتے ہیں اور خدا کی کتابوں کو اختراعِ انسان کا خیال کرتے ہیں۔ وہ الہام اور وحی کے ہرگز قائل نہیں ہیں اور اپنی اصطلاح میں الہام اور وحی اُن خیالات کا نام رکھتے ہیں کہ جو عادتی طور پر انسان کے دل میں گزرا کرتے ہیں۔ جیسے کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر رحم آنا یا کوئی بُرا کام کر کے پچھتانا کہ ایسا کیوں کیا۔ یہ اُن کے نزدیک الہام ہے۔ مگر وہ الہام اور وحی جو خداوند کریم کے فرشتے کسی انسان سے کلام کریں اور حضرتِ احدیّت کسی سے مخاطبت کریں۔ اس پاک الہام سے وہ قطعاً منکر ہیں اور اپنے رسائل اور تصانیف میں ہمیشہ انکار کرتے رہتے ہیں۔ مگر اب وقت آ پہنچا ہے کہ خدا اُن کو اور اُن کے دوسرے بھائیوں کو ذلیل اور رُسوا کرے۔ مجھے یاد ہے کہ پنڈت☆ شیونارائن نے جو برہموسماج کا ایک منتخب معلّم ہے لاہور سے میری طرف ایک خط لکھا کہ میں حصہ سوم کا ردّ لکھنا چاہتا ہوں۔ ابھی وہ خط اس جگہ نہیں پہنچا تھا کہ خدا نے بطور مکاشفات مضمون اس خط کا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ کئی ہندوؤں کو بتلایا گیا اور شام کو ایک ہندو کو ہی جو آریہ ہے ڈاکخانہ میں بھیجا گیا تا گواہ رہے۔ وہی ہندو اُس خط کو ڈاکخانہ سے لایا۔ پھر میں نے پنڈت شیونارائن کو لکھا کہ جس الہام کا تم ردّ لکھنا چاہتے ہو خدا نے اُسی کے ذریعہ

☆ اب یہ شخص منکرِ خدا ہے۔ (مرتب)

سے تمہارے خط کی اطلاع دی اور اُس کے مضمون سے مطلع کیا۔ اگر تم کو شک ہے تو خود قادیان میں آ کر اُس کی تصدیق کر لو کیونکہ تمہارے ہندو بھائی اس کے گواہ ہیں۔ ردّ لکھنے میں بہت سی تکلیف ہوگی اور اس طرح جلدی فیصلہ ہو جائے گا۔ مَیں نے یہ بھی لکھا کہ اگر تم صدق دل سے بحث کرتے ہو تو تمہیں اس جگہ ضرور آنا چاہئے کہ اس جگہ خود اپنے بھائیوں کی شہادت سے حق الامر تم پر کھل جائے گا۔ لیکن باوجود ان سب تاکیدوں کے پنڈت صاحب نے کچھ جواب نہ لکھا اور اس بارے میں دَم بھی نہ مارا اور وہ الہام پورا ہوا جو حصہ سوم میں چھپ چکا ہے سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ[1] اب دیکھئے۔ اس سے زیادہ اور کیا صفائی ہوگی کہ خداوند کریم مخالفین کو نہ صرف شنیدہ پر رکھنا چاہتا ہے بلکہ دیدہ کے مرتبہ پر پہنچانا چاہتا ہے۔ کل صَوَابِی ضلع پشاور سے اس جگہ کے آریہ سماج کے نام صَوَابِی آریہ سماج نے ایک خط بھیجا ہے کہ حصہ سوم براہین احمدیہ میں تمہاری شہادتیں درج ہیں۔ اس کی اصلیت کیا ہے۔ سو اگرچہ ہندو لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں مگر ممکن نہیں کہ سچ کو چھپا سکیں۔ اس لئے فکر میں ہوئے ہیں کہ اپنے بھائیوں کو کیا لکھیں۔ اگر شرارت سے جھوٹ لکھیں گے تو اس میں رُوسیاہی ہے اور آخر پردہ فاش ہوگا اور سچ لکھنے میں مصلحت اپنے مذہب کی نہیں دیکھتے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ کیونکر پیچھا چھڑاتے ہیں۔ شاید جواب سے خاموش رہیں۔ یہ اسرار جو خداوند کریم اس عاجز کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر اُس کی عادت نہیں تھی جو ان کے اظہار کی اجازت دے بلکہ اَسْرَارِ رَبَّانی کے ظاہر کرنے میں اندیشہ سَلْبِ وَلَایَت ہے لیکن اس زمانہ میں ان باتوں کا ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ظلمت اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ گو دوسرے لوگ اپنی نافہمی سے اس اظہار کو ریاکاری میں داخل کریں یا کچھ اور سمجھیں مگر یہ عاجز اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے اور خداوند کریم نے اس عاجز کو عام فقرا کے برخلاف طریقہ بخشا ہے جس میں ظاہر کرنا بعض اسرارِ ربّانی کا عین فرض ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی اِخْوَانِکُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(۳ / مارچ ۱۸۸۳ء مطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۰۰ھ)

---

[1] تذکرہ صفحہ ۳۸۔ ایڈیشن چہارم

مکتوب نمبر ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشفقی مکرمی میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

آپ کی خواب کے آثار یوں ہی نظر آتے ہیں کہ انشاء اللہ رؤیا صالحہ وواقعہ صحیحہ ہوگا۔ مگر اس بات کے لئے کہ مضمون خواب حیز قوت سے حدِّ فعل میں آوے۔ بہت سی محنتیں درکار ہیں۔ خواب کے واقعات اُس پانی سے مشابہ ہیں کہ جو ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کی تہ تک میں واقعہ ہے۔ جس کے وجود میں تو کچھ شک نہیں لیکن بہت سی جان کنی اور محنت چاہیئے تا وہ مٹی پانی کے اوپر سے بکُلّی دور ہو جائے اور نیچے سے پانی شیریں اور مصفّا نکل آوے۔ ہمت مَرداں مددِ خدا۔ صدق اور وفا سے خدا کو طلب کرنا موجب فتحیابی ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1]

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

آپ کی ملاقات کے لئے میں بھی چاہتا ہوں مگر وقت مناسب کا منتظر ہوں۔ بیوقت حج بھی فائدہ نہیں کرتا۔ اکثر حاجی جو بڑی خوشی سے حج کرنے کے لئے جاتے ہیں اور پھر دل سخت ہو کر آتے ہیں۔ اُس کا یہی باعث ہے کہ انہوں نے بیوقت بیت اللہ کی زیارت کی اور بجز ایک کوٹھہ کے اور کچھ نہ دیکھا اور اکثر مجاورین کو صدق اور صلاح پر نہ پایا۔ دل سخت ہو گیا۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ ملاقات جسمانی میں بھی ایک قسم کے ابتلاء پیش آجاتے ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ۔ آپ کے سوالات کا جواب جو اس وقت میرے خیال میں آتا ہے مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے۔ آپ نے پہلے یہ سوال کیا ہے کہ پورا پورا علم جیسا بیداری میں ہوتا ہے۔ خواب میں کیوں نہیں ہوتا اور خواب کا دیکھنے والا اپنی خواب کو خواب کیوں نہیں سمجھتا۔ سو آپ پر واضح ہو کہ خواب اُس حالت کا نام ہے کہ جب بباعث غلبۂ رطوبتِ مزاجی

[1] العنکبوت: ۷۰

کہ جو دماغ پر طاری ہوتی ہے۔ حواس ظاہری و باطنی اپنے کاروبار معمولی سے معطل ہو جاتے ہیں۔ پس جب خواب کو تعطّل حواس لازم ہے تو ناچار جو علم اور امتیاز اور تیقّظ بذریعہ حواس انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ حالتِ خواب میں بباعث تعطل حواس نہیں رہتا۔ کیونکہ جب حواس بوجہ غلبہ رطوبتِ مزاجی معطل ہو جاتے ہیں تو بالضرورت اُس فعل میں بھی فتور آ جاتا ہے۔ پھر بعلّت اس فتور کے انسان نہیں سمجھ سکتا کہ مَیں خواب میں ہوں یا بیداری میں۔ لیکن ایک اور حالت ہوتی ہے کہ جس سے اربابِ طلب اور اصحابِ سلوک کبھی کبھی متمتع اور محظوظ ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بباعث دوام مراقبہ وحضور واستیلاء شوق وغلبۂ محبت ایک حالت غیبتِ حواس اُن پر وارد ہو جاتی ہے۔ جس کا یہ باعث نہیں ہوتا کہ دماغ پر رطوبت مستولی ہو۔ بلکہ اس کا باعث صرف ذکر اور شہود کا استیلاء ہوتا ہے۔ اُس حالت میں چونکہ تعطل حواس بہت کم ہوتا ہے۔ اس جہت سے انسان اس بات پر متنبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر بیدار ہے۔ خواب میں نہیں۔ اور نیز اپنے مکان اور اُس کی تمام وضع پر بھی اطلاع رکھتا ہے۔ یعنی جس مکان میں ہے اُس مکان کو برابر شناخت کرتا ہے۔ حتیّٰ کہ لوگوں کی آواز بھی سنتا ہے اور کل مکان کو بچشم خود دیکھتا ہے۔ صرف کسی قدر بجذبۂ غیبی، غیبت حس ہوتی ہے اور جو انسان خواب کی حالت میں اپنے رؤیا میں اپنے تئیں بیدار معلوم کرتا ہے۔ یہ علم بذریعہ حواس نہیں بلکہ اس علم کا منشاء فقط روح ہے۔ دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ فناء اتم اعنی غایت المعراج ونہایت الوصال میں علم حق رہتا ہے یا نہیں؟ اوّل سمجھنا چاہئے کہ فناءِ اتم عین وصال کا نام نہیں بلکہ امارات اور آثار وصال میں سے ہے کیونکہ فناءِ اتم مراد اُس حالت سے ہے کہ طالبِ حق خلق اور ارادت اور نفس سے بکلّی باہر ہو جاوے اور فعل اور ارادت الٰہی میں بکلّی کھویا جاوے۔ یہاں تک کہ اُسی کے ساتھ دیکھتا ہو اور اُسی کے ساتھ سنتا ہو۔ اور اُسی کے ساتھ پکڑتا ہو اور اسی کے ساتھ چھوڑتا ہو۔ پس یہ تمام آثار وصال کے ہیں نہ عین وصال۔ اور عین وصال ایک بیچون اور بچگون نور ہے کہ جس کو اہلِ وصال شناخت کرتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب طالبِ کمال وصال کا خدا کے لئے اپنے تمام وجود سے الگ ہو جاتا ہے اور کوئی حرکت اور سکون اس کا اپنے لئے نہیں رہتا بلکہ سب کچھ خدا کے لئے ہو جاتا ہے تو اس حالت میں اس کو ایک روحانی موت پیش آتی ہے جو بقاء کو مستلزم ہے۔ پس اس حالت میں گویا وہ بعد موت کے زندہ کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کا وجود اُس کی آنکھ میں

باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ غلبۂ شہودِ ہستی الٰہی سے وہ اپنے وجود کو بھی نابود ہی خیال کرتا ہے۔ پس یہ مقام عبودیت وفناء اتم ہے جو غایت سیر اولیاء ہے اور اسی مقام میں غیب سے باذن اللہ ایک نور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے جو تقریر اور تحریر سے باہر ہے۔ غلبہ شہود کی ایک ایسی حالت ہے کہ جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبہ سے برتر ہے۔ صاحبِ شہودِ تام کو ایک علم تو ہے مگر ایسا علم جو اپنے ہی نفس پر وارد ہو گیا ہے جیسے کوئی آگ میں جل رہا ہے۔ سو اگرچہ وہ بھی جلنے کا ایک علم رکھتا ہے مگر وہ علم الیقین اور عین الیقین سے برتر ہے۔ کبھی شہود تام بے خبری تک بھی نوبت پہنچا دیتا ہے اور حالت سکر اور بیہوشی کی غلبہ کرتی ہے۔ اُس حالت سے یہ آیت مشابہ ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا[1] لیکن حالت تام وہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[2] یہ حالت اہل جنت کے نصیب ہوگی۔ پس غایت یہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ اشارہ فرمایا ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[3]۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**☆

(۱۸؍ مارچ ۱۸۸۳ء مطابق ۸ جمادی الاوّل ۱۳۰۰ھ)

مکتوب نمبر ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ پہنچا۔ خداوند کریم آپ کو خوش وخرم رکھے۔ آپ دقائق متصوّفین میں سے سوالات پیش کرتے ہیں اور یہ عاجز مفلس ہے۔ محض حضرت ارحم الراحمین کی ستاری نے اس ہیچ اور ناچیز کو مجالس صالحین میں فروغ دیا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ کاروبارِ قادرِ مطلق سے سخت حیران ہے کہ نہ عابد، نہ عالم، نہ زاہد۔ کیونکر اخوان مومنین کی نظر میں بزرگی بخشتا ہے۔ اس کی عنایات کی کیا ہی بلند شان ہے۔ اور اُس کے کام کیسے عجیب ہیں۔

پسندیدگانے به جائے رسند
زما کہترانش چه آید پسند

[1] الاعراف: ۱۴۴ [2] النجم: ۱۸ [3] القیٰمۃ: ۲۳، ۲۴ ☆الحکم ۸؍۱ اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۴، ۵

میں آپ کے سوال کا جواب لکھتا ہوں۔آپ نے حالت **فناء فی الفناء** کی یہ تعریف لکھ کر کہ وہ ایک ایسی حالت ہے کہ جس میں شعور سے بھی بے شعوری ہوتی ہے۔ یہ سوال پیش کیا ہے کہ اس مرتبہ فناء میں کہ جو چہارم مرتبہ منجملہ مراتب فنا ہے اور حالت سُکرِ یّت میں کیا فرق ہے اور سُکرِ یّت سے مراد آپ نے خواب غرقی لی ہے۔ یعنی ایسا سونا جس میں کچھ خبر نہ رہے۔ سو جو کچھ خدا نے میرے دل میں اس کا جواب ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ سکریت اور فناء الفنا میں موجب اور علّت کا فرق ہے یعنی سُکرِ یّت کی حالت میں موجب اور علّت ایک ظلمت ہے۔ جوسُکرِ یّت کے پیدا ہونے کا باعث ہے۔ وجہ یہ کہ سُکرِ یّت اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ رطوبت مزاجی دماغ پر سخت غلبہ کر لیتی ہے یہاں تک کہ دماغی قوتوں کو ایسا دبا لیتی ہے کہ انسان بے ہوش ہو کر سو جاتا ہے اور کچھ ہوش نہیں رہتا۔ پس وہ چیز جس سے سُکرِ یّت وجود پکڑتی ہے۔ ایک ظلمت ہے جو اپنی اصل حقیقت میں مغائر اور منافی حواسِ انسانی کی ہے۔جس کا غلبہ ایک ظلمانی حالت نفس پر طاری کر دیتا ہے اور آلات احساس کو اس قدر تعطل اور بیکاری میں ڈالتا ہے کہ اُن کو عجائبات روحانی کا ماجرا کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔لیکن **فناء فی الفنا** کی حالت کا موجب اور علّت یعنی سبب ایک نور ہے۔یعنی تجلیات صفاتِ الٰہیہ جو بعض اوقات بعض نفوس خاصہ میں یکلخت ایک ربودگی پیدا کرتے ہیں جس کے باعث سے شعور سے بے شعوری ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک نہایت لطیف اور تیز عطر بکثرت کسی مکان میں رکھا ہوا ہو۔تو ضعیف الدماغ آدمی کی بعض اوقات قوتِ شامہ اس کثرت خوشبو سے مغلوب ہو کر ایسی بے حس ہو جاتی ہے کہ کچھ شعوراُس خوشبو کا باقی نہیں رہتا۔غرض سُکرِ یّت کی حالت کے پیدا ہونے کیلئے مؤثر اور موجب ایک ظلمت ہے اور فنا فی الفناء کی حالت کے پیدا ہونے کے لئے مؤثر اور موجب ایک نور ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ چشمِ بینا کیلئے دو۲ طور کے مانع رؤیت ہوتے ہیں۔یعنی دو سبب سے ایک سوجاکھے انسان کی آنکھ دیکھنے سے رہ جاتی ہے۔ایک تو سخت اندھیرا جس کی وجہ سے نورِ بینائی محجوب ہو جاتا ہے اور دیکھنے سے رک جاتا ہے اور کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ یہ حالت تو سُکرِ یّت کی حالت سے مشابہ ہے۔ دوسری مانع بصارت سخت روشنی ہے کہ جو بوجہ اپنی شدت اور تیزی شعاع کے آنکھوں کو رؤیت کے فعل سے روکتی ہے اور دیکھنے سے بند کر دیتی ہے جیسے یہ صورت اس حالت میں پیش آتی ہے کہ جب عضو بصارت کو ٹھیک ٹھیک سورج کے مقابلہ پر رکھا جائے یعنی جب آنکھوں کو آفتاب کے سامنے کیا

جائے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ جب آنکھ آفتاب کے محاذات میں ٹکٹکی باندھے یعنی آفتاب کی آنکھ اور انسان کی آنکھ آمنے سامنے ہو جائیں تو اُس صورت میں بھی انسان کی آنکھ فعل بصارت سے بکلّی معطل ہو جاتی ہے اور روشنی کی شوکت اور ہیبت اُس کو ایسا دباتی ہے کہ اُس کی تمام قوتِ بینائی اندر کی طرف بھاگتی ہے۔ پس یہ حالت فناء فی الفناء کی حالت سے مشابہ ہے اور اس فقدان رؤیت میں جو دونوں طور ظلمت اور نور کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ سُکرِیّت اور فناء فی الفناء کا فرق سمجھنے کیلئے بڑا نمونہ ہے۔ مگر بایں ہمہ باطنی کیفیت جس کا موجب تجلیاتِ الٰہیہ اور جذبات غیبیہ ہوتے ہیں، بیچون اور بیچگون ہے۔ جس میں اجتماع ضِدَّین بھی ممکن ہے۔ باوجود بے شعوری کے شعور بھی ہوسکتا ہے اور باوجود شعور کے بے شعوری بھی ہوسکتی ہے۔ مگر ظلمانی حالات میں اجتماع ضِدَّین ممکن نہیں۔ وہ عالَم اس عالَم سے بکلّی امتیاز رکھتا ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ [1] اسی جہت سے پہلے بھی لکھا گیا تھا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا [2] موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیہوش ہوکر گرنا ایک واقعہ نورانی تھا۔ جس کا موجب کوئی جسمانی ظلمت نہ تھی بلکہ تجلیات صفاتِ الٰہیہ جو بغایت انشراق نور ظہور میں آئی تھیں۔ وہ اُس کا موجب اور باعث تھیں۔ جن کی انشراق تام کی وجہ سے ایک عاجز بندہ عمران کا بیٹا بیہوش ہوکر گر پڑا اور اگر عنایت الٰہیہ اُس کا تدارک نہ کرتیں تو اُسی حالت میں گذر ہوکر نابود ہو جاتا۔ مگر یہ مرتبہ ترقیات کاملہ کا انتہائی درجہ نہیں ہے۔ انتہائی درجہ وہ ہے جس کی نسبت لکھا ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى [3] انسان زمانہ سیر سلوک میں اپنے واقعات کشفیہ میں بہت سے عجائبات دیکھتا ہے اور انواع واقسام کی واردات اُس پر وارد ہوتی ہیں۔ مگر اعلیٰ مقام اُس کا عبودیت ہے جس کا لازمہ صحو اور ہوشیاری سے اور سکر اور شطح سے بکلّی بیزاری ہے۔ ھدانا اللّٰہ ایانا وایاکم الصراط المستقیم الذی انعم علی النبیّن والصدیقین والشھداء والصّٰلحین واخردعونا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین۔ والسلام علیکم وعلی اخوانکم من المؤمنین۔☆

(۲۵؍مارچ ۱۸۸۳ءمطابق ۱۵؍جمادی الاوّل ۱۳۰۰ھ)

---

[1] النحل: ۷۵ [2] الاعراف: ۱۴۴ [3] النجم: ۱۸ ☆ الحکم ۱۵؍اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۳،۴

مکتوب نمبر۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ باعث اطمینان خاطر ہوا۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے بہت درست اور بجا لکھا ہے۔ جو کچھ بطور رسم اور عادت کیا جاوے وہ کچھ چیز نہیں ہے اور نہ اُس سے کچھ مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔ سچا طریق اختیار کرنے سے گو طالب صادق آگ میں ڈالا جاوے۔ مگر جب اپنے مطلب کو پائے گا، سچائی سے پائے گا۔ راست باز آدمی نہ کچھ عزت سے کام رکھتا ہے، نہ نام سے، نہ ننگ سے، نہ خلقت سے، نہ اُن کے لعن سے نہ اُن کے طعن سے، نہ اُن کی مدح سے، نہ اُن کی ذمّ سے۔ جب سچی طلب دامنگیر ہو جاتی ہے تو اُس کی یہی علامت ہے کہ غیر کا بیم اور امید بکلّی دل سے اُٹھ جاتا ہے اور توحید کی کامل نشانی یہ ہے کہ محبّ صادق کی نظر میں غیر کا وجود اور نمود کچھ باقی نہ رہے۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ[1]
آپ اتباعِ طریقہ مسنونہ میں یہ لحاظ بدرجہ غایت رکھیں کہ ہر ایک عمل رسم اور عادت کی آلودگی سے بکلّی پاک ہو جائے اور دلی محبت کے پاک فوارہ سے جوش مارے۔ مثلاً درود شریف اس طور پر نہ پڑھیں کہ جیسا عام لوگ طوطے کی طرح پڑھتے ہیں۔ نہ اُن کو جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کامل خلوص ہوتا ہے اور نہ وہ حضورِ تام سے اپنے رسولِ مقبول کیلئے برکاتِ الٰہی مانگتے ہیں بلکہ درود شریف سے پہلے اپنا یہ مذہب قائم کر لینا چاہئے کہ رابطہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ہرگز اپنا دل یہ تجویز نہ کر سکے کہ ابتداءِ زمانہ سے انتہا تک کوئی ایسا فردِ بشر گزرا ہے جو اس مرتبہ محبت سے زیادہ محبت رکھتا تھا یا کوئی ایسا فرد آنے والا ہے جو اس سے ترقی کرے گا اور قیام اس مذہب کا اس طرح پر ہوسکتا ہے کہ جو کچھ محبانِ صادق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مصائب اور شدائد اُٹھاتے رہے ہیں یا آئندہ اُٹھا سکیں یا جن جن مصائب کا نازل ہونا عقل تجویز کر سکتی ہے۔ وہ سب کچھ اُٹھانے کیلئے دلی صدق سے حاضر ہو۔ اور کوئی ایسی مصیبت عقل یا قوتِ واہمہ پیش نہ کر سکے کہ جس کے اُٹھانے سے دل رک جائے اور کوئی ایسا حکم عقل پیش نہ کر سکے کہ جس کی اطاعت سے دل میں کچھ روک یا انقباض پیدا ہو اور کوئی ایسا مخلوق دل میں جگہ نہ رکھتا ہو جو اُس جنس کی محبت میں حصہ دار ہو اور جب یہ مذہب قائم ہو گیا

[1] المائدۃ:۵۵

تو درود شریف، جیسا کہ میں نے زبانی بھی سمجھایا تھا، اس غرض سے پڑھنا چاہیئے کہ تا خداوند کریم اپنی کامل برکات اپنے نبی کریم پر نازل کرے اور اُس کو تمام عالم کے لئے سرچشمہ برکتوں کا بناوے اور اُس کی بزرگی اور اس کی شان وشوکت اِس عالم اور اُس عالم میں ظاہر کرے۔ یہ دعا حضور تام سے ہونی چاہیئے جیسے کوئی اپنی مصیبت کے وقت حضور تام سے دعا کرتا ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ تضرع اور التجا کی جائے اور کچھ اپنا حصہ نہیں رکھنا چاہیئے کہ اس سے مجھ کو یہ ثواب ہوگا یا یہ درجہ ملے گا بلکہ خالص یہی مقصود چاہیئے کہ برکات کاملہ الٰہیہ حضرت رسولِ مقبول پر نازل ہوں اور اُس کا جلال دنیا اور آخرت میں چمکے اور اسی مطلب پر انعقاد ہمت چاہیئے۔ اور دن رات دوام توجہ چاہیئے یہاں تک کہ کوئی مراد اپنے دل میں اس سے زیادہ نہ ہو۔ پس جب اس طور پر یہ درود شریف پڑھا گیا تو وہ رسم اور عادت سے باہر ہے اور بلا شبہ اس کے عجیب انوار صادر ہوں گے اور حضور تام کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ اکثر اوقات گریہ و بکا ساتھ شامل ہو۔ اور یہاں تک یہ توجہ رگ و ریشہ میں تاثیر کرے کہ خواب اور بیداری یکساں ہو جاوے۔ علی ھٰذا القیاس۔ نماز جس کیلئے خداوند کریم نے صدہا مرتبہ قرآن شریف میں تاکید فرمائی ہے اور اپنے تقرب کیلئے فرمایا ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔[1] یہ بیچارسم اور عادت کے پیرایہ میں کچھ چیز نہیں ہے۔ اس میں بھی ایسی صورت پیدا ہونی چاہیئے کہ مُصلّی اپنی صلوٰۃ کی حالت میں ایک سچا دعا کنندہ ہو۔ سو نماز میں بالخصوص دعائے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[2] میں دلی آہوں سے، دلی تضرعات سے، دلی خضوع سے، سچے دلی جوش سے حضرت احدیّت کا فیض طلب کرنا چاہیئے اور اپنے تئیں ایک مصیبت زدہ اور عاجز اور لاچار سمجھ کر اور حضرت احدیّت کو قادر مطلق اور رحیم کریم یقین کر کے رابطۂ محبت اور قرب کیلئے دعا کرنی چاہیئے۔ اُس جناب میں خشک ہونٹوں کی دعا قابل پذیرائی نہیں۔ فیضانِ سماوی کیلئے سخت بیقراری اور جوش و گریہ وزاری شرط ہے۔ اور نیز استعداد قریبہ پیدا کرنے کیلئے اپنے دل کو ماسوا اللہ کے شغل اور فکر سے بکلّی خالی اور پاک کر لینا چاہیئے۔ کسی کا حسد اور نقار دل میں نہ رہے۔ بیداری بھی پاک باطنی کے ساتھ ہو اور خواب بھی۔ بے مغز باتیں سب فضول ہیں اور جو عمل روح کی روشنی سے نہیں وہ تاریکی اور ظلمت ہے۔ خذوا التوحید و التفرید و التمجید و موتوا قبل ان تموتوا۔ آج حسب تحریر آپ کی ہر سہ حصہ روانہ کئے گئے☆ (۱۵؍اپریل ۱۸۸۳ء مطابق ۷؍جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ)

---

[1] البقرة: ۴۶ [2] الفاتحہ: ۶ ☆ الحکم ۶، ۱۳؍ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۷

مکتوب نمبر ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا آپ کا خط ثالث بھی پہنچا۔ آپ کی دلی توجہات پر بہت ہی شکر گزار ہوں۔ خدا آپ کو آپ کے دلی مطالب تک پہنچاوے۔ آمین۔ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ غرباء سے چندہ لینا ایک مکروہ امر ہے۔ جب خدا اس کا وقت لائے گا تو پردۂ غیب سے کوئی شخص پیدا ہو جاوے گا۔ جو دینی محبت اور دلی ارادت سے اس کام کو انجام دے۔ تجویز چندہ کو موقوف رکھیں۔ اب بالفعل لودہیانہ میں اس عاجز کا آنا ملتوی رہنے دیں۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد چند ہندوؤں کی طرف سے سوالات آئے ہیں اور ایک ہندو صوابی ضلع پشاور میں کچھ ردّ لکھ رہا ہے۔ پنڈت شیونرائن بھی شاید عنقریب اپنا رسالہ بھیجے گا۔ سو اب چاروں طرف سے مخالف جنبش میں آ رہے ہیں۔ غفلت کرنا اچھا نہیں۔ ابھی دل ٹھہرنے نہیں دیتا کہ میں اس ضروری اور واجب کام کو چھوڑ کر کسی اور طرف خیال کروں۔ اِلَّامَاشَآءَ اللّٰہُ رَبِّیْ۔ اگر خدا نے چاہا تو آپ کا شہر کسی دوسرے وقت میں دیکھیں گے۔ آپ کے تعلق محبت سے دل کو نہایت خوشی ہے۔ خدا اس تعلق کو مستحکم کرے۔ انسان ایسا عاجز اور بیچارہ ہے کہ اُس کا کوئی کام طرح طرح کے پردوں اور حجابوں سے خالی نہیں اور اس کے کسی کام کی تکمیل بجز حضرت احدیّت کے ممکن نہیں۔ ایک بات واجب الاظہار ہے اور وہ یہ ہے کہ وقت ملاقات ایک گفتگو کی اثناء میں بنظر کشفی آپ کی حالت ایسی معلوم ہوئی کہ کچھ دل میں انقباض ہے اور نیز آپ کے بعض خیالات جو آپ بعض اشخاص کی نسبت رکھتے تھے۔ حضرت احدیّت کی نظر میں درست نہیں۔ تو اُس پر یہ الہام ہوا قُلۡ ھَاتُوۡا بُرۡھَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ[۱] سو الحمدللہ! آپ جوہر صافی رکھتے ہیں۔ غبار ظلمت آثار کو آپ کے دل میں قیام نہیں۔ اس وقت یہ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ مگر بہت ہی سعی کی گئی کہ خداوند کریم اُس کو دور کرے۔ مگر تعجب نہیں کہ آئندہ بھی کوئی ایسا انقباض پیش آوے۔ جب انسان ایک نئے گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے لئے ضرور ہے کہ اُس گھر کی وضع قطع

---

[۱] البقرة: ۱۱۲

میں بعض امور اُس کو حسب مرضی اور بعض خلاف مرضی معلوم ہوں۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ اس محبت کو خدا سے بھی چاہیں اور کسی نئے امر کے پیش آنے میں مضطرب ہوں تا یہ محبت کمال کے درجہ تک پہنچ جائے۔ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حالت رکھتا ہے۔ جو زمانہ کی رسمیات سے بہت ہی دور پڑی ہوئی ہے اور ابھی تک ہر ایک رفیق کو یہی جواب روح کی طرف سے ہے۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا. وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا[1] لیکن خداوند کریم سے نہایت قوی امید رکھتا ہے کہ وہ اس غربت اور تنہائی کے زمانہ کو دور کر دے گا۔ آپ کی حالتِ قویہ پر بھی امید کی جاتی ہے کہ آپ ہر ایک انقباض پر غالب آویں گے۔ وَالْاَمْرُ بِيَدِ اللّٰهِ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ والسلام علیکم وعلی اخوانکم من المومنین۔

مکتوب نمبر۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مشفقی مکرمی میر عباس علی شاہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہر سہ حصہ کتاب آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ چند ہندو اور بعض پادری عنادِ قدیم کی وجہ سے ردّ کتاب کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ مگر آپ تسلّی رکھیں اور مسلمانوں کو بھی تسلّی دیں کہ یہ حرکت اُن کی خالی از حکمت نہیں۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اُن کی اس حرکت اور شوخی کی وجہ سے خداوند کریم حصہ چہارم میں کوئی ایسا سامان میسر کر دے گا کہ مخالفین کی بدرجہ غایت رُسوائی کا موجب ہوگا۔ آسمانی سامان شیطانی حرکات سے رُک نہیں سکتے بلکہ اور بھی زیادہ چمکتے ہیں اور مخالفین کے اُٹھنے کی یہی حکمت سمجھتا ہوں کہ تا آسمانی باتیں زیادہ چمکیں اور جو کچھ خدا نے ابتدا سے مقدر کر رکھا ہے وہ ظہور میں آجائے۔ آپ مومنین کو جو آپ سے متنفر ہوں سمجھا دیں کہ آپ کچھ عرصہ توقف کریں۔ زیادہ تر دیر اسی سے ہے کہ تا خیالات معاندانہ مخالفین کے چھپ کر شائع ہو جاویں۔ سو آپ براہِ مہربانی کبھی کبھی حالات خیریت آیات سے یاد و شاد فرماتے رہیں۔

والسلام

---

[1] الکھف: ۶۸، ۶۹

مکتوب نمبر ۱۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے عنایت نامہ جات کو پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ خداوندتعالیٰ حقیقی استقامت سے حظِ وافر آپ کو بخشے۔ میں آپ کی ذات میں بہت ہی نیک طینتی اور سلامت رَوِشی پاتا ہوں اور میں خداوند کریم کی نعمتوں میں سے اس نعمت کا بھی شکرگزار ہوں کہ آپ جیسے خالص دوست سے رابطہ پیدا ہوا ہے۔ خداوند کریم اس رابطہ کو اُس مرتبہ پر پہنچاوے جس مرتبہ پر وہ راضی ہے۔ نماز تہجد اور اَوْرَادِ معمولہ میں آپ مشغول رہیں۔ تہجد میں بہت سے برکات ہیں۔ بیکاری کچھ چیز نہیں۔ بیکار اور آرام پسند کچھ وزن نہیں رکھتا۔ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ ”وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا“۔[1] درود شریف وہی بہتر ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے اور وہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔ جو الفاظ ایک پرہیزگار کے منہ سے نکلتے ہیں۔ اُن میں ضرور کسی قدر برکت ہوتی ہے۔ پس خیال کر لینا چاہئے کہ جو پرہیزگاروں کا سردار اور نبیوں کا سپہ سالار ہے اُس کے منہ سے جو لفظ نکلے ہیں وہ کس قدر متبرک ہوں گے۔ غرض سب اقسام درود شریف سے یہی درود شریف زیادہ مبارک ہے۔ یہی اس عاجز کا وِرد ہے اور کسی تعداد کی پابندی ضرور نہیں۔ اخلاص اور محبت اور حضور اور تضرع سے پڑھنا چاہئے اور اُس وقت تک ضرور پڑھتے رہیں کہ جب تک ایک حالت رقّت اور بیخودی اور تاثر کی پیدا ہو جائے اور سینہ میں انشراح اور ذوق پایا جائے۔ بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب و دیگر اخوان مومنین سلام مسنون برسد۔

۲۶؍اپریل ۱۸۸۳ء مطابق ۱۸؍جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ

---

[1] العنکبوت:۷۰

مکتوب نمبر۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا آن مخدوم کا مکتوب چہارم بھی پہنچا۔ **جزاکم اللّٰہ علی سعیکم و اعظم اجرکم علی بذل جھدکم** ۔آج اگر ٹکٹ میسر آئے تو یقین ہے کہ ہر سہ حصہ بنام ہر سہ خریداران کے نام روانہ کئے جائیں گے۔**اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی** ۔آپ اَوراد و اشغالِ معمولہ بدستور کئے جائیں کہ کثرتِ ذکر مدار فلاح ونجات ہے۔درود شریف خط سابق میں لکھ دیا گیا ہے۔ہر باب میں حضور اور توجہ اور خضوع اور خشوع اور اخلاص شرط ہے۔ **من جاء بالا خلاص جعل من الخواص** ۔اگر کوئی ہندو فی الحقیقت طالبِ حق ہے تو اُس سے رعایت کرنا واجب ہے بلکہ اگر ایسا شخص بے استطاعت ہو تو اس کو مفت بلا قیمت کتاب دے سکتے ہیں۔غرض اصلی اشاعت دین ہے۔نہ خرید وفروخت۔جیسی صورت ہو اس سے اطلاع بخشیں تا کتاب بھیجی جاوے۔والسلام۔

بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب وقاضی خواجہ علی صاحب ودیگر اخوان مومنین سلام پہنچا دیں۔

مکتوب نمبر۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ **اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی** ہر سہ حصہ بخدمت چوہدری گامے خان و جیوے خان صاحب روانہ کئے جائیں گے۔اب حصہ چہارم کے طبع کرانے میں کچھ تھوڑی توقف باقی ہے اور موجب توقف یہی ہے کہ جو تین جگہ سے بعض سوالات لکھے ہوئے آئے ہیں۔اُن سب کا جواب لکھا جائے۔یہ عاجز ضعیف الدماغ آدمی ہے۔بہت محنت نہیں ہوتی۔آہستہ آہستہ کام کرنا پڑتا ہے۔آپ کی خواب **اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی** نہایت مطابق واقعہ اور درست معلوم ہوتی ہے اور تعبیر صحیح ہے۔جن لوگوں کو تاویل رؤیا کا علم نہیں اُن کو ان تعبیرات میں کچھ تکلّف معلوم ہوگا۔مگر صاحب تجربہ خوب جانتے ہیں کہ رؤیا کے بارہ میں اکثر عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ حقیقت کو ایسے ایسے

پیرایوں اور تمثیلات میں بیان فرمایا ہے۔مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب دیکھی کہ عقبہ بن رافع کے گھر کہ جو ایک صحابی تھا آپ تشریف رکھتے ہیں۔اُسی جگہ ایک شخص ایک طبق رطب ابن طاب کا لایا اور صحابہ کو دیا اور رطب ابن طاب ایک خرما کا قسم ہے کہ جس کو ابن طاب نام ایک شخص نے پہلے پہل کہیں سے لا کر اپنے باغ میں لگایا تھا۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی یہ تعبیر کی کہ دنیا وآخرت میں صحابہ کی عاقبت بخیر وعافیت ہے اور حلاوتِ ایمان سے وہ خوشحال اور متمتع ہیں۔سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے لفظ سے عاقبت کا رنکالا اور رافع خدا کا نام ہے۔اُس سے رفعت کی بشارت سمجھ لی اور خرما کی حلاوت سے حلاوتِ ایمانی لی اور ابن طاب میں طاب کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں خوشحال ہوا۔پس اس سے خوشحال ہونے کی بشارت سمجھ لی۔غرض تعبیر رؤیا میں ایسی تاویلات واقعی اور صحیح ہیں اور آپ کی خواب بہت ہی عمدہ بشارت ہے۔محافظ دفتر کے لفظ سے یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز نے خواب میں دیکھا کہ ایک عالیشان حاکم یا بادشاہ کا ایک جگہ خیمہ لگا ہوا ہے اور لوگوں کے مقدمات فیصل ہورہے ہیں اور ایسا معلوم ہوا کہ بادشاہ کی طرف سے یہ عاجز محافظ دفتر کا عہدہ رکھتا ہے اور جیسے دفتروں میں مسلیں ہوتی ہیں، بہت سی مسلیں پڑی ہوئی ہیں اور اس عاجز کے تحت میں ایک شخص نائب محافظ دفتر کی طرح ہے۔اتنے میں ایک اردلی دوڑا آیا کہ مسلمانوں کی مسل پیش ہونے کا حکم ہے وہ جلد نکالو۔پس یہ رؤیا بھی دلالت کررہی ہے کہ عنایاتِ الٰہیہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہیں اور یقین کامل ہے کہ اُس قوتِ ایمان اور اخلاص اور توکل کو جو مسلمانوں کو فراموش ہوگئے ہیں پھر خداوند کریم یاد دلائے گا اور بہتوں کو اپنی خاص برکات سے متمتع کرے گا کہ ہر ایک برکت ظاہری اور باطنی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔اس عاجز نے پہلے لکھ دیا تھا کہ آپ اپنے تمام اَوْرَادِ معمولہ کو بدستور لازم اوقات رکھیں۔صرف ایسے طریقوں سے پرہیز چاہئے جن میں کسی نوع کا شرک یا بدعت ہو۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اشراق پر مداومت ثابت نہیں۔تہجد کے فوت ہونے پر یا سفر سے واپس آکر پڑھنا ثابت ہے لیکن تعبد میں کوشش کرنا اور کریم کے دروازہ پر پڑے رہنا عین سنت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[1] مکرمی مخدومی مولوی عبدالقادر صاحب

---

[1] الجمعة: ١١

کی خدمت میں اس عاجز کا سلام مسنون پہنچاویں۔ خداوند کریم کا ہر ایک شخص سے الگ الگ معاملہ ہوتا ہے اور ہر ایک بندہ سے جس طور کا معاملہ ہوتا ہے اسی طور سے اُس کی فطرت بھی واقع ہوتی ہے۔ اس عاجز کی فطرت پر توحید اور تفویض الی اللہ غالب ہے۔ اور معاملہ حضرت احدیّت بھی یہی ہے کہ خودروی کے کاموں سے سخت منع کیا جاتا ہے۔ یہ مخاطبت حضرت احدیّت سے بارہا ہو چکی ہے "لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا"[2] سو چونکہ بیعت کے بارے میں اب تک خداوند کریم کی طرف سے کچھ علم نہیں۔ اس لئے تکلّف کی راہ میں قدم رکھنا جائز نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔[3] مولوی صاحب اخوت دینی کے بڑھانے میں کوشش کریں اور اخلاص اور محبت کے چشمہ صافی سے اس پودہ کی پرورش میں مشغول رہیں۔ تو یہی طریق اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔ **خلقتم من نفس واحدة جزاء البدن مستفيض لما استفاض البدن كله و كونوا مع الصادقين هم قوم لايشقٰى جليسهم۔ والسلام۔**

بخدمت خواجہ علی صاحب سلام علیکم۔ ابھی مولوی صاحب کا اس جگہ تشریف لانا بے وقت ہے۔ یہ عاجز حصہ چہارم کے کام سے کسی قدر فراغت کر کے اگر خدا نے چاہا اور نیت صحیح میسر آ گئی تو غالباً امید کی جاتی ہے کہ آپ ہی حاضر ہوگا **والامر كله فی يدالله وما اعلم ما اريد فی الغيب**۔☆

مکتوب نمبر۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آن مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ خداوند کریم کا کیسا شکر کیا چاہئے کہ اُس نے اپنے تفضّلاتِ قدیم سے آپ جیسے دلی دوست بہم پہنچائے۔ اگرچہ آپ کا اخلاص کامل اس درجہ پر ہے کہ اس عاجز کا دل بلا اختیار آپ کی دعا کیلئے کھینچا چلا جاتا ہے۔ پر جس ذات قدیم نے آپ کو یہ اخلاص بخشا ہے اُس نے خود آپ کو چُن لیا ہے۔ تب ہی یہ اخلاص بخشا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[4]

بخدمت مخدومی مولوی عبدالقادر صاحب بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے سمجھا ہے

[1] بنی اسرآءیل: ۳۷ [2] الکھف: ۲۴ [3] الطلاق: ۲ [4] الحدید: ۲۲ ☆ الحکم ۲۹ نومبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۷

نہایت بہتر ہے۔ دنیا میں دعا جیسی کوئی چیز نہیں۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ [1] یہ عاجز اپنی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ یہی سمجھتا ہے کہ اپنے لئے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے ایسی دعائیں کرنے کا وقت پاتا رہے کہ جو ربُّ العرش تک پہنچ جائیں اور دل تو ہمیشہ تڑپتا ہے کہ ایسا وقت ہمیشہ میسر آجایا کرے۔ مگر یہ بات اپنے اختیار میں نہیں۔ سو اگر خداوند کریم چاہے گا تو یہ عاجز آپ کے لئے دعا کرتا رہے گا۔ یہ عاجز خوب جانتا ہے کہ سچا تعلق وہی ہے جس میں سرگرمی سے دعا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی بزرگ کا مرید ہے مگر اُس بزرگ کے دل میں اس شخص کی مشکل کشائی کیلئے جوش نہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جس کے دل میں بہت جوش ہے اور وہ اُسی کام کے لئے ہو رہا ہے کہ حضرت احدیّت سے اُس کی رستگاری حاصل کرے۔ سو خدا کے نزدیک سچا رابطہ یہ شخص رکھتا ہے۔ غرض پیری مریدی کی حقیقت یہی دعا ہی ہے۔ اگر مرشد عاشق کی طرح ہو اور مرید معشوق کی طرح تب کام نکلتا ہے۔ یعنی مرشد کو اپنے مرید کی سلامتی کے لئے ایک ذاتی جوش ہو۔ تا وہ کام کر دکھاوے۔ سرسری تعلقات سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ کوئی نبی اور ولی قوّت عشقیہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یعنی اُن کی فطرت میں حضرت احدیّت نے بندگانِ خدا کی بھلائی کے لئے ایک قسم کا عشق ڈالا ہوا ہوتا ہے۔ پس وہی عشق کی آگ اُن سے سب کچھ کراتی ہے اور اگر اُن کو خدا کا یہ حکم بھی پہنچے کہ اگر تم دعا اور غمخواری خلق اللہ نہ کرو تو تمہارے اجر میں کچھ قصور نہیں۔ تب بھی وہ اپنے فطرتی جوش سے رہ نہیں سکتے اور اُن کو اس بات کی طرف خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم کو جان کنی سے کیا اجر ملے گا۔ کیونکہ اُس کے جوشوں کی بِنا کسی غرض پر نہیں بلکہ وہ سب کچھ قوت عشقیہ کی تحریک سے ہے۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [2] خدا اپنے نبی کو سمجھاتا ہے کہ اس قدر غم اور درد کہ تُو لوگوں کے مومن بن جانے کیلئے اپنے دل پر اُٹھاتا ہے۔ اسی میں تیری جان جاتی رہے گی۔ سو وہ عشق ہی تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان جانے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پس حقیقی پیری مریدی کا یہی اصول ہے اور صادق اسی سے شناخت کئے جاتے ہیں کیونکہ خدا کا قدیمی اصول ہے کہ قوت عشقیہ صادقوں کے دلوں میں ضرور ہوتی ہے تا وہ سچے غمخوار بننے کے لائق ٹھہریں۔ جیسے والدین اپنے بچہ کے لئے ایک قوتِ عشقیہ رکھتے ہیں۔ تو اُن کی دعا بھی اپنے بچوں کی نسبت قبولیت

---

[1] ترمذی کتاب الدعوات [2] الشعرآء: ۴

کی استعداد زیادہ رکھتی ہے۔ اسی طرح جو شخص صاحب قوتِ عشقیہ ہے وہ خلق اللہ کیلئے حکمِ والدین رکھتا ہے اور خواہ نخواہ دوسروں کا غم اپنے گلے ڈال لیتا ہے کیونکہ قوتِ عشقیہ اُس کو نہیں چھوڑتی اور یہ خداوندکریم کی طرف سے ایک انتظامی بات ہے کہ اُس نے بنی آدم کو مختلف فطرتوں پر پیدا کیا ہے۔ مثلاً دنیا میں بہادروں اور جنگجو لوگوں کی ضرورت ہے سو بعض فطرتیں جنگجوئی کی استعداد رکھتی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے کہ جن کے ہاتھ پر خلق اللہ کی اصلاح ہوا کرے۔ سو بعض فطرتیں یہی استعداد لے کر آتی ہیں اور قوت عشقیہ سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ **فَالْحَمْدُلِلّٰہِ علٰی الآء ظاھرھا و باطنھا**۔ مولوی صاحب اگر رسالہ بھیج دیں تو بہتر ہے۔ شاہ دین صاحب رئیس لودہیانہ کی طرف اُنہیں دنوں میں کتاب بھیجی گئی۔ جب آپ نے لکھا تھا مگر اُنہوں نے پیکٹ واپس کیا اور بغیر کھولنے کے اوپر بھی لکھ دیا کہ ہم کو لینا منظور نہیں۔ چونکہ ایک خفیف بات تھی اس لئے آپ کو اطلاع دینے سے غفلت ہوگئی۔ آپ کوشش میں توکل کی رعایت رکھیں اور اپنے حفظِ مرتبت کے لحاظ سے کارروائی فرماویں اور جو شخص اس کام کا قدر نہ سمجھتا ہو یا اہلیت نہ رکھتا ہو اُس کو کچھ کہنا کہانا مناسب نہیں۔

۲۱ رمئی ۱۸۸۳ء مطابق رجب ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ھٰذا آن مخدوم کا سعی اور کوشش کیلئے جالندھر میں تشریف لے جانا خط آمدہ آں مخدوم سے معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرماوے۔ جس آیت کو ایک مرتبہ بنظر کشفی دیکھا گیا تھا۔ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ[1] اس شجرہ طیبّہ کے آثار ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔

[1] ابراھیم: ۲۵

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ [1] نیچریوں کا جو آپ نے حال لکھا ہے یہ لوگ حقیقت میں دشمن دین ہیں يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ [2] لیکن خداوند قادر مطلق کے کام عقل اور قیاس سے باہر ہیں۔ وہ ہمیشہ عاجزوں اور ضعیفوں اور کمزوروں کو متکبروں اور مغروروں پر غالب کرتا رہا ہے اور آخر کار اُنہیں کی فتح ہوتی رہی ہے جو خدا کے لئے متکبروں کے ہاتھ سے ستائے گئے۔ اور اگر خدا چاہتا تو ستائے نہ جاتے لیکن یہ اس لئے ضروری ہوا کہ تا خداوند کریم اپنے الطافِ خفیہ کو بصورت جلال اُن پر متجلّی کرے اور نفس کے پوشیدہ عیبوں سے اُن کو خلاصی بخشے اور اُن پر اُس کا تنہا ہونا، بیکس ہونا، غریب ہونا، ذلیل ہونا، بے اقتدار ہونا ثابت کر کے عبودیتِ حقیقی کے اعلیٰ مراتب تک پہنچاوے۔ کسی بشر کی طاقت نہیں کہ جو اپنے منہ کی واہیات باتوں سے خدا تعالیٰ کے ارادہ کو نافذ ہونے سے روک رکھے۔ اگر اُس کی حکمت کا تقاضا نہ ہوتا تو مزاحمین اور مخالفین کا وجود نابود ہو جاتا۔ پر ان لوگوں کے وجود میں گروہ ثانی کے لئے بڑے بڑے مصالحہ ہیں اور بعض کمالات اُن کے اسی پر موقوف ہیں کہ ایسے لوگ بھی موجود ہوں۔ درود شریف پڑھنے کی مفصل کیفیت پہلے لکھ چکا ہوں۔ وہی کیفیت آپ لکھ دیں۔ کسی تعداد کی شرط نہیں۔ اس قدر پڑھا جائے کہ کیفیت صلوٰۃ سے دل مملو ہو جائے اور ایک انشراح اور لذت اور حیواۃ قلب پیدا ہو جائے۔ اور اگر کسی وقت کم پیدا ہو تب بھی بے دل نہیں ہونا چاہئے اور کسی دوسرے وقت کا منتظر رہنا چاہئے اور انسان کو وقت صفا ہمیشہ میسر نہیں آسکتا۔ سو جس قدر میسر آوے اُس کو کبریت اَحمر سمجھے اور اُس میں دل و جان سے مصروفیت اختیار کرے۔ پہلے اس سے آپ کی طرف ایک خط لکھا گیا تھا۔ سو جیسا کچھ اُس میں لکھا گیا تھا آپ مبلغ (پچاس) روپیہ بھیج دیں۔ بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب سلام مسنون۔

۲؍جون ۸۳ء مطابق ۲۵؍رجب ۱۳۰۰ھ

---

[1] الجمعة: ۵ [2] النسآء: ۱۵۱

مکتوب نمبر ۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب زاد اللہ فی برکاتہم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آن مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ سبحان اللہ کیا جوش ہے کہ خداوندکریم نے آپ کے دل میں ڈال دیا اور ایسا ہی آپ کے دوست مولوی عبدالقادر صاحب کے دل میں ۔ خداوند کریم بندوں کے فعل اور اُن کی نیّات کو خوب جانتا ہے جو شخص اُس کے لئے کوئی درد اُٹھاتا ہے ۔ اُس کا عمل کبھی ضائع نہیں ہوگا ۔ اُس کی نظرعنایت اگرچہ دیر سے ظاہر ہو مگر جب ظاہر ہوتی ہے تو وہ کام کر دکھاتی ہے جس کی عاجز بندہ کو کچھ امید نہیں ہوتی ۔ خداوند کریم آپ کی اس دلی جوش میں مدد کرے اور اپنی عنایت خاص سے ثابت قدمی بخشے اور ابتلا سے محفوظ رکھے اور آپ بھی ثابت قدمی کیلئے دعا کرتے رہیں کیونکہ بڑے بڑے کاموں میں ابتلا بھی بڑی بڑی پیش آتی ہیں اور انسان ضعیف البنیان کی کیا طاقت ہے کہ خود بخود بغیر عنایت و حمایت حضرت احدیّت کے کسی ابتلا کا مقابلہ کرسکے ۔ پس ثبت اقدام اُسی سے مانگنا چاہئے اور اُسی کی حول وقوت پر بھروسہ کرنا چاہئے ۔ ہم سب لوگ بغیر اُس کے فضل واحسان کے کچھ بھی نہیں ۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض لوگ یاوہ گوئی کرتے ہیں ۔ سو آپ جانتے ہیں کہ ہر ایک امر خداوندکریم کے ہاتھ میں ہے ۔ کسی کی فضول گوئی سے کچھ بگڑتا نہیں ۔ اسی طرح پر عادت اللہ جاری ہے کہ ہر ایک مہم عظیم کے مقابلہ پر کچھ معاند ہوتے چلے آئے ہیں ۔ خدا کے نبی اور اُن کے تابعین قدیم سے ستائے گئے ہیں ۔ سو ہم لوگ کیونکر سنت اللہ سے الگ رہ سکتے ہیں ۔ وہ اندر کی باتیں جو مجھ پر ظاہر کی جاتی ہیں ۔ ہنوز اُن میں کچھ بھی نہیں ۔ کئی مکروہات درپیش ہیں جن میں خدا کی حفاظت درکار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کا فعل قابل اعتراض نہیں ۔ جو کچھ کرتا ہے بہت اچھا کرتا ہے ۔ کسی کی کیا طاقت ہے کہ کچھ بول سکے ، جب تک اُس بولنے میں اُس کی کچھ حکمت نہ ہو اور کم سے کم یہی حکمت ہے کہ جن مَردوں نے سچائی کی راہ پر قدم مارا ہے ۔ اُن کے لئے یہ ابتلا درپیش رہا ہے اور اس ابتلا پر ثابت قدم رہنے سے وہ اجر پاتے ہیں ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا

وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ [1] آج قبل اس خط کے یہ الہام ہوا۔ کَذَبَ عَلَیْکُمُ الْخَبِیْثُ . کَذَبَ عَلَیْکُمُ الْخِنْزِیْرُ۔ عِنَایَتُ اللّٰہِ حَافِظُکَ۔ اِنِّیْ مَعَکَ اَسْمَعُ وَاَرٰی [2] اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ [3] فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا [4] ان الہامات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی ناپاک طبع آدمی اس عاجز پر کچھ جھوٹ بولے گا یا جھوٹ بولا ہو۔ مگر عنایت الٰہی حافظ ہے۔ اب سوچنا چاہئے کہ جب ہر ایک موذی اور معانداور دروغ گو اور بہتان طراز کے شر سے خود خداوند کریم بچانے کا وعدہ کرتا ہے تو پھر کس سے بجز اُس کے خوف کریں۔ چندروز ہوئے کہ خداوند کریم کی طرف سے ایک اور الہام ہوا تھا۔ کچھ حصہ اُس میں سے پہلے بھی الہام ہو چکا ہے۔ مگر یہ الہام مفصل ہوا اور اُس سے خداوند کریم کی جو کچھ عنایت اس عاجز اور اس عاجز کے دوستوں پر ہے ظاہر ہے اور وہ یہ ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ [5] اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ۔ وَقَالُوْا اَنّٰی لَکَ ھٰذَا ۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ عَجِیْبٌ یَجْتَبِیْ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ [6] وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ [7] اور یہ آیت کہ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ [8] بار بار الہام ہوئے اور اس قدر متواتر ہوئے کہ جس کا شمار خدا ہی کو معلوم ہے اور اس قدر زور سے ہوئے کہ میخ فولادی کی طرح دل کے اندر داخل ہے۔ اس سے یقیناً معلوم ہوا کہ خداوند کریم اُن سب دوستوں کو جو اس عاجز کے طریق پر قدم ماریں بہت سی برکتیں دے گا۔ اور اُن کو دوسرے طریقوں کے لوگوں پر غلبہ بخشے گا اور یہ غلبہ قیامت تک رہے گا۔ اور اس عاجز کے بعد کوئی ایسا مقبول آنے والا نہیں جو اس طریق کے مخالف قدم مارے۔ اور جو مخالف قدم مارے گا اُس کو خدا تباہ کرے گا اور اُس کے سلسلہ کو پائیداری نہیں ہوگی۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جو ہرگز تخلّف نہیں کرے گا اور کفر کے لفظ سے اس جگہ شرعی کفر مراد نہیں بلکہ صرف انکار ہی مراد ہے۔ غرض یہ وہ سچا طریق ہے جس میں ٹھیک ٹھیک حضرت نبی کریم کے قدم پر قدم ہے۔ اللّٰھم صلّ علیہ وآلہٖ وسلّم ۔ آپ درود شریف کے پڑھنے میں بہت ہی متوجہ رہیں اور جیسا کوئی اپنے پیارے کیلئے

[1] العنکبوت: ۳ [2] تذکرہ صفحہ ۴۸، ۴۹۔ ایڈیشن چہارم [3] الزّمر: ۳۷ [4] الاحزاب: ۷۰ [5] اٰلِ عمران: ۳۲
[6] تذکرہ صفحہ ۴۸۔ ایڈیشن چہارم [7] اٰلِ عمران: ۱۴۱ [8] اٰلِ عمران: ۵۶

فی الحقیقت برکت چاہتا ہے ایسے ہی ذوق اور اخلاص سے نبی کریم کے لئے برکت چاہیں اور بہت ہی تضرع سے چاہیں اور اُس تضرع اور دعا میں کچھ بناوٹ نہ ہو بلکہ چاہئے کہ حضرت نبی کریم سے سچی دوستی اور محبت ہو اور فی الحقیقت روح کی سچائی سے وہ برکتیں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگی جائیں کہ جو درود شریف میں مذکور ہیں۔ اگرچہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دوسرے کی دعا کی حاجت نہیں لیکن اس میں ایک نہایت عمیق بھید ہے۔ جو شخص ذاتی محبت سے کسی کیلئے رحمت اور برکت چاہتا ہے وہ بباعث علاقہ ذاتی محبت کے اُس شخص کے وجود کی ایک جز ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فیضان حضرت احدیّت کے بے انتہا ہیں اس لئے درود بھیجنے والوں کو کہ جو ذاتی محبت سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت چاہتے ہیں بے انتہا برکتوں سے بقدر اپنے جوش کے حصہ ملتا ہے۔ مگر بغیر روحانی جوش اور ذاتی محبت کے یہ فیضان بہت ہی کم ظاہر ہوتا ہے اور ذاتی محبت کی یہ نشانی ہے کہ انسان کبھی نہ تھکے اور نہ کبھی ملول ہو اور نہ اغراض نفسانی کا دخل ہو اور محض اسی غرض کے لئے پڑھے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خداوند کریم کے برکات ظاہر ہوں۔ دوسرے اَوْرَاد بھی بدستور محفوظ رکھیں۔ بیکاری کچھ چیز نہیں ہے ہر وقت سرگرمی کی توفیق خداوند کریم سے مانگنی چاہئے۔ بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب و قاضی خواجہ علی صاحب سلام مسنون پہنچادیں۔ ☆

۱۲؍جون ۱۸۸۳ء مطابق ۶ شعبان ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

☆ الحکم ۵؍مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۷

مکتوب نمبر۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا آں مخدوم کے دو عنایت نامہ دوسرے بھی پہنچ گئے۔ الحمد للہ کہ کام طبع کا شروع ہے۔ یہ سب اُسی کریم کی عنایات اور تفضّلات ہیں کہ اس ناکارہ اور عاجز کے کاموں کا آپ متولی ہو رہا ہے۔ ع

اگر ہر موئے من گردد زبانے
ازو رانم بہر یک داستانے

پنڈت دیانند نے کتاب طلب نہیں کی اور نہ راستی اور صدق کے راہ سے جواب لکھا بلکہ اُن لوگوں کی طرح جو شرارت اور تمسخر سے گفتگو کرنا اپنا ہنر سمجھتے ہیں۔☆ ایک خط بھیجا اور خط رجسٹری کرا کر بھیجا گیا۔ جس کا خلاصہ صرف اس قدر تھا مجھ کو خدا تعالیٰ نے حقیقت اسلام پر یقین کامل بخشا ہے اور ظاہری اور باطنی دلائل سے مجھ پر کھول دیا ہے کہ دنیا میں سچا دین دینِ محمدیؐ ہے اور اسی جہت سے مَیں نے محض خیر خواہی خلق اللہ کی رُو سے کتاب کو تالیف کیا ہے اور اُس میں بہت سے دلائل سے ثابت کر کے دکھلایا ہے کہ تعلیمِ حقّانی محض قرآنی تعلیم ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوں بلکہ اس بات کا بوجھ آپ کی گردن پر ہے کہ جن قوی دلیلوں سے آپ کے مذہب کی بیخ کنی کی گئی ہے اُن کو توڑ کر دکھلاویں یا اُن کو قبول کریں اور ایمان لاویں اور میں ہر وقت کتاب کو مفت دینے کو حاضر ہوں۔ اس خط کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اسی حصہ چہارم میں اُن کے مذہب اور اصول کے متعلق بہت کچھ لکھا جائے گا اور آپ اگر خط کو چھپوا دیں تو آپ کو اختیار ہے۔ مولوی عبد القادر صاحب کی خدمت میں اور نیز قاضی خواجہ علی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون پہنچے۔

۱۵؍جون ۱۸۸۳ء مطابق ۹؍شعبان ۱۳۰۰ھ

☆ نقل مطابق اصل۔ اگلے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت دیانند کو بھیجا تھا۔

مکتوب نمبر ۲۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ رَبُّہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہٰذا آن مخدوم کے دوعنایت نامہ پے در پے پہنچے۔ باعث مسرت اور خوشی کا ہوا۔ آپ کی کوششوں سے بار بار دل خوش ہوتا ہے اور بار بار دعا آپ کے لئے اور آپ کے معاونوں کے لئے دل سے نکلتی ہے۔ خداوند کریم نہایت مہربان ہے۔ اُس کے تفضّلات سے بہت سی امیدیں ہیں۔ اس کی راہ میں کوئی محنت ضائع نہیں ہوتی۔ آپ نے لکھا تھا کہ ایک عالم نے فیروز پور میں اعتراض کیا ہے کہ رسول مقبول نے سیر ہو کر بھی کھایا ہے۔ لیکن اس بزرگ عالم نے اس عاجز کی تقریر کا منشاء نہیں سمجھا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر ہونے کے معنی سمجھے ہیں۔ طیّبین اور طاہرین کا سیر ہو کر کھانا اُس قسم کا سیر ہونا نہیں ہے جو اُن لوگوں کا ہوا کرتا ہے جن کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایسے کھاتے ہیں جیسے چار پائے کھایا کرتے ہیں اور آگ اُن کا ٹھکانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت سیر ہو کر کھانا اور ہی نور ہے اور اگر اُس سیری کو اُن لوگوں کی طرف نسبت دی جاوے جن کا اصل مقصد احتظاذ اور تمتع ہے اور جن کی نگاہیں نفسانی شہوات کے استفا تک محدود ہیں تو اُس سیری کو ہم ہرگز سیری نہیں کہہ سکتے۔ سیری کی تعریف میں پاکوں اور مقدسوں کی اصطلاح اور ناپاکوں اور شکم پرستوں کی اصطلاح الگ الگ ہے اور پاک لوگ اُسی قدر غذا کھانے کا نام سیری رکھ لیتے ہیں کہ جب فی الجملہ وقت جوع دور ہو جائے اور حرکات وسکنات پر قوت حاصل ہو جائے۔ غرض مومن کی سیری یہی ہے کہ اس قدر غذا کھائے جو اُس کی پشت کو قائم رکھے اور حقوق واجبہ ادا کر سکے۔ پس جو سیّد المومنین ہے۔ اُس کی سیری کا قیاس عام لوگوں کی سیری پر قیاس مع الفارق ہے۔ اسی طرح بہت لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم کو نہیں سمجھا اور الفاظ کے مورد استعمال کو ملحوظ نہیں رکھا اور اپنے تئیں غلطی میں ڈال لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت یہ فرمانا کہ میں سیر ہو گیا ہوں ہرگز اُس قول کا مرادِف نہیں کہ جو دنیاداروں کے منہ سے نکلتا ہے جنہوں نے اصل مقصد اپنی زندگی کا کھانا ہی سمجھا ہوا ہوتا ہے۔ غرض پاکوں کا کام اور کلام پاکوں کے

مراتبہ عالیہ کے موافق سمجھنا چاہئے۔ اور اُن کے امورِ کا دوسروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ درحقیقت اس عالم سے باہر ہوتے ہیں۔ گوبصورت اسی عالم کے اندر ہی ہوں۔

اور بہرام خان صاحب کی کوشش سے طبیعت بہت خوش ہوئی۔ خدا اُن کو اجر بخشے۔ کتاب سات سو جلد چھپی ہے لیکن اب میں نے تجویز کی ہے کہ ہزار جلد چھپے تو بہتر۔ منشی فضل رسول صاحب کا خط میں نے پڑھا۔ منشی صاحب کے پاس جس نے یہ بیان کیا ہے کہ وید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اُس نے بہت ہی دھوکہ کھایا۔ وید میں تو خدا کا بھی اُس کی شان کے لائق ذکر نہیں چہ جائیکہ اُس کے رسول کا بھی ذکر ہو۔ جن باتوں سے وید بھرا ہوا ہے وہ آتش پرستی اور شمس پرستی اور اِندر پرستی وغیرہ ہے۔ اور مدارالمہام تمام دنیا کا انہیں چیزوں کو وید نے سمجھا ہے اور انہیں کی پرستش کیلئے وید نے ترغیب کی ہے اور کئی دفعہ اس عاجز کو نہایت صراحت سے الہام ہوا ہے کہ وید گمراہی سے بھرا ہوا ہے[1] اور وید کا ایک حصہ ترجمہ شدہ اس عاجز کے پاس موجود ہے اور پنڈت دیانند کے وید بھاش میں سے بھی سنتا رہا ہوں اور جو کچھ اُردو میں وید بھاش لکھا گیا وہ بھی دیکھتا رہا ہوں۔ اس صورت میں وید کوئی ایسی عجیب چیز نہیں ہے جس کی حقیقت پوشیدہ ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اَظْھَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے۔ ویدوں کے پُرظلمت بیان کی محتاج نہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ویدوں میں کسی قسم کی پیشگوئی نہیں اور نہ کسی معجزہ کا ذکر ہے۔ جہاں تک دریافت ہوتا ہے وید کی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی پُرانے زمانہ کے شاعروں کے شعر ہیں کہ جو مخلوق چیزوں کی تعریف میں بنائے ہوئے ہیں۔

ابتدا میں جب یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی تو اسلامی ریاستوں میں توجہ اور مدد کے لئے لکھا گیا تھا بلکہ کتابیں بھی ساتھ بھیجی گئی تھیں۔ سو اس میں سے صرف نواب ابراہیم علی خان صاحب نواب مالیر کوٹلہ اور محمود خان صاحب رئیس چھتاری اور مدارالمہام جونا گڑھ نے کچھ مدد کی تھی۔ دوسروں نے اوّل توجہ ہی نہیں کی اور اگر کسی نے کچھ وعدہ بھی کیا تو اُس کا ایفا نہیں کیا۔ بلکہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھوپال سے ایک نہایت مخالفانہ خط لکھا۔ آپ ان ریاستوں سے نا اُمید رہیں اور اس کام کی امداد کے لئے مولیٰ کریم کو کافی سمجھیں۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[2]

[1] تذکرہ صفحہ ۴۹۔ ایڈیشن چہارم [2] الزُّمر : ۳۷

اور میں آپ کو یہ بھی تحریر کرتا ہوں کہ جو شخص اپنی رائے کے موافق کتاب کو واپس کرے یا لینا منظور نہ کرے یا کتاب یا کتاب کے مؤلّف کی نسبت کچھ مخالفانہ رائے ظاہر کرے۔ اس کو یکدفعہ اپنے خلق سے محروم نہ کریں۔☆

۲۱؍جون ۱۸۸۳ء مطابق ۱۹؍شعبان ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر۲۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منشی فضل رسول صاحب کے خط کی نقل معہ کارڈ پہنچ گئے اور میں نے اُس دل آزار تقریر کو تمام وکمال پڑھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ[1] جب میں نے منشی صاحب کے اس فقرہ کو پڑھا کہ اس میں توبیان توحید ایسا ہے کہ اور کتابوں میں بھی نہیں ہے تو یہ یاد کر کے کہ منشی صاحب نے وید کو توحید میں بے مثال و مانند قرار دے کر قرآن شریف کی عظمت کا ایک ذرّہ پاس نہیں کیا اور دلیری سے کہہ دیا کہ جو وید میں توحید ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس فقرہ کے پڑھنے سے عجیب حالت ہوئی کہ گویا زمین وآسمان آنکھوں کے آگے سیاہ نظر آتا تھا۔ رَبِّ اَصۡلِحۡ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ۔[2] پھر بعد اس کے منشی صاحب اس عاجز ذلیل، غریب تنہا سے پوچھتے ہیں کہ وید پڑھے ہیں یا نہیں اور اگر وید کو نہیں پڑھا تو اب تحقیق سے کسی وید دان سے دریافت کرنا چاہئے۔ تو اس بات کا جواب منشی صاحب کو کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا معرضِ بیان میں لاویں۔ جس حالت میں پہلے خط میں لکھا گیا تھا کہ جو کچھ یہ بیان کیا گیا ہے بلا تحقیق نہیں تو اگر منشی صاحب ایک ذرّہ اس عاجز سے حسن ظن رکھتے تو بلا فائدہ تقریر کو طول نہ دیتے۔ لیکن اس پُرآشوب زمانہ میں ہم غریبوں پر کسی کا حسن ظن کہاں؟ جب خداوند کریم دلوں کو اس طرف پھیرے گا تب نیک دل لوگ اس طرف پھریں گے۔ اس وقت رگوید جو چاروں ویدوں میں پہلا وید ہے اور سب سے زیادہ متبرک اور معتبر اور مستندالیہ سمجھا گیا ہے میرے سامنے رکھا ہوا ہے جس کے ساتھ پروفیسر ولسن صاحب کی ایک مختصر شرح بھی ہے۔ اس میں

☆ الحکم ۱۲؍مئی ۱۸۸۹ء صفحہ ۳،۴ [1] البقرۃ:۱۵۷ [2] تذکرہ صفحہ ۳۷۔ ایڈیشن چہارم

صاحب موصوف نے بعد بہت سی تحقیق کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اُپنشدیں جو وید کے ساتھ شامل ہیں۔ وید میں سے نہیں ہیں بلکہ وید کے تصنیف کے بہت مدت کے بعد تالیف پائے ہیں اور یہ رائے محقق پنڈتوں کی ہے کہ اُپنشدیں وید میں سے نہیں ہیں۔ یہ برہمن پشتک ہیں جو انسانوں نے یعنی برہمنوں نے اوراور وقتوں میں اپنے خیال سے لکھے ہیں۔ یہاں تک کہ پنڈت دیانند نے بھی اپنے وید بھاش میں جو ان دنوں میں چھپ رہا ہے اور ایک پرچہ اُس کا قادیان میں بھی ایک آریہ کے نام آتا ہے یہی رائے لکھی ہے اور پنڈت دیانند علانیہ لکھتا ہے کہ اُپنشدیں ہرگز وید میں داخل نہیں اور نہ وید کی جز ہے۔ وہ تو لوگوں نے پیچھے سے باتیں بنائی ہیں۔ چونکہ پنڈت دیانند اب تک مقام شاہ پور ضلع ارل میں زندہ موجود ہے اور آج پنڈتوں میں وہ دعویدار ہے کہ میرا ثانی اور کوئی پنڈت نہیں۔ اُسی سے منشی صاحب دریافت کر سکتے ہیں کہ اُپنشدیں جن کا بطور مختصر ترجمہ داراشکوہ نے کیا یہ حقیقت میں وید ہی ہیں؟ یہ کیا چیز ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ داراشکوہ کے وقت میں وید ایک مدفون اور مخفی چیز کی طرح تھا اور مسلمانوں کو اُس کی حقیقت کی خبر نہیں تھی۔ سو جب داراشکوہ نے ہندو پنڈتوں سے کچھ وید کا ترجمہ چاہا تو انہوں نے اندیشہ کیا۔ کہ اگر ہم مسلمانوں پر اصل وید کی حقیقت ظاہر کریں گے تو ہمارا پردہ اُڑ جائے گا۔ بہتر ہے کہ اکبر بادشاہ کی طرح اُس کو بھی دام میں لاویں اور جہاں تک ہو سکے اس کے مزاج میں بھی کچھ الحاد ڈالیں تو اُنہوں نے اُس کو ناواقف سمجھ کر بعض اُپنشدوں کا ترجمہ کرا دیا اور اب کھل گیا کہ وہ ترجمہ بھی صحیح نہیں۔ بہرحال داراشکوہ نے کمال غلطی کھائی کہ اُپنشدوں کو وید سمجھ بیٹھا اور اُس کے بہت سے خیالات پریشان تھے۔ جن کی منشی صاحب کو خبر نہیں۔ چغتائی سلطنت پر پہلے آفت یہی نازل ہوئی تھی کہ اکبر اور اُس کی بعض بدنصیب نسل نے کلامِ الٰہی کو جیسا کہ چاہیے قدر نہیں کی تھی۔ اور ہندوؤں کے شرک آمیز اور غلط گیان کی تلاش میں پڑ گئے۔

اب ہم اس بات کو چھوڑ کر پروفیسر مذکور کی وید کی نسبت رائے لکھتے ہیں۔ وہ اپنی تمہیدی تقریر میں جو وید کی تفسیر کے پہلے لکھی ہے تحریر کرتے ہیں کہ

حقیقت میں وید کے کسی فقرہ سے جو ہم نے اب تک دیکھے ہیں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ وید کے مصنّف پیدا کنندہ عالم کے معتقد تھے اور ہندوؤں کے پرستش کے دیوتاؤں کی جو وید میں لکھے ہیں۔ جیسے آگ، پانی، چاند، سورج اُن کی تعریفوں کی عبارت ایسی ہے جس میں صریح مخلوق کی صفتیں پائی

جاتی ہیں اور پھر وہ لکھتے ہیں کہ لفظ **اُوم** کہ جو پہلے زمانہ کے مذہب ہنود کی نشانی ہے اُس کا وید میں بالکل ذکر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ان تینوں دیوتاؤں کے نام کا خلاصہ ہے۔یعنی **برہما** کے اخیر کا الف لیا گیا اور **وشن** کی واؤ لی گئی اور **مہادیو** کا میم لیا گیا۔ ان تینوں کے جوڑ سے اُوم بن گیا اور تمام پنڈتوں کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ اُوم کا لفظ برہما، وشن، مہادیو کے نام سے ایک ایک حرف لے کر بنایا گیا ہے اور پنڈت دیانند کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ اُوم کا لفظ ترہمورتی مذہب کا ایجاد ہے۔ مگر ترہمورتی مذہب یعنی جس میں تین مورتوں کی پرستش کا ذکر ہے وید میں نہیں ہے کیونکہ یوں تو وید میں بیسیوں دیوتاؤں کی پرستش کا ذکر ہے لیکن برہما، وشن، مہادیو کا کہیں نشان نہیں۔ ہاں وشن کی پرستش کے لئے ایک شُرتی آئی ہے مگر وہاں وشن کے معنی سورج ہیں۔سورج وید کے دیوتاؤں میں سے ایک اوسط درجہ کا دیوتا ہے جس کا مرتبہ اگنی دیوتا سے کچھ نیچا اور بعض دوسرے دیوتاؤں سے کچھ اونچا ہے۔اب دیکھئے منشی صاحب اپنے خط میں فرماتے ہیں کہ ہندوؤں میں وجودِحق کے لئے اُوم کا لفظ جواسم ذات ہے قرار دیا گیا ہے۔ کیا افسوس کا مقام ہے کہ منشی صاحب نے ایک ناواقف آدمی کی تحریر فضول پر اعتماد کلی کر کے اُوم کے لفظ کو اسم ذات مقرر کر دیا۔ حالانکہ ابھی ہم ظاہر کر چکے۔ کہ اُوم کا لفظ ان متأخر مشرکین ہنود کا ایجاد ہے جنہوں نے برہما، وشن، مہادیو کی صورتوں کی پرستش اختیار کی تھی اور اب کرتے ہیں۔ان کے دانشمند پنڈتوں میں سے کوئی بھی اس بات سے ناواقف نہیں کہ اُوم کا لفظ اسی ترہمورتی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختراع کیا گیا ہے۔ خدا سے اور خدا کی ذات سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ بھلا اگر منشی صاحب کے نزدیک یہ اسم ذات ہی ہے تو پھر کئی پنڈت جیسے دیانند[۱]، کھڑک سنگھ،[۲] پنڈت شاستری صاحب وغیرہ جواب تک جیتے جاگتے موجود ہیں۔ اُن کی شہادت اپنے بیان پر پیش کریں۔ واضح رہے کہ ہندوؤں میں دوقسم کے مخلوق پرست ہیں۔ایک تو وہ جو صرف وید کے دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور یہ فرقہ بہت کم پایا جاتا ہے اور دوسرے وہ گروہ جنہوں نے ترہمورتی کا مذہب ہزاروں برس کے بعد وید کے نکالا ہے۔ وہ برہما، وشن، مہادیو کو مانتے ہیں اور اُوم کے لفظ کو بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے دیوتاؤں کے ناموں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بہرحال ہماری بحث صرف وید سے متعلق ہے اور ہر چند ہم جانتے ہیں کہ اُپنشدوں میں بہت سی

۱؎ مر گئے ۲؎ عیسائی ہو گئے تھے

غلطیاں ہیں اور ہم نے اوّل سے آخر تک اُپنشدیں غور سے پڑھی ہیں اور اُن کے ذلیل اور غلط خیالات پر بفضل خداوند ہادی مطلق اطلاع پائی ہے لیکن ہم کو ان کتابوں کی تفتیش سے کچھ بھی غرض نہیں۔ جس حالت میں خود ہندوؤں کے محققین اُن اُپنشدوں کو برہمن پشتک جانتے ہیں تو پھر ہم کو کیا ضرور ہے کہ ان میں کچھ زیادہ طول کلام کریں۔ رہا وید سو ان میں جس قدر مخلوق پرستی ہے اُس کو تمام جاننے والے جانتے ہیں۔ پہلا وید اگنی کی ہی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ستائیس منتر تو اُس کی تعریف میں لکھے گئے ہیں اور پینتالیس منتر اندر کے مہابرنن میں ہیں۔ ایسا ہی ہوا اور پانی اور چانداور سورج وغیرہ کی تعریف میں کئی منتر وید میں مندرج ہیں اور اگر منشی صاحب بطور نمونہ چاہیں تو ہم رگوید سنگتہا اشٹک اوّل پہلا ادہیائے اشلوک ایک میں سے چند شرتیاں لکھ دیتے ہیں تا منشی صاحب اپنے اُس کلمہ کو پھر یاد کریں کہ جو اُنہوں نے قرآن شریف کی عظمتوں اور بزرگیوں اور ہمارے ربّ کریم کے پاک اور کامل کلام کی شوکتوں اور شانوں کو یکبارگی نظر انداز کر کے جلد تر منہ سے نکال دیا اور کہا کہ وید میں بیان توحید ایسا ہے کہ اور کتابوں میں نہیں ہے اور میں قبل از بیان یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ سخت ابتلا منشی صاحب کو ایسی عادت کی وجہ سے پیش آ گیا ہے کہ جو اپنے خط میں آپ لکھتے ہیں کہ میں مذہبی جھگڑوں سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ گویا منشی صاحب اس کام کو بنظر تحقیر دیکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ سارا قرآن شریف مذہبی جھگڑوں کے ہی ذکر میں ہے اور جو لوگ خدا کے بڑے پیارے ٹھہرے اُنہوں نے اُنہیں جھگڑوں میں جانیں دی تھیں۔ جب تک طالب حق ان جھگڑوں میں نہ پڑے دل کا صاف ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ علم عقائد اور علم فقہ اور علم تفسیر اور علم حدیث مذہبی جھگڑے ہیں جو شخص مذہبی جھگڑوں میں سے نفرت کر کے علم قرآن حاصل نہیں کرتا اور حق اور باطل میں تمیز کرنے کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا وہ بڑی خطرناک حالت میں ہے اور اُس کے سُوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔ اب وہ شرتیاں جن کا وعدہ کیا گیا تھا یہ ہیں۔

---

(۱) میں اگنی دیوتا کی، جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا اثروت والا ہے، مہما کرتا ہوں۔

اب اس جگہ اگنی کو ایک ایسا دیوتا مقرر کیا کہ جو بطور وکیل کے دوسرے دیوتاؤں کو نذریں پہنچاتا ہے۔

(۲) ایسا ہو کہ اگنی جس کا مہما زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں۔ دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔

اس میں بھی آگ کو وکیل ٹھہرا کر اُس سے یہ چاہا ہے کہ وہ دیوتاؤں کو بھی ہندوؤں پر مہربان کرے۔

(۳) اے اگنی! دیوتاؤں کو یہاں لا۔ اُن کو تین جگہ بٹھا آراستہ کر۔

اب دیکھئے! ان شرتیوں میں کچھ خدا تعالیٰ کا بھی پتہ لگتا ہے اور پھر اُن کے بعد اِندر کی بھی مہما لکھی ہے اور ایک شرتی میں اِندر کو کوشیکا کا بیٹا ٹھہرایا ہے اور کوشیکا گزشتہ زمانہ میں ایک رشی تھا۔ شارح اس کے یہ معنی لکھتا ہے کہ کوشیکا رشی کے گھر میں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ تب اُس نے اِندر دیوتا کی اشنٹ شروع کی اور بہت تپ جپ کیا اور چونکہ کوشیکا کے گھر میں بیٹا ہونا مقدر نہیں تھا مگر اِندر کو اُس پر رحم آیا۔ تب اِندر آپ ہی اُس کی عورت کے رحم میں جا پڑا اور تولد پا کر اُس کا بیٹا بن گیا۔ تب سے اِندر کا، کوشیکا کا بیٹا، نام رکھا گیا۔ اب مناسب ہے کہ منشی صاحب، عبدالمعبود صاحب سے جو اُن کے زعم میں وید کے عالم ہیں۔ ان شرتیوں کے معنی پوچھیں کہ کیونکر ایک خدائی دیوتاؤں پر منقسم ہو گیا اور آگ وہوا، پانی، سورج، چاند کا جسم پکڑا اور کیونکر وہ کوشیکا کے گھر میں پیدا ہوا۔ کیا یہ ایسا امر ہے جو چھپ سکتا ہے۔ پنڈت دیانند نے ناخنوں تک زور لگایا کہ وید میں توحید ثابت کرے۔ مگر آخر ناکام رہا۔ شاید ۱۸۷۶ء کا ذکر ہے کہ پنڈت دیانند نے کچھ اجزا وید بھاش کے تیار کر کے گورنمنٹ میں مع اپنے عریضہ کے بھیجے اور یہ درخواست کی کہ اُس کا یہ بھاش جس میں جا بجا سودائیوں کی طرح دیوتا پرستی کی دور از کار تاویلیں لکھی ہیں اور خواہ نخواہ وید کو **مُعَلِّمُ التَّوحِید** قرار دینا چاہا ہے۔ یونیورسٹی میں پڑھایا جائے۔ گورنمنٹ نے بعض نامی گرامی پنڈتوں سے کیفیت طلب کی کہ آیا وید میں مخلوق پرستی ہے یا نہیں۔ تو اُن سب نے بالاتفاق یہ کیفیت لکھی کہ وید میں دیوتا پرستی کی تعلیم ضرور ہے اور دیانند جو کچھ تاویلیں کرتا ہے یہ صحیح نہیں ہیں۔ اُن دنوں میں یہ تذکرہ اخبار وکیل شہر امرتسر میں بھی چھپ گیا تھا اور پھر اس عاجز نے بھی پنڈت دیانند کو لکھا کہ وید کی مخلوق پرستی کی تعلیم میں اگر کچھ عذر ہے تو کسی جگہ یہ ثابت کر کے دکھلاویں کہ وید میں آگ اور پانی اور سورج اور چاند وغیرہ مخلوق چیزوں کی پرستش سے کسی جگہ ممانعت بھی لکھی ہے اور کسی جگہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ

اے بندگان خدا! جو کچھ رگوید وغیرہ میں مخلوق چیزوں کی پرستش کا حکم پایا جاتا ہے اور اُن سے مرادیں مانگی گئی ہیں اور پانی اور آگ اور سورج اور چاند وغیرہ سے خدا ہی مراد ہے۔تم نے دھوکہ نہ کھانا اور خدا کو واحد لاشریک سمجھنا اور ویدوں میں جو مخلوق پرستی کی تعلیم ہے اُس پر کچھ اعتبار نہ کرنا۔ لیکن پنڈت صاحب نے ہرگز ثابت نہ کیا اور کیونکر ثابت کر سکتے ؟ ویدوں میں تو اس قدر مخلوق پرستی کھلی کھلی بیان ہے کہ کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی۔ ابتدا میں برہموسماج والوں نے ویدوں کے پڑھنے میں بڑی کوشش کی اور اُن کے بعض نامی گرامی آدمیوں نے بڑی محنت سے ویدوں کو پڑھا۔سو آخرکار انہوں نے بھی یہ رائے ظاہر کی کہ وید مخلوق پرستی سے بھرا ہوا ہے۔ابھی پنڈت شیونرائن نے تنقیح سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں مفصل طور پر بیان کیا ہے کہ وید میں مخلوق پرستی کی تعلیم بکثرت ہے اور نیز کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ گورنر بمبئی نے ہندوؤں کی تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے اور یہ گورنر اپنی قوم میں فضیلت علمی سے نہایت مشہور ہے اور آنریبل کے لقب سے ملقّب ہے۔اُس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۹ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اکثر مقامات میں بید میں خدا کا ذکر بھی ہے۔لیکن بید کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے بعض کو انسان سے برتر پیدا کیا ہے۔سُو اُن دیوتاؤں کی پرستش کرنی چاہئے اور وہ دیوتا جن کی پرستش کا وید میں حکم ہے۔ پانی اور آگ اور خاک اور ستارے وغیرہ ہیں۔

اب دیکھئے! کہ اس آنریبل نے بھی ہماری رائے سے اتفاق کیا۔ پھر پنڈت سروہارام پھلوری نے ایک رسالہ بنایا ہے اس میں تو علاوہ مخلوق پرستی کے مورتی پوجا یعنی بت پرستی کا ثبوت بھی دیا ہے۔لیکن برہموسماج والوں نے ان دلائل کو قبول نہیں کیا۔اُن کا بیان ہے کہ ویدوں میں دیوتا پرستی تو ضرور ہے اور بلاشبہ آگ و پانی وغیرہ چیزوں کی پرستش کے لئے اس میں صریح حکم ہے اور اُن چیزوں کی حمد وثنا ہے لیکن مورتی پوجا کا صریح طور پر اس میں حُکم نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ بابو نوین چندر رائے نے جو اَب لاہور میں موجود ہیں اور ویدوں کو سنسکرت میں پڑھا ہوا ہے اپنی کتاب اکشاستک میں اُس کو بہ تفصیل لکھا ہے اُن کی یہ اپنی عبارت ہے کہ برتما لوجن کا بدہان بیدوں میں نہیں پایا جاتا۔ مخلوق پرستی کی تعلیم بھی اور کسی جگہ نہیں۔اس کا یہ باعث ہے کہ وید ایک شخص کی تالیف نہیں ہے۔ وید متفرق لوگوں کے خیالات ہیں۔ پس جن پر مخلوق پرستی غالب ہے اُنہوں نے اپنے کلام میں

مخلوق پرستی کی تعلیم کی ، اور جولوگ کچھ توحید پسند کرتے تھے اُنہوں نے توحید میں گفتگو کی لیکن جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں پروفیسر ولسن صاحب کی یہ رائے ہے کہ جہاں تک ہم نے ویدوں کو دیکھا ہے ان تمام مواضع میں مخلوق پرستی بھری ہوئی ہے اور خالق الکائنات کا نام ونشان ۔ (نہیں) اب قصہ کوتاہ یہ کہ جن ویدوں کا یہ حال ہے کہ باتفاق تمام محققین کے مخلوق پرستی کی تعلیم کرتے ہیں ۔اُن کی تعریف کرتے وقت خدا سے ڈرنا چاہئے اور جو منشی صاحب لکھتے ہیں کہ ویدوں میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بشارت ہے ان باتوں کو منشی صاحب پوشیدہ رکھیں تو بہتر ہے ۔تا مخالف خواہ نخواہ ہنسی نہ کریں ۔ ان دنوں میں وید کوئی ایسی چیز نہیں کہ کسی جگہ دستیاب نہ ہو ۔ جا بجا کتب فروشوں کی دوکان میں پائے جاتے ہیں ۔صدہا آدمی ویدخوان ہیں ۔ یہاں تک کہ اس عاجز کے گاؤں کے قریب ایک دہقان چاروں وید پڑھ کر آ گیا ہے اور وید اُس کے پاس موجود ہیں ۔کئی دفعہ اُس کا مجھ سے مباحثہ بھی ہوا ہے ۔رگوید اس عاجز کے پاس بھی موجود ہے اور پنڈت دیانند اور بعض اور پنڈتوں کے کچھ کچھ اجزا وید بھاش کے بھی موجود ہیں اور انگریزوں نے بھی بڑی محنت سے ویدوں کو ترجمہ کیا ہے ۔منشی صاحب کا خیال مجھ کو اس قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ جو ابوالفضل نے آئین اکبری میں ایک قصہ لکھا ہے کہ

اکبر بادشاہ کے وقت دکھن کی طرف سے ایک پنڈت آیا اور اُس کا دعویٰ تھا کہ ویدوں میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے ۔ بادشاہ نے بڑے بڑے پنڈت اکٹھے کئے ، تا دیکھیں کہ اگر فی الحقیقت کلمہ طیبّہ وید میں لکھا ہوا ہے تو ہندوؤں کی ہدایت کے لئے یہ بڑی حجت ہوگی ۔ جب پنڈت جمع ہوئے اور اُن کو وہ موقع دکھایا گیا تو اُس کے کچھ اور ہی معنی نکلے ۔جس کو کلمہ طیبہ سے کچھ علاقہ نہیں ۔تب بڑی ہنسی ہوئی اور وہ پنڈت جو ایسا دعویٰ کرتا تھا بڑا شرمندہ ہوا ۔آپ کی تاکید کی وجہ سے یہ لکھا گیا ۔نواب محمد علی خان صاحب کو کسی اور موقعہ پر اس عاجز کی طرف سے تعزیت کریں ۔ دنیا مصیبت خانہ ہے ۔خداوند کریم اس مصیبت عظمٰی کا اُن کو اجر بخشے اور صبر جمیل عطا فرماوے ۔

۱۱؍جولائی ۱۸۸۳ء مطابق ۶؍رمضان ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا عنایت نامہ آں مخدوم پہنچا۔جس قدر نیچریوں کا جوش وخروش ہے اُس کو دیکھ کر اور نیز دوسرے مخالفین و معاندین کی معاندانہ کوششوں کو ملاحظہ کر کے جو کچھ مومنوں کے دلوں پر صدمہ پہنچتا ہے بلاشُبہ وہ بیان سے باہر ہے۔ہماری قوتیں کیا چیز ہیں؟ اور ہماری طاقتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟ اور ہم کیا ہیں کہ کچھ دَم مار سکیں؟ خداوند کریم خود اس طوفان کو فرو کرے اور اس کے فضل و کرم پر یہی امیدیں ہیں۔کچھ معلوم نہ ہوا کہ سردار بکر ما سنگھ نے کیا اعتراض پیش کئے۔اگر آپ کو معلوم ہو تو ضرور مطلع فرماویں۔بدقسمت لوگوں کو تعصب اور حُبِّ دنیا نے حق کے قبول سے روک رکھا ہے ورنہ عقائد حقّہ اسلام کے اس قدر روشن اور بدیہی الصدق ہیں کہ کسی منصف اور طالبِ حق کو اُن میں کلام نہیں۔سبحان اللہ کیا ہی مبارک دین ہے کہ اس کے سچے تابعین کی طرف رحمتِ الٰہی یوں دوڑتی ہے کہ جیسے پانی اوپر سے نیچے کو آتا ہے اور مخالفین کا وجود بھی عبث نہیں۔یہ اس لئے دنیا میں زندہ رکھے گئے ہیں کہ تا مومنین کو ستاویں اور طرح طرح کے اُن کو دکھ دیں اور اپنے قول فعل سے درپے آزار رہیں۔اور اس طرح پر مومنوں کی ترقی اور مراتب کمال تک پہنچنے کا ذریعہ ٹھہر جائیں۔**فالحمدللّٰہ علی الطافہا التجلیّۃ والخفیۃ** آپ کو کُلی اختیار ہے کہ جو کچھ قیمت کتاب میں جمع ہوا اُس کو حسبِ ضرورت خرچ کرتے رہیں۔خداوند کریم نے آپ کی سعی میں برکت ڈالی ہے اور آپ وہ کام کر رہے ہیں کہ جس میں ہر یک کو آپ کی طرح توفیق نہیں دی گئی۔

خداوند کریم آپ کو دنیا و دین میں اس کا اجر بخش کر اس عاجز کو دکھاوے اور وہ تو بغایت درجہ کریم و رحیم ہے اور ہرگز ممکن نہیں کہ ایک انسان اخلاص سے،صدق سے،ثبات سے،استقامت سے، خالصاً اُس کے لئے کوئی محنت اختیار کرے اور وہ اُس کی محنت کو ضائع کرے اور اُس کا کچھ اجر نہ دے۔اس جناب میں راستبازوں کی محنتیں ہرگز ضائع نہیں ہوتیں اور مخلصانہ کوشش ہرگز برباد نہیں جاتی۔ جب ایک انسان تمام تر اخلاص سے **خالصًا لِلّٰہِ** سعی بجالاوے اور ایک مدت تک اُس کی سعی اور

کوشش اور محنت اور مشقت کا سلسلہ جاری رہے اور ثابت قدمی اور استقامت اور وفا اور حسن ظن میں کچھ فرق نہ آوے بلکہ اپنے سینہ میں انشراح اور اپنی طبیعت میں انبساط پاوے۔ اور اپنے کاموں سے خداوندکریم پر کچھ احسان نہ سمجھے تو جاننا چاہیئے کہ اُس کے اجر کا وقت نزدیک ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ [1] مبارک وہ لوگ جو خدمت سے سیر نہ ہوں اور جلدی نہ کریں۔ پھر دیکھیں کہ مولیٰ کریم کیسا خادم نواز ہے۔ عیالداری کے تردّدات آپ کو ہوں گے۔ مگر اُن تردّدات سے خداوندکریم بے خبر نہیں۔ جن فکر کی باتوں کو ایک عاجز بندہ رات کو اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا سوچا کرتا ہے یا دن کو اپنے گھر میں جا کر بعض وقت یہ تنگیاں اس پر آ پڑتی ہیں۔ ان سب تنگیوں اور تکلیفوں کو خداوندکریم اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور کچھ دنوں تک اپنے بندہ کو ابتلا میں رکھتا ہے۔ پھر یک مرتبہ نظر عنایت سے دیکھتا ہے اور اُس پر وہ دروازے کھولے جاتے ہیں جن کی اُس کو کچھ خبر نہیں تھی وَہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ [2] کیا جس کا خدا حَيّ، قیّوم، قادر، مہربان موجود ہے وہ کچھ غم کرسکتا ہے۔ غم اور ایمان کامل ایک جگہ کبھی جمع نہیں ہوئے اور نہ ہوسکتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ [3]

والسلام

۲۵؍جولائی ۱۸۸۳ء مطابق ۲۰؍رمضان ۱۳۰۰ھ

---

[1] التَّوبة: ۱۲۰　[2] الاعراف: ۱۹۷　[3] یونس: ۶۳

مکتوب نمبر۲۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ھٰذا عنایت نامہ آن مخدوم پہنچا۔ منشی صاحب کے خیالات اگرچہ بہت ہی حیرت انگیز ہیں۔ پر اس پُر فتنہ زمانہ میں جائے تعجب نہیں۔ خداوند کریم رحم کرے۔ منشی صاحب جو ہندوؤں کی کئی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ اکثر ان کتابوں میں سے اُردو میں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں اور منو کا دہرم شاستر تو سرکاری طور پر بھی ترجمہ ہو کر وکلا کی امتحانی کتابوں میں داخل ہے اور گیتا اُردو میں ترجمہ کی ہوئی موجود ہے اور ایک ہندو نے اُس کو نظم میں بھی کر دیا اور شام وید اور اتھرون وید بھی کچھ پوشیدہ کتابیں نہیں ہیں۔ آج کل آریہ سماج والوں کی دستاویز بھی یہی کتابیں ہیں اور یہ شام اور اتھرون اور رگ اور یجر دیانند کے پاس موجود ہیں اور اس کے وید بھاش ماہ بماہ چھپتے ہیں۔ ایک طرف انگریزوں نے بھی ویدوں کو انگریزی میں ترجمہ کر دیا ہے۔ برہمو سماج والے بھی ویدوں کی حقیقت پر بکلّی ماہر ہیں۔ کچھ حصہ وید کا اُردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اب کیا ممکن ہے کہ یہ تمام لوگ اتفاق کر کے ایک پیشگوئی جو وید میں صریح وارد ہو چکی تھی چھپاتے؟ ہرگز ممکن نہیں۔ وید کے محققوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وید میں کسی قسم کی پیشگوئی نہیں یہاں تک کہ پنڈت دیانند کا مقولہ ہے کہ وید میں رام چندر و کرشن وغیرہ کے پیدا ہونے کی بابت بھی کوئی تذکرہ نہیں اور یہ بات اور بھی عجیب ہے کہ پہلے منشی صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و بعثت کی خبر ویدوں میں لکھی ہے۔ پھر اب یہ دعویٰ ہے کہ وہ خبر پورانوں اور پوتھیوں میں بھی لکھی ہے یہ اچھا ہوا کہ منشی صاحب کو بحث مباحثہ کا شوق نہیں ورنہ پنڈتوں اور انگریزوں اور برہمو سماج والوں کے روبرو بڑی بڑی ندامتیں اُٹھاتے۔ اب آپ اس تذکرہ کو طول نہ دیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور جو کچھ منشی صاحب نے کلمات الحاد آمیز لکھے ہیں اور اُن کی تائید میں شعروں کا حوالہ دیا ہے۔ اُن کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [1] وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [2]

سچا رہنما قرآن شریف ہے اور اُس کی پیروی اسی جہان میں نجات کے انوار دکھلاتی ہے اور سعادتِ عظمیٰ تک پہنچاتی ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [3] جو شخص معارفِ حقّہ کے حصول کے لئے پوری پوری کوشش کرے اور صرف قیل وقال میں نہ پھنس رہے۔ اُس پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ باطنی نعمتوں کے حاصل کرنے کیلئے صرف ایک ہی راہ ہے۔ یعنی یہ کہ متابعت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کی جائے اور تعلیم قرآنی کو اپنا مُرشد اور رہبر بنایا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں کئی لوگ ریاضت اور جوگ میں وہ محنت کرتے ہیں کہ جس سے اُن کا جسم خشک ہو جاتا ہے اور برسوں جنگلوں میں کاٹتے ہیں اور ریاضاتِ شدیدہ بجالاتے ہیں۔ لذّات سے بکلّی کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ انوارِ خاصہ اُن کو نصیب نہیں ہوتے کہ جو مسلمانوں کو باوجود قلّتِ ریاضت وترک رہبانیت کے نصیب ہوتے ہیں۔

پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ صراطِ مستقیم وہی ہے جس کی تعلیم قرآن شریف کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ اگر کوئی توبہ نصوح اختیار کر کے دس روز بھی قرآنی منشاء کے بموجب مشغولی اختیار کرے تو اپنے قلب پر نور نازل ہوتا دیکھے گا۔ یہ خصوصیت دین اسلام کی بلا امتحان نہیں۔ صدہا پاک باطنوں نے اس راہ سے فیض پایا ہے۔ جو لوگ سچے دل سے یہ راہ اختیار کرتے ہیں خدا اُن کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ اور اُن میں وہ انوار پیدا کر دیتا ہے جس سے ایک عالم حیران رہ جاتا ہے۔ بجز اس کے سب حجاب ہیں جو اُن لوگوں کو پیش آئے جن کا سلوک کمال تک نہیں پہنچا تھا۔ کاش! اگر وہ زندہ ہوتے تو انکی حقیقت باطنی کھل جاتی۔ کئی ایسے آدمی ہیں جن کی بیہودہ تعریفیں کی گئی ہیں لیکن کاملوں کا نشان یہی ہے کہ وہ اپنے نبی معصوم کی پوری پوری متابعت اختیار کرتے ہیں اور اُس کی محبت میں محو ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم میں صریح فرق ہے اور کوئی ایسا طالب نہیں جس پر یہ فرق ظاہر نہ ہو سکے۔ پھر مشکل تو یہ ہے کہ بعض لوگ طالب ہی نہیں ہیں۔ دُنیا کے لئے کیا کچھ محنت نہیں کرتے۔ ایک پیسہ کا مٹی کا برتن بھی دیکھ بھال اور ٹھوک بجا کر لیتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی ٹوٹا ہوا نکلے۔ لیکن دین کا کام

[1] اٰلِ عمران: ۲۰ [2] اٰلِ عمران: ۸۶ [3] بنی اسراءیل: ۷۳

صرف زبان کے حوالہ کر رکھا ہے اور ہر فعل کی سچائی امتحان سے اس کو نہیں آزماتے اور آنکھ کھول کر نہیں دیکھتے اور دلی اخلاص سے طالب بن کر جستجو نہیں کرتے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ [1] وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى كُلِّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ ☆

یکم اگست ۱۸۸۳ء مطابق ۲۷؍ رمضان ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ھٰذا آں مخدوم کا عنایت نامہ عین انتظاری کی حالت میں پہنچا۔ خداوند کریم کے تفضّلات اور احسانات کا کہاں تک شکر کروں اور کیونکر اُس کی نعمتوں کا حق بجالاؤں کہ اس پُرظلمت زمانہ میں مجھ جیسے غریب، تنہا، بے ہُنر کے لئے آپ جیسے مخلص دوست اُس نے میسر کئے۔ سو اُسی سے میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ آپ کو اپنے الطافِ جلیّہ اور خفیّہ سے متمتع کرے اور اپنے توجہات خاصہ سے دستگیری فرماوے اور اپنی طرف انقطاعِ کامل اور تبتّلِ تام بخشے۔ آمین ثم آمین۔ اور یہ تبتّلِ تام جس کی آپ تشریح دریافت بھی کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑا مقام اعلیٰ ہے جو بغیر فنائے اَتم کامل طور پر حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ فی الحقیقت اسی کا نام فنائے اَتم ہے کہ تبتّلِ تام حاصل ہو جائے اور تبتّلِ تام تب حاصل ہوتا ہے کہ جب ہر ایک حجاب کا خرق ہو کر رابطہ انسان کا محبت ذاتی تک پہنچ جائے۔ حجاب دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو بدیہی طور پر معلوم ہوتے ہیں اور کچھ نظر اور فکر کی حاجت نہیں۔ جیسے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف توجہ کرنا۔ مخلوق سے مرادیں اور حاجات مانگنا اور مخلوق کو اپنا تکیہ گاہ اور پناہ سمجھنا۔ اپنے ننگ اور ناموس اور عزت اور نام کی حفاظت میں مبتلا رہنا اور بجز ایک متصرفِ حقیقی کے کسی سے خوف یا کسی پر کچھ امید رکھنا اور زید وعمر کے وجود کو وجود سمجھنا۔ کسی کو کارخانہ ربوبیت کا شریک سمجھ کر حق ربوبیت میں شریک ٹھہرا دینا۔ عبادات یا اعتقادات میں کسی کو خدا تعالیٰ کی طرح خیال کرنا۔ حضرت باری کے امر اور نہی کو توڑ کر اپنے نفس کی خواہشوں کا تابع ہونا اور نفسِ امارہ کی

[1] الشعرآء: ۲۲۸۔ ☆ اخبار الحکم نمبر ۱۹ جلد ۳۔ ۲۶ مئی ۱۸۹۹ء

پیروی کرنا اور بندگی اور فرمانبرداری کی حد پر نہ ٹھہرنا۔ یہ تو وہ سب حجب ہیں جو بدیہی ہیں۔ جو عام طور پر ہر ایک کو سمجھ آسکتے ہیں۔ بشرطیکہ فطرت صحیحہ میں کچھ خلل نہ ہو۔ دوسری قسم کے حجاب وہ ہیں جو نظری ہیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے کامل درجہ پر عقل سلیم اور فہم مستقیم چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تک رابطہ محدود رہے اور ذات بحت سے حقیقی طور پر تعلق حاصل نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی عبادت بغرض حصول اُس کے انعام واکرام کے کرتا ہے وہ ہنوز اسماء وصفاتِ الٰہیہ پر نظر رکھتا ہے اور محبت ذاتی کے شربت عذب سے ابھی کچھ اُس کو نصیب نہیں اور اس کا رابطہ معرضِ خطر میں ہے کیونکہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ ہمیشہ ایک ہی رنگ میں تجلی نہیں فرماتیں۔ کبھی جلال اور کبھی جمال اور کبھی قہر اور کبھی لطف ہوتا ہے۔ غرض ان دونوں قسموں کے حجابوں سے جو شخص باہر آجائے اور اپنے مولیٰ حقیقی سے ذاتی طور پر محبت پیدا کرے اور اس محبت کی راہ میں کوئی روک نہ رہے اور نہ منجملہ ظاہری اور باطنی اور آفاقی اور انفسی حجابوں کے کوئی حجاب بھی نہ رہے تو یہ وہ مرتبہ ہے جس کو تبتل تام کہنا چاہئے۔ اس مرتبہ کا خاصہ ہے کہ انعام اور ایلام محبوب کا ایک ہی رنگ میں دکھائی دیتا ہے بلکہ بسا اوقات ایلام سے اور بھی زیادہ محبت بڑھتی ہے اور پہلی حالت سے آگے قدم بڑھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب محبت ذاتی کی موجیں جوش میں آتی ہیں تو اسماء اور صفات پر نظر نہیں رہتی اور انسان کا سارا آرام محبوب حقیقی کی یاد میں ہو جاتا ہے اور حبُّ اللہ کا تعلق ذات باری کی طرح بیچوں اور بیچگوں ہوتا ہے اور محبّ صادق کسی کو اس بات کی وجہ نہیں بتلاسکتا کہ کیوں وہ اس محبوب سے محبت رکھتا ہے اور کیوں اس کیلئے بدل وجان فدا ہو رہا ہے۔ اور اس محبت اور اطاعت اور جاں فشانی سے اُس کی غرض کیا ہے کیونکہ وہ ایک جذبہ الٰہی ہے جو بطور موہبت خاصہ محبّ صادق پر پڑتا ہے۔ کوئی مصنوعی بات نہیں جس کی وجہ بیان ہو سکے۔ یہی انقطاعِ حقیقی اور تبتّلِ تام کی حالت ہے اور یہی وہ موت روحانی ہے جس کی اہل اللہ کے نزدیک فناء سے تعبیر کی جاتی ہے کیونکہ اس مرتبہ پر نفس اِمّارہ کا بکلّی تزکیہ ہو جاتا ہے اور بباعث محبتِ ذاتی کے اپنے مولیٰ کریم کی ہر ایک تقدیر سے موافقتِ تامہ پیدا ہو جاتی ہے اور جو کچھ اس دوست کے ہاتھ سے پہنچتا ہے پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس کا قہر اور لطف سب لطف ہی دکھائی دیتا ہے اور حقیقت میں وہ سب لطف ہی ہوتا ہے۔ پھر محبِّ صادق نہ قہر سے غرض رکھتا ہے نہ لطف سے۔

غریق ورطۂ بحر محبت نہ بر مہرش نظر باشد نہ برکیں
بگوش عاشق ازلب ہائے دلدار چناں نفریں عزیز آید کہ تحسیں
چناں رویش خوش افتد از سر عشق کہ قرباں میکند بروے دل و دیں
شب و روزش بدیں سرکار باشد دل و جانش شود آں یار شیریں
بسوزد ہر چہ غیر یار باشد ہمیں ایں عشق را رسم است و آئین

اور اس عاجز کا یہ مصرع کہ (درثمین فارسی)

قربان میکند بروے دل و دین

یہ معنی رکھتا ہے کہ قبل از جذبہ عشق جو کچھ انسان کے دل میں رسوم اور عادات بھری ہوئی ہوتی ہیں اور جو کچھ جہل مرکب کی باتیں اور پُر تعصب خیالات اس کے سینہ میں جمع ہوتے ہیں۔ اصل میں وہی اس کا دین ہوتا ہے جس کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور جب جذبۂ عشق اس پر غالب آتا ہے تو وہ خیالات کہ جو تپ دِق کی طرح رگ وریشہ سے ملے ہوئے ہوتے ہیں بآسانی چھوٹ جاتے ہیں۔ اور پھر بعد اس کے عشق الٰہی ایک پاک دین کی تعلیم کرتا ہے کہ جو عادات اور رسم کی آلودگی سے منزہ ہے اور تعصّبات کے لوث سے پاک ہے۔ پس نافع اور مبارک دین وہی ہوتا ہے جو عشق کے بعد آتا ہے اور جو عشق کے اوّل خیالات ہیں، وہ بہت سے زہروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور حقیقت میں وہ اس لائق ہیں کہ عشق پر فدا کئے جائیں اور اُن کے عوض میں وہ پاک خیال کہ جو عشق کے صافی چشمہ سے نکلے ہیں اور جو ہر ایک تعصب اور رسم اور عادات سے منزہ ہیں حاصل کئے جائیں۔ اور یہ خیالات ایسی سختی سے نفس پر قابض ہوتے ہیں کہ بغیر جذبۂ عشق کے ہرگز ممکن ہی نہیں کہ اُٹھ سکیں۔ مدارِ کار جذبہ عشق پر ہے جو قلب پر مستولی ہوتا ہے۔ اور جب وہ مستولی ہوتا ہے تو نفس اپنی اندرونی آلائش سے پاک ہو جاتا ہے اور نفس کے چھپے ہوئے جو عیب تھے اُس سے دور ہوتے ہیں کہ جب عشق الٰہی کی بھڑکتی ہوئی آگ دل پر وارد ہوتی ہے۔ تو اعمالِ صالحہ جن پر کشود کار موقوف ہے تب ہی صادر ہوتے ہیں کہ جب اُن کو حرکت دینے والا عشق ہوتا ہے کوئی اور غرض فاسد نہیں ہوتی اور مجرد اعمال صَوری اور عبادات رسمی سے کوئی عقدہ نہیں کھلتا بلکہ جب تک سالک رسم اور عادات کی بَدبُودار مزبلہ سے باہر نہیں آتا مورد غضبِ الٰہی رہتا ہے کیونکہ وہ خدا کی طرف سے منہ پھیر رہا ہے

اور اُس کے غیر کی طرف متوجہ ہے۔ وجہ یہ کہ رسم اور عادات بھی ما سوا اللہ ہے اور ہر یک ما سوا اللہ خدا سے دُور ڈالتا ہے اور سلامتی قلب میں خلل انداز ہے۔ سو سالک کے لئے جو بات سب سے پہلے لازم ہے وہ یہی ہے کہ رسم اور عادات سے باہر ہو اور پھر خلوص نیت سے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1] پر عمل کرے تا اپنے فرض سے شفا پاوے اور ایمانِ حقیقی سے حصہ حاصل کرے۔ مگر افسوس کہ بہت سے علماء ظاہری اسی سے تباہ ہو رہے ہیں کہ رسوم اور عادات کے رنگ میں ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہیں اور جس حقیقت اور حق بینی سے انسان کا دل منور ہوتا ہے اور جس دولت اور سعادت سے باطنی افلاس دور ہوتا ہے اس کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ کیا بدقسمتی ہے۔ ہائے! ہائے!

خلق و عالم جملہ در شور و شر اند   عشق بازاں در مقام دیگر اند

گر دلا زین کوچہ بیروں نگذریم   ہم سگان کوچہ از ما بہتر اند

خدا ایسا نہیں کہ دھوکا کھا سکے۔ اس کی دلوں پر نظر ہے اور حقیقتوں پر نگاہ ہے۔ وہ رسموں اور عادتوں سے ہرگز خوش نہیں ہوتا اور جب تک بندہ مقام اخلاص کا حاصل نہ کرے۔ یعنی مرنے سے پہلے ہی نہ مرے اور آفاقی اور انفسی شرکوں سے بکلّی باہر نہ آجائے تب تک الطافِ الٰہیہ اس کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہوتیں۔ تب ہی کمال ایمان میسر آتا ہے کہ جب وہ موت کہ جس کو ابھی میں نے اخلاص سے تعبیر کیا ہے انسان منظور کر لیتا ہے اور لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ[2] کے گروہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت اسلام بھی تبھی اپنا چہرۂ مصفّا دکھاتی ہے کہ جب یہ موت حاصل ہو جائے۔ حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور ہر ایک کو جو طالب ہے اس اخلاص سے بہرہ مند کرے۔ زمانہ سخت زہرناک ہوائیں چلا رہا ہے جس سے تمام کاروبار منقلب ہوا جاتا ہے۔ ہر یک بات مالک حقیقی کے اختیار میں ہے۔ ہم عاجز بندوں کا کام عبودیت ہے۔ فتح اور شکست سے مطلب نہیں۔ عبودیت سے مطلب ہے، اس راہ میں جنہوں نے بہت سی خدمتیں کیں پھر بھی وہ سیر نہ ہوئے۔ پھر ہمیں کیونکر آرام ہو جنہوں نے اب تک کچھ بھی نہیں کیا۔ سو ہمارا سب غم وحزن خدا کے سامنے ہے۔ ابھی یہ حال ہے کہ جو صرف بیرونی حملوں پر کفایت نہیں بلکہ بعض ناشناس بھائی اندرونی حملہ بھی کر رہے ہیں لیکن ہم عاجز بندوں

---

[1] الحشر: ۸   [2] المائدة: ۵۵

کی کیا حقیقت اور بضاعت ہے۔ وہی ایک ہے جس نے اپنے عاجز اور ناتواں بندہ کو ایک خدمت کیلئے مامور کیا ہے۔ اب دیکھئے کہ کب تک اس ربُّ العرش تک اس عاجز کی آہیں پہنچتی ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ بعض احباب علماء کی طرف سے یہ فتویٰ لائے ہیں کہ اتباع قال اللہ وقال الرسول اور ترجیح اُس کی دوسرے لوگوں کے قولوں پر کفر ہے مگر یہ بندہ عاجز کہتا ہے کہ زہے سعادت کہ کسی کو یہ کفر حاصل ہو۔

گر ایں کفرم بدست آید بروقربان کنم صد دین
خداوندا بمیرانم بریں کفروبریں آئیں

حضرت افضل الرسل، خیر الرسل، فخر الرسل، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور اس کی پاک اور کامل حدیث اور خدا کا سچا نور اور بلا ریب کلام ترک کر کے پھر اور کونسی پناہ ہے جس طرف رُخ کریں اور اُس سے زیادہ کون سا چہرہ پیارا ہے جو ہماری دلبری کرے۔

گر مہر خویش برکنم از روئے دلبرم آن مہر برکہ افگنم آن دل کجا برم
من آں نیم کہ چشم بہ بندم ز روئے دوست ور بینم ایں کہ تیر بیائد برابرم

آپ کسی کی بات کی طرف متوجہ نہ ہوں اور عاشق صادق کی طرح قول سے، فعل سے، مدح سے، ثنا سے، متابعت سے فنا فی الرسول ہو جائیں کہ سب برکات اسی میں ہیں۔ اکثر لوگوں پر عادت اور رسم غالب ہو رہی ہے اور بڑی بڑی زنجیریں پاؤں میں پڑی ہوئی ہیں اور کوئی اس طرف آ نہیں سکتا۔ مگر جس کو خدا کھینچ کر لاوے۔ سو صبر سے، استقامت سے اُن کے جور و جفا کا تحمل کرنا چاہئے دنیا اُنہیں سے دوستی رکھتی ہے جو دنیا سے مشابہ ہوتے ہیں مگر جو خدا کے بندے ہیں گو وہ کیسے ہی تنہا اور غریب ہوں تب بھی خدا اُن کے ساتھ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ [1] آپ کے سب دوستوں کو سلام مسنون پہنچے۔ ☆

۱۹؍اگست ۱۸۸۳ء مطابق ۱۹؍شوال ۱۳۰۰ھ

---

[1] المؤمن: ۲۹ ☆ الحکم ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ تا ۳

مکتوب نمبر۲۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

یہ عاجز دعا سے غافل نہیں مگر ہر ایک امر وقت پر موقوف ہے اور آپ میں آثار سعادت اور رُشد کے ظاہر ہیں کہ آپ کی حقیقت بینی پر نظر ہے اور صدق اور خلوص اور وفا اور حسن ظن کا خُلق موجود ہے۔ پس یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس کو مولیٰ کریم کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں اس کیلئے استقامت کا عطا ہونا ساتھ ہی مقدر ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ بغایت درجہ کریم و رحیم ہے۔ وہ جس دل میں ایک ذرّہ بھی اخلاص اور صدق پاتا ہے اُس کو ضائع نہیں کرتا۔ آپ بعض اپنے دوستوں کی تغیر حالت سے دل شکستہ نہ ہوں۔ مولوی صاحب کی وہ حالت ہے کہ نہ اُنہوں نے ارادت کے وقت اس عاجز کو شناخت کیا اور نہ فسخ ارادت کے وقت پہچانا۔ سو اُن کی نہ ارادت قابلِ اعتبار تھی اور نہ اب فسخ ارادت معتبر ہے۔ ارادت اور فسخ ارادت وہی معتبر ہے جو علیٰ وجہ البصیرت ہو۔ اور اگر علی وجہ البصیرت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ مسجد کا زینہ تیار ہو گیا ہے۔ عجب فضل الٰہی ہے کہ شاید پرسوں کے دن یعنی بروز سہ شنبہ مسجد کی طرف نظر کی گئی تو اُسی وقت خداوند کریم کی طرف سے ایک اور فقرہ الہام ہوا۔ اور وہ یہ ہے۔ **فِیۡہِ بَرَکَاتٌ لِلنَّاسِ** [1] یعنی اس میں لوگوں کیلئے برکتیں ہیں۔ **فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ**

ہر سہ حصہ کی کتابیں اگرچہ اس وقت زبانی یاد نہیں مگر شاید قریب دوسَو کے کتاب باقی ہوگی۔ **وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ**

صفحہ ۱۳۱ فتوح الغیب کی شرح یہ ہے کہ سالک کا چار حالتوں پر گذر ہوتا ہے اور حالت چہارم سب سے اعلیٰ ہے اور وہی ترقیات قُرب کا انتہائی درجہ ہے جس پر سلسلہ کمالات ولایت کا ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ

پہلی حالت وہ حالت ہے کہ جب انسان ناسوتی اندیشوں میں مبتلا ہوتا ہے اور شُتر بے مہار کی طرح جو چاہتا ہے کھاتا ہے اور جو چاہتا ہے پیتا ہے اور جس طرف چاہتا ہے چلتا ہے۔ سو وہ اسی حالت میں ہوتا ہے کہ ناگاہ حضرت خداوند کریم اُس پر نظر کرتا ہے اور باطنی اور ظاہری

[1] تذکرہ صفحہ ۸۶۔ ایڈیشن چہارم

طور پر توبہ کا سامان اس کے لئے میسر کر دیتا ہے۔ باطنی طور پر یہ کہ یک بیک ایک جذبہ قویہ خداوندکریم کی طرف سے اس کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور وہی جذبہ درحقیقت واعظ باطنی ہے اوراُسی سے فسق وفجور کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں اورانسان اپنے نفس میں قوت پاتا ہے کہ تانفسِ امّارہ کی پیروی سے دستکش ہو جائے اوراگرچہ پہلے اس سے ایک اورکمزورجیسا واعظ بھی انسان کے نفس میں موجود ہے جس کو لِمَّةُ المَلَک سے تعبیرکرتے ہیں اوروہ بھی نیکی کے لئے سمجھاتا رہتا ہےاور نیک کام کرنے پر فی الفور گواہی دیتا ہے کہ تونے یہ اچھا کام کیا ہےاور بَد کام کرنے پر فی الفور گواہی دیتا ہے کہ تونے یہ بَد کام کیا ہے۔ یہاں تک کہ چور چوری کرنے کے بعداورزانی زنا کرنے کے بعد اورخونی خون کرنے کے بعدکبھی کبھی باوجوداُن سخت پردوں کے اُس لِمَّةُ المَلَک کی آوازسن لیتا ہے۔ یعنی اُس کا دل فی الفوراُسے کہتا ہے کہ یہ تو نے اچھا کام نہیں کیا۔ بُرا کیا ہے لیکن چونکہ یہ ضعیف واعظ ہے اس لئے اُس کا وعظ اکثر بے فائدہ جاتا ہےاوراگرچہ اس کے ساتھ کوئی واعظ ظاہر بھی مل جائے یعنی کوئی صالح انسان نصیحت بھی کرے تب بھی کچھ کاربراری کی امید نہیں کیونکہ نفس سخت اژدہا ہے کمزوروں سے وہ قابو میں نہیں آتا اوراگر کچھ مغلوب بھی ہو جاتا ہے تو صرف اسی قدر کہ عارضی اور بے بنیاد توبہ کرتا ہےاور حقیقی سعادت کی تبھی نسیم چلتی ہے کہ جب جذبہ الٰہی شاملِ حال ہو۔ سوکامل واعظ جو باطنی طور پر بھیجا جاتا ہے جذبہ ہے اور ظاہری طور پر توبہ کا یہ سامان میسر ہو جاتا ہے کہ کسی صالح کی صحبت میسر آ جاتی ہےاورفسق وفجور کے مہلک زہر سے اطلاع ہو جاتی ہے۔ سو یہ دونوں مل کرچکی کے دو پاٹ کی طرح نفس امّارہ کو پیس ڈالتے ہیں اور بجبر واکراہ معاصی اور فسق فجور سے جدا کرتے ہیں۔ سو یہ دوسری حالت ہے کہ جو ترقیات قرب کی راہ میں سالک کو پیش آتی ہیں اور دوسرے لفظوں میں اس حالت کا نام جبروتی حالت ہے کیونکہ وہ جبراور اِکراہ کے ساتھ نفسانی خواہشوں سے باہرآتا ہےاور جذبہ باطنی اپنے طور پراور واعظ ظاہری اپنے طور پراُس پر جبر کرتا ہے اور مالوفات نفسانیہ سے سختی اور درشتی کے طور پر الگ کر دیتے ہیں۔ پھر جب اُس پر عنایتِ الٰہیہ اس کو قائم کر دیتی ہے تو اس کے لئے خدا کے حکموں پر چلنا اوراس کی نہی سے پرہیز کرنا آسان کیا جاتا ہےاورشوق اور ذوق اوراُنس سے اُس کو حصہ دیا جاتا ہے۔ پس وہ اس جہت سے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت اورفرمانبرداری بلاتکلّف اس سے صادر ہوتی ہےاور جو حالتِ دوم میں بوجھ

اور ثقل تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ ملائک سے تشبیہ پیدا کر لیتا ہے اور یہ حالت ملکوتی حالت ہے اور اس حالت میں سالک کا اَکل و شرب اور ہر یک ما بہ الاحتظاظ امر سے وابستہ ہوتا ہے یعنی ہوا و ہوس کی اتباع سے بکلّی رستگار ہو جاتا ہے اور وہی بجالاتا ہے جس کے بجالانے کے لئے شرعاً یا الہاماً مامور ہو۔ اور پھر بعد اس کے حالت چہارم ہے جس کو لاہوتی حالت سے تعبیر کرنا چاہئے اور جب سالک اس حالت تک پہنچایا جاتا ہے تو صرف یہی بات نہیں کہ اپنے ہوا و ہوس سے خلاصی پاتا ہے بلکہ بکلّی اپنے ہوا و ہوس سے اور نیز اپنے ارادہ سے محو ہو جاتا ہے۔ تب انسان خدا کے ہاتھ میں ایسا ہوتا ہے جیسا مُردہ بدست زندہ ہوتا ہے اور الوہیّت اس فانی پر اپنی تجلیات تامہ ڈالتی ہے اور ارادات ربّانی علی وجہ البصیرت اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ خدا کی طرف سے صاحبِ علم صحیح ہوتا ہے اور ہر یک ابتلا اور آزمائش سے باہر آ جاتا ہے اور یہ مرتبہ ملائک سے برتر ہے۔ ملائک کو یہ حالت چہارم جو غلبۂ عشق سے پیدا ہوتی ہے عطا نہیں ہوتی۔ یہ خاص انسان کے حصہ میں آئی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ [1] اور جیسی بصیرت کاملہ ایسی حالت سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی صلاحیت کاملہ بھی اسی حالت سے وابستہ ہے کیونکہ پہلی حالتیں میں نقصان علمی و عملی سے خالی نہیں ہیں بلکہ نقصان علمی و عملی ان کے لازم حال پڑا ہوا ہے کیونکہ خدا میں اور اُن میں اپنا وجود حائل ہے۔ بس وہی وجود ایک حجاب بن کر علم اور اخلاص کے ناقص رہنے کا موجب ہے لیکن حالت چہارم میں وجود بشری بکلّی اُٹھ جاتا ہے اور کوئی حجاب درمیان میں نہیں رہتا اور اس حالت میں عارف کا اَکل و شرب اور ہر ایک ما بہ الاحتظاظ اُس کے شعور اور ارادہ سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک پودے کی طرح بے حس و حرکت ہے اور مالک جب مناسب دیکھتا ہے تو اُس کی آبپاشی کرتا ہے۔ اُس کو اس طرف خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیا کھاؤں گا اور کیا پیوں گا اور جیسے ایک بے ہوش کو خواہ کوئی لات مار جائے۔ خواہ پیار دے جائے۔ یکساں ہوتا ہے ایسا ہی وہ جامِ عشق سے مست و مدہوش ہے اور اپنے نفس کے انتظاموں سے فارغ ہے۔ سو جیسے مادر مہربان اپنے نادان بچے کو وقت پر آپ دودھ پلاتی ہے اور اس کی بالشت نابالشت کی آپ خبر رکھتی ہے ایسا ہی خداوند کریم اس ضعیف اور عاجز بشر کا کہ جو اس کی محبت کے سخت جذبہ سے یکبارگی اپنے وجود سے اور اُس کے

---

[1] المائدۃ: ۵۵

نفع ونقصان کے فکر سے کھویا گیا ہے آپ متولی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دوستوں کا آپ دوست اوراُس کے دشمنوں کا آپ دشمن بن جاتا ہےاور جو کچھ اُس کو اپنے دوستوں اور دشمنوں سے معاملہ کرنا چاہئے تھا وہ اُس کی جگہ آپ کرتا ہے۔ غرض اُس کے سب کاموں کو آپ سنبھالتا ہے اور اُس کی سب شکست ریخت کی آپ مرمت کرتا ہےاور وہ درمیان نہیں ہوتا اور نہ کسی بات کا خواستگار ہوتا ہےاور یہ جو صفحہ ۲۳۰ کے سر پر یہ عبارت ہے۔ **فَیَاکُلُ بِالْاَمْرِ** یعنی تیسری حالت کا سالک امر حق کے ساتھ کھاتا ہےاور پھر صفحہ ۲۳۱ میں حالت چہارم کے مقرب کی نسبت بھی لکھا ہے۔ **فَیُقَالُ لَہٗ تَلَبَّس بِالنِّعَمِ وَالْفَضْلِ** یعنی اس کو بھی کھانے پینے کے لئے امر ہوتا ہے تو ان دونوں امروں میں فرق یہ ہے کہ حالت سیوم میں تو سالک کے نفس میں ارادہ مخفی ہوتا ہےاور اس کا یہ مشرب ہوتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ فلاں حظّ کے اُٹھانے کے لئے مجھ کو اجازت فرماوے تو میں اس کو اُٹھاؤں گا اور گو وہ اتباعِ نفس سے پاک کیا جاتا ہےلیکن متابعت امر کے پیرایہ میں وہ حظّ حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ بقایا نفس کے ابھی موجود ہوتے ہیں۔ مگر حالت چہارم میں مقرب کامل کی طرف سے بالکل ارادہ نہیں ہوتا۔ خود خدا تعالیٰ بطور تلطّف واحسان کے کسی مابہ الاحتظاظ کو اُس کیلئے میسر کر دیتا ہےاور جیسے مادرِمہربان اپنے بچے کو جگا کر دودھ پینے کی ہدایت کرتی ہے ویسا ہی وہ اس کو جگا کر کسی حظّ کے اُٹھانے کیلئے تحریک کرتا ہے۔ سو وہ تحریک سراسر اُسی کی شفقت سے اور فضل اور عنایت سے ہوتی ہے۔☆

۳۰ /اگست ۱۸۸۳ءمطابق ۲۶ /شوال ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

☆ الحکم ۱۵ /نومبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۳، ۴

مکتوب نمبر ۲۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ہذا محبت نامہ آں مخدوم پہنچا۔ موجب شکر و سپاس ہوا۔ خداوند کریم مقدرات مکروہہ سے آپ کو امن میں رکھے اور آپ کی سعیوں اور کوششوں میں کہ جو آپ خالصاً للہ کر رہے ہیں بہت سی برکتیں بخشے اور بہت سے اجر اُس پر مترتب کرے۔ آمین۔ صفحہ ۲۴ فتوح الغیب کی نسبت جو آں مخدوم نے دریافت فرمایا ہے یہ مقام بیّن المعنی ہے، کوئی عمیق حقیقت نہیں جو کچھ شارح نے لکھا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔ حضرت مخدومنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ اس مقام میں یہ تعلیم فرماتے ہیں کہ سالک میں حقیقت فنا کی تب محقق ہوتی ہے اور تبھی وہ اس لائق ہوتا ہے کہ مورد معارف الٰہیہ ہو جب تین طور کا انقطاع حاصل ہو جائے۔ **اوّل** انقطاع خلق اللہ سے اور وہ اس طرح پر حاصل ہوتا ہے کہ حکمِ الٰہی کو جو قضا و قدر ہے۔ تمام مخلوقات پر نافذ سمجھے اور ہر ایک بندہ کو پنجہ تقدیر کے نیچے مقہور اور مغلوب یقین کرے لیکن اس جگہ یہ عاجز صرف اس قدر کہنا چاہتا ہے کہ ایسا یقین کہ فی الحقیقت تمام مخلوقات کو کالعدم خیال کرے اور ہر یک حکم خدا کے ہاتھ میں دیکھے اور ہر یک نفع اور ضرر اُسی کی طرف سے سمجھے صرف اپنے ہی تکلّف اور تصنع سے حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر تکلّف سے کسی قدر خیال قائم بھی ہو تو وہ بے بقا ہے۔ اور ادنیٰ ابتلا سے لغزش پیش آ جاتی ہے بلکہ یہ مقام عالی شان اس بصیرتِ کاملہ سے حاصل ہوتا ہے کہ جو خاص خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب عنایاتِ الٰہیہ کسی کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس کے لمبے قصہ کو آپ ہی کوتاہ کر دیتی ہیں اور وہ بوجھ جو اس سے اُٹھائے نہیں جاتے دستِ غیبی ان کو آپ اُٹھا لیتا ہے۔

پس اسی طرح سے جب بذریعہ علوم لدنیہ و کشوف صادقہ و الہامات صحیحہ و تائیدات صریحہ انسان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام نفع و ضرر خدا کے اختیار میں ہے اور مخلوق کچھ چیز ہی نہیں تو ایک نہایت کامل یقین سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ نفع یا نقصان اور عزت یا ذلّت ہے سب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اور مخلوق کو مُردہ کی طرح دیکھتا ہے لیکن اس جگہ اعتراض یہ ہے کہ حضرت مخدومنا

شیخ عبدالقادر قدس سرّہٗ نے علوم ومعارفِ الٰہیہ کے حاصل ہونے کا ذریعہ فنا عن الخلق وغیرہ اقسام فنا کو ٹھہرایا ہے۔ پس جب کہ فنا کا حاصل ہونا ان علوم کے حاصل ہونے پر موقوف ہے تو اس سے **دَوْر** لازم آتا ہے۔ سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ علوم لدنیہ وکشوف صادقہ وتائیداتِ خاصہ الٰہیہ وتوجہات جلیلہ صمدیہ غیر فانی کو ذاتی طور پر حاصل نہیں ہو سکتے لیکن بتوسط صحبت شیخ فانی حاصل ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگرچہ براہ راست نہیں لیکن سالک اپنے شیخ کامل میں ان تمام تائیداتِ سماویہ کو معائنہ ومشاہدہ کرتا ہے۔ پس یہی مشاہدہ اس کے یقین کے کمالیت کا موجب ہو جاتا ہے۔ اگر جلدی نہیں تو ایک زمانۂ دراز کی صحبت سے ضرور شکوک وشبہات کی تاریکی دل پر سے اُٹھ جاتی ہے۔ اسی جہت سے فانیوں کی صحبت کے لئے قرآن شریف میں سخت تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ**[1] **اَیْ كُوْنُوْا مَعَ الفانین وَالصَّادِقُوْنَ هُمُ الْفَانُوْنَ لَاغَيْرُهُمْ** اور جو شخص نہ فانی ہے اور نہ فانیوں سے اُس کو کچھ تعلق اور محبت ہے۔ وہ محض ہلاکت میں ہے اور اس کے سوءِ خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے اور اس کے ایمان کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ **اِلَّا اَنْ يَّتَدَارَكَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ**۔

دوسری شرط موردمعارفِ الٰہیہ ہونے کیلئے یہ ہے کہ ہوائے نفس سے انقطاع ہو جائے۔ یعنی سالک پر لازم ہے کہ اپنے تمام حرکت وسکون وقول وفعل اور امر اور نواہی میں اللہ تعالیٰ کی متابعت اختیار کرے اور کسی حالت میں **قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ** سے باہر نہ جائے اور جو کچھ دوسرے لوگ اپنے نفس کی متابعت سے کرتے ہیں۔ وہ اپنے رسول کی متابعت سے بجالاوے اور اپنے اعمال اور اقوال میں کوئی ایسی جگہ خالی نہ چھوڑے جس میں نفس کو کچھ دخل دینے کی گنجائش ہو۔ پس جب کہ کامل طور پر اتباعِ سنت میسر آجائے گا اور ایک ذرّہ ہوائے نفس کی پیروی نہیں رہے گی بلکہ ظاہر وباطن متابعت رسول کریم سے منور ہو جائے گا۔ تو یہ وہ حالت ہے جس کا نام فنا بامر اللہ ہے۔ مگر ہائے افسوس کہ اس پُر ظلمت زمانہ میں بجائے اس کے (کہ) کبریت احمر کا قدر کریں، اکثروں کو اس طریق سے بغض ہے اور اتباعِ سنت سے ایک چڑ ہے۔ حالانکہ دوسری قسم فنا کی بجز اس کے ہرگز میسر نہیں ہو سکتی۔ **اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَيْنَا بَرَكَاتِ مُحَمَّدٍ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔**

---

[1] التوبة: ١١٩

تیسری شرط مورد معارفِ الٰہیہ ہونے کے لئے یہ ہے کہ رضا بقضاء ہو اور ایسا انشراحِ صدر میسر آ جائے کہ جو کچھ ارادات الٰہیہ سالک پر نافذ ہوں۔ عاشق صادق کی طرح ان سے متلذّذ ہو اور انقباض پیدا نہ ہو بلکہ یہاں تک موافقت تامّہ پیدا ہو جائے کہ اُس محبوب حقیقی کی مراد اپنی ہی مراد معلوم ہو۔ اور اس کی خواہش اپنی خواہش دکھلائی دے۔ اس جگہ بھی وہی سوال لزومِ دَور کا لازم آتا ہے جو پہلی قسم میں لازم آیا تھا اور جواب بھی وہی ہے جو پہلے دیا گیا ہے۔ انسان کا کام بجز صحبتِ صادقین کے سراسر خام ہے اور بجز طریق فنا یا صحبت فانیوں کے ایمان کا سلامت لے جانا نہایت مشکل ہے۔ پس سعید وہی ہے کہ جو سب سے پہلے ایمان کی سلامتی کا فکر کرے اور ناحق کے ظاہری جھگڑوں اور بے فائدہ خرخشوں سے دست کش ہو کر اس جماعت کی رفاقت اختیار کرے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنا درد عطا کیا ہے۔ اور یقیناً سمجھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو عمدہ نعمت دنیا کیلئے لائے وہ یہی درد اور محبتِ الٰہی ہے جس کو خدا اور رسول کی محبت دی گئی۔ اس نے اپنی اصل مراد کو پا لیا ہے اور بلا شبہ وہ سعید ہے اور نار جہنم کو اس سے مَس کرنا حرام ہے لیکن جس کو وہ محبت عطا نہ ہوئی اور اُس نے اپنے خدا اور اپنے نبی کا قدر شناخت نہیں کیا۔ اُس کا زبانی طور پر مسلمان کہلانا کچھ حقیقت نہیں رکھتا بلکہ نماز و روزہ بھی بجز ذاتی محبت کے اپنی اصل حقیقت سے خالی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ **یَأْتِیْ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ یُصَلُّوْنَ وَ یَصُوْمُوْنَ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَیْسَ فِیْھِمْ مُسْلِمٌ** ۔ یعنی ایک زمانہ وہ آئے گا کہ لوگ نمازیں بھی پڑھیں گے اور روزے بھی رکھیں گے اور مسجدوں میں اکٹھے بھی ہوں گے پر اُن میں سے ایک بھی مسلم نہ ہوگا۔ یعنی مومن حقیقی نہ ہوگا۔ اپنی دنیا اور اپنی رسوم میں گرفتار ہوں گے اور دین بھی رسم کے طور پر بجالائیں گے۔ سواَب ایسے وقت کا اندیشہ ہے۔ خداوند کریم رحم کرے۔ بخدمت مولوی صاحب و خواجہ علی صاحب سلام مسنون پہنچا دیں اگر ملاقات میسر ہو۔☆

تاریخ ۶ ؍ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ۳ ؍ذیقعد ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

☆ الحکم ۲۲ ؍نومبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۳

مکتوب نمبر ۲۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ حدیث نبوی یَعۡرِفُھُمۡ غَیۡرِیۡ کے معنی جو اس عاجز کے دل میں ڈالے گئے ہیں یہ ہیں کہ غیر کے لفظ سے نفی ما سوا اللہ مراد نہیں بلکہ نفی نا اہل و نا آشنا مراد ہے۔ مگر جو لوگ مومن حقیقی ہیں وہ بباعث استعداد فنا اور زوال حجب کے کبریائی وامن کے اندر داخل ہیں اور غیر نہیں ہیں۔ خود خدا تعالیٰ نے بعض صالح اہل کتاب کے حق میں اپنی کتاب مجید میں فرمایا ہے یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ [1] یعنی وہ لوگ پیغمبر آخر الزمان کو جو امام الانبیاء اور سید الاولیا ہے اس طرح پر شناخت کرتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو شناخت کر رہے ہیں اور اسی طرح روحانی روشنی کی برکت سے اولیا اولیا کو شناخت کر لیتے ہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اویس کے وجود کو یمن میں شناخت کر لیا اور بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یمن کی طرف سے رحمان کی خوشبو آ رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے مراتب معلوم تھے اور ہر ایک کی نورانیت باطنی کا اندازہ اس قلب منور پر مکشوف تھا۔ ہاں جو لوگ بیگانہ ہیں وہ یگانہ حضرت احدیّت کو شناخت نہیں کر سکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡكَ وَھُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ [2] یعنی وہ تیری طرف (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں پر تو اُنہیں نظر نہیں آتا اور وہ تیری صورت کو دیکھ نہیں سکتے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انوار روحانی کا سخت چمکار بیگانہ محض پر بھی جا پڑتا ہے۔ جیسے ایک عیسائی نے جب کہ مباہلہ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حسنین وحضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم عیسائیوں کے سامنے آئے۔ دیکھ کر اپنے بھائیوں کو کہا کہ مباہلہ مت کرو۔ مجھ کو پروردگار کی قسم ہے کہ میں ایسے منہ دیکھ رہا ہوں کہ اگر اس پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے اُٹھ جا تو فی الفور اُٹھ جائے گا۔ سو خدا جانے کہ اس وقت نور نبوت و ولایت کیسا جلال میں تھا۔ کہ اس کافر، بدباطن، سیہ دل کو

---

[1] البقرۃ: ۱۴۷ [2] الاعراف: ۱۹۹

بھی نظر آ گیا۔ اور عام طور پر باستثناء خواص اہل اللہ وا کابر اولیا کی حقیقت ولایت کہ جو قربِ الٰہی کا نام ہے بجز حضرت احدیّت کے کسی کو اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی ہے۔ ہاں اس حقیقت کے انوار و آثار جیسے استقامت، صبر، رضا، جود وسخا، صدق، وفا، شجاعت، حیا اور نیز خوارق و دیگر علاماتِ قبولیت لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سب آثار ولایت ہیں اور حقیقت ولایت ایک مخفی امر ہے۔ جس پر غیر اللہ کو ہرگز اطلاع نہیں **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب**۔

اور جو آپ نے دریافت کیا ہے کہ خوارق وکرامات ریاضاتِ شاقّہ کا نتیجہ ہے یا کیا حال ہے؟ اس میں تحقیق یہ ہے کہ بلا شُبہ ریاضاتِ شاقّہ کو کشوف وغیرہ خوارق میں دخل عظیم ہے بلکہ اس میں کسی خاص مذہب بلکہ توحید کی بھی شرط نہیں اور اسی جہت سے فلاسفہ یونان اور اس ملکِ ہند کے جوگی اپنے تپوں جپوں کے ذریعہ سے صفائی نفس حاصل کرتے رہے ہیں اور اُن کا قلب اپنے معبودات باطلہ پر جاری ہوتا رہا ہے اور مکاشفات بھی اُن سے ظہور میں آتے رہے ہیں۔ چنانچہ کسی تاریخ دان اور صاحب تجربہ پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اب بے خبر کو بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جب کشوف وخوارق باطل پرستوں اور استدراج دانوں سے بھی ہو سکتے ہیں۔ تو پھر اُن میں اور اہلِ حق میں کیا فرق باقی رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت احدیّت کے برگزیدہ بندے تین علاماتِ خاصہ سے شناخت کئے جاتے ہیں اور وہ علامتیں ایسی ہیں کہ گویا باطل پرست لوگ اپنی کجروی کی محنتوں سے گداز بھی ہو جائیں تب بھی وہ علامات ان میں متحقق نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ **اوّل** ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل حق کو صرف کشفی صفائی نہیں۔ اخلاقی صفائی بھی عطا ہوتی ہے اور وہ اخلاقِ فاضلہ میں اس قدر پایہ عالیہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ جیسے خدا کو اپنے اخلاق پیارے ہیں۔ ویسا ہی وہ ربّانی اخلاق اُن کو پیارے ہو جاتے ہیں اور اُن کی سرشت میں ربوبیت کی تجلیات گھر کر جاتی ہیں اور بشریت کی آلودگیاں اور تنگیاں اُٹھ جاتی ہیں۔ پس اُن سے نیک اور پاک خُلق ایسے عجیب اور خارق العادت کے طور پر صادر ہوتے ہیں کہ بشری طاقتوں سے بجز خاص تائیدِ الٰہی کے اُن کا صادر ہونا ممکن نہیں۔ انسان بشریت کے تعلقات اور نفسِ امّارہ کی زنجیروں میں اور ننگ وناموس کی قیدوں میں اور خانہ داری کے جانگداز فکروں میں اور شدائد اور آلام کے حملوں میں اور وساوس اور اوہام کی نیش زنیوں میں سخت عاجز ہو رہا ہے اور اگر دعویٰ کرے کہ میں اپنی ہی قوت سے ان

بھاری بوجھوں سے نکل سکتا ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ پس اہل اللہ میں یہ بزرگی ہے کہ وہ توفیق یافتہ ہوتے ہیں اور دستِ غیبی اپنی خاص حمایت اور قوت سے اُن کو اِن تمام بوجھوں کے نیچے سے نکال لیتا ہے۔ سو اُن سے ایسا توکّل اور ایسا صبر اور ایسا سخا اور ایسا ایثار اور ایسا صدق اور ایسا رضا بقضاء صادر ہوتا ہے کہ دوسروں سے ہرگز ممکن نہیں۔ کیونکہ در پردہ الٰہی ستّاری ان کی مددگار رہوتی ہے اور وہ لغزشوں سے بچائے جاتے ہیں اور جس کی محبت میں وہ دنیا کو کھو بیٹھے ہیں اور دنیوی عزتوں اور ناموں سے بیزار ہوگئے ہیں۔ وہی محبوبِ حقیقی اُن کا متولّی ہو جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اہل حق مکالمات ومخاطبات حضرت احدیّت پاتے ہیں جو تائیداتِ خاصہ کی بشارتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور نیز اُن میں وہ مراتب عالیہ اُن پر ظاہر کئے جاتے ہیں کہ جو اُن کو حضرتِ احدیّت میں حاصل ہوئے ہیں اور یہ نعمت غیروں کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس جگہ بتوجہ یاد رکھنا چاہیئے کہ الہامات و مکالمات الٰہیہ کو جو ایسی پیشگوئی پر مشتمل ہوں جن میں شخص ملہم کی تائیداتِ عظیمہ کا وعدہ ہے۔ وہ اہل اللہ کی شناخت کیلئے نہایت روشن علامات ہیں اور کوئی خارقِ عادت ان سے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندہ سے کلام کرنا اور پھر اُس کے کلام کا ایسی پیشگوئیوں پر مشتمل ہونا کہ جو تائیدات عظیمہ کے مواعید ہیں۔ اور پھر اُن مواعید کا اپنے وقتوں پر پورا ہونا معیت اللہ کا ایک روشن نشان ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ خواص اولیاء ریاضاتِ شاقّہ کے محتاج بھی نہیں ہوتے۔ ایک قسم ولایت کی ہے جو وہ نبوت سے بہت مشابہ ہے۔ اس قسم کے لوگ جب دنیا میں آتے ہیں تو ہوش پکڑتے ہی عنایاتِ الٰہیہ اُن کی متولّی ہو جاتی ہے۔ اُن کو سالکوں کی پُر تکلّف حالت سے کچھ مناسبت نہیں ہوتی۔ اُن کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کب فنا آئی اور کب بقا حاصل ہوئی کیونکہ دست غیبی نے اُن کو فطرت میں ہی درست کر لیا ہوتا ہے اور بیضۂ بشریت میں داخل بھی نہیں ہوتے۔ تعلقاتِ شدیدہ عشقِ الٰہی کے ان کی فطرت سے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور ابتدائی فطرت سے کسی ریاضت کے محتاج نہیں ہوتے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ [1] اور ایسے لوگوں سے بغیر حاجت ریاضاتِ شاقّہ کے خوارق عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ شانِ نبوت اُن پر غالب ہے۔

[1] المائدۃ:۵۵

سو اگر اکابر نقشبندیہ نے ظہور خوارق کیلئے ریاضاتِ شاقّہ کو شرط ٹھہرایا ہے تو ایسے مکمل لوگوں کو مستثنٰی رکھ لیا ہوگا اور ایسے لوگ نہایت قلیل الوجود اور نادر الظہور رہیں۔ کبھی کبھی شدت حاجت کے وقت خَلْقُ اللّٰہ کی بھلائی کے لئے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں اور اُن کا آنا لوگوں کیلئے ایک رحمت عظیم ہوتا ہے اور اُمتِ محمدیہ مرحومہ پر حضرت احدیّت کی یہ رحمت ہے۔ کبھی کبھی آخر صدی پر اصلاح اور تجدیدِ دین کیلئے اس شان کے لوگ مبعوث ہوتے ہیں اور دنیا اُن کے وجود سے نفع اُٹھاتی ہے اور دین زندہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات کہ ظہور خوارق ولایت کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اکثر صوفیوں کا اتفاق اسی پر ہے کہ شرط نہیں۔ پر اس عاجز کے نزدیک ولایت تامہ کاملہ کے لئے ظہور خوارق شرط ہے۔ ولایت کی حقیقت قرب اور معرفتِ الٰہی ہے۔ سو جو شخص صرف منقولی یا معقولی طور پر خدا پر ایمان لاتا ہے اور وہ کشوف عالیہ اور زوالِ حجب اس کو نصیب نہیں ہوا جس سے ایمان اُس کا تقلید سے تحقیق کے ساتھ مُبدّل ہو جاتا۔ تو کیونکر کہا جائے کہ اُس کو ولایت تامہ نصیب ہوگئی ہے۔ بعض بزرگوں نے جیسے حضرت مجدّد الف ثانی صاحب نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ یقین کے لئے معجزاتِ نبویہ کافی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کافی نہیں کیونکہ وہ معجزات اب اس شخص کے حق میں کہ جو صدہا سال بعد میں پیدا ہوا ہے منقولات کا حکم رکھتے ہیں اور دید اور شنید میں جس قدر فرق ہے۔ ظاہر ہے علماء محدّثین سے زیادہ تر اور کون معجزات سے واقف ہوگا۔ مگر وہ معجزات کہ جن کی رویت سے ہزارہا صحابہ یقین کامل تک پہنچ گئے تھے۔ اب ان کے ذریعہ سے علماء ظاہر کو اس قدر اثر بھی نصیب نہیں ہوا کہ اور نہیں تو اُن معجزات کی ہیبت سے اخراج نفسانیت ہی ہو۔ مگر یہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ سماوی نشانوں کو ازدیادِ ایمان میں دخل عظیم ہے اور خود ولایت تامہ کی حقیقت جب کہ قرب تام ہے تو پھر ظاہر ہے کہ قرب اور مشاہدہ عجائبات لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص ہمارے مکان پر آتا ہے اُسے ضرور ہے کہ مکان کی وضع اور اس کی کیفیت کمیّت سے اطلاع پیدا کرے۔ لیکن اگر بعد از وصول بھی ایسا ہے جو قبل از وصول تھا تو گویا اُس نے مکان کو دیکھا ہی نہیں۔ انبیاء کے یقین کو بھی خدا نے نشانوں سے ہی بڑھایا ہے اور قرآن شریف میں رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی[1] حضرت ابراہیم کا سوال بھی موجود ہے۔ پھر کیونکر کہا جائے کہ ولایت بغیر خوارق کے حاصل ہوسکتی ہے۔ بلاشبہ جس

[1] البقرة: ٢٦١

قدر مشاہدہ خوارق کا زیادہ ہے۔ اُسی قدر قوت یقین زیادہ ہے۔ **اسی قدر قوبت زیادہ ہے۔**[۱] اُسی قدر علم زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ خود اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو مسجد اقصیٰ اور آسمان کا سیر کرایا تا اُس کو اپنی آیات خاصہ سے مطلع کریں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس ولی کو منصب ارشاد اور ہدایت کا عطا نہیں کیا گیا۔ اُس کے خوارق اور لوگوں پر ظاہر ہونا ضرور نہیں ہے کیونکہ اُس کو لوگوں سے کچھ واسطہ اور تعلق نہیں ہے لیکن خود اُس پر تو ظاہر ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ حقیقت ولایت تک اس کا قدم پہنچنا اسی سے وابستہ ہے۔

مسجد کے بارہ میں جو فقرہ خداوند کریم کی طرف سے الہام ہوا تھا جس میں خیال کیا جاتا ہے کہ تاریخ مسجد اس میں موجود ہے اور وہ فقرہ الہامیہ یہ ہے **مُبَارِکٌ وَّ مُبَارَکٌ وَّ کُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَکٍ یُّجْعَلُ فِیْہِ**۔[۲] خداوند تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ اس مسجد مبارک کے بارے میں پانچ مرتبہ الہام ہوا۔ منجملہ ان کے ایک نہایت عظیم الشان الہام ہے جس کے ایک فقرہ سے آپ کو پہلے اطلاع دے چکا ہوں مگر بعد اس کے ایک دوسرا فقرہ بھی الہام ہوا۔ اور وہ دونوں فقرہ یہ ہیں۔ **فِیْہِ بَرَکَاتٌ لِّلنَّاسِ**۔[۳] **مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا**[۴] یعنی اس میں لوگوں کے لئے برکتیں ہیں جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا۔ علماء ظاہر شاید اس پر اعتراض کریں کہ یہ تو بیت اللہ خانہ کعبہ کی شان میں وارد ہے۔ مگر وہ لوگ برکات وسیعہ حضرت احدیّت سے بے خبر ہیں اور معذور ہیں اور نیز ایک الہام یعنی مکالمہ حضرت احدیّت اس ذلیل ناچیز عاجز سے واقع ہوا۔ بباعث رابطہ اتحاد آپ کو لکھتا ہوں اور چونکہ یہ عاجز اعلان کا اِذن بھی پاتا ہے اس لئے کتاب میں یعنی حصہ چہارم میں درج بھی کیا جائے گا۔ خداوند تعالیٰ کی الوہیت کی موجیں ہیں کہ اس ناکارہ بندہ کو کہ جو فی الواقعہ بے ہنر اور تہی دست ہے۔ ایسے مکالمات سے یاد کرتا ہے **روحی فداہ سبیلہ بالشان من جلیلہ**[۵] اور وہ الہام یہ ہے

۱۔ نقل مطابق اصل

۲۔ تذکرہ صفحہ ۸۳۔ ایڈیشن چہارم ۳۔ تذکرہ صفحہ ۸۶۔ ایڈیشن چہارم

۴۔ تذکرہ صفحہ ۴۲۶۔ ایڈیشن چہارم

۵۔ الحکم ۲۴؍ جولائی ۱۸۹۹ء

بُشْرٰی لَکَ یَا اَحْمَدِیْ اَنْتَ مُرَادِیْ وَ مَعِیْ غَرَسْتُ کَرَامَتَکَ بِیَدِیْ۔[1]

بشارت باد ترا یا احمدِ من، تو مراد منی و بامنی ۔ نشاندم درخت بزرگی ترا بدست خود۔

بخدمت خواجہ علی صاحب و مولوی عبدالقادر صاحب ونشی بہرام خان صاحب وغیرہ احباب آں صاحب سلام مسنون پہنچے۔☆

۱۳؍ستمبر۱۸۸۳ء مطابق ۱۰؍ذیقعد ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

مکتوب نمبر۲۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہٰذا آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ نے جو سوالات کئے ہیں ان کی حقیقت خداوند کریم ہی کو معلوم ہے۔ اس احقر کے خیال میں جو گزرتا ہے وہ یہ ہے (۱) صوفی باعتبار اس حالت کے سالک کا نام ہے کہ جب وہ اپنے زور اور تمام توجہ اور تمام عقل اور تمام اطاعت اور تمام مشغولی سے خداتعالیٰ کی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور اپنی جانفشانیوں اور محنتوں اور صدقوں کے ذریعہ سے خداتعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس حالت میں تمام کاروبار اُس کا وابستہ اوقات ہوتا ہے۔ اگر اپنے وقتوں کو ہر یک لہو ولعب سے بچا کر یاد الٰہی سے معمور کرتا ہے تو اگر خداتعالیٰ نے چاہا ہے تو کسی منزل تک پہنچ جاتا ہے لیکن اگر حفظ اوقات میں خلل ہوتا ہے تو اس کا سارا کام درہم برہم ہو جاتا ہے جیسے اگر مسافر چلتا بھی رہے تو جائے مقصود تک پہنچتا ہے۔ پر اگر چلنا چھوڑ دے بلکہ جنگل میں آرام کرنے کی نیت سے سو جائے تو قطع نظر عدم وصول سے جان کا بھی خطرہ ہے۔ سو جیسے مسافر ابن السبیل ہے۔ سبیل کو قطع نہ کرے تو کیسے ٹھکانہ تک پہنچے۔ ایسا ہی صوفی ابن الوقت ہے۔ اپنے وقت کو خدا کی راہ میں لگاوے تو مقصود کو پاوے۔ پس جب کہ حفظ وقت صوفی کے لازم حال ہی پڑا ہے تو اپنے کام کو

[1] تذکرہ صفحہ ۱۹۵۔ ایڈیشن چہارم

☆ اخبار الحکم نمبر ۲۶ جلد ۳۔ ۲۴ جولائی ۱۸۹۹ء

فرداپسِ فردا پر ڈالتا ہے اس کے حق میں مہلک ہے اور نیز صوفی کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ اسی جہان میں اپنی نجات کے آثارنمایاں کا طالب ہواور اپنے کام کے دن میں پہلے اپنی اُجرت کا خواستگار ہو۔ فردا یعنی قیامت پرصوفی اپنا حساب نہیں ڈالتا اورنسیہ اور ادھار کا روادار نہیں ہوتا بلکہ دست بدست مزدوری مانگتا ہے۔ اوراس آیت شریفہ پر اُس کا عمل ہوتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [1] پس صوفی ان علماء ظاہری کی طرح نہیں ہوتا کہ جوصرف ظاہری اعمال بطور عادت اور رسم کے بجالا کر اور تزکیہ نفس اور تنویر قلب سے بکلّی محروم رہ کر پھر بہشت کی امیدیں باندھ رہے ہیں بلکہ صوفی اسی جہان میں اپنے بہشت کو دیکھنا چاہتا ہے اورصرف وعدوں پر قناعت نہیں کرتا۔ تو صوفی عمل کی رو سے بھی اور اُجرت عمل کی رو سے بھی ابن الوقت ہے جو حفظ اوقات ہی سے اس کے سارے کام نکلتے ہیں اور حاضر الوقت نعمتوں کو پاتا ہے لیکن چونکہ ہنوز اپنی ہی قوتوں اور طاقتوں اور اخلاصوں اور صدقوں اور محنتوں اور مجاہدات پر اُس کا مدار ہے اور مسافر کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ قدم رکھنا اس کا کام ہے۔ اس لئے وہ صاحبِ حال ہے، صاحبِ مقام نہیں۔ کیونکہ حال وہ ہے جو تغیر پذیر ہو اور مقام وہ ہے جس کو ثبات اور قرار ہو۔ سوصوفی ابھی مسافر کی طرح ہے۔ ایک جگہ چھوڑتا ہے دوسری جگہ جاتا ہے۔ دوسری چھوڑتا ہے تیسری جگہ جاتا ہے لیکن صافی وہ ہے جس کو بعد حصول فنا اَتم کے عنایاتِ الٰہیہ نے اپنی گود میں لے لیا ہے۔ اب اس کو ان محنتوں اور مشقتوں سے کچھ غرض نہیں کہ جوصوفی کو پیش آتی ہیں کیونکہ وہ کاسات وصال سے بہرہ یاب ہو گیا ہے اور دستِ غیبی نے اُس کو ہر ایک بشریت کے لوث سے مصفّٰی اور مطہر کر دیا ہے اور جو اعمال دوسروں کیلئے بوجھ ہیں وہ اس کے حق میں سرور اور لذّت ہو گئے ہیں۔ اور وہ تکلّفات حفظ اوقات اور دوام مراقبہ ومشغولی سے برتر واعلیٰ ہے بلکہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ [2] میں داخل ہے اور اس کا سونا اور اس کا کھانا اور اُس کا ہنسنا اور کھیلنا اور دنیا کے کاموں کو بجالانا سب عبادت ہے کیونکہ وہ منقطع اور مفرد ہے اور عنایات الٰہیہ نے اُس کو اُس کے نفس کے پنجہ سے چھین لیا ہے اور اس کی سرشت کو بدلا دیا ہے۔ اب اُس کا غیر پر قیاس کرنا اور غیر کا اُس پر قیاس کرنا ناجائز ہے۔ صوفی بھی اُس کو نہیں پہچان سکتا کیونکہ وہ بہت ہی دور نکل گیا ہے اور وہ صاحب مقام ہے اور

---

[1] بنی اسرآءیل: ۷۳ [2] النُّور: ۳۸

خدا نے اُس کو اپنی ذات سے تعلق شدید بخشا ہے اور وہ ہر ایک وقت اور حال سے فارغ ہے کیونکہ بجائے اُس کے عنایت الٰہیہ کام کر رہی ہے اور وہ مست اور مدہوش کی طرح پڑا ہے اور تمام آلام اُس کے حق میں بصورت انعام ہوگئے ہیں۔صوفی میں اجر کی خواہش ہے۔اُس میں اجر کی خواہش نہیں۔صوفی معمور الاوقات ہے اور وہ فانی الذات ہے۔ پھر معموری کیا اور وقت کیا۔صیقل زدم آں قدر کہ آئینہ نماند۔اس تحقیق میں دوسرے سوال کا جواب بھی آ گیا۔

(۳) موسیٰ اور فرعون سے روح اور نفسِ امّارہ کا جنگ وجدال مراد ہے جو نور روح ہے جس کو نورِ قلب بھی کہتے ہیں۔وہ ہر وقت قَالُوا بَلٰی کا نعرہ مار رہا ہے اور بارگاہ خدا میں اپنی لذت اور سرور چاہتا ہے اور موسیٰ کی طرح شرور کا دشمن ہے اور نفسِ امّارہ شرور کا خواہاں ہے اور شہوات کا طالب۔ان دونوں میں موسیٰ اور فرعون کی طرح جنگ ہو رہا ہے۔ یہ جنگ اسی وقت تک رہتا ہے جب انسان اپنی ہستی کو مقصود ٹھہرا کر فنا فی اللہ کی حالت سے گرا ہوا ہوتا ہے لیکن جب انسان اپنی ہستی سے بالکل کھویا جاتا ہے تو وہ پہلی بیرنگی جو عالم ہستی میں اُس کو حاصل تھی پھر حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی شائبہ وجود کا باقی نہیں رہتا۔اس مرتبہ پر نفسِ امّارہ اور نور قلب کا جنگ ختم ہو جاتا ہے اور شہوات نفسانی حظوظ کا حکم پیدا کر لیتی ہیں اور فانی کا کھانا پینا، ازدواج متعددہ کرنا وغیرہ امور جائے اعتراض نہیں ٹھہرتا اور نہ کچھ اُس کو ضرر کرتا ہے کیونکہ وہ فانی ہے اور اب یہ کام خدا کے ہیں جو اُس پر جاری ہوتے ہیں۔سو اِس مقام پر آ کر موسیٰ اور فرعون کی صلح ہو جاتی ہے۔

(۴) حرص و ہوا سے اوّل چیز جو انسان کو روکتی ہے جذبہ الٰہی ہے۔وہی جذبہ انسان کو صالحین کی صحبت کی طرف کھینچتا ہے۔وہی اُس کو کسی صالح کا مرید کراتا ہے۔صحیح حدیث میں وارد ہے کہ انسان گناہ کرتا ہے۔ پھر حضرت خداوندی میں روتا ہے کہ مجھ سے گناہ ہوگیا۔خدا تعالیٰ اُس کو بخش دیتا ہے اور اپنے فرشتوں کے روبرو اُس کی تعریف کرتا ہے۔پھر چند روز پا کر اُس بندہ عاجز سے گناہ ہو جاتا ہے۔پھر وہ جناب الٰہی میں روتا اور چلاتا ہے اور ہر بار خدا تعالیٰ اُس کو بخشتا جاتا ہے اور فرشتوں کے روبرو اُس کی تعریف کرتا ہے۔آخر اُس کو کہتا ہے اِعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنِّیْ غَفَرْتُ لَکَ۔یعنی اب جو تیری مرضی ہے کر مَیں نے تجھ کو بخش دیا ہے سو اُسی روز سے وہ محفوظ ہوتا ہے اور پھر ہوا و ہوس اس پر غالب نہیں ہو سکتے۔غرض جیسے جسمانی پیدائش کی ابتدا خدا ہی کی طرف سے ہے۔

روحانی پیدائش کی ابتدا بھی خدا کی ہی طرف سے ہے۔ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ۔ جس کو وہ بُلاتا ہے وہ دوسرے کی بھی سن لیتا ہے مگر جس کو وہ نہیں بُلاتا وہ کسی کی نہیں سنتا۔ جیسا کہ خود اُس نے فرمایا ہے۔ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا[1] یعنی ہدایت وہی پاتا ہے جس کو خدا ہدایت دے اور جس کو خدا گمراہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کو کوئی مرشد ہدایت نہیں دے سکتا۔ چند انگریزی فقرات جو الہام ہوئے تھے وہ مطبع میں بھیج دیئے گئے۔ اس جگہ کوئی انگریزی خوان نہیں۔ ایک ہندو لڑکا قادیان کا لاہور پڑھتا ہے اُس نے دیکھے تھے۔☆

مرزا غلام احمد

☆......☆......☆

[1] الکھف: ۱۸

☆ اخبار الحکم نمبر ۳۰ جلد ۳۔ ۹ جون ۱۸۹۹ء

مکتوب نمبر۲۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا مکتوب محبت اسلوب پہنچ کر باعث مسرت ہوا۔ خداوندکریم آپ کی تائید میں رہے اور مکروہات زمانہ سے بچاوے۔ اس عاجز سے تعلق اور ارتباط کرنا کسی قدر ابتلا کو چاہتا ہے سو اِس ابتلا سے آپ بچ نہیں سکتے۔

گر بجنوں صحبتے خواہی بہ بینی زود تر خار ہائے دشت وتنہائی وطعن عالمے

عَرَفۡتُ رَبِّیۡ بِرَبِّیۡ[1] صحیح المضمون ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آ چکی ہیں۔ خداوندکریم نے پہلی سورۃ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اس جگہ عبادت سے مراد پرستش اور معرفت دونوں ہیں اور دونوں میں بندہ کا عجز ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ بھی حضرت خداوندکریم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ[2] لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ[3] جب تک خدا کی معرفت کا خدا ہی وسیلہ نہ ہو تب تک وہ معرفت شرک کے رگ وریشہ سے خالی نہیں اور نہ کامل ہے بلکہ بجز تجلیاتِ خاصہ حضرت احدیّت کی معرفت خالصہ کاملہ کا حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ خدا کو شناخت کرنے کے لئے خدا ہی کا نور چاہئے۔ پس حقیقت میں وہی عارف اور وہی معروف ہے اور نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ تجلیّت الوہیت یکساں نہیں۔ ہر یک شخص کے لئے تجلّی ربی الگ الگ ہے اور جس قدر ربّانی تجلّی ہے اسی قدر معرفت ہے۔ کوئی ظرف وسیع اور کوئی تنقیص اور کوئی نہایت صافی اور کوئی اُس سے کم ہے۔ پس تجلّی بہ حسب حیثیت ظروف ہے۔ ایک کی معرفت دوسرے کی نسبت حکم عدم معرفت کا پیدا کرسکتی ہے اور معارف غیر متناہی ہیں۔ کوئی کنارہ نہیں۔ اُس ناپیدا کنار دریا سے ہر یک شخص بقدر اپنے ظرف کے حصہ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِہَا[4] یعنی خدا نے آسمان سے پانی (اپنا کلام) اُتارا سو ہر یک نالی حسب قدر اپنے بہہ نکلی۔ جس قدر پیاس ہے اسی قدر پانی ملتا ہے اور

[1] تفسیر فیض القدیر جلد ۶ [2] النّور: ۳۶ [3] الانعام: ۱۰۴ [4] الرّعد: ۱۸

آپ نے دعا کے بارے میں جو دریافت فرمایا ہے کہ جو اوّل سے ہی مقدر ہے دعا کیوں کی جاتی ہے۔سو اس میں تحقیق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر یک مقدر میں قانون قدیم یہی ہے کہ اگرچہ اس نے ہر امر کے بارے میں جو انسان کے مقسوم میں ہے اُس کا حاصل ہونا مقدر کر دیا۔لیکن اُس کے حاصل کرنے کے طریق بھی ساتھ ہی رکھے ہیں اور یہ قانونِ الٰہی تمام اشیاء میں جاری اور ساری ہے جو شخص مثلاً پیاس بجھانا چاہتا ہے اس کو لازم پڑا ہوا ہے کہ پانی پیوے اور جو شخص روشنی کو ڈھونڈتا ہے اُس کے مناسبِ حال یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے آوے اور اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھا نہ رہے۔اسی طرح دعا اور صدقات وخیرات و دیگر تمام اعمال صالح کو شرط حصول مرادات ٹھہرا رکھا ہے اور جیسے ابتدا سے کسی چیز کا حصول مقدر ہوتا ہے ساتھ ہی اُس کے یہ بھی مقدر ہوتا ہے کہ وہ دعا یا صدقہ وغیرہ بجا لاوے گا تو وہ چیز اُس کو حاصل ہوگی۔پس جس شخص کا مطلب روزِ ازل میں دعا پر موقوف کر رکھا ہے۔سو اگر تقدیر مبرم اُس کے حق میں یہ ہے کہ اُس کا مطلب حاصل ہو جائے گا تو ساتھ ہی اُس کے حق میں یہ بھی تقدیر مبرم ہے کہ وہ دعا بھی ضرور کرے گا اور ممکن نہیں کہ وہ دعا سے رک جائے۔تقدیر ضرور ہی پوری ہو رہے گی اور بہر حال اُس کو دعا کرنی پڑے گی اور دعا میں ضرور نہیں کہ صرف زبان سے کرے بلکہ دعا دل کی اُس عاجزانہ التجا کا نام ہے کہ جب دل نہایت بے قرار اور مضطرب ہو کر رو بخدا ہو جاتا ہے اور جس بلا کو آپ دور نہیں کر سکتا۔اُس کا دور ہونا طاقت الوہیت سے چاہتا ہے۔پس حقیقت میں دعا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے کہ جو اُس کی سرشت میں مخمّر ہے۔یہاں تک کہ شیر خوار بچہ بھی اپنی گرسنگی کی حالت میں گریہ وزاری سے اپنا ایسا انداز بنا لیتا ہے کہ جس کو عین دعا کی حالت کہنا چاہئے۔غرض بذریعہ دعا کے خدا سے مدد ڈھونڈنا کوئی بناوٹ کی بات نہیں بلکہ یہ فطرتی امر ہے اور قوانین معینہ مقررہ میں سے ہے۔جو شخص دعا کی توفیق دیا جاتا ہے اُس کے حق میں قبولیت اور استجابت بھی مقدر ہوتی ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ اُسی صورت میں استجابت ممکن ہو۔کیونکہ ممکن ہے کہ انسان کسی مطلوب کے مانگنے میں غلطی کرے جیسے بچہ کبھی سانپ کو پکڑنا چاہتا ہے اور والدہ مہربان جانتی ہے کہ سانپ کے پکڑنے میں اُس کی ہلاکت ہے۔پس وہ بجائے سانپ کے کوئی خوبصورت کھلونا اُس کو دے دیتی ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا کا مانگنا مقدراتِ ازلیہ کے نقیض نہیں ہے بلکہ خود مقدرات ازلیہ میں سے ہے اور اسی جہت سے انسان بالطبع نزول حوادث کے وقت دعا

کی طرف جھک جاتا ہے اور عارفین کا ذاتی تجربہ ہے کہ جو مانگتا ہے اُس کو ملتا ہے۔ ہر یک زمانہ میں خدا نے مقبولین کی دعا کے ذریعہ سے عجیب طوروں پر مشکل کشائیاں کیں ہیں اور اپنے فضلوں کو منکشف کیا ہے۔ بعض لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور اُس کی اصلیت یہ ہے کہ حکیم مطلق نے مقدر کیا ہوتا ہے کہ بہت سے اہل حاجات اُن کی دعاؤں سے اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ سو وہ اہلِ حاجات اُس شخص مستجاب الدعوات کو آ ملتے ہیں اور امر مقدر پورا ہو جاتا ہے۔ سو مستجاب الدعوات کی طرف جھکنا ایک نیک فال ہے۔ کیونکہ غالباً جو شخص مستجاب الدعوات کی طرف آیا ہے اور اس کی طرف میل کرنا اُس کو توفیق دیا گیا ہے وہ اُنہیں لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کے حق میں قلم ازل نے کامیاب ہونا اس کی دعا سے لکھا ہے۔ مگر یہ بات نہیں کہ جو مستجاب الدعوات مانگتا ہے وہ بعینہٖ پورا ہو جاوے۔ اُس کی وجہ پہلے لکھ چکا ہوں۔ پانچ کتابیں روانہ کی گئی ہیں۔ بخدمت خواجہ علی صاحب و مولوی عبدالقادر صاحب سلام مسنون پہنچے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا نے چاہا تو لودہیانہ میں مولوی صاحب کی ملاقات حاصل ہوگی۔ وَالْاَمْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدِ اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ والسلام☆

۲۲؍ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ۲۰؍ذیقعد ۱۳۰۰ھ

☆......☆......☆

☆ اخبار الحکم نمبر ۲۳ جلد ۳۔ ۳۰ جون ۱۸۹۹ء

مکتوب نمبر۳۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعض کتب میں مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ [۱] حدیث نبوی کر کے بیان کیا گیا ہے۔ احیاء العلوم میں اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں محدثین کو اپنے قواعد مقررہ کے رو سے کلام ہے۔ مگر اس قول میں کوئی ایسی بات نہیں جو قَالَ اللّٰہُ وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ سے منافی ہو۔ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ [۲] حضرت ربّ العالمین نے تمام عالَم کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ تا وہ شناخت کیا جاوے۔ اور نفس انسانی ایک نسخہ جامع جمیع اسرار عالَم ہے اور کچھ شک نہیں کہ جس کو کماحقّہٗ علم نفس حاصل ہو۔ اُس کو وہ معرفت حاصل ہوگی کہ جو جمیع عالَم کی حقیقت دریافت کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے پس یہ طریق نہایت قریب اور آسان ہے کہ انسان اپنے نفس کی شناخت کی کوشش کرے۔ اُسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام میں ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالشَّمۡسِ وَضُحٰہَا وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىہَا وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىہَا وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا [۳] سو خدا نے شمس اور قمر اور دن اور رات اور آسمان اور زمین کی خوبیاں بیان فرما کر پھر بعد اس کے وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا فرمایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نفس انسانی میں وہ سب استعدادات موجود ہیں کہ جو متفرق طور پر عالَم کے جمیع اجزا میں پائے جاتے ہیں۔

اگر خواہی کہ در بینی تمامی وضع عالم را
یکے در نفس خود بنگر ہمہ وضعش تماشا کُن

پھر بعد اُس کے فرمایا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا یعنی وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کا کیا نجات پا گیا۔ سو نجات سے حصول معرفتِ تامہ مراد ہے کیونکہ تمام عذاب اور ہر ایک قسم کی عقوبات جہل اور ضلالت پر ہی

---

[۱] (الف) کشف الخفاء للعجلونی ۲/۳۶۵ (ب) الدرر المنتشرہ فی الاحادیث المشتھرہ للسیوطی صفحہ ۱۵۲　[۲] الذاریات: ۲۲　[۳] الشمس: ۱ تا ۱۰

مرتب ہوں گی۔ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی [1] اورتزکیہ نفس دوقسم پر ہے تَـزۡکِیَـہ مِن حَیثُ الۡعِلۡم اور وہ یہ ہے کہ نفس کو حضرت باری عزوجل اور دارِ آخرت کی نسبت علم یقینی قطعی حاصل ہو اور شکوک اور شبہات اور عقائد غلط اور فاسد سے نجات پا جائے۔

تَزکیہ مِنۡ حَیثُ الۡعَمل وہ ہے کہ جیسے فی الحقیقت حضرت باری عَزّاِسۡمُہٗ اس بات کا مستحق ہے کہ اُسی سے محبت ذاتی ہو اور جیسے فی الحقیقت حضرت باری کے وجود کے مقابل اور سب وجود ہیچ اور کالعدم ہیں۔ ایسے ہی سالک کیلئے حالت حاصل ہو جائے اور جب انسان کو حالت فنا حاصل ہو گئی تو وہ قوم اسرار موت اور دقائق حکمت جو زمین اور آسمان میں مخفی ہیں اُس کے نفس پر باذن اللہ تعالیٰ کھلنے شروع ہو جائیں گے اور کشفی طور پر اُن کی کیفیت اُس پر ظاہر ہوتی جائے گی کیونکہ اسرار جمیع عالم بعینہٖ اسرار نفس ہیں۔ پس جب نفس ببرکت فناء اَتم اپنے حجاب سے خلاصی پائے گا تو جو کچھ خدا نے اُس میں انوار مہیا رکھے ہیں اُن سب کو ظاہر کرے گا۔ سو یہ معرفت تامہ ہے جو انسان کو بقا کے درجہ پر حاصل ہوتی ہے لیکن یہ معرفت انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ تمام انسانی کوششیں فنا کے مرتبہ تک ختم ہو جاتی ہیں اور پھر آگے معرفتِ الٰہی ہے اور جس پر موہبت کی نسیم چلتی ہے اسی پر وہ سب انوار ظاہر کئے جاتے ہیں جو اس کی روح میں مودّع ہیں۔ انسان کی روح میں ایک بڑا سلیقہ یہ ہے کہ وہ اس قدر خدا کے سہارے کی محتاج ہے کہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتی۔ الوہیت اُس پر ایک ایسے طور سے محیط ہو رہی ہے کہ جو نہ تقریراً نہ تحریراً نہ صراحتہً نہ کنایۃً نہ توضیحًا نہ تمثیلاً بیان میں آ سکتی ہے بلکہ سالک جب بقا کا مرتبہ موہبت حضرت الٰہی سے پاتا ہے تو وہ کیفیت کہ جو بیچون اور بچگون ہیں۔ اُس پر متجلی ہوتی ہے اور باوجود تحقیق تجلّی کے پھر بھی اُس کو بیان نہیں کرسکتا۔ مَنۡ عَـرَفَ کُلَّ لِسَانُہٗ [2] آں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ غرض اسی تجلّی کا نام معرفت تامہ ہے اور مَـنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ کا مقصود حقیقی بھی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَاب۔

آں مخدوم نے جو سوالات لکھنے کا طریق نکالا ہے بہت اچھا ہے۔ مگر جائے تکلّف درمیان نہ ہو یعنی خواہ نخواہ سوال نہ تراشا جائے بلکہ جب خدا کی طرف سے کوئی موقعہ پیش آوے تب سوال کیا جائے۔ سلف صالح کا مکتوبات اکابر کے لکھنے میں یہی طریق رہا ہے اور جس کی معرفت کو خدا تعالیٰ

---

[1] بنی اسرآءیل: ۷۳ [2] تاریخ بغداد للخطیب البغدادی جلد۲ صفحہ ۳۶۲ تصویر بیروت

ترقی دینا چاہتا ہے اس کی زندگی میں خود ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسے موقعے نکلتے آتے ہیں جن سے اُس کو سوال کرنے کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف جو جامع تمام معارف اور حقائق ہے عبث طور پر نازل نہیں ہوا بلکہ جب حاجت پیش آئی نازل ہوا ہے اور ہر ایک آیت محکمہ اپنی ایک ضروری شان نزول رکھتی ہے۔ والسلام بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب و خواجہ علی صاحب و دیگر صاحبان سلام برسد۔☆ بتاریخ ۴؍ اکتوبر ۱۸۸۳ء مطابق ۲؍ ذوالحجہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر ۳۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ جن امور میں خلق اللہ کی بھلائی ہے، اُن کا دریافت کرنا مضائقہ نہیں۔ صرف مجھے خوف تھا کہ تکلف نہ ہو کہ وہ اس راہ میں مذموم ہے اور مولوی گل حسن صاحب کا سوال خداوند کریم کی جناب میں کچھ سُوءِ ادب کی رائحہ رکھتا ہے۔ اس لئے اُس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ بندۂ وفادار کو رُشد یا عدم رُشد سے کیا مطلب ہے۔ شیخ مصلح الدین سَعدی شیرازی رحمۃ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

من ایستادہ ام اینک بخدمتت مشغول مرا ازیں چہ کہ خدمت قبول یا نہ قبول

اور

گر نباشد بدوست رہ بُردن شرط عشق است در طلب مردن

اس راہ کا سالک وہ شخص ہوتا ہے کہ وصال اور بقا سے کچھ مطلب نہ رکھے اور اُن تمام واقعات اور مکاشفات سے کچھ سروکار نہ ہو کہ جو سالکوں پر کھلتے ہیں۔ کرامات اور خوارق عادت کا خواہاں نہ ہو اور مقامات واصلین کا جویاں نہ ہو اور باایں ہمہ سعی اور مجاہدہ میں ہمت نہ ہارے اور خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے فی الواقع ایک ذلیل بندہ اپنے تئیں خیال کرتا رہے اور اپنی زندگی کا اصل مقصد اسی راہ میں جان دینا ٹھہراوے گو کچھ راہ پاوے یا نہ پاوے۔ راستبازوں کا یہی راستہ ہے۔ ان کو اس سے کیا کام کہ حضرت احدیّت سے اس بات کا پہلے تصفیہ کر لیویں کہ ہم کو آخر راہ ملے گا یا محض

☆ اخبار الحکم نمبر ۲۲ جلد ۳۔ ۲۳ جون ۱۸۹۹ء

محروم رکھنا ہے۔ صادقوں کو ملنے نہ ملنے سے کچھ کام نہیں۔ اگر بالفرض ہر روز پردہ غیب سے ہزار لعنت سنیں تو وہ اُس سے دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ محبوب کی نسبت یہی محبوب ہے۔ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ۔[1]
مسجد میں ابھی کام سفیدی کا شروع نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ چاہے گا تو انجام کو پہنچ جائے گا۔ آج رات کیا عجیب خواب آئی کہ بعض اشخاص ہیں جن کو اس عاجز نے شناخت نہیں کیا۔ وہ سبز رنگ کی سیاہی سے مسجد کے دروازے کی پیشانی پر کچھ آیات لکھتے ہیں۔ ایسا سمجھا گیا کہ فرشتے ہیں اور سبز رنگ اُن کے پاس ہے جس سے وہ بعض آیات تحریر کرتے ہیں اور خط ریحانی میں جو پیچان اور مسلسل ہوتا ہے لکھتے جاتے ہیں۔ تب اس عاجز نے اُن آیات کو پڑھنا شروع کیا جن میں سے ایک آیت یاد رہی اور وہ یہ ہے لَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ[2] اور حقیقت میں خدا کے فضل کو کون روک سکتا ہے۔ جس عمارت کو وہ بناتا ہے اُس کو کون مسمار کرے اور جس کو وہ عزت دینا چاہتا ہے اُس کو کون ذلیل کرے۔☆

۹؍اکتوبر ۱۸۸۳ء مطابق ۷؍ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر ۳۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا خط پہنچا۔ جس قدر آں مخدوم نے کوشش اور سعی اُٹھائی ہے اور اپنے نفس پر مشقّت اور تحمل مکروہات روا رکھا ہے یہ سب خداوند کریم کی ہی عنایت ہے تا آپ کو اُس کے عوض میں وہ اجر عطا فرماوے جس کا عطا ہونا اُنہیں کوششوں پر موقوف تھا۔ جس کریم رحیم نے اس عاجز نالائق کو اپنے غیر متناہی احسانوں سے بغیر عوض کسی عمل اور محنت کے ممنون اور پرورش فرمایا ہے۔ وہ محنت کرنے والوں کی محنت کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ خدا کی راہ میں انسان ایک ذرّہ بات منہ سے نہیں نکالتا اور ایک قدم زمین پر نہیں رکھتا جس کا اس کو ثواب نہیں دیا جاتا لیکن میں اس جگہ یہ بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے جوش دلی کے باعث سے جو ایسے لوگوں کے پاس بھی جاتے ہیں جو ظنون فاسدہ اپنے دل پر رکھتے ہیں اور غرور اور استکبارِ نفس سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں

[1] الرحمٰن: ۳۰ [2] یونس: ۱۰۸ ☆ اخبار الحکم نمبر ۲۲ جلد ۳۔ ۲۳ جون ۱۸۹۹ء

چاہئے۔اس کام کی خداوندکریم نے اپنے ہاتھ سے بِنا ڈالی ہے اور ارادہ الٰہی اس بات کے متعلق ہو رہا ہے کہ شوکت اور شان دین کی ظاہر کرے اور اس بارہ میں اس کی طرف سے کھلی کھلی بشارتیں عطا ہو چکی ہیں۔سو جس بات کو خدا انجام دینے والا ہے اُس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ دنیا مُردار ہے اور جس قدر کوئی اس سے نزدیک ہے اسی قدر ناپاکی میں گرفتار ہے اور بدباطن اور بدبودار ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن کیلئے لازم ہے کہ دنیا دار کے سامنے تذلّل اختیار نہ کرے اور اُس کی شان باطل کو تحقیر کی نظر سے دیکھے۔انسان دنیا دار کے سامنے نرمی اور تواضع اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ حضرت خداوند کریم عزوجل کے نزدیک مشرک ٹھہرتا ہے۔سمجھنا چاہئے کہ بجز قادر توانا کے کوئی کام کسی کے اختیار میں نہیں اور تمام آسمان وزمین اور تمام دل اُس کے قبضہ میں ہیں اور قدرتِ الٰہیہ سخت درجہ پر متصرف ہے اور اگر وہ کسی کام میں توقف کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اُس کے کرنے سے عاجز ہے بلکہ اس توقف میں اُس کی حکمتیں ہوتی ہیں۔مخلوق سب ہیچ اور ادنیٰ ہے اور مُردہ ہے نہ اُن سے کچھ نقصان متصور ہے اور نہ نفع۔دنیا داروں سے مطلب براری کیلئے نرمی کرنا دنیاداروں کا کام ہے اور یہ کام خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا ہے۔مجھ کو یا آپ کو لازم نہیں کہ ایک بدنصیب دنیادار سے ایسی لجاجت کریں کہ جس سے اپنے مولیٰ کی کسرشان لازم آوے۔جو لوگ ذات کبریا کا دامن پکڑتے ہیں وہ متکبروں کے دروازہ پر ہرگز نہیں جاتے اور لجاجت سے بات نہیں کرتے۔سو آپ اس طریق کو ترک کردیں۔اگر کسی دنیادار مالدار کو کچھ کہنا ہو تو کلمہ مختصر کہیں اور آزادی سے کہیں۔اور صرف ایک بار پر کفایت رکھیں اور یار محمد کو روپے بھیجنے سے منع کردیں اور مناسب ہے کہ آپ یہ سلسلہ غریب مسلمانوں میں جاری رکھیں۔دوسرے لوگوں کا خیال چھوڑ دیں۔اس میں ذرّہ تردّد نہ کیا کریں۔تعجب کہ آپ جیسے آدمی متردّد ہو جائیں۔اگر ایک کافر بے دین جو دولتمند ہو کسی کو وعدہ دے جو میں تیری مشکلات پر تیری مدد کروں گا تو وہ اُس کے وعدہ سے تسلّی پکڑ جاتا ہے۔پر خداوند تعالیٰ کا وعدہ جو اَصْدَقُ الصَّادِقِیْنَ ہے کیونکر موجب تسلّی نہ ہو۔

لکھا ہے کہ اوّل حال میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کو برعایت ظاہر اپنی جان کی حفاظت کیلئے ہمراہ رکھا کرتے تھے۔پھر جب یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [1]

[1] المائدہ: ٦٨

یعنی خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب کو رخصت کر دیا اور فرمایا کہ اب مجھ کو تمہاری حفاظت کی حاجت نہیں۔ سو اسی طرح سمجھیں کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ ’’اگر تمام لوگ منہ پھیر لیں تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے مدد کر سکتا ہوں‘‘۔[1] پھر جب وہ قادر رحمٰن رحیم ساتھ ہے اور اُس کی طرف سے مواعید ہیں تو کیا غم ہے دنیا دار کیا چیز ہیں اور کیا حقیقت۔ تا ان کے سامنے لجاجت کی جائے اور اگر خدا چاہتا تو اُن کو ایسا سخت دل نہ کرتا۔ پر اُس نے یہی چاہا تا اُس کے نشان ظاہر ہوں۔☆

تاریخ ۲۴؍ اکتوبر ۱۸۸۳ء مطابق ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نمبر ۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچ کر باعث مسرت خاطر ہوا۔ آپ نے بہت کچھ کوشش کی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ خدا تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں کرے گا سو گو آپ نے کیسی ہی تکالیف اُٹھائی ہوں پھر جب کہ مولیٰ کریم کی راہ میں ہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اُس کریم مطلق نے اس تکلیف کشی کے لائق سمجھا۔ اس عاجز کو خداوند کریم نے ایک خبر دی تھی جس کو حصہ ثالث میں چھاپ دیا تھا یعنی یہ کہ یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُّوۡحِیۡ اِلَیۡھِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ [2] یعنی تیری مدد وہ مردان دین کریں گے جن کے دل میں ہم آسمان سے آپ ڈالیں گے۔ سو اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَالۡمِنَّۃُ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ اس عاجز کے انصار میں سے بنایا اور اس ناچیز کو آپ کے وجود سے فخر ہے اور اپنے خداوند کریم کی طرف سے آپ کو ایک رحمت مجسم خیال کرتا ہے اگر لوگ رُوگردان ہیں اور متوجہ نہیں ہوتے تو آپ اس سے ذرا متفکر نہ ہوں۔ خدا تعالیٰ ہر یک دل پر متصرف ہے اور اُس کا قوی ہاتھ ذرّہ ذرّہ پر قابض ہو رہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو دلوں میں ارادت پیدا کر دیتا۔ مخلوق کیا چیز ہے اور اُس

[1] تذکرہ صفحہ ۸۹۔ ایڈیشن چہارم [2] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۹

☆ اخبار الحکم نمبر ۳۰ جلد ۳۔ ۲۴؍ اگست ۱۸۹۹ء

کی ہستی کیا حقیقت ہے لیکن اُس نے یہ نہیں چاہا بلکہ توقف اور آہستگی سے کام کرنا چاہا ہے۔ سب کچھ وہی کرتا ہے۔ وہ دوسرا کون ہے جو اُس کا حارج ہو رہا ہے۔ بارہا اس عاجز کو حضرت احدیّت کے مخاطبات میں ایسے کلمات فرمائے گئے ہیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ سب دنیا پنجۂ قدرت احدیّت میں مقہور اور مغلوب ہے اور تصرفات الٰہیہ زمین وآسمان میں کام کر رہے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ یہ الہام ہوا۔ **اِنْ تَمْسَسْکَ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ۔ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّلِفَضْلِہٖ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ لَاٰتٍ** [1] سو خدا تعالیٰ اپنے کلمات مقدسہ سے اس قدر اس عاجز کو تقویت دیتا ہے کہ پھر اُس کے غیر سے نہ کچھ خوف باقی رہتا ہے اور نہ اس کو امید گاہ بنایا جاتا ہے۔ جب یہ عاجز اپنے معروضات میں لطف اور لذیذ کلمات میں جواب پاتا ہے اور بسا اوقات ہر سوال کے بعد جواب سنتا ہے اور کلمات احدیّت میں بہت سے تلطّفات پاتا ہے تو تمام ہموم وغموم بکلّی دل سے دور ہو جاتے ہیں اور جیسے کوئی نہایت تیز شراب سے مست اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے ایسی ہی حالت سرور کی طاری ہوتی ہے۔ جس میں دوسرے ہموم وغموم تو کیا چیز ہیں موت بھی کچھ حقیقت نظر نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھول دیا ہے کہ زید وعمر کچھ چیز نہیں۔ ہر ایک کام اُس کے اختیار میں ہے۔ پھر جب کہ ایسا ہے تو دوسروں کی شکایت عبث ہے۔ اس عاجز پر جو کچھ تفضّلات واحسانات حضرت خداوندکریم ہیں وہ حدّ وشمار سے خارج ہیں کیونکہ یہ اَذلِّ عباد اپنی ذاتی حیثیت میں کچھ بھی چیز نہیں اور بغیر اُس کے کہ تکلف سے کوئی کسرنفسی کی جائے فی الحقیقت سخت درجہ کا ناکارہ اور ہیچ ہے۔ نہ زاہدوں میں سے ہے نہ عابدوں میں سے، نہ پارساؤں میں سے نہ مولویوں میں سے۔ سخت حیران ہے کہ کس چیز پر نظر عنایت ہے۔ **یَفْعَلُ اللّٰہُ مَایَشَآءُ۔**

۲۹/اکتوبر ۱۸۸۳ء مطابق ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۹

مکتوب نمبر ۳۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا یہ عاجز چند روز سے ملاحظہ کام طبع کتاب کیلئے امرتسر چلا گیا تھا آج واپس آ کر آں مخدوم کا خط ملا۔ یہاں سے ارادہ کیا گیا تھا کہ امرتسر جا کر بعد اطلاع دہی ایک دو دن کے لئے آپ کی طرف آؤں۔ مگر چونکہ کوئی ارادہ بغیر تائید الٰہی انجام پذیر نہیں ہوسکتا اس لئے یہ خاکسار امرتسر جا کر کسی قدر علیل ہو گیا۔ ناچار وہ ارادہ ملتوی کیا گیا۔ سو اِس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک روک واقع ہوگئی۔ اُس کے کام حکمت سے خالی نہیں۔ مولوی عبدالقادر صاحب کی حالت سے دل خوش ہے۔ طلب عرفان بھی ایک عرفان ہے۔ حضرت خداوند کریم کے کام آہستگی سے ہوتے ہیں۔ سو اگر خداوند کریم نے چاہا تو یہ عاجز بھی دعا کرے گا۔ غنیمت ہے کہ بفضلہٖ مولوی صاحب صاحبِ علم ہیں۔ طالب نادان شیطان کا بازی گاہ ہوتا ہے لیکن اس فقیر کی راہ میں مولویت بھی ایک حجابِ عظیم ہے۔ انسان خاک ہے اور جب تک اپنی اصل کی طرف عود کر کے خاک ہی نہ ہو جائے تب تک مولیٰ کریم کی اس پر نظر نہیں پڑتی۔ سو اِس خاکساری اور نیستی کو اُسی قادر مطلق سے طلب کرنا چاہئے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں جو مانگا گیا ہے وہ بھی خاکساری اور نیستی ہے۔ انسان کے نفس میں بہت سی رعونتیں اور نخوتیں اور عجب اور ریا اور خود بینی اور بزرگی چھپی ہوئی ہے۔ جب تک خدا ہی اُس کو دور نہ کرے دور نہیں ہوتی۔ پس یہ بلا ہے جو نیستی اور خاکساری کے منافی ہے۔ سو تضرع اور زاری سے جناب الٰہی میں التجا چاہئے تا جس نے یہ بلا پیدا کی ہے وہی اُس کو دور کرے اور ظاہری جھگڑوں میں بہت ہی نرم ہو جانا چاہئے۔ قلت اعتراض سالکین شعار میں سے ہے۔ انسان جب تک پاک نفس نہ ہو جائے اُس کے جھگڑے نفسانیت سے خالی نہیں۔ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ۔[1]

۹؍ نومبر ۱۸۸۳ء مطابق ۸؍ محرم ۱۳۰۱ھ

---

[1] المائدہ: ۱۰۶

مکتوب نمبر ۳۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا عنایت نامہ عین انتظاری کے وقت میں پہنچا۔ خداوند کریم آں مخدوم کو مکروہات زمانہ سے اپنے ظل رحمت میں رکھے۔ جس قدر آپ اس عاجز سے محبت رکھتے ہیں وہی محبت اور تعلق اس عاجز کو آپ سے ہے۔ یہ سچ ہے کہ مقام تعلقات محبت میں انسان یہی چاہتا ہے کہ دیر تک اس دار فانی میں اتفاق ملاقات رہے۔ لیکن اس مسافر خانہ کی بنیاد نہایت ہی خام اور متزلزل ہے۔ اب تک اس عاجز پر جو مکشوف ہوا ہے اُن میں سے کوئی ایسا کشف نہیں جس میں طول عمر مفہوم ہوتا ہے بلکہ اکثر الہام ذومعنیین ہوتے ہیں۔ جن کے ایک معنی کی رو سے تو قرب وفات سمجھا جاتا ہے اور دوسرے معنی اتمام نعمت ہیں۔ اس بات کو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سے معنی مراد ہیں۔ یہ الہام اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ[۱] اس قدر رہوا ہے جس کا خدا ہی شمار جانتا ہے۔ بعض اوقات نصف شب کے بعد فجر تک ہوتا رہا ہے اس کے بھی دو ہی معنی ہیں۔ رات کو ایک اور عجیب الہام ہوا اور وہ یہ ہے قُلۡ لِضَیۡفِکَ اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ قُلۡ لِاَ خِیۡکَ اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ[۲] یہ الہام بھی چند مرتبہ ہوا اس کے معنی بھی دو ہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو تیرا مورد فیض یا بھائی ہے اس کو کہہ دے کہ میں تیرے پر اِتمام نعمت کروں گا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں وفات دوں گا۔ معلوم نہیں کہ یہ شخص کون ہے۔ اس قسم کے تعلقات کے کم وبیش کوئی[۳] لوگ ہیں۔ اس عاجز پر اس قسم کے الہامات اور مکاشفات اکثر وارد ہوتے رہتے ہیں جن میں اپنی نسبت اور بعض احباب کی نسبت۔ اُن کے عسر یسر کی نسبت، اُن کے حوادث کی نسبت، ان کی عمر کی نسبت ظاہر ہوتا رہتا ہے اور میرا اصول یہ ہے کہ انسانوں کو بالکل اپنے مولیٰ کی مرضی کے موافق رہنا چاہئے اور جو کچھ وہ اختیار کرے وہ بہتر ہے کیونکہ تمام خیر اُسی بات میں ہے جو وہ اختیار کرے۔ دل میں ارادہ تو ہے کہ ایک دو روز کے لئے آپ کے شہر میں آؤں

---

[۱] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۴۸، ۷۵ [۲] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۹

[۳] ''کوئی'' سہو کتابت ہے صحیح ''کئی'' ہے۔ (مرتب)

مگر بجز مرضی باری تعالیٰ کیونکر پورا ہو۔ مولوی عبدالقادر صاحب موت کو بہت یاد رکھیں اور دلی اخلاص کے حصول میں کوشش کریں اور یہ عاجز بھی کوشش کرے گا۔ والسلام

۲۰ر نومبر ۱۸۸۳ء مطابق ۱۹ر محرم ۱۳۰۱ھ

مکتوب نمبر ۳۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا چونکہ اس ہفتہ میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں اور اگرچہ بعض ان میں سے ایک ہندو لڑکے سے دریافت کئے ہیں مگر قابلِ اطمینان نہیں۔ اور بعض منجانب اللہ بطور ترجمہ الہام ہوا تھا اور بعض کلمات شاید عبرانی ہیں۔ ان سب کی تحقیق تنقیح ضرور ہے تا بعد تنقیح جیسا کہ مناسب ہو، اخیر جزو میں کہ اب تک چھپی نہیں درج کئے جائیں۔ آپ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد دریافت کر کے صاف خط میں جو پڑھا جاوے اطلاع بخشیں اور وہ کلمات یہ ہیں۔

پریشن، عمر براطوس، یا پلاطوس یعنی پڑطوس لفظ ہے یا پلاطوس لفظ ہے۔ بباعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا اور عمر عربی لفظ ہے اس جگہ براطوس اور پریشن کے معنی دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔ پھر دو لفظ اور ہیں۔ ھو شعنا نعسا[1] معلوم نہیں کس زبان کے ہیں اور انگریزی یہ ہیں۔ اوّل عربی فقرہ ہے یَا دَاوٗدُ عَامِلْ بِالنَّاسِ رِفْقًا وَّ اِحْسَانًا[2]۔ ’’یو مسٹ ڈو[3] وہاٹ آئی ٹولڈ یو‘‘۔[4] تم کو وہ کرنا چاہئے جو میں نے فرمایا ہے یہ اُردو عبارت بھی الہامی ہے۔ پھر بعد اس کے ایک اور انگریزی الہام ہے اور ترجمہ اُس کا الہامی نہیں۔ بلکہ اُس ہندو لڑکے نے بتلایا ہے۔ فقرات کی تقدیم تاخیر کی صحت بھی معلوم نہیں۔ اور بعض الہامات میں فقرات کا تقدم تاخر بھی ہو جاتا ہے اُس کو غور سے دیکھ لینا چاہئے اور وہ الہام یہ ہیں۔

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۰ [2] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۲ [3] مکتوب طبع اوّل میں سہواً یومسٹ ڈڈ چھپا ہے۔ (مرتب)

[4] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۸۲

''دَو آل مَن شُڈ بی انگری بٹ گاڈ اِز وِد یو'' ۔[۱] ''ہی شَل ہلپ یو''۔[۲] ''ورڈس آف گارڈ[۳] ناٹ کین ایکسچینج''۔[۴] ترجمہ اگرتمام آدمی ناراض ہونگے لیکن خداتمہارے ساتھ ہوگا وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کے کلام بدل نہیں سکتے پھر بعد اس کے ایک دو اور الہام انگریزی ہیں جن میں سے کچھ تو معلوم ہے اور وہ یہ ہیں۔

''آئی شَل ہلپ یو''۔[۵] مگر بعد اس کے یہ ہے۔ ''یو ہیوٹو گو امرتسر''۔[۶] پھر ایک فقرہ ہے جس کے معنی معلوم نہیں اور وہ یہ ہے۔ ''ہی ہل ٹس اِن دی ضلع پشاور''۔[۷] یہ فقرات ہیں ان کو تنقیح سے لکھیں اور براہ مہربانی جلدتر جواب بھیج دیں تا اگر ممکن ہو تو اخیر جزو میں بعض فقرات بموضع مناسب درج ہوسکیں۔ بخدمت مولوی عبدالقادر صاحب وخواجہ علی صاحب سلام مسنون پہنچے۔

۱۲؍دسمبر ۱۸۸۳ء بمطابق ۱۱؍صفر ۱۳۰۱ھ

مکتوب نمبر ۳۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ موجب ممنونی ہوا۔ آج میرا ارادہ تھا کہ صرف ایک دن کے لئے آں مخدوم کی ملاقات کے لئے لودہیانہ کا قصد کروں۔ لیکن خط آمدہ مطبع ریاض ہند سے معلوم ہوا کہ حال طبع کتاب کا ابتر ہو رہا ہے۔ اگر اُس کا جلدی سے تدارک نہ کیا جائے تو کاپیاں کہ جو ایک عرصہ کی لکھی ہوئی ہیں خراب ہو جائیں گی۔ بات یہ ہے کہ کاپیوں کی چھ سات جزیں مطبع ریاض ہند سے بباعث کم استطاعتی مطبع کے مطبع چشمۂ نور میں دی گئی تھیں۔ اور مہتمم چشمۂ نور نے وعدہ کیا تھا کہ اِن کاپیوں کو جلدتر چھاپ دیں گے اور قبل اس کے جو پُرانی اور خراب ہوں چھپ جائیں گی۔ سو خط آمدہ مطبع ریاض ہند سے معلوم ہوا کہ وہ کاپیاں اب تک نہیں چھپیں اور خراب ہوگئیں

---

۱ تذکرہ صفحہ ۸۷و۹۲　۲ تذکرہ صفحہ ۸۷و۹۲　۳ مکتوب طبع اوّل میں غلطی سے ''وارڈس آف گاڈ'' چھپا ہے۔　۴ تذکرہ صفحہ ۹۲

۵ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۹۲　۶ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۹۲　۷ تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۹۲

ہیں۔ کیونکہ اُن کے لکھے جانے پر عرصہ دراز گزر گیا ہے ناچار اس بندوبست کے لئے کچھ دن امرتسر ٹھہرنا پڑے گا اور دوسری طرف یہ ضرورت درپیش ہے کہ ۲۶؍دسمبر ۱۸۸۳ء تک بعض احباب بطور مہمان قادیان میں آئیں گے اور اُن کیلئے اس خاکسار کا یہاں ہونا ضروری ہے سو یہ عاجز بناچاری امرتسر کی طرف روانہ ہوتا ہے اور معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے۔ اگر زندگی اور فرصت اور توفیق ایزدی یاور ہوئی اور کچھ وقت میسر آ گیا تو انشاء اللہ القدیر ایک دن کے لئے امرتسر میں فراغت پا کر آں مخدوم کی طرف روانہ ہوں گا۔ مگر وعدہ نہیں اور کچھ خبر نہیں کہ کیا ہوگا اور خداوند کے فضل وکرم ربوبیت سے اس عاجز کو فرصت مل گئی تو آں مخدوم اس بات کو پہلے سے یاد رکھیں کہ صرف ایک رات رہنے کی گنجائش ہوگی۔ کیونکہ بشرط زندگی وخیریت کہ جو حضرت خداوندکریم کے ہاتھ میں ہے۔ ۲۶؍دسمبر ۱۸۸۳ء تک قادیان میں واپس آجانا ہے۔ اُن سے وعدہ ہو چکا ہے۔ وَالْاَمْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدِ اللّٰہِ اور ایک دن کے لئے آنا بھی ہنوز ایک خیال ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ ۔ اگر خداوندکریم نے فرصت دی اور زندگی اور امن عطا کیا اور امرتسر کے مخمصہ سے صفائی اور راحت حاصل ہوئی اور تاریخ مقررہ پر واپس آنے کے لئے گنجائش بھی ہوئی تو یہ عاجز آنے سے کچھ فرق نہیں کرے گا۔ مگر آپ ریل پر ہرگز تشریف نہ لاویں کہ یہ تکلّف ہے۔ یہ احقر عباد سخت ناکارہ اور بے ہنر ہے اور اس لائق ہرگز نہیں کہ اس کے لئے کچھ تکلّف کیا جائے۔ مولیٰ کریم کی ستّاریوں اور پردہ پوشیوں نے کچھ کا کچھ ظاہر کر رکھا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم

۱۹؍دسمبر ۱۸۸۳ء مطابق ۱۸؍صفر ۱۳۰۱ھ

مکتوب نمبر ۳۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھ کو آپ کا اخلاص بہت شرمندہ کر رہا ہے۔ خداوندکریم آپ کو بہت ہی اجر بخشے اور یہ عاجز تفضّلات الٰہیہ پر بہت بھروسہ رکھتا ہے اور یقیناً سمجھتا ہے کہ اُس کی رحمتیں اس اخلاص اور سعی کے صلہ میں آثار نمایاں دکھلائیں گی۔ یہ عالم فانی تو کچھ چیز نہیں اور

اس کی آرزو کرنے والے سخت غلطی پر ہیں۔ مومن کے لئے اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہیں کہ اس کا مولیٰ کریم اُس پر راضی ہو۔ آپ کے نفس میں قبولیت دعا کی شرائط پیدا ہیں۔ اور اس عاجز نے دوسروں میں اس قسم کی استقامت کم پائی ہے۔ نیک ظن بننا آسان ہے مگر اُس کا نبھانا بہت مشکل۔ سو خدا نے استقامت اور حسن ظن کی سالیّت آپ کے نفس میں رکھی ہے۔ یہ بڑی خوبی ہے کہ جس سے انسان اپنی مراد کو پہنچتا ہے اور نہایت بدنصیب وہ انسان ہے جس کا انجام آغاز کا جوش نہیں رکھتا اور بدظنی اُس کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتی ہے اور سعید وہ انسان ہے جس پر نیک ظن غالب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ٹھوکر کھانے سے بچتے ہیں اور اُس کا فطرتی نور اُن کو شیطانی تاریکی سے بچا لیتا ہے اور تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں اور الحمدللہ کہ میں آپ کو اُن تھوڑوں کے اوّل درجہ میں دیکھتا ہوں۔ بخدمت تمام احباب سلام مسنون پہنچے۔

یکم جنوری ۱۸۸۴ء مطابق یکم ربیع الاوّل ۱۳۰۱ھ

مکتوب نمبر ۳۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا مبلغ پچاس روپیہ مرسلہ آپ کے پہنچ گئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہ خَیۡرًا۔ اب یہ عاجز یوم شنبہ امرتسر جانے کو تیار ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ وہیں سے آپ کی خدمت میں خط لکھے گا۔ آپ نے جو خواب دیکھی۔ انشاء اللہ القدیر بہت بہتر ہے۔ انسان کو بغیر راست گوئی چارہ نہیں اور انسان سے خدا تعالیٰ ایسی کوئی بات پسند نہیں کرتا جیسے اُس کی راست گوئی کو۔ اور راست یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا اس عاجز سے ایک عجیب معاملہ ہے کہ اِس جیسے شخص پر اُس کا تفضّل اور احسان ہے کہ اپنی ذاتی حالت میں اَحقر اور اَرذلِ عباد ہے۔ زُہد سے خالی اور عبادت سے عاری اور معاصی سے پُر ہے۔ سو اُس کے تفضّلات تحیّر انگیز ہیں۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں سے طرزِ واحد پر نہیں اور توجہات اور اقبال اور فتوح حضرت احدیّت کی کوئی ایک راہ خاص نہیں۔ اگرچہ طُرق مشہورہ ریاضات اور عبادات اور زُہد اور تقویٰ ہے مگر ماسوا اس کے ایک اور طریق ہے جس کی خدا تعالیٰ کبھی کبھی آپ

بنیاد ڈالتا ہے۔ کچھ دن گزرے ہیں کہ اس عاجز کو ایک عجیب خواب آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مجمع زاہدین اور عابدین ہے اور ہر ایک شخص کھڑا ہوکر اپنے مشرب کا حال بیان کرتا ہے اور مشرب کے بیان کرنے کے وقت ایک شعر موزوں اُس کے منہ سے نکلتا ہے جس کا اخیر لفظ قعود اور سجود اور مشہود وغیرہ آتا ہے جیسے یہ مصرع

تمام شب گزرانیم در قیام و سجود

چند زاہدین اور عابدین نے ایسے ایسے شعر اپنی تعریف میں پڑھے ہیں پھر اخیر پر اس عاجز نے اپنے مناسبِ حال سمجھ کر ایک شعر پڑھنا چاہا ہے مگر اس وقت وہ خواب کی حالت جاتی رہی اور جو شعر اُس خواب کی مجلس میں پڑھنا تھا وہ بطور الہام زبان پر جاری ہوگیا اور وہ یہ ہے:۔

طریق زہد و تعبد ندانم اے زاہد خدائے من قدمم راند برر ہِ داؤد[1]

سوسچ ہے کہ یہ ناچیز زہد اور تعبد سے خالی ہے اور بجز عجز ونیستی اور کچھ اپنے دامن میں نہیں اور وہ بھی خدا کے فضل سے نہ اپنے زور سے۔ جو لوگ تلاش کرتے ہیں وہ اکثر زاہدین اور عابدین کو تلاش کرتے ہیں اور یہ بات اس جگہ نہیں۔ آپ کے مبلغ پچاس روپیہ عین ضرورت کے وقت پہنچے۔ بعض آدمیوں کے بے وقت تقاضا سے بالفعل پچاس روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ دعا کے لئے یہ الہام ہوا۔ بحسن قبولی دعاء بنگر کہ چہ زود دعا قبول میکنم[2]۔ ۳؍جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ الہام ہوا۔ ۶؍تاریخ کو آپ کا روپیہ آ گیا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

۷؍جنوری ۱۸۸۴ء۔ ۷؍ربیع الاوّل ۱۳۰۱ھ

☆......☆......☆

---

[1] تذکرہ صفحہ ۹۳۔ ایڈیشن چہارم [2] تذکرہ صفحہ ۹۳و۹۴۔ ایڈیشن چہارم

مکتوب نمبر۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام مسنون آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ یہ عاجز اگرچہ بہت چاہتا ہے کہ آں مخدوم کے بار بار لکھنے کی تعمیل کرے مگر کچھ خداوند کریم ہی کی طرف سے ایسے اسباب آ پڑتے ہیں کہ رک جاتا ہوں۔نہیں معلوم کہ حضرت احدیّت کی کیا مرضی ہے۔ عاجز بندہ بغیر اُس کی مشیت کے قدم اُٹھا نہیں سکتا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کسی مکان پر جو یاد نہیں رہا یہ عاجز موجود ہے اور بہت سے نئے نئے آدمی جن سے سابق تعارف نہیں، ملنے کو آئے ہوئے ہیں اور آپ بھی ان کے ساتھ موجود ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مکان ہے۔ اُن لوگوں نے اس عاجز میں کوئی بات دیکھی ہے جو اُن کو ناگوار گزری ہے سو اُن سب کے دل منقطع ہو گئے۔ آپ نے اُس وقت مجھ کو کہا کہ وضع بدل لو۔ میں نے کہا کہ نہیں بدعت ہے۔ سو وہ لوگ بیزار ہو گئے اور ایک دوسرے مکان میں جو ساتھ ہے جا کر بیٹھ گئے۔ تب شاید آپ بھی ساتھ ہیں۔ مَیں اُن کے پاس گیا تا اپنی امامت سے ان کو نماز پڑھاؤں پھر بھی اُنہوں نے بیزاری سے کہا کہ ہم نماز پڑھ چکے ہیں۔ تب اس عاجز نے اُن سے علیحدہ ہونا اور کنارہ کرنا چاہا اور باہر نکلنے کے لئے قدم اُٹھایا۔ معلوم ہوا کہ اُن سب میں سے ایک شخص پیچھے چلا آتا ہے جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو آپ ہی ہیں۔ اب اگرچہ خوابوں میں تعینات معتبر نہیں ہوتے۔ اور اگر خدا چاہے تو تقدیراتِ معلّقہ کو مبدّل بھی کر دیتا ہے لیکن اندیشہ ہی گزرتا ہے کہ خدانخواستہ وہ آپ ہی کا شبیہ نہ ہو۔ لوگوں کے شوق اور ارادت پر آپ خوش نہ ہوں۔ حقیقی شوق اور ارادت کہ جو لغزش اور ابتلا کے مقابلہ پر کچھ ٹھہر سکے لاکھوں میں سے کسی ایک کو ہوتا ہے ورنہ اکثر لوگوں کے دل تھوڑی تھوڑی بات میں بدظنی کی طرف جھک جاتے ہیں اور پھر پہلے حال سے پچھلا حال اُن کا بدتر ہو جاتا ہے۔ صادق الارادت وہ شخص ہے کہ جو رابطہ توڑنے کیلئے جلد تر تیار نہ ہو جائے اور اگر ایسا شخص جس پر ارادت ہو کبھی کسی فسق اور معصیت میں مبتلا نظر آوے یا کسی اور قسم کا ظلم اور تعدّی اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا دیکھے۔ یا کچھ اسباب اور اشیاء منہیات کے اُس کے مکان

پر موجود پاوے تو جلد تر اپنے جامہ سے باہر نہ آوے اور اپنی دیرینہ خدمت اور ارادت کو ایک ساعت میں برباد نہ کرے بلکہ یقیناً دل میں سمجھے کہ یہ ایک ابتلا ہے کہ جو میرے لئے پیش آیا اور اپنی ارادت اور عقیدت میں ایک ذرّہ فتور پیدا نہ کرے اور کوئی اعتراض پیش نہ کرے اور خدا سے چاہے کہ اس کو اُس ابتلا سے نجات بخشے۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر کسی نہ کسی وقت اُس کے لئے ٹھوکر در پیش ہے۔ جن پر خدا کی نظر لطف ہے اُن کو خدا نے ایک مشرب پر نہیں رکھا۔ بعض کو کوئی مشرب بخشا اور بعض کو کوئی اور۔ اُن لوگوں میں ایسے مشرب بھی ہیں کہ جو ظاہری علماء کی سمجھ سے بہت دور ہیں۔ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم مرسل خضر کے کاموں کو دیکھ کر سراسیمہ اور حیران ہوئے اور ہر چند وعدہ بھی کیا کہ میں اعتراض نہیں کروں گا پر جوش شریعت سے اعتراض کر بیٹھے۔ اور وہ اپنے حال میں معذور تھے اور خضر اپنے حال میں معذور تھا۔ غرض اس مشرب کے لوگوں کی خدمت میں ارادت کے ساتھ آنا آسان ہے مگر ارادت کو سلامت لے جانا مشکل ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا کو ہر ایک زاہد کا ابتلا منظور ہے تا وہ اُن پر اُن کی چھپی ہوئی بیماریاں ظاہر کرے۔ سو نہایت بدقسمت وہ شخص ہے کہ جو اُس ابتلا کے وقت تباہ ہو جائے۔ کاش! اگر وہ دور کا دور ہی رہتا تو اُس کے لئے اچھا ہوتا۔ ابوجہل کچھ سب سے زیادہ شریر نہ تھا۔ پر رسالت کے زمانہ نے اُس کا پردہ فاش کیا۔ اگر کسی بعد کی صدی میں کسی مسلمان کے گھر پیدا ہو جاتا تو شاید وہ خبث اُس کی چھپی رہتی۔ سو خبث امتحان ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آں مخدوم ابھی اس عاجز کی تکلیف بیعت کے لئے بہت زور نہ دیں کہ کئی اندیشوں کا محل ہے۔ یہ عاجز معمولی زاہدوں اور عابدوں کے مشرب پر نہیں اور نہ اُن کی رسم اور عادت کے مطابق اوقات رکھتا ہے بلکہ اُن کے پیرایہ سے نہایت بیگانہ اور دور ہے۔ **سَیَفۡعَلُ اللّٰہُ مَایَشَآءُ** اگر خدا نے چاہا تو وہ قادر ہے کہ اپنے خاص ایماء سے اجازت فرماوے۔ ہر ایک کو اس جگہ کے آنے سے روک دیں اور جو پردہ غیب میں مخفی ہے اُس کے ظہور کے منتظر رہیں۔ باقی سب خیریت ہے۔☆

۱۸؍جنوری ۱۸۸۴ء مطابق ۱۸؍ربیع الاوّل ۱۳۰۱ھ

☆ اخبار الحکم نمبر ۳۱ جلد ۳۔ ۳۱؍اگست ۱۸۹۹ء

مکتوب نمبر ۴۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آپ نے جو قول وحدت وجود کی نسبت استفسار فرمایا ہے اُس میں یہ بہتر تھا کہ اوّل آپ اُن وساوس اور اوہام کو لکھتے جن کو قائلین اس قول سقیم کے بطور دلیل آپ کے روبرو پیش کرتے ہیں کیونکہ اس عاجز نے ہر چند ایک مدت دراز تک غور کی اور کتاب اللہ اور احادیثِ نبویؐ کو بتدبّر وتفکر تمام دیکھا اور محی الدین عربی وغیرہ کی تالیفات پر بھی نظر ڈالی کہ جو اس طور کے خیالات سے بھرے ہوئے ہیں اور خود عقل خداداد کی رُو سے بھی خوب سوچا اور فکر کیا لیکن آج تک اس دعویٰ کی بنیاد پر کوئی دلیل اور صحیح حجت ہاتھ نہیں آئی اور کسی نوع کی برہان اس کی صحت پر قائم نہیں ہوئی بلکہ اس کے ابطال پر براہین قویہ اور حجج قطعیہ قائم ہوتے ہیں کہ جو کسی طرح اُٹھ نہیں سکتیں۔ اوّل بڑی بھاری دلیل مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر یک کے لئے کہ جو حق پر قدم مارنا چاہتا ہے قرآن شریف ہے کیونکہ قرآن شریف کی آیات محکمات میں بار بار اور تاکیدی طور پر کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ہے۔ وہ سب مخلوق ہے اور خدا اور انسان میں ابدی امتیاز ہے کہ جو نہ اس عالم میں اور نہ دوسرے عالم میں مرتفع ہوگی۔ اس جگہ بھی بندگی بیچارگی ہے اور وہاں بھی بندگی بیچارگی ہے۔ بلکہ اُس پاک کلام میں نہایت تصریح سے بیان فرمایا گیا ہے کہ انسان کی روح کے لئے عبودیت دائمی اور لازمی ہے اور اُس کی پیدائش کی عبودیت ہی علّتِ غائی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ[1] یعنی میں نے جنّ اور انس کو پرستش دائمی کے لئے پیدا کیا ہے اور پھر انسان کامل کی روح کو اُس کے آخری وقت پر مخاطب کر کے فرمایا یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَ ادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ[2] یعنی اے نفس بحق آرام یافتہ! اپنے ربّ کی طرف واپس چلا آ تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں میں داخل ہو اور میرے بہشت میں اندر آ جا۔ ان دونوں آیات جامع البرکات سے ظاہر

[1] الذّٰریٰت: ۵۷ [2] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

ہو رہا ہے کہ انسان کی روح کے لئے بندگی اور عبودیت دائمی اور لازمی ہے اور اسی عبودیت کی غرض سے وہ پیدا کیا گیا ہے بلکہ آیت مؤخرالذکر میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ جو انسان اپنی سعادتِ کاملہ کو پہنچ جاتا ہے اور اپنے تمام کمالات فطرتی کو پا لیتا ہے اور اپنی جمیع استعدادات کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اُس کو اپنی آخری حالت پر عبودیت کا ہی خطاب ملتا ہے اور فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ سو اب دیکھئے اس آیت سے کس قدر بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کمال مطلوب عبودیت ہی ہے۔ اور سالک کا انتہائی مرتبہ عبودیت تک ہی ختم ہوتا ہے۔ اگر عبودیت انسان کے لئے ایک عارضی جامہ ہوتا اور اصل حقیقت اس کی الوہیت ہوتی تو چاہئے تھا کہ بعد طے کرنے تمام مراتب سلوک کے الوہیت کے نام سے پکارا جاتا۔ لیکن فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ کے لفظ سے ظاہر ہے کہ عبودیت اُس جہان میں بھی دائمی ہے۔ جو ابدالآباد رہے گی اور یہ آیت بآواز بلند پکار رہی ہے کہ انسان گو کیسے ہی کمالات حاصل کرے مگر وہ کسی حالت میں عبودیت سے باہر ہو ہی نہیں (سکتا)۔ اور ظاہر ہے کہ جس کیفیت سے کوئی شَے کسی حالت میں باہر نہ ہو سکے وہ کیفیت اُس کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے۔ پس چونکہ از روئے بیان واضح قرآن شریف کے انسان کے نفس کے لئے عبودیت ایسی لازمی چیز ہے کہ نہ نبی بن کر اور نہ رسول بن کر اور نہ صدیق بن کر اور نہ شہید بن کر اور نہ اس جہان اور نہ اُس جہان میں الگ ہو سکے۔ جو مہتر اور بہتر انبیاء تھے۔ انہوں نے عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ ہونا اپنا فخر سمجھا۔ تو اس سے ثابت ہے کہ انسان کی اصل حقیقت و ماہیت عبودیت ہی ہے الوہیت نہیں۔ اور اگر کوئی الوہیت کا مدعی ہے تو بمقابلہ اس محکم اور بیّن آیت کے کہ جو فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ [1] ہے۔ کوئی دوسری آیت ایسی پیش کرے کہ جس کا مفہوم فَادۡخُلِیۡ فِیۡ ذَاتِیۡ ہو۔ اور خود قرآن شریف جابجا اپنے نزول کی علّتِ غائی بھی یہی ٹھہراتا ہے کہ تا عبودیت پر لوگوں کو قائم کرے اور خدا نے اپنی کتاب عزیز میں اُن لوگوں پر لعنت کی ہے جنہوں نے مسیح اور بعض دوسرے نبیوں کو خدا سمجھا تھا۔ پس کیونکر وہ لوگ رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں جنہوں نے تمام جہان کو یہاں تک کہ ناپاک اور پلید روحوں کو بھی کہ جو شرارت اور فسق اور فجور سے بھری ہیں خدا سمجھ لیا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم کی رُو سے توحید تین مرتبہ پر منقسم ہے۔

---

[1] الفجر: ۳۰

ایک ادنیٰ اور ایک اوسط اور ایک اعلیٰ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ **ادنیٰ مرتبہ توحید** کا کہ جس کے بغیر ایمان متحقق ہو ہی نہیں سکتا۔ نفی شرک رکھا ہے یعنی اس شرک سے بیزار ہونا کہ جو مشرکین محض ظلم اور زیادتی کی راہ سے مخلوق چیزوں کو خدا کے کاموں میں شریک سمجھتے ہیں یعنی کسی قوم نے سورج اور چاند یا آگ اور پانی کو دیوتے قرار دے لیا ہے اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں اور کسی قوم نے بعض انسانوں کو خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے اور خداوند کریم کی طرح اُن کو قادر مطلق اور قاضی الحاجات خیال کر رکھا ہے۔ سو یہ شرک صریح اور ظلم بدیہی ہے کہ جو ہر یک عاقل کو بہ بداہت نظر آتا ہے لیکن دوسری قسم شرک کی جو قرآن شریف میں بیان کی ہے جس کے چھوڑنے پر **توحید کی دوسری قسم** موقوف ہے وہ اس کی نسبت کچھ باریک ہے کہ عوام کالانعام اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ یعنی اسباب کو کارخانہ قدرت حضرت احدیّت میں شریک سمجھنا اور فاعل اور مؤثر حقیقی خدا ہی کو نہ جاننا۔ مثلاً ایک دوکاندار مسلمان جب عین ہجوم خریداروں کے وقت میں بانگ نماز جمعہ سنتا ہے تو دل میں خیال کرتا ہے کہ اگر میں اس وقت جمعہ کی نماز کے لئے اپنی دکان بند کر کے گیا تو میرا بڑا ہی حرج ہوگا۔ جمعہ کی نماز میں خطبہ سننے اور نماز پڑھنے اور پھر شاید وعظ سننے میں ضرور دیر لگے گی اور اس عرصہ میں سب خریدار چلے جائیں گے اور جو آمدنی اب یہاں ٹھہرے رہنے سے متصور ہے اُس سے محروم رہوں گا۔ سو یہ شرک فی الاسباب ہے۔ کیونکہ اگر وہ دوکاندار جانتا کہ میرا ایک رازق قادر و متصرف مطلق ہے جس کے ہاتھ میں تمام قبض و بسط رزق ہے اور اُس کی اطاعت کرنے میں کوئی نقصان عائد حال نہیں ہوسکتا اور اُس کے ارادہ کے برخلاف کوئی تدبیر وحیلہ رزق کو فراخ نہیں کرسکتا تو وہ اس شرک میں ہرگز مبتلا نہ ہوتا اور یہ قسم دوئم شرک کی چونکہ باریک ہے اس وجہ سے ایک عالَم اس میں مبتلا ہو رہا ہے اور اکثر لوگ اسباب پرستی پر اس قدر جھک رہے ہیں کہ گویا وہ اپنے اسباب کو اپنا خدا سمجھ رہے ہیں اور یہ شرک دِق کی بیماری کی طرح ہے کہ جو اکثر نظروں سے مخفی اور مُحتَجِبْ رہتا ہے۔ اور تیسری قسم شرک کی جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے جس کے چھوڑنے پر **تیسری قسم توحید** کی موقوف ہے وہ نہایت ہی باریک ہے کہ بجز خاص بالغ نظروں کے کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور بغیر افراد کامل کے کوئی اس سے خلاصی نہیں پاتا اور وہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے یادداشت دل پر غالب رہنا اور اُن کی محبت یا عداوت میں اپنے اوقات ضائع کرنا اور اُن کی ناچیز ہستی کو کچھ چیز سمجھنا اور اس شرک کا چھوڑنا

جس پر توحید کامل موقوف ہے۔ تب محقق ہوتا ہے کہ جب محبّ صادق پر اس قدر محبت اور محبت الٰہی کا استیلاء ہو جائے کہ اُس کی نظر شہود میں ہر یک موجود ماسوا اللہ موجود ہونے کے معدوم دکھائی دے۔ یہاں تک کہ اپنا وجود بھی فراموش ہو جائے اور محبوب حقیقی کا نور ایسا کامل طور پر چمکے۔ سو اُس کے آگے کسی چیز کی ہستی اور حقیقت باقی نہ رہے اور اس توحید کا کمال اس بات پر موقوف ہے کہ ماسوا اللہ واقعی طور پر موجود تو ہو مگر سالک کی نظر عاشقانہ میں کہ جو محبت الٰہیہ سے کامل طور پر بھڑک گئی ہے وہ وجود غیر کا کالعدم دکھائی دے اور غلبہ محبت احدیّت کی وجہ سے اس کے ماسوا کو منفی اور معدوم خیال کرے۔ کیونکہ اگر وجود ماسوا کا فی الحقیقت منفی اور معدوم ہی ہو تو پھر اس توحید درجہ سوئم کی تمام خوبی برباد ہو جائے گی۔ وجہ یہ کہ ساری خوبی اس توحید درجہ سوئم میں یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت اور عظمت اس قدر دل پر استیلاء کرے کہ بوجہ غلبہ اس شہود تام کے دوسری چیزیں معدوم دکھائی دیں۔ اب اگر دوسری چیزیں فی الحقیقت معدوم ہی ہیں تو پھر اس استیلاء محبت اور غلبہ شہود عظمت کی تاثیر کیا ہوئی اور کون کمال اس توحید میں ثابت ہوا کیونکہ جو چیز فی الواقعہ معدوم ہے اس کو معدوم ہی خیال کرنا یہ ایسا امر نہیں ہے کہ جو استیلاء محبت پر موقوف ہو بلکہ محبت اور شہود عظمت تامہ کی کمالیت اسی حالت میں ثابت ہوگی کہ جب عاشق دلدادہ محض استیلاء عشق کی وجہ سے نہ کسی اور وجہ سے اپنے معدوم[1] کے ماسوا کو معدوم سمجھے اور اپنے معشوق کے غیر کو کالعدم خیال کرے گو عقل شرع اُس کو سمجھاتی ہوں کہ وہ چیزیں حقیقت میں معدوم نہیں ہیں۔ جیسے ظاہر ہے کہ جب دن چڑھتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں پر نورِ آفتاب کا استیلاء کرتا ہے تو باوجود اس کے کہ لوگ جانتے ہیں کہ ستارے اس وقت معدوم نہیں مگر پھر بھی بوجہ استیلاء اُس نور کے کہ ستاروں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ایسا ہی استیلاء محبت اور عظمت اللہ کا محبّ صادق کی نظر میں ایسا ظاہر کرتا ہے کہ گویا تمام عالم بجز اس کے محبوب کے معدوم ہے اور اگرچہ عشق حقیقی میں یہ تمام انوار کامل اور اَتم طور پر ظاہر ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی عشق مجازی کا مبتلا بھی اس غایت درجہ عشق پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنے معشوق کے غیر کو یہاں تک کہ خود اپنے نفس کو کالعدم سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ مجنوں جس کا نام قیس ہے اپنے عشق کی آخری حالت میں ایسا دیوانہ ہو گیا کہ یہ کہنے لگا کہ میں آپ ہی لیلیٰ ہوں۔ سو یہ بات تو نہیں کہ

[1] نقل مطابق اصل۔ اگلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معدوم کا لفظ سہو کتابت ہے۔ صحیح لفظ ’’محبوب‘‘ ہے۔

فی الحقیقت وہ لیلیٰ ہی ہوگیا تھا بلکہ اس کا یہ باعث تھا کہ چونکہ وہ مدت تک تصوّرِ لیلیٰ میں غرق رہا۔ اس لئے آہستہ آہستہ اس میں خودفراموشی کا اثر ہونے لگا۔ ہوتے ہوتے اس کا استغراق بہت ہی کمال کو پہنچ گیا اور محویّت کی اس حدتک جا پہنچا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جنون عشق سے **اَنَا الـلّیُلٰی** کا دعویٰ کرنے لگا اور یہ خیال دل میں بندھ گیا کہ فی الحقیقت میں ہی لیلیٰ ہوں ۔غرض غیر کو معدوم سمجھنا لوازم کمال عشق میں سے ہے اور اگر غیر فی الحقیقت معدوم ہی ہے تو پھر وہ ایسا امرنہیں ہے کہ جس کو استیلاء محبت اور جنون عشق سے کچھ بھی تعلق ہو اور غلبہ عشق کی حالت میں محویّت کے آثار پیدا ہو جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو انسان مشکل سے سمجھ سکے۔ شیخ مصلح الدین شیرازی نے خوب کہا ہے۔

نہ از چینم حکایت کن نہ از روم کہ دارم دلستانے اندریں بوم
چو روئے خوب او آید بیادم فراموشم شود موجود و معدوم

اور پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

باتو مشغول و باتو ہم اہم و از تو بخشایش تو میخواہم
تا مرا از تو آگہی دادند بوجودت گر از خود آگاہم

اور خود وہ محویت کا ہی اثر تھا جس سے زلیخا کی سہیلیوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف میں کمال توحید کا یہی درجہ بیان کیا گیا ہے کہ محبّ صادق بوجہ استیلاء محبت اور شہود عظمت محبوب حقیقی کی غیر کے وجود کو کالعدم خیال کرے نہ کہ فی الواقعہ غیر معدوم ہی ہو۔ کیونکہ معدوم کو معدوم خیال کرنا ترقیات عشق اور محبت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ سو عاشق صادق کے لئے توحید ضروری اور لابدی ہے کہ جو اُس کے کمال عشق کی علامت ہے۔ یہی توحید ہے کہ جو اُس کا شہود بجز ایک کے نہ ہو۔ نہ یہ کہ عقلی طور پر بھی فی الواقعہ ہی موجود سمجھتا ہو کیونکہ وہ اپنے عقل میں ہوکر ایسی باتیں ہرگز منہ پر نہیں لاتا اور حق الیقین کے مرتبہ کے لحاظ سے جب دیکھتا ہے تو حقائق اشیاء سے انکار نہیں کرسکتا بلکہ جیسا کہ اشیاء فی الواقعہ موجود ہیں ایسا ہی اُن کی موجودیّت کا اقرار رکھتا ہے اور چونکہ یہ توحید شہودی فنا کے لئے لازمی اور ضروری ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنے پاک کلام میں بسط سے فرمایا ہے اور نادان جب اُن بعض آیات کو

دیکھتا ہے تو اس دھوکہ میں پڑ جاتا ہے کہ گویا وہ آیات توحید وجودی کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کو نہیں سمجھتا کہ خداوند کے کلام میں تناقض نہیں ہوسکتا۔ جس حالت میں اُس نے صدہا آیات بیّنات اور نصوصِ صریحہ میں اپنے وجود اور مخلوق کے وجود میں امتیاز کلی ظاہر کر دیا ہے اور اپنے مصنوعات کو موجود واقعی قرار دے کر اپنی صانعیت اُس سے ثابت کی ہے۔ اور اپنے غیر کو شقی اور سعید کی قِسموں میں تقسیم کیا ہے اور بعض کیلئے خلودِ جنت اور بعض کے لئے خلودِ جہنم قرار دیا ہے اور اپنے تمام نبیوں اور مرسلوں اور صدیقوں کو بندہ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور آخرت میں اُن کی عبودیت دائمی غیر منقطع کا ذکر فرمایا ہے تو پھر ایسے صاف صاف اور کھلے کھلے بیان کے مقابلہ پر کہ جو بالکل عقلی طریق سے بھی مطابق ہے بعض آیات کی کسی اور طرح پر معنی کرنا صرف اُن لوگوں کا کام ہے کہ جو راہِ راست کے طالب نہیں۔ بلکہ آرام پسند اور آزاد طبع ہو کر صرف الحاد اور زندقہ میں اپنی عمر بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر انسان صرف عقل کی رُو سے بھی نظر کرے تو وہ فی الفور معلوم کرے گا کہ مشتِ خاک کو حضرت پاک سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ انسان دنیا میں آ کر بہت سے مکروہات اپنی مرضی کے برخلاف دیکھتا ہے اور بہت سے مطالب باوجود دعا اور تضرع کے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ پس اگر انسان فی الحقیقت خدا ہی ہے تو کیوں صرف کُنْ فَیَکُوْنُ کے اشارہ سے اپنے تمام مقاصد حاصل نہیں کر لیتا اور کیوں صفات الوہیت اس میں محقق نہیں ہوتیں کیا کوئی حقیقت اپنے لوازم ذاتی سے معرّا ہوسکتی ہے۔ پس اگر انسان کی حقیقت الوہیت ہے تو کیوں آثار الوہیت اس سے ظاہر نہیں ہوتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام چالیس برس تک روتے رہے مگر اپنے فرزند عزیز کا کچھ پتہ نہ ملا مگر اسی وقت کہ جب خدا نے چاہا۔ پس جب کہ صفات الوہیت نبیوں میں ظاہر نہیں ہوئے تو اور کون ہے جس میں ظاہر ہوں گے اور جب کہ اب تک کوئی ایسا مرد پیدا نہیں ہوا کہ جس نے میدان میں آ کر تمام مخالفوں اور موافقوں کے سامنے الوہیت کی طاقتیں دکھلائی ہوں تو پھر آئندہ کیونکر امید رکھیں۔ ماسوا اس کے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ انسان سے کیسے کیسے بُرے اور ناپاک کام صادر ہوتے ہیں۔ پس کیا عقل کسی عاقل کی تجویز کر سکتی ہے کہ یہ سب ناپاکیاں خدا کی روح کر سکتی ہے۔ پھر علاوہ اس کے مخلوق کے وجود سے انکار کرنا دوسرے لفظوں میں اس بات کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق نہیں۔ کیونکہ اگر اس کو قادر مطلق مان لیا ہے تو پھر اُس کی قدرت تامّہ کا اسی بات پر ثبوت موقوف

ہے کہ جو چاہے پیدا کرے نہ کہ ہندوؤں کے اوتاروں کی طرح ہر جگہ بُرے بھلے کام کرنے کے لئے آپ ہی جنم لیتا رہے۔ سو خدا کی ذات سے سلب قدرت کرنا اور اُس کو طرح طرح کے گناہوں اور پاپوں اور بے ایمانیوں کا مورد ٹھہرانا اور انواع اقسام کی جہالتوں کو اُس پر روا رکھنا اسی توحید وجودی کا نتیجہ ہے جس کو وجودی لوگ نہیں سمجھتے۔ عقلمند انسان کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کرتا جس دعویٰ کا ثبوت اس کے پاس موجود نہیں ہوتا۔ پس اگر یہ لوگ عاقل ہوتے تو ایسا دعویٰ کرنے سے متحاشی ہوتے۔ زیادہ تر خرابی ان میں یہ ہے کہ اُن کی زبان اُن کے فعل اور عمل پر غالب ہو رہی ہے۔ ذرا خیال نہیں کرتے کہ ہم کو نفس امّارہ نے کہاں تک پہنچا رکھا ہے اور کس قسم کی ظلمت ہمارے دلوں پر طاری ہو رہی ہے اور کیونکر ہم دن رات جیفہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا خیال کرتے اور انسانی ترقیات کو حال کے ذریعہ سے دیکھتے نہ صرف قال کے ذریعہ سے، تو یہ تمام اوہام اُن کے خود بخود اُٹھ جاتے۔ مثلاً ایک عاقل سیاح کے پاس یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی سیاح فلاں جزیرہ میں پہنچتا ہے تو بجائے دو آنکھ کے اُس کی چار آنکھیں ہو جاتی ہیں اور منہ سے سنتا ہے اور کانوں کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ تو ایسی خلاف قیاس خبر پر صرف اسی حالت میں عقلمند یقین کرے گا کہ جب بیان کنندہ اس خبر کا خود اس جزیرہ میں ہو کر آیا ہو اور یہ چار آنکھیں اور ایسا منہ اور ایسے کان اس نے دکھلائے ہوں یا کوئی اور انسان پیش کر دیا ہو جس میں یہ صفتیں موجود ہوں اور اگر ایسا نہیں کیا تو ہرگز وہ عاقل اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا اور غایت کار اُس احمق کو یہ جواب دے گا کہ بھائی میں بھی تو اُسی جزیرہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔ سو اگر ایسی ہی اس جزیرہ میں خاصیت ہے تو میری بھی وہاں جا کر چار آنکھیں ہو جائیں گی اور میں بھی منہ سے سنوں گا اور کانوں سے دیکھوں گا۔ تب خود میں تیرے اس بیان کو قبول کر لوں گا۔ اب میں بلا ثبوت کیوں کر قبول کر سکتا ہوں۔ سو سمجھنا چاہئے کہ جو انسان اپنے نفس کو دھوکہ نہیں دیتا اور اپنے خیال کو گمراہی میں ڈالنا نہیں چاہتا وہ باتیں چھوڑ دیتا ہے اور کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور سرگرمی سے منزل مقصود کی طرف قدم رکھتا ہے۔ پھر اُس راہ کے تمام عجائبات بالضرورت اُس کو دیکھنے پڑتے ہیں اور بڑی آسانی سے حق الامر اُس پر کھل جاتا ہے مگر جو کوئی صرف باتوں میں مقید رہتا ہے اور محض سنے سنائے قصوں پر کہ جو عقل اور شرع سے بکلّی منافی ہیں جم جاتا ہے وہ اپنے نفس کو آپ ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ حقیقت میں ایسے

لوگ خدا تعالیٰ سے بالکل بے غرض ہیں اور وسیع مشربی کے پردہ میں اپنے نفسِ امّارہ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں اگر اُن کی سرشت میں کچھ بُوصدق کی ہے تو پہلے انسان بن کر ہی دکھلا دیں۔ پیچھے سے الوہیت کا دعویٰ کریں کیونکہ انسان بننے کے ہی ایسے لوازم ہیں جن کی ابھی تک بُو اُن میں نہیں آئی۔ نہ اُس کے حصول کی کچھ پرواہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُمّتِ محمدیہ کی آپ اصلاح کرے۔ عجب خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور یہ عاجز بباعث اپنی علالت طبع کے اس مضمون کو تفصیل اور بسط سے نہیں لکھ سکا لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے مگر جس شخص کا مقصد خدا نہیں اس کو کوئی دقیقہ معرفت اور کوئی نشان مفید نہیں۔ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ[1] اور یہ عاجز دو دن کے رفع انتظار کی غرض سے یہ خط لکھا گیا اور اب میں توکلاً علی اللّٰہ امرتسر کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔ والسلام

۱۳؍فروری ۱۸۸۴ء مطابق ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

☆……☆……☆

مکتوب نمبر۴۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون

آں مخدوم کا خط آج امرتسر میں مجھ کو ملا۔ پانچ جلدیں حصہ اوّل و دوئم وسوئم روانہ ہو چکی ہیں۔ ایک خط دہلی کے علماء کی طرف سے اس خاکسار کو آیا تھا کہ مولوی محمد نے تکفیر کا فتویٰ بہ نسبت اس خاکسار کے طلب کیا ہے۔ نہایت رفق اور ملائمت سے رہنا چاہئے۔ آج حضرت خداوند کریم کی طرف سے الہام ہوا۔ یَا عَبْدَالرَّافِعِ اِنِّیْ رَافِعُکَ اِلَیَّ۔ اِنِّیْ مُعِزُّکَ لَامَانِعَ لِمَا اُعْطِیْ۔[2] شاید پرسوں مکرر الہام ہوا تھا۔ یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔ خُذْھَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی[3] یہ آخری فقرہ پہلے بھی الہام ہو چکا ہے۔

۱۵؍فروری ۱۸۸۴ء مطابق ۱۶؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

---

[1] یونس: ۱۰۲ [2] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۹۷ [3] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۹۶

مکتوب نمبر ۴۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون

آں مخدوم کا خط بعد واپسی از امرتسر مجھ کو ملا۔ آں مخدوم کچھ تفکر اور تردّد نہ کریں اور یقین سمجھیں کہ وجود مخالفوں کا حکمت سے خالی نہیں۔ بڑی برکات ہیں کہ جن کا ظاہر ہونا معاندوں کے عنادوں پر ہی موقوف ہے۔ اگر دنیاوی معاند اور حاسد اور موذی لوگ نہ ہوتے تو بہت سے اسرار اور برکات مخفی رہ جاتے۔ کسی نبی کے برکات کامل طور پر ظاہر نہ ہوئے جب تک وہ کامل طور پر ستایا نہیں گیا۔ اگر لوگ خدا کے بندوں کو کہ جو اُس کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں یوں ہی اُن کی شکل ہی دیکھ کر قبول کر لیتے تو بہت عجائبات تھے کہ اُن کا ہرگز دنیا میں ظہور نہ ہوتا۔

تاریخ ۲۶؍فروری[1] ۱۸۸۴ء مطابق ۱۷؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

---

[1] نقل مطابق اصل۔ یہ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے قمری تاریخ کے لحاظ سے یہ ۱۶؍فروری بنتی ہے۔

مکتوب نمبر۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آں مخدوم کا عنایت نامہ بذریعہ محمد شریف صاحب مجھ کو ملا۔ سو آپ کو میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے حصہ سوئم و چہارم بخدمت علماء دہلی بھیج دیئے ہیں۔ آپ نے جو لکھا ہے کہ چوتھے حصہ کے صفحہ ۴۹۶ پر مخالف اعتراض کرتے ہیں۔ آپ نے مفصل نہیں لکھا کہ کیا اعتراض کرتے ہیں۔ صرف آپ نے یہ لکھا ہے کہ یَـامَـرْیَـمُ اسْکُنْ میں نحوی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اُسْکُنْ کی جگہ اُسْـکُـنِـیْ چاہئے تھا۔ سو آپ کو میں مطلع کرتا ہوں کہ جس شخص نے ایسا اعتراض کیا ہے اس نے خود غلطی کھائی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ نحو اور صرف سے آپ ہی بے خبر ہے کیونکہ عبارت کا سیاق دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مریم سے مریم اُمِّ عیسیٰ مراد نہیں اور نہ آدم سے آدم ابوالبشر مراد ہے اور نہ احمد سے اس جگہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ایسا ہی ان الہامات کے تمام مقامات میں کہ جو موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد وغیرہ نام بیان کئے گئے ہیں اُن ناموں سے بھی وہ انبیاء مراد نہیں ہے بلکہ ہر ایک جگہ یہی عاجز مراد ہے اب جب کہ اس جگہ مریم کے لفظ سے کوئی مؤنث مراد نہیں ہے بلکہ مذکر مراد ہے تو قاعدہ یہی ہے کہ اس کیلئے صیغہ مذکر ہی لایا جائے یعنی یَامَرْیَمُ اسْکُنْ[۱] کہا جائے نہ یہ کہ یَـا مَـرْیَـمُ اسْکُنِیْ۔ ہاں اگر مریم کے لفظ سے کوئی مؤنث مراد ہوتی تو پھر اس جگہ اُسْـکُـنِـیْ آتا لیکن اس جگہ تو صریح مریم مذکر کا نام رکھا گیا۔ اس لئے برعایت مذکر، مذکر کا صیغہ آیا اور یہی قاعدہ ہے جو نحویوں اور صرفیوں میں مسلّم ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے اور زَوج کے لفظ سے رفقاء اور اقرباء مراد ہیں۔ زوج مراد نہیں ہے اور لغت میں یہ لفظ دونوں طور پر اطلاق پاتا ہے اور جنت کا لفظ اس عاجز کے الہامات میں کبھی اُسی جنت پر بولا جاتا ہے کہ جو آخرت سے تعلق رکھتا ہے اور کبھی دنیا کی خوشی اور فتحیابی اور سرور اور آرام پر بولا جاتا ہے اور یہ عاجز اس الہام میں کوئی جائے گرفت نہیں دیکھتا۔

۲۱؍فروری ۱۸۸۴ء مطابق ۲۲؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

---

[۱] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۵۵

مکتوب نمبر۴۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا یہ عاجز یہ دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے آں مخدوم کی عمر میں برکت بخشے ۔ زیادہ تر اس بات میں کوشش کرنی چاہیئے کہ کسی طرح مولیٰ کریم راضی ہو جائے ۔ ہر یک سعادت اس کی رضا سے حاصل ہوتی ہے ۔ دنیا میں جو کچھ انسان رسوم کے طور پر کرتا ہے وہ کچھ چیز نہیں ہے ۔ مگر جو کچھ خالصاً مرضات اللہ کے حاصل کرنے کیلئے صدق قدم سے کیا جاتا ہے وہ عملِ صالح ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے ۔ عمل صالح بڑی ہی نعمت ہے ۔ خداوند کریم عملِ صالح سے راضی ہو جاتا ہے اور قرب حضرت احدیّت حاصل ہوتا ہے مگر جس طرح شراب کے آخری گھونٹ میں نشہ ہوتا ہے اسی طرح عمل صالح کے برکات اُس کی آخری خیر میں مخفی ہوتے ہیں ۔ جو شخص آخر تک پہنچتا ہے اور عمل صالح کو اپنے کمال تک پہنچاتا ہے وہ اُن برکات سے متمتع ہو جاتا ہے لیکن جو شخص درمیان سے ہر عمل صالح کو چھوڑ دیتا ہے اور اُس کو اپنے کمال مطلوب تک نہیں پہنچاتا ، وہ اُن برکات سے محروم رہ جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ باوجود اس کے کہ کچھ کچھ عملِ صالح بجالاتے ہیں مگر برکات ان اعمال کے ان میں نمایاں نہیں ہوتے کیونکہ جب تک کوئی میوہ خام ہے وہ پختہ اور رسیدہ میوہ کی لذت نہیں بخش سکتا ۔ سب برکتیں کمال میں ہیں اور عمل ناتمام میں کوئی برکت نہیں بلکہ بسا اوقات ناقص العمل انسان کا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہو جاتا ہے اور اُن لوگوں میں جا ملتا ہے کہ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ہیں ۔ سو حقیقی طور پر عملِ صالح اس عمل کو کہا جاتا ہے کہ جو ہر یک قسم کے فساد سے محفوظ رہ کر اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اپنے کمال تک کسی عملِ صالح کا پہنچنا اس بات پر موقوف ہے کہ عامل کی ایسی نیت صالح ہو کہ جس میں بجز حق ربوبیت بجالانے کے کوئی اور غرض مخفی نہ ہو یعنی صرف اُس کے دل میں یہ ہو کہ وہ اپنے ربّ کی اطاعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور گو اطاعت بجالانے پر ثواب مترتب یا عذاب مترتب ہو اور گو اُس کا نتیجہ آرام اور راحت ہو یا نکبت اور عقوبت

ہو لیکن بہرحال وہ اپنے مالک کی اطاعت میں رہے گا کیونکہ وہ بندہ ہے۔ پس جو شخص اس اصول پر خدا کی عبادت کرتا ہے وہ اس راہ کی آفات سے امن میں ہے اور امید ہے کہ اس پر فضل ہو لیکن اسے لازم ہے کہ کسی امید پر بنیاد نہ رکھے اور اطاعت اور عبودیت کو ایک حق ربوبیت کا سمجھے کہ جو بہرحال ادا کرنا ہے اور سرگرمی سے خدمت میں لگا رہے اور اپنی کارگزاری اور خدمت کو کچھ چیز نہ سمجھے اور مولیٰ کریم پر احسان خیال نہ کرے۔ دنیا مزرعہ آخرت ہے اور فارغ باشی کچھ چیز نہیں۔ وہی لوگ مبارک ہیں کہ جو دن رات اپنے زور سے، اپنے تمام اخلاص سے، اپنے تمام رجوع سے رضائے مولیٰ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۲۸؍فروری ۱۸۸۴ء مطابق ۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

☆......☆......☆

مکتوب نمبر ۴۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا آپ نے جو اسی عنایت نامہ مرقومہ ۲۹ رفروری ۸۴ء میں ایک سوال تحریر فرمایا تھا۔ آج تک میں نے بباعث علالت طبع اُس کی طرف توجہ نہیں کی اور اب بھی بباعث ضعف دماغ و درد ِسر طبیعت حاضر نہیں ہے لیکن جو آں مخدوم کا وہ خط دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سوال صرف ایک نزاعِ لفظی ہے کیونکہ جس مرتبہ توحید کو آں مخدوم ابتدائی مرتبہ تصور فرماتے ہیں وہ مرتبہ اس عاجز کے نزدیک ان معنوں کر کے انتہائی مرتبہ توحید کا ہے کہ وہ سیرِ اولیاء کا منتہا اور آخری حد ہے۔ جس سے فنائے اتم کا چشمہ جوش مارتا ہے۔ اگرچہ درگاہ احدیّت بے نہایت ہے لیکن جس کمال توحید کو انسان اپنے مجاہدہ سے، اپنی کوشش سے، اپنے تزکیہ نفس سے، اپنے سیر وسلوک سے حاصل کرنا چاہتا ہے وہ یہیں تک ہے پھر بعد اس کے مخفی تفضّلاتِ الٰہیہ اور مواہب لدنیہ ہیں جن تک کوششوں کو راہ نہیں۔ ساری کوششیں اور محنتیں صرف اس حد تک ہیں کہ انسان اپنے نفس اور تمام خلق کو ہیچ اور لاشئے سمجھ کر اور اپنے ہوا اور ارادہ سے باہر ہو کر بکلّی خداتعالیٰ کے لئے ہو جائے اور اپنی ناچیز ہستی، بشہود ہستی حقیقی حضرت باری تعالیٰ کے نابود اور معدوم دکھائی دے۔ اور جیسا فی الواقعہ انسان محبت وجود حضرت قادرمطلق کے ہیچ اور ناچیز ہے ایسی ہی حالت پیدا ہو جائے گویا اب بھی وہ نیست ہے جیسا پہلے نیست تھا۔ سو یہ مرتبہ عبودیت کی آخری حد ہے اور یہی اس توحید کا انتہائی مقام ہے کہ جو سعی اور کوشش اور سیر وسلوک سے حاصل کرنا چاہئے۔ یہ سچ ہے کہ بعد اس کے مرتبہ سیر فی اللہ ہے۔ لیکن اس مرتبہ کے حصول کے لئے کوششوں کو دخل نہیں بلکہ یہ محض بطریق فضل اور موہبت کے حاصل ہوتا ہے اور کوششیں صرف اُسی مرتبہ فنا تک ختم ہو جاتی ہیں کہ جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک شخص کئی منزلیں طے کر کے بادشاہ کے ملنے کیلئے آیا ہے اور جس قدر راہ میں موانع تھے۔ سب سے خلاصی پا کر بادشاہ کے خیمہ تک پہنچ گیا ہے اب خیمہ کے اندر جانا اُس کا کام نہیں ہے بلکہ وہ اپنا کام سب کر چکا ہے اور خیمہ میں داخل کرنا اور بارگاہ میں دخل دینا یہ خاص بادشاہ کا کام ہے کہ جو ایک خاص اجازت

بادشاہی پر موقوف ہے۔ ناچیز بندہ کیا حقیقت رکھتا ہے کہ جو اپنی بشری طاقتوں کے ذریعہ سے اور اپنے اختیار سے خود بخود بلا اجازت بارگاہ میں داخل ہو جائے اور اب بباعث ضعف زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ آپ نے جو کئی شعروں کے معنی دریافت فرمائے ہیں وہ کسی اور وقت اگر خدا نے چاہا تحریر کروں گا۔ اور امرتسر سے واپس آ گیا ہوں اور واپس آ کر میر مردان علی صاحب کا خط ملا۔ سو اُن کی نسبت اور آں مخدوم کے لخت جگر کی نسبت دعاء خیر کر کے حوالہ بخدا کرتا ہوں جب طبیعت روبصحت ہوئی انشاء اللہ تعالیٰ بشرط یاد آں مخدوم کے سوال یعنی اشعار کے معنوں کی بابت لکھا جائے گا۔☆

۱۱؍ مارچ ۱۸۸۴ء مطابق ۱۲؍ جمادی الاوّل ۱۳۰۱ھ

۞ مکتوب نمبر ۴۷

مخدومی و مکرمی اخویم شاہ صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا۔ اللہ بخش صاحب کے اعتراض کے بارے میں بات کو طول دینا اس عاجز کے نزدیک مناسب نہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے خداوند کریم کر رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے۔ بہتر کر رہا ہے۔ کیوں دوسروں کو درمیان میں دیکھا جائے۔ اس کے تلطّفات و احسانات کیونکر شمار میں آ سکتے ہیں کہ اس احقر عباد پر باوجود صدہا طرح کی آلودگیوں کے جو اس عاجز میں دیکھتا ہے اور باوصف ہزاروں نقصانوں کے کہ جو اس عاجز میں دمبدم پاتا ہے۔ دم بدم اپنی عنایات زیادہ کرتا جاتا ہے۔ پھر جو لوگ حقیقت میں ...... اور طول مدت سے اس کام میں پڑے ہوئے ہیں اور ذرّیت صلحا اور بیعت یافتہ صالحین ہیں اور صحبت دیدہ اور محنت کشیدہ ہیں اگر وہ بمقتضائے اپنی بشریت کے کسی نوع کے رشک کا مظہر بن جائیں تو معذور ہیں۔ آپ اس خاندان سے بہ منشائے الٰہی ہیں۔ آپ کے لئے یہی چاہیے کہ دعائے خیر سے یاد کریں۔ نواب صاحب کے بارے میں جو آپ نے دریافت فرمایا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب کے لئے یہ عاجز ایک مدت تک بہت تضرع سے دعا کرتا رہا ہے۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ نواب صاحب کی حالت غم سے خوشی کی طرف مبدّل ہو گئی ہے اور آسودہ حال اور شکر گذار ہیں اور نہایت عمدگی اور صفائی سے یہ خواب آئی اور یہ

☆ اخبار الحکم نمبر ۱۸ جلد ۳۔ ۱۹ مئی ۱۸۹۹ء

خواب بہ طور کشف تھی چنانچہ اسی صبح کو نواب صاحب کو اس خواب سے اطلاع دی گئی پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ایک صاحب الٰہی بخش نام اکونٹینٹ نے کہ جو اس کتاب کے معاون ہیں کسی اپنی مشکل میں دعا کیلئے درخواست کی اور بطور خدمت پچاس روپیہ بھیجے۔ اور جس روز یہ خواب آئی اس روز سے دو چار دن پہلے ان کی طرف سے دعا کیلئے الحاح ہو چکا تھا۔ مگر یہ عاجز نواب صاحب کیلئے مشغول تھا اس لئے ان کیلئے دعا کرنے کو کسی اور وقت پر موقوف رکھا اور جس روز نواب صاحب کیلئے بشارت دی گئی تھی تو اس دن خیال آیا کہ آج منشی الٰہی بخش کیلئے توجہ سے دعا کریں۔ سو بعد نماز عصر جب وقتِ صفا پایا اور دعا کا ارادہ کیا گیا تو پھر بھی دل نے یہی چاہا کہ اس دعا میں بھی نواب صاحب کو شامل کر لیا جائے۔ سو اس وقت نواب صاحب اور منشی الٰہی بخش دونوں کیلئے دعا کی گئی۔ بعد دعا اسی جگہ الہام ہوا۔ نُنَجِّیْھِمَا مِنَ الْغَمِّ ۔[1] یعنی ہم ان دونوں کو غم سے نجات دیں گے۔ چونکہ یہ عاجز اُسی دن صبح کے وقت نواب صاحب کی خدمت میں خط روانہ کر چکا تھا اور بذریعہ رؤیائے صادقہ نواب صاحب کو بہت سی تسلّی دی گئی تھی اس لئے اسی خط پر کفایت کی گئی۔ اور منشی الٰہی بخش کو اس الہام سے اطلاع دی گئی اور بروقت صدور اس الہام کے چند نمازی موجود تھے اور اتفاقاً دو ہندو مسمّٰی ملاوامل اور شرمپت رائے بھی کہ جو اکثر آیا جایا کرتے ہیں عین اس موقعہ پر موجود تھے۔ ان کو بھی اسی وقت اطلاع دی گئی اور کئی مہمان آئے ہوئے تھے ان کو بھی خبر دی گئی۔ پھر چند روز کے بعد نواب صاحب کا خط آ گیا کہ سرائے کا کام جاری ہو گیا ہے۔ سو چونکہ دعا ایسے کام کیلئے کی گئی تھی اس لئے یہ اطلاع دینا فضول سمجھا گیا مگر خداوند کریم کا بڑا شکر ہے کہ مجمع کثیر میں یہ الہام ہوا اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ عین الہام کے صدور کے وقت دو ہندو موجود تھے جن کو اُسی وقت مفصّل بتلایا گیا اور دوسرے نمازیوں کو بھی خبر دی گئی۔ اور منشی الٰہی بخش کو بھی لکھا گیا۔ نواب علی محمد خان صاحب کی ارادت اور شب و روز کی توجہ اور اخلاص قابلِ تعریف ہے۔ خدا تعالیٰ اُن کو ہر ایک غم سے خلاصی بخشے اور حسنِ عاقبت عطا فرماوے۔ آپ نواب صاحب کو یہ بھی اطلاع دے دیں کہ مالیرکوٹلہ سے نواب ابراہیم علی خاں صاحب والئ مالیرکوٹلہ کے ایک سررشتہ دار کا خط آیا ہے کہ وہ مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ بطور امداد بھیجیں گے۔ مگر ابھی آئے نہیں۔ یہ روپیہ انشاء اللہ پٹیالہ میں عبدالحق صاحب کو بھیجا جاوے گا اور پھر بعد اُس کے اُن کا قرضہ دوسَو روپیہ باقی رہ جاوے گا۔ والسلام۔ راقم۔ خاکسار غلام احمد عفی عنہ ۲۶؍ مئی ۱۸۸۴ء ☆

---

[1] تذکرہ صفحہ ۱۹۸ ایڈیشن چہارم ☆ الحکم ۱۲؍ اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ ، الحکم ۱۹؍ اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ ۶

مکتوب نمبر ۴۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدوم ومکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ عاجز چند روز سے امرتسر گیا ہوا تھا۔ آج بروز چارشنبہ بعد روانہ ہو جانے ڈاک کے یعنی تیسرے پہر قادیان پہنچا اور مجھ کو ایک کارڈ میر امداد علی صاحب کا ملا۔ جس کے دیکھنے سے بمقتضائے بشریت بہت تفکر اور تردّد لاحق ہوا۔ اگرچہ میں بھی بیمار تھا مگر اس بات کے معلوم کرنے سے کہ آپ کی بیماری غایت درجہ کی سختی پر پہنچ گئی ہے مجھ کو اپنی بیماری بھول گئی اور بہت سی تشویش پیدا ہوگئی۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے عمر بخشے اور آپ کو جلد تر صحت عطا فرماوے۔ اسی تشویش کی جہت سے آج بذریعہ تار آپ کی صحت دریافت کی اور میں بھی ارادہ رکھتا ہوں کہ بشرط صحت و عافیت ۱۴؍اکتوبر تک وہیں آکر آپ کو دیکھوں اور میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ آپ کو صحت عطا فرماوے۔ آپ کے لئے بہت دعا کروں گا اور اب تَوَکُّلًا عَلَی اللّٰہِ آپ کی خدمت میں یہ خط لکھا گیا۔ آپ اگر ممکن ہو تو اپنے دستخط خاص سے مجھ کو مسرور الوقت فرماویں۔

۸؍اکتوبر ۱۸۸۴ء مطابق ۱۷؍ذوالحجہ ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۴۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدوم ومکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ خطوط کے چھپنے کے لئے اس عاجز نے ایک خاص معتبر لاہور میں بھیجا ہوا ہے۔ اگرچہ ارادہ تھا کہ دو ہزار خط چھاپا جائے مگر دو ہزار نوٹس کے بھیجنے میں پانچ سَو روپیہ خرچ آتا ہے کیونکہ ہر ایک خط رجسٹری ہو کر بصرف چار آنہ جائے گا۔ اس لئے بعض دوستوں کے مشورہ سے یہ قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ بالفعل صرف پانچ سَو خط چھپوایا جائے۔ جس میں کچھ انگریزی اور کچھ اُردو ہوں گے۔ ان خطوط کے چھپوانے اور روانہ کرنے میں بھی ایک سَو پچاس یا کچھ زیادہ

روپیہ خرچ آ جائے گا۔ مگر یہ کام اتمامِ حجت کیلئے کیا گیا ہے تا ہر یک ضلع میں بڑے بڑے پادریوں اور پنڈتوں کی طرف اور بعض راجوں اور رئیسوں کی طرف بھی اور بعض علماء اور گدی نشینوں کی طرف بھی روانہ کئے جائیں اور پھر جب اُن سب کی اطلاع یابی ہوکر آ جائے تو اُن سب کے نام بغرض اظہار اِتمامِ حجت حصہ پنجم میں درج کئے جائیں۔ سو اگر خدا تعالیٰ نے چاہا اور اُس کے ارادہ میں ہوا تو یہ کام انجام پذیر ہو جائے گا ورنہ ہر چہ مرضی مولیٰ ہمان اولیٰ۔ مکتوب حضرت یحيٰ منیری کا مضمون جو آپ نے لکھا ہے بہت ہی عمدہ ہے اور منصف کے لئے کافی۔ والسلام

۲؍ مارچ ۱۸۸۵ء۔ ۱۲؍ جمادی الاوّل ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد بخدمت اخویم مخدوم ومکرم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا عنایت نامہ آں مخدوم پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ جس قدر آں مخدوم نے اشاعتِ دین اور اِعلاءِ کلمہءِ اسلام کے لئے رنج اُٹھایا ہے خدا تعالیٰ اُس کے عوض میں آپ پر اس طور سے راضی ہو کہ جیسا اپنے سچے خادموں اور مقبولوں پر راضی ہوا کرتا ہے۔ آمین ثم آمین۔ فی الحقیقت مسلمانوں کی عجیب نازک حالت ہو رہی ہے۔ جس عظمت اور بزرگی کو خدا اور رسول میں ماننا تھا، وہ اَور اَور چیزوں کو دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ رحم کرے اور اپنے سچے دین کی حمایت میں وہ تائید دکھلاوے جن سے ان کور باطنوں کی آنکھیں کھلیں۔ ہم عاجز اور ذلیل بندے کیا حقیقت اور کیا کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے ہاتھوں میں توفیق ایزدی کچھ ہے تو صرف تضرعات ہیں اگر ربّ العرش تک پہنچ جائیں لیکن دل پُر درد کا یہ حال ہے کہ نہ بہشت کے نعماء کے لئے طبیعت کو جوش ہے اور نہ دوزخ کے آلام کی فکر ہے بلکہ دل اور جان اسی تمنا میں غرق ہو رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان بدعات کے داغوں کو اسلام کی خوبصورت شکل سے دور کرے اور اپنی خاص حمایت اور نصرت سے عظمت اور بزرگی اپنے کلام کی لوگوں پر ظاہر فرماوے۔ آمین!

مرزا جان جانان صاحب کے خط کا ردّ کچھ مشکل نہیں۔ مرزا صاحب مرحوم ہندوؤں کے اصولوں سے بکلّی ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی کسی فرصت کے وقت ان کی نسبت کچھ تحریر کیا جائے گا۔اس عاجز کا یہ حال ہے کہ بعض گذشتہ اور تازہ الہامات سے قرب اَجَل کے آثار پائے جاتے ہیں گو صفائی سے نہیں بلکہ مشتبہ اور ذو معنیین الہام ہیں۔تاہم فکر سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔اسی وجہ سے میں نے اپنی تمام ہمت کو اس طرف مصروف کیا ہے۔حصہ پنجم کی عبارت کو جلد مرتب اور بامحاورہ کر کے اور جو کچھ اس میں زائد داخل کرنا ہے وہ داخل کر کے تَوَکُّلًا عَلَی اللّٰهِ چھپوانا شروع کر دوں کہ اس ناپائیدار اور ہیچ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔آپ بھی دعا کریں اور اخوی منشی احمد جان صاحب کو بھی لکھیں کیونکہ بعض تقدیرات بعض دعاؤں سے ٹل جاتی ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ

مخدومی مکرمی اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مع مبلغ چالیس روپیہ پہنچا۔ یہ عاجز آپ کا بغایت درجہ شکر گزار ہے اور اپنے مولیٰ کریم جلّ شانہٗ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ کو جزائے عظیم بخشے۔آج اسی وقت میں نے خواب دیکھا ہے کہ کسی ابتلاء میں پڑا ہوں اور میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہا اور جو شخص سرکاری طور پر مجھ سے مؤاخذہ کرتا ہے۔میں نے اُس کو کہا۔کیا مجھ کو قید کریں گے یا قتل کریں گے؟ اس نے کچھ ایسا کہا کہ انتظام یہ ہوا ہے کہ گرایا جائے گا۔میں نے کہا کہ میں اپنے خداوند تعالیٰ جلّ شانہٗ کے تصرف میں ہوں۔ جہاں مجھ کو بٹھائے گا، بیٹھ جاؤں گا اور جہاں مجھ کو کھڑا کرے گا کھڑا ہو جاؤں گا۔اور یہ الہام ہوا۔ یَدْعُوْنَ لَکَ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰهِ مِنَ الْعَرَبِ [۱] یعنی تیرے لئے

[۱] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۰۰

ابدال شام کے دعا کرتے ہیں اور بندے خدا کے عرب میں سے دعا کرتے ہیں۔ خدا جانے یہ کیا معاملہ ہے اور کب اور کیونکر اس کا ظہور ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مناسب سمجھا تھا آپ کو اطلاع دوں۔

۶/اپریل ۱۸۸۵ء مطابق ۱۹/ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۵۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدوم مکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا اخلاص اور جوش محبت اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ [1] خداوندکریم سے چاہتا ہوں کہ آپ کا نشست خاطر بہ جمعیت مبدل ہو۔ آمین

۱۹/اپریل ۱۸۸۵ء مطابق ۳/ رجب ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۵۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از عاجز عایذ باللہ الصمد غلام احمد۔ بخدمت اخویم مخدوم ومکرم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ہذا ان دنوں میں ایک شخص اِندرمَن نام جو ایک سخت مخالف اسلام ہے اور کئی کتابیں ردّ اسلام میں اُس نے لکھی ہیں۔ مراد آباد سے اوّل نابھہ میں آیا اور راجہ صاحب نابھہ کی تحریک سے میرے مقابلہ کیلئے لاہور میں آیا اور لاہور میں آ کر اس عاجز کے نام خط لکھا کہ اگر چوبیس سَو روپیہ نقد میرے لئے سرکار میں جمع کرا دو تو میں ایک سال تک قادیان میں ٹھہروں گا۔ سو یہ خط اُس کا بعض دوستوں کی خدمت میں لاہور میں بھیجا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک دولتمند مسلمان نے ایک سال تک ادا ہو جانے کی شرط سے چوبیس سَو روپیہ نقد اس عاجز کے کارپردازوں کو بطور قرضہ کے دے دیا اور قریب دوسَو مسلمان کے جن میں بعض رئیس بھی تھے جمع ہو گئے اور وہ روپیہ مع ایک خط

---

[1] المائدۃ: ۵۵

کے جس کی ایک کاپی آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہے ایک گروہ کثیر مسلمانوں کا اِندرمَن کے مکان پر جہاں وہ فروکش تھا، لے گیا۔ مگر اِندرمَن غالباً اس انتظام کی خبر پا کر فریدکوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ آخر وہ خط بطور اشتہار کے چھپوایا گیا اور شہر میں تقسیم کیا گیا اور وہ رجسٹری شدہ خط راجہ صاحب نابھہ اور راجہ صاحب فریدکوٹ کے پاس بھیجے گئے اور بعض آریہ سماجوں میں بھی وہ خطوط بھیجے گئے۔ شاید اگر یہ کسی راجہ کے کہنے کہانے سے اِندرمَن نے اس طرف رُخ کیا تو پھر اطلاع دی جائے گی۔ بالفعل اللہ تعالیٰ نے میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رکھا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ**

نقل اشتہار

منشی اِندرمَن صاحب مراد آبادی نے میرے اس مطبوعہ خط (جس کی ایک ایک کاپی غیر مذاہب کے رؤساء ومقتداؤں کے نام خاکسار نے روانہ کی تھی) جس کے جواب میں پہلے نابھہ سے پھر لاہور سے یہ لکھا تھا کہ تم ہمارے پاس آؤ اور ہم سے مباحثہ کرلو۔ اور زرِ موعودہ اشتہار پیشگی بنک میں داخل کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں خاکسار نے رقیمہ ذیل معہ دو ہزار چار سَو روپیہ نقد ایک جماعت اہلِ اسلام کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں روانہ لاہور کیا۔ جب وہ جماعت منشی صاحب کے مکان موعود پر پہنچی تو منشی صاحب کو وہاں نہ پایا۔ وہاں سے اُن کو معلوم ہوا کہ جس دن منشی صاحب نے خاکسار کے نام وہ خط روانہ کیا تھا۔ اُسی دن سے وہ فریدکوٹ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ اُس خط میں منشی صاحب نے ایک ہفتہ تک منتظر جواب رہنے کا وعدہ تحریری لکھا تھا۔ یہ امر نہایت تعجب اور تردّد کا موجب ہوا۔ لہٰذا یہ قرار پایا کہ اس رقیمہ کو بذریعہ اشتہار مشتہر کیا جاوے اور اس کی ایک کاپی منشی صاحب کے نام حسب نشان مکان موعودہ بذریعہ رجسٹری روانہ کی جاوے۔ وہ یہ ہے:۔

مشفقی اِندرمن صاحب! آپ نے میرے اس خط کا جواب نہیں دیا۔ ایک نئی بات لکھی ہے جس کی تعمیل مجھ پر اپنے عہد کے رُو سے واجب نہیں ہے۔ میری طرف سے یہ عہد تھا کہ جو شخص میرے پاس آوے اور صدق دل سے ایک سال میرے پاس ٹھہرے اس کو خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی آسمانی نشان مشاہدہ کرادے گا جس سے قرآن اور دین اسلام کی صداقت ثابت ہو۔ آپ اُس کے جواب میں

اوّل تو مجھے اپنے پاس (نابھہ میں پھر لاہور میں) بُلاتے ہیں اور خود آنے کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں تو مباحثہ کے لئے نہ آسمانی نشان دیکھنے کیلئے۔ اس پر طُرفہ یہ ہے کہ روپیہ اشتہار پیشگی طلب فرماتے ہیں جس کا میں نے پہلے وعدہ نہیں دیا۔ اب آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ میری تحریر سے آپ کا جواب کہاں تک متفاوت و متجاوز ہے۔ بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ لہٰذا میں اپنے اسی پہلے اقرار کی رُو سے پھر آپ کو لکھتا ہوں کہ آپ ایک سال رہ کر آسمانی نشانوں کا مشاہدہ فرماویں اگر بالفرض کسی آسمانی نشان کا آپ کو مشاہدہ نہ ہو تو میں آپ کو چوبیس سَو روپیہ دے دونگا اور اگر آپ کو پیشگی لینے پر اصرار ہو تو مجھے اس سے بھی دریغ و عذر نہیں۔ بلکہ آپ کے اطمینان کیلئے سردست چوبیس سَو روپیہ نقد ہمراہ رقیمہ ہذا ارسال خدمت ہے مگر چونکہ آپ نے یہ ایک امر زائد چاہا ہے اس لئے مجھے بھی حق پیدا ہو گیا ہے کہ میں اس امر زائد کے مقابلہ میں کچھ شروط ایسی کروں جن کا ماننا آپ پر واجبات سے ہے۔

(۱) جب تک آپ کا سال گذر نہ جائے کوئی دوسرا شخص آپ کے گروہ سے زَرِ موعود پیشگی لینے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ ہر شخص کو زر پیشگی دینا سہل و آسان نہیں ہے۔

(۲) اگر آپ مشاہدہ نشان آسمانی کے بعد اظہار اسلام میں توقف کریں اور اپنے عہد کو پورا نہ کریں تو پھر حرجانہ یا جرمانہ دونوں امر سے ایک امر ضرور ہو۔

(الف) سب لوگ آپ کے گروہ کے جو آپ کو مقتدا جانتے ہیں یا آپ کے حامی اور مربی ہیں اپنا عجز اور اسلام کے مقابلہ میں اپنے مذہب کا بے دلیل ہونا تسلیم کر لیں۔ وہ لوگ ابھی سے آپ کو اپنا وکیل مقرر کر کے اس تحریر کا آپ کو اختیار دیں۔ پھر اس پر اپنے دستخط کریں۔

(ب) درصورت تخلّف وعدہ جانب ثانی سے اس کا مالی جرمانہ یا معاوضہ جو آپ کی اور آپ کے مربیوں اور حامیوں اور مقتدیوں کی حیثیت کے مطابق ہو ادا کریں تا کہ وہ اس مال سے اس وعدہ خلافی کی کوئی یادگار قائم کی جائے (ایک اخبار تائید اسلام میں جاری ہو یا کوئی مدرسہ تعلیم نومسلم اہل اسلام کے لئے قائم ہو) آپ ان شرائط کو تسلیم نہ کریں تو آپ مجھ سے پیشگی روپیہ نہیں لے سکتے اور اگر آپ آسمانی نشان کے مشاہدہ کے لئے نہیں آنا چاہتے صرف مباحثہ کیلئے آنا چاہتے ہیں تو اس امر کے لئے میری خصوصیت نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس اُمّتِ محمدیہ میں علماء اور فضلاء اور بہت

ہیں جو آپ سے مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ میں جس امر میں مامور ہو چکا ہوں اُس سے زیادہ نہیں کر سکتا اور اگر مباحثہ بھی مجھ سے منظور ہے تو آپ میری کتاب کا جواب دیں۔ یہ صورت مباحثہ کی عمدہ ہے اور اس میں معاوضہ بھی زیادہ ہے اور بجائے چوبیس سَو روپیہ کے دس ہزار روپیہ۔☆

۳۰ر مئی ۱۸۸۵ء

مکتوب نمبر ۵۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی میر عباس علی شاہ صاحب سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آں مخدوم کا عنایت نامہ پہنچا چونکہ آں مخدوم کی روح کو اس عاجز کی روح سے بشدت مناسبت ہے اسی وجہ سے تعلقات روحانی کا غلبہ ہے اور اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی آپ کی حالت کاملہ ابتلا کے خطرات سے امن میں ہے۔ یہ عاجز بوجہ قلت فرصت تحریر جواب سے قاصر رہا اور مستعد تحریر تھا کہ اسی میں خط پہنچ گیا۔ دہلی کی طرف جانے کے لئے ابھی کچھ معلوم نہیں۔ ہندوستان میں اکثر اطراف بیماری بہت پھیل رہی ہے۔ اگر کسی وقت بطریق عجلت سفر اُس طرف کا پیش آیا تب تو مجبوری ہے ورنہ بہرطرح خواہ ایک ساعت کے لئے ہو، اِنۡ شَاءَ اللّٰہُ ملاقات آں مخدوم کی ہوگی۔ آگے ہر ایک امر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پردہ غیب میں جو کچھ مخفی ہے کسی کو اس پر اطلاع نہیں۔ آں مخدوم اپنی اصلی صحت پر آ گئے ہوں تو اطلاع بخشیں۔

۴ر جون ۱۸۸۵ء مطابق دہم رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ

☆ اخبار الحکم نمبر ۳۴ جلد ۵ ۔ ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳ کالم ۲

مکتوب نمبر ۵۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد۔ بخدمت اخویم مخدوم ومکرم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ عاجز بدل و جان حضرت خداوندکریم سے آپ کے لئے دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں آپ کوخوش رکھے۔جس قدر انسان عالی ہمت اور صابر ہوتا ہے۔ اُسی قدر تکالیف سے آزمایا جاتا ہے۔ بیگانہ جس میں زہر کا تخم ہے، اس لائق ہرگز نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اُس کو ایسے ابتلا میں ڈالے جس میں صادقوں کو ڈالتا ہے۔سو مبارک وہی ہیں جن کو خدا درجات عطا کرنے کیلئے دنیا کی تلخیوں کا کچھ مزہ چکھاتا ہے۔ دنیا کی حالت یکساں نہیں رہتی جس طرح دن گزر جاتا ہے۔ آخر رات بھی اسی طرح گزر جاتی ہے۔سو جو شخص خدا تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتا ہے وہ مصیبت کی رات کو ایسی کاٹتا ہے جیسے کوئی سونے کی حالت میں رات کو کاٹتا ہے اگر پروردگار ایمان کو بچائے رکھے تو مصیبت کچھ چیز نہیں لیکن اگر مصیبت کچھ لمبی ہو اور مدد ایمانی منقطع ہو جائے تو نَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنۡ ذَالِکَ۔ یہ عاجز تو حضرت خداوندکریم سے امید بھی رکھتا ہے کہ آپ کے ہموم وغموم بفضلہٖ تعالیٰ دور ہوں اوراجر حاصل اورغم زائل ہو۔اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ چند اشتہارات ارسالِ خدمت ہیں۔

والسلام

۹؍جون ۱۸۸۵ء۔۲۴؍شعبان ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۵۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

از عاجز عایذ باللہ الصمد غلام احمد۔ بخدمت اخویم مخدوم مکرم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ ایک خط وید کی حقیقت میں معہ چند اشتہار مولوی عبدالمجید صاحب بذریعہ پمفلٹ آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ ویدوں کی نسبت ہندوؤں کی طرف سے کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ اُن کی تعلیم شرک اور مخلوق پرستی سے خالی ہے بلکہ سب ہندو جو تقریباً چودہ یا پندرہ کروڑ پنجاب اور ہندوستان میں رہتے ہیں۔ بڑے پیار سے اُن دیوتاؤں کو مانتے ہیں جو وید میں لکھے گئے ہیں اور جس ہندو سے اُس کی بُت پرستی یا آتش پرستی یا دوسرے ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کی نسبت سوال کیا جائے کہ کس کتاب کے حکم سے یہ کام اختیار کیا ہے تو وہ جھٹ پٹ یہی جواب دیتا ہے کہ یہ سب طریق پرستش کا وید میں درج ہے اور اس کی ہدایت کے موافق ہم اُن چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں اور درحقیقت یہ جواب اُس کا سچ ہے کیونکہ جس قدر ہندوؤں میں آتش پرستی و آب پرستی و آفتاب پرستی وغیرہ پرستشیں جاری ہیں۔ اُن سب پرستشوں کا حکم وید ہی میں مندرج ہے اور نہ ایک اور نہ دو جگہ بلکہ صدہا جگہ اُن چیزوں کی پوجا کے لئے تاکید ہے اور وید کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جو مخلوق پرستی کی تعلیم سے خالی ہو۔ جیسا کہ یہ بات اُس شخص پر کھل سکتی ہے کہ جو وید کو اپنے ہاتھ میں لے کر کسی جگہ سے اُس کو پڑھے۔ غرض کہ وید کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ وہ خلق اللہ کو توحید پر قائم کرے بلکہ اوّل سے آخر تک وید میں یہی تاکید پائی جاتی ہے کہ آگ اور ہوا اور سورج اور چاند اور ستاروں اور پانی وغیرہ کی پرستش کرنی چاہئے اور ان ہی چیزوں سے اپنی مرادیں مانگنی چاہئے۔ یہی باعث ہے کہ جو کچھ آج تک وید کی تعلیم کا ہندوؤں کے دلوں پر اثر پڑا ہے۔ وہ یہی مخلوق پرستی ہے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کسی حصہ پنجاب یا ہندوستان میں ایسے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو مخلوق پرستی سے بیزار اور اپنے تمام عقائد اور عبادات میں موحد ہیں؟ حاشا وکلاّ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ جہاں جاؤ اور

جس ملک میں دیکھو جا بجا ہندو لوگ سخت درجہ کے شرک اور مخلوق پرستی میں گرفتار ہیں یہاں تک کہ انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات تک ان نادانوں نے اپنے معبود ٹھہرالئے ہیں۔ نہ پانی چھوڑا، نہ آگ، نہ ہوا، نہ پتھر بلکہ دنیا میں جو چیز از قسم اجرام علوی میں یا اجسام سفلی میں نظر آتی ہے وہ سب کے سب ہندوؤں کے معبود اور دیوتے ہیں اور جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اس قدر مخلوق پرستی میں ہندوؤں کا قصور نہیں ہے بلکہ یہ تمام قصور وید اور اُس کے شائع کرنے والوں کا ہے۔ غرض وید جس جنس سے بھرا ہوا ہے وہ سب شرک ہے اور جو کچھ وید نے دنیا کو فائدہ پہنچایا وہ مشرکانہ تعلیم ہے جس میں آج تک سب ہندو مبتلا اور گرفتار ہیں اور کوئی ہندو اس مشرکانہ حالت میں اپنی غلطی اور قصور کا اقرار نہیں کرتا بلکہ سارے کے سارے یہی اقرار کرتے ہیں کہ یہ تحفہ ہمارے وید مقدس سے ہم کو ملا ہے اور اُس نے اسی راہ پر ہم کو چلایا ہے اور جب ہم بذات خود وید کو کھول کر دیکھتے ہیں تو ہندوؤں کو اُن کے اس بیان میں راست گو پاتے ہیں اور ہندوؤں کی مشرکانہ حالت جو ہزاروں برسوں سے چلی آتی ہے وہ اُن کی خود تراشیدہ معلوم نہیں ہوتی بلکہ وید کی پیروی کے نتائج ہیں جو بطور داغ ملامت یا کلنک کے ٹیکہ کے وید کی اندرونی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں سے پنڈت دیانندسرستی نے (جو اس دنیا سے اَب کوچ کر گئے ہیں) اس خیال سے کہ اَب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ مشرکانہ تعلیم ہر یک سلیم القلب کو بُری معلوم ہوتی ہے۔ اس بے بنیاد خیال کے ثابت کرنے کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طرح داغ مخلوق پرستی کی تعلیم کا وید کی پیشانی سے دھویا جائے۔ اور برخلاف اپنی تمام قوم کے یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ اگرچہ وید میں بظاہر مشرکانہ تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ مگر در پردہ اُس کی اندر کی تہہ میں توحید چھپی ہوئی ہے لیکن وہ اس اپنے مطلب کے پورا کرنے کیلئے کامیاب نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور پنجاب کے تمام محقق پنڈتوں نے ان کے خیالی وید بھاش کو رڈ اور نامنظور کیا اور اُس پر یہ ریویو لکھے۔ کہ پنڈت صاحب کا یہ وید بھاش اصل میں ویدوں کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اُس کو ایک نیا وید سمجھنا چاہئے جس کو پنڈت صاحب اپنے من کی گھڑت خیال سے بنا رہے ہیں۔ ہندوؤں کے وید سے اُس کو کچھ تعلق نہیں بلکہ اُس سے سراسر مخالف اور منافی ہے۔ اور جب پنڈت صاحب نے دیکھا کہ ہندوستان اور پنجاب کے پنڈتوں میں ہماری دال نہیں گلتی اور کوئی ہمارے دھوکہ میں نہیں آتا تو پھر انہوں نے ایک اور تدبیر سوچی کہ وہ مصنوعی وید بھاش یونیورسٹی میں

درسی کتاب بنانے کے لئے سرکارانگریزی میں پیش کیا جائے تو پنڈت صاحب نے ایسا ہی کیا۔اور صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک درخواست معہ چند جزاپنے وید بھاش کے بدیں التماس مرسل کئے۔کہ یہ وید بھاش میرا یونیورسٹی میں لڑکوں کو پڑھایا جائے کیونکہ میں نے بڑی ہمت اور بہادری کر کے وید میں توحید ثابت کر دکھائی ہے اور وہ لاکھوں پنڈت جھوٹے ہیں جو وید کو توحید سے خالی سمجھتے ہیں۔اس پر صاحب لفٹیننٹ بہادر کو درخواست کے سننے سے بہت تعجب ہوا کہ یہ کیونکر اور کیسے ممکن ہے کہ وید جو اپنی مشرکانہ تعلیم سے سارے جہان کے اعتراضوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اور ضرب المثل ہے وہ شرک اور دیوتا پرستی سے خالی ہو۔سواُنہوں نے وہ درخواست یونیورسٹی کے چیدہ اور منتخب پنڈتوں کے پاس بھیج دی کہ وہ پنڈت دیانند کی وید بھاش کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔اب قصہ کوتاہ یہ کہ سب پنڈتوں نے بالاتفاق یہ رائے لکھی کہ وید بھاش دیانند کا سراسر غلط اور پوچ اور لغو ہے۔وید کی مخلوق پرستی کی تعلیم اور جابجا دیوتاؤں کی پوجا کے لئے ترغیب اور تحریک ایسا امرنہیں ہے کہ اُس کو چھپاسکیں یا پوشیدہ رکھ سکیں۔سو دیانند کا وید بھاش ویدوں سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ہاں اگر اُس کو ایک نیا وید کہیں جس کے پنڈت صاحب ہی مصنف ہیں۔تو یہ کہنا بجا اور درست ہے۔اس رائے کے پہنچنے سے صاحب لفٹیننٹ گورنر بہادر نے پنڈت دیانند کی درخواست کو نامنظور کر کے اُس کو اطلاع دے دی کہ یہ وید بھاش تمہارا عام رائے پنڈتوں سے برخلاف ہے۔اس لئے قابل منظوری نہیں۔اب دیکھنا چاہیئے کہ اگر وید میں ایک ذرّہ بھی توحید کی بُو پائی جائے تو کیونکر تمام ہندوستان کے پنڈت اُس سے انکاری یا غافل رہتے۔اور اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کرلیں کہ وید میں بطور معمّا یا چیستان اور پہیلی کے ایک چھپی ہوئی توحید ہے جس پر صرف پنڈت دیانند کو اطلاع ہوئی اور دوسری تمام دنیا اس سے بے خبر رہی۔تو پھر یہ سوال عائد ہوگا کہ ایسی پیچیدہ اور سربمہر توحید سے دنیا کو کیا فائدہ ہوا۔اور بجز اس کے کہ لاکھوں بندگانِ خدا وید کے اُلٹے معنی سمجھ کر دیوتا پرستی میں مبتلا ہوئے اور کیا نتیجہ ایسے پیچیدہ بیان سے نکلا۔کیا ہندوؤں کے پرمیشر کو بات کرنے کا سلیقہ بھی یاد نہیں کہ بجائے اس کے جو توحید کو کہ جو اُس کا اصل مطلب تھا واضح تقریر سے بیان کرتا ایسے بے سروپا اور غیر فصیح لفظوں میں بیان کیا کہ جس سے لوگ کچھ کا کچھ سمجھنے لگے اور ہزارہا دیوتاؤں کی ہندوؤں میں پوجا شروع ہوگئی اور مخلوق پرستی اُس حد تک پہنچ گئی جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔اور یہ تو ہم نے

بطور تنزل لکھا ہے اور ایک فرضی طور پر بیان کیا ہے ورنہ اگر کوئی ذرا آنکھ کھول کر ایک صفحہ وید کا بھی پڑھے تو بہ یقین تمام اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ وید کی عبارت کا اصلی مقصد اور مطلب یہی ہے کہ دیوتاؤں کی پوجا کرائی جائے۔ مگر پنڈت دیانند نے اس بدیہی بات کے چھپانے کے لئے کوشش کرنی چاہی۔ آخر ناکام رہے اور بجائے اس کے کہ وید میں توحید ثابت کرتے اور اس عیب سے مبّرا ہونا اُس کا بپایۂ ثبوت پہنچاتے کئی ایک اور عیب بھی جو وید میں پائے جاتے ہیں اُنہوں نے ظاہر کر دکھائے اور یک نہ شُد دو شُد کا معاملہ ہو گیا۔ جس کو ہم اپنی کتاب براہین احمدیہ کے حصہ پنجم میں اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بہ تفصیل بیان کریں گے۔ اب صرف اجمالی طور پر لکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے وید نعمت توحید سے بالکل بے نصیب اور تہی دست اور محروم ہیں۔ اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ وہ کتابیں جو وید سے موسوم کی گئیں ہیں۔ ایک شخص کی تالیف نہیں ہیں بلکہ مختلف لوگوں نے مختلف وقتوں میں اُن کو تالیف کیا ہے اور مؤلفین کے نام اب تک منتروں کے سر پر جُدا جُدا لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں اور وہ منتر بطور شعر کے ہیں جو دیوتاؤں کی تعریف میں خوش اعتقاد لوگوں نے بنائے تھے ان کتابوں کے پڑھنے سے یہ ہرگز پایا نہیں جاتا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو کسی ایک یا چند پیغمبروں پر نازل کیا تھا بلکہ منجانب اللہ ہونے کا ذکر بھی نہیں۔ جابجا منتروں کے سر پر یہی لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ یہ منتر فلاں شخص نے تالیف کیا ہے اور یہ فلاں شخص نے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ حال کے محققوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وید ایسی کتاب نہیں جو یہ دعویٰ کرتی ہو کہ میں آسمانی کتاب ہوں اور فلاں فلاں پیغمبر پر اُتری تھی بلکہ ایک مجموعہ اشعار ہے جس کو کئی ایک شاعروں نے اوقاتِ مختلفہ میں جوڑا ہے۔ ماسوا اس کے وید میں یہ بات بھی نہیں کہ جیسے ربّانی کتاب ربّانی قدرتوں کا اور صفتوں کا ایک آئینہ ہونی چاہئے اور خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی قدرت تامہ اور اُس کی غیب بینی اور اُس کی خالقیت ورزاقیت وغیرہ صفات کو صرف عقلی طور پر ثابت نہ کرے بلکہ آسمانی نشان کے طور پر طالبِ حق کو مشاہدہ کرائے کہ خدا فی الحقیقت موجود (ہے) اور اُس میں یہ صفات موجود ہیں کیونکہ درحقیقت ربّانی کتابوں کے نازل ہونے سے عمدہ فائدہ یہی ہے کہ خدا اور اُس کی صفات کو نہ صرف عقلی اور قیاسی طور پر شناخت کیا جائے۔ بلکہ آسمانی کتاب خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کو ایسا ثابت کر کے دکھلا وے کہ اُس کے پیروان تمام امور میں گویا رؤیت کے گواہ ہو جائیں۔ اور اسی طرح پر

وہ اپنے ایمان کو اس کمال کے درجہ تک پہنچائیں ۔جس تک مجرد عقل کی پیروی سے انسان پہنچ نہیں سکتا۔مثلاً خدا تعالیٰ میں جو صفت غیب دانی ہے اگر چہ عقلی طور پر انسان یہ خیال کرسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ غیب دان ہونا چاہئے لیکن ربّانی کتاب میں شہودی طور پر اس بات کا ثبوت دینا از بس ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ حقیقت میں غیب دان ہے اور وہ ثبوت اس طرح پر میسر آ سکتا ہے کہ ربّانی کتاب میں بہت سی پیشگوئیاں اور اخبار غیبیہ درج ہوں جو لوگوں کے سامنے پورے ہو چکے ہوں۔علیٰ ہذا القیاس خدا تعالیٰ کا قادر ہونا اور اپنے نبیوں اور مرسلوں کا حامی اور ناصر اور مؤید ہونا اگر چہ عقلی طور پر بھی ضروری اور محمود سمجھا جاتا ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام مشہودی طور پر اپنی قدرتِ کاملہ اور حمایت اور نصرتِ خاصہ کا ایسا عمدہ اور کامل نمونہ دکھلائے جس کو لوگ دیکھ کر اپنے ایمان اور اعتقاد پر قوی ہو جائیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کی دوسری صفات بھی اس طور پر خدا تعالیٰ کے کلام میں ثابت ہونی چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات اور صفات کے پہچاننے کے لئے ایک نہایت صاف اور شفاف آئینہ ہے جو ہم عاجز اور بے خبر بندوں کو اس غرض سے عنایت ہوا ہے کہ تا ہماری معرفت صرف عقلی اور قیاسی خیالات تک محدود نہ رہے۔بلکہ ہم اُن تمام پاک صداقتوں کو بچشم خود دیکھ بھی لیں کیونکہ اگر خدا تعالیٰ نے صرف اس قدر ہم کو بذریعہ اپنی کتاب کے معرفت اور بصیرت عنایت کرے جس قدر بذریعہ عقل بھی ہم کو حاصل ہوسکتی ہے تو پھر ربّانی تعلیم اور عقلی تفہیم میں کیا فرق رہا؟ اور اس بات میں خدا تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لانے والوں کو برہموسماج والوں پر (جو صرف عقلی اٹکلوں پر چلتے ہیں) کونسی ترجیح ہوئی؟ سو اِس تحقیق سے بہ بداہت عقل ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں عمدہ خوبی یہی ہے کہ جن صداقتوں کو ہماری عقل ناقص صرف قیاسی طور پر پیش کرتی ہے۔اُن صداقتوں کو خدا تعالیٰ کا کلام ہماری آنکھوں کے سامنے لا کر دکھلا بھی دیتا ہے۔مثلاً جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ عقل یہ تجویز بیان کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ غیب دان ہونا چاہئے۔سو خدا تعالیٰ کا کلام صدہا پیشگوئیوں سے جو صحیح طور پر پوری ہوگئیں ہم پر اس صداقت کو یقینی اور قطعی طور پر کھول دیتا ہے لیکن وید اس مرتبہ اعلیٰ سے جو خدا کی ذات اور صفات کا آئینہ ہو سکے۔ہزاروں کوس دور اور مہجور ہے بلکہ مجرد عقلی طور سے بھی خدا اور اُس کی صفات کا ثبوت دینے سے وید عاجز ہے کیونکہ وید کا پہلا اصول یہ ہے کہ عالم بجمیع اجزا انادی

یعنی قدیم اور غیر مخلوق اور پرمیشر کی طرح واجب الوجود ہے۔ اور پرمیشر نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا اور نہ پیدا کرنے کی اُس کو طاقت اور لیاقت ہے بلکہ اُس کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ بعض چیزوں کو بعض سے جوڑتا ہے مثلاً جسم کا قالب بنا کر روح کو اس میں داخل کر دیتا ہے یا کبھی قالب سے روح کو نکال دیتا ہے۔ اور یہی تالیف اور تفریق پرمیشر سے ہوسکتی ہے اس سے زیادہ نہیں یعنی اگر پرمیشر کچھ کام کرسکتا ہے تو بس یہی ہے کہ بعض اجزائے عالم کو بعض سے جوڑتا ہے اور کبھی بعض سے بعض کو الگ کر دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس اعتقاد میں صرف اتنی ہی خرابی نہیں کہ پرمیشر کو قادر مطلق ہونا چاہئے۔ عاجز اور ناتواں سمجھا گیا ہے اور قدیم اور غیر مخلوق ہونے میں کل اجزاء عالم کے اس کے شریک اور حصہ دار اور بھائی بند ٹھہرائے گئے ہیں اور ہر ایک موجود اپنے اپنے نفس کا آپ مالک قرار دیا گیا ہے گویا پٹی داری گاؤں کی طرح قدامت اور وجوبِ وجود کی جنس پر سب ارواح اور پرمیشر کا برابر اور یکساں دخل اور قبضہ چلا آتا ہے بلکہ ایک بڑی بھاری خرابی وید کے اصول سے یہ پیش آتی ہے کہ عقلی طور پر پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل باقی نہ رہی۔ کیونکہ جس حالت میں تمام عالم بجمیع اجزا خود بخود قدیم سے موجود ہے اور پرمیشر کا کام صرف تالیف اور تفریق ہے تو پھر اس سے وجود پرمیشر کا کیونکر ثابت ہو سکے۔ بھلا تم آپ ہی غور سے دیکھو اور انصاف کرو کہ اگر دنیا کی تمام چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اپنے وجود کی پیدائش میں پرمیشر کی محتاج نہیں۔ تو پھر اُس پر کیا دلیل ہے کہ اپنے تفرق یا اتصال میں پرمیشر کی محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ ماسوا اللہ کے وجود سے صانعِ عالَم کے وجود پر اسی وجہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ماسوا اللہ کا وجود خود بخود ہونا بہ بداہت عقل محال ہے اور جس حالت میں یہ تسلیم کیا جائے اور قبول کیا جائے کہ ماسوا اللہ بھی خود بخود ہوسکتا ہے تو عقل کو خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین کرنے کیلئے کون سی راہ باقی رہے گی؟ کیا ایسے ایسے ناپاک اعتقادوں سے دہریہ مذہب والوں کو مدد نہیں پہنچے گی؟ غرض یہ وید کی ایک ایسی فاش غلطی ہے کہ اس کے تابعین کو اُس کے جواب میں کوئی بات بن نہیں آتی۔ اور وہ لوگ کسی طور سے پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل بیان نہیں کر سکتے اور کیوں کر بیان کرسکیں جب آپ ہی پرمیشر کی طرح قدیم اور واجب الوجود ٹھہرے تو پرمیشر سے اُن کو کیا تعلق اور غرض رہی اور اُس کے وجود کی کونسی ضرورت اور حاجت رہی۔

اب دیکھنا چاہئے کہ ایک طرف تو وید خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ثابت کرنے کے لئے آئینہ ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا یعنی طالبانِ حق کو شہودی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر یقین نہیں دلا سکتا۔ بلکہ طرح طرح کی بدگمانیوں میں ڈالتا ہے اور پھر دوسری طرف اُس میں یہ خرابی پیدا ہوگئی کہ عقلی طور پر بھی وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دینے سے بے نصیب اور بے بہرہ ہے تو اب منصف سوچ سکتا ہے کہ معرفت الٰہی کے دونوں طریقوں عقلی اور شہودی سے ہندوؤں کا وید کس قدر دور اور مہجور ہے۔ اور جس قدر ہم نے اب تک بیان کیا کچھ یہی ایک اصول وید کا ایسا نہیں ہے کہ جو عقل کے برخلاف ہو بلکہ وید کے سارے اصول جو بنیاد دھرم کی سمجھے جاتے ہیں ایسے ہی ہیں۔ ہاں وید کی رو سے پہلی ہدایت تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی چیز کا خالق نہیں۔ مگر اس کے سوا وید کی دوسری ہدایتیں بھی ایسی ہیں جن کے پڑھنے سے عاقل کو ضرور یہ شک پڑے گا کہ شاید وید کا زمانہ کوئی ایسا زمانہ تھا جس میں ہنوز آریہ دیس کے لوگوں نے کوئی حصہ عقل اور دانشمندی کا نہیں پایا تھا۔ چنانچہ ہم بطور نمونہ ایک دو اصول وید کے اور بھی لکھتے ہیں۔ تا جو لوگ وید کی اندرونی حقیقت سے بے خبر ہیں اُن کو اس عجیب کتاب کے حالات کسی قدر معلوم ہو جائیں۔ سو منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں ایک ذرا رحم اور عفو نہیں اور کسی گناہ گار کے گناہ کو اُس کی توبہ واستغفار سے ہرگز نہیں بخشتا اور جب تک ایک گناہ کی سزا میں چوراسی لاکھ جون میں ڈال کر شخص مجرم کو دنیا کی عمر سے ہزارہا درجہ زیادہ عذاب نہ پہنچاوے تب تک اُس کا غصہ فرو نہیں ہوتا۔ اور گو انسان اپنے گناہ سے باز آ کر پرمیشر کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جائے تب بھی جب تک پرمیشر اُس کو لاکھوں جونوں میں ڈالنے سے سزا نہ دے تب تک ہرگز اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس اصول میں صرف اتنی ہی قباحت نہیں کہ پرمیشر کو ایک ایسا شخص ماننا پڑتا ہے کہ جو نہایت درجہ کا سنگدل اور بے رحم ہے کہ جو جھکنے والوں کی طرف ہرگز نہیں جھکتا اور محبت کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ اور ایک ادنیٰ خطا یا قصور سے ایسا چڑ جاتا ہے کہ پھر کوئی بھی سبیل اُس کے راضی ہونے کی نہیں نکلتی بلکہ ایک بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ اس اصول کے رُو سے نجات پانے کا راستہ بکلّی مسدود ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں محنت اور مجاہدہ کرنا اور اس کی اطاعت اور عبادت میں دل لگانا سراسر لغو اور بے فائدہ ٹھہرتا ہے کیونکہ جس حالت میں پرمیشر ایسا کینہ ور اور پُر غضب ہے کہ کسی خطا کے سرزد

ہونے سے بجز لاکھوں برسوں تک جونوں میں ڈالنے کے ہرگز کسی بندہ پر رحم نہیں کر سکتا۔تو پھر اس حالت میں وہ نومید بندہ کہ گویا ایک گناہ کر کے جیتے جی ہی مر گیا ہے۔ کیوں کر اس سے دل لگائے گا اور کس امید پر عبادت اور زُہد اور رجوع الی اللہ اختیار کرے گا اور پھر زیادہ تر مشکل بات (جس کو عاجز بندہ اپنے ضعف اور کمزور حالت پر نظر کرنے سے بخوبی جانتا ہے) یہ ہے کہ بعد چوراسی لاکھ جونوں کے بھگتنے کے پھر بھی ایسی پاک اور مصفا حالت کہ جس میں ایک ذرا خطا اور غفلت سرزد نہ ہو اس کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے قصور اور خطا سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔اور ادنیٰ سے ادنیٰ بات جو بشر کے لئے لازم غیر منفک کی طرح ہے،غفلت ہے جو انسانی سرشت کا پہلا گناہ اور سب گناہوں کی جڑ ہے۔مگر دنیا میں ایسا آدمی کہاں اور کدھر ہے جو ایک طُرفَةُ العَین کے لئے بھی اپنے مولیٰ کریم کے ذکر سے غافل نہیں رہ سکتا اور ایک لحظہ کے لئے قبض کی حالت اُس پر طاری نہیں ہوتی۔ ماسوا اس کے جہاں تک ہم انسانوں کی عام حالتوں پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن کے سلسلہ زندگی کو اوّل سے آخر تک دیکھتے ہیں تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ کوئی انسان خاص کر اپنے بلوغ کے ابتدائی زمانہ میں کسی قدر خامی یا ذلت یا لغزش یا غفلت یا لہو ولعب سے خالی نہیں رہ سکتا اور نہ جیسا کہ نعماء الٰہیہ اس پر وارد ہوتی ہیں اُن کا پورا پورا شکر کر سکتا ہے۔اور یہ ایسی صاف اور واشگاف صداقت ہے جو خود ہمارے کوائف زندگی اور واقعات عمری اس پر شہادت دے رہی ہیں اور موجودات کا ہر یک ذرّہ اور قدرت کا ہر یک قانون اس کی تصدیق کر رہا ہے اور ہماری روحیں پکار پکار کر ہمیں یہی کہتی ہیں کہ ہم بوجہ مخلوق اور ضعیف اور کمزور اور ممنون منت ہونے کے ایسی فتح عظیم اپنے خالق اور محسن حقیقی اور مربی بےعلّت پر ہرگز حاصل نہیں کر سکتے کہ جو اُس کو یہ کہہ سکیں کہ جو کچھ تیرے حقوق ہماری گردن پر تھے وہ سب ہم نے جیسا کہ چاہئے ادا کر دیئے ہیں۔ اور اب ہم تیرے حساب سے فارغ اور تیرے مطالبہ سے امن میں ہیں اور جب کہ ہم لوگ ایسی فارغ خطی حاصل نہیں کر سکتے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ اگر خداوند کریم ہمارے گناہوں پر ہمیشہ ہم کو سزا دیتا رہے اور اگر درگذر اور عفو کسی حالت پر نہ کرے تو پھر ہرگز ممکن نہیں کہ ہم کسی زمانہ میں نجات کا منہ دیکھ سکیں۔ کیونکہ جب گناہ غیر محدود ٹھہرے تو پھر سزا بھی درصورت لازمی اور ضروری ہونے کے غیر محدود اور دائمی چاہئے۔سو یہ اصول نہایت منحوس اور نامبارک ہے اور اگر یہی بات سچ ہے تو

انسان غایت درجہ کا بد بخت اور بے نصیب ہوگا جس کے لئے سخت دل پرمیشر کا یہ ارادہ ہے کہ جب تک وہ بکلّی گناہوں کے صادر ہونے سے کہ جو انسان کی سرشت سے لازم ہوئے ہیں محفوظ نہ رہے تب تک مختلف جونوں کا تختہ مشق رہے گا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس کے مقابل پر یہ اصول قرآن شریف کا کیسا بابرکت اور پیارا اور تسلّی بخش اور انسانی فطرت کے لئے ضروری اور مناسب حال ہے کہ گناہ کا تدارک توبہ اور استغفار سے ہوسکتا ہے اور بدیوں کی تلافی نیکیوں سے ممکن ہے۔ یہ ایسا ضروری اور لابدی اصول ہے کہ انسان کی مغفرت اور نجات یابی بجز اس کے ممکن ہی نہیں۔ خیال کرنا چاہئے کہ اگر تمام انسانوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی ابتدائی عمر میں کسی قدر غفلت اور لہو ولعب یا نالائق باتوں اور بدچلنیوں میں رہ کر پھر کسی نیک صحبت کی برکت سے یا کسی واعظ اور ناصح کے سمجھانے سے یا اپنے ہی انصاف دلی کے جوش سے اس بات کے مشتاق ہوجایا کرتے ہیں کہ اب ہم خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور بُرے کاموں اور خراب راہوں کو چھوڑ دیں۔

اب سوچنا چاہئے کہ اگر ایسے طالب حق کے لئے جناب الٰہی میں باریابی کی کوئی سبیل نہیں اور توبہ منظور ہی نہیں اور استغفار قبول ہی نہیں تو پھر وہ بیچارہ اپنی آخری بہبودی کیلئے اگر کچھ کوشش بھی کرے تو کیا کرے اور کیونکر کرے اور کدھر جائے۔ ممکن ہے کہ وہ ایسے پرمیشر سے سخت ناامید اور شکستہ دل ہوکر اور اُس کی رحمت سے بکلّی ہاتھ دھوکر پھر اپنے گناہوں کی طرف رجعتِ قہقری کرے اور خوب دل کھول کر ہر قسم کے گناہ اور بدمعاشی سے تمتع اور حظّ اُٹھائے۔ غرض یہ ایسا اصول ہے کہ نہ بندہ اُس سے اپنی نجات تک پہنچ سکتا ہے اور نہ خدا تعالیٰ کی رحمت اس سے قائم رہتی ہے۔ کیا یہ بات اللہ تعالیٰ کی عادت کریمانہ کے موافق ہے؟ کہ وہ انسان کی کامیابی میں اس قدر مشکلات ڈالے اور اس کی نجات کو معلق بالمحال کر کے اس کے گناہ کو ہمیشہ یاد رکھے مگر اس کے رجوع اور محبت اور توبہ اور استغفار کا ایک ذرہ قدر نہ کرے اور چوراسی لاکھ جون میں سے ایک جون کی تخفیف کرنے سے دریغ کرتا رہے۔ کیا ایسے پرمیشر پر کوئی امید رہ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

پھر تیسرا اصول وید کا جو عقل کے برخلاف ہے یہ ہے کہ نجات ابدی کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ لوگ کچھ مدت محدود تک نجات پاکر پھر مکتی خانہ سے ناکردہ گناہ باہر نکالے جاتے ہیں اور پرمیشر

ہرگز قادر نہیں کہ اُن کو ہمیشہ کے لئے نجات دے سکے۔ اب جو لوگ عشقِ الٰہی کی ایک چنگاری بھی اپنے اندر رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ایسی بے مروّتی اُس محبوب حقیقی سے ہرگز نہیں ہوسکتی کہ عزت دے کر پھر بے عزت کرے اور ایک نعمت بخش کر پھر اُس کو چھین لے۔ ایک دفعہ اپنا پیارا اور مقرب بنا کر پھر نا کردہ گناہ کیڑوں مکوڑوں اور کتوں بلّوں کی جونوں میں ڈالتا رہے۔ جس شخص کو محبتِ الٰہی کے جام سے ایک گھونٹ بھی میسر ہے اُس کی عارف اللہ روح جو اس جوادِ مطلق پر بڑی بڑی امیدیں رکھتی ہے اور سب کچھ کھو کر اُسی کی ہو رہی ہے۔ ہرگز اس کو یہ فتویٰ نہیں دیتی کہ اس کا پیارا اور محبوب جانی آخر اُس سے ایسا معاملہ کرے گا کہ اس کی سب امیدیں خاک میں ملا کر اور اُس کی خوشحالی دائمی کی خواہش جو اُس کے دل میں ڈالی گئی ہے نظر انداز کر کے اُس کو اُس مصروع کی طرح جو بار بار دورہ صرع سے دُکھ اُٹھاتا ہے مختلف جونوں کے عذاب سے معذّب کرتا رہے گا۔ اُس کے صدق اور وفا پر اُس کو کچھ بھی خیال نہیں آئے گا اور اس کے خالص محبوں پر اُس کو کچھ بھی نظر نہیں ہوگی۔ افسوس کہ ہندو لوگ ایسا اعتقاد رکھنے سے خود اپنے اوتاروں اور رشیوں کی عزت کو خاک میں ملاتے ہیں۔ کہ اوّل ان کو بڑے مقبول الٰہی بلکہ خدا کا اوتار سمجھ کر پھر اُن کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اُن بیچاروں کو بھی نجات ابدی نہیں اور وہ کیڑے مکوڑے اور کتّے بلّے بننے سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتے۔ جن لوگوں کو ان مقدس ویدوں کی خبر نہیں وہ تعجب کریں گے کہ یہ کیسے اصول ہیں جو ویدوں کی طرف نسبت دیئے گئے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ وہ بدگمانی سے یہ خیال کریں کہ یہ ویدوں پر تہمت ہے۔ سو واضح ہو کہ ہم نے ان اصولوں کو کمال تحقیق اور تدقیق سے لکھا ہے اور اس وقت وید ہمارے سامنے پڑا ہے اور اُس کے بھاش ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو ہر طرح ہم سے تسلی کرا سکتا ہے اور خود ویدوں کے ماننے والے اس سے بے خبر اور انکاری نہیں ہیں اور اگر کوئی ہم تک نہ پہنچ سکے اور نہ پنڈتوں سے دریافت کر سکے تو ہم اس کو صلاح دیتے ہیں کہ وہ رِگ وید کو جو دہلی سوسائٹی میں بکمال سعی و تحقیق چھپا ہے۔ ذرا نظر غور اور تدبر سے مطالعہ کرے اور پھر یہ بھی مناسب ہے کہ پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش اور وید بھاش کا بھی درشن کرے تا اُسے معلوم ہو کہ وید کیا شئے ہے اور اُس کی تعلیم کیسی ہے۔

بعض جاہل ہندو اور مسلمان اپنشدوں کو جو براہم پشتک ہیں اور صدہا سال ویدوں کے بعد لکھے

گئے ہیں وید ہی سمجھتے ہیں۔ جیسے داراشکوہ نے بعض اپنشدوں کا ترجمہ بھی کسی پنڈت سے لکھوا کر ایک رسالہ تالیف کیا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ یہ لوگ صریح غلطی پر ہیں۔ ویدوں اور اپنشدوں کے مضامین میں کچھ تعلق ہی نہیں بلکہ وہ خیالات جو اُپنشدوں میں درج ہیں صرف برہمنوں کے دلوں کی تراش خراش ہیں اور ان خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان وغیرہ مخلوق پرمیشر کے وجود کا ایک ٹکڑہ ہے اور اسی سے نکلتا ہے اور اُسی میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ صورت دخول اور خروج کی ہمیشہ بنتی رہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیالات برہمنوں نے ایک مدت کے بعد بدھ مذہب والوں سے لئے ہیں اور یہ اس زمانہ کے خیالات ہیں کہ جب برہمن لوگ وید کی تعلیم سے بیزار ہو چکے تھے اور ان کا منشا تھا کہ بجائے تعلیم وید کے ان خیالات کو جو اُپنشدوں میں درج ہیں شائع کیا جائے۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی برہمن وید کے دیوتاؤں سے الگ نہیں ہوئے اور اُن کی پرستش سے کنارہ نہیں کیا بلکہ صدہا طرح کی اور اور مشرکانہ باتیں حاشیہ کے طور پر چڑھا دیں۔ اور کئی طرح کے جھوٹے قصے اور کتھا اور کہانیاں برمہا اور بشن اور مہادیو اور اِندر وغیرہ کے بارہ میں لکھ ڈالیں اور کئی پشتک اپنی طرف سے تالیف کر کے یہ مشہور کرنا چاہا کہ یہ بھی وید رنک یعنی وید کی خبریں ہیں۔ چنانچہ انہیں میں سے وہ اُپنشدیں بھی ہیں جن کا بعض ناواقف مسلمانوں نے ترجمہ بھی کیا تھا اور اپنی اوپری واقفیت سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہی وید ہیں۔ مگر اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ کوئی امر مشتبہ نہیں رہ سکتا۔ وہی وید جو برہمنوں کے تہہ خانوں میں چُھپے ہوئے تھے اب کتب فروشوں کی دوکانوں پر چَھپے ہوئے رکھے ہیں۔ اس مقام پر ہم بڑے افسوس سے لکھتے ہیں کہ مرزا جان جاناں صاحب نے کہ جو نقشبندی فقیروں میں سے ایک نامی اور مشہور بزرگوار ہیں خواہ نخواہ دخل در معقولات دے کر کے ویدوں کے بارہ میں ایک مکتوب کسی اپنے مرید کے نام لکھا ہے اور اس میں ویدوں کی تعریف کی ہے کہ وہ شرک اور مخلوق پرستی سے پاک ہیں اور توحید کی تعلیم ان میں بھری ہوئی ہے۔ اب جب ہم ایک طرف ویدوں کی مشرکانہ تعلیم اور ملحدانہ عقائد کو بچشم سر دیکھتے ہیں اور پندرہ کروڑ ہندوؤں کو اُس میں مبتلا پاتے ہیں اور دوسری طرف مرزا صاحب کا یہ مکتوب پڑھتے ہیں جس کو انہوں نے نہایت سادہ دلی اور لاعلمی سے لکھا ہے تو ہم بجز اس کے کہ حضرت مرزا صاحب کے حق میں دعاءِ مغفرت چاہیں اور خدا تعالیٰ سے اُن کی خطا کی معافی چاہیں اور کسی طرح سے اُن کے کلام پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ مرزا صاحب نے نہایت

بے جا اور نا مناسب کام کیا کہ بے خبر محض ہونے کی حالت میں وید دانی کا بھی دعویٰ کر بیٹھے۔ اُن کے لئے یہی بہت فخر کی بات تھی کہ وہ اپنے فقیرانہ اَشغال واَذکار میں مشغول رہتے اور جس کوچہ میں ایک ذرّہ بھی اُن کی رسائی نہیں تھی اس کی نامعلوم خبریں لوگوں کو نہ بتلاتے۔ پھر مرزا صاحب اپنے مکتوبات میں یہ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کا وید چار دفتر میں ہے جو احکام امرونہی واخبار ماضیہ مستقبلہ پر مشتمل ہے اور یہ وید بذریعہ ایک فرشتہ کے جس کا نام برہما تھا آغاز ایجاد عالم میں ہندوؤں کو پہنچا ہے۔ اُسی وید میں سے اُن کے پُران اور شاستر نکالے گئے ہیں اس وید میں بلحاظ عمر طولانی عالم کے چار طور کی مختلف ہدایت رکھی گئی ہیں جن میں سے بعض ہدایتیں ست جگ کے مناسب حال ہیں اور بعض ہدایتیں کل جگ کے مناسبِ حال ہیں اور ہندو اگرچہ مختلف فرقے ہیں مگر وہ سب کے سب توحید باری پر اتفاق رکھتے ہیں اور عالم کو مخلوق سمجھتے ہیں اور روز حشر کے قائل ہیں اور معارف اور مکاشفات میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں اور اُن کے بُت پرست حقیقت میں بُت پرست نہیں ہیں بلکہ وہ بعض ملائکہ کو جو بِاَمرِ الٰہی عالم کون وفساد میں تصرف رکھتے ہیں یا بعض کاملین کی ارواح کو جن کا تصرف بعد گذر جانے کے اس نشأ دنیا سے باقی ہے یا بعض زندوں کو جو اُن کے زُعم میں خضر کی طرح ہمیشہ زندہ رہتے ہیں قبلہ توجہ کر لیتے ہیں۔ یعنی صوفیہ اسلامیہ کی طرح اُن کی خیالی صورتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسے صوفیہ اسلامیہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں اور اُس سے فیض اُٹھاتے ہیں مگر صرف اتنا فرق ہے کہ اسلامی صوفی ظاہر میں کوئی تصویر شیخ کی اپنے آگے نہیں رکھتے اور یہ لوگ رکھ لیتے ہیں۔ سو اُن کی یہ صورتِ عبادت کفّارِ عرب کی بُت پرستی سے مشابہ نہیں کیونکہ کفّارِ عرب اپنے بتوں کو متصرف و مؤثر بالذّات مانتے تھے اور اُن کو خدائے زمین سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ کو خدائے آسمان مانتے تھے۔ اسی طرح ہندو لوگ جو اُن تصویروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ سجدہ بھی سجدہ عبادت نہیں بلکہ سجدہ تحیّت ہے۔ اُن کی شرع میں باپ اور پیر اور اُستاد کے لئے بجائے سلام کے بھی سجدہ مرسوم اور معمول ہے۔ انتہیٰ۔

اب مرزا صاحب نے اپنے اس بیان میں جس قدر غلطیاں کی ہیں اور دھوکے کھائے ہیں اور خلاف واقعہ لکھا ہے، ہم کس کس کی اصلاح کریں۔ مرزا صاحب نے صرف کسی نادان ہندو کی زبانی سن کر بغیر اپنی ذاتی تحقیق کے یہ خس وخاشاک غلطیوں کا اس خط میں بھر دیا ہے۔ نہ معلوم کہ اُنہوں

نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ ہندوؤں کے یہی خیالات اور عقائد ہیں یا جواُن کے محقّقوں نے اپنی معتبر کتابوں میں لکھے ہیں۔ کیونکہ اوّل مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ وید کے چار دفتر ہیں۔ سو مرزا صاحب کی پہلی غلطی یہی ہے کہ وید کو ایک کتاب قرار دے کر اُس کے چار دفتر خیال کرتے ہیں بلکہ حق بات جس کا ثبوت ایک امر بدیہی کی طرح حال کے زمانہ میں کھل گیا ہے یہ ہے کہ وید کے مجموعے چار کتابیں ہیں جو چار مختلف زمانوں میں کئی لوگوں نے اُن کو بنایا ہے۔ چنانچہ چوتھا وید جو اتھرون سے موسوم ہے اُس کی نسبت اکثر ہندوؤں کی یہی رائے ہے کہ وہ پیچھے سے ویدوں کے ساتھ ملایا گیا ہے اور کسی برہمن نے اُس کو لکھا ہے اور اُس کے سوا جو تین وید ہیں وہ الگ الگ کتابیں ہیں جن کو الگ الگ رشیوں نے جمع کیا ہے اور ہندوؤں کے محقّقوں کے نزدیک برہما کچھ چیز نہیں ہے بلکہ وید اگنی اور وایو اور سورج پر اُترے ہیں اور محقق ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ جو اٹھارہ پُران اور شاستر وغیرہ اُپنشدیں ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ وید کے مضمون سے بہت مخالفت رکھتے ہیں اور بہت سے اور مضامین اُن کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو وید میں نہیں ہیں۔ مثلاً یہی خیال کہ چاروں وید برہما کے چاروں مُکھ سے نکلے ہیں۔ اس کا کوئی اصل صحیح وید میں نہیں پایا جاتا۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ دنیا کا کوئی خالق ہے وید کی رُو سے بڑا گناہ اور پاپ کی بات ہے بلکہ وید کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ دنیا خود بخود قدیم سے ایسی ہی چلی آتی ہے۔ جیسا پرمیشر چلا آتا ہے اور پرمیشر کے وجود سے دنیا کے وجود کو کسی قسم کا فیض نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ اگر پرمیشر کا مرنا بھی فرض کر لیا جائے تو دنیا کا اس میں کچھ بھی حرج نہیں۔ اور ایسا ہی ہندوؤں کے محقق یہ بھی کہتے ہیں کہ حشر اجساد کچھ چیز نہیں اور وید پر عمل کرنے سے ہرگز کسی کا گناہ عفو نہیں ہوسکتا اور نہ توبہ واستغفار کچھ کام آتی ہے۔ بلکہ ایک گناہ کے عوض میں ہر ایک شخص کو چوراسی لاکھ جون سزا میں بھگتنی پڑے گی۔ اُن کا یہ بھی قول ہے کہ وید اخبار ماضیہ اور مستقبلہ سے بکلّی خالی ہے اور کوئی امر خارقِ عادت جو نبیوں سے ظہور میں آتا ہے اس میں درج نہیں اور مکاشفات کا ذکر تک نہیں۔ اور اُن کے نزدیک مکاشفات اور خوارق اور پیشگوئیاں اور اخبار غیبیہ از قبیل محالات ہیں جن کا وجود ہرگز ممکن نہیں۔ اور جن لوگوں پر وید نازل ہوا وہ لوگ ان باتوں سے بکلّی محروم تھے اور وید کی رُو سے ان باتوں کا ظہور میں آنا قطعی طور پر ناجائز اور غیر ممکن ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ہندوؤں کے محقق تو اپنے وید کو اخبار ماضیہ اور مستقبلہ سے

بکلّی عاری اور مکاشفات سے بکلّی بے نصیب اور خدا تعالیٰ کی خالقیت اور حشر اجساد سے بکلّی انکاری قرار دیتے ہیں اور مرزا صاحب ایک قدم آگے بڑھ کر ہندوؤں کے ویدوں کی نسبت اُن سب چیزوں کو مانتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ بقول شخصے کہ مدعی سُست اور گواہ چست۔ کیا نالائق غلو مرزا صاحب کے بیان میں پایا جاتا ہے جس پر آج کل کے محقق اطلاع پاویں تو مرزا صاحب کو ایک غایت درجہ کا سادہ لوح قرار دیں اور اُن کی باتوں پر قہقہہ مار کر ہنسیں۔ پھر دیکھنا چاہئے کہ مرزا صاحب اپنے اسی مکتوب میں ہندوؤں کو بُت پرستی سے بھی بری قرار دینا چاہتے ہیں۔ یہ کس قدر بے خبری اور لاعلمی مرزا صاحب کی ہے کہ ہندوستان میں پرورش پا کر ہندوؤں کے عقائد سے کس قدر بے خبر اور غافل ہیں۔ اُنہیں معلوم نہیں کہ ہندو تو عرب کے بُت پرستوں سے اپنے شرک میں کئی درجہ بڑھ کر ہیں کیونکہ عرب کے بُت پرست اگرچہ اپنی مرادیں بتوں سے مانگتے تھے مگر اُن کا یہ قول ہرگز نہ تھا کہ دنیا کے خالق و مالک وہی دیوتا ہیں جن کی تصویریں اور مورتیں پتھر یا دھات وغیرہ سے متشکل کر کے پوجی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کا اصول جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ پرمیشر دنیا کا خالق نہیں ہے بلکہ اُن کے دیوتا دنیا کے خالق ہیں اور اُنہیں سے مرادیں مانگنی چاہئیں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ ہندو انہیں بتوں سے مرادیں مانگنے میں بڑے سرگرم ہیں۔ مرزا صاحب نے شاید کسی تہہ خانہ میں پرورش پائی ہوگی کہ اُن کو اپنی مدت العمر تک یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ ہندو اپنے پُرانے بُت خانوں کے درشن کے لئے کس جوش اور خروش میں جایا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ وغیرہ بُت خانوں کے بڑے بڑے بتوں کے راضی اور خوش کرنے کیلئے بعض بعض ہندو اپنی زبانیں بھی کاٹ کر چڑھا دیتے ہیں اور گنگا مائی کے درشن کرنے والے جو ہر سال ہزارہا جاتے ہیں اور پکار پکار کر مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ بات بھی مرزا صاحب سے چھپی رہی اور اسی طرح وہ صدہا کتابیں ہندوؤں کی جنہوں نے خود اپنی بُت پرستی کا اقرار کیا ہے اور اپنے دیوتاؤں اور بتوں سے مرادیں مانگنے کے طریق لکھے ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی کتاب مرزا صاحب کی نظر میں گزر جاتی تو میں خیال کرتا ہوں کہ مرزا صاحب موصوف بہت ہی شرمندہ ہوتے۔ مگر بالآخر مجھ کو یہ خیال آتا ہے کہ غالباً یہ مکتوب کسی اور شخص نے لکھ کر مرزا صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ یہ بات عام طور پر چلی آتی ہے کہ اکثر اہل غرض اپنی تحریروں کو بعض اکابر کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں

تا اُن کی مقبولیت کی وجہ سے وہ تحریریں بلا عذر قبول کی جائیں۔ بہرحال اب ہم اس خط کو دعا پر ختم کرتے ہیں اور مرزا صاحب کے معتقدین کو برادرانہ نصیحت دیتے ہیں کہ وہ ایسے خیالات دور از صداقت و دیانت مرزا صاحب کی طرف منسوب نہ کریں۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ[1] وصلّ علی نبیک وحَبِیبک محمّدٍ وآلہٖ وسلّم وتوفّنا فی امتہٖ وابعثنا فی امتہٖ واٰتنا ما وعدت لِاُمتہٖ۔ ربنا اننا اٰمنّا فاکتبنا فی عبادک المومنین ۔ وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ[2] ☆ خاکسار

غلام احمد۔ از قادیان

بتاریخ ہشتم ماہ رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲؍ جون ۱۸۸۵ء

مکتوب نمبر ۵۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از خاکسار غلام احمد باخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلّمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط آں مخدوم پہنچا۔ یہ عاجز بباعث دردِ سر و درد پہلو اس قدر بیمار رہا کہ بعض اوقات یہ عارضہ مقدمہ موت جو ہر یک بشر کیلئے ضروری ہے معلوم ہوتا تھا۔ اب افاقہ ہے مگر کچھ درد باقی ہے۔ اسی وجہ سے تحریر جواب سے معذور رہا۔ آپ کا خط جو استفسار اختلافات نماز میں ہے وہ بھی اس عاجز کے پاس رکھا ہے مگر کیا کِیا جائے صحت پر موقوف ہے۔ بمبئی والے سوداگر کی بدمعاملگی ایک ابتلاء ہے اس میں صبر بہتر ہے۔ مقدمہ سازی و مقدمہ بازی دنیاداروں کا کام ہے جس کو خداتعالیٰ نے بصیرت بخشی ہے وہ سب امور خداتعالیٰ کی طرف سے دیکھتا ہے۔ سو اس میں حضرت خداوند کریم کی کچھ حکمت ہے۔ آپ صبر کریں اور خداتعالیٰ پر توکّل رکھیں۔ اور جو کچھ حالت عسر و تنگدستی درپیش ہے۔ یہ بھی ابتلا ہے۔ ایسے وقتوں میں مردانِ خدا اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دعا اور استغفار اور

---

[1] الحشر :۱۱ [2] اٰلِ عمران :۸۶

☆ اخبار الحکم نمبر ۶ جلد ۵۔ ۱۷؍ فروری ۱۹۰۱ء و اخبار الحکم نمبر ۷ جلد ۵۔ ۲۴؍ فروری ۱۹۰۱ء

تضرع سے استقامت و مشکل کشائی چاہتے ہیں اور حضرت ارحم الراحمین عزّ اسمہٗ وقادر کریم ورحیم ہے۔ جب بندہ عاجز اپنے کرب اور قلق کے وقت میں ہر یک طرف سے قطع امید کر کے اُس کے دروازہ پر گرتا ہے اور پورے پورے رجوع سے دعا کرتا ہے اور دعا کرنے سے تھکتا نہیں تو خدا تعالیٰ اُس پر رحم فرماتا ہے اور اس کو مخلصی بخشتا ہے۔ تب اُس کو دو لذتیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے کرب و قلق سے نجات پاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دعا کے قبول ہونے میں جو ایک لذت ہے۔ اس سے بھی وہ متمتع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت کریم ورحیم ہے جب بندہ یقین کامل (سے) اپنے دردوں اور تکلیفوں کے وقت میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو ضرور وہ اُس کی سنتا ہے۔ اس عاجز کو اس بات سے افسوس ہے کہ آپ کے چند خطوط جو علوم دین کے استفسار میں تھے۔ ان کا جواب مجھ سے نہیں لکھا گیا اور اب ضعف دماغ و دردسر کا یہ حال ہے کہ جو کچھ کھایا جاتا ہے۔ اُس کی تبخیر ہو کر درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس بات کی ابھی تسلی نہیں کہ عمر کا کیا حال ہے۔ بعض عوارض لاحقہ میں اندیشہ موت کا پیدا ہو جاتا ہے۔ کام کتاب کا ہنوز شروع نہیں کیا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے گا تو یہ کتاب پوری ہو جائے گی۔

۲۴؍جون ۱۸۸۵ء مطابق ۱۰؍رمضان ۱۳۰۲ھ

مکتوب نمبر ۵۸

میر عباس علی کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خبر واقعہ وفات لختِ جگر آں مخدوم سے حزن واندوہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ مومن کو اس بے ثبات گھر اور ناپائیدار جگہ میں ابتلا سے چارہ نہیں۔ یہی عادت اللہ انبیاء و رُسُل اور صدیقوں کے ساتھ جاری ہے جس کو اس دنیا میں رنج نہیں پہنچتا۔ اس کا قدر و منزلت جنابِ الٰہی میں کچھ نہیں۔

(۵؍اپریل ۱۸۸۶ء) ☆

☆ الحکم ۱۰؍جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۲

۞ مکتوب نمبر۵۹

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اللہ جلّ شانہٗ آپ کے گھر کے لوگوں کو اور آپ کو صبر بخشے۔ دنیا مقام مصائب وشدائد ہے۔ ایک حدیث صحیح میں ہے کہ جس پر کوئی بھی مصیبت نازل نہیں ہوئی اِس کا نجات پانا بہت مشکل ہے اگرچہ پیغمبر زادہ ہو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب مصیبت زدوں کو اجر دیئے جاویں گے تو لوگ حسرت کریں گے کہ کاش ہمارے بدن دنیا میں مقراضوں سے کاٹے جاتے تا ہم آج اُس کا اجر پاتے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس مومن کے دل پر کسی سخت موت کا داغ ہو اور اُس نے صبر کیا ہو تو خدا تعالیٰ اسے دو اجر دے گا ایک دنیا میں، ایک آخرت میں۔ غرض مومن کو مصائب سے چارہ نہیں ہے خدا تعالیٰ جس مومن سے پیار کرتا ہے اُس کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ فرزند متوفی فَرَط ہے یعنی پیش خیمہ ہے اور اپنے والدین کے لئے بہشت میں جا کر سامان تیار کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ صبر بخشے تا اُس کا ثواب مترتب ہووے۔ مصیبت پر از حد بے صبری کرنا کوتہ نظری ہے۔ دنیا کا معاملہ خود چند روزہ ہے۔ قضا وقدر کی لڑائی گرم ہے ہر ایک کے سر پر تقدیر کھڑی ہے۔ پھر کیوں ثواب کو ضائع کیا جاوے۔☆

(۳؍مئی ۱۸۸۶ء)

☆ الحکم ۱۰؍جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۲

میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے بعد کے حالات

یہ مجموعہ مکتوبات احمد یہ کی پہلی جلد ہے اور یہاں ختم ہوتی ہے لیکن میں اس کو نا تمام سمجھوں گا اگر میر عباس علی شاہ صاحب کے بعد کے واقعات اور حالات کا یہاں ذکر نہ کروں۔ (عرفانی)

میر عباس علی شاہ صاحب لودہانہ کے رہنے والے تھے اور حضرت اقدس علیہ السلام کی تالیف براہین احمد یہ کے زمانہ میں ایک مخلص مددگار تھے۔ مسیح موعود کے دعویٰ کے وقت اُنہیں ابتلا آیا اور اسی ابتلاء میں اُن کا خاتمہ ہوا۔ اُنہوں نے اپنی مخالفت کا اظہار بذریعہ اشتہار بھی کیا اور حضرت حجۃ اللہ نے نہایت رفق و ملائمت سے اُن کو جواب بھی دیا مگر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ارادہ کر لیا تھا اُن کا خاتمہ انکار پر ہوا۔ اس معاملہ میں مَیں زیادہ کچھ بھی لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں ناظرین کو اسی مجموعہ مکتوبات کے مکتوب نمبر ۳۴ اور ۴۰ پر خصوصیت سے توجہ کرنے کی صلاح دیتا ہوں۔ وہ ان مکتوبات کو پڑھیں گے تو اُنہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت حجۃ اللہ نے پہلے سے پیشگوئی کی تھی۔ بہر حال میں حضرت اقدس علیہ السلام کی اس کے بعد کی تحریریں عباس علی شاہ کے متعلق یہاں درج کر دیتا ہوں اور اس کے بعد اور کوئی تحریر ملی یا مکتوبات ملے۔ جو میر عباس علی ہی کے نام ہوں وہ بطور تتمہ اس جلد کے چھاپ دیئے جاویں گے (بہر حال وہ تحریریں یہ ہیں)

’’(۹) حبی فی اللہ میر عباس علی لودہانوی۔ یہ میرے وہ اوّل دوست ہیں۔ جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیف سفر اُٹھا کر ابرار اخیار کی سنّت پر بقدم تجرید محض للہ قادیان میں میرے ملنے کے لئے آئے۔ وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی بھول نہیں سکتا کہ بڑے سچے جوشوں کے ساتھ اُنہوں نے وفاداری دکھلائی اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اُٹھائیں اور قوم کے منہ سے ہر ایک قسم کی باتیں سنیں۔ میر صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور اُن کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو اُن کے حق میں الہام ہوا تھا۔ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ[1]

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۴۵

وہ اس مسافر خانہ میں محض متوکلانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے اوائل ایام میں وہ بیس برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر بباعث غربت و درویشی کے اُن کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ وہ انگریزی خوان بھی ہیں۔ لیکن دراصل وہ بڑے لائق اور مستقیم الاحوال اور دقیق الفہم ہیں۔ مگر بایں ہمہ سادہ بہت ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مُوَسْوِسِین کے وساوس اُن کے دل کو غم میں ڈال دیتے ہیں لیکن اُن کی قوتِ ایمانی جلد اُن کو دفع کر دیتی ہے‘‘۔

اس کے بعد مخالفت کے اظہار پر حضرت اقدسؑ نے مندرجہ ذیل مضمون لکھا:۔

مکتوب نمبر ۶۰
میر عباس علی صاحب لدہانوی

چوں بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

یہ میر صاحب وہی حضرت ہیں جن کا ذکر بالخیر مَیں نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۹۰ میں بیعت کرنے والوں کی جماعت میں لکھا ہے۔ افسوس کہ وہ بعض موسوسین کی وسوسہ اندازی سے سخت لغزش میں آ گئے بلکہ جماعت اعدا میں داخل ہو گئے۔ بعض لوگ تعجب کریں گے کہ اُن کی نسبت تو الہام ہوا تھا کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ[1] اس کا یہ جواب ہے کہ الہام کے صرف اس قدر معنی ہیں کہ اصل اُس کا ثابت ہے اور آسمان میں اُس کی شاخ ہے اس میں تصریح نہیں ہے کہ وہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے کس بات پر ثابت ہیں۔ بلا شُبہ یہ بات ماننے کے لائق ہے کہ انسان میں کوئی نہ کوئی فطرتی خوبی ہوتی ہے جس پر وہ ہمیشہ ثابت اور مستقل رہتا ہے اور اگر ایک کافر کفر سے اسلام کی طرف انتقال کرے تو وہ فطرتی خوبی ساتھ ہی لاتا ہے اور اگر پھر اسلام سے کفر کی طرف انتقال کرے تو اُس خوبی کو ساتھ ہی لے جاتا ہے کیونکہ فطرت اللہ اور خلق اللہ میں تبدّل اور تغیر نہیں۔ افراد نوعِ انسان مختلف طور کی کانوں کی طرح ہیں۔ کوئی سونے کی کان، کوئی چاندی کی کان، کوئی پیتل کی کان۔ پس اگر اس الہام میں میر صاحب کی کسی فطرتی خوبی کا ذکر ہو جو غیر متبدل ہو تو کچھ عجب نہیں

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۴۵

اور نہ کچھ اعتراض کی بات ہے۔ بِلا شبہ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہیں کفار میں بھی بعض فطرتی خوبیاں ہوتی ہیں اور بعض اخلاق فطرتاً اُن کو حاصل ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجسم ظلمت اور سراسر تاریکی میں کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کوئی فطرتی خوبی بجز حصول صراط مستقیم کے جس کا دوسرے لفظوں میں **اسلام** نام ہے۔ موجب نجات اُخروی نہیں ہوسکتی کیونکہ اعلیٰ درجہ کی خوبی ایمان اور خدا شناسی اور راست روی اور خدا ترسی ہے اگر وہی نہ ہوئی تو دوسری خوبیاں ہیچ ہیں۔ علاوہ اس کے یہ الہام اُس زمانہ کا ہے کہ جب میر صاحب میں ثابت قدمی موجود تھی۔ زبردست طاقت اخلاص کی پائی جاتی تھی اور اپنے دل میں وہ بھی یہی خیال رکھتے تھے کہ میں ایسا ہی ثابت رہوں گا۔ سو خدا تعالیٰ نے اُن کی اُس وقت کی حالت موجودہ کی خبر دے دی۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی تعلیماتِ وحی میں شائع متعارف ہے کہ وہ موجودہ حالت کے مطابق خبر دیتا ہے۔ کسی کے کافر ہونے کی حالت میں اُس کا نام کافر ہی رکھتا ہے اور اُس کے مومن اور ثابت قدم ہونے کی حالت میں اُس کا نام مومن اور مخلص اور ثابت قدم ہی رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں اس کے نمونے بہت ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ میر صاحب موصوف عرصہ دس سال تک بڑے اخلاص اور محبت اور ثابت قدمی سے اس عاجز کے مخلصوں میں شامل رہے اور خلوص کے جوش کی وجہ سے بیعت کے وقت نہ صرف آپ اُنہوں نے بیعت کی بلکہ اپنے دوسرے عزیزوں اور رفیقوں اور دوستوں اور متعلقوں کو بھی اس سلسلہ میں داخل کیا اور اس دس سال کے عرصہ میں جس قدر اُنہوں نے اخلاص اور ارادت سے بھرے ہوئے خط بھیجے۔ اُن کا اس وقت میں اندازہ بیان نہیں کرسکتا۔ لیکن دوسَو کے قریب اب بھی ایسے خطوط اُن کے موجود ہوں گے جن میں اُنہوں نے انتہائی درجہ کے عجز اور انکسار سے اپنے اخلاص اور ارادت کا بیان کیا ہے بلکہ بعض خطوط میں اپنی وہ خوابیں لکھی ہیں جن میں گویا روحانی طور پر اُن کو تصدیق ہوئی ہے کہ یہ عاجز من جانب اللہ ہے اور اس عاجز کے مخالف باطل پر ہیں اور نیز وہ اپنی خوابوں کی بنا پر اپنی معیت دائمی ظاہر کرتے ہیں کہ گویا وہ اس جہان اور اُس جہان میں ہمارے ساتھ ہیں۔ ایسا ہی لوگوں میں بکثرت اُنہوں نے یہ خوابیں مشہور کی ہیں اور اپنے مریدوں اور مخلصوں کو بتلائیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے اس قدر جوش سے اپنا اخلاص ظاہر کیا ایسے شخص کی حالت موجودہ کی نسبت اگر خدا تعالیٰ کا الہام ہو کہ یہ شخص اس وقت

ثابت قدم ہے، متزلزل نہیں تو کیا اس الہام کو خلاف واقعہ کہا جائے گا۔ بہت سے الہامات صرف موجودہ حالات کے آئینہ ہوتے ہیں۔ عواقب امور سے اُن کو کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نیز یہ بات بھی ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اُس کے سوء خاتمہ پر حکم نہیں کر سکتے کیونکہ انسان کا دل اللہ جلّ شانہٗ کے قبضہ میں ہے۔ میر صاحب تو میر صاحب ہیں اگر وہ چاہے تو دنیا کے ایک بڑے سنگدل اور مختوم القلب آدمی کو ایک دم میں حق کی طرف پھیر سکتا ہے۔ غرض یہ الہام حال پر دلالت کرتا ہے۔ مآل پر ضروری طور پر اُس کی دلالت نہیں ہے اور مآل ابھی ظاہر بھی نہیں ہے۔ بہتوں نے راستبازوں کو چھوڑ دیا اور پکے دشمن بن گئے مگر بعد میں پھر کوئی کرشمہ قدرت دیکھ کر پشیمان ہوئے اور زار زار روئے اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور رجوع لائے۔ انسان کا دل خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اُس حکیم مطلق کی آزمائشیں ہمیشہ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ سو میر صاحب اپنی کسی پوشیدہ خامی اور نقص کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور پھر اس ابتلا کے اثر سے جوش ارادت کے عوض میں قبض پیدا ہوئی اور پھر قبض سے خشکی اور اجنبیت اور اجنبیت سے ترکِ ادب اور ترک ادب سے ختم علی القلب اور **خَتَمَ عَلَى الْقَلْبِ** سے جہری عداوت اور ارادہ تحقیر واستحقاق[1] وتوہین پیدا ہو گیا۔ عبرت کی جگہ ہے کہ کہاں سے کہاں پہنچے۔ کیا کسی کے وہم یا خیال میں تھا کہ میر عباس علی کا یہ حال ہوگا۔ مالک الملک جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرے دوستوں کو چاہئے کہ اُن کے حق میں دعا کریں اور اپنے بھائی فرو ماندہ اور درگذشتہ کو اپنی ہمدردی سے محروم نہ رکھیں اور میں بھی انشاء اللہ الکریم دعا کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ اُن کے چند خطوط بطور نمونہ اس رسالہ میں نقل کر کے لوگوں پر ظاہر کروں کہ میر عباس علی کا اخلاص کس درجہ پر پہنچا تھا اور کس طور کی خوابیں وہ ہمیشہ ظاہر کیا کرتے تھے اور کن انکساری الفاظ اور تعظیم کے الفاظ سے وہ خط لکھتے تھے لیکن افسوس کہ اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ انشاء اللہ القدیر کسی دوسرے وقت میں حسبِ ضرورت ظاہر کیا جائے گا۔ یہ انسان کے تغیرات کا ایک نمونہ ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر ہر وقت عظمت اور ہیبت سچی ارادت کی طاری رہتی تھی اور اپنے خطوط میں اس عاجز کی نسبت **خلیفة اللّٰہ فی الارض** لکھا کرتا تھا۔ آج اس کی کیا حالت ہے۔ پس خدا تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ وہ محض اپنے فضل سے تمہارے دلوں کو حق پر قائم رکھے اور لغزش سے بچاوے۔ اپنی

[1] نقل مطابق اصل۔ لیکن یہاں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے صحیح لفظ استخفاف ہے۔ واللہ اعلم

استقامتوں پر بھروسہ مت کرو۔ کیا استقامت میں فاروق رضی اللہ عنہ سے کوئی بڑھ کر ہوگا؟ جن کو ایک ساعت کے لئے ابتلا پیش آ گیا تھا اور اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اُن کو نہ تھامتا تو خدا جانے کیا حالت ہو جاتی۔ مجھے اگرچہ میر عباس علی صاحب کی لغزش سے رنج بہت ہوا۔ لیکن پھر میں دیکھتا ہوں کہ جب کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نمونہ پر آیا ہوں تو یہ بھی ضرور تھا کہ میرے بعض مدعیان اخلاص کے واقعات میں بھی وہ نمونہ ظاہر ہوتا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض خاص دوست جو اُن کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے جن کی تعریف میں وحی الٰہی بھی نازل ہوگئی تھی۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام سے منحرف ہوگئے تھے۔ یہودا اسکریوطی کیسا گہرا دوست حضرت مسیح کا تھا جو اکثر ایک ہی پیالہ میں حضرت مسیح کے ساتھ کھاتا اور بڑے پیار کا دَم مارتا تھا۔ جس کو بہشت کے بارہویں تخت کی خوشخبری بھی دی گئی تھی اور میاں پطرس کیسے بزرگ حواری تھے جن کی نسبت حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ آسمان کی کنجیاں اُن کے ہاتھ میں ہیں، جن کو چاہیں بہشت میں داخل کریں اور جن کو چاہیں نہ کریں۔ لیکن آخر میاں صاحب موصوف نے جو کرتوت دکھلائی وہ انجیل پڑھنے والوں پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے سامنے کھڑے ہو کر اور اُن کی طرف اشارہ کر کے نعوذ باللہ بلند آواز سے کہا کہ میں اس شخص پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میر صاحب ابھی اس حد تک کہاں پہنچے ہیں۔ کل کی کس کو خبر ہے کہ کیا ہو۔ میر صاحب کی قسمت میں اگرچہ یہ لغزش مقدر تھی اور اصلها ثابت کی ضمیر تانیث بھی اُس کی طرف ایک اشارہ کر رہی تھی۔ لیکن بٹالوی صاحب کی وسوسہ اندازی نے اور بھی میر صاحب کی حالت کو لغزش میں ڈالا۔ میر صاحب ایک سادہ آدمی ہیں جن کو مسائل دقیقہ دین کی کچھ بھی خبر نہیں۔ حضرت بٹالوی وغیرہ نے مفسدانہ تحریکوں سے ان کو بھڑکا دیا کہ یہ دیکھو فلاں کلمہ عقیدہ اسلام کے برخلاف اور فلاں لفظ بے ادبی کا لفظ ہے۔ مَیں نے سنا ہے کہ شیخ بٹالوی اس عاجز کے مخلصوں کی نسبت قسم کھا چکے ہیں کہ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ [1] اور اس قدر غلو ہے کہ شیخ نجدی کا استثناء بھی اُن کی کلام میں نہیں پایا جاتا۔ تا صالحین کو باہر رکھ لیتے اگرچہ وہ بعض روگردان ارادت مندوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں مگر اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ٹہنی کے خشک ہو جانے سے سارا باغ برباد نہیں ہو سکتا۔ جس ٹہنی کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے خشک کر دیتا ہے اور کاٹ دیتا ہے اور اس کی جگہ اور ٹہنیاں پھلوں

[1] الحجر : ۴۰

اور پھولوں سے لدی ہوئی پیدا کر دیتا ہے۔ بٹالوی صاحب یاد رکھیں کہ اگر اس جماعت سے ایک نکل جائے گا تو خدا تعالیٰ اُس کی جگہ بیس لائے گا۔ اور اس آیت پر غور کریں۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔[۱]

بالآخر ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ میر عباس علی صاحب نے ۱۲؍ دسمبر ۱۸۹۱ء میں مخالفانہ طور پر ایک اشتہار بھی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ سو اُن الفاظ سے تو ہمیں کچھ غرض نہیں۔ جب دل بگڑتا ہے تو زبان ساتھ ہی بگڑ جاتی ہے لیکن اُس اشتہار کی تین باتوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ میر صاحب کے دل میں دہلی کے مباحثات کا حال خلاف واقعہ جم گیا ہے سو اُس وسوسہ کے دور کرنے کیلئے میرا یہی اشتہار کافی ہے بشرطیکہ میر صاحب اس کو غور سے پڑھیں۔

دوم: یہ کہ میر صاحب کے دل میں سراسر فاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری آدمی ہوں۔ معجزات کا منکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعی اور انبیا علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے منہ پھیرنے والا۔ سو ان اوہام کے دور کرنے کے لئے میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنقریب میری طرف سے اس بارہ میں رسالہ مستقلہ شائع ہوگا۔ اگر میر صاحب توجہ سے اس رسالہ کو دیکھیں گے تو بشرط توفیق ازلی اپنی بے بنیاد اور بے اصل بدظنیوں سے سخت ندامت اُٹھائیں گے۔

سوئم: یہ کہ میر صاحب نے اپنے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ گویا اُن کو رسول نمائی کی طاقت ہے۔ چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ ہم دونوں کسی ایک مسجد میں بیٹھ جائیں اور پھر یا تو مجھ کو رسول کریمؐ کی زیارت کرا کر اپنے دعاوی کی تصدیق کرادی جائے اور یا میں زیارت کرا کر اس بارہ میں فیصلہ کرادونگا۔ میر صاحب کی اس تحریر نے نہ صرف مجھے ہی تعجب میں ڈالا بلکہ ہر ایک واقفِ حال سخت متعجب ہو رہا ہے کہ اگر میر صاحب میں یہ قدرت اور کمال حاصل تھا کہ جب چاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] المائدہ: ۵۵

کو دیکھ لیں اور باتیں پوچھ لیں بلکہ دوسروں کو بھی دکھلا دیں تو پھر انہوں نے اس عاجز سے بدوں تصدیق نبوی کے کیوں بیعت کر لی اور کیوں دس سال تک برابر خلوص نماؤں کے گروہ میں رہے۔ تعجب کہ ایک دفعہ بھی رسول کریم اُن کی خواب میں نہ آئے اور ان پر ظاہر نہ کیا کہ اس کذّاب اور مکّار اور بے دین سے کیوں بیعت کرتا ہے اور کیوں اپنے تئیں گمراہی میں پھنساتا ہے۔ کیا کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کو یہ اقتدار حاصل ہے کہ بات بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں چلا جاوے اور اُن کے فرمودہ کے مطابق کاربند ہو اور اُن سے صلاح مشورہ لے لے۔ وہ دس برس تک برابر ایک کذّاب اور فریبی کے پنجہ میں پھنسا رہے اور ایسے شخص کا مرید ہو جاوے جو اللہ اور رسول کا دشمن اور آنحضرت کی تحقیر کرنے والا اور **تحت الثریٰ** میں گرنے والا ہو۔ زیادہ تر تعجب کا مقام یہ ہے کہ میر صاحب کے بعض دوست بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بعض خوابیں ہمارے پاس بیان کی تھیں اور کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت نے اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ وہ شخص واقعی طور پر خلیفۃ اللہ اور مجدّدِ دین ہے اور اسی قسم کے بعض خط جن میں خوابوں کا بیان اور تصدیق اس عاجز کے دعویٰ کی تھی میر صاحب نے اس عاجز کو بھی لکھے۔ اب ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ اگر میر صاحب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھ سکتے ہیں تو جو کچھ اُنہوں نے پہلے دیکھا وہ بہرحال اعتبار کے لائق ہوگا اور اگر وہ خوابیں اُن کی اعتبار کے لائق نہیں اور اضغاث احلام میں داخل ہیں۔ تو ایسی خوابیں آئندہ بھی قابلِ اعتبار نہیں ٹھہر سکتیں۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ رسول نمائی کا قادرانہ دعویٰ کس قدر فضول بات ہے۔ حدیث صحیح سے ظاہر ہے کہ تمثّل شیطان سے وہی خواب رسول بینی کی مبرا ہو سکتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حلیہ پر دیکھا گیا ہو۔ ورنہ شیطان کا تمثّل انبیاء کے پیرایہ میں نہ صرف جائز بلکہ واقعات میں سے ہے اور شیطانِ لعین تو خدا تعالیٰ کا تمثّل اور اُس کے عرش کی تجلّی دکھلا دیتا ہے۔ پھر انبیاء کا تمثّل اُس پر کیا مشکل ہے۔ اب جب کہ یہ بات ہے تو فرض کے طور پر اگر مان لیں کہ کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو اس بات پر کیونکر مطمئن ہوں کہ وہ زیارت درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کو ٹھیک ٹھیک حُلیۂ نبوی پر اطلاع نہیں اور غیر حُلیہ پر

تمثل شیطان جائز ہے۔پس اس زمانہ کے لوگوں کے لئے زیارت حقّہ کی حقیقی علامت یہ ہے کہ اُس زیارت کے ساتھ بعض ایسے خوارق اور علاماتِ خاصہ بھی ہوں جن کی وجہ سے اُس رؤیا یا کشف کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کیا جائے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض بشارتیں پیش از وقوع بتلا دیں یا بعض قضا وقدر کے نزول کی باتیں پیش از وقوع مطلع کر دیں یا بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت اطلاع دے دیں یا قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے حقائق و معارف بتلا دیں جو پہلے قلمبند اور شائع نہیں ہو چکے تو بِلا شُبہ ایسی خواب صحیح سمجھی جاوے گی۔ ورنہ اگر ایک شخص دعویٰ کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری خواب میں آئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ فلاں شخص بیشک کافر اور دجّال ہے۔اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا شیطان کا یا خود اُس خواب بین نے چالاکی کی راہ سے یہ خواب اپنی طرف سے بنالی ہے۔سو اگر میر صاحب میں درحقیقت یہ قدرت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی خواب میں آجاتے ہیں تو ہم میر صاحب کو یہ تکلیف دینا نہیں چاہتے کہ وہ ضرور ہمیں دکھا دیں بلکہ وہ اگر اپنا ہی دیکھنا ثابت کر دیں اور علاماتِ اربعہ مذکورہ بالا کے ذریعہ سے اس بات کو بپایہ ثبوت پہنچا دیں کہ درحقیقت اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو ہم قبول کرلیں گے۔اور اگر اُنہیں مقابلہ کا ہی شوق ہے تو اُس سیدھے طور سے مقابلہ کریں جس کا ہم نے اس اشتہار میں ذکر کیا ہے۔ ہمیں بالفعل اُن کی رسول بینی میں ہی کلام ہے۔ چہ جائیکہ اُن کی رسول نمائی کے دعویٰ کو قبول کیا جائے۔ پہلا مرتبہ آزمائش کا تو یہی ہے کہ آیا میر صاحب رسول بینی کے دعویٰ میں صادق ہیں یا کاذب۔ اگر صادق ہیں تو پھر اپنی کوئی خواب یا کشف شائع کریں جس میں یہ بیان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے اپنی زیارت کی علامت فلاں فلاں پیشگوئی اور قبولیت دعا اور انکشاف حقائق و معارف کو بیان فرمایا۔ پھر بعد اس کے رسول نمائی کی دعوت کریں۔اور یہ عاجز حق کی تائید کی غرض سے اس بات کے لئے بھی حاضر ہے کہ میر صاحب رسول نمائی کا عجوبہ بھی دکھلا دیں۔ قادیان میں آجائیں۔ مسجد موجود ہے۔اُن کے آنے جانے اور خوراک کا تمام خرچ اس عاجز کے ذمہ ہوگا اور یہ عاجز تمام ناظرین پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ صرف لاف وگزاف

ہے اور کچھ نہیں دکھلا سکتے۔ اگر آئیں گے تو اپنی پردہ دری کرائیں گے۔ عقلمند سوچ سکتے ہیں کہ جس شخص نے بیعت کی۔ مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوا اور مدت دس سال سے اس عاجز کو خلیفۃ اللہ اور امام اور مجدد کہتا رہا اور اپنی خوابیں بتلاتا رہا کیا وہ اس دعویٰ میں صادق ہے؟ میر صاحب کی حالت نہایت قابلِ افسوس ہے خدا اُن پر رحم کرے۔ پیشگوئیوں کے منتظر رہیں جو ظاہر ہوں گی ازالہ اوہام کے صفحہ ۸۵۵ کو دیکھیں۔ ازالہ اوہام کے صفہ ۶۳۵ اور ۳۹۶ کو بغور مطالعہ کریں۔ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۷ء کی پیشگوئی کا انتظار کریں جس کے ساتھ یہ بھی الہام ہے۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ اَحَقٌّ ھُوَ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّہٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۔ زَوَّجْنَاکَھَا اور تجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہہ ہاں مجھے اپنے ربّ کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے کہ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا ہم نے خود اُس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا اور نشان دیکھ کر منہ پھیر لیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[1] کہیں گے کہ یہ کوئی پکا فریب یا پکّا جادو ہے''۔

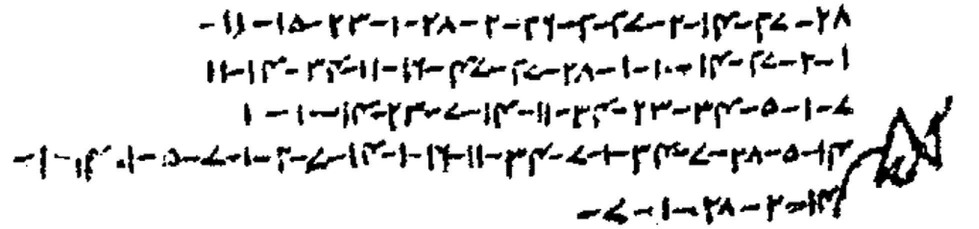

والسلام علی من فھم اسرارنا واتبع الھدٰی۔

الناصح المشفق

خاکسار غلام احمد قادیانی

۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۱ء

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۱۲۸ ☆ آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۴۳ تا ۳۵۰

آسمانی فیصلہ کے متعلق میر عباس علی کا ایک مکتوب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اس کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از جانب عباس علی۔ بخدمت مرزا غلام احمد قادیانی۔ عرض ہے کہ جواب فیصلہ آسمانی مندرجہ اشاعۃ السنۃ صفحہ ۱۵ جو ایک صوفی صاحب بالمقابل آپ سے بموجب آپ کے وعدے کے کرامت دیکھنے یا دکھلانے کی درخواست کرتے ہیں۔ بھیج کر التماس ہے کہ آپ کو اس میں جو کچھ منظور ہو تحریر فرماویں کہ اس کے موافق عملدرآمد کیا جاوے۔ اور مضمون صفحہ ۱۵ بغور ملاحظہ ہو کہ فریق ثانی آپ کے عاجز ہونے پر کام شروع کرے گا۔ (الراقم عباس علی از لودہانہ ۶؍مئی ۱۸۹۲ء)

الجواب

مکتوب نمبر ۶۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ والسّلام علٰی عبادہ الّذی اصطفٰے

اما بعد بخدمت میر عباس علی صاحب واضح ہو کہ آپ کا رقعہ پہنچا۔ آپ لکھتے ہیں جو ایک صوفی صاحب بالمقابل آپ سے بموجب آپ کے دعوے کے اشاعت السنۃ میں کرامت دیکھنے یا دکھلانے کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ کو اس میں جو کچھ منظور ہو تحریر فرماویں۔ فقط۔ اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ اگر درحقیقت کوئی صوفی صاحب اس عاجز کے مقابلہ پر اُٹھے ہیں اور جو کچھ فیصلہ آسمانی میں اس عاجز نے لکھا ہے اس کو قبول کر کے تصفیہ حق اور باطل کا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ چوروں کی طرح کارروائی نہ کریں۔ پردہ سے اپنا منہ باہر نکالیں اور مردمیدان بن کر ایک اشتہار دیں۔ اسی اشتہار میں بتصریح اپنا نام لکھیں اور اپنا دعویٰ بالمقابل ظاہر فرمائیں اور پھر اس طرز پر چلیں جس طرز پر اس عاجز نے فیصلہ آسمانی میں تصفیہ چاہا ہے۔ اور اگر وہ طرز منظور نہ ہو تو فریقین میں ثالث مقرر ہو جائیں۔ جو کچھ وہ ثالث حسب ہدایت اللہ اور رسول کے روحانی آزمائش کا طریق پیش کریں وہی منظور کیا جائے۔ چوروں اور نامردوں اور مخنثوں کی طرح

کارروائی کرنا کسی صوفی صافی کا کام نہیں ہے۔ جب کہ اس عاجز نے علانیہ اپنی طرف سے دو ہزار جِلد فیصلہ آسمانی کی چھپوا کر اسی غرض سے تقسیم کی ہے تا اگر اس فرقہ مکفرہ میں کوئی صوفی اور اہلِ صلاح موجود ہے تو میدان میں باہر آجائے۔ تو پھر بُرقع کے اندر بولنا کس بات پر دلالت کر رہا ہے۔ کیا یہ شخص مرد ہے یا عورت جو اپنے تئیں صوفی کے نام سے ظاہر کرتا ہے۔ کیا اس عاجز نے بھی اپنا نام لکھنے سے کنارہ کیا ہے۔ پھر جس حالت میں میری طرف سے مردانہ کارروائی ہے اور کھلے کھلے طور سے اپنا نام لکھا ہے تو یہ صوفی کیوں چھپتا پھرتا ہے۔ مناسب ہے کہ اُسی طرح مقابل پر اپنا نام لکھیں کہ میں ہوں فلاں ابن فلاں ساکن بلدہ فلاں۔ اور اگر ایسا نہ کریں گے تو منصف لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ کارروائی ان لوگوں کی دیانت اور انصاف اور حق طلبی سے بعید ہے۔ اب بالفعل اس سے زیادہ لکھنا ضرورت نہیں۔ جس وقت اس صوفی محجوب پردہ نشین کا چھپا ہوا اشتہار میری نظر سے گذرے گا۔ اس وقت اس کی درخواست کا مفصّل جواب دوں گا۔ ابھی تک میرے خیال میں ایسے صوفی اور عنقا میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ فقط۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدٰی

الراقم خاکسار **غلام احمد**

۷؍مئی ۱۸۹۲ء

مکرر یہ کہ ایک نقل اس کی چھپنے کے لئے اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ میں بھیجی گئی تا کہ یہ کارروائی مخفی نہ رہے۔ بالآخر یاد رہے کہ اگر اس رقعہ کے چھپنے اور شائع ہونے کے بعد کوئی صوفی صاحب میدان میں نہ آئے اور بالمقابل کھڑے نہ ہوئے اور مرد میدان بن کر بتصریح اپنے نام کے اشتہار شائع نہ کئے تو سمجھا جائے گا کہ دراصل کوئی صوفی نہیں صرف شیخ بٹالوی کی ایک مفتریانہ کارروائی ہے۔ فقط

جواب الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ بخدمت میرزا غلام احمد صاحب۔ سلام مسنون۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷؍مئی میرے نیاز نامہ کے جواب میں وارد ہوا۔ اُسے اوّل سے آخر تک پڑھ کر سخت افسوس ہوا کہ آپ نے دانستہ ٹلانے کے واسطے سوال از آسمان جواب از ریسمان کے موافق عمل کر کے بچنا

چاہا ہے۔اصل مطلب تو آپ نے چھوڑ دیا۔یعنی آزمائش کے واسطے وقت اور مقام مقرر نہیں کیا بلکہ پھر آپ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق کاغذی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ جناب من! جس طرح آپ نے فیصلہ آسمانی میں چھاپا تھا۔اسی طرح اشاعت السنۃ میں ان صوفی صاحب نے جواب تُرکی بہ تُرکی شائع کر دیا ہے۔آپ کو تو غیرت کر کے بلاتحریک دیگرے خود ہی طیار ہو جانا چاہیے تھا۔ برعکس اس کے تحریک کرنے پر بھی آپ بہانہ کرتے ہیں اور ٹلاتے ہیں۔صوفی صاحب نے خود قصداً اپنا نام پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کیا۔ ناحق آپ نے کلمات گستاخانہ صوفی صاحب کی نسبت لکھ کر ارتکاب عصیان کیا۔سو آپ کو اس سے کیا بحث ہے۔آپ کو تو اپنے دعویٰ کے موافق تیار ہونا چاہیے۔مولوی محمد حسین صاحب خود ذمہ وار ہیں۔فوراً مقابلہ پر موجود کر دیں گے۔لہٰذا اَب آپ ٹلائیں نہیں۔مرد میدان بنیں اور صاف لکھیں کہ فلاں وقت اور فلاں جگہ پر موجود ہو کر سلسلہ آزمائش واظہار کرامت متدعویہ شروع کیا جائے گا۔ یہ عاجز بصد عجز و نیاز عرض کرتا ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں اگر سچے ہو تو حیلہ بہانہ کیوں کرتے ہو۔ میدان میں آؤ۔ دیکھو یا دکھاؤ۔صاف باطن لوگ دغل باز نہیں ہوتے۔حیلہ بہانہ نہیں کیا کرتے۔ برکات آسمانی والے کمیٹیاں مقرر کیا کرتے ہیں۔ رجسٹر کھلوایا کرتے ہیں۔اس قسم کی کارروائی صرف دھوکہ دینا اور دفع الوقتی پر مبنی ہے۔افسوس صد افسوس۔اللہ سے ڈرو۔قیامت پیش نظر رکھو۔ ایسی مریدی پیری پر خاک ڈالو۔جس مطبع میں آپ اپنا مضمون چھاپنے کے لئے بھیجیں اس عاجز کے مضمون کو بھی زیر قدم چھاپ دیں۔ عریضہ نیاز۔میر عباس علی از لدھیانہ۔

روز دوشنبہ۔۹رمئی ۱۸۹۲ء

جواب جواب الجواب مکتوب نمبر ۶۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی

بعد ہذا بخدمت میر عباس علی صاحب واضح ہو کہ آپ کا جواب الجواب مجھ کو ملا۔جس کے پڑھنے سے بہت ہی افسوس ہوا۔آپ مجھ کو لکھتے ہیں کہ صوفی صاحب کے مقابلہ پر مردِ میدان بنیں۔ اگر سچے ہو تو حیلہ بہانہ کیوں کرتے ہو۔آپ کی اس تحریر پر مجھ کو رونا آتا ہے۔صاحب میں نے کب

اور کس وقت حیلہ بہانہ کیا۔ کیا آپ کے نزدیک وہ صوفی صاحب، جن کے نام بھی اب تک کچھ پتہ ونشان نہیں، میدان میں کھڑے ہیں۔ میں نے آپ کو ایک صاف اور سیدھی بات لکھی تھی کہ جب تک کوئی مقابل پر نہ آوے اپنا نام نہ بتاوے۔ اپنا اشتہار شائع نہ کرے کس سے مقابلہ کیا جائے۔ میں کیونکر اور کن وجوہ سے اس بات پر تسلی پذیر ہو جاؤں کہ آپ یا شیخ بٹالوی اس صوفی گمنام کی طرف سے وکیل بن گئے ہیں۔ کوئی وکالت نامہ نہ آپ نے پیش کیا اور نہ بٹالوی نے۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں ہوا کہ اس صوفی پردہ نشین کو وکیلوں کی ضرورت کیوں پڑی۔ کیا وہ خود ستر میں ہے یا دیوانہ یا نابالغ۔ بجز اس کے کیا سمجھنا چاہیے کہ اگر فرض کے طور پر کوئی صوفی ہی ہے تو کوئی فضول گو اور مفتری آدمی ہے جو بوجہ اپنی مفلسی اور بے سرمائیگی کے اپنی شکل دکھانی نہیں چاہتا۔ میں متعجب ہوں۔ یہ سیدھی بات آپ کو سمجھ نہیں آتی۔ یہ کس قسم کی بات ہے کہ صوفی تو عورتوں کی طرح چھپتا پھرے اور مردِ میدان بن کر میرے مقابلہ پر نہ آوے اور الزام اس عاجز پر ہو کہ کیوں صوفی کے مقابل پر کھڑے نہیں ہوتے۔ صاحب من! میں تو بحکم اللہ جل شانہٗ کھڑا ہوں اور خدا تعالیٰ کے یقین دلانے سے قطعی طور پر جانتا ہوں کہ اگر کوئی صوفی وغیرہ میرے مقابل آئے گا۔ تو خدا تعالیٰ اس کو سخت ذلیل کرے گا۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ اس واحد لاشریک عزاسمہٗ نے مجھ کو خبر دی ہے جس پر مجھ کو بھروسہ ہے۔ ایسے صوفیوں کی میں کس سے مثال دوں وہ ان عورتوں کی مانند ہیں جو گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھیں اور پھر کہیں کہ ہم نے مردوں پر فتح پائی۔ ہمارے مقابل پر کوئی نہ آیا۔ مَیں پھر مکرر کہتا ہوں کہ بٹالوی کی تحریر سے مجھ کو سخت شُبہ ہے اور اس کے ہر روزہ افتراء پر خیال کر کے میرے دل میں یہی جما ہوا ہے کہ یہ صوفی کا تذکرہ محض فرضی طور پر اس نے اپنی اشاعۃ السنّہ میں لکھ دیا ہے ورنہ مقابلہ کا دم مارنا اور پھر پردہ میں رہنا کیا راست باز آدمیوں کا کام ہے۔ اس صوفی کو چاہیے کہ میری طرح کھلے اشتہار دے کہ میں حسب دعوت فیصلہ آسمانی تمہارے مقابل پر آیا ہوں۔ اور میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ اگر اس اشتہار کے شائع ہونے اور میرے پاس پہنچائے جانے کے بعد میں خاموش رہا تو جس قدر آپ نے اپنے اس خط میں ایسے الفاظ لکھے ہیں کہ ’’حیلہ بہانہ کیوں کرتے ہو۔ صاف باطن دغل باز نہیں ہوتے۔‘‘ یہ سارے الفاظ آپ کے میری نسبت صحیح ٹھہریں گے ورنہ دشنام دہی سے زیادہ نہیں۔ جب انسان کی آنکھ بند ہو جاتی ہے تو اس کو روز روشن

بھی رات ہی معلوم ہوتی ہے۔ اگر آپ کی آنکھ میں ایک ذرّہ بھی نُور باقی ہوتا تو آپ سمجھ لیتے کہ حیلہ بہانہ کون کرتا ہے۔ کیا وہ شخص جس نے صاف طور پر دو ہزار اشتہار تقسیم کر کے ایک دنیا پر ظاہر کر دیا کہ میں میدان میں کھڑا ہوں۔ کوئی میرے مقابل پر آوے یا وہ شخص کہ چوروں کی طرح غار کے اندر بول رہا ہے۔ جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ان پر لعنت ہے۔ پس اگر یہ صوفی درحقیقت کوئی انسان ہے تو محمد حسین کی ناجائز وکالتوں کے بُرقع میں مخفی نہ رہے اور خدا تعالیٰ کی لعنت سے ڈرے۔ اگر اس کے پاس حق ہے تو حق کو لے کر میدان میں آجائے۔ جب کہ مجھ کو کوئی معیّن شخص سامنے نظر نہیں آتا تو میں کس سے مقابلہ کروں۔ کیا مُردہ سے یا ایک فرضی نام سے۔ اور آپ کو یاد رہے کہ اگر میری نظر میں یہ صوفی ایک خارجی وجود رکھتا تو میں جیسا کہ میرے پر ظاہر ہوتا اس کے مرتبہ کے لحاظ سے بااَخلاق اس سے کلام کرتا۔ مگر جب کہ میری نظر میں صرف یہ ایک فرضی نام ہے جس کا میرے خیال میں خارج میں وجود ہی نہیں تو اس کے حق میں سخت گوئی محض ایک فرضی نام کے حق میں سخت گوئی ہے۔ ہاں سخت گوئی آپ نے کی ہے سو میں آپ کے اس ترک ادب اور لعن طعن اور سبّ اور شتم کو خدا تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔ فقط۔ راقم مرزا غلام احمد

مکرر واضح رہے کہ اب اتمامِ حجت کر دیا گیا۔ آئندہ ہماری طرف ایسی پُر تعصّب تحریریں ہرگز ارسال نہ کریں۔ جب یہ تحریریں چھپ جائیں گی منصف لوگ خود معلوم کر لیں گے کہ کس کی بات انصاف پر مبنی ہے اور کس کی سراسر ظلم اور تعصّب سے بھری ہوئی ہے۔

میرزا غلام احمد

۹؍مئی ۱۸۹۲ء۔☆

(مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ)

یہ اشتہار ۲۰x۲۶ کے دو صفحوں پر ہے جو ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ مورخہ ۱۴؍مئی ۱۸۹۲ء میں طبع ہوا ہے۔ (المرتب)

☆ مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۴

مکتوبات

بنام

منشی مظہر حسین صاحب

(نئے شامل کئے گئے خطوط)

صفحہ ۶۴۵ تا ۶۷۵

فہرست مکتوبات
بنام منشی مظہر حسین صاحب

مکتوب نمبر	صفحہ	تاریخ تحریر مکتوب
۱	۶۴۷	اگست ۱۸۸۸ء
۲	۶۷۱	۱۶اگست ۱۸۸۸ء
۳	۶۷۴	۲۳ اگست ۱۸۹۸ء

۞ مکتوب نمبرا

مسئلہ وحدت الوجود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد۔ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

منشی مظہر حسین صاحب کو واضح ہو۔ آپ کا خط پہنچا۔ باوجود عدم فرصتی محض لِلّٰہ آپ کے فائدہ کے لئے بترتیب اقوال جدا گانہ یعنی بطور قولہ واقول ذیل میں جواب لکھا جاتا ہے۔

قولہ: فقیر کو نہ مسئلہ وحدت الوجود میں کچھ شبہ ہے نہ مسئلہ وحدت الشہود میں۔

اقول: آپ اپنے پہلے خط میں اقرار کر چکے ہیں کہ یہ مسئلہ حالی طور سے مجھ پر منکشف نہیں اور نہ عقلی طور پر منکشف ہے۔ صرف قرآن شریف کی بعض آیات کے رُو سے اپنے خیال میں اس مسئلہ کو حق سمجھا گیا ہے۔ آپ کو اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ بیناتِ قرآنیہ ہرگز اس مسئلہ کی تائید نہیں کرتیں بلکہ قرآن شریف نے جا بجا امتیاز حقیقی خالق اور مخلوق میں بتایا ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[1] لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَ ھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ[2] یہ کہاں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مخلوق خالق کا حقیقت میں عین ہی ہے صرف تغایر اعتباری ہے۔ سو میں اب بھی کہتا ہوں اور باصرار کہتا ہوں کہ قرآن شریف پر وجودیوں کی یہ تہمت ہے۔ بینات کو چھوڑ کر متشابہات کی پیروی کرنا کج دل آدمیوں کا کام ہے۔ اگر قرآن شریف کا حصہ کثیر جو حقیقی طور پر عابد اور معبود اور خالق اور مخلوق میں دائمی فرق کر کے دکھلاتا ہے ایک طرف اکٹھا کیا جاوے اور دوسری طرف وہ چند آیات متشابہات دکھلائی جائیں جن کو وجودی محض تعصب اور نادانی کی وجہ سے اپنے دعویٰ کی دستاویز بنانا چاہتے ہیں تو طالب حق کو واضح ہو کہ کس قدر ان کے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کیسے وہ طریق انصاف اور طلب حق سے دور جا پڑے ہیں۔ اب ذرا ہوش کر کے دیکھو کہ اس استدلال کا تو یہ حال ہے کہ جو قرآن شریف سے کیا جاتا ہے اور حال سے تو وجودیوں کو کچھ بہرہ ہی نہیں اور نہ کسی وجودی کو کبھی کامل طور پر ہوا۔ جیسا کہ اپنی تہی دستی

---

[1] الشُّورٰی:۱۲ [2] الانعام:۱۰۴

اور محرومی محض کا تو اپنے خط میں آپ کو بھی اقرار ہے۔ ہاں بطور قصہ اور کہانی کے دوسرے لوگوں کے فضائل کے آپ قائل ہیں مگر قصوں اور کہانیوں کے ہم قائل نہیں۔ مردہ پرستوں کا قدیم سے یہ شیوہ چلا آتا ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہم روحانی برکات سے بے نصیب اور محروم محض ہیں۔ اور باایں ہمہ یہ بھی منظور ہے کہ اپنے مشرب کی گو وہ کیسا ہی گندہ ہو تعریف کی جائے تو مخنث کی طرح جو اپنے بھائی کی مردی پر ناز کرتا ہے، کسی زمانہ کے گزرے ہوئے مردوں کی کہانیاں پیش کرتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ہم مشرب تھے یا ہمارے ہی دادصاحب تھے مگر ایسے دعووں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ مثلاً اگر ہم کسی ہندو کے سامنے اپنے گزشتہ اولیاء کے صرف جھوٹے تذکرے پیش کر سکتے ہیں تو کیا وہ ہندو اسی بارہ میں اپنے گرنتھ یا پوتھیاں پیش نہیں کرسکتا؟ یہ تو عام عادت ہے کہ عوام کالانعام جن کے مشرب میں ہوتے ہیں مرنے کے بعد ان کو ایک بڑا صاحب مقامات و کرامات قرار دے دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اب وہ مر چکا۔ اب اس کے حال کی تفتیش کرنا مشکل ہے۔ چاہیں اس کو غوث بنادیں یا قطب ٹھہرادیں۔ کیا اس کو غوث الثقلین اور قطب دارین کہہ دیں۔ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔ انہیں لوگوں کے حق میں ہے۔ سو حالی طور پر نہ اس زمانہ کے وجودی کوئی ایسی دلیل دے سکتے ہیں کہ جو دوسرے پر اتمام حجت کرے اور نہ ان کے مُردہ پیشوا قبروں سے نکل کر اپنی خدائی کا کوئی کرشمہ دکھا سکتے ہیں۔ ایسا ہی عقلی طور پر کسی وجودی کو دم مارنے کی جگہ نہیں۔ وجودیوں کے مذہب کا لب لباب یہ ہے کہ ہم اور خدا ایک ہی ہیں صرف درمیان میں اعتباری تغائر ہے جیسا کہ اپنے خط میں آپ خود تسلیم کر چکے ہیں اور محی الدین عربی صاحب جا بجا اپنی تالیفات میں اسی پر زور دیتے ہیں کہ ’’**الخالق عین مخلوقه** ‘‘ دیکھو فصوص کے پہلے ہی صفحات پر۔ پس جب کہ وجودی بزعم خود خدا ہوئے تو اب کس قدر ان پر اعتراض ہوتے ہیں۔ کیا کوئی گن سکتا ہے؟ کیا خدائے عزّوجلّ کی روح کبھی خدائی کے مرتبہ سے تنزّل بھی کرتی ہے اور اس سے گناہ اور فسق و فجور اور ہر طرح کی حرامکاری اور مکاری سرزد ہوتی ہے؟ اور نیز ضعف اور جہل اور نادانی وغیرہ رذائل اس کے عائد حال ہو جاتے ہیں اور پھر جہنم ابدی اس کے نصیب ہوتا ہے **نعوذ باللّٰه من هذه الخرافات و سبحٰن ربنا عما يصفون** ۔ اب جبکہ نہ حال کی رو سے نہ عقل کی رو سے نہ بینات قرآنیہ کی رُو سے وجودی مذہب کی صداقت آپ کے پاس ہے تو آپ کا کہنا

کہ فقیر کو وحدۃ الوجود میں کچھ شبہ نہیں کس قدر شرم کی بات ہے۔ کاش وجودی لوگ آیت کریمہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] غور سے پڑھتے اوراپنی بساط سے بڑھ کرقدم نہ رکھتے مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا[2]

قولہ: شبہ صرف اس بات میں ہے کہ آپ کا دعویٰ مجدد ہونے کا اور صاحب الہام ہونے کا سچا ہے یا جھوٹا۔

اقول: یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ وجودیوں کے پُرتزویر مشائخ کی طرح صرف چند سادہ لوح اور بے وقوف مریدوں میں کیا گیا ہو۔ بلکہ یہ دعویٰ بفضلہٖ تعالیٰ وتوفیقہٖ میدانِ مقابلہ میں کروڑ ہا مخالفوں کے سامنے کیا گیا ہے اور قریب تیس ہزار کے اس دعویٰ کے دکھلانے کے لئے اشتہارات تقسیم کئے گئے۔ اور آٹھ ہزار انگریزی اشتہار اور خطوط انگریزی رجسٹری کرا کر ملک ہند کے تمام پادریوں اور پنڈتوں اور یہودیوں کی طرف بھیجے گئے اور پھر اس پر اکتفا نہ کر کے انگلستان اور جرمن اور فرانس اور یونان اور روس اور روم اور دیگر ممالک یورپ میں بڑے بڑے پادریوں کے نام اور شہزادوں اور وزیروں کے نام روانہ کئے گئے۔ چنانچہ ان میں سے شہزادہ پرنس آف ویلز ولی عہد تخت انگلستان اور ہندوستان، اور گلیڈسٹون وزیر اعظم اور جرمن کا شہزادہ بسمارک ہے۔ چنانچہ تمام صاحبوں کی رسیدوں سے ایک صندوق بھرا ہوا ہے۔ پس کیا ایسی کارروائی مکر وفریب میں داخل ہوسکتی ہے؟ کیا کسی مکار کو یہ جرأت ہے کہ ایسا کام کر کے دکھلاوے؟ ہاں یہ سچ ہے کہ ان کارروائیوں سے وجودیوں کے دل پر بڑا صدمہ ہے۔ چنانچہ اس جگہ کے وجودی بھی دیکھ دیکھ کر آتش حسد میں جل رہے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت اللہ اور رسول کے دشمن ہیں اور وہ چاہتے ہی نہیں کہ اللہ اور رسول کا بول بالا ہو۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[3] اور اگر آپ کے یا آپ کے کسی اور بھائی وجودی کے دل میں یہ شک ہو کہ دوسرے کفار کی طرح ہمیں

[1] بنی اسرائیل: ۳۷ [2] الکھف: ۶ [3] الصّف: ۹

آزمائش کے لئے کیوں بلایا نہیں جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اپنی دانست میں پہلے بڑے بڑے کافروں کو حق کی طرف دعوت کی ہے اور اب تک ہم سمجھتے تھے کہ وجودیوں کے لئے بھی یہی دعوت کافی ہوگی۔ سو اب آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وجودی علیحدہ طور پر اپنی دعوت چاہتے ہیں۔ سو انشاء اللہ عنقریب وجودیوں کے لئے الگ اشتہار چھپوائے جائیں گے اور پنجاب اور ہندوستان اور اودھ کے وجودیوں کی طرف جو ناحق ضلالت اور کورانہ حالت میں پیرزادہ اور مشائخ بن بیٹھے ہیں روانہ کئے جائیں گے۔ لیکن اگر آپ کی روح جو وجودیت کے بخارات سے اُچھل رہی ہے اس بات کیلئے تڑپتی ہے کہ میرے لئے جلدی ہونی چاہیئے تو میں آپ کے معاملہ کو ان اشتہارات تک بھی توقف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ اللہ جلّ شانہٗ ہمارے ساتھ ہے وہ ہر ایک مخالف دین کو جو مقابل پر آوے گا ذلیل اور رُسوا کرے گا۔ خواہ وہ وجودی ہوں یا یہودی یا عیسائی یا آریہ یا کوئی اور مگر شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے پاس ایک برس تک ٹھہریں۔ قادیان میں بعض وجودی رہتے ہیں جو دین اور سچائی کے سخت مخالف بلکہ اللہ اور رسول کے علانیہ منکر ہیں۔ یقین ہے کہ بباعث ہم مادہ ہونے کے آپ کو ان سے بہت آرام مل جائے گا اور اُنس ہو جائے گا۔ بایں ہمہ رفع حجت کے لئے ہم اس بات پر بھی آمادہ ہیں کہ آپ کے آنے جانے کا تمام کرایہ ہمارے ذمہ رہے۔ دو وقت روٹی جو کچھ نان و نمک ہو وہ بھی ہماری طرف کھاویں۔ مگر یہ سب اس شرط سے کہ ایک سال تک رہیں ورنہ کوئی ذمہ واری نہیں ہوگی۔ سو اگر ایک سال تک رہنے کے بعد ہم اپنے دعوی میں جھوٹے نکلے تو وجودی لوگ جس قسم کی سزا ہمیں چاہیں دے دیں یا کچھ بطور سزا تاوان آپ مقرر کریں وہی حتی الاستطاعت ہمیں منظور ہے۔ جس طرح چاہیں تسلی کرالیں لیکن اگر ہم سچے نکلے یعنی ہم میں کوئی ایسا امر خارقِ عادت پایا گیا جس کا وجودی لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہم ان سے کچھ نہیں مانگتے بجز اس کے کہ اس ناپاک اور شیطانی طریق سے سچے دل سے توبہ کریں اور صراط مستقیم اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور اگر آپ بعد اس ہماری دعوت کے قادیان میں نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ آپ کو حق کی طلب نہیں تھی بلکہ وجودیوں کی عادت کے موافق صرف عِجْلٌ جَسَدٌ لَّہٗ خَوَارٌ کے آپ مصداق تھے۔

قولہ:

حرف درویشاں نہ بندد مرد دُوں　　　تا نخواند بر سلیمے آں فسوں

اقول: یہ میرے لئے آپ بے چارہ رومی کا شعر آپ لائے ہیں۔ سواس کا جواب شعر کے ساتھ ہی دیا جاتا ہے کیونکہ شعر کے جواب میں شعر ہی زیبا ہے اور وہ یہ ہے۔

مہ نور می فشاند و سگ بانگ می کند سگ را بپرس خشم تو بر ماہتاب چیست

قولہ: ان وجودیوں کی ضلالت سے جو ملک پنجاب میں پائے جاتے ہیں۔ اصحاب وحدت الوجود کو فرقہ ضالّہ نہیں کہا جا سکتا۔

اقول: جس حالت میں فرقہ ضالہ کہنے کا اصل موجب یہی ہے کہ تمام وجودی خواہ عام میں داخل ہوں یا خاص میں۔ مخلوق کو عین خالق کا جانتے ہیں تو پھر وہ سب کے سب فرقہ کہلائے یا کچھ اور ہاں یہ سچ ہے کہ پنجاب کے وجودی اکثر تارک الصلوٰۃ والصوم، زانی، فاسق، فاجر بلکہ بعض کجرو، شارب الخمر وغیرہ ہیں۔

قولہ: اصحاب وحدۃ الوجود میں رومی اور محی الدین عربی اور شیخ عبدالقادر گیلانی داخل ہیں۔

اقول: رومی کی عبارت سے صرف توحید شہودی معلوم ہوتی ہے اس کو جاہل وحدۃ وجودی سمجھتے ہیں۔ محی الدین نے **غلطی کھائی ایک بشر تھا بھول گیا اس کا بوجھ اس پر اور تمہارا تم پر**۔ اور سید گیلانی پر وجودیت کی تہمت ہے ان کا قول ہے کہ کل حقیقة ردتها الشريعة فهو زندقة۔ فتوح الغیب کو آپ نے نہیں پڑھا یا اگر پڑھا ہے تو نہیں سمجھا۔ فتوح الغیب تو وجودیوں کی جڑ کاٹتی ہے اس کو غور سے پڑھو تا معلوم ہو۔

قولہ: کسی وحدۃ الوجود والے نے یہ نہیں کہا اور نہ یہ سمجھا کہ میں خدا ہوں۔

اقول: اگر وجودی مذہب میں آپ کی معلومات کا یہ حال ہے تو پھر جھگڑا ہی کیوں شروع کیا۔ آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے مقتدا حضرت محی الدین صاحب فصوص میں فرماتے ہیں۔ بل هو عين لاغيرها۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ وجودی مخلوق کو عین خالق کا سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں حقیقی طور پر نہ مجازی طور پر۔ کیونکہ اگر اس جگہ کسی مجاز کو دخل ہو تو پھر وہ توحید شہودی ہوگی نہ وحدت وجودی۔

قولہ: کیا تماشا ہے کہ لوگ اپنی ناقص العقلی اور خباثت باطنی سے بزرگانِ دین پر تہمت کرتے ہیں اور اناالحق اور ہمہ اوست کے معنی بگاڑ کر کچھ کا کچھ سمجھتے ہیں۔

اقول: حضرت لوگوں کا کچھ قصور نہیں ان کو کیوں آپ ناحق کوستے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پُر جوش کلمات ناقص العقلی اور خباثت الباطنی کے وجودیوں پر ہی عائد ہوتے ہیں نہ کسی اہل حق پر۔ کیونکہ وہی لوگ توحید شہودی کے معنوں کو بگاڑ کر خواہ نخواہ وحدت وجودی کی طرف لے آتے ہیں۔ چنانچہ کسی کا سکر اور فنائے نظری کی حالت میں **انا الحق** کہنا ہمہ اوست کا کلمہ زبان پر لانا یا **سبحانی ما اعظم شانی** منہ سے نکلنا یہ سب کلمات عشقی محویت کی حالت میں توحید شہودی کے چشمہ سے نکلے ہیں۔ اور وجودیوں کی یہ ناقص العقلی اور خباثت الباطنی ہے جو کہ ان عاشقانہ کلمات کو وحدت وجودی پر نازل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام میں مجدد الف ثانی صاحب بھی اپنے ایک خط میں جو شیخ فرید کی طرف لکھا ہے لکھتے ہیں۔

توحید وجودی کہ نفی ماسوا یک ذات است تعالیٰ وتقدس باعقل و شرع در جنگ است ...... واقوال بعضی از مشائخ کہ بظاہر بشریت حقہ مخالف می نمایند بتوحید وجودی۔ بعضی مردم آنہارا فرودمی آرند مثل قول ابن منصور الحلاج **انا الحق** وقول ابی یزید بسطامی سبحانی وامثال اینہا ...... حالانکہ ایں اقوال از اں قسم عشاق بتوحید شہودی انسب و اقرب اند و برمحل آں چسپاں تر ایں کلمات بتوحید شہودی فرود نایدآورد و مخالف شرع را دور باید ساخت آن بزرگان ایں چنیں سخنان از مقام غلبہ محویت عشقی وحیرت گفتہ اند وامثال ایں سخنان درایں مقام بعض را وحی دہد...... وچوں از ایں مقام بگذرند و بحق الیقین میر مسانند از امثال ایں کلمات تحاشی می نمایند واز حد اعتدال تجاوز نمی فرمایند............ اکثر ابنائے ایں وقت ...... بدامن توحید وجودی زدہ اند وہمہ را عین حق می دانند بلکہ عین حق می دانند وگردنہائے خود را از ربقہ تکلیف شرعی بالحیلہ می کشایند و مداہنات در احکام شرعیہ می نمائید۔ تمّ کلامہ

اب اس خط سے بھی ظاہر ہے کہ یہ وجودی ہمیشہ خدائی کا دعوی کرتے رہے ہیں اور بے قیدی اور اباحت ان کو لازم حال ہو رہی ہے۔

قولہ: منصور اور بایزید کے منہ سے فنا کے مقام میں وہ کلمات نکلتے تھے۔

اقول: اس سے آپ نے خود اقرار کرلیا کہ وہ کلمات توحید شہودی کے پاک چشمہ سے تھے نہ مکدر اور مغشوش چشمہ وحدت وجود سے۔ کیونکہ فنا اور محویت عشقی کا نتیجہ توحید شہودی ہے نہ وجودی۔ جو شخص غلبہ عشق سے فانی اور محو ہو گیا ہے اس کو اس تحقیق سے کیا غرض کہ واقعی امر **ہمہ اوست** ہے یا **ہمہ از وست**۔ وہ تو محویت عشقی کے جوش سے کہتا ہے کہ

من تو شدم تو من شدی عشق آمد شد خودی

قولہ: اگر اب بھی میرے دعوی کو نہ سمجھے ہوں اور اپنے دعوی مجددیت کو ثابت نہ کرسکیں تو میرے خطوط واپس بھیج دو۔

اقول: اگر میں آپ کے خطوط کو کچھ چیز سمجھتا اور خیال کرتا کہ کسی انسان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں تو میں ان کو عزت سے رکھتا اور ان کو واپس بھی کر دیتا مگر میرے پاس ایسے مخالفین اسلام کے ہزار ہا ردّی خطوط اور فضول آتے ہیں اور چاک کئے جاتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ میری الہامیت اور مجددیت کا دعوی ثابت ہے یا نہیں؟ تو بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ثابت ہے کہ وجودیوں کی ہزار پشت تک بلکہ اس وقت جو وجودیوں کا تخم نکلا ہے ایسا ثبوت ملنا ان کے خود ساختہ بزرگوں میں مشکل ہے۔ اور اگر وجودیوں میں کوئی صاحب الہام اور قبولیت ہے تو میرے مقابل پر آوے۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ حال کے وجودی نرے شیخ نجدی کے ہی خلیفہ ہیں اور کوئی وجہ مشیخت کی نہیں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ [1]

قولہ: میرے خیال میں نہیں آتا کہ بغیر حصول مرتبہ فنا کے کوئی صاحب الہام ہو سکے۔

اقول: یہی وجہ ہے کہ وجودیوں میں کوئی صاحب الہام نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ان میں فنا کا نام ونشان نہیں وہ تو عبدالدراہم والدینار ہیں۔ لیکن اس عاجز کا الہام کوئی مخفی چیز نہیں اور نہ کوئی امر غیر مثبت۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے باید از وے رو متاب

---

[1] (الانفال:۱۹)

دیکھو کیا روشن و درخشاں دعوی ہے کہ تمام وجودی، یہودی، عیسائی، آریہ وغیرہ مجال نہیں رکھتے کہ سامنے آویں۔ ان سب دشمنان اللہ و رسول پر یہ الہام صاعقہ کا حکم رکھتا ہے۔ کیا آپ برعایت شرائط متذکرہ بالا ایک سال تک رہنے کیلئے آسکتے ہیں۔ ہرگز امید نہیں کہ آویں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے الہام دیا ہے **سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ**[1] اور نیز مجھے بشارت دی ہے کہ اگر کوئی مخالف آوے گا تو ذلیل اور رُسوا ہو کر جائیگا **میں آپ کو پھر مکرر دعوت کرتا ہوں کہ اگر پورے ایک سال کیلئے میرے الہام کی آزمائش کے لئے آویں اور ایک سال تک رہیں اور مجھ کو جھوٹا اور مکار پاویں تو جو تاوان میری مقدرت کے موافق آپ تجویز کریں وہ ادا کروں گا۔** یا آپ کے سال کی تنخواہ بحساب دس روپے جو آپ کو ملتے ہیں آپ کو دے دوں گا۔ اور اگر میں سچا نکلا تو بجز اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ آپ وجودیت سے توبہ کر کے دین اسلام میں داخل ہوں اور دو چار اخباروں میں شائع کرادیں کہ مجھ پر ثابت ہوگیا کہ وجودی مذہب ضلالت اور الحاد کی راہ ہے اور اب سچے دل سے اللہ اور رسول اور قرآن شریف پر ایمان لایا اور الحاد کے طریقہ سے توبہ کی۔

قولہ: جس سے کرامت کا صدور ہوگا اس کو دعوی کرنے اور اشتہار دینے کی ضرورت کیا ہے۔ جیسے فضل الرحمٰن صاحب اَوَدھ میں ہیں کہ ان کی قدم بوسی کیلئے ہر شہر سے لوگ چلے آتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

اقول: جو کامل مردان خدا ہیں وہی دعوی کرتے ہیں۔ مخنثوں اور نامردوں کا کام نہیں جو دعوی کریں۔ فضل الرحمٰن بیچارا خدا جانے کون اور کس خیال کے آدمی ہیں۔ غالباً وہی وجودی پیرزادہ ہوگا۔ یہی حضرات ہیں جو جابجا دکانیں کھول رہے ہیں۔ ایسے بودے کی کیا طاقت جو ایک جہان کے سامنے کچھ دعوی زبان پر لاوے۔ میدان میں کھڑے ہو کر کروڑہا مخالفوں کے سامنے دعوی کرنا ہر ایک ایسے ویسے آدمی کا کام نہیں۔ یہ دعوی اولوالعزم رسولوں نے کیا۔ یا انہوں نے جو اُن کے قائمقام اور کمالات میں ان کے مثیل ہیں۔ دوسروں سے جو بزدل اور ضعیف الایمان اور ربانی شجاعوں اور بہادروں میں سے نہیں ہیں اور نہ کامل بھروسہ اللہ جل شانہٗ پر رکھتے ہیں ایسا عالی شان دعوی کب ہوسکتا ہے۔

---

[1] تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۸

مردی و شجاعت سر میدانی
از زن مطلب اگر نہ دانی

بھلا ہم نے تو خدا کے اذن سے بادشاہانِ وقت کو دعوت کی یہاں تک کہ قیصرہ ہند کے ولی عہد کو اسلام کا خط لکھا میاں فضل الرحمٰن کو کہیے اپنے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو دعوت اسلام کی کر کے دکھلا وے پھر دعوی کرے کہ مجھ میں یہ طاقت ایمانی ہے۔ میں ایسے پیرزادوں کی حقیقت خوب جانتا ہوں مگر لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اب حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ مسکین اور بے بصارت اور اس راہ میں گئے گزرے ہیں وہ دعوی نہیں کر سکتے اور نہ اشتہار دے سکتے ہیں۔ مگر جو لوگ رسول یا رسولوں کی مانند ہیں وہ قدیم سے دعوی کرتے چلے آئے ہیں۔ اس مقام میں صاحب **منصب امامت** نے کیا عمدہ لکھا ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے۔

نکتہ اوّل :۔امامت ظل رسالت است وبنائے آں بر اظہار است نہ بر اخفا بخلاف سائرارباب ولایت۔ پس چنانکہ ادعای منازل وجاہت وادعائے مقامات ولایت وبیان معاملات ربّانی وکشف اسرار روحانی درحق ارباب ولایت مظنّہ سلب وزوال ولایت است ہمچنیں درحق ایشاں باعث ترقی وکمال آنچہ ازقسم کلمات فخریہ ازائمہ ہدی سر برمیزند مثل آنچہ ازحضرت امیر المومنین علی مرتضٰی منقول است **انا الصدیق الاکبر لایقولها بعدی الاکذاب و انا القرآن الناطق** وآنچہ ازسید الشہد درمعرکہ کربلا ازاشعار مفاخرت مروی است وہم چنیں ازسائرائمہ اہل بیت وسیدی عبدالقادر جیلانی ودیگرائمہ ہدٰی ایں کلمات راازقبیل تحدیث بنعمۃ اللّٰہ وتشبث برحمۃ اللّٰہ باید شمرد نہ ازجنس ہرزہ سرائی وخودستائی۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیروشیر

ترجمہ: امامت ظل رسالت ہے۔ بناء اس کی اظہار پر ہے نہ کہ اخفا پر۔ برخلاف ولایت کے۔ پس جیسا کہ منازل و وجاہت اور مقامات کا دعوی اور معاملاتِ ربانی وکشف واسرار روحانی کا بیان اربابِ ولایت کے حق میں مظنۂ سلب وزوال ہے اسی طرح اِن کے حق میں ترقی وکمال کا باعث ہے۔ وہ کلمات جو فخر کی اقسام سے آئمہ ہدی سے ظاہر ہوئے جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین حضرت علی

مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ **انا الصدیق الاکبر لایقولھا بعدی الاکذاب و انا القرآن الناطق** (میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد یہ لفظ سوائے کذاب کے کوئی نہ کہے گا اور میں قرآن ناطق ہوں) اور جو سید الشہداء سے معرکۂ کربلا میں فخریہ اشعار مروی ہیں اور ایسا ہی تمام ائمہ اہل بیت اور سید عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر ائمہ ہدیٰ سے بھی ایسے کلمات صادر ہوئے ہیں۔ ان کلمات کو نعمۃ اللہ اور تشبت رحمۃ اللہ کی قبیل سے شمار کرنا چاہیے نہ کہ ہرزہ سرائی اور خودستائی کی جنس سے۔

اب رہی یہ بات کہ میاں فضل الرحمٰن کے پاس لوگ بہت آتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں اس کا آخری فقرہ تو پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند میں داخل ہے۔ ہاں یہ قریب قیاس ہے کہ **عوام کالانعام** کہ جو نیک اور بد میں تمیز نہیں کر سکتے بہت آتے ہونگے۔ مگر کیا پنجاب کے مہنتوں سے بھی زیادہ جن کا لاکھ لاکھ آدمی چیلہ ہے۔ ہمارے ہی قریب ایک جاہل اور نادان وجودی رہتا ہے جو موافق عادت وجودیوں کے تارک صوم وصلوٰۃ اور بہت سی ناکردنی اور ناگفتنی باتیں اس کی جماعت میں پائی جاتی ہیں مگر قریب ایک لاکھ کے اس کا مرید ہوگا۔ بات یہ ہے کہ ایسوں کو تیسے مل جاتے ہیں۔ **حضرت سیدنا و مولانا مخدومنا و مخدوم الکل خاتم الرسل محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں تکالیف اُٹھا کر تیرہ برس میں مکہ معظّمہ میں سَو یا سَوا سَو کافر کو خلعت ایمان پہنایا اور مسیلمہ کذّاب پر صرف ایک ماہ میں لاکھ آدمی کے قریب ایمان لے آیا۔** یہ قاعدہ ہے کہ حق کا اثر دیر سے پڑتا ہے مگر دیرپا ہوتا ہے اور باطل کا اثر جلد پڑتا ہے اور جلدی ہی دور ہو جاتا ہے۔ مردان خدا کی شان کمی جماعت سے کچھ کم نہیں ہوتی۔ قیامت کے میدان میں کئی ایسے رسول آئیں گے جن کے ساتھ دو یا ایک پیروکار ہوگا اور بعض ایسے ہونگے کہ اکیلے آئیں گے کثرت پر خوش ہونا جہال کی عادت ہے جو حقیقت اور مغز کو نہیں دیکھتے۔ راستی اور حقیقی برکت کو تلاش نہیں کرتے آجکل بہتیرے حرام خور پیرزادے ہیں جو ہزاروں جاہل سادہ لوح ان کی قدم بوسی کیلئے آتے ہیں اور ان کے زعم میں وہ مرادیں دیتے ہیں۔[1]

سچ تو یہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کون ہدایت دیوے۔ اگر میاں فضل الرحمٰن میں کچھ قبولیت اور برکت ہے تو وہ کیوں مقابلہ کیلئے میدان میں نہیں آتے۔ بہرحال جب

---

[1] الحکم نمبر ۳۱ جلد نمبر ۵ ۲۴؍ اگست ۱۹۰۱ء

اشتہار وجودیوں کے نام چھپیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک پرچہ فضل الرحمٰن کے نام بھی روانہ کیا جائے گا۔ وجودی بُرا مانیں یا بھلا مانیں ہمارا منشاء ہے کہ ان کو چاہ ضلالت سے باہر نکالیں اور جس خدا کو ابھی انہوں نے شناخت نہیں کیا اس کی طرف رجوع دلاویں اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔[1]

قولہ: کیوں صاحب دیانند میں کیا مناسبت تھی جس کو آپ خرچ دے کر بلاتے تھے۔

اقول: وائے بریں عقل و دانش۔ کیا دیانند کو کسی فیض حاصل کرنے کیلئے بلایا گیا تھا؟ اس پر اتمام حجت منظور تھی۔ مگر آپ کے پہلے طمع اور منافقانہ خطوں سے فیض پانے کی درخواست پائی جاتی تھی سو اس پر لکھا گیا تھا کہ تم میں مرض الحاد ارتداد لگا ہوا ہے۔ فیض پانے کی تم میں مناسبت نہیں ہے لیکن اب ہم نے آپ کو دوسری صورت پر پاکر اور دیانند کا قائمقام سمجھ کر آپ کی درخواست کو قبول کرلیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ آپ آجاتے ہیں یا وجودیوں کی روباہ بازی آپ پر غالب آکر اس ارادہ سے آپ کو باز رکھتی ہے اور نیز یاد رہے کہ دیانند اگرچہ کافر تھا مگر آپ کے الحاد سے ایک گونہ اس کا کفر جزو فضیلت کی رکھتا تھا کیوں کہ وجودی نہیں تھا اور اپنی قوم کے وجودیوں کو نہایت نابکار اور پلید فرقہ خیال کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر انسان پرمیشر ہے تو تعجب ہے کہ وہی پرمیشر پاپ کرے اور سزا پاوے دیکھو ستیارتھ پرکاش۔

قولہ: میں نے سنا ہے کہ دیانند گئے تھے اس نے بھی حیلہ کر دیا تھا اور کچھ نہ دکھایا تھا۔ جھوٹ کتاب میں لکھ دیا کہ دیانند کو خرچ دینے کا وعدہ بھی کیا مگر وہ نہ آیا۔

اقول: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ اگر آپ ایسے ایسے افترا نہ کریں تو کیونکر ثابت ہو کہ وجودی در پردہ دشمن خدا اور رسول ہیں۔ کیوں صاحب اگر آپ اس دعوٰی میں جھوٹے نکلے تو آپ کو کیا سزا دینی چاہیے؟ میرے پاس دیانند کا دستخطی انکاری خط اب تک موجود ہے جو صندوق میں بحفاظت رکھا ہوا ہے اور قادیان کے آریوں سے بھی آپ حلفاً دریافت کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ آپ کی طرح دشمن دین ہیں مگر دشمن راستی کو کہاں تک چھپائے گا۔ قادیان کے وجودی خدا اور رسول کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں اور قرآن شریف سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مگر آپ نے

[1] الاعراف:۱۴۰

ابھی ابجد شروع کی ہے کیوں نہ ہو وجودی جو ہوئے۔ وجودی ستر پردوں کے اندر شناخت کیا جاتا ہے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔[1]

قولہ: کیوں ایسا کیا جس کا ثابت کرنا اپنے اختیار میں نہیں۔

اقول: اے بے شرم! ایسا دعویٰ کس نے کیا جس کا ثبوت اختیار سے باہر ہو۔ ہم نے تو وہ دعویٰ کیا جو آفتاب کی طرح روشنی دکھلا رہا ہے۔ محبانِ خدا اور رسول کبھی ذلیل نہیں ہوتے اور نہ وہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔ وہی آخر فتح پاتے ہیں کیونکہ ہر میدان میں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔[2]

قولہ: آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔

اقول: قال اللہ تعالیٰ۔ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔[3] اس زمانہ کے جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے تئیں ظاہر کرنا منافی شان ولایت ہے۔ ان کے نزدیک ولی وہی ہے کہ جو خبرش باز نیامد کا مصداق ہو۔ لیکن اصل حقیقت وہ ہے جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ مردانِ کامل پر لازم و واجب کیا جاتا ہے کہ اپنے تئیں ظاہر کریں۔ وہ اظہار کے لئے مامور ہوتے ہیں جیسے دوسرے اخفا کے لئے۔ اسی وجہ سے انبیاء و رسول اپنے تئیں ظاہر کرتے رہتے ہیں اور جو لوگ بوجہ عظمت قربت نبیوں اور رسولوں کے حکم میں اور انہیں کے قائمقام اور انہیں کی قوتیں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ عورتوں کی طرح چھپ کر نہیں رہتے کیونکہ وہ روحانی طور پر جنگی مرد ہیں۔ ہاں جو ایسے عابد اور زاہد ہیں جو مخنث کے حکم میں ہیں۔ ان کو چاہیے کہ برقعہ پہن کر بیٹھیں ورنہ یاد رکھیں کہ ولایت سلب ہو جائیگی۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ حضرت شیخ سعدی کے مصرعہ مذکور بالا سے مطلب ہی اور ہے جس کو نادان وجودی نہیں سمجھتے اور وہ یہ ہے کہ جو باطنی تعلقات اولیاء اللہ کو اللہ جلّ شانہٗ سے ہوتے ہیں۔ ان تعلقات سے کسی کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ وہ اپنے ربّ جلیل سے ایک ایسی نسبت رکھتے ہیں کہ انسان تو کیا فرشتوں کو بھی اس پر اطلاع نہیں ہوتی۔ ہاں ہر ایک صاحب بصیرت حسب استعداد خود ان کی ظاہری استقامت و برکات سے ان کی عظمت کا

---

[1] التّوبة:۳۰　[2] المائدة:۵۷　[3] الشعرآء:۲۲۵

قائل ہوتا ہے۔ مگر وہ لوگ بوجہ اس راز دقیق کے جوان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے گم کے حکم میں ہیں۔ تَحۡسَبُھُمۡ اَیۡقَاظًا وَّ ھُمۡ رُقُوۡدٌ[1] وہ خلق اللہ سے ہر وقت دور ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی اندرونی حالت میں تصرف کرنا اور ان کے اخلاق اور افعال اور اطوار کی نسبت کوئی رائے لگانا ہر ایک معمولی حالت کے انسان کا کام نہیں ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

چو بیت المقدس دروں پر ز تاب
رہا کرد و دیوار بیروں خراب

قولہ: آپ لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر کو مجھ سے میرے طریق اور قدم میں مناسبت ہے مگر یہ بھی مثل دعوی مجددیت والہامیت دعوی بے دلیل ہے۔ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔

اقول: میں آپ پر کئی مرتبہ اسی خط میں واضح کر چکا ہوں کہ مجددیت اور الہامیت کا دعوٰی بے دلیل نہیں بلکہ میں نے اس حجت کو اس کمال تک پہنچایا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ جسمیں کوئی الہامی پیش گوئی پوری ہو کر مخالفوں پر حجت نہ ہو۔ دشمن بھاگتے چلے جاتے ہیں، مخالفوں پر سخت رعب پڑ رہا ہے اور انوار الٰہی دن رات بلکہ ہر طرفۃُ العین میں برابر نازل ہو رہے ہیں۔ مگر جو دل کے اندھے اور خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ[2] کے مصداق ہیں وہ کیونکر ان نوروں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ[3] لَھُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَھُوۡنَ بِھَا وَلَھُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِھَا وَلَھُمۡ اٰذَانٌ لَّا یَسۡمَعُوۡنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ[4]

رہا آپ کا قول کہ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اور میرا برادر صالح شیخ عبدالقادر ہم دونوں خاک ہی ہیں۔ مگر الحمد للہ والمنۃ کہ تجلیات الٰہیہ نے اس مشت خاک پر بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اب اگر ایک وجودی نادان ان تجلیات کو دیکھ نہ سکے تو کیا حرج اور کیا نقصان۔ **قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَقَدَّس۔** یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَھُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ۔[5]

بہر حال ہم کو ایسے اقوال پر اختلال سے کچھ رنج نہیں۔ عوام الناس جو لکیر کے طور پر اولیاء اور

---

[1] الکھف:۱۹ [2] البقرۃ:۸ [3] الانفال:۲۳ [4] الاعراف:۱۸۰ [5] الاعراف:۱۹۹

اصفیاء کی تعظیم کرتے ہیں نہ تحقیق کے طور پر وہ ہمیشہ سے اور قدیم سے ایسے ایسے الفاظ جدید الظہور اولیاء اور انبیاء کی نسبت کہتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف اُن کے خیالات و مقالات کا شاہد ہے وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔[1]

قولہ: حضرت غوث الثقلین کے دعوی کو تو کل اولیاء اللہ نے مان لیا تھا۔ مگر آپ کے دعوی کو تو کوئی نہیں مانتا۔

اقول: اے بے خبر مجھ پر بھی ظاہر ہوا ہے کہ صفحہ زمین کے کل اولیاء اللہ نے مجھے مان لیا ہے۔ ہاں خبیثوں اور بے ایمانوں نے نہیں مانا وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ [2] اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے خبر دی ہے کہ یُصَلُّوْنَ عَلَیْکَ صُلَحَآءَ الْعَرَبِ وَ اَبْدَالُ الشَّامِ وَتُصَلِّیْ عَلَیْکَ الْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ وَ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ عَنْ عَرْشِہٖ۔[3] بارہا غوث اور قطب وقت میرے پر مکشوف کئے گئے ہیں جو میری عظمت مرتبت پر ایمان لائے ہیں اور لائیں گے اور مجھے خدا تعالیٰ نے اپنے اس الہام سے خبر دی ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ [4] اور مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی وہ جہنمی ہے اور مجھے خداوند کریم سے وہ نسبت ہے کہ اگر مجھ پر کامل طور پر کھل جاتا کہ اسی درجہ کی نسبت شیخ عبدالقادر کو بھی حاصل ہے تو میں ان کی تعظیم کرتا اور اب بھی کرتا ہوں کیونکہ اجمالی طور پر میں نے اپنے درجہ سے ان کی مناسبت پائی ہے۔ وَقَدِ اسْتَخْلَفَنِیَ اللّٰہُ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ وَقَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا[5] وَقَالَ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ[6] وَقَالَ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ [7] سِرُّکَ سِرِّیْ[8] وَقَالَ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ[9] اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ [10] وَقَالَ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةٍ لَایَعْلَمُهَا الْخَلْقُ [11] وَقَالَ اَنْتَ وَجِیْهٌ فِیْ حَضْرَتِیْ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ وَ کَلَّمَنِیْ وَ نَاجَانِیْ وَ ذَکَرَنِیْ فِیْ کِتَابِہٖ وَ فِیْ حَدِیْثِ رَسُوْلِہٖ وَ اٰتَانِیْ مَالَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِنَ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

[1] البقرۃ:۵۸ [2] یونس:۱۰۲ [3] تذکرہ:۱۲۹ [4] تذکرہ صفحہ:۴۸ [5] تذکرہ:۴۷ [6] تذکرہ صفحہ ۵۳
[7] تذکرہ صفحہ ۳۴۵ [8] تذکرہ صفحہ ۴۷ [9] تذکرہ صفحہ ۱۷۴ [10] تذکرہ صفحہ ۳۹ [11] تذکرہ صفحہ ۱۴۵

قولہ: حضرت غوث پاک کے وعظ میں کثرت سے لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ آپ نے کتنوں کو مسلمان کیا۔

اقول: اے قصے کہانیوں پر بھروسہ کرنے والے اور افسانوں پر ناز کرنے والے۔ کیا تجھے ایک بزرگ رسول کی نسبت یہ آیت یادنہیں وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ[1] اور کیا تجھے یہ آیت یادنہیں یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[2] ماسوا اس کے اس عاجز کے پاس تھوڑے عرصہ میں ستر ہزار کے قریب ایسے لوگوں کے خط پہنچے جنہوں نے اس عاجز کی تالیفات سے فیض اُٹھانے کی شہادت دی اور ہدایت پانے کی گواہی دی اور ابھی یہ سلسلہ کب ختم ہوگیا ہے۔ اوائل میں نبیوں اور رسولوں کا کام بھی دشواری سے چلا ہے مگر پیچھے سے يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا[3] کا بزرگ نشان ظاہر ہوگیا ہے۔ سنتِ نبویہ اس عاجز کے ساتھ جاری کی گئی ہے اور اس بارہ میں براہین احمدیہ میں ایک الہام بھی چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے **دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا۔**[4] اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ[5] تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَا كَانَ لَهٗ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهَا اِلَّا خَآئِفًا[6] دیکھو حصہ چہارم براہین احمدیہ۔

قولہ: پائے استدلالیاں چوبیں بود

اقول: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَقَدَّس۔ اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ[7] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا[8] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُخبرًا مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ[9] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ[10] پس ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے عقل کو معطل کرنا نہیں چاہا اور انسان مکلّف بوجہ عقل ہی ہوتے ہیں اور صاحب کمال

---

[1] ھود:۴۱ [2] یٰسٓ:۳۱ [3] النصر:۳ [4] تذکرہ:۸۱ [5] تذکرہ صفحہ ۳۰۲ [6] تذکرہ صفحہ ۶۸ [7] الشعرآء:۲۲۵ [8] البقرہ:۲۷۰ [9] الملک:۱۱ [10] اٰل عمران:۱۹۱

حال بھی۔ مگر وجودیوں میں ایسا کون ہے کسی آدھہ کا نشان تو دو۔ وہ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ کے مصداق ہورہے ہیں بمقابل ان کے شکر کا مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس قدر تکمیل علم وعقل کے لئے معارف وحقائق ودقائق قرآن شریف کے کھولے ہیں وہ ایک ہی امر طالب حق کیلئے خارقِ عادت ہے۔ آپ نے تو اس عاجز کی نسبت بلاتحقیق رومی صاحب کا یہ شعر پڑھا۔

ای بسا ابلیس آدم وے ہست

پس بہر دستے بناید داد دست

اور اپنے مرشد فضل الرحمٰن کو فرشتہ بنایا لیکن اگر یہ رائے ایمان یا انصاف پر مبنی ہوتی تو اس تمیز کیلئے کہ ان دونوں میں ابلیس کون ہے آیہ کریمہ لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1] کو محک امتحان بنایا جاتا یعنی ایک مجلس میں ایک دو آیت قرآن شریف کی پیش کر کے اس عاجز اور میاں فضل الرحمٰن سے دقائق اور معارف اس آیت کے پوچھے جاتے۔ تا دیکھا جاتا کہ کس کو خدا تعالیٰ نے علم اسرار قرآن میں بسطت و وسعت دی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[2] سمجھنا چاہیے کہ ولایت وارث الانبیاء ہونے کا دعویٰ ہے۔ سو نبی اپنی وفات کے بعد اپنا ترکہ دینار و درہم تو نہیں چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے ان علوم اور برکات کو کامل طور پر پایا وہی کامل طور پر ان کا وارث ہے۔ اور اگر یہ امتحان کافی نہیں تو لازم تھا کہ دوسرا امتحان جو لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا[3] کے متعلق ہے کیا جاتا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ مُخْبِرًا مِنْ اِنْعَامِهٖ عَلٰی عَبْدٍ صَالِحٍ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[4]

قولہ: شیخ صنعان جس نے حضرت شیخ کا انکار کیا تھا ان کا جو حال ہوا مشہور ہے۔

اقول: یاد رہے کہ یہ بات بالکل باطل ہے کہ جو شخص انبیاء یا اولیاء کا انکار کرے اس کو اسی دنیا میں جھٹ پٹ سزا مل جاتی ہے یہ تو وجودیوں کا ناقص خیال ہے جیسے ان کی عقل کچی ہے ایسا ہی ان کا خیال بھی کچا ہے۔ اس فیصلہ اور تصفیہ کے لئے کامل طور پر عدالت کا دن نزدیک ہے۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَتَقَدَّسَ۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا[5] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ

---

[1] الواقعه:۸۰ [2] فاطر:۲۹ [3] یونس:۶۵ [4] الکهف:۶۶ [5] مریم:۸۷

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ [1]

قولہ: میں نے سنا ہے کہ آپ کے ایک بھائی اپنے آپ کو صاحب الہام اور لال بیگ کا چیلہ بتلاتے ہیں۔

اقول: الہام کی بات آپ نے خوب کہی۔ وجودیت کی رگ کیا کیا افترا آپ کے منہ سے نکالتی ہے۔ نہ معلوم وجودیوں کو ناحق جھوٹ بولنے سے کیا مزہ آتا ہے۔ اس کا یہی باعث ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا پھر اس کا اوروں کے لئے منہ کُھل جاتا ہے۔ اب واضح ہو کہ یہ شخص اپنے تئیں ملہم نہیں کہلاتا بلکہ اس خدائے عزّ وجلّ کا قائل ہی نہیں جو اپنے نیک بندوں کو الہام دیتا ہے۔ ہاں لال بیگ کا جھنڈا کھڑا کیا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ دراصل وہ آپ کی طرح اوّل وجودی تھا۔ پھر جیسا کہ وجودی ترقی کر کے دہریہ بنتے ہیں اور انکار صانع تک نوبت پہنچاتے ہیں۔ اس بیچارہ کی بھی وجودیت کی شامت سے اسی حد تک نوبت پہنچی یہاں تک کہ وجودیت کے جنّنے اللہ اور رسول کی نسبت بھی زباں درازیاں کرائیں اب اسی جنّ کی ترغیب سے بقول آپ کے بھنگیوں کے چیلہ کرنے کا ڈھنگ نکالا ہے۔ مگر حضرت یہ آپ کا بھائی بُرا نہیں اور نہ آپ بُرے ہیں۔ بلکہ دراصل یہ وجودی مذہب ہی بُرا ہے جس کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے۔ آپ کے اس بھائی کا حقیقی بھائی بھی وجودی ہے اور مرشد اس کا گلاب شاہ نام ایک بھاری وجودی ہے اور اللہ اور رسول سے بالکل روگرداں ہے۔ قرآن شریف کی نسبت وہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بنا لیا تھا۔ جیسا کہ اکثر وجودیوں کا یہی اعتقاد ہے۔ اس پر دلیل پیدا کرنے کے لئے وجودی مذہب سے اس نے یہ نکتہ لیا ہے کہ جس حالت میں مخلوق حقیقت میں خدا ہی ہے تو پھر اور خدا کون ہے جو قرآن کو نازل کرتا۔ یہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ باوا نانک کا گرنتھ قرآن شریف سے اچھا ہے اور بھنگ، چرس و شراب وغیرہ کو حلال جانتا ہے۔ غرض یہ لوگ تو آپ کے ہی بھائی ہیں میرا بھائی تو ان میں سے کوئی نہیں۔ میرا ایک بھائی تھا مدت ہوئی وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ فَتَدَبَّرُوْا وَتَنَدَّمُوْا۔

قولہ: ان کو دنیا کمانے کی خوب تدبیر سوجھی۔

---

[1] التوبة:۶۳

اقول: ہاں وہ آپ کے بھائی صاحب وجودی جو ہوئے۔ وجودیوں سے بڑھ کر دنیا کے مکر وفریب اور کس کو یاد ہوں گے۔

قولہ: جیسے آپ اپنے دعوؤں سے دولت مند ہو گئے۔

اقول: اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ [1] اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ [2] الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا [3] وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ [4] قَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ [5] کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ [6] یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِھَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ [7]

قولہ: کوئی خدا پرست میں نے نہیں سنا کہ ایسے مزخرفات میں پھنسا ہو یعنی جس نے ایسے دعوے کئے ہوں۔

اقول: ھَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ [8]) **وَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْنَا بِوَحْیِہٖ وَاِلْھَامِہٖ وَ دَقَائِقَ مَعَارِفِہٖ وَ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِنْ عِبَادِہٖ اَفَلاَ نُحَدِّثُ بِاٰلَآئِہٖ وَ نُعْمَائِہٖ اَیُّھَا الْجَاھِلُوْنَ۔**

دانا آدمی ہر ایک درخت کو اس کے پھلوں سے پہچان سکتا ہے۔ کاذب آدمی اپنے دعویٰ کذب سے خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ **سو اس کی ہلاکت ہی اس کے مفتری ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔ لیکن صادق کبھی ہلاک نہیں ہوتا** اور راستباز کبھی کاٹا نہیں جاتا۔ اس کے چاروں طرف رحمت ایزدی نگہبان رہتی ہے۔ بھلا یہ کیونکر ہو کہ اپنے فدا شدہ بندوں کو خدا تعالیٰ ذلیل کرے۔ جاہل ان کی ذلت کے لئے کوشش کرتا ہے مگر وہ عزیز لوگ ہرگز ذلیل نہیں ہوتے۔ خدائے عزّ وجلّ وہ وفادار خدا ہے کہ جو ایک قدم آگے رکھنے والے کے لئے دس قدم آگے رکھتا ہے۔ اور میانہ چلنے والے کے لئے دوڑتا ہے۔ اس کا کسی سے بے وجہ رشتہ نہیں۔ اگر تو اس کے

[1] النحل:۱۰۶ [2] النحل:۱۰۹ [3] الاحزاب:۵۹ [4] سبا:۳۴ [5] صٓ:۶۳ [6] الاحقاف:۳۶ [7] النحل:۱۱۲ [8] المائدہ:۶۰

لئے بدلے گا تو وہ تیرے لئے بدلے گا اگر تو اس کے لئے بیدار ہوگا تو اسے بیدار پائے گا۔

اس جگہ ایک قرآنی نکتہ کہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اس کی آفتاب پرستی کی غلطی پر آگاہ کرنے کے لئے صــرح مــمــرد کی شکل میں دکھایا۔ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اِنَّہٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ **اجرام علوی و اجسام سفلی میں نظر آتا ہے جن میں سے بعض کی جاہل لوگ پرستش بھی کرتے ہیں تمام یہ چیزیں ہیچ اور معدوم محض ہیں۔ پرستش کے لائق نہیں اور جو کچھ بظاہر ان میں طاقتیں نظر آتی ہیں ان کی طرف منسوب کرنا ایک دھوکا ہے بلکہ ایک ہی طاقت عظمیٰ ان سب کے نیچے پوشیدہ ہے کہ جو درحقیقت ان سے الگ ہے اور وہی یہ سب کرشمے دکھلا رہی ہے۔** جیسا اس صرح ممرّد کے نیچے پانی تھا اور اس صرح کا عین نہیں تھا بلکہ اس سے الگ تھا مگر بلقیس کی نظر سقیم میں عین دکھائی دیا تھا تب ہی اس نے ان شیشوں کو بہتے پانی کے دریا کی طرح سمجھا اور اپنی پنڈلیوں پر سے پاجامہ اُٹھالیا۔ یہ اس کو ایسا ہی دھوکہ لگا تھا جیسا اس کو آفتاب پرستی میں لگا تھا کہ وہ طاقت عظمیٰ اس کو نظر نہ آئی کہ جو در پردہ آفتاب سے عجائب کام ظہور میں لاتی اور اس سے الگ تھی۔ اسی طرح دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّا شیشوں سے کیا گیا اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسے پانی سے حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں۔ سو یہ نکتہ کہ جو تمام عالم کے انکشاف حقیقت کے لئے عمدہ ترین اصول ہے۔ اہل اللہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور جس طرح اللہ جل شانہٗ نے بلقیس کی نسبت فرمایا ہے

فَلَمَّا رَاَتۡہُ حَسِبَتۡہُ لُجَّۃً وَّ کَشَفَتۡ عَنۡ سَاقَیۡہَا قَالَ اِنَّہٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ[2]

یعنی بلقیس نے اس شیش محل کو جس کا فرش مصفّا اور شفاف شیشے تھے اور نیچے ان کے پانی بہتا تھا اپنی غلط فہمی سے بہتا پانی خیال کیا ایسا ہی اہل اللہ کی نسبت لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں **یعنی وہ پانی جو انکی شیشوں کے فرش کے نیچے یعنی ان کی فانی حالت کے تحت میں منجانب اللہ بہتا ہے** اور کبھی اپنی سختی اور

[1]، [2] النمل:۴۵

کبھی اپنی نرمی دکھاتا ہے اور کبھی تلخ اور شور اور بے مزہ کی صورت میں اور کبھی شیریں اور خوشگوار پانی کی شکل میں نظر آتا ہے اور کبھی طوفان کی طرح قوت غضبی کے زور سے بہتا ہے اور کبھی نہایت آہستگی اختیار کرتا ہے۔ اس پانی کو جاہل خیال کرتا ہے کہ یہ نفسانی جذبات کا پانی ہے اور اہل اللہ کی شان عظیم سے منکر ہو جاتا ہے یا شک میں پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا نفس بہت سے صیقلوں کے شیشہ کی صفت پر آ گیا ہے اور جو کچھ ایک جاہل کو پانی اور پانی کا زور نظر آتا ہے وہ الٰہی چشمہ ہے جو اس شیشہ کے نیچے بہتا ہے۔ سو کامل انسان میں خدا تعالیٰ کے ارادے کام کرتے رہتے ہیں اور غسّال کی طرح اس میّت کو کبھی اس پہلو اور کبھی دوسرے پہلو بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کبریائی اس میں جوش مارتی ہے اور جاہل اس کا نام تکبر رکھتا ہے اور کبھی وہ درگزر اور خاکساری اختیار کرتا ہے اور جاہل اس کو بزدلی سے منسوب کرتا ہے۔ کبھی عارف خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق میں ڈوب کر ایک طرفۃ العین کے لئے اس کے رنگ سے رنگیں ہو جاتا ہے اور اس عاشقانہ بے تمیزی میں الوہیت کی چادر اپنے اوپر لپیٹ لیتا ہے اور بخودی کی حالت میں اَنَا الْحَقُّ یَا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَأْنِیْ کے مثل الفاظ اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ تب جاہل یا تو اس کو کفر کی طرف منسوب کرتا ہے اور یا اس کے مستانہ قول کو فرقہ ضالہ وحدۃ الوجود کیلئے سند پکڑتا ہے۔ اگرچہ کسی اہل اللہ کے منہ سے انا الحق وغیرہ نکلنا اس کے ضعف اور کمزوری کی نشانی ہے اور اس بات پر دال ہے کہ ابھی وہ شخص عبودیت کے اعلیٰ ترین مقام پر جو منتہائے دائرہ کمالات انسانی ہے نہیں پہنچا۔ لیکن ایسے ایسے الفاظ میں یہ نقصان ہے کہ ان سے بہت سے لوگ فتنہ میں پڑتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں۔ سو ذاتی اور اخلاقی لیاقت عارف کی یہی ہے کہ ایسے جوشوں کو دبا رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں کے منہ سے ایسے ایسے شطحیات ہرگز نہیں نکلے لیکن ناتمام عارفوں کی مستانہ بکواس سے نادانوں کو بہت نقصان پہنچا اور جس نشہ کی ایک بافراط جوش نے ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکالے تھے اس کی طرف جاہلوں کا خیال نہیں آیا اور اس شک میں پڑ گئے کہ درحقیقت مخلوق خالق کا عین ہے۔ تب ہی تو ایسے ایسے بزرگوار عینیت کا دعوی کرتے ہیں اور بوجہ اپنی جہالت کے ان کو یہ نہ سوجھا کہ یہ سالکین کے لئے ایک درمیانی مقام ہے۔ جس میں محویت عشقی کی ایک آندھی آتی ہے یہاں تک کہ حالت خواب اور

کشف میں بھی اثر کر کے خود اس سالک کو بڑے بڑے دھوکوں میں ڈالتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر الہامات بھی اسی رنگ سے رنگین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ اس عاجز کے پاس اپنی ذاتی تجارب اور خود گزشتہ وارداتوں کا ایک عجیب ذخیرہ ہے کہ اگر اس کو نقل کیا جائے تو پھر یہ خط نہیں رہے گا بلکہ ایک رسالہ بن جائیگا جس کے لئے ابھی فرصت نہیں۔ بہرحال جن پر عنایت ایزدی ہے وہ اس مقام سے آگے نکالے جاتے ہیں اور جن کو شقاوت کا کچھ حصہ ہے وہ اس میں محصور اور اسیر رہتے ہیں۔ اب قصہ کوتاہ بعض نادان صوفیوں نے حدیث اور آیت سے قطع امید کر کے وحدت وجود کے اثبات کے لئے اقوال مشائخ گزشتہ کی طرف نظر کی تو اس کوچہ میں آکر بہت دھوکے انہوں نے کھائے یہاں تک کہ بعض اچھے آدمی بھی اس دھوکے میں پھنس گئے جو اقوال سلف صالحین کے توحید شہودی کے جوش میں نکلے تھے یا بعض اولیاء کے ایسے شطحیات جو متشابہات میں داخل تھے انہیں کو وحدت وجود کی دلیل سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ ایک خطا فاش تھی۔

ہم مکرر لکھتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عشّاق الٰہی کو ان کے سلوک عاشقانہ کی حالت میں یہ امر لابدی اور لازمی اور ان کی راہ میں پڑا ہے کہ وہ ولولہ عشق اور محبت سے مست ہو کر ایسے کلمات زبان پر لاویں جن سے ان کی اور ان کے مولا محبوب کی یگانگت مترشح ہو جیسا کہ عشاق مجازی کے منہ سے بھی اسی طور کے کلمات اکثر نکلا کرتے ہیں اور کوئی ان کو وحدتِ وجود کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ سو ان بزرگوں کے کلمات جابجا توحید شہودی کی خوشبو سے بھرے ہوئے ہیں جو حالت ذوق اور مستی میں ان کے منہ سے نکلے ہیں مگر وحدت وجودی تو عشق اور محبت کے مشرب سے مناسبت نہیں رکھتے بلکہ وہ خود وجودیوں کی نگاہ میں ایک فلسفیانہ راہ ہے جس کے لئے کچھ ضروری نہیں کہ عشق اور محبت بھی ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ کی نسبت جو لایــدرک اور وراء الورٰی ہے ایسا ظاہر کرنا گویا یہ دعوٰی ہے کہ ہم نے اس کی اصل حقیقت معلوم کر لی ہے اور اس کی کُنہ تک پہنچ گئے ہیں۔ حالانکہ کلام الٰہی ایسے ایسے خیالات سے منع فرماتا ہے اور مخلوق اور خالق میں صاف امتیاز قائم کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ۔[1]

---

[1] النَّحل:۱۸

فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ[1] لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ[2] اور قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ذات باری کی یہ صفات قرار دی گئی ہیں کہ وہ مبدأ ہے تمام فیضوں کا اور منبع ہے تمام طاقتوں کا اور مستجمع ہے جمیع کمالات کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور قیوم ہے تمام چیزوں کا اور لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور لایدرک ہے اپنے وجود کی کُنہ میں اور اپنے کاموں کی کُنہ میں۔ وہ نزدیک ہے باوجود دُوری کے اور دور ہے باوجود نزدیکی کے۔ سب کے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے کوئی چیز مماس ہے۔ سب کی جان ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی چیز کا عین حقیقت ہے۔ وہ غیر محدود ہے اور برتر ہے خیال سے اور گمان سے اور قیاس سے نظریں اس پر احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ نظروں پر محیط ہے کوئی بھی ایسی شے نہیں کہ اس کی مانند ہو۔ پس اس کے لئے تم مثالیں مت گھڑو۔

اب حاصل کلام کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے وجود باری کو ایک ایسا برتر وَلَا یُدْرِکُ ومميّز ذات قرار دیا ہے کہ کوئی شے اس کی مثل و مانند نہیں ہوسکتی اور لامحدود کو محدود سے کیا مشابہت اور قوی مطلق کو ضعیف محض سے کیا نسبت۔ سو مخلوق عین خالق کا کیونکر ہو سکے اور خدائی قوتیں کہاں سے لاوے اور وجودیوں کے ہاتھ میں اس مسئلہ کے اثبات کے لئے شرعی یا قانونی یا عقلی کوئی ثبوت بھی نہیں صرف ایک ظن فاسد ہے۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا[3] قَالَ اللّٰہُ تَقَدَّسَ وَتَعَالٰی لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا[4] جن بزرگوں کو اپنے سلوک ناتمام اور کشف خام کی وجہ سے یہ دھوکہ لگا ہے وہ تو ایک وجہ سے معذور بھی تھے۔ اسی وجہ سے ہماری تمام ملامت سے جو اس خط میں ہم نے کی ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔ اور باوجود اس خطا کے ہم ان کو بزرگ ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لطف ومرحمت نے اس غلطی پر انجام کار گو قریب موت ہی ہو۔ ان کو متنبہ کر دیا ہوگا جیسا کہ عین موت کے وقت مجدد سرہندی کے مرشد اس غلطی پر متنبہ کئے گئے اور اپنے آخری وقت میں انہوں نے اس ضلالت کے خیال سے توبہ کی اور لوگوں کو اس توبہ کا گواہ کیا۔ سو ہمارا دل بڑے استحکام سے شہادت دیتا ہے کہ محی الدین ابن العربی صاحب نے

[1] الانبیآء: ۲۳ [2] الشّوریٰ: ۱۲ [3] النّجم: ۲۹ [4] بنی اسرآءیل: ۳۷

بھی اپنے آخری وقت میں توبہ کی ہوگی اور اپنے اقوال مردودہ سے رجوع کرلیا ہوگا۔
تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[۱] وَ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا اٰتَيْنَاكُمْ بِرَحْمَةٍ ...... تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ[۲] وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ☆

(اگست ۱۸۸۸ء)

---

[۱] البقرۃ:۱۳۵ [۲] اٰلِ عمران:۶۲ ☆ (الحکم نمبر ۳۳ جلد ۵ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۵۔۶)

سید مظہر حسین الہ آبادی سے خط وکتابت

جناب مولوی صاحب مجمع کمالات ظاہری و باطنی ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب کارڈ سے آج سرفرازی حاصل ہوئی ۔ کچھ رنج اور کچھ خوشی ہوئی ۔خوشی تو اس لئے کہ آپ کی خیریت سے مطلع ہوا اور رنج اس لئے کہ میرے پہلے عریضہ کے گم ہو جانے سے جواب باصواب نہ پہنچا جس پر مشیت ایزدی میں کسی کو کچھ دخل نہیں کچھ اس میں بہتری ہوگی ۔ پھر اپنا حال لکھتا ہوں اور جواب کے واسطے لفافہ بھی رکھتا ہوں خدا کرے پہنچے اور آپ جواب باصواب سے مطلع فرماویں تاکہ مجھے اپنا پتہ ملے ۔حضرت میری حالت ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے شغل سے اَنَــا مَــجْبُـوْرٌ کی صدا دل گم گشتہ سے سنتا ہوں اور ہمہ اوست کا جلوہ آنکھوں سے دیکھتا ہوں کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت معلوم ہوتی ہے۔ متکلّمین لائے نفی جنس کی خبر ہا محذوف کرتے ہیں اور الٰہ کو بمعنی معبود برحق کے کہتے ہیں ۔ یہ معنے مجھے تاویلی معلوم ہوتے ہیں صوفیاء لائے نفی کی خبر غیر اللہ محذوف کرتے ہیں اور الٰہ بمعنی مطلق معبود کے کہتے ہیں یہ معنی ہمہ اوست کو ثابت کرتے ہیں اور مطابق قرآن اور حدیث معلوم ہوتے ہیں ۔هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ[1] سے بھی ہمہ اوست کی تصدیق ہوتی ہے اور آیت اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[2] بھی اسی کو ثابت کرتی ہے ۔پنجگانہ نماز میں ہم لا الٰــہ غیــرک کہتے ہیں اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[3] پڑھتے ہیں ۔ یہ سب آیتیں اور حدیثیں صاف صاف کہتی ہیں کہ مجبوروں پر احکام تکلیفی صادر ہوتے ہیں غایت درجہ یہ ہے کہ مومنین بجا آوری احکام پر مجبور ہیں اور کفار ومشرکین عدم تعمیل احکام پر مجبور کئے گئے ہیں کسی کو ذرا بھی اختیار نہیں ۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا[4] بھی اسی کا شاہد ہے جب میں بے خودی کے عالم میں ان مطالب و دلائل کو مسلمان سے بیان کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ قرآن اور حدیث پر عقیدہ رکھ کر عمل کرو تو اللہ پاک مقبول کرے گا اور سینہ کھول دے گا۔ متکلمین کی اٹکلیں ہیں اور تاویلیں ہیں ان سے کوئی سچا مومن نہیں ہوسکتا تو مجھے

---

[1] الحدید:۴　[2] ص ٓ:٦　[3] الفاتحۃ:۵　[4] ھود:۵۷

کافرو مجنون و زندیق کہتے ہیں۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور اندھے مسلمانوں پر سخت افسوس کرتا ہوں جب میں بھی مثل ان کے اندھا تھا تو مجھے سچا مسلمان جانتے تھے۔ جب اللہ پاک نے روشنی دی تو مجھے زندیق کہتے ہیں۔ بہرحال میں خوش ہوں اللہ پاک مجھ سے راضی ہے۔ خدا جانے یہ آپ کی دعا کا اثر ہے یا پیر و مرشد برحق کی توجہ کا باعث جو کچھ ہے یہ حالت ہے جو عرض کی۔ اس مرتبہ حضرت مرشد برحق نے بعد سننے حال کے حصنِ حصین پڑھنے اور عمل کرنے کی بھی اجازت فرمادی ہے فقیر پابند ہے آپ کی زیارت کا اشتیاق بھی ترقی پر ہے دیکھئے یہ دولت کب نصیب ہو۔ دعا کیجئے کہ جلدی اس دولت کے حصول کے اسباب مہیا ہوجاویں۔ جواب سے جلدی سرفراز فرماویں کہ یہ حالت اچھی ہے یا بُری۔ (۱۱/اگست ۱۸۸۸ء)☆

مکتوب نمبر۲

جواب

مکرمی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

آپ نے جو کچھ خط میں لکھا ہے اگر خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم قطعی اور یقینی بخشا ہے جس میں شک اور شبہ کو راہ نہیں تو یہ حالت آپ کے لئے اچھی ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر دعویٰ بے دلیل سے بچنا چاہیے۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [1] قرآن شریف کی بعض عبارات ذوالوجوہ (ذوالمعارف) ہیں اور بعض آیات بینات سریع الفہم اور متبادر الفہم۔ آیات جو بینات میں داخل ہیں وہی ہیں جو جابجا خالق اور مخلوق کا فرق کرتی ہیں یہاں تک کہ قرآن سے ثابت ہے کہ یہ ابدی فرق ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ تمام وجود ایسے ہی ہیں کہ گویا کچھ بھی نہیں۔ اور ہر ایک جگہ وہی طاقت عظمیٰ کر رہی ہے مگر جو بظاہر اجسام اور ارواح نظر آرہے ہیں ان کو ہیچ اور کالعدم کہو تو کہو مگر ان کو خدا تو نہیں کہہ سکتے۔ یہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں اور خدائے عزّوجلّ ہیچ اور کالعدم نہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ ۱۶/اگست ۱۸۸۸ء

---

[1] بنی اسرآءیل: ۳۷ ☆ الحکم نمبر ۲۶ جلد ۵ صفحہ ۱۵۔ ۱۷ جولائی ۱۹۰۱ء

سید مظہر حسین صاحب الہ آبادی

جناب مولوی صاحب مخدوم ومکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سرفراز نامہ شرف صدور لایا کاشف مندرجہ مضمون ہوا۔ دفعۃً دیکھنے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آپ مقلد متکلمین ہیں۔لیکن بعد غور کامل کے ایسا دریافت ہوا کہ اگر آپ مقلد متکلمین ہوتے تو میری حالت کو اچھا نہ کہتے اور صاف صاف زندیق وملحد فرما دیتے شاید آپ نے میرا امتحان لیا ہے جو خالق مخلوق کے فرق کی دلیل فرمائی ہے۔فقیران وجودیوں کو گمراہ جانتا ہے جو خالق مخلوق میں فرق نہیں کرتے۔ میرے نزدیک بلکہ محققین کے نزدیک وجود کے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام جداگانہ ہیں۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے وارد گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں انسان تین قسم کے فرمائے ہیں۔فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ[1] میں ان وجودیوں کا معتقد ہوں جو سابق بالخیرات کے زمرہ میں ہیں اور کبھی مقام نہیں کرتے اور رات دن ان کے دل سے رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا[2] کی صدا بلند ہوتی ہے۔اولیاء ی تحت قبائی لایعرفھم غیری ۔ان کی شان میں آیا ہے جو لوگ وحدۃ الوجود ہمہ اوست کے قائل ہیں جہاں تک میری تحقیق ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ خالق مخلوق میں تغائر اعتباری ہے۔نفس الامر میں ایک چیز ہے ایک اعتبار سے اسی چیز کو خالق کہتے ہیں دوسرے اعتبار سے مخلوق۔لیکن یہ بات عقل کے سمجھنے سے پاک ہے۔عقل اس کو ہرگز دریافت نہیں کرسکتی۔عشق کی حالت میں انسان اس کو سمجھ جاتا ہے یعنی جب انسان انانیت کو دور کرے اور فنا کا مقام حاصل کرے اس وقت اس کو کامل یقین ہوجاتا ہے کہ ہمہ اوست ٹھیک ہے۔ان کا قول ہے اللہ محسوس والخلق معقول اور یہ مرتبہ کامل یقین کا ہرگز اس شخص کو نہیں حاصل ہوتا جو اتباع سنت میں ناقص ہے۔البتہ یہ بات ہر شخص کو عقل سلیم سے دریافت ہوجاتی ہے جو قرآن وحدیث کے مطالب پر غور کرے کہ اللہ پاک نے ہمہ اوست کے اعتقاد کو سب احکام پر

---

[1] الفاطر:۳۳ [2] طٰہٰ:۱۱۵

مقدم رکھا ہے چاہے سمجھ میں نہ آوے اس کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔اور اس اعتقاد کے صحیح ہونے پر جابجا قرآن میں اور حدیثوں میں دلائل فرمائے ہیں۔منجملہ ان آیات کے جن سے ہمہ اوست ثابت ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے جس کی صحت کی دلیل لَوْکَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا[1] ہے۔اب اس کا ثبوت چاہیے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے ہمہ اوست کیسے ثابت ہے سو اس کے بہت دلائل ہیں منجملہ ان دلیلوں کے ایک دلیل یہ ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ صاحب کشاف نے شان نزول آیت اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا کی یہ لکھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی و رسول ہونے کا اعلان کیا اور چند لوگ مثل ابوبکر صدیق وحمزہ وعلی وعمر وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین ایمان لائے اور آنحضرت نے بتوں کو ناپاک فرمایا تو کفار قریش نے مسلمانوں کو تکلیف دینا شروع کیا۔ایک روز صنادید قریش ابوطالب کے پاس آئے اور کہا تم سردار ہو اپنے برادرزادہ **محمد** کو سمجھادو (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہے ہم ان کو اور ان کے ساتھیوں کو تکلیف دیں گے۔ابوطالب نے آنحضرت کو طلب کیا اور کہا یہ تمھاری قوم تم سے کچھ درخواست کرتی ہے امید ہے کہ تم قبول کرو گے آنحضرت قوم کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔انہوں نے کہا آپ نے فرمایا کہ تم میرا ایک کلمہ مان لو تو میں بھی تمہاری بات مان لوں گا۔انہوں نے کہا ہم مان لیں گے آپ نے فرمایا **قولوا لا الہ الا اللّٰہ** پس وہ لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے متحیر اور متعجب ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[2] پس یہ بات سب پر روشن ہے کہ رسول عربی ہیں اور وہ لوگ بھی اہل عرب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برادری تھی وہ ان کی کلام کا مطلب سمجھتے تھے پس جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے نہ ماننے کی وجہ انہوں نے یہ کیا اللہ کثیرہ کا الہٰ واحد گردانا تعجب کی بات ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی یہی ہیں یعنی کئی معبودوں کو ایک گردانا۔اور ظاہر ہے کہ تعجب اسی چیز پر ہوتا ہے کہ جس کا بھید مخفی ہو اور عقل میں نہ آوے اور جعل سے جعل فعلی مراد نہیں ہوسکتی جعل عقلی مراد ہے اور یہی معنے ہمہ اوست کے ہیں۔کہ جو چیزیں

---

[1] الانبیآء:۲۳ [2] صٓ:۶

بچشم ظاہر کثیر معلوم ہوتی ہیں وہ بچشم باطن ایک مانی جاویں اور دیکھی جاویں یہ معنے جب ہی صحیح ہو سکتے ہیں کہ اللہ بمعنی مطلق معبود کے جیسا کہ لغت سے ثابت ہے اور قرآن کی جا بجا آیتوں سے ثابت ہے کہا جاوے اور مانا جاوے اور خبر لا کی غیر اللہ محذوف کی جاوے۔ پس معنے یہ ہوں گے کہ نہیں ہے کوئی معبود باطل یا مستحق العبادت غیر اللہ کے مگر اللہ ہی ہے۔ پس جب کوئی غیر اللہ نہیں ہے تو عین اللہ ہے ورنہ ارتفاع نقیضین محال آوے گا اور معبودان کفار ممکنات ہیں جب وہ غیر اللہ نہ ہوئے تو جملہ ممکنات غیر معبودان بھی غیر اللہ نہ ہوئے۔ کیونکہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ بعض ممکنات عین اللہ ہوں اور بعض غیر اللہ انتہٰی تقریرہ پس علم یقینی اور قطعی سے آپ کی یہ مراد ہے کہ دلائل حقہ سے یقین ہو گیا ہو تو بے شک اللہ پاک نے مجھے یقین عنایت کیا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ فنا کا مقام حاصل ہونے سے جو علم ہوتا ہے جس کو الہام کہتے ہیں تو یہ مرتبہ ابھی تک نہیں حاصل ہوا۔ اس کی طلب سے اللہ پاک نے آپ کو صاحب الہام کیا ہے جیسا کہ آپ اپنی کتاب میں اعلان دے چکے ہیں۔ اگر آپ کو الہام کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاوے کہ مجھے یہ مرتبہ آپ کی حضور میں حاصل ہو سکتا ہے تو برائے خدا مجھے طلب فرمائے۔ دیانند کو جو ایک کافر تھا آپ نے ضروری اخراجات دینے کا وعدہ لکھا تھا میں آپ سے کچھ روپیہ پیسہ نہیں لینا چاہتا اور مسلمان ہوں وہ اپنی شقاوتِ ازلی کے سبب محروم رہا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا۔ جواب باصواب سے سرفراز فرمائے۔ ۱۹؍ اگست ۱۸۸۸ء

مکتوب نمبر ۳

جواب

مکرمی اخوی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا مجھ کو بباعث شدت کم فرصتی زیادہ گفتگو کی فرصت نہیں۔ میں ہرگز سمجھ نہیں سکتا کہ مخلوق باوجود اپنے ضعف و ناتوانی وجہل و نادانی و حیرت و سرگردانی اور ہر ایک قسم کے نقصان کے اور عیب کے کہ جو اس کی فطرت کو لگی ہوئی ہیں۔ کیونکہ دراصل اپنی ماہیت میں عین خالق ہو سکتا ہے اگر انسان عین خالق ہوتا تو الوہیت کی تمام صفات بلاشبہ اس میں پائی جاتیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دنیا میں آکر بہت سے غم وہم اٹھاتا ہے اور بہت کچھ اپنے نفس کیلئے چاہتا ہے مگر ملتا نہیں۔ بارہا اپنے مطالب سے ناکام اور نامراد رہتا ہے اگر اس کو خدائی میں کچھ حصہ ہوتا تو یہ عجز اور نامرادی کی حالتیں کیوں اس کو پیش آتیں۔ انسان کی مخلوقیت تو ایک یقینی امر ہے جس کے لوازم ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور جس کا خمیازہ ہر ایک شخص اُٹھا رہا ہے مگر اس کے خالق ہونے کی علامات کہاں ہیں۔ انسان کیسے کیسے لاعلاج مصیبتوں اور دردوں اور دکھوں میں پڑتا ہے اور فاقہ اور محتاجی میں کباب ہوتا اور جلتا ہے۔ اور پھر ہر ایک قسم کی معصیت اور کبائر اور صغائر میں بھی مبتلا ہوتا ہے اب کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ یہ تمام نقصان خداتعالیٰ پر عائد ہو سکتے ہیں۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا [1] آپ کا یہ قول کہ آیات قرآنیہ سے ہم کو یہ یقین حاصل ہے نہایت تعجب کی جگہ ہے قرآن شریف میں متشابہات بھی ہیں اور بینات بھی اور بلاشبہ بینات قرآنی آپ کے اس مطلب کے مخالف ہیں اور اگر بفرض محال قرآن شریف میں بتصریح لکھا ہوتا کہ تم سب خدا ہو تب بھی اس کی کوئی تاویل کرنی پڑتی۔ کیونکہ ہم بخوبی جانتے اور یقین رکھتے ہیں کہ ہم نہایت عاجز اور ذلیل ہیں کسی طرح خدا نہیں بن سکتے اور ہمارے اس یقین کو تاویلات رکیکہ اُٹھا نہیں سکتیں۔ لوہے کو لوہا توڑ سکتا ہے نہ خس و خاشاک۔ جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ آخر نہایت ذلیل ہو کر مرے ہیں۔ غرض خدا بننے کے لئے اپنی خدائی کا کچھ ثبوت بھی تو دینا چاہیے ورنہ دعویٰ بلادلیل صرف ایک معصیت ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیے۔☆

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

۲۳؍ اگست ۱۸۹۸ء

---

[1] بنی اسرآءیل: ۳۷ ☆ الحکم نمبر ۲۶ جلد ۵ صفحہ ۱۵۔ مورخہ ۱۷؍ جولائی ۱۹۰۱ء